شان رسالت واہل بیت میں

ابن تیمیہ کی گستاخیاں

تالیف

ڈاکٹر سید محمود سید صبیح

ترجمہ، تعلیق وتحقیق

علامہ محمد ناظم علی رضوی مصباحی

مرکز أهل السنة برکات رضا

امام احمد رضا روڈ، میمن واڈ، پور بندر، گجرات (انڈیا)

شان رسالت واہل بیت اطہار میں

ابن تیمیہ کی گستاخیاں

ترجمہ:

أخطاء ابن تیمیة في حق رسول الله ﷺ و أهل بیته

تالیف

ڈاکٹر محمود سید صبیح

پروفیسر: الازہر یونیورسٹی، قاہرہ، مصر

ترجمہ، تحقیق، تعلیق

علامہ ناظم علی رضوی مصباحی

استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، (یوپی، انڈیا)

ناشر

مرکز اہل سنت برکات رضا

امام احمد رضا روڈ، میمن واڈ، پور بندر، گجرات (انڈیا)

نام کتاب	شان رسالت واہل بیت اطہار میں ابن تیمیہ کی گستاخیاں
	ترجمہ: اخطاء ابن تیمیہ فی حق رسول اللہ ﷺ واہل بیتہ۔
مصنف	ڈاکٹر محمود سید صبیح
	(پروفیسر: الازہر یونیورسٹی، قاہرہ، مصر)
مترجم و محقق	علامہ محمد ناظم علی مصباحی
	(استاذ: جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی)
باہتمام	مناظر اہل سنت، علامہ عبد الستار ہمدانی، مصروف
سال اشاعت	ذوالحجہ ۱۴۳۲ھ ــــ نومبر ۲۰۱۱ء
ناشر	مرکز اہل سنت برکات رضا، امام احمد رضا روڈ، میمن واڈ، پوربندر، گجرات
	فون: 220886 286 91 موبائیل: 9824277786
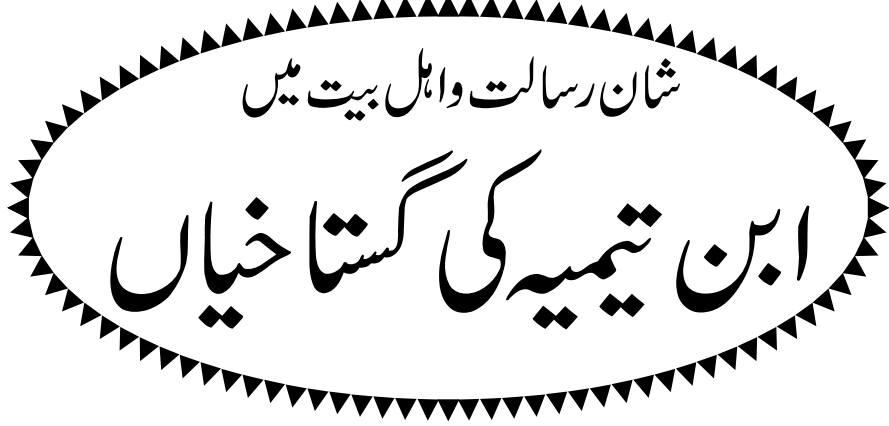
ترجمہ

أخطاء ابن تيمية

فی حق رسول الله ﷺ و أهل بيته

تالیف

ڈاکٹر سید محمود سید صبیح

(پروفیسر: الازہر یونیورسٹی، قاہرہ، مصر)

ترجمہ، تعلیق وتحقیق

علامہ محمد ناظم علی رضوی مصباحی

استاذ: جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، (یوپی، انڈیا)

ناشر

مرکز اہل سنت برکات رضا

امام احمد رضا روڈ، میمن واڑ، پور بندر، گجرات (انڈیا)

نام کتاب : شان رسالت واہل بیت میں ابن تیمیہ کی گستاخیاں

ترجمہ: أخطاء ابن تيمية في حق رسول الله ﷺ و أهل بيته)

مصنف : ڈاکٹر سید محمود سید صبیح (پروفیسر: الازہر یونیورسٹی، قاہرہ، مصر)

مترجم و محقق : علامہ محمد ناظم علی رضوی مصباحی (استاذ: جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی، انڈیا)

پروف ریڈنگ : مولانا محمد جاوید احمد مصباحی

نظر ثانی : ارشد علی جیلانی مالکی (مرکز اہل سنت برکات رضا، پور بندر)

باہتمام : علامہ عبدالستار ہمدانی، مصروفؔ، برکاتی، نوری

سن اشاعت : ۱۴۳۳ھ/ ۲۰۱۱ء

ناشر: مرکز اہل سنت برکات رضا، امام احمد رضا روڈ، میمن واڈ، پور بندر، گجرات (انڈیا)

Published by :

Markaz-e- Ahle Sunnat

BARKAT -E- RAZA

Imam Ahmed Raza Road, Memon wad,

PORBANDAR Gujarat (India)

Phone : +91- 286- 2220886

Fax : +91 - 286- 2222039

Cell : +91- 9879377786

E-mail : hamdani78692@Gmail.com

عرض ناشر

(از: مناظر اہل سنت، ماہر رضویات، علامہ عبدالستار ہمدانی ''مصروف'' برکاتی، نوری)

فرقۂ وہابیہ جو کہ بزعم خویش توحید خالص کا دعویدار اور شرک و بدعت کا منکر ہے، اپنے تمام مکر وفریب سے بھر پور دعووں کے برخلاف ایک شرط اور آئین کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ بلکہ ایک قسم کا شخصیت پرست، بدعات ومنکرات کا مؤید، مضحکہ خیز اعتقادات کا حامل، اور امت مسلمہ کی وحدت کو تتر بتر کرنے کا ایک سوچا سمجھا مشن ہے۔ جو براہ راست حکومت برطانیہ کے حکم کے مطابق محمد بن عبدالوہاب نجدی کے ذریعہ ظاہر ہوا ہے۔

آج عالمی استعمار کا مسلمانوں کے خلاف کامیاب ترین حربہ بن چکا ہے اور عملی طور پر اس فرقے کی ظاہر پرست تعلیم، اتحاد امت میں مانع ہے، اس فرقہ کے وجود میں آنے سے اس قدر عظیم نقصان کا سامنا ہوا کہ ایک ادنیٰ فہم رکھنے والا شخص بھی جس کا ادراک کر سکتا ہے جس وقت تمام عالم اسلام اپنے اتحاد کی شدید ضرورت کو محسوس کر رہا ہے، اس فرقہ کے ذریعہ اس میں نفرت وعداوت کا بیج بویا گیا، شرک و بدعت کے جھوٹے دعوے کے ذریعہ ایک دوسرے کو جدا کر دگیا۔

آج مسلمان ایسی گمراہ جماعت کے ہاتھوں مبتلائے امتحان ہیں جو کتاب وسنت کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتی ہے اور انھیں دونوں سے استنباط کا دعویٰ بھی، اور چاہے جو شخص بھی اس کی مخالفت کرے اس سے انھیں کوئی سروکار نہیں، وہ اپنے مخالفین کو کافر جانتی ہے جب کہ اس کے اندر اجتہاد کی کسی علامت کا وجود نہیں۔ یہ لوگ صرف اپنی جماعت کو موحد جانتے ہیں، مقلدین کے سخت دشمن اور ائمہ اربعہ حضرت امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مقدس شان میں گستاخیاں کرتے ہیں، اپنے آپ کو اہل حدیث یا عامل بالحدیث کہتے ہیں۔ آغاز میں تو یہ لوگ اپنے آپ کو فخریہ طور پر وہابی کہتے تھے جیسا کہ ان کی کتابوں میں بھی مذکور ہے۔ مگر اب وہابی نام سے چڑھتے ہیں، ان کے عقائد واعمال نہایت گندے، اسلام اور مسلمانوں کے دامن پر بدنما داغ ہیں۔

بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ ان کا یہ نام بھی صحیح نہیں دنیا کا کوئی شخص بھی اہل حدیث یا عامل بالحدیث صحیح معنی میں ہو ہی نہیں سکتا ہے۔ کیوں کہ حدیث کے دو معنی ہیں لغوی اور اصطلاحی۔ لغوی معنیٰ میں حدیث کا مطلب بات چیت، کلام یا گفتگو ہے۔ جیسا کہ قرآن عظیم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ﴾ [الاعراف :١٨٥] (تو اس کے بعد اور کونسی بات پر یقین لائیں گے۔)[کنز الایمان] اور ارشاد باری ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ [لقمان :٦] (اور کچھ لوگ کھیل کی بات خریدتے ہیں کہ اللہ کی راہ سے بہکا دیں)[کنز الایمان] نیز قرآن کا ارشاد ہے: ﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيْثِ.﴾ [الزمر :٢٣] (اللہ نے اتاری سب سے اچھی کتاب)[کنز الایمان]

ان تینوں آیتوں میں حدیث کا معنی بات، کلام، گفتگو وغیرہ کے ہیں۔ مگر اصطلاحی معنی میں حدیث نبی اکرم ﷺ کے اقوال وافعال اور تقریر کو کہتے ہیں۔ اب میں عامل بالحدیث کے دعویداروں سے پوچھتا ہوں کہ تم کونسی حدیث پر عامل ہو، لغوی پر یا اصطلاحی پر؟ اگر لغوی حدیث ہو، پھر تو ہر ناول وقصہ گو، اور بات کرنے والا اہل حدیث ہوا۔ اور اگر اصطلاحی حدیث پر عمل کرتے ہو تو پھر سوال یہ ہوگا کہ بعض حدیث پر عامل ہو یا کل پر۔ اگر بعض پر عمل کرتے ہو تو پھر اس میں تمھاری ہی کیا تخصیص؟ کیوں کہ حضور اقدس ﷺ کے کسی نہ کسی قول و فعل پر ہر شخص عمل پیرا ہے، پھر تو سب کے سب اہل حدیث ہوگئے تو اب حنفیوں، شافعیوں، مالکیوں اور حنبلیوں کو بھی اہل حدیث کیوں نہیں مانتے۔ اور اگر کل حدیث پر عمل کے مدعی ہو تو نبی کریم ﷺ کی تمام احادیث پر عمل ناممکن ہے کیوں کہ حضور کی بعض حدیثیں منسوخ، بعض احادیث صرف نبی کریم ﷺ کے لیے خاص اور بعض حدیثوں میں نبی اکرم ﷺ کے وہ خصوصی اعمال شریفہ مذکور ہیں جو آپ ﷺ کے لیے تو مباح، واجب اور فرض تھے مگر ہمارے لیے حرام۔ بلکہ حدیث میں وارد ہے کہ حضور اقدس ﷺ کلمہ اس طرح پڑھتے تھے لا إله إلا اللّٰه و إني رسول اللّٰه (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں)[مسلم شریف] اب یہ حدیث کے دعویدار اس حدیث پر عمل کر کے دکھا دیں باجماع امت دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائیں گے۔ غرضیکہ حدیث میں حضور اقدس ﷺ کے بعض ایسے اقوال و

اعمال اور افعال ہیں جو آپ ﷺ کے لیے کمال ہیں اور ہمارے لیے کفر۔ بہر حال جو اس معنی سے اپنے آپ کو اہل حدیث یا عامل بالحدیث کہے وہ غلطی پر ہے، جب نام ہی باطل ہوا تو کام بھی سارے باطل ٹھہرے۔ اسی لیے حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: **علیکم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدین.** (میری اور خلفائے راشدین کی سنتوں کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔)[المستدرک للحاکم، ۱/۱۷۷، حدیث نمبر ۳۳۳] آپ ﷺ نے یہ نہ فرمایا: **علیکم بحدیثي** کہ میری حدیث کو لازم پکڑو کیوں کہ ہر حدیث لائق عمل نہیں، ہر سنت لائق عمل ہے۔ حضور کے وہ اعمال طیبہ مقدسہ جو منسوخ نہ ہوں، حضور اقدس ﷺ کے لیے خاص بھی نہ ہوں بلکہ امت کے لیے لائق عمل ہو، انھیں سنت کہا جاتا ہے۔ لہٰذا ہم اہل سنت و جماعت بالکل حق و درست ہیں۔ کہ ہم بفضلہٖ تعالیٰ حضور اقدس کی ہر سنت پر عمل پیرا ہیں۔

اہل حدیث اور وہابیت کی اصل و بنیاد محمد بن عبدالوہاب نجدی ہے جو نجد کے علاقہ درعیہ سے تعلق رکھتا تھا، اپنے ہم عصر میں ذہانت و فطانت سے مشہور تھا اور چالاکی و فریب کاری اس کی فطرت تھی، اس میں سخاوت و فیاضی بھی خوب تھی۔ اپنے تابعین اور مددگاروں میں خوب خرچ کرتا تھا۔ اپنے ہی وطن میں تھوڑی عربی زبان و ادب اور فقہ و حدیث کی تعلیم حاصل کی، اس شخص کو اگر چہ اجتہاد سے کہیں دور کا واسطہ بھی نہیں تھا، پھر بھی وہ ہر مسئلہ میں ایک مسلم الثبوت مجتہد کی طرح دخل اندازی کرتا رہتا تھا اور اسے اسلاف یا اپنے ہم عصر مجتہدین کے اقوال اور نظریات کی کوئی پرواہ نہ تھی۔

۱۱۴۳ھ میں محمد بن عبدالوہاب نے اپنے نئے مذہب کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنا شروع کیا، تو سب سے پہلے اس کے والد، بھائی اور دیگر اساتذہ و مشائخ ہی اس کے گمراہ کن افکار، اور بدعات و منکرات پر مشتمل نظریات کے مقابلہ کھڑے ہوئے اور اس کی تمام باتوں کا رد بلیغ فرماتے رہے۔ اسی وجہ سے اسے اس وقت کوئی خاطر خواہ کامیابی نہ ملی۔ یہاں تک کہ جب اس کے والد کا انتقال ہوا، تو دوبارہ سادہ لوح عوام کے درمیان اپنے باطل افکار و خیالات کی ترویج و اشاعت کرنے لگا۔ (تلخیص: الصواعق الالٰہیہ فی الرد علی الوہابیہ، ص ۷)

اپنی ذاتی رائے کے مطابق جو بھی اس کو اچھا لگتا تھا وہی کہتا تھا اور اس پر لوگوں کو عمل کرنے کی دعوت دیتا تھا۔ اس کی اپنی ذاتی رائے تھی کہ اس کے متبعین کے علاوہ تمام حضرات یہودیوں وعیسائیوں کی طرح مشرک اور کافر ہیں اور سب ہی کو بت پرستوں کے زمرے میں شمار کرتا تھا اور اپنی اس باطل رائے پر یہ دلیل پیش کرتا تھا کہ مسلمان حضرت رسول اکرم ﷺ، بزرگان دین اور اولیائے کرام کی مقدس بارگاہوں سے توسل کرتے ہیں، اور یہ قبر میں سونے والے مردوں سے توسل ہے، مسلمانوں کی اس نیازمندی کے بارے میں کہتا کہ یہ لوگ ان کی قبروں کے سامنے سجدہ کرتے ہیں، ان کے آستانوں پر جبین نیاز خم کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت میں یہ بت پرستی اور بتوں کی عبادت ہے کہ اگر بتوں کی تصویر یا خود بت یا اس کی مخصوص شکل کو خدا نہ سمجھیں بلکہ یہ کہیں کہ یہ ہمارا قبلہ ہے اور فقط، اس کے واسطے سے اپنی حاجتوں کو خدا کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں، جیسا کہ یہودی اور عیسائی کلیساؤں اور اپنی عبادت گاہوں میں حضرت موسیٰ ﷺ اور حضرت عیسیٰ ﷺ کی تصویر نصب کر کے خدا کی بارگاہ میں اپنا شفیع قرار دیتے ہیں۔ جب کہ خدا کی عبادت یہ ہے کہ ذات اقدس کے لئے عبادت کریں اور سجدہ ریز ہوں اور کسی کو خداوند عالم کا شریک قرار نہ دیں۔ (تلخیص: وہابیت، تجزیہ وتحلیل، ص:۱۰۸)

گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کے بعض متبعین نے اس کی پیروی کی اور اس طرح نجد کے دیہاتی علاقوں میں مشہور ہو گیا۔ وہ ہمیشہ حضرت رسول اکرم ﷺ کے روضہ کے گنبد کو منہدم کرنے سے متعلق موضوع کو ورد زبان رکھتا تھا اور اس کو اپنا نصب العین اور اپنے منحوس مقاصد کی کامیابی میں رکاوٹ سمجھتا تھا، وہ ہمیشہ اسی کوشش میں لگا رہتا تھا کہ اگر قدرت وطاقت حاصل ہو جائے تو سب روضوں کو تباہ و برباد کر کے، ان مقدس آستانوں کا نام ونشان تک مٹا دے لیکن موت نے اسے مہلت نہ دی اور وہ مر گیا۔

محمد بن عبدالوہاب نجدی ساتویں صدی ہجری کا ایک حنبلی عالم ابن تیمیہ کے عقائد وافکار سے متاثر تھا اور زیادہ تر نظریات میں اس کی پیروی کرتا تھا۔ اس کے تمام افکار وخیالات ابن تیمیہ کے عقائد کے عین مطابق تھے۔

ابن تیمیہ ۶۶۱ھ میں دمشق کے قریب ''حران'' گاؤں میں پیدا ہوا، جب چھ سال کی عمر ہوئی تو اپنے والد

کے ساتھ دمشق منتقل ہو گیا، پھر وہیں اس کی تعلیم وتربیت ہوئی، عربی زبان وادب، فقہ واصول فقہ، اور حدیث پر ایک حد تک دسترس حاصل کرنے کے بعد اپنے آپ کو مجتہد مطلق سمجھ بیٹھا۔

اس شخص نے اصول وعقائد میں اجتہاد کیا اور اللہ تعالیٰ کے لیے تجسیم اور حرکات وسکنات، جہت وسمت اور اعضا وجوارح کا قائل ہو گیا، قرآن وحدیث کے غلط معنی سمجھ کر خود گمراہ ہوا اور بہتوں کو گمراہ کیا، قبرانور رسید عالم ﷺ کی زیارت، توسل، نیاز، فاتحہ، قیام ومیلاد، کو بدعت وشرک کہا، انبیاء کرام کی شان میں توہین آمیز کلمات بکے، اور اہل بیت اطہار کی مقدس بارگاہوں میں اول فول بکتا رہا۔ اس وقت کے علماء ومفتیان کرام نے اسے گمراہ اور گمراہ گر قرار دیا۔

اس لیے اس بات کی شدید ضرورت تھی کہ ابن تیمیہ کے اقوال عوام الناس کے سامنے پیش کیے جائیں تاکہ سادہ لوح عوام ان نام نہاد اہل حدیث کے دام فریب میں مبتلا نہ ہوں، سلف وخلف میں بے شمار علماء نے ابن تیمیہ کے رد میں کتابیں لکھیں، انھیں میں یہ کتاب ''**اخطاء ابن تیمیہ**'' ہے۔ جسے الازہر یونیورسٹی کے ایک فاضل جلیل، عالم نبیل **ڈاکٹر محمود سید الصبیح** نے تالیف فرمایا۔ مؤلف نے اپنے موضوع کے ساتھ انصاف کیا ہے اور غیر مقلدین کے زیغ وضلال کی نشان دہی کرتے ہوئے ان کی تلبیس وتزویر کا پردہ چاک کیا۔ مولف موصوف نے کتاب میں ابن تیمیہ کی ان باتوں کو بطور خاص جمع کیا ہے، جو اس نے نبی اکرم ﷺ، اہل بیت اطہار، نیز صحابہ کرام کی شان میں گستاخانہ، اور تمسخر آمیز انداز بیان میں اپنی کتابوں اور فتاویٰ میں کیں ہے۔ انھیں درج کرنے کے بعد آپ نے تمام اتہامات واکاذیب کا جواب کتاب وسنت کی روشنی میں عقلی ونقلی اعتبار سے مدلل اور بہت سادہ اور عام فہم انداز میں پیش کیا ہے۔

یہ کتاب چونکہ عربی زبان میں تھی جس سے صرف علماء اور طالبان علوم نبویہ ہی استفادہ کر سکتے تھے، اردو داں طبقہ میں ہمارے اس پیغام کو پہنچانے کے لیئے جامعہ اشرفیہ کے ایک فاضل استاذ **حضرت علامہ ناظم علی مصباحی** صاحب نے اردو میں ترجمہ فرما کر اس کا نام ''**ابن تیمیہ کی گستاخیاں**'' رکھا۔ مترجم کا سیال قلم، خوب

صورت انداز تحریر اور بہترین انداز ترتیب اس میں مزید جاذبیت اور کشش پیدا کر رہا ہے۔امام عشق ومحبت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محقق بریلوی علیہ الرحمہ کی کتب میں مذکور مستند حوالہ جات اور مثالوں کا اقتباس اس کی اثر افرینی میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں، جس سے بات کو سمجھنا انتہائی آسان ہوگیا ہے۔علمی اور دقیق مسائل سے پر اس کتاب کو ایسی دل کش اور جاذب نظر تحریر میں منتقل کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا مگر مترجم موصوف نے بڑی عرق ریزی اور جاں سوزی کے ساتھ اس کا ترجمہ کیا، جو ایک علمی، تحقیقی اور بنیادی نوعیت کا کارنامہ ہے جس کی جتنی پذیرائی کی جائے کم ہے۔

حضرت علامہ ناظم علی مصباحی کی اس مخلصانہ کاوش بنام ''ابن تیمیہ کی گستاخیاں'' ہم قارئین کے ہاتھوں میں دیتے ہوئے نہایت سرور وانبساط محسوس کر رہے ہیں۔اور **مرکز اہل سنت برکات رضا** کی جانب سے انھیں صدہا مبارک باد پیش کرتے ہیں۔اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو قبول فرما کر کتاب کو مقبول عام بنائے۔آمین۔

بتاریخ
یکم ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ
مطابق: ۲۹ اکتوبر ۲۰۱۱ء
بروز: شنبہ

خانقاہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ شریف
اور خانقاہ قادریہ بریلی شریف کا
ادنیٰ سوالی
عبدالستار ہمدانی ''مصروف'' برکاتی، نوری
پور بندر، گجرات

کلمات عالیہ

از: نبیرۂ اعلیٰ حضرت، تاج الشریعہ، حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری، دام ظلہ

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

نحمده ونصلي على رسوله الكريم وآله وصحبه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

فاضل گرامی حضرت مولانا ناظم علی صاحب قادری رضوی زید مجدہ کی تازہ تصنیف ''أخطاء ابن تیمیہ'' کے ترجمہ کے چند ابتدائی صفحات پڑھوا کر میں نے عزیز سعید عاشق حسین قادری رضوی سے سنے۔ ترجمے کا انداز بہت دلنشیں ہے، ترجمہ بہت با محاورہ ہے، طرز نگارش سے صاف ظاہر ہے کہ فاضل گرامی نے ترجمے میں دقت نظر اور عرق ریزی سے کام لیا ہے، کسی کتاب کا ترجمہ کر دینا آسان کام نہیں ہے اس کی صعوبتوں سے وہی واقف ہے جس کو اس سے کام پڑتا ہے، بفضلہٖ تعالیٰ فقیر نے بھی اعلی حضرت عظیم البرکت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بعض کتابوں کا ترجمہ اردو میں کیا اور بعض دیگر کی تعریب کی۔

اس سلسلے میں جو دشواریاں پیش آئیں اس کا اندازہ مجھی کو ہے، توفیق خداوندی اور اعانت سرکار اور فیوض بزرگان دین میرے اس کام میں اگر مساعد نہ ہوتے تو مجھ سے یہ کام نہ بن پڑتا، اس سلسلے میں جن احباب نے میری حوصلہ افزائی فرمائی ان میں فاضل موصوف سرفہرست ہیں، میری فرمائش کے بغیر انھوں نے میرے تراجم پر با وقعت تقدیم وتقریظ لکھی، اللہ تعالیٰ ان تمام احباب کو اور فاضل گرامی کو جزائے خیر دے اور ان کی اس تصنیف کو قبول نظر اور اصابت فکر بیش از بیش عطا فرمائے۔

وصلى اللّٰه تعالىٰ على سيدنا محمد وآله وصحبه وبارك وسلم.

قال بفضلہٖ وأمر برقمہ

فقیر **محمد اختر رضا** قادری ازہری غفرلہ

مترجم ایک نظر میں

نام : محمد ناظم علی مصباحی

والد گرامی : جناب محمد حلیم صاحب

پتہ : ڈڑوا، پوسٹ، جنگا بازار، تھانہ منکاپور، ضلع گونڈہ۔

ولادت : ۹؍جنوری ۱۹۶۹ء

تحصیل علم :

- ابتدائی تعلیم: جب ذرا شعور بیدار ہوا تو رسم بسم اللہ خوانی شریف والد ماجد نے گھر پر ہی کرائی، پھر مکتب کی تعلیم کے لیے گھر کے قریب ہی مدرسہ میں منشی عبد الرحمٰن صاحب سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پھر مزید تعلیم کے لیے مندرجہ ذیل درس گاہوں سے استفادہ کیا۔
- مدرسہ اشرفیہ مظہر العلوم، متصل مسجد چوک، و مدرستہ یتیم خانہ صفویہ، کرنیل گنج، گونڈہ: حفظ قرآن مجید اور تجوید و قرأت۔
- دار العلوم اہل سنت فیض الرسول، براؤں شریف: ابتدائی درس نظامی۔
- مدرسہ معراج العلوم، بھدوکرا بازار، بستی: عربی، فارسی، منطق، فلسفہ اور دیگر اصولیات کی تعلیم۔
- دار العلوم اہل سنت انوار الرضا، گوراچوکی، گونڈہ، حدیث، اصول حدیث فقہ، اصول فقہ، اور تفسیر، منطق و فلسفہ زبان و ادب کی تکمیل۔
- دار العلوم اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ، سے ۱؍جمادی الآخری ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۹۹۱ء میں عرس حافظ ملت کے حسین موقع پر اساطین ملت کے مقدس ہاتھوں سر پر دستار فضیلت سجائی گئی۔

تدریس :

- مدرسہ الجامعۃ الاحمدیہ، جمالی پورہ، قنوج، تقریباً ایک سال۔
- مدرسہ صدر العلوم، متصل ریلوے مسجد، بڑگاؤں، گونڈہ، تقریباً تین سال
- دار العلوم اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، ۱۹۹۶ء سے تا حال

بیعت و ارادت :

- شہزادۂ شعیب الاولیا، حضرت مولانا صوفی محمد صدیق شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کو شرف بیعت حاصل ہے۔

اجازت و خلافت :

- صدر العلما حضرت علامہ تحسین رضا خاں صاحب قبلہ علیہ الرحمہ محدث بریلوی۔
- تاج الشریعہ، حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری، ازہری دام ظلہ العالی
- محدث کبیر، حضرت علامہ ضیا المصطفیٰ صاحب قبلہ دام فضلہ الکریم
- فاتح بلگرام، سید محمد صاحب

اجازت قرآن کریم: شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی علیہ الرحمہ

اجازت حدیث وفقہ:

- محدث بریلوی حضرت علامہ تحسین رضا خاں صاحب قبلہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
- تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں صاحب قبلہ قادری مدظلہ
- محدث کبیر، حضرت علامہ ضیاء المصطفی قادری امجدی صاحب قبلہ مدظلہ

تصنیفات و مقالات :

آپ کی قلمی خدمات حسب ذیل ہیں:

- أصحابی کالنجوم بأیهم اقتدیتم اهتدیتم حدیث مقبول لا موضوع (عربی)، غیر مطبوع۔
- الإمام حمد رضا و نبوغه فی العلوم الجدیدة (عربی)، غیر مطبوع۔

- حافظ الملة ونبوغه فی العلوم والفنون (عربی)، غیر مطبوع۔
- الإمام احمد رضا و نبوغه فی العلوم الحديث (عربی)، یہ رسالہ الهاد الكاف فی حكم الضعاف از: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔
- الاستمداد بالأنبياء والأولياء (عربی)، (مطبوع)
- سیدنا المفتی الأعظم فی ضوء فتاواه (عربی)، غیر مطبوع۔
- اسلام کا نظریہ تعدد ازدواج (اردو)، غیر مطبوع۔
- اسلام اور تعلیم نسواں (اردو)، ماہنامہ جامعہ، رونا ہی سے شائع ہوا۔
- فن اسماء رجال میں مفتی اعظم کی مہارت (اردو)، یہ مقالہ جہان مفتی اعظم ہند میں شائع ہو چکا ہے۔
- مسلک حنفی کا اثبات (اردو)، یہ مقالہ شارح بخاری نمبر میں شائع ہو چکا ہے۔

تراجم و تقدیمات، حواشی و دیگر متعلقات :

- شان رسالت واہل بیت میں ابن تیمیہ کی گستاخیاں۔ (ترجمہ أخطا ابن تیمیه فی حق رسول الله ﷺ و أهل بيته)
- تدوين الفقه و كتب الفقه الحنفی (یہ مختصر القدوری کے ساتھ منسلک ہے اور یہ کتاب مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے شائع ہو چکی ہے)۔
- ترجمة المحقق العلامة السيد الشريف الجرجانی صاحب حاشية القطبی (میر قطبی کے ساتھ منسلک ہے اور یہ کتاب بھی مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے شائع ہو چکی ہے)۔
- امام احمد رضا اور علم کلام میں مہارت۔ یہ المعتقد المنتقد پر مقدمہ ہے (یہ کتاب جامعة الرضا بریلی سے شائع ہو چکی ہے)۔
- مآثر الکرام اور علامہ آزاد بلگرامی، مقدمه مآثر الكرام فی تاريخ بلگرام (یہ کتاب

بھی جامعۃ الرضا بریلی سے شائع ہوچکی ہے)۔

- امام اعظم اور علم حدیث، مقدمہ مقامات امام اعظم۔(مطبوع)
- حاشیة علی أصول الشاشی (عربی)زیر تحریر۔
- تقدیم نور الإیضاح، (یہ نورالایضاح کے ساتھ مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارکپور سے شائع ہوچکی ہے)۔
- ضوءالمصباح علی نورالایضاح،(عربی)یہ نورالایضاح کا بڑا تحقیقی حاشیہ ہے، جوار باب فقہ و تدریس سے خراج تحسین حاصل کرچکا ہے۔

(بارک الله فیه و أحسن الله إلیه)

انتساب

اقلیم روحانیت کے ان خلد آشیاں تاجداروں کے نام جن کے فیوض و برکات سے جہان اسلام سیراب ہو رہا ہے

- خاتم الاکابر حضرت سید شاہ آل رسول احمد برکاتی مارہروی
- سراج السالکین حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی
- مجدد اعظم شیخ الاسلام والمسلمین سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی
- تاج دار اہل سنت مفتیٔ اعظم ہند حضرت علامہ مصطفیٰ رضا بریلوی
- فقیہ اعظم صدر الشریعہ علامہ محمد امجد علی اعظمی
- جلالۃ العلم حافظ ملت حضرت علامہ عبد العزیز محدث بریلوی
- شعیب الاولیاء حضرت مولانا صوفی شاہ محمد یار علی
- مظہر شعیب الاولیاء حضرت مولانا صوفی شاہ صدیق

علیهم الرحمة و الرضوان

لا خیل عندی أهدیها و لا مال

فلیسعد النطق إن لم تسعد الحال

گدائے بے نوا

محمد ناظم علی رضوی مصباحی

مُقَدِّمَه

نبی اکرم سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" إن بني إسرائيل تفرقت على اثنين وسبعين ملة وتفترق أمتي على ثلاث وسبعين ملة كلهم في النار إلا ملة واحدة قالوا: من هي يارسول الله؟ قال: ماأنا عليه وأصحابي" (رواه الترمذي)

ترجمہ:۔"بنی اسرائیل بہتر ۷۲ مذہب میں بٹ گئے تھے اور میری امت تہتر ۷۳ مذہبوں میں بٹ جائے گی، جن میں ایک مذہب والوں کو چھوڑ کر تمام مذاہب کے لوگ جہنمی ہوں گے، صحابہ نے عرض کیا وہ ایک مذہب کے لوگ کون ہیں؟ حضور نے ارشاد فرمایا: میں اور میرے صحابہ جس مذہب پر قائم ہیں اس پر قائم رہنے والے لوگ نجات یافتہ ہیں"۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ جس طریقہ پر قائم ہیں اسی پر مضبوطی سے قائم رہنے کا حکم دیتے ہوئے حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" اتبعوا السواد الأعظم فإنه من شذشُذَّ في النار" (مشکاۃ المصابیح ص ۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

ترجمہ:۔"سواد اعظم کی اتباع کرو کیوں کہ جو اس سے الگ ہوا وہ جہنم میں گیا"۔

ایک حدیث پاک میں فرمایا:

" يدالله على الجماعة " (مشکاۃ المصابیح، ص ۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

ترجمہ:۔"اللہ کا دست کرم جماعت پر ہے"۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ جس طریقہ پر قائم ہیں اس پر قائم رہنے والے سواد اعظم ''جماعت کثیرہ'' ہیں حدیث پاک میں جن کی اتباع کا حکم دیا گیا، دورحاضر میں ائمہ اربعہ امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل رحمہم المتعال کے متبع ومقلد ہی سواد اعظم اہل سنت کہلانے کے مستحق ہیں۔مجدد اعظم، آیۃ من آیات رب العالمین، معجزۃ من معجزات سید المرسلین سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

شافعی، مالک ،احمد امام حنیف — چار باغ امامت پہ لاکھوں سلام
کاملان طریقت پہ کامل درود — حاملان شریعت پہ لاکھوں سلام
بے عذاب وعتاب وحساب وکتاب — تا ابد اہل سنت پہ لاکھوں سلام

نیز فرماتے ہیں:

''مذاہب اربعہ اہل سنت سب رشد وہدایت ہیں جوان میں سے جس کی پیروی کرے عمر بھر اسی کا پیرو رہے، کبھی کسی مسئلے میں اس کے خلاف نہ چلے وہ ضرور صراط مستقیم پر ہے اس پر شرعا کوئی الزام نہیں، ان میں سے ہر مذہب انسان کے لیے نجات کو کافی ہے، تقلید شخصی کو شرک یاحرام ماننے والے گمراہ ،ضالین متبع غیر سبیل المومنین ہیں''۔(فتاوی رضویہ ۳۱۱/۱۱ أطائب الصیِّب علی أرض الطّیب رضا اکیڈمی ممبئی)

نیز فرماتے ہیں:

''آخر اتنا تو اجلی بدیہیات سے ہے جس کا انکار آفتاب کا انکار کہ صدہا برس سے لاکھوں اولیا، علما، محدثین، فقہا، عامۃ اہل سنت واصحاب ہدی غاشیۂ تقلید ائمہ اربعہ اپنے دوش ہمت پر اٹھائے ہوئے ہیں جسے دیکھو کوئی حنفی، کوئی شافعی، کوئی مالکی، کوئی حنبلی یہاں تک کہ فرقۂ ناجیہ اہل سنت وجماعت ان چار مذاہب میں منحصر ہو گیا جیسا کہ اس کی نقل سید علامہ احمد مصری رحمہ اللہ تعالی سے شروع دلیل اول میں گزری''۔(فتاوی رضویہ مترجم ۷۰۵/۶

رضا اکیڈمی ممبئی)

علامہ سید احمد طحطاوی حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں:

فعليكم يامعشر المومنين باتباع الفرقة الناجية المسماة بأهل السنة والجماعة، فإن نصرة الله تعالى وحفظه وتوفيقه في موافقتهم وخذ لانه وسخطه ومقته في مخالفتهم وهذه الطائفة الناجية قد اجتمعت اليوم في المذاهب الأربعة هم الحنفيون والمالكيون والشافعيون والحنبليون ومن كان خارجا عن هذه المذاهب الأربعة فهو من أهل النار"

(طحطاوي علی الدر المختار کتاب الذبائح ۱۵۳/۴ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

ترجمہ:۔"اے مومنو! تم پر فرقۂ ناجیہ اہل سنت وجماعت کی اتباع لازم ہے اس لیے کہ اللہ تعالی کی نصرت وحفاظت اور اس کی توفیق ان کی حمایت وموافقت میں ہے اور اس کی ناراضی اور عذاب ان کی مخالفت میں ہے اور فرقۂ ناجیہ آج صرف مذاہب اربعہ حنفی، مالکی، شافعی، اور حنبلی ہیں اور جو ان چاروں سے خارج ہوگا وہ بدعتی جہنمی ہے"۔

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی "عقد الجید" میں لکھتے ہیں:

اعلم أن في الأخذ بهذه المذاهب الأربعة مصلحة عظيمة، وفي الإعراض عنها مفسدة كبيرة ونحن نبين ذلك بوجوه: أحدها أن الأمة قد اجتمعت على أن يعتمدوا على السلف في معرفة الشريعة، فالتابعون اعتمدوا في ذلك على الصحابة، وتبع التابعين اعتمدوا على من قبلهم والعقل يدل على حسن ذلك لأن الشريعة لايعرف إلا بالنقل والاستنباط، والنقل لايستقيم إلا بأن ياخذ كل طبقة عمن قبلها بالاتصال ولابد في الاستنباط من أن يعرف مذاهب المتقدمين لئلا يخرج من أقوالهم فينخرق الإجماع ويبنى

علیها ویستعین في ذلک بمن سبق لأن جمیع الصناعات کالصرف والطب والشعر والحداد ة والتجارة والصیاغة لم یتیسر لأحد إلا بملازمة أهلها، وغیر ذلک نادر بعیدلم یقع وإن کان جائزا في العقل وإذا تعین الاعتماد علی أقاویل السلف فلابد من أن یکون أقوالهم التي یعتمدعلیهامرویة بالإسناد الصحیح أو مدونة في کتب مشهورة وأن یکون مخدومة یتبیّنُ الراجح من المرجوح من محتملاتها وتخصیص عمومها في بعض المواضع وبجمع المختلف منها وتبیین علل أحکامها وإلا لم یصح الاعتماد علیها ولیس مذهب في هذه الأزمنة المتأخرة بهذه الصفة إلاهذه المذاهب الأربعة ''.

ترجمہ:''یہ بات واضح رہے کہ مذاہب اربعہ کے اختیار کرنے میں عظیم مصلحت ہے اوران سے اعراض کرنے میں بڑا فساد ہے ہم انھیں چند طریقوں سے بیان کرتے ہیں: اول: یہ کہ ساری امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ شریعت کی معرفت میں سلف پر اعتماد کیا جائے، تابعین نے اس معاملہ میں صحابہ پر اعتماد کیا اور تبع تابعین نے تابعین پر، اسی طرح ہر طبقہ میں علما نے اپنے پہلے والوں پر اعتماد کیا اور عقلاً یہ ایک اچھی چیز ہے، اس لیے کہ نقل واستنباط کے بغیر شریعت کی معرفت ناممکن ہے، اور نقل کی درستگی اسی طرح سے ہوگی کہ ہر طبقہ کے لوگ اپنے پہلے والوں سے متصلا حاصل کریں اور استنباط کے لیے یہ ضروری ہے کہ متقدمین کے مذاہب کو جانا جائے تاکہ ان کے اقوال سے باہر نہ جائیں کہ خرق اجماع ہوجائے، اور تاکہ انہیں اقوال کو بنیاد بنایا جائے اور اگلوں سے اس میں مدد لی جائے اس لیے کہ تمام صنعتیں مثلا سُنَاری، طب، شعر گوئی، لوہاری، تجارت اور رنگ ریزی کسی کو بھی صرف ان کے ماہرین کے ساتھ کام کرنے سے میسر ہوتی ہے اور اس کے بغیر بہت نادر اور غیر واقع ہے اگرچہ عقلا

جائز وممکن ہے۔اور جب یہ متعین ہوگیا کہ (شریعت کی معرفت) میں سلف کے اقوال ہی پر اعتماد ہے تو ضروری ہے کہ ان کے وہ اقوال جن پر اعتماد ہو، اسناد صحیح کے ساتھ مروی ہوں، یا مشہور کتابوں میں مدون ہوں اور یہ کہ منقح ہوں کہ ان محتملات میں راجح مرجوح سے ظاہر وواضح ہو اور عام کی تخصیص مذکور ہو، متضاد اقوال میں تطبیق ہو، احکام کی علتیں بیان کی گئی ہوں ورنہ ان پر اعتماد صحیح نہیں اور اس پچھلے زمانہ میں ان چار مذاہب کے سوا کوئی مذہب اس صفت کے ساتھ موصوف نہیں''۔

یہی شاہ صاحب رسالۂ انصاف میں لکھتے ہیں:

'' بعدالمائتين ظهر بينهم التمذهب للمجتهدين بأعيانهم وقل من كان لايعتمد على مذهب مجتهد بعينه وكان هذا هو الواجب في ذلك الزمان''. رسالہ انصاف شاہ ولی اللہ باب حكاية حال الناس قبل المائة الرابعة ''(مکتبۃ دارالشفقت استنبول ترکی،ص ١٩)

ترجمہ:۔'' دوصدی کے بعد خاص ایک مجتہد کے مذہب کا پابند بننا اہل اسلام میں ظاہر ہوا کم کوئی شخص تھا جو ایک امام معین پر اعتماد نہ کرتا ہو اور یہی واجب تھا اس زمانہ میں''۔

علامہ زین بن نجیم حنفی مصری متوفی (٩٧٠ھ) نے الاشباہ والنظائر میں ارشاد فرمایا کہ: امام ابن ہمام نے تحریر میں یہ تصریح فرمائی کہ:

'' إن الإجماع انعقد على عدم العمل بمذهب يخالف الأربعة لانضباط مذاهبهم واشتهارها وكثرة أتباعها''. (خلاصۃ التحقیق ص٣-٤)

ترجمہ:۔''اس بات پر اجماع ہے کہ مذاہب اربعہ کے خلاف کسی مذہب پر عمل نہ کیا جائے اس لیے کہ چاروں مذاہب محفوظ و منضبط اور مشہور ہیں اور ان کے ماننے والے کثیر ہیں''۔

سیدی عارف باللہ علامہ عبدالغنی نابلسی صاحب حدیقہ ندیہ فرماتے ہیں:

" اعلم أن المذاهب الأن التي يجوز تقليدها هي المذاهب الأربعة لاغير فقد انحصر الأن العمل بشريعة محمد صلى الله تعالى عليه وسلم في العمل بما ذهب إليه أحد الأربعة فقط على العموم ". (خلاصۃ التحقیق ص۴)

ترجمہ:۔''یہ امر واضح رہے کہ مذاہب اربعہ کے سوا کسی مذہب کی تقلید جائز نہیں اس لیے کہ اس وقت بالعموم شریعت محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پر عمل مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کے عمل پر منحصر ہے''۔

نیز علامہ نابلسی رحمہ اللہ تعالی حدیقۂ ندیہ ص ۳۱۸ پر رقمطراز ہیں:

" فعلى كل مسلم من أهل السنة أن يقلد إحدى المذاهب الأربعة المعروفة" إلى أن قال " ولن يكون من أهل السنة من لم يقلد إحدى المذاهب الأربعة ويقال له لامذهبي".

ترجمہ:۔'' تمام مسلمانان اہل سنت پر یہ لازم ہے کہ مذاہب اربعہ معروفہ میں سے کسی ایک مذہب کی اتباع کرے'' آپ نے یہاں تک فرمایا:''جو شخص ان چاروں مذہبوں میں سے کسی ایک مذہب کی اتباع نہ کرے وہ ہرگز اہل سنت سے نہیں وہ لا مذہب کہلائے گا''۔

بحر العلوم رحمہ اللہ تعالی فواتح الرحموت ۲/۴۰۷ میں فرماتے ہیں:

" إنما منع من تقليد غيرهم لأنه لم تبق رواية مذهبهم محفوظة".

ترجمہ:۔''چاروں مذہبوں کے علاوہ کسی اور مذہب کی تقلید واتباع سے اس لیے روکا گیا کہ مذاہب اربعہ کے علاوہ کسی مذہب کی روایت محفوظ نہیں''۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں:

" أهل السنة قد افترق بعدالقرون الثلاثة أوالأربعة على أربعة مذاهب ولم يبق مذهب في فروع المسائل سوى هذه الأربعة".

ترجمہ:۔''اہل سنت تین چار قرن کے بعد ان چار مذاہب پر منقسم ہوگئے اور فروع مسائل میں ان مذاہب اربعہ کے سوا کوئی مذہب باقی نہ رہا''۔

(تفسیر مظہری مسئلہ إذا صح الحدیث علی خلاف مذہبہ الخ ادارہ اشاعت العلوم دہلی ۲/۶۴)

(بحوالہ فتاوی رضویہ مترجم ۶/۷۰۵ رضا اکیڈمی ممبئی)

عقود الجواہر المنیفہ میں جو حدیث شریف میں مستند کتاب اور مقبول علمائے اولی الالباب ہے محدث مصری سیدنا المرتضی الحسینی تحریر فرماتے ہیں کہ:

" اطبق الناس الأن على أن أهل السنة هم أهل المذاهب الأربعة".

ترجمہ:۔''تمام علما اس بات پر متفق ہیں کہ سنی وہی لوگ ہیں جو ان چاروں مذہبوں میں سے کسی خاص مذہب کے پابند ہیں''۔

ان سب سے صاف ظاہر ہے کہ فرقہ ناجیہ صرف سواد اعظم اہل سنت و جماعت ہے ان کے علاوہ دوسرے فرقے خواہ وہ اپنا کچھ نام رکھیں بدعتی اور جہنمی ہیں اس زمانہ میں ائمہ اربعہ ہی کے مذاہب باقی و محفوظ، لائق اعتماد اور قابل عمل ہیں ان کی تقلید و اتباع لازم ہے، جو ان چاروں سے خارج ہے وہ اہل سنت و جماعت نہیں بلکہ بدعتی اور جہنمی ہے، نبی اکرم سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے ارشاد پاک:'' **تفترق أمتي على ثلاث وسبعين**'' کے مطابق آج بہت سارے فرقے رونما ہیں ان فرقوں میں آج وہی فرقہ ناجی، جنتی، سواد اعظم پر قائم کہلائے گا جو ان مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب پر مضبوطی سے قائم ہو نہ یہ کہ بعض احکام میں ایک مذہب اور بعض دوسرے احکام میں دوسرے مذہب کی اتباع کرے کہ یہ تلفیق ہے جو جائز نہیں اور اب نہ یہ جائز ہے کہ ان مذاہب اربعہ کو چھوڑ کر ان کے خلاف کسی دوسرے مذہب کی الگ تھلگ بنیاد ڈالی جائے جیسا کہ بعض فرقوں نے ایسے مذاہب اختراع کیے جو ان مذاہب اربعہ سے بالکل دور رفتہ اور جداگانہ ہیں، انھیں میں سے منکرین تقلید کا ایک گروہ ہے جس نے مذاہب اربعہ سے ہٹ کر ایک الگ اختراعی مشرب کی بنیاد ڈالی اور ان مذاہب اربعہ کے ائمہ کرام کی شان میں نہ صرف دشنام طرازیاں کیں بلکہ نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم، دیگر انبیائے کرام

علیہم الصلاۃ والسلام اور آپ کے اصحاب وآل پاک کی شان میں سخت گستاخیاں کیں اور اللہ عزوجل کی شان اقدس میں خبیث عقائد سے باز نہ آئے، انھوں نے اللہ عزوجل کے لیے مکان وجہت وجسمیت کا قول کیا، اسے محل حوادث بتایا اس کے علم کو اختیاری مانا، اور اسے جھوٹ بولنے اور اولاد اختیار کرنے اور ایسے محالات وممتنعات پر قادر مانا جن سے ایمان واسلام کی ساری بنیادیں منہدم ہوجاتی ہیں، انبیائے کرام کی عصمت کا انکار کیا اور یہ کہا کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعثت سے پہلے ایمان واسلام سے غافل تھے، نبوت کسبی شئی ہے اللہ کی عطا نہیں۔ شہزادیِ رسول سیدہ فاطمہ زہرا، محبوبۂ محبوب رب العالمین سیدہ عائشہ صدیقہ، باب مدینۃ العلم مولائے کائنات سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم، سیدالشہدا، امام عالی مقام حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شان میں کھلم کھلا جرأت وجسارت کی، نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پاک سے توسل کو ناجائز وحرام کہا، آپ کے روضۂ اقدس کے سفر زیارت کو سفر معصیت قرار دیا اور اس سفر زیارت میں نماز کا قصر ناجائز کہا۔

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ ابن تیمیہ کی گمراہیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وإن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم لاجاه له ولايتوسل به وإن إنشاء السفر إليه بسبب الزيارة معصية لاتقصر الصلاة فيه". (فتاویٰ حدیثیہ ص۱۱۶)

ترجمہ:۔"ابن تیمیہ کی گمراہیوں میں سے یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جاہ ومرتبہ اور آپ کے وسیلہ کا انکار کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ آپ کی زیارت کے ارادے سے سفر کرنا گناہ ہے اس سفر زیارت میں نماز کے اندر قصر نہ کی جائے"۔

اور تقی حصنی نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۲ پر فرمایا:

"وكان ابن تيمية ممن يعتقد و يفتي بأن شد الرحال إلى قبور الأنبياء حرام، لا تقصر فيه الصلاة، ويصرح بقبر الخليل وقبر النبي صلى الله عليهما وسلم، وكان على هذا الاعتقاد تلميذه ابن قيم الجوزية الزرعي وإسمعيل بن كثير الشركويني".

ترجمہ:۔"ابن تیمیہ کا یہ اعتقاد اور یہ فتوی تھا کہ انبیا کی قبروں کی طرف شدرحال کرنا حرام ہے، اس سفر میں قصر نہ کرے حضرت خلیل اور نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہما وسلم کی قبر کے متعلق صراحۃ ذکر کیا، ابن تیمیہ کے تلمیذ ابن قیم اور اسماعیل بن کثیر شرکوینی بھی ابن تیمیہ کے اس اعتقاد پر قائم تھے"۔

اس طرح کے ایسے گھناؤنے خیالات وعقائد پیش کیے جن سے اسلامی عقائد واعمال کی بنیادیں منہدم ہوجاتی ہیں، اس ناپاک گروہ کے راہ نما اور قائدین درج ذیل لوگ ہیں:

ابن حزم ظاہری (متوفی ۴۵۶ھ)، ابن تیمیہ (متوفی: ۷۲۸ھ) اس کے شاگرد ابن القیم (متوفی: ۷۵۱ھ) اور ابن عبدالہادی (متوفی: ۷۴۴ھ) محمد ابن عبدالوہاب نجدی (متوفی ۱۲۰۶ھ) اسماعیل دہلوی نام نہاد شہید (متوفی ۱۲۴۷ھ) اور محمد بن علی شوکانی (متوفی ۱۳۵۰ھ) وغیرہ

مجھے سردست یہاں ابن تیمیہ کے بعض ناپاک افکار وعقائد کے متعلق گفتگو کرنی ہے کیوں کہ اس وقت میرا موضوع بحث وہی ہے اس لیے کہ غیر تقلیدی فتنوں کی اشاعت میں اس کا اہم کردار ہے، تیمی مشرب کے لوگ اسی کے خطوط ونقوش پر قائم ہیں کیوں کہ وہ ان کا نام نہاد پیشوا ہے۔

۱۰/ربیع الاول بروز دوشنبہ اور بقول بعض ۱۲/ربیع الاول ۶۶۱ھ میں ملک شام کے شہر حران میں ابن تیمیہ نامی ایک شخص پیدا ہوا جس نے خود کو مجتہد اعظم سمجھ کر تفردات وضلالات کی ایسی تخم ریزی کی جس کا اثر بد آج بھی موجود ہے، اس نے اپنے قلم کی زبان درازی اور صفات وذات کے مسائل میں کلام کیا، غیر مشروع امور کو عام کیا، اپنے ہم عصر علما وفقہا کی تردید اور ان کی سخت مخالفت کی، اس نے فروع کے علاوہ اصول دین میں بھی زبان درازی کرتے ہوئے اللہ عزوجل کے لیے جہت وجسمیت، صعود ونزول اور حرکت وانتقال کا قول کیا اس نے برسر عام کہا کہ: اللہ عزوجل کا نزول میرے اسی نزول (زینہ سے اترنے) کی طرح ہے، اس شخص نے اپنی کتاب منہاج السنۃ النبویہ کے حاشیہ ۲/۲۶ پر لکھا:

"لأن الحي القيوم يفعل مايشاء ويتحرك إذا شاء ويقبض ويبسط ويقوم

ویجلس إذا شاء".

ترجمہ:۔"اس لیے کہ اللہ تعالی جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جب چاہتا ہے حرکت کرتا ہے، سمیٹتا اور کشائش فرماتا ہے، اور اٹھتا بیٹھتا ہے"۔

اس نے حدیث نزول:

" ینزل ربنا تبارک و تعالی کل لیلة إلی السماء الدنیا حین یبقی ثلث اللیل الآخریقول: من ید عونی فأستجیب له ومن یسألنی فأعطیه ومن یستغفرنی فأغفرله".

(رواه البخاري في صحيحه كتاب الصلاة باب الدعاء والصلاة من آخر الليل و رواه مسلم في صحيحه: كتاب صلاة المسافرين وقصرها: باب الترغيب في الدعاء والذكر في آخر الليل و الإ جابة فيه)

یعنی سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب رات کا آخری تہائی حصہ رہ جاتا ہے تو ہمارا رب تبارک وتعالی آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ: ہے کوئی جو مجھے پکارے میں اس کی دعا کو قبول کروں، اور ہے کوئی سائل جسے میں عطا کروں، اور ہے کوئی طالب بخشش جسے بخشش کا پروانہ عطا فرماؤں۔

ذکر کیا اور اس کی شرح کے تحت یہ لکھا:

"أن الله ینزل إلی السماء الدنیا ولا یخلو منه العرش". (الأجوبة المرضية، ص۹۲/۹۳)

یعنی اللہ تعالی آسمان دنیا کی طرف اترتا ہے اور عرش اس سے خالی نہیں رہتا ہے۔

شرح حدیث نزول (صفحہ ۳۸) میں ذکر کیا: "لکن هذا النور و البرکة و الرحمة التي في القلوب الخ " لیکن دلوں کے اندر جو نور رحمت و برکت ہے وہ اللہ سبحانہ کی ذات کے نزول کا اثر ہے جس (نزول بذاتہ) سے اس نے اپنی ذات کو موصوف فرمایا اور اپنی صفت قرار دی جیسا کہ متعدد احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ اس نے اپنی یہ صفت ذکر فرمائی کہ عرفہ کی شام کو نزول فرماتا ہے۔

اور اپنی کتاب منہاج (۲۶۲/۱) میں کہا: "ثم ان جمهور أهل السنة یقولون إنه ینزل

الخ''. جمہور اہل سنت نے کہا کہ اللہ نزول فرماتا ہے اور عرش اس سے خالی نہیں رہتا جیسا کہ اسحق بن راہویہ اور حماد بن زید وغیرہما سے ایسا ہی منقول ہے اور انھوں نے امام احمد بن حنبل کے رسالہ میں ان سے اسے نقل کیا اور اپنی کتاب شرح حدیث نزول (صفحہ ٦٦) اور مجموعۂ فتاوی (۱۳۱/۵ و ۴۱۵) میں کہا کہ:

''**والقول الثالث هو الثواب وهو الماثور عن سلف الأمة و أئمتها**'' اور تیسرا قول ہی درست وصواب ہے اور وہی امت کے سلف وائمہ سے منقول ہے کہ وہ ہمیشہ سے عرش پر ہے اور اللہ آسمان دنیا کہ طرف نزول کرتا ہے اور اس سے قریب ہے اس کے باوجود عرش اس سے خالی نہیں رہتا اور عرش اس سے بلند اور اس کے اوپر نہیں رہتا۔

الموافقة (۴/۲ و ۵) میں کہا: **و أئمة السنة و الحديث على إثبات النوعين وهو الذي الخ.** ائمۂ سنت وحدیث اس پر ہیں کہ یہ دونوں نوعیں ثابت ہیں اور حرب کرمانی اور عثمان بن مجید دارمی وغیرہما جیسے حضرات سے ان کا یہ مذہب منقول ہے بلکہ ان حضرات نے کھلے لفظوں میں حرکت کی تصریح کی اور متقدمین و متأخرین ائمہ سنت وحدیث کا یہ مذہب ہے، اور حرب کرمانی نے ذکر کیا کہ یہ ائمہ سنت جن سے میری ملاقات ہوئی ان سب نے یہی کہا مثلا احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ اور عبداللہ بن زبیر حمیدی اور مجید بن منشور اور عثمان بن سعید وغیرہم نے کہا کہ حرکت حیات کے لیے لازم ہے اس لیے کہ ہر حی (زندہ) متحرک ہے اس کا انکار جہمیہ کرتے ہیں جو صفات باری تعالی کا انکار کرتے ہیں۔

اور اپنی کتاب شرح حدیث نزول (صفحہ ۹۹) میں یہ بھی کہا ''**وحينئذ فإذا قال السلف و الأمة كحماد بن زيد و إسحاق بن راهويه وغيرهما الخ**''. کہ جب حماد بن زید اور اسحاق بن راہویہ وغیرہما جیسے سلف اور ائمہ اہلسنت اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ نزول فرماتا ہے اور عرش اس سے خالی نہیں رہتا تو یہ کہنا جائز نہیں کہ یہ (نزول) ممتنع ومحال ہے پھر اسی شرح حدیث نزول (صفحہ ۹۹) میں کہا: ''**و أصل هذا أن قربه سبحانه و دنوه من بعض مخلوقاته لا يستلزم أن تخلو ذاته من فوق العرش الخ**'' اور اس کی اصل یہ ہے کہ اللہ کا اپنی بعض مخلوقات سے قرب اور نزدیکی اس بات کو مستلزم نہیں کہ اس کی ذات بالائے عرش پر نہ

رہے بلکہ وہ بالائے عرش رہ کر اپنی مخلوق سے جیسا چاہے قرب رکھتا ہے جیسا کہ سلف نے یہی کہا: ناظرین کرام پر یہ امر واضح رہے کہ علمائے اہل سنت اشاعرہ و ماتریدیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ حرکت وسکون سے منزہ ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں بلکہ امام ابوجعفر طحاوی نے اپنے عقیدہ میں فرمایا: ''**ومن وصف الله بمعنى من معاني البشر فقد كفر**''. جو اللہ سبحانہ تعالیٰ کو انسان کے کسی وصف سے موصوف کرے وہ کافر ہے۔ کیا حرکت وسکون وجلوس انسان کے اوصاف و معانی سے نہیں؟ ضرور ہیں امام احمد بن حنبل نے آیت کریمہ: ''**وجاء ربك**'' کی تاویل میں فرمایا: ''**جاءت قدرته**'' اللہ کی قدرت آئی کیا آپ کی یہ تاویل اس بات کی روشن دلیل نہیں کہ اللہ عزوجل حرکت وسکون اور تحیز فی العرش سے منزہ ہے اگر امام احمد بن حنبل کا یہ اعتقاد ہوتا کہ آیت کریمۃ میں مجی (آنا) اپنے ظاہر پر ہے اور رب کا آنا مراد ہے تو یہ تاویل نہ فرماتے کہ رب کی قدرت آئی بلکہ لفظ کو اس کے ظاہر پر باقی رکھتے جیسا کہ مشبہہ کا عقیدہ ہے کہ اگر حرکت وسکون انسان کے اوصاف معانی سے نہیں تو پھر انسان کے اوصاف و معانی کیا ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے بعض عالم مثلاً ہفت افلاک اور عرش کو ساکن رکھا اور بعض عالم مثلاً ستاروں کو دائمی حرکت میں رکھا اور بعض عالم مثلاً ملائکہ وانس وجن اور جانوروں اور چوپایوں کو کبھی حرکت اور کبھی سکون میں رکھا تو خالق عزوجل حرکت سکون میں سے کسی سے کیسے موصوف ہوسکتا ہے؟ اگر وہ ان سے موصوف ہے تو اس کے لیے امثال واشباہ ہوں گے اور یہ اللہ سبحانہ کے اس ارشاد پاک: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ [الشوریٰ-۴۲:۱۱] کے منافی ہے۔

احادیث شریفہ میں وارد صفات باری تعالیٰ کے متعلق ہمارے اسلاف کرام نے یہ ارشاد فرمایا کہ وہ بلا کیف اسی طرح ہیں جیسا کہ وارد ہیں اس کا صاف اور واضح معنی یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی یہ صفتیں مخلوق کی صفات کی طرح نہیں اور حرکت وسکون وغیرہ مخلوق کی صفات ہیں ان حضرات سلف کے قول: ''بلا کیف'' کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ سکون اور نقل وحرکت اللہ عزوجل کی صفتیں ہیں جیسا کہ بعض آیات اور احادیث کے ظاہر سے یہ وہم ہوتا ہے۔

امام بیہقی نے ''**الاسماء و الصفات**'' (ص/۴۵۴-۴۵۵) میں حافظ ابوسفیان خطابی سے نقل

فرما کر ذکر فرمایا کہ: ''حدیث نزول کی روایت کے وقت بعض حدیث ورجال کی معرفت رکھنے والے شیوخ محدثین سے ایسی لغزش ہوئی کہ وہ جادہ راہ سے منحرف ہوگئے، انھوں نے از خود یہ سوال قائم کر کے کہا کہ: اگر کوئی شخص یہ پوچھے ہمارا رب آسمان پر نزول فرماتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ: وہ جیسا چاہے نزول فرماتا ہے، پھر اگر کوئی یہ کہے کہ کیا وہ نزول کے وقت حرکت فرماتا ہے؟ تو اس کے جواب میں کہا: اگر چاہے حرکت کرے اور اگر چاہے حرکت نہ کرے، یہ ان شیوخ محدثین کی انتہائی فحش لغزش ہے۔ اللہ عزوجل کی ذات حرکت سے بلند و بالا ہے اس لیے کہ حرکت وسکون کا وقوع ایک محل میں یکے بعد دیگرے ہوتا ہے اور حرکت سے وہی موصوف ہوسکتا ہے جو سکون سے موصوف ہوسکتا ہے اور یہ دونوں چیزیں حوادث کے اعراض اور مخلوقین کے اوصاف سے ہیں اور اللہ تعالی ان دونوں سے برتر و بالا ہے ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ [الشوریٰ-۴۲:۱۱] ''اس کی طرح کوئی چیز نہیں''۔ اگر یہ شیخ سلف صالح کے نقوش راہ کو مشعل راہ بناتے اور ان کی مراد ومنشا کے خلاف کسی گرداب میں نہ پھنستے تو ایسی فحش لغزش سرزد نہ ہوتی''۔

آپ نے (الاسماء والصفات ص۴۴۹) اللہ تعالی کے ارشاد: ﴿فَأَتَى اللَّهُ بُنْيَانَهُم مِّنَ الْقَوَاعِدِ﴾ [النحل-۱۶:۲۶] کے بارے میں فرمایا: ''لم يرد به إتيان من حيث النقلة'' یعنی اس آیت پاک میں نقل و حرکت کے ذریعہ آنا مراد نہیں۔ اور حدیث نزول کے بارے میں فرمایا: ''إنه ليس حركة ولا نقلة ، تعالى الله عن صفات المخلوقين'' (الأسماء و الصفات ص ۴۴۹) کہ اس حدیث پاک میں نزول سے نقل وحرکت مراد نہیں کہ نقل وحرکت مخلوق کی صفت ہے، اللہ سبحانہ تعالی کی شان اس سے بہت بلند و بالا ہے۔

آپ (امام بیہقی) نے اللہ عزوجل کے ارشاد پاک: ﴿وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا﴾ (الفجر-۸۹:۲۲) کے بارے میں فرمایا:

''والمجيئ و النزول صفتان منفيتان عن الله تعالى من طريق الحركة و الانتقال من حال الى حال، بل هما صفتان من صفات الله تعالى بل تشبيه، جل الله تعالى عما يقول المعطلة لصفاته و المشبهة بها علوا كبيرا'' (الأسماء

والصفات ص ٤٥٦)

ترجمہ:۔''مجي اور نزول (آنا اور اترنا) اللہ تعالی کی صفت ہیں مگر ایسی نہیں کہ وہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف نقل وحرکت کرے بلکہ اللہ تعالی کی یہ دونوں صفتیں تشبیہ وتمثیل سے پاک ہیں معطلہ اور مشبہہ کی باتوں سے اللہ تعالی کی شان بہت ہی برتر وبالا ہے''۔

علامہ قرطبی نے (تفسیر قرطبی ص ۳۹۱/۴) حدیث نزول اور اس سلسلہ میں جو کچھ کہا گیا اسے ذکر کرنے کے بعد سورہ آل عمران کی آیت کریمہ:''والمستغفرين با لأسحار'' کے تحت فرمایا کہ:''اس سلسلہ میں بہتر بات وہ ہے جو کتاب نسائی میں بطریق تفسیر وارد ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ اور ابو سعید رضی اللہ تعالی عنہما نے فرمایا کہ رسول پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا کہ:''إن الله عزوجل يمهل حتى يمضي شطر الليل الأول ثم يأمر منادیا فيقول هل من داع يستجاب له؟ هل من مستغفر يغفر له، هل من سائل يعطى''. ترجمہ:۔''بے شک اللہ عزوجل رات کا پہلا حصہ گزرنے تک مہلت دیتا ہے پھر ایک منادی کو حکم فرماتا ہے، تو وہ کہتا ہے، ہے کوئی دعا کرنے والا جس کی دعا قبول کی جائے ؟ ہے کوئی طالب بخشش جسے بخشا جائے، ہے کوئی مانگنے والا جسے عطا کیا جائے''۔

اس حدیث کو ابو محمد عبد الحق نے صحیح کہا، اس سے اشکال دور ہو جاتا ہے اور احتمال واضح ہو جاتا ہے وہ اس طرح کہ اس حدیث نزل میں مضاف محذوف ہے یعنی''ینزل ملک ربنا'' یا کے ضمہ کے ساتھ وارد ہے جس سے مذکورہ کلام خوب واضح وروشن ہو جاتا ہے۔

اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری شرح بخاری (۳۰/۳) میں فرمایا کہ:''جو لوگ اللہ عزوجل کے لیے جہت بالا ثابت کرتے ہیں وہ اس سے دلیل لاتے ہیں اور جمہور جہت کے قائل نہیں اس لیے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ عزوجل حیز میں ہے، اللہ کی شان اس سے بلند وبالا ہے، اور نزول کے معنی میں مختلف اقوال وارد ہیں''۔

آپ نے فرمایا کہ: ابوبکر بن فورک نے بیان فرمایا کہ بعض مشائخ نے مفعول (ملكا) محذوف مانا اور کہا کہ''یا'' کے ضمہ کے ساتھ''ینزل ملكا'' ہے یعنی رب تعالی فرشتہ کو نازل فرماتا ہے اور اس کی تائید اس روایت

سے ہوتی ہے جسے نسائی نے ابو ہریرہ وابو سعید رضی اللہ عنہما سے اس لفظ کے ساتھ ذکر فرمایا کہ: ''إن اللــه يمهل شـطر الليل ثم يأمر مناديا يقول هل من داع فيستجاب له'' (الحديث) بے شک اللہ عزوجل رات کا حصہ گزرنے تک مہلت دیتا ہے پھر ایک منادی کو حکم فرماتا ہے وہ کہتا ہے: ''ہے کوئی دعا کرنے والا جس کی دعا قبول ہو''۔

اور عثمان بن ابوالعاص کی حدیث میں ہے: ''ينادي مناد هل من داع يستجاب له'' (الحديث) ایک منادی ندا کرتا ہے: ہے کوئی دعا کرنے والا جس کی دعا قبول ہو۔ علامہ قرطبی نے فرمایا کہ: ''اس سے اشکال رفع ہوجاتا ہے''۔

عثمان بن ابوالعاص کی حدیث امام احمد نے اپنی مسند (۲۲/۴) میں اس لفظ سے ذکر کیا: ''يـنـادي مـناد كـل ليـلـة: هـل مـن داع فيستـجـاب لـه، هـل من سائل فيعطى، هل من مستغفر فيغفر له حتى يـنـفـجـر الفجر'' ہر رات ایک منادی طلوع فجر تک یہ ندا کرتا ہے: ''ہے کوئی دعا کرنے والا جس کی دعا قبول ہو، ہے کوئی مانگنے والا جسے عطا کیا جائے، ہے کوئی طالب بخشش جسے بخشا جائے۔ اور طبرانی نے بایں لفظ تخریج کی: ''تـفـتـح أبـواب السـمـاء نـصف الليل فينادي مناد: هل من داع فيستجاب له، هل من سائل فيعطى، هل من مكروب فيفرج عنه'' الحديث (المعجم الكبير ۹/۵۱)

نصف شب آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں تو ایک منادی ندا کرتا ہے: ''کیا کوئی دعا کرنے والا ہے جس کی دعا قبول ہو، کیا کوئی مانگنے والا ہے جسے عطا کیا جائے، کیا کوئی غمزدہ ہے جس کا غم دور کیا جائے۔

حافظ ہیثمی نے مجمع الزوائد (۱۵۳/۱۰) میں اس کے بعد کہا: ''رواه الـطبـرانـي و رجـالــه رجـال الصحيح'' اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں علامہ بیضاوی کا یہ قول نقل فرمایا:

''وقـال البيضاوي لما ثبت با لقواطع أنه سبحانه منزه عن الجسمية و التحيز امتـنـع عليه النزول على معنى الانتقال من موضع إلى موضع أخفض منه'' (فتح

الباری۳/۳۱)

علامہ بیضاوی نے فرمایا کہ: جب قطعی دلیلوں سے یہ بات ثابت ہے کہ: ''اللہ سبحانہ جسم ہونے اور حیز میں ہونے سے منزہ ہے تو اس کے حق میں نزول کا یہ معنی محال ہے کہ ایک جگہ سے اس سے پست جگہ کی طرف منتقل ہو''۔

اور امام بیہقی نے مناقب احمد میں فرمایا کہ: ''حاکم نے ہمیں خبر دی، انھوں نے کہا ہم سے ابوعمرو بن سماک نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ: حنبل بن اسحاق نے ہم سے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ: میں نے اپنے چچا ابوعبداللہ احمد سے یہ فرماتے سنا کہ: امیر المومنین کے در دولت پر جس دن مناظرہ ہوا اس روز ان لوگوں نے میرے خلاف دلیل پیش کرتے ہوئے کہا کہ: قیامت کے دن سورہ بقرہ اور سورہ تبارک آئیں گے تو میں نے انھیں جواب دیا کہ :إنما هو الثواب ، قال الله تعالى : ﴿وَجَآءَ رَبُّکَ﴾ (الفجر-۸۹:۲۲) إنما يأتي قدرته وإنما القرآن أمثال و مواعظ''. (ابن کثیر نے اپنی تاریخ (۱۰/۳۲۷) میں اسے نقل کیا) ان سے ان کا ثواب آنا مراد ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''اور تمہارا رب آئے گا'' اس کا معنی یہ ہے کہ اس کی قدرت آئے گی اور قرآن صرف مثلوں اور نصیحتوں کا مجموعہ ہے۔

امام بیہقی نے فرمایا کہ: کتاب اللہ میں جہاں رب تعالی کے آنے اور حدیث پاک میں جہاں رب تعالی کے نازل ہونے کا ذکر ہے اس سے یہ اعتقاد نہیں رکھنا چاہیے کہ اللہ عزوجل اجسام کی طرح ایک جگہ سے دوسری جگہ آتا جاتا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کی قدرت کی نشانیاں ظاہر ہوں گی کیوں کہ جب لوگوں نے یہ خیال کیا کہ قرآن اگر اللہ کا کلام اور اس کی ذاتی صفت ہو تو اس پر مجي واتیان (آنا) کا اطلاق جائز نہ ہوگا تو ابوعبداللہ احمد نے انھیں یہ جواب دیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس روز انھیں قرآن کی تلاوت کا ثواب حاصل ہوگا اور قیامت کے دن اسی کا اظہار ہوگا تو ثواب تلاوت کے اظہار کی تعبیر اس کے آنے سے کی گئی۔

اور حافظ ابن جوزی حنبلی نے اپنی تفسیر زاد المسیر میں امام احمد سے یہ نقل کیا کہ آپ نے اللہ تعالی کے ارشاد: ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ إِلَّآ أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلٰٓـئِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ أَمْرُ رَبِّکَ﴾ [النحل-۱۶:۳۳] کی یہ تفسیر فرمائی

کہ رب تعالی کا حکم آئے گا اور قرآن کی بعض آیتیں بعض آیتوں کی تفسیر ہوا کرتی ہیں۔(زاد المسیر (۱/۲۲۵) اور اللہ تعالی کا ارشاد: ﴿وَنَادَاهُمَا رَبُّهُمَآ أَ لَمۡ أَنۡهَكُمَا عَنۡ تِلۡكُمَا الشَّجَرَةِ وَ أَقُلۡ لَّكُمَآ إِنَّ الشَّيۡطٰنَ لَكُمَآ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ﴾ [الاعراف-۷:۲۲]

امام نسائی کی اس روایت کی صحت کی دلیل ہے: ''**إن الله عز و جل يمهل حتى يمضي شطر الليل الأول ثم يأمر مناديا**''(**أخرجه النسائي في سنن الكبرى: عمل اليوم و الليلة: باب الوقت الذي يستحب فيه الاستغفار**)

اسی ابن تیمیہ نے اپنی بعض تصانیف میں یہ لکھا کہ:

''**أن الله تعالى بقدر العرش لا أكبر منه و لا أصغر** ''.

''اللہ تعالی بقدر عرش کے ہے نہ اس سے بڑا اور نہ چھوٹا'' ۔

علامہ تقی الدین سبکی ''الدرة المضیئة'' میں اس کے تفردات وضلالات کا ذکر فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''ابن تیمیہ نے اصول عقائد میں نئی نئی باتیں ایجاد کیں، اسلام کے ستونوں میں سے ارکان ومعاقد توڑ ڈالے پہلے وہ کتاب وسنت کی آڑ میں چھپ کر خود کو حق کا داعی اور جنت کی طرف ہادی ظاہر کرتا تھا، پھر اتباع سے ابتداع (نئی چیز پیدا کرنا) کی طرف نکلا اور اجماع مسلمین کی مخالفت کر کے جماعت مسلمین سے نکل گیا اور اللہ عزوجل کی ذات مقدسہ میں ایسے امر کا قول کیا جو اس کی جسمیت وترکیب کا مقتضی ہے اور صاف تصریح کی کہ اللہ عزوجل کا حیز کا محتاج ہونا محال نہیں، حوادث اللہ تعالی کی ذات میں حلول کرتے ہیں، قرآن محدث ہے جس کا اللہ نے تکلم کیا، اس کے بعد کہ اس نے اس کا تکلم نہ کیا تھا، وہ کلام کرتا ہے اور چپ ہو جاتا ہے، ارادے اس کی ذات میں بحسب مخلوقات حادث ہیں، اس نے قدم عالم کا قول کرتے ہوئے یہ کہا کہ: مخلوقات وحوادث کی ابتدا نہیں، اس طرح اس نے صفات قدیمہ کو

حادث اور مخلوق حادث کو قدیم ثابت کیا، کسی دین اور مذہب نے ان دونوں قولوں کو جمع نہ کیا جس کے سبب وہ امت کے تہتر فرقوں میں سے کسی میں داخل نہ رہا''۔

علامہ تقی الدین سبکی نے حرف بحرف سچ فرمایا اس لیے کہ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب شرح حدیث نزول میں کہا:

''و أما الشرع فمعلوم أنه لم ينقل عن أحد من الأنبياء و لا الصحابة ولا التابعين ولا سلف الأمة أن الله جسم أو أن الله ليس بجسم ، بل النفي والإثبات بدعة في الشرع ''. (شرح حدیث النزول ص ۸۰)۔

اور اپنی کتاب الموافقہ میں کہا:

''وكذالک قوله: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ [الشورىٰ-۴۲: ۱۱] و قوله: ﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا﴾ [مريم-۱۹:۶۵] ونحو ذلک فإنه لا يدل على نفي الصفات بوجه من الوجوه بل ولا على نفي ما يسميه أهل الاصطلاح جسما بوجه من الوجوه .''الموافقة (۱/ ۶۲).

اور اسی طرح اللہ کا ارشاد: ''اس کی طرح کوئی چیز نہیں اور وہی سنتا دیکھتا ہے'' اور اس کا ارشاد: ''کیا تم اس کا کوئی ہم نام جانتے ہو'' اور اس طرح کی آیتیں کسی طرح صفات کی نفی کی دلیل نہیں اور لوگ اپنی اصطلاح میں جسے جسم کہتے ہیں کسی طرح اس کی بھی نفی ان آیتوں سے معلوم نہیں ہوتی۔

نیز اسی الموافقہ میں کہا:

''و أما ذكر التجسيم و ذم المجسمة فهذا لا يعرف في كلام أحد من السلف و الأئمة كما لا يعرف في كلامهم أيضاً القول بأن الله جسم أو ليس بجسم، بل ذكروا في كلامهم الذي أنكروه على الجهمية نفي الجسم كما ذكره أحمد في كتاب الرد على الجهمية''.الموافقة (۱/ ۱۴۸).

تجسیم کا ذکر اور مجسمہ کی مذمت سلف اور ائمہ کے کلام سے معلوم نہیں ہوتی جیسا کہ ان کے کلام سے یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ انھوں نے یہ کہا ہو کہ اللہ جسم ہے یا جسم نہیں، بلکہ ان حضرات نے اپنے کلام میں وہی ذکر کیا جسے مجسمہ کے رد میں ذکر کیا جیسا کہ احمد نے اپنی کتاب ” **الرد علی الجھمیه**“ میں ذکر کیا۔

اور اپنی کتاب منہاج میں کہا:

”وقد يراد بالجسم ما يشار إليه،أو ما يرى أو ما تقوم به الصفات، والله تعالى يرى في الآخرة و تقوم به الصفات ويشير إليه الناس عند الدعاء بأيديهم وقلوبهم ووجوههم و أعينهم، فإن أراد بقوله: ليس بجسم هذا المعنى و قيل له : هذا المعنى الذي قصدت نفيه بهذا اللفظ معنى ثابت بصحيح المنقول و صريح المعقول، وأنت لم تقم دليله على نفيه“. المنهاج(۱/۱۸۰)

اور کبھی جسم سے ایسا معنی مراد ہوتا ہے جس کی طرف اشارہ کیا جائے یا جسے دیکھا جائے یا جس کے ساتھ صفات قائم ہوں، اور آخرت میں اللہ تعالی کا دیدار ہوگا لوگ دعا کے وقت اپنے ہاتھوں اور دلوں اور چہروں اور آنکھوں سے اس کی طرف اشارہ کریں گے، تو اگر قائل اللہ عزوجل سے جسم کے اس معنی کی نفی کرے تو اس سے یہ کہا جائے گا کہ: نقل صحیح اور عقل صریح سے جسم کا وہ معنی ثابت ہے جس کی تم نفی کر رہے ہو اور تمہارے پاس نفی پر کوئی دلیل قائم نہیں۔

اور مجموعۂ فتاوی میں کہا:

” ثم لفظ التجسيم لايوجد في كلام أحد من السلف لا نفيا ولا إثباتافكيف يحل أن يقال : مذهب السلف نفي التجسيم أو إثباته“. مجموعۂ فتاوی (۱۵۲/۴)

کہ سلف کے کلام میں کہیں بھی تجسیم کا لفظ بطور نفی یا اثبات موجود نہیں، تو کیوں کر یہ کہنا روا ہوگا کہ سلف کا

مذہب تجسیم کی نفی یا اس کا اثبات ہے۔

اور اپنی کتاب "بيان تلبيس الجهمية" میں کہا:

" وليس في كتاب الله ولا سنة رسوله ولا قول أحد من سلف الأمة وأئمتها أنه ليس بجسم، وأن صفاته ليست أجساما وأعراضا، فنفي المعاني الثابتة بالشرع والعقل بنفي ألفاظ لم ينف معناها شرع ولا عقل جهل وضلال". (١/١٥٢)

کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور امت کے سلف اور اس کے ائمہ کے کلام میں کہیں یہ نہیں کہ اللہ جسم نہیں، اور اس کی صفتیں اجسام واعراض نہیں، تو شرع اور عقل نے جن الفاظ کے معنی کی نفی نہ کی ان الفاظ کی نفی کرنا عقل وشرع سے ثابت شدہ معانی کی نفی کرنا ہے جو جہالت اور گمرہی ہے۔

اور "شرح حديث النزول" میں کہا:

" وأما الشرع فمعلوم أنه لم ينقل عن أحد من الأنبياء ولا الصحابة ولا التابعين ولاسلف الأمة أن الله جسم أو أن الله ليس بجسم، بل النفي و الإثبات بدعة في الشرع"(ص/٨٠)

اور رہا شرع تو یہ معلوم ہے کہ انبیا اور صحابہ اور تابعین اور سلف امت میں کسی سے کہیں یہ منقول نہیں کہ اللہ جسم ہے یا یہ کہ اللہ جسم نہیں، بلکہ نفی اور اثبات شرع میں بدعت ہے۔

ابن تیمیہ نے امام فخر الدین رازی کی کتاب "أساس التقديس" کے رد میں " التاسيس في رد أساس التقديس" تحریر کی جو غیر مطبوع ہے اور ظاہر یہ دمشق میں "الكوكب الدراري لابن زكنون الحنبلي کی مجلد رقم ۲۵ کے ضمن میں محفوظ ہے۔ علامہ کوثری نے " تكملة الرد" میں ابن تیمیہ کی کتاب مذکور سے درج ذیل عبارت نقل کی ہے:

"فمن المعلوم أن الكتاب والسنة والإجماع لم ينطق بأن الأجسام كلها

محدثة وأن الله ليس بجسم ولاقال ذلک إمام من أئمة المسلمين فليس في تركي لهذا القول خروج عن الفطرة ولاعن الشريعة"(تکملۃ الرد ص۴۰)

ترجمہ:۔"یہ معلوم ہے کہ کتاب وسنت واجماع نے یہ نہ کہا کہ تمام اجسام حادث ہیں اوراللہ جسم نہیں اورائمہ مسلمین میں سے کسی امام نے بھی یہ نہ کہا،اس لیے میرااس قول کوترک کرنا شریعت وفطرت سےخروج نہیں"۔

اسی تکملۃ الرد میں علامہ کوثری نے ابن تیمیہ کی کتاب مذکور سے یہ عبارت بھی تحریر کی:

"قلتم ليس هوبجسم ولاجوهرولامتحيز ولافي جهة ولايشار إليه بحس ولايتميز منه شيء من شيء وعبرتم عن ذلک بأنه تعالى ليس بمنقسم ولامركب وإنه لاحد له ولاغاية تريدون بذلک أنه يمتنع عليه أن يكون له حدوقدر أويكون له قدر لا يتناهى، فكيف ساغ لكم هذا النفي بلا كتاب ولاسنة"(تكملة الرد ص ۴۰)

یعنی تم نے یہ کہا کہ خداجسم نہیں اورنہ وہ جوہر ہے اورنہ متحیز ہے، اورنہ کسی جہت میں ہے اوراس کی طرف اشارۂ حسیہ نہیں کیا جاسکتا اوراس سے ایک شي دوسری شي سے متمیز نہیں ہوسکتی، تم نے اس کی یہ تعبیر کی کہ وہ نہ مرکب ہے اورنہ منقسم اوراس کی کوئی حدوغایت نہیں،تم لوگ اس سے یہ مراد لیتے ہوکہ حدومقدارغیرمتناہی اس کے حق میں محال ہے،کتاب وسنت کے بغیر ان چیزوں کی نفی تمہارے لیے کیوں کرجائز ہوگی۔

اسی تکملۃ الرد میں ابن تیمیہ کی کتاب مذکور کی یہ عبارت بھی مذکور ہے:

" إن العرش في اللغة السرير،وذلک بالنسبة إلى ما فوقه كالسقف بالنسبة إلى ماتحته فإذا كان القرآن جعل لله عرشا، وهوبالنسبة إليه كالسقف علم أنه بالنسبة إليه كالسريربالنسبة إلى غيره وذلک يقتضي أنه فوق

العرش ."(تکملۃ الردص۷۹)

ترجمہ:۔"لغت میں عرش کا معنی تخت ہے اورعرش اپنے مافوق کے اعتبار سے ایسا ہی ہے جیسا کہ چھت اپنے ماتحت کے اعتبار سے ہے۔ پھر جب قرآن سے اللہ کے لیے ایک عرش ثابت ہے جس کی نسبت اللہ کی طرف چھت کی طرح ہے تو یہ بات معلوم ہوگئی کہ عرش کی نسبت اللہ کی طرف ایسے ہی ہے جیسا کہ چھت کی نسبت غیراللہ کی طرف ہے اور یہ اس بات کو مستلزم ہے کہ اللہ عرش کے اوپر ہے"۔

نیز اسی تکملہ الردص۱۱۵پر ابن تیمیہ کی اسی کتاب مذکور کی یہ عبارت تحریر ہے:

" لوشاء لاستقر علی ظهر بعوضَة فاستقلت به بقدرته فكيف على عرش عظيم"

ترجمہ:۔"اگر خدا چاہے تو ایک مچھر کی پیٹھ پر بیٹھ جائے اوروہ مچھر اللہ کو اپنی قدرت سے اٹھائے تو عرش عظیم پر اس کا استقرار کیوں نہ ہوگا اور وہ اللہ کو کیوں نہ اٹھا سکے گا"۔

اسی تکملۃ الردص:۸۷و۸۸ پر ابن تیمیہ کی کتاب "التاسيس في رد أساس التقديس" کی یہ عبارت بھی تحریر ہے:

" والباري سبحانه وتعالى فوق العالم فوقية حقيقية ليست فوقية الرتبة كماأن التقدم على الشيء قد يقال إنه بمجرد الرتبة كمايكون بالمكان مثل تقدم العالم على الجاهل وتقدم الإمام على الماموم فتقدم الله على العالم ليس بمجرد ذلک بل هو قبلية حقيقية وكذلک العلو على العالم قديقال إنه يكون بمجرد الرتبة كمايقال العالم فوق الجاهل، علوا لله تعالى على العالم ليس بمجرد ذلک بل هو عال عليه علوا حقيقيا وهوالعلوالمعروف والتقدم المعروف".

ترجمہ:۔''اور باری سبحانہ وتعالی عالم کے اوپر ہے اس کی یہ فوقیت حقیقی ہے رتبی نہیں، جیسا کہ کسی چیز پر مقدم ہونے کو کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ یہ محض رتبہ کے اعتبار سے مقدم ہے جیسا کہ تقدم مکان کے لحاظ سے بھی ہوا کرتا ہے مثلاً عالم کا تقدم جاہل پر اور امام کا تقدم مقتدی پر تو اللہ عالم پر محض رتبہ کے لحاظ سے مقدم نہیں بلکہ یہ تقدم اور قبلیت حقیقیہ ہے اور اسی طرح عالم پر علو کبھی محض رتبہ کے لحاظ سے ہوتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے:''**العالم فوق الجاهل**'' اور عالم پر اللہ کا علو محض رتبہ کے اعتبار سے نہیں بلکہ وہ علو حقیقی کے لحاظ سے عالم پر بلند اور عالی ہے اور یہی علو اور تقدم مشہور و متعارف ہے''۔

علامہ کوثری نے لکھا ہے کہ حافظ ابو حیان اندلسی نے اللہ تعالی کے ارشاد:﴿وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ﴾ [البقرہ-۲: ۲۵۵] کی تفسیر میں کہا: میں نے اپنے ہم عصر ابن تیمیہ کی خود اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک کتاب پڑھی جس کا نام ''کتاب العرش'' ہے اس کتاب میں اس نے یہ لکھا:

''**إن الله يجلس على الكرسي وقد أخلى منه مكانا يقعد معه فيه رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم**''. تکملۃ الرد (ص/۸۵)

ترجمہ:۔''تحقیق اللہ کرسی پر بیٹھتا ہے اور اس نے کچھ جگہ خالی رکھی ہے وہاں وہ رسول اللہ کو اپنے ساتھ بیٹھائے گا''۔

نیز لکھا:

''**فقد حدث العلماء المرضيون و أوليائه المقربون أن محمدا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يجلسه ربه على العرش معه**''. انظر فتاواہ (۴/۳۷۴)

مقربانِ بارگاہ اولیا و علما نے یہ بیان کیا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو ان کا رب اپنے ساتھ عرش پر بٹھائے گا۔

ملا کاتب چلپی استنبولی (متوفی ۱۰۶۷ھ) نے اپنی مشہور کتاب ''کشف الظنون'' میں ''کتاب

العرش وصفته" کے تحت لکھا کہ: احمد ابن تیمیہ نے اس نام کی ایک کتاب لکھی ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ: "اللہ سبحانہ وتعالیٰ کرسی پر بیٹھتا ہے اس نے کچھ جگہ خالی چھوڑ رکھی ہے جہاں وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بیٹھائے گا" ابوحیان نے **النهر الماد من البحر** میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ارشاد: "**وسع كرسيه السمٰوٰت**" کے تحت ذکر کرتے ہوئے کہا کہ: میں نے احمد بن تیمیہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتاب "کتاب العرش" میں اس کا یہ کلام پڑھا ہے۔

ان شہادتوں کے پیش کرنے سے میرا مقصود یہ واشگاف کرنا ہے کہ ابن تیمیہ کا دامن تجسیم کے ناپاک عقیدہ سے پاک نہیں، ابن تیمیہ کے انھیں باطل عقائد وافکار کے سبب اس کے مداح علما اس کے مخالف بن گئے، شیخ ابوحیان پہلے ابن تیمیہ کی بے پناہ تعظیم کرتے مگر جب اس کی "کتاب العرش" کا پتہ لگا تو تادم وصال اس پر لعنت کرتے رہے۔ خاتم الفقہا والمحدثین علامہ احمد شہاب الدین ابن حجر ہیتمی مکی نے **فتاوی حديثيه** ص۸۶ پر تحریر فرمایا:

> "ابن تیمیہ وہ بندہ ہے جسے اللہ نے ذلیل وخوار، گمراہ، اندھا اور بہرا کر دیا۔ اس کے احوال کا فساد بیان کرنے والے اور اس کے اقوال کی تکذیب کرنے والے ائمہ نے اس بات کی صاف تصریح فرمائی"

ابن تیمیہ کا یہ عقیدہ اہل حق کے عقیدہ کے بالکل خلاف ہے اس لیے کہ اہل حق کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل جسم وجہت، مکان وکیفیت اور تحیز وتمکن وحلول وغیرہ عیوب ونقائص سے پاک ومنزہ ہے۔ جیسا کہ امام علی بن حسین زین العابدین فرماتے ہیں:

> "**سبحانک لا تحس ولا تمس ولا تجس**"۔ (اتحاف السادة المتقين لمرتضى الزبيدي، ۴؍۳۸۰)
>
> تیری ارفع واعلیٰ ذات احساس اور چھونے اور ٹٹولے جانے سے پاک ومنزہ ہے۔

بدرالدین بن جماعہ نے اپنی کتاب "**إيضاح الدليل في قطع حجج أهل التعطيل**" میں فرمایا:

"اعلم أن النزول الذي هو الانتقال من علو إلى سفل لايجوز حمل الحديث عليه لوجوه"(ص/۱۶۴)

یہ حقیقت واضح رہے کہ حدیث پاک میں جو نزول کا لفظ آیا ہے اسے بلندی سے پستی کی طرف انتقال کے معنی پر محمول کرنا چند وجہوں سے ناجائز ہے۔

اور حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" میں علامہ بیضاوی کا قول نقل فرماتے ہوئے فرمایا کہ علامہ بیضاوی فرماتے ہیں:

" ولما ثبت بالقواطع أنه سبحانه منزه عن الجسمية و التحيز امتنع عليه النزول على معنى الانتقال من موضع إلى موضع أخفض منه."(۳/۳۱)

جب قطعی دلیلوں سے یہ حقیقت ثابت ہو چکی ہے کہ اللہ سبحانہ جسم اور حیز میں ہونے سے پاک ہے تو اس کی ذات پر نزول کا ایسا معنی محال ہے جس میں کسی جگہ سے اس سے پست مقام کی طرف انتقال ہو۔

امام اجل، حجۃ الاسلام ابو جعفر احمد طحاوی حنفی (متوفی ۳۲۱ھ) فرماتے ہیں:

" تعالى عن الحدود والغايات والأركان والأعضاء والأدوات ولا تحويه الجهات الست". (عقیدۂ طحاویہ ص۴ مطبوعہ قاسمیہ دیوبند)

ترجمہ:۔"اللہ تعالی حدود وغایات، ارکان واعضا اور ادوات سے پاک برتر وبالا ہے جہات ستہ کے احاطہ سے پاک ومنزہ ہے"۔

امام ابوالقاسم قشیری شافعی (متوفی ۴۶۵ھ) اپنے مشہور رسالہ (مطبوعہ مصر ص۷) میں فرماتے ہیں:

" ولا يتقدر في العقول ولا له جهة ولا مكان ولا يجري عليه وقت وزمان".

ترجمہ:۔"عقلوں میں اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا، نہ اس کے لیے جہت ہے نہ مکان اور نہ اس پر وقت جاری ہوتا ہے اور نہ زمان"۔

امام حجۃ الاسلام ابو حامد محمد غزالی شافعی (متوفی ۵۰۵ھ) فرماتے ہیں:

" **نـدعي أنه ليس في جهة مخصوصة من الجهات الست**" (الاقتصاد في الاعتقاد، مطبوعہ مصر (ص۲۲)

ترجمہ:۔"ہم اس بات کا دعوی کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل شش جہات میں سے کسی خاص طرف وجہت میں نہیں"۔

سلطان الاسلام شیخ عزالدین بن عبدالسلام (متوفی ۶۶۰ھ) حنابلہ کے استفتا کے جواب میں امام ابوالحسن اشعری علیہ الرحمہ کا عقیدہ نقل فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

" **ليس بـجسم مصور ولا جوهر محدود مقدر ولا يشبه شيئا، ولا يشبهه شيء ولا تحيط به الجهات**". (طبقات الشافعیۃ الکبری للتاج السبکي جزء خامس ص ۶۶)

ترجمہ:۔"اللہ تعالی جسم مصور نہیں اور نہ جوہر محدود ومقدر ہے وہ کسی شي کی مثل نہیں اور نہ کوئی شي اس کی مثل ہے وہ جہات کے احاطہ سے برتر وبالا ہے"۔

علامہ قاضی عضدالدین عبدالرحمٰن (متوفی ۷۵۶ھ) مواقف میں لکھتے ہیں:

" **الـمقصد الأول أنه تعالى ليس في جهة ولا في مكان وخالف فيه المشبهة وخصصوه بجهة الفوق**".

ترجمہ:۔"پہلا مقصد: اللہ تعالی کسی جہت اور مکان میں نہیں، مشبہہ نے اس بارے میں مخالفت کی ہے اور اللہ عزوجل کو جہت فوق کے ساتھ خاص کیا ہے"۔

علامہ سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی شافعی (۷۹۲ھ) نے اپنی مشہور ومتداول کتاب شرح عقائد نسفی میں فرمایا:

" **وإذا لـم يـكـن فـي مكان لم يكن في جهة لا علو وسفل ولا غيرهما لأنها إما حـدود وأطـراف لـلأمـكـنة أو نـفــس الأمـكنة باعتبار عروض الإضافة إلى شيء**". (شرح عقائد ص ۶۰ مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

ترجمہ:۔''اور جب باری تعالیٰ کسی مکان،فوق وتحت اوران کے علاوہ کسی جہت میں نہیں اس لیے کہ یہ جہتیں یا تو مکان کے حدودواطراف ہیں یاجہات ستہ خود مکانات ہیں کسی شي کی طرف اضافت عارض ہونے کےلحاظ سے''۔(مثلا دومکانوں کے درمیان بناہوا مکان اپنے ماتحت کےاعتبار سےعلواوراپنے مافوق کےاعتبار سےتحت ہے)

مواقف وشرح مواقف میں آخر کتاب فذلکۂ عقائداہل سنت میں ہے:

'' الفرقة الناجية أهل السنة والجماعة فقد أجمعوا على حدوث العالم ووجود الباري تعالى وأنه لاخالق سواه، وانه قديم ليس في حيزولاجهة ولايصح عليه الحركة والانتقال ولاالجهل ولاالكذب ولاشيء من صفات النقص''.

ترجمہ:۔''فرقہ ناجیہ اہل سنت وجماعت کااس بات پراجماع ہے کہ عالم حادث ہےاور باری تعالیٰ موجود ہےاوراس کےعلاوہ کوئی خالق نہیں،وہ قدیم ہےکسی حیزاور جہت میں نہیں اس پر حرکت وانتقال جہل وکذب اورعیب ونقص کی کوئی صفت صحیح نہیں''۔

علامہ کمال الدین محمد بن محمد المعروف بابن ابی شریف قدسی شافعی (متوفی ۹۰۵ھ) کتاب المسامرہ في شرح المسایرۃ (مطبوعہ مصرص۲۹) میں فرماتے ہیں:

''(الأصل السابع أنه تعالى ليس مختصا بجهة) أي ليست ذاته المقدسة في جهة الجهات الست ولافي مكان من الأمكنة (لأن الجهات) الست (التي هي الفوق والتحت واليمين إلى اٰخرها) أي والشمال والأمام والخلف (حادثة بإحداث الإنسان ونحوه مما يمشي على الرجلين)''

ترجمہ:۔''(اصل سابع:اللہ تعالیٰ کسی جہت کےساتھ مختص نہیں)یعنی اس کی مقدس ذات چھ جہتوں میں سے کسی جہت اورمکان میں نہیں(کیوں کہ جہات)ستہ (فوق تحت یمین

الخ)یعنی دائیں بائیں اورآگے پیچھے‘‘(انسان وغیرہ دوپاؤں پر چلنے والوں کے حادث کرنے سےحادث ہیں)۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری شرح بخاری میں فرمایا:

”فمعتقد سلف الأئمة و علماء السنة من الخلف أن الله منزه عن الحركة و التحول و الحلول، ليس كمثله شيء.(۷/۱۲۴).

ائمہ سلف و علماے خلف کا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ عزوجل حرکت وانتقال اورحلول سے پاک ہےاس کی طرح کوئی شئی نہیں۔

حضرت امام ربانی مجددالف ثانی سیدنا شیخ احمدسرہندی رضی اللہ تعالی عنہ (متوفی ۱۰۳۴ھ) اپنے مکتوبات(دفتر دوم مکتوب شست وہفتم)میں فرماتے ہیں:

” او تعالی ازصفات ولوازم جواهرواجسام واعراض منزه است اززمان ومكان وجهت در حضرت او تعالی گنجائش نيست اين همه مخلوق اوند“.

ترجمہ:۔’’اللہ تعالی جواہرواجسام واعراض کے لوازم وصفات سے پاک ومنزہ ہےاس کی بلند بارگاہ میں زمان ومکان کی گنجائش نہیں کہ یہ سب اس کی مخلوق ہیں‘‘۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی اپنی کتاب تکمیل الایمان (مطبوعہ مطبع محمدی کان پورص۴) میں لکھتے ہیں:

” ولا محدود ولافي جهة ولافي مكان ولافي زمان “.

یعنی اللہ سبحانہ کسی حد، جہت، مکان اورزمان میں نہیں ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی حنفی(متوفی ۱۲۳۹ھ)تحفۂ اثناعشریہ(مطبوعہ نول کشورص۱۴۱)میں تحریر فرماتے ہیں:

''عقیدہ سیزدہم آں کہ حق تعالی رامکان نیست و اورا جہتے ازفوق وتحت متصورنیست وہمیں است مذہب اہل سنت و جماعت''، تیرہ[۱۳]واں عقیدہ اللہ تعالی کا کوئی مکان نہیں اور اس کے لیے فوق وتحت میں سے کوئی جہت متصورنہیں، یہی اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے''۔

سیف اللہ المسلول حضرت علامہ شاہ فضل رسول عثانی قادری بدایونی قدس سرہ فرماتے ہیں:

''اوراسی طرح جہت اللہ کے حق میں محال ہے اس لیے کہ جہت کے ساتھ مختص ہونے کا معنی ایک معین حیز کے ساتھ خاص ہونا ہے اور یہ بے شک باطل ہے اس لیے کہ جوہریت اور جسمیت اللہ تبارک وتعالی کے حق میں باطل ہے۔اب اگر جہت سے اس معنی کے سوا دوسرا معنی مراد ہے جس میں حیز میں حلول اور جسمیت نہ ہو تو بیان کیا جائے تا کہ اس میں نظر کی جائے آیا وہ معنی اللہ تبارک وتعالی کو ایسی بات سے منزہ ماننے کی طرف رجوع کرتا ہے جو باری تعالی کے شایان شان نہیں،(اگر ایسا ہے) تو قائل کو جہت سے تعبیر میں خطا کار جانیں گے اس لیے کہ وہ (تعبیر) اس بات کا ایہام رکھتی ہے جو اللہ کے لائق نہیں اور اس لیے کہ یہ تعبیر دین میں وارد نہیں، یا جہت کے اطلاق کا مرجع تنزیہ کی طرف نہیں تو اس صورت میں اس کے قائل سے اور دوسروں سے اس قول کا فساد بیان کیا جائے گا گمراہی سے بچانے کے لیے''۔

اور اگر یہ کہا جائے پھر دعا میں آسمان کی طرف ہاتھ کیوں اٹھائے جاتے ہیں حالاں کہ آسمان بلندی کی سمت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ: آسمان دعا کا قبلہ ہے جس کی طرف ہاتھوں سے توجہ کی جاتی ہے جس طرح کعبہ نماز کا قبلہ ہے جس کا سینے اور چہرے سے استقبال کیا جاتا ہے اور نماز میں معبود اور دعا میں مقصود خدائے تعالی ہے کعبہ اور آسمان میں حلول سے منزہ ہے۔

رب تبارک وتعالی کے حق میں جہت ماننے والا ایک قول پر کافر ہے۔اور ایک قول پر کافر نہیں۔اور اس

دوسرے قول کونووی نے اس شرط سے مقید کیا کہ اس کا قائل عامی ہو"۔ (المعتقد المنتقد ص۱۸۷ و ۱۸۸)

مجدد اعظم سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

"حاشاللہ یہ ہرگز عقیدہ اہل سنت کا نہیں وہ مکان وتمکن سے پاک ہے، نہ عرش اس کا مکان ہے نہ دوسری جگہ، عرش وفرش سب حادث ہیں اور وہ قدیم ازلی ابدی سرمدی، جب تک یہ کچھ نہ تھے کہاں تھا، جیسا جب تھا ویسا ہی اب ہے، اور جیسا اب ہے ویسا ہی ابدالآباد تک رہے گا، عرش وفرش سب متغیر ہیں، حادث ہیں، فانی ہیں، اور وہ اور اس کی صفات تغیر وحدوث وفنا سب سے پاک، استوا پر اجماع نقل کرنے کی کیا حاجت خود رحمٰن عزوجل فرماتا ہے:

﴿الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ [طٰہ-۲۰:۵]

ترجمہ:۔"وہ بڑا مہر والا اس نے عرش پر استوا فرمایا جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے"۔

مگر اعتقاد اہل سنت کا وہ ہے جو ان کے رب عزوجل نے راسخین فی العلم کو تعلیم فرمایا:

﴿وَالرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُوْلُوا الْأَلْبَابِ﴾ [آل عمران-۳:۷]

ترجمہ:۔"اور وہ پختہ علم والے کہتے ہیں: ہم اس پر ایمان لائے، سب ہمارے رب کے پاس سے ہے، اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے"۔

اعتقاد اہل سنت کا وہ ہے جو ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ:

" والاستواء معلوم، والكيف مجهول، والإيمان به واجب، والسؤال عنه بدعة"

ترجمہ:۔"استوا معلوم ہے اور کیفیت مجہول اور اس پر ایمان واجب اور اس کی تفتیش گمراہی ہے"۔

(فتح الباری کتاب التوحید باب قولہ :وکان عرشه علی الماء مصطفیٰ البابی مصر ۱۷۷/۱۷)

اہل سنت کے دو مسلک آیات متشابہات میں ہیں:

(۱) سلف صالح کا مسلک **تفویض** کا: ہم نہ ان کے معنی جانیں نہ ان سے بحث کریں جو کچھ ان کے ظاہر سے سمجھ میں آتا ہے وہ قطعاً مراد نہیں اور جو کچھ ان کے رب عزوجل کی مراد ہے ہم اس پر ایمان لائے ﴿آمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾ ہم سب اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے۔

(۲) دوسرا مسلک **متاخرین** کا: کہ حفظ دین عوام کے لیے معنی محال سے پھیر کر کسی قریب معنی صحیح کی طرف لے جاتے مثلاً استوا بمعنی استیلا بھی آتا ہے ؎

قد استوی بشر علی العراق   من غیر سیف دم مهراق

(یقیناً بشر عراق پر غالب آ گیا تلوار کے ساتھ خون بہائے بغیر)

مگر یہ مسلک باطل کہ آیات معیت تو تاویل پر محمول ہیں اور آیات استوا ظاہر پر مگر یہ ہرگز مسلک اہل سنت نہیں، عرش پر ہے دوسری جگہ نہیں یہ صاف تمکن کو بتا رہا ہے، عرش پر معاذ اللہ اس کے لیے جگہ ثابت کی جب تو اور مکانات کی نفی کی۔ عالمگیریہ، طریقہ محمدیہ، حدیقہ ندیہ، تاتارخانیہ، خلاصہ، جامع الفصولین، خزانۃ المفتین وغیرہا میں تصریح ہے کہ رب عزوجل کے لیے کسی طرح کسی جگہ مکان ثابت کرنا کفر ہے، متاخرین حنابلہ میں بعض خبثا مجسمہ ہو گئے جیسے ابن تیمیہ و ابن قیم۔ ابن تیمیہ کہتا ہے کہ: میں نے سب جگہ ڈھونڈا کہیں نہ پایا اور معدوم ہے ان دونوں میں کچھ فرق نہیں یعنی جو کسی جگہ ہے وہ ہے ہی نہیں لیکن رب عزوجل تو معاذ اللہ ضرور کسی جگہ ہے اس احمق سفیہ کو اگر مادی اور مجرد عن المادہ کا فرق نہ معلوم ہو تو وہ سیف قاطع جو اوپر ہم نے ذکر کی اس کی گردن کاٹنے کو کافی۔ جگہ حادث ہے جب جگہ تھی ہی نہیں کہاں تھا۔ وہ شاید یہ کہے گا کہ جب جگہ نہ تھی وہ بھی نہ تھا، یا یہ کہے گا کہ جگہ بھی قدیم ازلی ہے اور دونوں کفر ہیں جب اس کا معبود اس کے نزدیک بغیر کسی جگہ میں موجود ہوئے نہیں ہو سکتا تو جگہ کا محتاج ہوا اور جو جگہ کا محتاج ہے اللہ نہیں تو حقیقۃً ان پر انکار خدا ہی لازم ہے ایسے عقیدے والے کے پیچھے نماز ممنوع

و ناجائز ہے''۔(فتاوی رضویہ ۱۱/۴۹، رضا اکیڈمی ممبئی)

مجدد اعظم سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے ''**قوارع القهار على المجسمة الفجار**'' میں اس مسئلہ کی کامل تحقیق فرمائی اور اللہ عزوجل کی تنزیہ میں اہل سنت و جماعت کے عقیدہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

(۱) اللہ تعالی ہر عیب و نقصان سے پاک ہے۔

(۲) وہ کسی چیز کی طرف کسی طرح کسی بات میں اصلاً احتیاج نہیں رکھتا۔

(۳) مخلوق کی مشابہت سے منزہ ہے۔

(۴) اس میں تغیر نہیں آ سکتا ازل میں جیسا تھا ویسا ہی اب ہے اور ویسا ہی ہمیشہ رہے گا یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ پہلے ایک طور پر ہو پھر بدل کر اور حالت پر ہو جائے۔

(۵) وہ جسم نہیں جسم والی کسی چیز کو اس سے لگاؤ نہیں۔

(۶) اسے مقدار عارض نہیں کہ اتنا یا اتنا کہہ سکیں لمبا یا چوڑا یا دلدار موٹا یا پتلا یا بہت تھوڑا یا ناپ یا گنتی یا تول میں بڑا یا چھوٹا یا بھاری یا ہلکا نہیں۔

(۷) وہ شکل سے منزہ ہے پھیلا، یا سمٹا، گول یا لمبا تکونا یا چوکھونٹا، سیدھا یا ترچھا، یا کسی صورت کا نہیں۔

(۸) حد و طرف و نہایت سے پاک ہے اور اس معنی پر نا محدود بھی نہیں کہ بے نہایت پھیلا ہوا ہو بلکہ یہ معنی کہ وہ مقدار وغیرہ تمام اعراض سے منزہ ہے غرض نا محدود کہنا نفی حد کے لیے ہے نہ اثبات مقدار بے نہایت کے لیے۔

(۹) وہ کسی چیز سے بنا نہیں۔

(۱۰) اس سے اجزا یا حصے فرض نہیں کر سکتے۔

(۱۱) جہت اور طرف سے پاک ہے جس طرح اسے دہنے بائیں یا نیچے نہیں کہہ سکتے یوں جہت کے معنی پر آگے پیچھے یا اوپر بھی ہر گز نہیں۔

(۱۲) وہ کسی مخلوق سے مل نہیں سکتا کہ اس سے لگا ہوا ہو۔

(۱۳) کسی مخلوق سے جدا نہیں کہ اس میں اور مخلوق میں مسافت کا فاصلہ ہو۔

(۱۴) اس کے لیے مکان اور جگہ نہیں۔

(۱۵) اٹھنے بیٹھنے، اترنے چڑھنے، چلنے ٹھہرنے وغیرہا تمام عوارض جسم وجسمانیات سے منزہ ہے محل تفصیل میں عقائد تنزیہہ بے شمار ہیں یہ ۱۵/ پندرہ کہ بقدر حاجت یہاں مذکور ہوئے اوران کے سوا ان جملہ مسائل کی اصل یہی تین عقیدے ہیں جو پہلے مذکور ہوئے اوران میں بھی اصل الاصول عقیدۂ اولی ہے کہ تمام مطالب تنزیہہ کا حاصل وخلاصہ ہے ان کی دلیل قرآن عظیم کی وہ سب آیات ہیں جن میں باری عزوجل کی تسبیح وتقدیس وپاکی وبے نیازی وبے مثلی وبے نظیری ارشاد ہوئی آیات تسبیح خود کس قدر کثیر ووافر ہیں:

وقال تعالی: ﴿ الْمَلِکُ الْقُدُّوسُ السَّلٰمُ ﴾ [الحشر-۵۹:۲۳]

ترجمہ:۔ بادشاہ نہایت پاکی والا ہر عیب سے سلامت۔

وقال تعالی: ﴿ فَإِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ [آل عمران-۳:۹۷]

ترجمہ:۔ بے شک اللہ سارے جہاں سے بے نیاز ہے۔

وقال تعالی: ﴿ فَإِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ﴾ [لقمان-۳۱:۱۲]

ترجمہ:۔ بے شک اللہ ہی بے پرواہ ہے سب خوبیوں سراہا ہوا۔

وقال تعالی: ﴿لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ﴾ [الشوریٰ-۴۲:۱۱]

ترجمہ:۔ اس کے مثل کوئی چیز نہیں۔

وقال تعالی: ﴿ھَلْ تَعْلَمُ لَہٗ سَمِیًّا﴾ [مریم-۱۹:۶۵]

ترجمہ:۔ کیا تو جانتا ہے اس کے نام کا کوئی۔

وقال تعالی: ﴿ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا أَحَدٌ﴾ [اخلاص-۱۱۲:۴]

ترجمہ:۔ اس کے جوڑ کا کوئی نہیں۔

ان سب مطالب کی آیات صدہا ہیں یہ آیات محکمات نہیں، یہ ام الکتاب ہیں ان کے معنی میں کوئی خفا واجمال نہیں، اصلا دقت واشکال نہیں، جو کچھ ان کے صریح لفظوں سے بے پردہ روشن وہویدا ہے بے تغییر وتبدیل بے تخصیص وتاویل اس پر ایمان لانا ضروریات دین اسلام سے ہے۔'' (فتاوی رضویہ ۲۲۰/۱۱ تا ۲۲۱ رسالہ قوارع القهار على المجسمة الفجار رضا اکیڈمی ممبئی)

مجدد اعظم سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اس غامض مسئلہ کو عرش تحقیق تک پہنچاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: قرآن عظیم کی آیتیں دو قسم کی ہیں: (۱) محکمات جن کے معنی صاف بے دقت ہیں جیسے اللہ کی پاکی وبے نیازی وبے مثلی کی آیتیں جن کا ذکر اوپر گزرا۔ اور (۲): متشابہات جن کے معنی میں اشکال ہے یا تو ظاہر لفظ سے کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا جیسے حروف مقطعات ''الٓمٓ'' وغیرہ یا جو سمجھ میں آتا ہے وہ اللہ عزوجل پر محال ہے جیسے ''الرحمٰن على العرش استوى'' یا ''ثم استوى على العرش'' جن دلوں میں کجی وگمراہی تھی وہ دین میں فتنے پھیلانے لگے کہ اللہ عرش پر بیٹھا ہے، عرش پر چڑھا ہوا ہے، عرش پر ٹھہر گیا، انھیں کو قرآن مجید نے فرمایا: ﴿الَّذِيْنَ فِي قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ﴾ [آل عمران-۳:۷] ان کے دل پھرے ہوئے ہیں۔

اور جو لوگ علم میں پکے اور اپنے رب کے پاس سے ہدایت رکھتے تھے وہ سمجھے کہ آیات محکمات سے قطعا ثابت ہے کہ اللہ تعالی مکان وجہت وجسم واعراض سے پاک ہے، بیٹھنے چڑھنے سے منزہ ہے کہ یہ سب باتیں اس بے عیب کے حق میں عیب ہیں اور وہ ہر عیب سے پاک ہے، ان میں اللہ عزوجل کے لیے اپنے مخلوق ''عرش'' کی طرف احتیاج نکلے گی اور وہ ہر احتیاج سے پاک ہے، ان میں مخلوق سے مشابہت ثابت ہوگی کہ اٹھنا بیٹھنا، چڑھنا، اترنا، سرکنا، ٹھہرنا اجسام کے کام ہیں اور وہ ہر مشابہت خلق سے پاک ہے تو قطعاً یقیناً ان لفظوں کے ظاہری معنی جو ہماری سمجھ میں آتے ہیں ہرگز مراد نہیں پھر آخر معنی کیا لیں اس میں یہ ہدایت والے دو روش ہو گئے:

اکثر نے فرمایا: جب یہ ظاہری معنی قطعا مقصود نہیں اور تاویلی مطلب متعین ومحدود نہیں تو ہم اپنی طرف سے کیا کہیں۔ یہی بہتر کہ اس کا علم اللہ پر چھوڑیں ہمیں ہمارے رب نے آیات متشابہات کے پیچھے پڑنے سے

منع فرمایا اوران کی تعیین مراد میں خوض کرنے کو گمراہی بتایا تو ہم حد سے باہر کیوں قدم دھریں، اسی قرآن کے بتائے حصے پر قناعت کریں کہ "اٰمنا بہ کل من عند ربنا" جو کچھ ہمارے مولیٰ کی مراد ہے ہم اس پر ایمان لائے، محکم متشابہ یہ سب ہمارے رب کے پاس سے ہے، یہ مذہب جمہور ائمہ سلف کا ہے اور یہی اسلم واولی ہے اسے مسلک تفویض وتسلیم کہتے ہیں، ان ائمہ نے فرمایا کہ: استوا معلوم ہے کہ ضرور اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور کیف مجہول ہے کہ اس کے معنی ہماری سمجھ سے وراہیں اور ایمان اس پر واجب ہے کہ نص قطعی قرآن سے ثابت ہے اور سوال اس سے بدعت ہے کہ سوال نہ ہوگا مگر تعیین مراد کی طرف راہ نہیں۔

اور بعض نے خیال کیا کہ: جب اللہ عزوجل نے محکم متشابہ دو قسمیں فرما کر محکمات کو "ھن أم الکتاب" فرمایا کہ وہ کتاب کی جڑ ہیں اور ظاہر ہے کہ ہر فرع اپنی اصل کی طرف پلٹتی ہے تو آیت کریمہ نے تاویل متشابہات کی راہ خود بتادی اوران کی ٹھیک معیار ہمیں سمجھادی کہ ان میں وہ درست وپاکیزہ احتمالات پیدا کرو جن سے یہ اپنی اصل یعنی محکمات کے مطابق آجائیں اور فتنہ وضلال وباطل ومحال راہ نہ پائیں یہ ضرور ہے کہ اپنے نکالے ہوئے معنی پر یقین نہیں کرسکتے کہ اللہ عزوجل کی یہی مراد ہے مگر جب معنی صاف وپاکیزہ ہیں اور مخالفت محکمات سے بری ومنزہ ہیں اور محاورات عرب کے لحاظ سے بن بھی سکتے ہیں تو احتمالی طور پر بیان کرنے میں کیا حرج ہے اور اس میں نفع یہ ہے کہ بعض عوام کی طبائع صرف اتنی بات پر مشکل سے قناعت کریں گی کہ ان کے معنی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے اور جب انہیں روکا جائے گا تو خواہ مخواہ ان میں فکر کی اور حرص بڑھے گی "إن ابن اٰدم لحریص علی مامنع" اور جب فکر کریں گے فتنے میں پڑیں گے، گمراہی میں گریں گے تو یہی انسب ہے کہ ان کی افکار ایک مناسب وملائم معنی کی طرف کہ "محکمات سے مطابق محاورات سے موافق ہوں" پھیردی جائیں کہ فتنہ اور ضلال سے نجات پائیں یہ مسلک بہت سے علمائے متاخرین کا ہے کہ نظر بحال عوام اسے اختیار کیا ہے اسے مسلک تاویل کہتے ہیں یہ علما بوجوہ کثیرہ تاویل آیت فرماتے ہیں ان میں چار[۴] وجہیں نفیس وواضح ہیں"۔ (ملخصاً فتاوی رضویہ ۱۱/۲۲۲و۲۲۳ رضا اکیڈمی ممبئ)

اس تحقیق وتفصیل کے بعد آپ نے ائمہ دین کے کلمات عالیہ اوران کی تصریحات جلیلہ کی روشنی میں

تاویل کی چار[۴] واضح اورنفیس وجہیں ذکر کیں اور آیات متشابہات کے متعلق بعض عبارتیں ذکر فرما کر مطلب سابق کی توضیح فرمائی اور یہ واضح فرمایا کہ آیت کریمہ "**الرحمن علی العرش استوی**" آیات متشابہات سے ہے اور چاروں اماموں کا اس بات پر اجماع ہے کہ ''استوا'' کے معنی کچھ نہ کہے جائیں اس پر ایمان واجب ہے اور معنی کی تفتیش حرام ہے۔یہی طریقہ جملہ سلف صالحین کا بھی ہے امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں یحیٰ بن یحیٰ سے روایت کی:

" كنا عند مالك بن أنس فجاء رجل فقال يا أباعبدالله: " الرحمن على العرش استوى" فكيف استوى؟ قال: فأطرق مالك رأسه حتى علاه الرحضاء ثم قال: الاستواء غير مجهول، والكيف غير معقول، والإيمان به واجب، والمسؤل عنه بدعة وما أراك إلا مبتدعا فأمر به أن يخرج"

(كتاب الأسماء والصفات للبيهقي باب ما جاء في قول الله تعالى: الرحمن على العرش استوى. المكتبة الاثريةسانگله هل شيخوپوره ۲/۱۵۰)

ترجمہ:۔''ہم امام مالک کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کی اے ابوعبداللہ! رحمٰن نے عرش پر استوا فرمایا یہ استوا کس طرح ہے؟ اس کے سنتے ہی امام نے سر مبارک جھکا لیا یہاں تک کہ بدن مقدس پسینہ پسینہ ہوگیا پھر فرمایا استوا مجہول نہیں، اور کیفیت معقول نہیں اور اس پر ایمان فرض اور اس سے استفسار بدعت اور میرے خیال میں تو ضرور بدمذہب ہے پھر حکم دیا اسے نکال دو''۔

اسی میں ہے:

" والآثار عن السلف في مثل هذا كثيرة وعلى هذه الطريقة يدل مذهب الشافعي رضي الله تعالى عنه وإليها ذهب أحمد بن حنبل والحسين بن الفضل البلخي ومن المتأخرين أبو سليمان الخطابي".

ترجمہ:۔''یعنی اس باب میں سلف صالح سے روایات بکثرت ہیں اوراس طریقۂ سکوت پرامام شافعی کا مذہب دلالت کرتا ہے اور یہی مسلک امام احمد بن حنبل وامام حسین بن فضل بلخی اور متاخرین سے امام ابوسلیمان خطابی کا ہے''۔

(کتاب الأسماء والصفات للبيهقي باب قول اللہ: الرحمٰن علی العرش استوی الخ المکتبۃ الاثریۃ سانگلہ ہل شیخورہ پورہ ۱۵۲/۲)

امام ابوالقاسم لالکائی نے کتاب السنہ میں سیدنا امام محمد سردار مذہب حنفی تلمیذ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ سے راوی کہ فرماتے:

" اتفق الفقهاء كلهم من المشرق إلى المغرب على الإيمان بالقراٰن وبالأحاديث التي جاء ت بها الثقات عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في صفة الرب من غير تشبيه ولاتفسير، فمن فسر شيئا من ذلك فقد خرج عما كان عليه النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وفارق الجماعة فإنهم لم يصفوا ولم يفسروا ولكن اٰمنوا بمافي الكتاب والسنة ثم سكتوا''.(كتاب السنة إمام أبو القاسم لالكائى)

ترجمہ:۔''شرق سے غرب تک تمام ائمہ مجتہدین کا اجماع ہے کہ آیات قرآن عظیم واحادیث صحیحہ میں جوصفات الٰہیہ آئیں ان پر ایمان لائیں بلاتشبیہ وتفسیر،تو جوان میں سے کسی کے معنی بیان کرے وہ نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے طریقے سے خارج اور جماعت علما سے جدا ہوا اس لیے کہ ائمہ نے نہ ان صفات کا کچھ حال بیان فرمایا نہ ان کے معنی کہے بلکہ قرآن وحدیث پر ایمان لاکر چپ رہے''۔

(فتاوی رضویہ ۱۱/۲۲۶ تا ۲۲۸ رضا اکیڈمی ممبئی رسالہ "قوارع القهار على المجسمة الفجار")

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

''طرفہ یہ کہ امام محمد کے اس ارشاد وذکر اجماع ائمہ امجاد کو خود ذہبی نے بھی کتاب العلو میں نقل کیا اور کہا محمد سے یہ اجماع لالکائی اور ابو محمد بن قدامہ نے اپنی کتابوں میں روایت کیا بلکہ خود ابن تیمیہ مخذول بھی اسے نقل کر گیا۔ و للّٰہ الحمد و له الحجة السامية

(فتاوی رضویہ ۱۱/۲۲۸ رضا اکیڈمی ممبئی)

ان سب سے صاف ظاہر ہے کہ آیات متشابہات کے باب میں ارباب ہدایت میں سے ائمہ اربعہ اور جمہور سلف صالحین کا مذہب ومسلک یہی ہے کہ استوا کے معنی کچھ نہ کہے جائیں اس پر ایمان واجب ہے اور معنی کی تفتیش حرام اور مخالف سلف صالح وجمہور اہل سنت وجماعت ہے، مدارک میں زیر سورۂ طٰہٰ یہاں تک فرمایا:

''المذهب قول علي رضي الله تعالى الاستواء غير مجهول، والتكيف غير معقول والإيمان به واجب والسؤال عنه بدعة لأنه تعالى كان ولا مكان فهو على ما كان قبل خلق المكان لم يتغير عما كان'' (مدارک التنزیل۔ تفسیر النسفی) آیت ۳/۵ دار الکتاب العربی بیروت ۳/۴۸)

ترجمہ:۔ ''مذہب وہ ہے جو مولی علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا: کہ استوا مجہول نہیں اور اس کی چگونگی عقل میں نہیں آسکتی اس پر ایمان واجب ہے اور اس کے معنی سے بحث بدعت ہے، اس لیے کہ مکان پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالی موجود تھا پھر وہ اپنی شان سے بدلا نہیں یعنی جیسا جب مکان سے پاک تھا اب بھی پاک ہے''۔

اسی میں زیر سورۂ اعراف یہی قول امام جعفر صادق وامام حسن بصری وامام اعظم ابوحنیفہ وامام مالک رضی اللہ تعالی عنہم سے نقل فرمایا۔ (فتاوی رضویہ ۱۱/۲۲۸، رضا اکیڈمی ممبئی)

صرف یہی نہیں بلکہ معالم التنزیل میں ہے:

''ذهب الأكثرون إلى أن الواو في قوله: ''والراسخون'' واو الاستيناف وتم الكلام عند قوله: '' ومايعلم تاويله إلا الله '' وهو قول أبي بن كعب وعائشة

وعروة بن الزبير رضي الله تعالى عنهم، ورواية طاؤس عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما وبه قال الحسن و أكثر التابعين واختاره الكسائي والفراء والأخفش (إلى أن قال) ومما يصدق ذلک قراء ة عبدالله إن تاويله إلا عندالله والراسخون في العلم يقولون "امنا" وفي حرف أبي ويقول "الراسخون في العلم امنا به" وقال عمربن عبدالعزيزفي هذه الأية انتهى علم الراسخين في العلم بتاويل القران إلى أن قالوا "امنا به كل من عند ربنا" وهذا القول أقْيَسُ في العربية وأشبَهُ بِظاهر الأية". (معالم التنزيل تحت الأية ۳/۷ دارالكتب العلمية بيروت ۱/۲۱۴و۲۱۵)

ترجمہ:ـ" جمہورائمہ دین صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا مذہب یہ ہے کہ: "والراسخون في العلم" سے جدا بات شروع ہوئی، پہلا کلام وہیں فوراً ہو گیا کہ متشابہات کے معنی اللہ عزوجل کے سوا کوئی نہیں جانتا یہی قول حضرت سید قاریان صحابہ ابی بن کعب، حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ، عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے اور یہی امام طاؤس نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا اور یہی مذہب امام حسن بصری واکثر تابعین کا ہے اور اسی کو امام کسائی وفرا واخفش نے اختیار کیا اور اس مطلب کی تصدیق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس قراء ت سے بھی ہوتی ہے کہ آیات متشابہات کی تفسیر اللہ عزوجل کے سوا کسی کے پاس نہیں اور پکے علم والے کہتے ہیں: ہم ایمان لائے۔ اورابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراء ت بھی اسی معنی کی تصدیق کرتی ہے۔امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ان کی تفسیر میں محکم علم والوں کا منتہائے علم بس اس قدر ہے کہ کہیں ہم ان پر ایمان لائے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے اور یہ قول عربیت کی رو سے زیادہ دلنشیں اور ظاہر آیت سے موافق ہے"۔

ان سب سے صاف ظاہر ہے کہ آیات متشابہات کے بارے میں بنظر حال عوام ارباب ہدایت میں سے متاخرین کا مسلک مسلک تاویل ہے مگر جمہور ائمہ سلف ومتقدمین کا مذہب اسلم واولی مسلک تسلیم وتفویض ہے کہ ان کی مراد اللہ عزوجل جانے۔ یہی مذہب ائمہ اربعہ امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل اور امام اعظم ابوحنیفہ کا ہے بلکہ جمہور ائمہ دین صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین کا ہے کہ ابی بن کعب اور حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ اور عروہ بن زبیر اور مولی علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم رضی اللہ تعالی عنہم نے یہی فرمایا اور امام طاؤس نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے بھی یہی روایت کیا اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کی قراءت سے بھی اسی معنی کی تصدیق ہوتی ہے۔

ناظرین کرام غور فرمائیں کہ ابن تیمیہ بات بات پر یہ کہتا ہے کہ اس پر ساری امت کا اجماع ہے، یہ اجماع مسلمین کے خلاف ہے وہ اپنے ناپاک مقصد کے لیے طرح طرح کی بالا خانیاں کرتا ہے، کہیں اپنی تائید میں امام مالک رحمہ اللہ تعالی کو پیش کرتا ہے اور کہیں خود کو حنبلی مذہب ظاہر کرتا ہے اور سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالی عنہ سے اپنی محبت وعقیدت کا اظہار کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ یہ سیدنا امام احمد ابن حنبل کا مذہب ہے، آخر اس نے اس مقام پر فاسد معنی کا قول کیا کیا اس قول پر ساری امت کا اجماع ہے، کیا ائمہ اربعہ کا اس پر اجماع ہے کیا وہ متأخرین ومتقدمین میں سے کسی کا مسلک ہے کیا وہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالی عنہ کا مذہب ومسلک ہے کیا وہ ارباب ہدایت کا مذہب ہے کیا وہ سلف صالح اور جمہور اہل سنت وجماعت کا مذہب ہے؟ نہیں ہرگز ایسا نہیں یہ ان لوگوں کا مذہب ہے جن کے بارے میں قرآن مجید نے فرمایا: ﴿فَأَمَّا الَّذِيْنَ فِي قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ﴾ [آل عمران-۳:۷] یہ حشویہ مجسمہ کا مذہب ہے جنھوں نے صاف صاف مان لیا کہ اللہ تعالی کے لیے مکان ہے، جسم ہے، جہت ہے اور جب یہ سب کچھ ہے تو پھر چڑھنا اترنا بیٹھنا چلنا ٹھہرنا سب خود بخود ثابت ہے۔

مجدد اعظم سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے محکم اور روشن دلیلوں کے ذریعہ اس مذہب نامہذب کی صریح ضلالت کو اس طرح واشگاف فرمایا کہ ابن تیمیہ اور اس کے کفش برداروں کے لیے مجال دم زدن نہیں، مزید تحقیق وتدقیق کے لیے آپ کا گراں قدر رسالہ "**قوارع القهار على المجسمة الفجار**"

مطالعہ فرمائیں انشاء اللہ تعالی الرحمٰن آپ پر حق واضح ہوجائے گا اورابن تیمیہ اوراس کے کفش برداروں کی صریح ضلالت وگمراہی کا حال آفتاب نصف النہار سے زیادہ روشن ہوجائے گا میں اس مقام پرآپ کی محکم دلیلوں کا ایک حصہ ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کررہاہوں تاکہ طالبان تحقیق کوائمہ کرام کے ان روشن ارشادات کے ساتھ ان کے دلائل کا بھی حظ وافر حاصل ہوآپ فرماتے ہیں:

ضرب:۲۷۔(امام بیہقی کتاب الاسماء والصفات میں)**باب ماجاء في العرش** میں امام ابوسلیمان خطابی رحمۃ اللہ تعالی علیہ سے نقل فرماتے ہیں ص ۲۸۴:

" ليس معنى قول المسلمين:"إن الله تعالى على العرش" هو أنّه مماس لهُ أو متمكن فيه، أو متحيز في جهة من جهاته، لكنه بائن من جميع خلقه، وإنما هو خبر جاء به التوقيف فقلنا به، ونفيناعنه التكيف إذليس كمثله شئ وهو السميع العليم". (كتاب الأسماء والصفات باب ماجاء في العرش والكرسي ـ مكتبة الاثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ۱۳۹/۲)

ترجمہ:۔"مسلمانوں کے اس قول کے کہ:"اللہ تعالی عرش پر ہے" یہ معنی نہیں کہ وہ عرش سے لگاہوا ہے یاوہ اس کامکان ہے یاوہ اس کی کسی جانب میں ٹھہراہوا ہے بلکہ وہ اپنی تمام مخلوق سے نرالا ہے یہ توایک خبر ہے کہ شرع میں وارد ہوئی تو ہم نے مانی اور چگونگی اس سے دور ومسلوب جانی اس لیے کہ اللہ تعالی کے مشابہ کوئی چیز نہیں اوروہی ہے سننے والا دیکھنے والا"۔

(امام بیہقی نے اسی کتاب الاسماء والصفات میں) یہ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے طبقات آسمان پھران کے اوپر عرش پھر طبقات زمین کا بیان کرکے فرمایا:

" والذی نفس محمد بیده لوأنكم دَلّيتم أحدكم بحبل إلى السابعة لهبط على الله تبارك وتعالى ثم قرأ رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم هوالأول والأخر والظاهر والباطن".

(كتاب الأسماء والصفات للبيهقي جماع أبواب ذكر الأسماء التي تتبع نفي التشبيه الخ المكتبة الاثريه سانگله هل شيخوپوره ۲/۱۴۴)

ترجمہ:۔''قسم ہے اس کی جس کے دست قدرت میں محمد (صلی اللہ تعالی علیہ وسلم) کی جان ہے اگر تم کسی کورسی کے ذریعہ سے ساتویں زمین تک لٹکاؤ تو وہاں بھی وہ اللہ عزوجل ہی تک پہنچے گا پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ اللہ تعالی ہی ہے اول وآخر وظاہر وباطن''۔

اس حدیث کے بعد امام فرماتے ہیں ۲۸۷:

" الذی روي في اٰخر هذاالحديث إشارة إلى نفي المكان عن الله تعالى وأن العبد أينما كان فهوفي القرب والبعد من الله تعالى سواء، وأنه الظاهر،فصح إدراكه بالدلالة الباطن فلا يصح إدراكه بالكون في مكان".

(كتاب الأسماء والصفات للبيهقي جماع أبواب ذكر الأسماء التي تتبع نفي التشبيه الخ المكتبة الاثريه سانگله هل شيخوپوره ۲/۱۴۴)

ترجمہ:۔''اس حدیث کا پچھلا فقرہ اللہ عزوجل سے نفی مکان پر دلالت کرتا ہے اور یہ کہ بندہ کہیں ہو اللہ عزوجل سے قرب وبعد میں یکساں ہے اور یہ کہ اللہ ہی ظاہر ہے تو دلائل سے اسے پہچان سکتے ہیں اور وہی باطن ہے کسی مکان میں نہیں کہ یوں اسے جان سکیں''۔

أقول: یعنی اگر عرش اس کا مکان ہوتا تو جو ساتویں زمین تک پہنچا وہ اس سے کمال دوری وبعد پر ہو جاتا نہ کہ وہاں بھی اللہ ہی تک پہنچتا اور مکانی چیز کا ایک آن میں دو مختلف مکان میں موجود ہونا محال اور یہ اس سے بھی شنیع تر ہے کہ عرش تا فرش تمام مکانات بالا وزیریں دفعۃً اس سے بھرے ہوئے مانو کہ تجزیہ وغیرہ صدہا استحالے لازم آنے کے علاوہ معاذ اللہ اللہ تعالی کو اسفل وادنی کہنا بھی صحیح ہوگا لاجرم قطعا یقیناً ایمان لانا پڑے گا کہ عرش وفرش کچھ اس کا مکان نہیں، نہ وہ عرش میں ہے نہ ماتحت الثری میں نہ کسی جگہ میں ہاں اس کا علم وسمع وبصر وملک

ہر جگہ ہے جس طرح امام ترمذی نے جامع میں ذکر فرمایا۔

پھر (امام بیہقی نے) فرمایا:

" واستدل بعض أصحابنا في نفي المكان عنه تعالى بقول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "أنت الظاهر فليس فوقک شيء وأنت الباطن فليس دونک شيء" وإذا لم يكن فوقه شيء ولادونه شيء لم يكن في مكان".

(كتاب الأسماء والصفات باب ماجاء في العرش والكرسي المكتبة الاثريه سانگله هل شيخوپوره ۲/۱۴۴)

ترجمہ:۔"اور بعض ائمہ اہل سنت نے اللہ عزوجل سے نفی مکان پر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس قول سے استدلال کیا کہ آپ اپنے رب عزوجل سے عرض کرتے ہیں تو ہی ظاہر ہے تو کوئی تجھ سے اوپر نہیں اور تو ہی باطن ہے تو کوئی تیرے نیچے نہیں جب اللہ عزوجل سے نہ کوئی اوپر ہوا نہ کوئی نیچے تو اللہ تعالیٰ کسی مکان میں نہ ہوا یہ حدیث صحیح مسلم شریف وسنن ابوداود میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (مروی) ہے"۔ (رواه البيهقي في الاسم الأول والأخر)

أقول: حاصل دلیل یہ کہ اللہ عزوجل کا تمام امکنۂ زیر وبالا کو بھرے ہوئے ہونا تو بداہۃ محال ہے ورنہ وہی استحالے لازم آئیں گے اگر مکان بالا میں ہوگا تو اشیا اس کے نیچے ہوں گی اور مکان زیریں میں ہوا تو اشیا اس سے اوپر ہوں گی اور وسط میں ہوا تو اوپر نیچے دونوں ہوں گی حالاں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:"نہ اس سے اوپر کچھ ہے اور نہ نیچے کچھ تو واجب ہوا کہ مولیٰ تعالیٰ مکان سے پاک ہو"

ضرب ۷۷۔"عرش فرش جس جگہ کو معاذ اللہ مکان الٰہی کہو اللہ تعالیٰ ازل سے اس میں متمکن تھا یا اب متمکن ہوا پہلی تقدیر پر وہ مکان بھی ازلی ٹھہرا اور کسی مخلوق کا ازلی ماننا باجماع مسلمین کفر ہے دوسری تقدیر پر اللہ عزوجل میں تغیر آیا اور یہ خلاف شان الوہیت ہے۔"

ضرب ۷۸۔ أقـول مکان خواہ بعد موہوم ہو یا مجرد، یا سطح حاوی مکین کو اس کا محیط ہونا لازم محیط یا مماس بعض شي مکان بعض یا بعض مکان ہے نہ مکان شي مثلاً ٹوپی کو نہیں کہہ سکتے کہ پہننے والے کا مکان ہے تم جوتا پہنے ہوتو یہ نہ کہیں گے کہ تمہارا مکان جوتے میں ہے تو عرش اگر معاذ اللہ مکان الٰہی ہو لازم کہ اللہ عز وجل کو محیط ہو یہ محال ہے قال اللہ تعالی: ﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُحِيطًا﴾ [النساء-۴:۱۲۶] اللہ تعالی عرش وفرش سب کو محیط ہے وہ احاطہ جو عقل سے وراہے اور اس کی شان قدوسی کے لائق ہے اس کا غیر اسے محیط نہیں ہوسکتا۔

ضرب ۷۹۔ نیز لازم کہ اللہ عز وجل عرش سے چھوٹا ہو۔

ضرب ۸۰۔ نیز محدود ومحصور ہو۔

ضرب ۸۱۔ ان سب شناعتوں کے بعد جس آیت سے عرش کی مکانیت نکالی تھی وہی باطل ہوگئی۔ آیت میں عرش پر فرمایا ہے اور عرش مکان خدا ہوا تو خدا عرش کے اندر ہوگا نہ کہ عرش پر۔

ضرب ۹۲۔ أقول اگر تیرے معبود کے لیے مکان ہے اور مکان ومکانی کو جہت سے چارہ نہیں کہ جہات نفس امکنہ ہیں یا حدود امکنہ تو اب دو[۲] حال سے خالی نہیں یا تو آفتاب کی طرف صرف ایک ہی طرف ہوگا یا آسمان کی مانند ہر جہت سے محیط۔ اولی باطل بوجوہ:

اولا: آیت کریمہ ﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُحِيطًا﴾ کے خلاف ہے۔ (النساء ۱۲۶، پ۵)

ثانیا: آیت کریمہ ﴿فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ [البقرہ-۲:۱۱۵] کے مخالف ہے۔ (البقرہ ۱۱۵، پ۱)

ثالثا: زمین کروی یعنی گول ہے اور اس کی ہر طرف آبادی ثابت ہوئی ہے اور بحمد اللہ ہر جگہ اسلام پہنچا ہوا ہے، نئی پرانی دنیا میں سب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے کلمہ سے گونج رہی ہیں، شریعت مطہرہ تمام بقاع کو عام ہے " تَبَارَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا [الفرقان-۲۵:۱] اور صحیح بخاری میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"إن أحدكم إذا كان في الصلاة فإن الله تعالى قبل وجهه فلا يتنخمن أحد

قِبلَ وجهِه في الصلاة" (صحیح البخاری کتاب الأذان، باب ہل یلتفت لأمر ینزل بہ، قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۰۴)

ترجمہ: "جب تم میں کوئی شخص نماز میں ہوتا ہے تو اللہ تعالی اس کے منہ کے سامنے ہے توہرگز کوئی شخص نماز میں سامنے کو کھنکھار نہ ڈالے"۔

اگر اللہ تعالی ایک ہی طرف ہے تو ہر پارۂ زمین میں نماز پڑھنے والے کے سامنے کیوں کر ہوسکتا ہے۔

رابعا: ان گمراہوں مکان وجہت ماننے والوں کے پیشواؤں ابن تیمیہ وغیرہ نے اللہ تعالی کے جہت بالا میں ہونے پر خود ہی یہ دلیل پیش کی ہے کہ تمام جہاں کے مسلمان دعاومناجات کے وقت ہاتھ اپنے سروں کی طرف اٹھاتے ہیں۔ پرظاہر کہ یہ دلیل علیل کلیل کہ ائمہ کرام جس کے پرخچے اڑا چکے اگر ثابت کرے گی تو اللہ عزوجل کا سب طرف سے محیط ہونا، کہ ایک ہی طرف ہوتا تو وہیں کے مسلمان سر کی طرف ہاتھ اٹھاتے جہاں وہ سروں کے مقابل ہے باقی اطراف کے مسلمان سروں کی طرف کیوں کر اٹھاتے بلکہ سمت مقابل کے رہنے والوں پر لازم ہوتا کہ اپنے پاؤں کی طرف ہاتھ بڑھائیں کہ ان مجسمہ کا معبود ان کے پاؤں کی طرف ہے۔

بالجملہ پہلی شق باطل ہے۔ رہی دوسری اس پر یہ احاطہ عرش کے اندر اندر ہرگز نہ ہوگا ورنہ

استوا باطل ہوجائے گا ان کا معبود عرش کے اوپر نہ ہوگا نیچے قرار پائے گا لاجرم عرش کے باہر سے احاطہ کرے گا اب عرش ان کے معبود کے پیٹ میں ہوگا تو عرش اس کا مکان کیوں کر ہوسکتا ہے بلکہ وہ عرش کا مکان ٹھہرا اب عرش پر بیٹھنا بھی باطل ہوگیا کہ جو چیز اپنے اندر ہو اس پر بیٹھنا نہیں کہہ سکتے، کیا تمہیں کہیں گے کہ تم اپنے دل یا جگر یا طحال پر بیٹھے ہوئے ہو۔ گمراہو! دیکھو حجۃ اللہ یوں قائم ہوتی ہے۔" (ملخصا فتاوی رضویہ ۱۱/۲۳۸ تا ۲۴۲ رضا اکیڈمی ممبئی)

ان محکم روشن دلیلوں کے ذریعہ یہ واضح ہے کہ اللہ عزوجل جسم وجہت ومکان اور تحیز وانتقال وغیرہ سے پاک ومنزہ ہے، اس کے حق میں جہت ومکان وتحیز وانتقال وحلول وغیرہ کا عقیدہ عقیدۂ اہل سنت کے خلاف ایسی صریح ضلالت وگمراہی ہے کہ البحر الرائق اور عالمگیری میں ہے: "يكفر بإثبات المكان لله تعالى"

(فتاوی ہندیہ کتاب السیر ،الباب التاسع ،نوری کتب خانہ پشاور ۲/۲۵۹، البحر الرائق باب أحکام المرتدین ،ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/۱۲۰)''یعنی اللہ تعالی کے لیے مکان ماننے سے آدمی کافر ہوجاتا ہے۔ اورفتاوی امام اجل قاضی خاں میں ہے:''رجل قال خدائے برآسمان می داند کہ من چیزے ندارم یکون کفرا لأن اللہ تعالی منزہ عن المکان''(فتاوی قاضی خاں،کتاب السیر باب مایکون کفرا من المسلم، نول کشور لکھنؤ ۴/۸۸۴)''یعنی کسی نے کہا خدا آسمان پر جانتا ہے کہ میرے پاس کچھ نہیں کافر ہوگیا اس لیے کہ اللہ تعالی مکان سے پاک ہے''۔اورفتاوی خلاصہ میں ہے:'' نروبان بنہ وبآسمان برآے وباخدا جنگ کن یکفر لأنہ أثبت المکان للہ تعالی (خلاصۃ الفتاوی کتاب ألفاظ الکفر فصل۲جنس۲،مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/۳۸۴)یعنی اگرکوئی یہ کہے نیزہ لے اورآسمان پر جااورخدا سے جنگ کر،تو کافر ہوجائے گا کیوں کہ اس نے اللہ تعالی کے لیے مکان مانا۔سیف اللہ المسلول حضرت علامہ شاہ فضل رسول عثمانی قادری بدایونی قدس سرہ فرماتے ہیں:

''رب تبارک وتعالی کے حق میں جہت ماننے والاایک قول پر کافر ہے۔اورایک قول پر کافرنہیں۔اوراس دوسرے قول کونووی نے اس شرط سے مقید کیا کہ اس کا قائل عامی ہو''
(المعتقد المنتقد ص۱۸۸ مترجم)

مجدد اعظم سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

''یا یہ قول اس پر مبنی ہے کہ ابن حجر نے اسے اللہ کے لیے جسمیت ماننے سے کافر کہااور کافر پر کفر سے کم گناہوں کے سبب بھی مواخذہ ہوگا،قرآن میں ہے:﴿قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ﴾ [المدثر-۷۴: ۴۳]'' کافر کہیں گے،ہم جہنم میں یوں گئے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے''اور یہ معلوم ہے کہ کافر کی لغزش کبھی معاف نہ ہوگی فافہم اورصحیح یہ ہے کہ ابن تیمیہ ضال مضل ہے کافر نہیں''(المستند المعتمد مترجم ص۱۸۸)

مزید فرماتے ہیں:

''اور ہمارے زمانہ میں سخت اور بڑی لغزش ایک ایسے شخص سے ہوئی جو کاملین کے مرتبوں تک

پہنچنے کا مدعی ہے اورعوام میں اہل کمال میں سے شمار کیا جاتا ہے تواس نے یہ دعوی کیا کہ متشابہات کوظاہر پر رکھنا پہلے معنی (گوشت اور ہڈی کا ہاتھ اورانگلی لمبائی، چوڑائی اورموٹائی، ترکیب وتجزی، بذریعہ حرکت اوپر سے نیچے اترنااور ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف منتقل ہوجس کی نفی پر اجماع ہے) کے اعتبار سے ہے اورمقالات میں یہی حق ہے اورائمہ سلف اسی کے قائل ہیں اوراللہ ذوالجلال کی پناہ توخدا کی قسم وہ قول نہیں مگر گمراہی اورکیسی گمراہی''۔(المستندالمعتمد مترجم ص۱۹۲)

ان سب سے صاف ظاہر ہے کہ ابن تیمیہ کاعقیدۂ تجسیم مجسمہ کاعقیدہ ہے جواہل حق کے مذہب کے خلاف ہے یہ قول صریح ضلالت وگمراہی ہے جس کے سبب وہ ضال مضل ہے۔

اہل حق کاعقیدہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالی قدیم ہے اوراس کی صفتیں قدیم ہیں، اس کی قدرت، اس کاعلم اس کاارادہ قدیم ہے، اس کے ساتھ حوادث کاقیام محال ہے۔وہ فاعل بالاختیار ہے کہ جب چاہے جوچاہے فرمائے موجب بالذات نہیں۔

اس کے برخلاف ابن تیمیہ مخذول کاعقیدہ یہ ہے کہ حوادث اللہ عزوجل کی ذات کے ساتھ قائم ہیں، قرآن اللہ تعالی کی ذات میں محدث ہے، اس نے موسی علیہ السلام سے صوت وآواز کے ذریعہ کلام کیا، عالم قدیم بالنوع ہے، اللہ کے ساتھ ہمیشہ مخلوق ہی رہا۔

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب الموافقہ میں کہا کہ:

" فمن أين في القرآن مايدل دلا لة ظاهرة على أن كل متحرك محدث أو ممكن، وأن الحركة لا تقوم إلا بحادث أو ممكن، وأن ما قامت به الحوادث لم يخل منها، وأن مالا يخلومن الحوادث فهو حادث" الخ (۶۴/۱)

قرآن میں کہاں یہ آیا ہے جس سے یہ ظاہر ہوکہ ہر متحرک حادث یاممکن ہے، اورحرکت حادث یاممکن ہی کے ساتھ قائم ہوتی ہے، اورحوادث جس کے ساتھ قائم ہوتے ہیں وہ ان حوادث سے خالی نہیں ہوتا ہے، اور جو

حوادث سے خالی نہ ہو وہ حادث ہے۔

اور اسی کتاب کے ایک دوسرے مقام پر لکھا کہ:

”أماالشرع فليس فيه ذكر هذه الأسماء في حق الله لا بنفي ولا إثبات، ولم ينطق أحد من سلف الأمة و أئمتها في حق الله تعالى بذلک لا نفياً ولا إثباتاً، بل قول القائل: إن الله جسم أو ليس بجسم ،أوجوهرأو ليس بجوهر ، أو متحيز أو ليس بمتحيز، أو في جهة أو ليس في جهة، أو تقوم به الأعراض و الحوادث أو لاتقوم به ونحو ذلک كل هذا الأقوال محدَثة بين أهل الكلام المحدَث لم يتكلم السلف والأئمة فيها لا بإطلاق النفي ولا بإطلاق الإثبات“. الخ (۱/۱۴۲)

اللہ کے حق میں ان اسما کا ذکر شرع میں نفی واثبات کسی طرح وارد نہیں امت کے سلف اور ائمہ نے اللہ تعالی کے حق میں نفی یا اثبات کسی طرح بھی اس کا قول نہیں کیا، بلکہ خود قائل کا قول کہ: اللہ جسم ہے یا نہیں ، یا جوہر ہے یا جوہر نہیں، یا حیز میں ہے یا حیز نہیں، یا جہت میں ہے یا جہت میں نہیں، یا اس کے ساتھ اعراض وحوادث قائم ہوتے ہیں یا نہیں وغیرہ اس طرح کے جدید اقوال جدید متکلمین کی پیدا کردہ ہیں امت کے سلف اور ائمہ نے نہ مطلقا ان کی نفی کی اور نہ ہی مطلقا ثابت مانا۔

اور المنہاج میں کہا:

” فإنا نقول إنه يتحرك و تقوم به الحوادث و الأعراض فما الدليل على بطلان قولنا؟“ الخ (۱/۲۱۰)

ترجمہ:۔”ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ حرکت کرتا ہے اور اس کے ساتھ حوادث اور اعراض قائم ہیں، ہمارے اس قول کے بطلان کی دلیل کیا ہے؟“

اسی المنہاج میں ہے:

"فإن قلتم لنا : فقد قلتم بقيام الحوادث بالرب، قلنا لكم : نعم، وهذا قولنا الذي دل عليه الشرع و العقل الخ. (۲۲۴/۱)

ترجمہ:۔"اگرتم ہم سے یہ کہو کہ تم نے تو رب کے ساتھ حوادث کے قیام کا قول کیا،تو ہم کہیں گے: ہاں، ہمارے اس قول کی دلیل عقل وشرع ہے"۔

اس نے اپنی کتاب المنہاج میں کہا:

" وسابعها قول من يقول إنه لم يزل متكلما إذا شاء بكلام يقوم به وهو متكلم وبصوت يسمع و إن نوع الكلام قديم و إن لم يجعل نفس الصوت المعين قديما وهذا هو المأثور عن أئمة الحديث و السنة و بالجملة أهل السنة و الجماعة أهل الحديث"۔الخ (۱۲۱/۱)

ترجمہ:۔"ساتواں اس کا قول ہے جو یہ کہے کہ اللہ ہمیشہ سے متکلم ہے جب وہ کلام کرنا چاہے تو وہ اس کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور اس کا کلام ایسی آواز سے متصف ہوتا ہے جو آواز مسموع ہوتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ کلام قدیم بالنوع ہے اگر چہ نفس صوت معین قدیم نہیں ،ائمہ حدیث وسنت سے یہی منقول ہے، اور حاصل یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت اہل حدیث ہیں"۔

حضرت علامہ شاہ فضل رسول عثمانی قادری بدایونی قدس سرہ "المعتقد المنتقد" میں فرماتے ہیں:

وكذلك نقطع على كفر من قال بقدم العالم،أو بقاء ه أو شك في ذلك. (المعتقد المنتقد ص۱۹)

اور ایسے ہی ہم اس کے کفر پر یقین رکھتے ہیں جو عالم کو قدیم یا باقی مانے یا جوان مذکورات میں شک کرے۔

ابن تیمیہ کا ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ اہل دوزخ پر دائمی عذاب نہ ہوگا بلکہ منقطع ہو جائے گا، جب کہ اہل

سنت و جماعت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ مسلمان جنت میں داخل ہونے کے بعد اور کافر دوزخ میں جانے کے بعد کبھی باہر نہ آئیں گے جیسا کہ سیف اللہ المسلول حضرت علامہ شاہ فضل رسول عثمانی قادری بدایونی قدس سرہ فرماتے ہیں:

''اور مسلمان جنت میں داخل ہونے کے بعد اور کافر دوزخ میں جانے کے بعد اس سے بہ اتفاق مسلمین کبھی باہر نہ آئیں گے۔ دوزخ میں ابن تیمیہ کو اختلاف ہے اور ابن تیمیہ ہی نے دوزخ کے فنا ہونے کا قول عبداللہ بن مسعود، ابن عمر، ابوسعید اور ابن عباس وغیرہم سے نقل کیا اور اس قول کی تائید ابن قیم نے اپنے استاذ ابن تیمیہ کی طرح کی، حالاں کہ یہ مذہب متروک اور قول مہجور ہے جس کی طرف نہ چلا جائے اور نہ اس پر اعتماد کیا جائے اور جمہور نے ان تمام دلیلوں کو ان کے ظاہر پر نہ رکھا اور ان آیات کا جن کو ابن تیمیہ نے ذکر کیا تقریبا بیس وجوہ سے جواب دیا اور ان صحابہ سے جو نقل کیا اس کا یہ جواب دیا کہ: اس کا معنی یہ ہے کہ دوزخ میں گناہ گار مسلمانوں میں سے کوئی نہ رہے گا۔ رہے کفار کے مقامات تو وہ ان سے بھرے ہوں گے دوزخ میں اپنی جگہوں سے کبھی نہ نکلیں گے جیسا کہ اللہ تعالی نے کثیر آیات میں ذکر فرمایا'' (**المعتقد المنتقد** مترجم ص۳۵۲و۳۵۳)

مجدد اعظم سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اس کے تحت ''**المعتمد المستند**'' میں فرمایا:

اس میں جو لطیف ایہام ہے وہ پوشیدہ نہیں (یعنی یہ جو ارشاد ہوا کہ: ابن تیمیہ کو دوزخ میں اختلاف ہے) اور تمہیں اس کے رد کے لیے اللہ تعالی کا ارشاد کافی ہے کہ فرمایا:

''**وماھم بخارجین من النار**'' کافر دوزخ سے کبھی نہ نکلیں گے''۔ (**المستند المعتمد** مترجم ص۳۵۲)

مزید آگے ارشاد فرمایا:

''یہی معنی اس حدیث کا ہے جو ذکر کی جاتی ہے جس میں فرمایا: ''جہنم پر ایک دن ایسا آئے گا

کہ ہوا اس کے دروازوں کو ہلا دے گی جہنم میں کوئی نہ ہوگا'' یعنی گناہ گار مسلمان اس میں نہ رہیں گے''۔(المستند المعتمد مترجم ص ۳۵۳)

علامہ سعد الدین تفتازانی شرح عقائد نسفی میں فرماتے ہیں:

''**وذهب الجهمية إلى أنهما يفنيان و يفني أهلهما،وهو قول باطل مخالف للكتاب و السنة و الإجماع، ليس عليه شبهة فضلا عن حجة**'۔(ص ۱۴۰)

اور جہمیہ اس طرف گیے کہ جنت ودوزخ اوران میں رہنے والے سب کے سب فنا ہوجائیں گے جہمیہ کا یہ باطل قول کتاب وسنت اوراجماع امت کے خلاف ہے اس پر کوئی شبہ قائم نہیں چہ جائے کہ حجت قائم ہو۔

بخاری کی صحیح حدیث پاک میں وارد ہے کہ:

''**عن أبي هريرة قال : قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم : يقال لأهل الجنة : يا أهل الجنة خلود لا موت، ولأهل النار، يا أهل النار خلود لاموت**''۔(بخاری کتاب الرقاق، باب یدخل الجنۃ سبعون ألفا بغیر حساب)

ترجمہ:۔''سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت سے فرمایا جائے گا: اے اہل جنت! تمہیں یہاں ہمیشہ رہنا ہے تمہیں موت نہیں آے گی اور اہل جہنم سے فرمایا جاے گا: اے جہنم والو! تمہیں یہاں ہمیشہ رہنا ہے تمہیں موت نہ آے گی''۔

اور سیدنا عبداللہ بن عمر سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا:

''**إذا صار أهل الجنة إلى الجنة و أهل النار إلى النار جيءَ بالموت حتى يجعل بين الجنة والنار، ثم يذبح ، ثم ينادي مناد: يا أهل الجنة لاموت، ياأهل النار لاموت، فيزداد أهل الجنة فرحا إلى فرحهم، ويزداد أهل النار حزنا إلى حزنهم**''.

(أخرجه البخاري في صحيحه ،كتاب الرقاق ، باب صفة الجنة و النار ، ومسلم في صحيحه، كتاب الجنة وصفة نعيمها و أهلها،باب النار يدخلها الجبارون، و الجنة يدخلها الضعفاء)

ترجمہ:۔’’جب جنتی جنت اور جہنمی جہنم کی طرف جائیں گے تو موت کو لاکر جنت وجہنم کے درمیان رکھا جائے گا پھر اسے ذبح کیا جائے گا پھر ایک منادی ندا کرے گا ،اے اہل جنت اب مرنا نہیں ،اے اہل جہنم فنا ہونا نہیں ہے تو اہل جنت کو خوشی بالائے خوشی ہوگی ،اور اہل جہنم کو غم بالائے غم ہوگا‘‘۔

” قال القرطبي: و في هذه الأحاديث التصريح بأن خلود أهل النار فيها لا إلى غاية أمد، وإقامتهم فيها على الدوام بلا موت، ولا حياة نافعة ولا راحة، كما قال تعالى: ﴿لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا﴾ [فاطر–۳۵ : ۳۶]و قال تعالى :﴿كُلَّمَا أَرَادُوْا أَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ أُعِيْدُوْا فِيْهَا﴾ [السجدة –۳۲ : ۲۰] فمن زعم أنهم يخرجون منها وأنها تبقى خالية أو أنها تفنى وتزول فهو خارج عن مقتضى ماجاء به الرسول و أجمع عليه أهل السنةالخ“. (فتح الباری ۱۱/۴۲۱)

ان حدیثوں میں اس بات کی روشن تصریح ہے کہ اہل جہنم ہمیشہ جہنم میں رہیں گے انھیں اس میں نہ موت آئے گی نہ ہی نفع بخش زندگی اور راحت وآرام حاصل ہوگا جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: تو جس شخص کا یہ خیال ہے کہ اہل جہنم جہنم سے باہر آئیں گے اور جہنم اہل جہنم سے خالی ہو جائے گا یا یہ کہ اس کے لیے زوال وفنا ہے تو ایسا شخص رسول پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے ارشاد کے مقتضی اور اجماع اہل سنت سے خارج ودور رفتہ ہے۔

ابن تیمیہ کے یہ وہ گمراہ کن عقائد ہیں جن کی صاف اور واضح تصریحیں اس کی کتابوں میں موجود ہیں اس نے اپنی کتابوں میں لکھا اور برسر منبر لوگوں کے سامنے ان عقائد کا اظہار کیا اس کے ہم عصر علما نے اس کی انھیں گستاخانہ عبارت اور توہین آمیز کلمات کے سبب اسے بدمذہب زندیق منافق اور نہ جانے کیا کیا کہا،اس کی

کتابوں کے مطالعہ سے یہ حقیقت منکشف تام ہوتی ہے کہ اس نے صرف انھیں مذکورہ ضلالتوں پر اکتفانہ کیا بلکہ اس نے انبیائے کرام کی عصمت کا انکار کیا، نبوت کو کسبی قرار دیا، حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہم جیسے اکابر صحابہ پر اعتراض کیا، حضرت علی کرم اللہ تعالی وجہہ کے حق میں یہ کہا کہ انھوں نے سترہ ۱۷ مسئلوں میں خطا کی ہے اور نص کتاب کے خلاف کیا اور یہ کہا کہ انھوں نے کئی بار خلافت کا قصد کیا مگر نہ ملی، انھوں نے صرف ریاست کے لیے قتال کیا دین کے لیے نہیں، وہ ریاست کے خواہش مند تھے، عثمان مال چاہتے تھے، ابوبکر بڑھاپے میں ایمان لائے وہ سمجھتے جو کچھ کہتے تھے اور علی بچپن میں ایمان لائے اور ایک قول کی بنا پر بچہ کا اسلام صحیح و درست نہیں اور ابوجہل کی لڑکی کی خواستگاری اور ابوالعاص ابن ربیع کے واقعہ میں بھی حضرت علی کو برا کہا، **صراط مستقيم في الرد على أهل الجحيم** (ابن تیمیہ کی تصنیف ہے) میں رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ کی تکفیر کی جیسا کہ حصنی نے اس کے رد میں اپنی تصنیف کردہ کتاب میں ذکر کیا جب کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ: **ونكف عن ذكر الصحابة إلابخير**"۔(شرح عقائد نسفی ص۱۱۶) **دار الإشاعة العربية قندھار افغان**) کہ صحابہ کرام کا جب بھی ذکر ہو تو خیر کے ساتھ ہونا فرض ہے۔

"**الصحابة كلهم عدول لانذكرهم إلا بخير**" (منح الروض الأزهر شرح الفقه الأكبر أفضل الناس بعده عليه الصلاة والسلام مصطفىٰ البابى مصر ص ۷۱)

ترجمہ:۔" صحابہ سب کے سب اہل خیر وعدالت ہیں ہم ان کا ذکر نہ کریں گے مگر بھلائی سے"۔

قرآن عظیم کا ارشاد ہے:

﴿**وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى**﴾ [**الحديد** – ۵۷ : ۱۰]

ترجمہ:۔"اللہ نے ان سب سے بھلائی کا وعدہ فرمایا"۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"**الله الله في أصحابي، لاتتخذوهم غرضا من بعدي فمن أحبهم فبحبي**

أحبهم، ومن أبغضهم فببغضي أبغضهم، ومن اٰذاهم فقد اٰذاني ومن اٰذاني فقد اٰذى الله، ومن اٰذى الله فيوشك أن يأخذه".

(جامع الترمذی کتاب المناقب باب في من سب أصحاب النبي ﷺ حديث ٣٨٨٨ دار الفكر بيروت ٥/٤٦٣، مسند أحمد بن حنبل عن عبدالله بن معقل المزني، المكتب الإسلامي بيروت ٥/٥٤و٥٧)

ترجمہ:۔''خدا سے ڈرو، خدا سے ڈرو میرے اصحاب کے حق میں، انھیں نشانہ نہ بنالینا میرے بعد، جو انھیں دوست رکھتا ہے میری محبت سے انھیں دوست رکھتا ہے اور جو ان کا دشمن ہے میری عداوت سے ان کا دشمن ہے، جس نے انھیں ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ تعالی اس کو گرفتار کرلے''۔ (یعنی زندہ عذاب وبلا میں ڈال دے)

نیز فرمایا:

ستكون لأصحابي بعدي زلة يغفرها الله لهم لسابقتهم ثم ياتي من بعدهم قوم يكبهم الله على مناخرهم في النار" ۔(المعجم الأوسط حديث ٣٢٤٣ مكتبة المعارف رياض ٤/١٤٢ ومجمع الزوائد ٧/٢٣٤)

ترجمہ:۔''قریب ہے کہ میرے اصحاب سے کچھ لغزش ہوگی جسے اللہ بخش دے گا اس سابقہ کے سبب جو ان کو میری سرکار میں ہے، پھر ان کے بعد کچھ لوگ آئیں گے جن کو اللہ تعالی ناک کے بل جہنم میں اوندھا کردے گا''۔

نیز فرمایا:

" إذا ذكر أصحابي فأمسكوا" (المعجم الكبير حديث ١٤٢٧ المكتبة الفيصلية بيروت ٢/٩٦)

ترجمہ:۔''جب میرے اصحاب کا ذکر آئے تو باز رہو''۔

مجدد اعظم سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

''صحابۂ کرام کے بارے میں یاد رکھنا چاہئے کہ وہ حضرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم انبیا نہ تھے، فرشتے نہ تھے کہ معصوم ہوں ان میں سے بعض حضرات سے لغزشیں صادر ہوئیں مگر ان کی کسی بات پر گرفت اللہ و رسول کے احکام کے خلاف ہے۔

اللہ عزوجل نے سورۂ حدید میں صحابۂ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دو قسمیں فرمائیں:

(۱) ﴿مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ﴾ [الحدید-۵۷:۱۰]

(۲) ﴿الَّذِيْنَ أَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا﴾ [الحدید-۵۷:۱۰]

یعنی ایک وہ کہ قبل فتح مکہ مشرف بایمان ہوئے، راہ خدا میں مال خرچ کیا اور جہاد کیا جب کہ ان کی تعداد بہت قلیل تھی اور وہ ہر طرح ضعیف و درماندہ بھی تھے، انھوں نے اپنے اوپر جیسے جیسے شدید مجاہدے گوارا کر کے اور اپنی جانوں کو خطروں میں ڈال کر بے دریغ اپنا سرمایہ اسلام کی خدمت کی نذر کر دیا یہ حضرات مہاجرین و انصار میں سے سابقین اولین ہیں ان کے مراتب کا کیا پوچھنا۔

دوسرے وہ کہ بعد فتح مکہ ایمان لائے، راہ مولا میں خرچ کیا اور جہاد میں حصہ لیا ان اہل ایمان نے اس اخلاص کا ثبوت جہاد مالی و قتالی سے دیا جب اسلامی سلطنت کی جڑ مضبوط ہو چکی تھی اور مسلمان کثرت تعداد اور جاہ و مال ہر لحاظ سے بڑھ چکے تھے اجر ان کا بھی عظیم ہے لیکن ظاہر ہے کہ ان سابقون اولون کے درجہ کا نہیں۔

اسی لیے قرآن عظیم نے ان پہلوں کو ان پچھلوں پر تفضیل دی اور پھر فرمایا:

﴿وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى﴾ [الحدید – ۵۷ : ۱۰]

ترجمہ:۔''ان سب سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا''۔

کہ اپنے اپنے مرتبے کے لحاظ سے اجر ملے گا سب ہی کو، محروم کوئی نہ رہے گا۔

اور جن سے بھلائی کا وعدہ کیا ان کے حق میں فرماتا ہے:

﴿ أُولَٰٓئِكَ عَنۡهَا مُبۡعَدُوۡنَ ﴾ [الانبیاء-۲۰:۱۰۱]

ترجمہ:۔''وہ جہنم سے دور رکھے گئے ہیں''

﴿ لَا يَسۡمَعُوۡنَ حَسِيۡسَهَا ﴾ [الانبیاء-۲۰:۱۰۲]

ترجمہ:۔''وہ جہنم کی بھنک تک نہ سنیں گے''

﴿وَهُمۡ فِيۡ مَا اشۡتَهَتۡ أَنۡفُسُهُمۡ خٰلِدُوۡنَ﴾ [الانبیاء-۲۰:۱۰۲]

ترجمہ:۔''وہ ہمیشہ اپنی من مانتی جی بھائی مرادوں میں رہیں گے''۔

﴿لَا يَحۡزُنُهُمُ الۡفَزَعُ الۡأَكۡبَرُ﴾ [الانبیاء-۲۰:۱۰۳]

ترجمہ:۔''قیامت کی وہ سب سے بڑی گھبراہٹ انھیں غم گین نہ کرے گی''۔

﴿وَتَتَلَقّٰىهُمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ﴾ [الانبیاء-۲۰:۱۰۳]

ترجمہ:۔''فرشتے ان کا استقبال کریں گے''

''﴿هٰذَا يَوۡمُكُمُ الَّذِيۡ كُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ﴾ [الانبیاء-۲۰:۱۰۳]

ترجمہ:۔''یہ کہتے ہوئے کہ یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ تھا''۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے ہر صحابی کی یہ شان اللہ عزوجل بتاتا ہے تو جو کسی صحابی پر طعن کرے اللہ واحد قہار کو جھٹلاتا ہے۔

اوران کے بعض معاملات جن میں اکثر حکایات کاذبہ ہیں ارشاد الٰہی کے مقابل پیش کرنا اہل اسلام کا کام نہیں۔

رب عزوجل نے اسی آیت ''حدید'' میں اس کا منہ بھی بند کردیا کہ دونوں فریق صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم سے بھلائی کا وعدہ کرکے ساتھ ہی ارشاد فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ﴾

ترجمہ:۔''اور اللہ کو خوب خبر ہے جو تم کرو گے''

بایں ہمہ اس نے تمہارے اعمال جان کر حکم فرمادیا کہ وہ تم سب سے جنت بے عذاب وکرامت وثواب بےحساب کا وعدہ فرما چکا ہے۔

تو اب دوسرے کو کیا حق رہا کہ ان کی کسی بات پر طعن کرے، کیا طعن کرنے والا اللہ تعالی سے جدا اپنی مستقل حکومت قائم کرنا چاہتا ہے اس کے بعد جو کوئی کچھ بکے وہ اپنا سر کھائے اور خود جہنم میں جائے، علامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض شرح شفاء قاضی عیاض میں فرماتے ہیں:

''جو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ پر طعن کرے وہ جہنم کے کتوں سے ایک کتا ہے''

(نسیم الریاض الباب الثالث ۴۳۰/۳ مرکز اہل سنت برکات رضا پور بندر گجرات)(احکام شریعت وغیرہ)

فتاوی رضویہ مترجم ۳۶۱/۲۹ تا ۳۶۳ مرکز اہل سنت برکات رضا پور بندر گجرات

رسالہ اعتقاد الأحباب في الجميل و المصطفىٰ و الآل و الأصحاب

۱۲۹۸ھ

مزید فرمایا:

''اور (ہم) ان کے مشاجرات میں دخل اندازی کو حرام جانتے ہیں اور ان کے اختلافات کو ابوحنیفہ وشافعی جیسا اختلاف سمجھتے ہیں تو ہم اہل سنت کے نزدیک ان میں سے کسی ادنی صحابی پر بھی طعن جائز نہیں''

(فتاوی رضویہ مترجم ۳۷۵/۲۹ تا ۳۷۶ رسالہ مذکورہ) مرکز اہل سنت برکات رضا پور بندر گجرات

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

''اہل سنت کے عقیدہ میں تمام صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کی تعظیم فرض ہے اور ان میں سے کسی پر طعن حرام اور ان کے مشاجرات میں خوض ممنوع، حدیث میں ارشاد ہے:

إذا ذكر أصحابي فأمسكوا (المعجم الكبير حديث ۱۴۲۷، ۹۶/۲ المكتبة الفيصلية بيروت)

ترجمہ:۔''جب میرے صحابہ کا ذکر کیا جائے (بحث وخوض سے) رک جاؤ''۔

(فتاوی رضویہ مترجم ۲۹/۲۲۷ مرکز اہل سنت برکات رضا پور بندر گجرات)

سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے ابن تیمیہ کی انھیں گستاخیوں کے سبب اسے ضال ومضل کہا۔ قائل کی کب تکفیر وتضلیل کی جاتی ہے اور کب خاطی وآثم کہا جاتا ہے اس سلسلے میں ایک ضابطہ تحریر فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

مانی ہوئی باتیں چار قسم کی ہوتی ہیں:

<u>(۱) ضروریات دین:</u> ان کا ثبوت قرآن عظیم، یا حدیث متواتر، یا اجماع قطعی قطعیات الدلات واضحۃ الافادات سے ہوتا ہے جن میں نہ شبہ کی گنجائش نہ تاویل کو راہ اور اوران کا منکر یاان میں باطل تاویلات کا مرتکب کافر ہوتا ہے۔

<u>(۲) ضروریات مذہب اہل سنت وجماعت:</u> ان کا ثبوت بھی دلیل قطعی سے ہوتا ہے مگر ان کے قطعی الثبوت ہونے میں ایک نوع شبہہ اور تاویل کا احتمال ہوتا ہے اسی لیے ان کا منکر کافر نہیں بلکہ گمراہ، بدمذہب، بددین کہلاتا ہے۔

<u>(۳) ثابتات محکمہ:</u> ان کے ثبوت کو دلیل ظنی کافی، جب کہ اس کا مفاد اکبر رائے ہو کہ جانب خلاف کو مطروح ومضمحل اور التفات خاص کے ناقابل بنادے، اس کے ثبوت کے لیے حدیث احاد، صحیح یا حسن کافی، اور قول سواد اعظم وجمہور علما کا سند وافی فإن ید اللہ علی الجماعۃ (اللہ تعالی کا دست قدرت جماعت پر ہوتا ہے۔ت)

ان کا منکر وضوح امر کے بعد خاطی وآثم خطا کار وگناہ گار قرار پاتا ہے، نہ بددین وگمراہ نہ کافر وخارج از اسلام۔

<u>(۴) ظنیات محتملہ:</u> ان کے ثبوت کے لیے ایسی دلیل ظنی بھی کافی جس نے جانب خلاف کے لیے بھی گنجائش رکھی ہو ان کے منکر کو صرف مخطی وقصوروار کہا جائے گا نہ گناہ گار، چہ جائیکہ گمراہ، چہ جائیکہ کافر۔

ان میں سے ہر بات اپنے ہی مرتبے کی دلیل چاہتی ہے جو فرق مراتب نہ کرے اور اور ایک مرتبے کی بات کو اس سے اعلی درجے کی دلیل مانگے وہ جاہل بیوقوف ہے یا مکار فیلسوف ع

ہر سخن وقتے ہر نکتہ مقامے دارد

(ہر بات کا کوئی وقت اور ہر نکتے کا خاص مقام ہوتا ہے۔ت)

گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

(اگر تو مراتب کے فرق کو ملحوظ نہ رکھے تو زندیق ہے۔ت)

(فتاوی رضویہ مترجم ۳۸۵/۲۹ رسالہ **اعتقاد الأحباب في الجميل والمصطفیٰ والآل والأصحاب**)

ایک دوسرے مقام پر اس کی تفصیل وتوضیح فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''مسائل تین قسم کے ہوتے ہیں:

اول : ضروریات دین، ان کا منکر بلکہ ان میں ادنیٰ شک کرنے والا بالیقین کافر ہوتا ہے ایسا کہ جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر۔

دوم: ضروریات عقائد اہل سنت ان کا منکر بد مذہب گمراہ ہوتا ہے۔

سوم : وہ مسائل کہ علمائے اہل سنت میں مختلف فیہ ہوں ان میں کسی طرف تکفیر و تضلیل ممکن نہیں۔

یہ دوسری بات ہے کہ کوئی شخص اپنے خیال میں کسی قول کو راجح جانے خواہ تحقیقا یعنی دلیل سے اسے وہی مرجح نظر آیا خواہ تقلیداً کہ اسے اپنے نزدیک اکثر علما یا اپنے معتمد علیہم کا قول پایا۔کبھی ایک ہی مسئلہ کی صورتوں میں یہ تینوں قسمیں موجود ہو جاتی ہیں مثلا اللہ عزوجل کے ''ید وعین'' کا مسئلہ **قال الله تعالى** : ﴿**يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيْهِمْ**﴾ [الفتح-۴۸:۱۰] (ترجمہ:۔اللہ تعالی نے فرمایا، ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے)

وقال تعالى: ﴿**وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ**﴾ [طہ-۲۰:۳۹]

ترجمہ:۔اور اللہ تعالی نے فرمایا: اور اس لیے کہ تو میری نگاہ کے سامنے تیار ہو۔

"ید" ہاتھ کو کہتے ہیں، "عین" آنکھ کو۔اب جو یہ کہے کہ جیسے ہمارے ہاتھ آنکھ ہیں ایسے ہی جسم کے ٹکڑے اللہ عزوجل کے لیے ہیں وہ قطعا کافر ہے، اللہ عزوجل کا ایسے "ید وعین" سے پاک ہونا ضرریات دین سے ہے۔اور جو کہے کہ اس کے "ید وعین" بھی ہیں تو جسم ہی مگر نہ مثل اجسام، بلکہ مشابہت اجسام سے پاک ومنزہ ہیں وہ گمراہ بد دین کہ اللہ عزوجل کا جسم وجسمانیات سے مطلقاً پاک ومنزہ ہونا ضروریات عقائد اہل سنت وجماعت سے ہے، اور جو کہے کہ اللہ عزوجل کے لیے "ید وعین" ہیں کہ مطلقاً جسمیت سے بری ومبرا ہیں وہ اس کی صفات قدیمہ ہیں جن کی حقیقت ہم نہیں جانتے نہ ان میں تاویل کریں وہ قطعا مسلم سنی صحیح العقیدہ ہے اگرچہ یہ عدم تاویل کا مسئلہ اہل سنت کا خلافیہ ہے، متأخرین نے تاویل اختیار کی پھر اس سے نہ یہ گمراہ ہوئے نہ وہ کہ اجراعلی المظاہر بمعنی مذکور کرتے ہیں جس کا حاصل صرف اتنا کہ "امنا بہ کل من عندربنا" (ہم اس پر ایمان لائے، سب ہمارے رب کے پاس سے ہے) بعینہ یہی حالت مسئلہ علم غیب کی ہے، اس میں بھی تینوں قسم کے مسائل موجود ہیں:

(۱) اللہ عزوجل ہی عالم بالذات ہے بے اس کے بتائے ایک حرف کوئی نہیں جان سکتا۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اور دیگر انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو اللہ عزوجل نے اپنے بعض غیوب کا علم دیا۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا علم اوروں سے زائد ہے، ابلیس کا علم معاذ اللہ علم اقدس سے ہرگز وسیع تر نہیں۔

(۴) جو علم اللہ عزوجل کی صفت خاصہ ہے جس میں اس کے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو شریک کرنا بھی شرک ہو، وہ ہرگز ابلیس کے لیے نہیں ہوسکتا، جو ایسا مانے قطعاً مشرک کافر ملعون بندۂ ابلیس ہے۔

(۵) زید وعمر ہر بچے، پاگل، چوپائے کو علم غیب میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے مماثل کہنا حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی صریح توہین اور کھلا کفر ہے، یہ سب مسائل ضروریات دین سے ہیں

اوران کا منکران میں ادنیٰ شک لانے والا قطعاً کافر ہے۔ یہ قسم اول ہوئی۔

(۶) اولیائے کرام نفعنا الله تعالی ببر کاتهم في الدارین کو بھی کچھ علوم غیب ملتے ہیں مگر بوساطت رسل **علیهم الصلوة والسلام**، معتزلہ **خذلهم الله تعالی** کہ صرف رسولوں کے لیے اطلاع غیب مانتے اور اولیائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا علوم غیب کا اصلا حصہ نہیں مانتے گمراہ ومبتدع ہیں۔

(۷) اللہ عزوجل نے اپنے محبوبوں خصوصا سید المحبوبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غیوب خمسہ سے بہت جزئیات کا علم بخشا جو یہ کہے کہ خمس میں سے کسی فرد کا علم کسی کو نہ دیا گیا ہزار ہا احادیث متواترۃ المعنی کا منکر اور بدمذہب خاسر ہے یہ قسم دوم ہوئی۔

(۸) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تعیین وقت قیامت کا بھی علم ملا۔

(۹) حضور کو بلا استثنا جمیع جزئیات خمس کا علم ہے۔

(۱۰) جملہ مکنونات قلم ومکتوبات لوح بالجملہ روز اول سے روز آخر تک تمام ما کان وما یکون مندرجہ لوح محفوظ اوراس سے بہت زائد کا علم ہے جس میں ماورائے قیامت تو جملہ افراد خمس داخل اور در بارۂ قیامت اکثر ثابت ہو کہ اس کی تعیین وقت بھی درج لوح ہے تو اسے بھی شامل ورنہ دونوں احتمال حاصل۔

(۱۱) حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حقیقت روح کا بھی علم ہے۔

(۱۲) جملہ متشابہات قرآنیہ کا بھی علم ہے۔

یہ پانچوں مسائل قسم سوم سے ہیں کہ ان میں خود علما وائمہ اہل سنت مختلف رہے ہیں جس کا بیان بعونہ تعالی عنقریب واضح ہوگا، ان میں مثبت ونافی کسی پر معاذ اللہ کفر کیا معنی ضلال یا فسق کا بھی حکم نہیں ہوسکتا جب کہ پہلے سات مسئلوں پر ایمان رکھتا ہو اور ان پانچ کا انکار اس مرض قلب کی بنا پر نہ ہو جو وہابیہ **قاتلهم الله تعالی** کے نجس دلوں کو ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل سے جلتے اور جہاں تک بنے تنقیص وکمی کی راہ چلتے ہیں **في قلوبهم مرض فزادهم الله مرضا ولأهل السنة من الله أحمد رضا** اٰمین! (ان کے دلوں میں بیماری ہے ان کی بیماری اور بڑھ گئی اوراہل سنت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہترین رضا ہو، آمین!۔ت)

(فتاوی رضویہ مترجم ۲۹/۱۳-۴۱۲ تا ۴۱۶ مرکز اہل سنت برکات رضا پور بندر گجرات)

اس طرح سے ابن تیمیہ کی بہت سی گمراہیاں ہیں جن کی طویل فہرست ہے جو اس کی کتابوں سے صاف ظاہر ہیں جن کے سبب علمائے امت نے اسے گمراہ ،گمراہ گر اور بدمذہب قرار دیا خاتمۃ الفقہا والمحد ثین علامہ احمد شہاب الدین بن حجر ہیتمی مکی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

" وإياک أن تصغي إلى ما في كتب ابن تيمية وتلميذه ابن القيم الجوزية وغيرهما ممن اتخذ إلٰهه هواه وأضله الله على علم وختم على سمعه وقلبه وجعل على بصره غشاوة فمن يهديه من بعد الله و كيف تجاوزهؤلاء الملحدون الحدود وتعدُّوا الرسوم وخرقوا سياج الشريعة والحقيقة فظنوا بذلک أنهم على هدى من ربهم وليسوا كذلک بل هم على أسوأ الضلال، وأقبح الخصال وأبلغ المقيت والخسران وأنهى الكذب والبهتان فخذل الله متبعيهم وطهرالأرض من أمثالهم". (فتاوی حدیثیہ ص۲۰۳-۲۰۴)

ترجمہ:۔"ان باتوں کی طرف کان نہ لگانا جو ابن تیمیہ اور اس کے شاگرد ابن قیم کی کتابوں میں ہیں جنھوں نے خواہش نفس کو اپنا خدا بنایا اور علم کے باوجود اللہ تعالی نے انھیں گمراہ کردیا اور ان کے کان اور دل پر مہر لگادی اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا تو اللہ کے بعد اسے کون ہدایت دے یہ بے ایمان دین کے حدود اور شریعت کے مراسم کو کس قدر پار کرگئے اور شریعت وحقیقت کی دیوار توڑدی انھوں نے یہ سمجھا کہ اپنے رب کی جانب سے ہدایت پر ہیں حالاں کہ ایسا نہیں بلکہ بدترین گمراہی قبیح ترین خصلت اور حد درجہ خسارے اور غایت درجہ جھوٹ اور بہتان میں ہیں اللہ ان کے پیروکاروں کو رسوا کرے اور ایسے لوگوں سے اپنی زمین پاک فرمائے"۔

ابن تیمیہ کے ہم عصر اور اس کے بعد کے علما نے ان باطل افکار وعقائد کا رد زبان وقلم کی قوتوں سے کیا اور اسے اس کے ٹھکانہ تک پہنچایا، آج یہ فتنہ زوروں پر ہے بہت سے علما نے اس کی گمراہیوں کا پردہ فاش فرمایا جن کی ایک طویل فہرست ہے۔

"أخطاء ابن تيمية في حق رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وأهل بيته" ابن تیمیہ کے باطل افکار وعقائد اور اس کے رد پر ایک گراں قدر محققانہ کتاب ہے، ڈاکٹر سید محمود صبیح (مصر) نے محکم اور روشن دلیلوں کے ذریعہ ابن تیمیہ کے گمراہ کن افکار وعقائد کا رد فرمایا اور یہ واضح فرمایا کہ ابن تیمیہ جسے اس کے نیاز بردار شیخ الاسلام اور نہ جانے کیا کیا کہتے ہیں اس کا دل نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اور دیگر انبیائے کرام اور آپ کے اصحاب اور اہل بیت اطہار کے کینہ سے پراگندہ وآلودہ ہے، اس نے ان مقدس بارگاہوں کے اندر ایسی جرأت وجسارت کی ہے کہ کوئی مسلمان نہیں کرسکتا۔ یہ کتاب عربی زبان میں تھی ضرورت اس بات کی تھی کہ اسے واضح اردو زبان میں منتقل کیا جائے تاکہ لوگ ابن تیمیہ کی گستاخی وبے باکی پر آگاہ ہوں۔ استاذ العلما، جلالۃ العلم ابوالفیض سیدنا سرکار حافظ ملت علیہ الرحمہ کے عظیم علمی دانشکدہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور جس کی ضو بار شعاعوں سے عالم اسلام مستنیر ہو رہا ہے اس کے موقر استاذ شہباز علم وفن شمس العلما حضرت علامہ مفتی شمس الہدی خاں صاحب قبلہ رضوی دامت برکاتہ نے اس بے مایہ کو یہ حکم فرمایا کہ اس کتاب کو واضح اردو میں منتقل کریں تاکہ اس کا فائدہ عام تر کیا جاسکے، میں اپنی بے مائیگی کے سبب اس کام کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا مگر اللہ رب العزت کی تائید وتوفیق سے اس کام کا آغاز کیا اور بحمدہ تعالی وبفضل رسولہ الاعلی یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا، ایک زبان کو دوسری زبان میں منتقل کرنا کتنا دشوار کام ہے یہ وہی جانتا ہے جو اس دشوار گزار وادی میں قدم رکھتا ہے، میں نے اللہ رب العزت کے فضل اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی عطا کے سہارے نیک نیتی اور خلوص وللّٰہیت کے ساتھ افادہ کی غرض سے یہ کام کیا ہے، ترجمہ کے ساتھ جا بجا حسب ضرورت تعلیقات وتحقیقات بھی تحریر کیا ہے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا کرتا ہوں کہ رب عزوجل اپنے پیارے حبیب سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے صدقے میں اسے قبول خاص وعام بخشے اور اس کے فائدہ کو عام وتام فرمائے۔

میں اس مقام پر شمس العلما حضرت علامہ مفتی شمس الہدی خاں صاحب قبلہ رضوی استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے اس عاجز و بے مایہ کو اس کام کا اہل سمجھا اور موقعہ بموقعہ حوصلہ افزائی فرمائی میرے پاس آپ کا شکریہ ادا کرنے کے لیے کلمات نہیں آپ کی ذات ارباب علم وفضل کے نزدیک آفتاب نصف النہار سے زیادہ روشن ہے تحقیق وتدقیق، تدریس وتبلیغ اور تحریر وتصنیف میں آپ یکتائے روزگار ہیں حدیث کی عظیم الشان، معرکۃ الآراء، شہرہ آفاق کتاب "مؤطا إمام محمد" کی گراں قدر شرح اور دیگر اہم علمی کارناموں سے آپ کی علمی شخصیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ آپ نے فقیہ عصر حضرت شارح بخاری علیہ الرحمہ سے فتاوی رضویہ جلد اول خریدا تو حضرت فقیہ عصر علیہ الرحمہ نے عربی میں یہ کلمات تحریر فرمائے:

"بسم الرحمٰن الرحيم أخي في الدين ذي العز المتين والجاه المبين مولانا صوفي شمس الهدى جعله الله كأسمه شمس الهدى لكل الورى". (معارف شارح بخاری ص۳۸۲)

میں ساتھ ہی ساتھ ان موقر حضرات علمائے کرام کا بھی تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جو اس اہم علمی کام کے لیے کمر بستہ رہتے اور غنائے عثمانی کے وارث نظر آتے ہیں اور دین اور قوم کی ضرورت کے لحاظ سے بہتر سامان فراہم کرنے کے لیے اپنا گراں قدر سرمایہ راہ خدا میں خرچ کرتے اور دنیاوی نام ونمود سے دور رہ کر خالص اللہ عزوجل کے اجر وثواب کے طالب ہوتے ہیں، یہ بہت بڑی سعادت ہے آج ہماری جماعت میں سرمایہ کی کمی نہیں اور نہ کام کرنے والے افراد کی، ان حضرات پر اللہ رب العزت کا خاص فضل ہے کہ اس نے ان کے دلوں کے اندر قوم وملت کا درد پیدا کیا انھوں نے قوم وملت کی ضرورت محسوس کی اور اس علمی کام کے لیے آگے بڑھے اللہ عزوجل اپنے پیارے حبیب پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے صدقے ان کے بازو میں قوت بخشے اوران کے عزم وحوصلہ میں استحکام واستقلال عطا فرمائے اور اپنی بارگاہ خاص سے انھیں خاص جزا عطا فرمائے اور اہم دینی کاموں کی توفیق رفیق بخشے۔

میں اس مقام پر جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے لائق وفائق فاضل مولانا محمد جاوید احمد مصباحی زید مجدہ کے لیے خاص دعا کرتا ہوں کہ اللہ عزوجل اپنے حبیب پاک کے صدقے ان کے علم وفضل کو استحکام وبلندی بخشے

اوراسلام وسنیت کی اشاعت اور جامعہ اشرفیہ کا نام روشن کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے، مولانا موصوف اس کام میں میرے دست وباز وثابت ہوئے اور میں اپنی جماعت کے عظیم محقق ومصنف، مناظر اہل سنت، ناشر مسلک اعلی حضرت، قاطع نجدیت حضرت علامہ عبدالستار ہمدانی صاحب قبلہ دام ظلہ کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اس کتاب کی اشاعت میں اہم کردارادا فرما کر اس کتاب کے افادے کو عام فرما کر قوم کو ایک عظیم سرمایہ بخشا اور میرے حوصلہ کو بلندی بخشی، اور میرے محبّ مخلص جناب محمد مصطفیٰ رضا رضوی صاحب زادہ محمد ظفر رضوی (کولمبو، سری لنکا) اور محمد مصطفیٰ رضا نوری صاحب زادہ حضرت علامہ مفتی محمد اشرف رضا صاحب (ممبئی، مہاراشٹر)، افتخار احمد (ناگ پور)، محمد سرفراز (مراداباد)، محمد عامر رضوی (بھیونڈی) طلبہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا بیحد مشکور ہوں کہ انھوں نے اپنے گراں قدر تعاون کے ذریعہ میرے دست و بازو میں قوت بخشی اور اس کتاب کو اشاعت کے مرحلہ تک پہنچایا، اللہ رب العزت اپنے پیارے حبیب پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے ان تمام محبین ومخلصین ومعاونین اہل سنت کو دارین کی سعادتوں سے مالا مال فرمائے اور میری اس حقیر علمی کاوش کو قبولیت سے سرفراز فرمائے اور اس کے فیضان کو عام وتام فرمائے، اور استاذ العلما، جلالۃ العلم، ابوالفیض سیدنا سرکار حافظ ملت علیہ الرحمہ کے لگائے ہوئے گلشن کو سرسبز وشاداب رکھے اور صبح قیامت تک اسے چمکتا دمکتا پھلتا پھولتا رکھے تا کہ جہان اسلام اس کے چشمۂ فیض سے سیراب ہوتا رہے اوراور اس کی ضوبار شعاعوں سے مستنیر ومستفیض ہوتا رہے۔

آمین یارب العالمین بجاہ النبي الأمین الکریم علیه أفضل الصلاة وأکمل التسلیم

گدائے کوچۂ لاثانی
محمد ناظم علی رضوی مصباحی
استاذ
الجامعة الاشرفیه مبارک پوراعظم گڈھ (یوپی، الہند)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله العلي العلى، وأزكى الصلاة وأسمى السلام على رسوله المصطفى
و على اله و صحبه نجوم الهدى

تمہید

اللہ عزوجل کی عطا فرمودہ طاقت وقوت سے اس کتاب کا آغاز کررہے ہیں، سب سے پہلے ابن تیمیہ کے متعلق اعیان امت کے ارشادات ذکر کریں گے، اس کے ساتھ ائمہ کرام کی تنبیہات وہدایات پر بھی کامل توجہ رہے گی تاکہ سادہ لوح عوام اور انصاف پسند طالبان علم اس کی گمراہیوں میں مبتلا نہ ہوں۔

بعض حلقوں اور علاقوں میں ابن تیمیہ کو ''شیخ الاسلام'' کہا جاتا ہے حالاں کہ یہ صرف اسی کا وصف نہیں کیوں کہ بہت سے علمائے امت شیخ الاسلام کے لقب سے مشہور ہوئے۔ حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب نزہۃ الابواب فی الالقاب میں ''شیخ الاسلام'' کی تعریف میں یوں فرمایا ہے کہ: ''ابو اسماعیل عبداللہ بن محمد انصاری صاحب ''**منازل السائرین وذم الکلام**''کو سب سے پہلے اس لقب سے شہرت حاصل ہوئی، پھر آپ کے بعد دوسرے حضرات کو یہ روشن لقب حاصل ہوا۔

اب ہم ابن تیمیہ کے متبعین کے کلمات واقوال تفصیلی نوٹ اور تبصرہ کے ساتھ ذکر کررہے ہیں:

(۱) ابن تیمیہ کو قطب اور صاحب نور محمدی کے اوصاف سے شمار کیا جانا:

ابن عبدالہادی المقدسی (ان کا شمار ابن تیمیہ کے ان تلامذہ میں ہوتا ہے، جو اس کے اقوال کی حمایت میں ہمہ وقت جنگ وجدال کے لیے آمادہ رہتے ہیں) نے اپنی کتاب ''**العقود الدرية**''(۱/۳۲۵) میں ابن تیمیہ کے ایک پیروکار کا کلام ذکر کرتے ہوئے لکھا:

''اللہ نے اس شخص (ابن تیمیہ) کے ذریعہ اپنے اس محبوب دین کی حقیقت ہم پر روشن فرمائی جسے اپنے بندوں کی ہدایت وراہ نمائی کے لیے آسمان سے اتارا، اور اس نور محمدی کے ذریعہ اپنے بندوں کی گمراہیوں اور ان کی

بے اعتدالیوں کو واضح فرمایا۔

اوراسی کتاب (۱/۳۲۵) میں اس کے ایک دوسرے متبع کا قول ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ:

''اس زمانہ میں ابن تیمیہ کے سوا کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جس کے اقوال وافعال سے نبوت محمدی اورآپ کی سنت روشن ہو، اگر تمہارے اندر اس کی محبت ہوگی تو اس کی برکت سے مجھے امید ہے کہ تمہیں ایک ایسی خاص فضیلت ہوگی جسے میں پوشیدہ رکھوں گا اور ذکر نہ کروں گا، ممکن ہے تم میں سے ہوشیار اور ذہین لوگ اپنی ذہانت وفطانت سے اسے جان لیں اور اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ میں خود ہی اس خاص فضیلت کو بتادوں تاکہ تم پر میری نصیحت پوشیدہ نہ رہے۔ وہ خصوصیت یہ ہے کہ اس کے خاص حصہ محمدی سے تمہیں بھی کچھ (حصہ) ملے گا۔

اوراسی عقود (۱/۳۲۹) میں یہ بھی ہے کہ:

''اللہ تعالی کے ساتھ یہ ساری چیزیں صرف اس وسیلہ سے حاصل ہوسکتی ہیں کہ شیخ کا رشتۂ محبت مرید سے قائم رہے، اور مرید کو بھی اپنے شیخ کی محبت کا حظ وافر اسی طرح حاصل رہے جیسا کہ شیخ کا رشتۂ محبت مرید کے ساتھ ہے، اور قلب وخیال کی نگہداشت اور محبت ووارفتگی کی تحصیل برقرار رہنا ضروری ہے، جب یہ ساری چیزیں حاصل ہوں گی تو مجھے امید ہے کہ اس کی برکت سے مابینہ ومابین اللہ سے تمہیں ایک خاص حصہ حاصل ہوگا اور یہ اس کے ماسوا ہوگا جو اس کے علم وافادہ اور سیاست سے انشاء اللہ تعالی تمہیں ملے گا اور اور مجھے یہ بھی امید ہے کہ جب تمہارے رب سے تمہارا صحیح معاملہ رہے گا، پنج وقتہ نمازوں کی پابندی کروگے اور تہجد کے اوقات ولمحات میں اس کی اطاعت وعبادت کروگے، توان شاء اللہ تعالیٰ اس شخص (ابن تیمیہ) کی حقیقت وخبر بھی تمہیں حاصل ہوجائے گی۔

اوراسی عقود (۱/۳۷۳) میں یہ بھی ہے:

''اور آپ جیسی شخصیت سے کوئی ایسی چیز صادر نہ ہوگی جس کا ان سے انتقام لیا جائے، ہاں یہ ممکن ہے کہ ان پر کوئی چیز مشتبہ ہوجائے اوران کی طرف ایسی چیز منسوب کردی جائے جس کی نسبت اس جیسی شخصیت کو زیبا نہیں اور بلند بارگاہ میں زبان درازی لائق ومناسب نہیں، اگر دنیا میں کوئی قطب ہے تو درحقیقت قطب وہی ہیں''

اوراسی عقود(۱/۴۸۶) میں ہے کہ:

''وہ ہمارے زمانہ میں تاج العارفین اورشیخ الہدی ہیں۔غیرت وحمیت سے ہٹ کر کہیے وہ ایسے عالم وقطب ہیں جن کا ہر جگہ چرچا ہورہا ہے ،جب ہم ان کے اوصاف واقوال ذکرکرتے ہیں توان کے ذکرکی خوشبوعنبر کی طرح پھیلتی ہے''

اسی عقود(۱/۳۸۷) میں ہے کہ:

''ایک جماعت نے ان کے غسل کا بچاہوا پانی پیااوراور کچھ لوگوں نے ان کے غسل کے بچے ہوئے بیر کے پتے کو باہم تقسیم کیا۔اور یہ بھی کہا گیاہے کہ:ان کے سرکی ٹوپی کاہدیہ پانچ سو درہم پیش کیا گیااوراور بعض لوگوں نے کہا کہ کھٹمل سے حفاظت کے لیےان کی گردن میں ایک دھاگہ تھا جس میں پارہ تھااس کی قیمت ایک سوپچاس درہم ادا کی گئی اور جنازہ میں چیخ وپکار،گریہ وزاری اورآہ وفغاں خوب رہی،اورصالحیہ اوردوسرے شہروں میں ان کے حق میں بہت سے ختم پیش ہوئے اوراورطویل زمانہ تک شب وروزان کی قبر پرلوگوں کی آمدورفت کا سلسلہ جاری رہا، اوران کے متعلق بہت سے اچھے خواب دیکھے گئے۔''

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ ابن تیمیہ کے اصحاب یہ نہیں جانتے کہ ابن تیمیہ کوتصوف ناپسند تھا،اور یہ لوگ اپنی اس بے خبری میں اس کے اقوال کے خلاف اس کی اتباع کررہے ہیں۔

(۲) ابن تیمیہ کی قبر کی تعظیم:

ابن تیمیہ کے متعلق اس کے متبعین کے کچھ مرثیے ہم قارئین کی خدمت میں پیش کررہے ہیں:

صاحب العقود الدریۃ (۱،۱/۴۷۱) نے اس کے ایک پیروکار کا کلام پیش کرتے ہوئے لکھا:

قد أودع القبر الشريف علومه عجبا لوسع القبر بحرا سائلا

ومجاور قبر الإمام مؤملايا رب وارحمناوكل مشيع صلى عليه أوأتاه مقبلا

ترجمہ:۔''اس کی قبر شریف میں اس کے علوم ودیعت کردیے گئے ہیں،قبر کی وسعت پر حیرت و تعجب ہے کہ بحرسائل اس کی وسعتوں میں سما گیا ہے''۔

''اے رب! امام کی جوار قبر میں فروکش امیدواروں پر رحم فرما، اور ہم پر اور ہر اس شخص پر رحم فرما جس نے اس کی نماز جنازہ ادا کر کے اسے رخصت کیا، یا آئندہ اس کے پاس آئے''۔

اور اسی عقود (۱/۴۷/۴) میں کہا:

عجبت لقبر ضمّ جسمک تربه أيحوي الثرى في تربه الشمس والبحر

نقلت من الدنيا إلى ظل روضة وحزت الذي أملت بالمقلة السهرا

ترجمہ:۔''مجھے تیرے جسم سے پیوستہ خاک قبر پر تعجب ہے، کیا زمین اپنی آغوش خاک میں شمس وبحر کو لیے ہوئے ہے''۔

''تجھے دنیا سے ایک باغ کے سایہ کی طرف منتقل کر دیا گیا ہے، اور تو اس نعمت سے بہرہ ور ہو گیا جس کی تیری شب بیدار آنکھوں نے امید رکھی تھی''۔

اور اسی عقود (۱،۴۱۴) میں کہا:

''میں قاسیون میں ایک ایسی سرزمین سے گزرا جہاں عالم یگانہ کی قبر ہے، مجھے اس قبر پر حیرت ہوتی ہے جس میں فضیلت کا بحر ذخار اور سیادت و بلندی کا پیکر جلوہ آرا ہے''۔

اور اسی العقود (۱،۵۲۶) میں کہا:

''اے تربت انور! تو کس قدر پاکیزہ ومبارک ہے، اس زاہد و نیکوکار اور پاکیزہ و پرہیزگار کی وجہ سے جو تجھ میں سمایا ہوا ہے اور تو اس کی وجہ جنت خلد کا باغیچہ ہو گئی جب سے اس نے تیرے اندر پناہ لی تو تو اس عالی جاہ سردار پر جتنا فخر کر سکے کر''

میں کہتا ہوں: نبی کریم ﷺ کی قبر شریف کے متعلق ابن تیمیہ کے اقوال بہت جلد آئیں گے، اور اس کا بھی ذکر آئے گا کہ ابن تیمیہ کے نزدیک حضور اقدس ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس صحابۂ کرام کو سلام پیش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں، حضور کی قبر اطہر کی زیارت کا کوئی فائدہ نہیں۔

اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ابن تیمیہ کی کتابوں (زیارۃ القبور اور مجموع الفتاوی) میں حضور اقدس کے

روضۂ اطہر کے لیے ''قبر شریف'' کا لفظ صرف دو ہی مرتبہ آیا ہے اور ابن قیم کی کتابوں میں تو سرے سے اس لفظ کا نام ونشان ہی نہیں۔

ذرا ابن تیمیہ کے متبعین کا کلام اس کی قبر کے بارے میں ملاحظہ کیجئے کہ اس کی قبر تو ''قبر شریف'' ہے، پھر یہ کہ اس (ابن تیمیہ) نے ایک بار بھی یہ ذکر نہ کیا کہ نبی اکرم ﷺ ''رفیق اعلیٰ'' میں جلوہ آرا ہیں!

(۳) ابن تیمیہ کی ایک کرامت یہ ہے کہ اس کی نظر لوح محفوظ پر ہے:

ابن قیم نے مدارج السالکین (۲،۴۸۹-۴۹۰) میں کہا:

''۷۰۲ھ میں جب تاتاری مشتعل ہوئے، اور انھوں نے شام پر حملہ کا ارادہ کیا تو ابن تیمیہ نے لوگوں اور امیروں کو یہ خبر دی کہ: شکست وہزیمت انھیں کی ہوگی اور فتح وکامیابی مسلمانوں کو حاصل ہوگی، اس نے اس پر ستر بار سے زائد قسمیں کھائیں۔ ابن تیمیہ سے کہا جاتا کہ آپ ان شاء اللہ کہیں تو وہ ان شاء اللہ تحقیق کے لیے کہتا تعلیق کے لیے نہیں اور اور میں نے اس سے یہ کہتے سنا کہ جب لوگوں نے میرے پاس اس (ان شاء اللہ) کی کثرت کی تو میں نے کہا تم لوگ ان شاء اللہ زیادہ نہ کہو، اللہ تعالی نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے کہ اس بار انھیں کی شکست ہوگی اور لشکر اسلام فتح یاب ہوگا۔

اور ابن قیم نے یہ بھی ذکر کیا کہ: ''ابن تیمیہ کہتا تھا: میرے اصحاب اور دوسرے لوگ میرے پاس آتے ہیں تو میں ان کے چہروں اور اور ان کی آنکھوں میں کچھ ایسی چیزیں دیکھتا ہوں جنھیں ان سے ذکر نہیں کرتا۔ اس پر میں نے اس سے کہا کہ: میرے علاوہ کسی اور کو آپ خبر دے دیتے، تو اس نے کہا کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میری شہرت حاکموں اور والیوں کی طرح ہوجائے۔ میں نے ایک دن اس سے کہا کہ اگر آپ ہمارے ساتھ ایسا معاملہ کرتے تو استقامت وصلاح کو مزید قوت ملتی، تو اس نے کہا کہ تم میرے ساتھ ایک جمعہ یا یہ کہا کہ ایک مہینہ اس پر صبر نہ کرسکو گے۔

ابن تیمیہ نے بارہا مجھے کچھ ایسی باطنی چیزوں کی خبر دی جن کا تعلق خاص مجھ سے ہی تھا، میں ان کا عزم کر چکا تھا، مگر اپنی زبان سے کسی سے ذکر نہ کیا، اسی طرح مستقبل میں ہونے والے بعض اہم حوادث اور عظیم

واقعات کی خبر دی اوران کے اوقات خاص و معین نہ کیے، میں نے بعض حوادث سر کی آنکھوں سے دیکھے اور بعض کا انتظار ہے،اس کے عظیم اصحاب نے جو حوادث دیکھے ہیں وہ میرے مشاہدات سے کئی گونا زیادہ ہیں۔

میں کہتا ہوں: ابن تیمیہ رسول اکرم ﷺ پر تو یہ تہمت لگا تا ہے کہ آپ کو سیدہ عائشہ کے معاملہ میں شک تھا، آپ کو مدینہ منورہ کے منافقوں کا حال معلوم نہ تھا،آپ اس کی ان کشف آمیز باتوں میں غور وفکر کیجئے اور خود فیصلہ کیجئے۔

(۴) ابن تیمیہ کے متبعین نہیں جانتے کہ ان کا شیخ کیا کہہ رہا ہے:

مجموع الفتاوی (۲۰۰/۲۷) اورالعقو دالدریۃ (۳۶۴/۱) میں ہے کہ اس کے ایک پیروکار نے اس کی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا کہ:

''اس پر طعن و تشنیع اوراعتراض کرنے والے یا تو جاہل ہیں جنھیں اس کی باتوں کا علم ہی نہیں، یا جان بوجھ کر جاہل بن رہے ہیں،انھیں ان کا حسد اور جاہلیت کی حمیت وغیرت اس پر آمادہ کر رہی ہے کہ علما کے نزدیک جو چیز مقبول ہے اسے رد کریں،اللہ تعالی حسد کی ہلاکت خیزیوں اور برائیوں سے ہمیں پناہ بخشے اور سیدنا محمد ﷺ اور آپ کی پاکیزہ وستھری آل کے ساتھ بخل کے گمان وخیال سے بچائے،تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سارے جہان کا پروردگار ہے۔

''**كتبه الفقير إلى عفو ربه ورضوانه عبدالمومن بن عبدالحق الخطيب غفر الله له وللمسلمين أجمعين**'' (اپنے رب کی بخشش وخوشنودی کا محتاج عبدالمومن ابن عبدالحق خطیب نے اسے لکھا۔)

اورابن عبدالہادی نے العقو دالدریۃ (۲۸۶،۱) میں یہ بھی کہا:

''ایک روزان کے متعلق ایک مجلس قائم ہوئی، ابن عطا نے ان کے خلاف ایسی چیزوں کا دعوی کیا جن میں سے کسی چیز کا ثبوت فراہم نہ ہوسکا،البتہ انھوں نے یہ ضرور کہا کہ صرف اللہ ہی سے استغاثہ وفریاد کیا جائے یہاں تک کہ نبی سے بھی ایسا استغاثہ نہ کیا جائے جس میں عبادت کا معنی ہو، ہاں انھیں اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ اور شفیع

بنایا جائے، اس پر بعض حاضرین نے کہا کہ اس میں کوئی قباحت نہیں اور قاضی القضاۃ بدرالدین کی رائے یہ تھی کہ اس میں بےادبی ہے''۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ ابن تیمیہ کی صفائی پیش کرنے والے یہ نہیں جانتے کہ ابن تیمیہ نبی اکرم ﷺ سے توسل کرنے والوں کو متہم بالشرک قرار دیتا ہے اسی لیے عبدالمومن نامی شخص نے اپنے گزشتہ کلام: ''بمحمد وآلہ'' میں حضور اور آپ کی آل پاک سے توسل کیا۔

(۵) ابن تیمیہ کے احوال:

ابن تیمیہ کے متبعین اس کے احوال کو نبی پاک ﷺ کے احوال جیسا قرار دیتے ہیں، اس کے ایک پیروکار نے درج ذیل اشعار کہے جیسا کہ العقو دالدریۃ (۳۹۸/۱) میں ہے:

لقد حاولوا منه الذي كان رامه من المصطفى قد ما حيي بن أخطب

ولكن رأى من بأسه مثلما رأى من المصطفى في حربه رأس مرحب

جنودهم من طامع ومذلل مسيلمة منهم يلوذ بأشعب

وجند من أهل السماء ملائک يمدک منهم موكب بعد موكب

ترجمہ:

(۱) ان لوگوں نے اس (ابن تیمیہ) کے ساتھ اسی چیز کا قصد وارادہ کیا جس کا اس سے پہلے حیی بن اخطب نے مصطفیٰ سے قصد وارادہ کیا تھا۔

(۲) مگر انھیں اس کی وہی قوت وشجاعت دیکھنے میں آئی جو رأس مرحب (جگہ کا نام) میں مصطفیٰ سے ان کی جنگ میں دیکھا۔

(۳) ان لوگوں کے لشکر طمع کرنے والے، ذلیل وخوار تھے جن میں سے مسیلمہ بھی تھا جو طمع وحرص میں مشہور زمانہ شخص ''اشعب'' کا پرتو تھا۔

(۴) ہرمحاذ پران کے مقابل تیری مدد کے لیے آسمان سے ملائکہ کی فوجیں آتیں۔

اور الشهادة الزكية (۱/۶۷) میں اس کے ایک نیاز بردار نے یہ کہا:

يا وارثا من علوم الأنبياء نهى أورثت قلبي نارا وقدها الفكر

يا واحدا لست أستثني به أحدا من الأنام ولا أبقي ولا أذر

يا عالما بنقول الفقه أجمعها أعنك تحفظ زلات كما ذكروا

ترجمہ:

(۱) اے علوم انبیا کے وارث کامل العقل تو نے میرے قلب کو ایسی آگ کا وارث بنایا جسے فکر نے روشن کیا۔

(۲) اے وہ ذات جو ساری مخلوق میں یکتا و یگانہ ہے جس کے ذریعہ میں کسی مخلوق کا نہ استثنا کرتا ہوں اور نہ کسی کو باقی رکھتا اور چھوڑتا ہوں۔

(۳) اے فقہ کے تمام نقول کے عالم جیسا کہ لوگوں نے ذکر کیا تیرے عنان قلم لغزشوں سے محفوظ ہیں۔

میں کہتا ہوں: ابن تیمیہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی شان میں یہ کہا کہ ان کے بارے میں عیب اور طعن کی باتیں منقول ہیں اور اور حضرت علی نے اپنی کتاب کے بہت سے مقامات پر خطا کی ہے، ان کے اصحاب ان کے بارے میں یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ ...

اور العقود الدریۃ (۴۳۲،۱۸) میں اس کے ایک نیاز بردار کا یہ قول مذکور ہے کہ:

''وہ احمد کی امت کے ایک ایسے عالم ہیں جن کے جلیل القدر درست فیصلوں کو دیکھ کر نگاہیں خیرہ ہوگئیں''۔

میں کہتا ہوں: اے ابن تیمیہ کے نیاز بردارو! حبر امت عبداللہ بن عباس ہی ہیں۔

بعض مقامات پر ابن تیمیہ کی تعریف اور بعض مقامات پر اس کی مذمت کرنے والوں کے اقوال

جن ائمہ نے یہ کہا کہ ابن تیمیہ کا شمار ان حضرات میں ہے جنھیں شیخ الاسلام کے لقب سے سرفراز کیا گیا ،انھوں نے اس کی تعریف میں یہ کہا کہ وہ علم وزہد وغیرہ میں وسعت کا حامل ہے، لیکن ہم اس مقام پر یہ ذکر کریں گے کہ ابن تیمیہ ایسی خطاؤں میں گرفتار ہوا جن پر خود ان ائمۂ عظام نے تنبیہ فرمائی، ان ائمہ اعلام کی تنبیہات ہم اس لیے ذکر کریں گے کہ کہیں مسلمان ان خطاؤں میں مبتلا نہ ہوں، ابن تیمیہ کے تلمیذ حافظ ذہبی، اور صلاح صفدی، اور ابن حجر عسقلانی، اور سخاوی وغیرھم نے بعض باتوں میں ابن تیمیہ کی تعریف اور بعض امور میں اس کی مذمت کی۔

حافظ ابن حجر نے الدرر الکامنۃ (۱،۱۷۶) میں ذہبی کا یہ قول ذکر کیا:

''اللہ کے دین اور اس کی راہ میں حق کے ساتھ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اسے لاحق نہ ہوتی، جس شخص کا ابن تیمیہ سے رابطہ وتعلق رہا اور جو اس کی حقیقت سے آشنا ہے وہ میرے بارے میں کہے گا کہ میں نے اس کی شان میں کمی اور کوتاہی کی ہے اور جو اس کا مخالف اور دشمن ہے وہ یہ کہے گا کہ میں نے اس کے بارے میں غلو کیا ہے، اس کے موافق ومخالف دونوں فریق کی اذیتوں اور تکلیفوں سے مجھے دوچار ہونا پڑا، میں اس کے بارے میں یہ اعتقاد نہیں رکھتا کہ وہ خطاؤں اور لغزشوں سے محفوظ ہے بلکہ میں تو فرعی اور اصلی مسائل میں اس کا مخالف ہوں کیوں کہ وہ اپنی وسعت علم، کمال شجاعت، تیزی ذہن اور دین کی حرمتوں کی تعظیم کے باوجود محض ایک انسان تھا جو بحث میں غضب کا شکار ہو جاتا، اور خصم پر سخت غصہ وناراض ہو جاتا، جس کے سبب لوگوں کے دلوں میں اس کی عداوت ودشمنی پیدا ہو جاتی''۔

اور آپ (حافظ ابن حجر) نے اسی ''الدرر الکامنۃ'' (۱۵۸/۱) میں ذہبی کا یہ قول بھی ذکر کیا ہے کہ:

''اوراس (ابن تیمیہ) نے اپنے موافق ایسی دلیلوں اور ایسی چیزوں سے استدلال کیا جن کی طرف اس سے پہلے کسی کی رسائی نہ ہوئی، اور ایسی مطلق عبارتیں تحریر کیں جن سے دوسرے لوگ باز رہے، یہاں تک کہ علمائے مصر اس پر برافروختہ ہوئے اور اسے مبتدع اور بدمذہب قرار دیا''۔

حافظ ذہبی نے اپنی کتاب ''**زغل العلم**''(ص:۱۸) میں کہا:

''جس مسئلہ میں تمہیں اذعان واعتقاد نہ ہواس میں نزاع اور مخالفت نہ کرواوراپنے عمل پر تکبر وغرور سے بچو، تمہاری سعادتوں کا کیا کہنا اگر تم اس سے بقدر ضرورت حاصل کر کے نجات پالو کہ نہ تمہارا نقصان ہو نہ نفع ۔ بخدا جسے ابن تیمیہ کہا جاتا ہے میں نے اس سے زیادہ کشادہ علم، اور بلند ذکاوت والا نہ دیکھا، اسے کھانے پہننے اور عورتوں سے کوئی رغبت نہ تھی، وہ حق وجہاد میں ہر ممکن کوشش کرتا، مجھے اس کے موازنہ اور تلاش وجستجو میں کافی مشقتوں کا سامنا کرنا پڑا، بالآخر طویل عرصہ کی جانچ پڑتال اور تحقیق وتفحص سے میں اکتا گیا اوراور میں نے دیکھا کہ اہل مصر وشام میں کوئی ایسا شخص نہیں جس سے اس کا پایۂ علم کم ہو، ان حضرات کو اس سے نفرت وکراہت تھی، انھوں نے اس کی تحقیر وتکذیب اور تکفیر کی، یہ ساری چیزیں انکار وفخر وغرور اور خود بینی کا نتیجہ تھیں، انھیں مشائخ کی ریاست وبزرگی کی تحقیر سے کامل شغف تھا، ذرا دیکھیے! دعووں اور شہرت وناموری کی محبت کا وبال کیا ہوتا ہے، ہم اللہ تعالی سے عفو ودرگذر کا سوال کرتے ہیں۔ اس کی مخالفت میں ایسے لوگ کھڑے ہوئے جو شجاعت وذکاوت اور علم وزہد میں اس سے اعلی نہ تھے، بلکہ ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ اپنے اصحاب ورفقا کی خطاؤں اور لغزشوں کو درگذر کر دیتے ہیں، اس کی پرہیزگاری اوراور جلالت وبزرگی بلکہ اس کے گناہوں کے سبب اللہ نے انھیں اس پر قدرت نہ بخشی تھی، اس کی اور اس کے متبعین کی اللہ نے خوب مدافعت فرمائی، ان کے ہاتھ صرف وہی آیا جو ان کا نصیب تھا اس لیے کسی کو شبہ میں نہ پڑنا چاہئے''۔

اور حافظ ذہبی نے (ص:۲۲) کہا:

اصولیین کے درمیان تکفیر وتضلیل کی تلوار ہے جو کبھی اس کی تکفیر وتضلیل کرتی ہے تو کبھی اس کے ظواہر اور آثار پر وقوف واطلاع رکھنے والے اصولیین اپنی مخاصمت کے وقت اسے مجسم، حشوی اور بدمذہب (مبتدع)

ٹھہراتے ہیں، اور دوسروں کی تاویل کا انکار کرنے والے اصولیین جہمی، معتزلی اور گمراہ کہتے ہیں اور جن اصولیوں نے بعض صفتوں کو ثابت مانا اور بعض کا انکار کیا اور اور بعض مقامات کی تاویل کی خود ان کے اقوال میں تناقض ہے، اور سلامتی اور عافیت تمہارے لیے بہتر ہے۔

اگر اصول اور اس کے توابع منطق وحکمت وفلسفہ، اور متقدمین کی رایوں، اور عقلوں کے مجازات کے بارے میں تمہیں مہارت وکمال ہے اور اس کے ساتھ کتاب وسنت اور اصول وسلف کا دامن تمہارے مضبوط ہاتھوں میں ہے، اور عقل ونقل میں تم نے مطابقت رکھی تو میں سمجھتا ہوں کہ تم ابن تیمیہ کے مقام کو حاصل نہیں کر سکتے۔ بخدا تم اس کے مقام کے قریب نہیں پہنچ سکتے۔

ان کے ساتھ پیش آنے والے معاملات ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں، انھیں ان کے مقام سے فروتر کر کے تن تنہا چھوڑ دیا گیا، ان کی تضلیل وتکفیر، اور حق وباطل کی تکذیب کی گئی۔ اس صنعت وانڈسٹری میں قدم رنجہ ہونے سے پہلے ابن تیمیہ کے چہرے پر سلف کے آثار روشن وتاباں تھے، بعد میں ان کا رخ تاباں تاریک اور گہن آلود ہو گیا، کچھ لوگوں کے نزدیک ان پر سیاہی اور تاریکی خیمہ زن ہو گئی، وہ اپنے اعدا کی نظروں میں دجال وکذاب وکافر اور بعض کی نظروں میں بدمذہب فاضل محقق ماہر نظر آئے، ان کے عام اصحاب نے انھیں فاضل عاقل، اسلام کا علمبردار، دین کی سرحدوں کا محافظ وپاسباں اور سنتوں کو زندہ کرنے والا جانا، وہ بس وہی ہیں جو میں تم سے کہہ رہا ہوں''۔ (ان کے تلمیذ حافظ ذہبی کا کلام ختم ہوا۔)

اور حافظ سخاوی نے اپنی کتاب ''**الإعلان بالتوبیخ**'' میں ایک مکتوب کا متن ذکر کیا ہے جسے حافظ ذہبی نے ابن تیمیہ کے پاس ان کی حیات میں بھیجا تھا، اس مکتوب میں بھی قریب قریب گزشتہ نصیحتیں ہیں۔

ان کے جائزہ میں ابن تیمیہ کے کچھ مدح خواں لوگ ہیں۔

علامہ نبہانی نے شواہد الحق (۱۸۸، ۱۸۹) میں کہا اور صلاح صفدی شافعی انھیں (مدح خواں) لوگوں میں سے ہیں، انھوں نے اپنی شرح ''**لامیۃ العجم**'' میں طغرانی کا یہ قول ذکر کیا:

''اور یہ بیان کیا جاتا ہے کہ خلیل بن احمد رحمہ اللہ تعالی اور عبداللہ بن مقفع ایک رات اکٹھا ہوئے تو صبح

تک سلسلۂ کلام دراز رہا، جب مجلس برخواست ہوئی تو خلیل سے پوچھا گیا کہ آپ نے انہیں کیسا پایا؟ تو انھوں نے کہا کہ میری نظر میں ان کا علم ان کی عقل سے بلند ہے اور ابن المقفع کا یہی حال تھا، کیوں کہ ان کی کم عقلی اور بسیار گوئی نے انہیں بری طرح قتل کیا، اور بدتر موت کے گھاٹ اتارا''۔

صلاح صفدی نے طغرانی کا یہ قول ذکر کر کے کہا کہ میں کہتا ہوں کہ: اسی طرح شیخ امام عالم علامہ تقی الدین احمد بن تیمیہ رحمہ اللہ تعالی تھے، ان کا علم حد درجہ وسیع تھا، اور ان کی عقل ناقص تھی جو انہیں ہلاکت گاہوں اور تنگ وادیوں میں گرا دیتی۔'' (صفدی کا کلام ختم ہوا۔)

حافظ ابن حجر نے ''الدرر الکامنۃ'' (۱،۱۷۹-۱۸۲) میں کہا:

''طوفی نے کہا: میں نے ابن تیمیہ سے یہ کہتے سنا کہ جس نے مجھ سے بغیر استفادہ سوال کیا میں نے اس کے سامنے اپنی تحقیق پیش کی، اور جس نے میری ایذا رسانی اور تلبیس کی خاطر سوال کیا میں نے اس کی مخالفت کی تو جلد ہی اس کا سوال (کلام) ختم ہو جاتا ہے، اور اس کی مشقت دفع ہو جاتی ہے اور انھوں نے اپنی تصانیف ذکر کی......اور اسی وجہ سے اس کے اصحاب کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے اس کے بارے میں غلو کیا ہے، اور اس کا باعث اور محرک یہ بنا کہ اسے اپنے اوپر فخر وغرور تھا، یہاں تک کہ اس نے اپنے ہم جنسوں پر فخر وتکبر کیا اور یہ گمان کیا کہ وہ مجتہد ہے اور چھوٹے بڑے، پختہ اور معاصر علما کا رد کرنا شروع کیا، یہاں تک کہ عمر رضی اللہ تعالی عنہ تک پہنچ گیا تو آپ کے متعلق کسی معاملہ میں خطا کی تو یہ خبر شیخ ابراہیم رقی تک پہونچی، آپ نے اسے قبیح اور شنیع کہا، اور اس سے منع کیا تو آپ کے پاس جا کر معذرت اور استغفار کیا۔ اور حضرت علی کے بارے میں کہا کہ: سترہ چیزوں میں ان سے خطا ہوئی ہے، جن میں کتاب اللہ کے نص کی مخالفت کی ہے، ان سترہ میں سے ایک یہ ہے کہ انھوں نے بیوہ عورت کی عدت دو مدتوں میں سے طویل مدت کو قرار دیا ہے، اور حنبلیوں کے مذہب کی حمایت کی بنا پر اس نے اشاعرہ کے بارے میں ہجو آمیز کلام کیا یہاں تک کہ امام غزالی کی گستاخی و بے ادبی کی تو کچھ لوگ اسے قتل کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے، لوگوں نے ذکر کیا ہے کہ ابن تیمیہ ''حدیث نزول'' ذکر کر کے منبر سے دو زینہ نیچے اترا اور کہا کہ: ''اللہ کا نزول میرے اسی اترنے کی طرح ہے''۔ تو بعض لوگوں نے اس کا یہ قول فرقۂ مجسمہ کا عقیدہ

قرار دے کر اسے مجسمہ کہا، علاوہ ازیں اس شخص نے نبی پاک سے توسل یا استغاثہ کرنے والوں کا رد کیا بالآخر رمضان ۷۰۵ھ میں دمشق سے باہر کر دیا گیا، بہر حال اس کے خلاف جو ہونا تھا ہوا، اسے بار بار قید کیا گیا تقریباً چار سال یا اس سے زیادہ قید میں رہا''

اس کے متعلق لوگوں کا اختلاف ہے بعض لوگوں نے اسے مجسمہ کہا اس لیے کہ اس نے ''العقیدۃ الحمویۃ والواسطیۃ'' اور دوسری کتابوں میں تجسیم کا عقیدہ ذکر کیا ہے انہیں میں سے اس کا یہ قول ہے: کہ ید (ہاتھ) اور قدم (پاؤں) اور ساق (پنڈلی) اور وجہ (چہرہ) اللہ کی حقیقی صفتیں ہیں، وہ بالذات عرش پر مستوی ہے، اس عقیدہ کے سبب ابن تیمیہ سے کہا گیا کہ اس سے تو اللہ کا حیز ومکان میں ہونا، اور اس کا منقسم ہونا لازم آئے گا، تو اس نے جواب دیا: میں یہ نہیں مانتا کہ حیز ومکان میں ہونا اور منقسم ہونا اجسام کا خاصہ ہے، تو اس پر یہ الزام وارد کیا گیا کہ اللہ کی ذات کے متعلق اس کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ حیز ومکان میں ہے۔

اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ: وہ زندیق ہے دراصل اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ نبی پاک سے استغاثہ نہ کیا جائے اور اس میں نبی کی تعظیم کی تنقیص ہے، اس معاملہ میں اس پر سب سے زیادہ سخت نور بکری تھے کیوں کہ ابن تیمیہ کے ان معاملات وخرافات کے سبب اس کے لیے ایک مجلس قائم کی گئی تو بعض حاضرین مجلس نے کہا کہ وہ لائق تعزیر ہے، تو نور بکری نے کہا کہ یہ بے معنی اور بے مطلب بات ہے۔ اگر یہ تنقیص ہے تو اسے قتل کیا جائے اور اگر تنقیص نہیں تو پھر تعزیر نہیں۔

اور بعض لوگ اسے منافق کہتے ہیں اس لیے کہ وہ حضرت علی کے متعلق گزشتہ خیالات رکھتا ہے، اور اس لیے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ علی جہاں گئے کسی نے ان کی مدد نہ کی۔ اور یہ بھی کہا کہ انھوں نے بار ہا خلافت کا قصد کیا تو اس میں کامیابی نہ ملی، اور انھوں نے ریاست وسرداری کے لیے قتال کیا دیانت کے لیے نہیں، اور اس لیے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ انہیں سرداری پسند تھی، اور عثمان کو مال محبوب تھا، اور اس نے یہ کہا کہ ابوبکر بڑھاپے میں اسلام لائے انہیں اپنی باتوں کا علم تھا، اور علی بچپن میں اسلام لائے، اور ایک قول کے مطابق بچے کا اسلام لانا صحیح نہیں۔ اور اس وجہ سے کہ ابوجہل کی بیٹی کے پیغام نکاح اور ابوالعاص ابن الربیع کے واقعہ میں اسے کلام تھا، اس واقعہ سے جو کچھ

ماخوذ ومفہوم ہوتا ہے اس میں اس نے حضرت علی پر طعن وتشنیع کی ہے انہیں تمام وجہوں سے لوگوں نے اس پر نفاق کا الزام لگایا کیوں کہ حضور اقدس نے فرمایا: ''ولا یبغضک إلا منافق'' کہ ''منافق ہی تم سے بغض رکھے گا''۔

اور بعض لوگوں نے اس کے متعلق یہ کہا کہ: ''وہ امامت کبریٰ کے لیے کوشاں تھا کیوں کہ وہ ابن تومرت کے ذکر کا شیفتہ وفریفتہ تھا، اور اس کی تعریف میں مبالغہ کرتا اور یہ بات بالکل صحیح و درست ہے، اور اس کے علاوہ اس کے بہت سے مشہور واقعات ہیں۔ جب اس کی شدید مخالفت ہوئی اور اس پر الزام لگایا گیا تو وہ کہنے لگا میرا مقصد یہ نہ تھا صرف میرا ارادہ یہ تھا، اس طرح سے بعید احتمال ذکر کرتا'' اھ (حافظ ذہبی کا کلام حرف بحرف ختم ہوا۔)

حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۴۱۰/۱۳) میں یہ بھی کہا:

''کان الله ولم یکن شيء قبله'' (اللہ تعالیٰ موجود تھا اور اس سے پہلے کوئی چیز موجود نہ تھی) اور اس سے پہلے ''باب بدء الخلق'' میں یہ لفظ گزرا: ''ولم یکن شيء غیره'' (اور اللہ کے علاوہ کوئی چیز نہ تھی) اور ابومعاویہ کی روایت میں ''کان الله قبل کل شيء'' ہے یعنی (اللہ ہر شئ سے پہلے موجود تھا) ان احادیث کا معنی یہ ہے کہ اللہ موجود تھا اور اس کے ساتھ کوئی شئ نہ تھی، اس میں ان لوگوں کا کھلا ہوا رد ہے جو اس باب کی روایت سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ کچھ ایسے حوادث موجود ہیں جن کے وجود کی ابتدا نہیں، ابن تیمیہ کی طرف منسوب شنیع مسائل میں سے یہ مسئلہ بھی ہے۔

اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۳، ٦٦) میں مزید کہا:

''حاصل یہ ہے کہ ان لوگوں کا ابن تیمیہ پر یہ الزام ہے کہ وہ سیدنا رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف کی زیارت کے لیے سفر کرنا حرام قرار دیتا ہے اور ہمیں اس کا ظاہر پسند نہیں، طرفین نے اس کی طویل شرح کی ہے اور یہ بدترین مسئلہ بھی ابن تیمیہ سے منقول ہے''۔

حافظ ابن حجر نے ''الدرر الکامنة'' (۳۱۲،۲) میں ابن تیمیہ کے ایک متبع کے احوال میں کہا کہ:

''شہاب ابن جی نے کہا کہ وہ اچھی فہم والا، مشہور ذہین شخص تھا، آخر میں اس نے مذہب ظاہری کو

پسند کیا، اوراجتہاد کا طریقہ اختیار کیا اور ابن تیمیہ کے طریقے پر کھلم کھلا اکابر فقہا کی جماعت کو خطا کار ٹھہرانے لگا''۔

اور ابن حجر نے اللسان (۶، ۳۱۹) میں ابن مطہر (ابن تیمیہ ابن المطہر کے کلام کا سخت رد کرتا تھا) کے حالات میں ابن تیمیہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ:

''لیکن میں نے اسے (ابن تیمیہ کو) ابن المطہر کی ذکر کردہ حدیثیں رد کرنے پر مکمل متوجہ پایا اگر چہ اس کا عظیم حصہ موضوعات اور واہیات سے ہے لیکن اس نے اس کے رد میں بہت سی جید حدیثوں کو بھی رد کیا، وہ مقامات بحالت تصنیف مجھے متحضر نہیں، وہ اپنی وسعت حفظ کے سبب اپنے سینے میں محفوظ معانی پر اعتماد کیا کرتا تھا، اور انسان نسیان کا قصد کرتا رہتا ہے (قصداً بھول جاتا ہے)۔

اور رافضیوں کے کلام کی اہانت کے لیے بارہا ایسے مبالغے کیے جن سے بسا اوقات حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی تنقیص شان کی نوبت آئی، اس سوانح میں اس کی توضیح وتمثیل کی گنجائش نہیں''اھ (حافظ ذہبی کا کلام بعینہ مکمل ہوا۔)

اکثر مقامات پر ابن تیمیہ کی مذمت کرنے والے

ابن الرفعہ، باجی، ابن الزملکانی، صفی الدین ہندی، اور ابن المرحل، تقی الدین سبکی، اور تقی الدین حصنی اور علاء بخاری اور دیگر حضرات نے ابن تیمیہ کی مذمت کی۔ براہ اختصار بعض حضرات کے اقوال نقل کر رہے ہیں:

شام کے زعیم الاشراف (معزز لوگوں کے رہنما وپیشوا) تقی الدین حصنی نے ابن تیمیہ کے رد میں ایک کتاب تالیف کی جس کا نام۔''**دفع شبه من شبه وتمرد ونسب ذلک إلی السیدالإمام أحمد**'' ہے آپ نے اس کتاب (۱، ۴۵) میں کہا:

''شامیوں نے بھی ابن تیمیہ کے متعلق فتوے لکھے کیوں کہ سب سے پہلے ابن تیمیہ نے اس مسئلہ کا اختراع کیا، یہ اسی شخص کا کارنامہ ہوسکتا ہے جو سید الاولین والآخرین سے دلی کینہ رکھتا ہو''۔

ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ (۱-۱۰۹، ۱۱۰) میں کہا:

''دمشق میں تقی الدین ابن تیمیہ عظیم حنبلی فقیہ، شام کے معزز اشخاص میں سے تھا مختلف علوم وفنون میں ملکۂ کلام رکھتا تھا، مگر اس کی عقل میں کچھ کمی تھی، میں دمشق میں جمعہ کے دن اس کے پاس پہنچا وہ جامع مسجد کے منبر پر لوگوں کو وعظ ونصیحت کر رہا تھا، دوران وعظ اس کے کلام کا ایک حصہ یہ تھا کہ:''**إن الله ينزل من سماء الدنيا كنزولي هذا**'' اللہ آسمان دنیا سے اس طرح نزول فرمائے گا جیسا کہ اس منبر سے میں اتر رہا ہوں، یہ کہہ کر منبر کی سیڑھیوں میں سے ایک سیڑھی اترا''۔

اور حافظ ولی الدین عراقی نے بھی حافظ ابن فہد کے سوال کے جواب میں ایک کتاب''**الأجوبة المرضية عن الأسئلة المالكية**''لکھی جس میں انھوں نے حسب ذیل مضمون پر مشتمل عبارت لکھی:

''شیخ تقی الدین ابن تیمیہ، جیسا کہ اس کے بارے میں کہا گیا کہ اس کا علم اس کی عقل سے بڑھ کر ہے، اس نے اپنے اجتہاد کے سبب بہت سے مسائل میں خرق اجماع کیا، ایک قول کے مطابق تقریباً ساٹھ مسائل میں خرق اجماع کیا۔اسی وجہ سے اس کے خلاف چہ میگوئیاں ہوئیں، اس کا رد کیا گیا، اس کی مذمت وملامت ہوئی اور آزمائش وامتحان سے گزرا۔

اس کے زمانہ کے علمانے اس کا برملا رد کیا، اور اسے گستاخ ومبتدع اور بدمذہب قرار دینے میں سبقت کی، اسی وجہ سے قید خانہ میں اس کی موت ہوئی، اور اس کی نصرت وحمایت اور موافقت کرنے والے دوسرے ائمہ کی طرح اسے ایک امام قرار دیتے ہیں کہ مسائل فروع میں اس کی مخالفت مضر نہیں جب کہ مخالفت کی بنیاد اجتہاد ہو، لیکن اس کی مخالفت کرنے والے علما فرماتے ہیں کہ اس کے تمام مسائل فروع ہی سے متعلق نہیں، بلکہ ان میں سے اکثر مسائل اصول سے متعلق ہیں، اور جن مسائل فروع پر امت کا اجماع ہو چکا ہے ان میں اس کے لیے مخالفت کی گنجائش نہیں، رہ گئی پیشوا ائمہ کی مخالفت تو یہ ان مسائل میں سے نہیں جن پر پہلے ہی سے اجماع ہو چکا ہے، بعض اسلاف کرام کی مخالفت اجماع سے پیشتر ہے اجماع کے بعد نہیں جیسا کہ بہت سارے ائمہ نے اس کی واضح تصریح فرمادی ہے۔ابن تیمیہ نے طلاق اور زیارت کے سلسلے میں نہایت بدترین مسائل ذکر کیے ہیں۔شیخ امام تقی الدین سبکی نے ان دونوں مسئلوں میں اس کا سخت رد فرمایا ہے، اور اس موضوع پر مستقل اور بہترین

کتاب تصنیف فرمائی۔'' (حافظ ولی الدین کا کلام پورا ہوا۔)

عبدالحی کتانی نے فہرس الفہارس (۲۰۱/۱و۲۰۲) میں ابن تیمیہ کے حالات کے تحت ذکر کیا:

''ابن تیمیہ سے جو بدترین چیزیں منقول ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے قاضی عیاض کی شفا کے بارے میں کہا ''غلا هذا المغيربي'' کہ اس حقیر وذلیل مغربی نے غلو کیا۔

افریقہ کے شیخ الاسلام امام ذی شان ابوعبداللہ بن عرفہ تونسی نے اس سلسلے میں کہا:

شفاء عياض في كمال نبينا كواصف ضوء الشمس ناظر قرصها

فلا غر وفي تبليغه كنه وصفه وفي عجزه عن وصفه كنه شخصها

وإن شئت تشبيهاً بذكر إمارة بأصل ببرهان مبين لنقصها

وهذا بقول قيل عن (زائغ) غلا عياض فتبت ذاته عن محيصها

قاضی عیاض کی شفا ہمارے نبی کے کمال میں ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص قرص خورشید کو آنکھوں سے دیکھ کر اس کی روشنی کا حال بیان کرے۔

تو یہ تعجب کی بات نہیں کہ آپ کے اوصاف کی کنہ تک ان کی رسائی ہو، اور آپ کی ذات کی کنہ اور حقیقت بیان کرنے سے عاجز رہیں۔

اگر آپ کوئی علامت ونشانی ذکر کر کے روشن دلیل کے ذریعہ کسی چیز کو کسی اصل سے تشبیہ دینا چاہیں تو اس کی شان میں کمی واقع ہوگی۔

اور یہ اس قول کی بنا پر جو ایک حق سے انحراف کرنے والے نے کہا کہ: عیاض نے غلو کیا تو وہ معترض برگشتۂ حق ہوا اور اپنے مقام (ٹھکانہ) سے منحرف ہو کر ہلاک وبرباد ہوا۔

ان کے تلمیذ بسیلی نے اپنی تفسیر، اور مقری نے (ازہار الریاض)، اور فاس کے شیخ الجماعۃ ابوالسعود عبدالقادر فاسی نے اپنے حواشی بخاری میں انہیں ذکر کیا۔

اور علامہ احمد ابن حجر ہیتمی نے '' الجوهر المنظم في زيارة القبر الشريف النبي المكرّم '' میں

فرمایا:

میں کہتا ہوں: ابن تیمیہ کون ہے جس کی طرف نظر کیا جائے، یا دین کے معاملات میں اس کو معتمد جانا جائے؟ وہ تو صرف وہی ہے جو ائمہ کی جماعت نے فرمایا، ان حضرات نے اس کے فاسد کلمات اور اس کی کھوٹی دلیلوں پر سخت گرفت فرمائی، یہاں تک کہ اس کی لغزشوں کا عیب، اور اس کے قبیح اوہام واغلاط کی حقیقت بے نقاب کر کے رکھ دیا، ان ائمہ کی صف میں عز بن جماعہ ہیں جنھوں نے کہا:

''وہ ایسا بندہ ہے جسے اللہ نے گمراہ اور برگشتہ راہ فرمایا اور اس پر ذلت وخواری کی چادر ڈالی، اور اس کی کثرت کذب وافترا کے سبب اسے ایسے مقام پر پہنچایا جس کا انجام رسوائی اور محرومی کے سوا کچھ نہیں، ابن تیمیہ سے مذکورہ چیزوں میں سے جو کچھ بھی واقع ہوا وہ اگر چہ لغزش وخطا ہے مگر اسے درگذر نہیں کیا جا سکتا، یہ اس کی ایسی مصیبت ہے جس کی نحوست ہمیشہ اس پر چھائی رہے گی''۔

علامہ زرقانی نے علامہ قسطلانی کی المواهب اللدنیه کی شرح (۸-۳۱۴،۳۱۵) میں تحریر فرمایا:

''کیا اس شخص کو اس چیز کی تکذیب سے حیا نہیں آئی جو اس کے احاطہ علم سے باہر ہے، اس کی عقل فاسد نے جس چیز کا اختراع کیا اگر کوئی اس کی مخالفت کر دے تو وہ حملہ آور قرار پاتا ہے، اسے اس کی پرواہ نہیں کہ وہ کس چیز کو دفع کر رہا ہے، اگر کوئی کمزور شبہ اس کے ہاتھ نہیں آتا جس کے ذریعہ وہ اسے اپنے زعم کے ذریعہ دفع کرے تو وہ پلٹ کر یہ دعوی کرتا ہے کہ جس نے اس پر بہتان باندھا اور اس کی طرف بے تکی باتیں منسوب کیں اس نے سراسر جھوٹ کہا۔ تو جس عالم نے اس شخص کے بارے میں یہ کہا کہ: اس کا علم اس کی عقل سے بڑھ کر ہے اس نے عدل وانصاف کیا''۔

علامہ نبہانی نے شواہد الحق (ص:۱۸۵) میں کہا:

''انہیں حضرات میں سے ملا علی قاری حنفی ہیں جنھوں نے اپنی شرح شفا میں کہا: ابن تیمیہ حنبلی نے دوسروں کے افراط کی طرح تفریط اور کوتاہی کی کیوں کہ اس نے نبی پاک ﷺ کے سفر زیارت کو حرام قرار دیا۔ انھوں نے کہا: اس پر علما نے فرمایا کہ: زیارت کا دین کی قربت مخصوصہ ہونا بدیہی چیز ہے اس کے منکر پر حکم کفر ہے،

اورامید کہ ثانی درستگی کے زیادہ قریب ہے اس لیے کہ جس امر کے استحباب پرعلما کا اجماع ہے اسے حرام قرار دینا کفر ہے، کیوں کہ اس باب میں اس کی تحریم کا حکم متفق علیہ مباح کی تحریم سے بڑھ کر ہے''۔

اورانہیں میں شہاب الدین خفاجی حنفی رحمہ اللہ تعالی ہیں جنھوں نے شرح شفا میں فرمایا: نبی پاک ﷺ نے ارشادفرمایا:''**لعن الله قوما اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد**''،''اللہ ان لوگوں پرلعنت فرمائے جنھوں نے اپنے انبیا کی قبروں کومسجد بناڈالا'' اس کے بعد فرمایا کہ: یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہئے کہ یہی حدیث ابن تیمیہ اوراس کے متبع جیسا کہ ابن قیم کے لیے اس بات کا داعی اور محرک بنی کہ انھوں نے وہ بری باتیں کہیں جن کے سبب علمانے ان کی تکفیر کی،اورامام سبکی نے اس سلسلے میں ایک مستقل کتاب تصنیف فرمائی۔ابن تیمیہ نے یہ شنیع بات کہی کہ نبی اکرم ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت،اوراس بارگاہ عالی کا سفرکرنا ممنوع ہے حالاں کہ آپ کی ذات اقدس اس کا حسین مصداق ہے:

''**لمهبط الوحي حقا ترحل النجب وعند ذلک المرجى ينتهي الطلب**''

مہبط وحی کی طرف خوش رفتاراونٹنیاں رواں دواں ہیں-اسی امیدگاہ کے پاس امید وتمنا پوری ہوتی ہے۔

دراصل ابن تیمیہ کو یہ وہم ہوا کہ اس نے بے جا خرافات کرکے جانب توحید کی حمایت کی ہے، ایسے خرافات عاقل سے صادرنہیں ہوتے چہ جائے کہ فاضل سے۔سامحہ اللہ تعالیٰ''۔شہاب الدین خفاجی کی عبارت ختم ہوئی۔

اورانہیں میں امام عبدالرؤف مناوی شافعی (صاحب فیض القدیررحمہ اللہ تعالی) نے شرح شمائل میں فرمایا: ابن قیم نے کہا کہ اس کے شیخ ابن تیمیہ نے یہ ذکر کیا کہ:''مصطفیٰ ﷺ نے اپنے رب کو اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں شانوں کے درمیان رکھے ہوئے دیکھا تو اس مقام کوزلف سے مزین ومکرم فرمایا''۔شارح ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالی نے اس کا رد یوں فرمایا کہ یہ ان دونوں کی قبیح گمراہی ہے،اس کی بنیاد ان دونوں کے اس باطل مذہب پر ہے کہ وہ اللہ تعالی کے لیے جہت اورجسم ثابت مانتے ہیں، اللہ تعالی ظالموں کی بکواس سے بے

حد برتر و بلند ہے۔

مناوی نے یہ ذکر کر کے فرمایا: میں کہتا ہوں: ان دونوں کا مبتدع اور بد مذہب ہونا تو لائق تسلیم ہے لیکن اس کی بنیاد خاص مسئلہ تجسیم کو قرار دینا درست نہیں۔

(۱) ہمیں رسول اللہ ﷺ کے وصال پر ملال کا غم کیوں نہ ہو؟

ابن تیمیہ نے اس بات کی تصریح کی کہ رسول اللہ ﷺ کے غم وصال کا کوئی فائدہ نہیں، اگر آپ کے غم وصال کا کوئی فائدہ ہوتا تو آپ کا غم وصال ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ کو کمزور و ناتواں کر دیتا، حالاں کہ نبی پاک ﷺ کے وصال کے وقت آپ کو ایسا غم نہ ہوا جیسا کہ غار میں ہوا تھا، دراصل اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ کے غم وصال کا کوئی فائدہ نہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جس دن مدینہ طیبہ میں جلوہ گر ہوئے مدینہ منورہ کا ذرہ ذرہ روشن و منور ہو گیا، اور جس دن آپ کا وصال ہوا سارا مدینہ ظلمت کدہ بن گیا، اور فرمایا کہ: ”**ما نفضنا عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم الأيدي حتى انكرنا قلوبنا**“ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے ہاتھوں کو نہ جھاڑا مگر ہم نے اپنے دلوں کو غیر پایا۔[1]

بھلا مدینہ کیوں کر تاریک نہ ہوگا جب کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿قَدْ جَآءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ﴾ [المائدہ-۵:۱۵]

---

(۱) انس کی حدیث میں یہ ہے: **لما كان اليوم الذى قدم فيه رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم المدينة أضاء منها كل شيء**“ رسول اللہ ﷺ جس دن مدینہ طیبہ میں جلوہ ساماں ہوئے آپ کے انوار سے سارا مدینہ روشن ہو گیا۔ امام احمد نے اس کی تخریج کی (۳/۲۶۸) اور ترمذی (۵/۵۸۸) نے یہ حدیث تخریج کی، اور ترمذی نے یہ کہا کہ یہ حدیث غریب صحیح ہے۔ اور ابن ماجہ (۱/۵۲۲) نے تخریج کی، اور ابن حبان نے اس کو صحیح کہا (۱۴/۶۰۱) اور حاکم نے مستدرک (۳/۵۹) میں تخریج کر کے کہا کہ: مسلم کی شرط پر صحیح ہے، اور ان دونوں (شیخین) نے اس کی تخریج نہ کی۔ اور الضیاء نے المختارۃ میں (۴/۷/۴۱۷ و ۴۲۰) تخریج کی جیسا کہ ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ میں اس کی تصحیح کی اور کہا کہ اس کی سند صحیحین کی شرط کے مطابق ہے۔ اور ابو یعلی (۶/۱۱۰)، اور عبد بن حمید (۱/۳۸۶) اور ابن سعد نے طبقات (۲/۲۷۴) میں، اور رویانی (۲/۳۹۲)، اور خطیب نے تاریخ بغداد میں (۱۳/۱۵) تخریج کی اور حافظ نے فتح الباری (۸/۱۴۹) میں کہا کہ: بزاز نے سند جید کے ساتھ اس حدیث کی تخریج کی۔

بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا اور روشن کتاب۔

ائمہ سلف وخلف کے ارشاد کے مطابق اس آیت کریمہ میں نور سے مراد نبی پاک ﷺ کی ذات پاک ہے۔(۱)

آپ پر لوگ کیوں اشک بار اور غم ناک نہ ہوں گے جب کہ آپ کے رب نے آپ کے بارے میں فرمایا:﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ أَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ [الانفال-۸: ۳۳] اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو اور اللہ انہیں عذاب کرنے والا نہیں جب تک وہ بخشش مانگ رہے ہیں۔(کنز الایمان)

اور نبی پاک ﷺ نے فرمایا:''**النجوم أمنة للسماء فإذا ذهبت النجوم أتى السماء ما توعد، وأنا أمنة لأصحابي فإذاذهبت أتى أصحابي مايوعدون ،وأصحابي أمنة لأمتي فإذا ذهب أصحابي أتى أمتي مايوعدون**''(مشکاۃ المصابیح باب فضائل الصحابہ)

''ستارے آسمان کے لیے امان ہیں جب ستارے روپوش ہوجائیں گے تو آسمان کو وہ پہنچے گا جس کا اس سے وعدہ ہے، اور میں اپنے اصحاب کے لیے امان ہوں، جب میں رفیق اعلی سے جاملوں گا تو میرے صحابہ پر وہ گزرے گا جس کا ان سے وعدہ ہے، اور میرے صحابہ میری امت کے لیے امان ہیں جب میرے صحابہ چلے جائیں گے تو میری امت پر وہ پہنچے گا جس کا اس سے وعدہ ہے''۔(۲)

(۱) ائمہ مفسرین نے اس کی تصریح فرمائی مثلا طبری نے اپنی تفسیر میں(۱۶۱/۶)اور جعفر نحاس نے معانی القرآن میں (۲۸۴/۲)اور واحدی(۳۱۳/۱)اور بغوی(۳۷/۱)اور ابن الجوزی نے زاد المسیر میں (۳۱۶/۲)اور قرطبی (۱۱۸/۶)اور ثعالبی(۴۵۳/۱)اور بیضاوی (۳۰۷/۲)اور نسفی (۲۷۵/۱)اور ابو السعود(۱/۱)اور سیوطی (۱۳۹/۱)اور آلوسی نے روح المعانی(۱۶۶/۱۸)میں اور شوکانی نے فتح القدیر میں (۲۶/۲)۔

(۲) احمد نے اس حدیث کی تخریج کی (۳۹۸،۴)اور مسلم(۱۹۶۱،۴)اور ابن حبان(۲۳۴،۱۶)وغیرہم نے، اور ہیثمی نے مجمع الزوائد(۱۲،۱ا۳)میں کہا:طبرانی نے ثلاثہ(صغیر واوسط وکبیر تینوں کتابوں)میں اسے روایت کیا اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

اور عمر بن محمد بن زید بن عبداللہ بن عمر نے فرمایا: ابن عمر جب بھی رسول اللہ ﷺ کا ذکر فرماتے آپ کی آنکھیں اشک بار ہو جاتیں اور اس ارض مقدس سے جب بھی گذرتے اپنی آنکھیں بند فرما لیتے۔(۱)

اور امام احمد وغیرہ کی روایت میں ہے کہ زہری نے فرمایا: مجھے انصار کے ایک ثقہ شخص نے یہ خبر دی کہ انھوں نے عثمان بن عفان رحمۃ اللہ تعالی علیہ سے یہ بیان کرتے سنا کہ نبی پاک ﷺ کے اصحاب میں سے کچھ لوگ آپ کے وصال پر حد درجہ غمگین ہوئے، ایسا لگ رہا تھا کہ بعض صحابہ وسوسہ میں پڑ جائیں گے۔(۲)

اور عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: میرے گمان میں عمر کی شہادت کے دن برے گھرانوں کو چھوڑ کر مسلمانوں کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جو سوگوار نہ ہوا ہو۔(۳)

ان حقائق وشواہد کے بعد رسول اللہ ﷺ کے وصال کا غم نہ منانے والوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟

---

(۱) عمر بن محمد بن زید بن عبداللہ بن عمر کے اثر کی روایت بیہقی نے المدخل الی السنن الکبری (۱، ۱۴۸) میں کی، اور حافظ ابن حجر نے الاصابۃ (۴، ۱۸۷) میں بیہقی کی طرف اس کی نسبت زہد میں کی اور یہ کہا کہ: صحیح سند سے مروی ہے اور یہ بھی کہا کہ: دارمی نے تاریخ ابوالعباس سراج میں سند جید کے ساتھ اس کو اس طریق سے تخریج کیا۔

(۲) احمد نے اس کی تخریج کی (۱، ۶) اور معمر بن راشد نے اپنی جامع (۱۱/ ۲۸۵، ۲۸۶) اور ابو یعلی (۱، ۲۱)، اور ابن سعد نے طبقات میں (۲، ۳۱۲) تخریج کی اور ھیثمی نے مجمع الزوائد میں (۱-۱۴، ۱۵) کہا: ''احمد وطبرانی نے اختصار کے ساتھ اوسط میں، اور ابو یعلی نے بتمامہ اور بزاز نے اسی طرح روایت کیا، اور اس میں ایک نامعلوم راوی ہیں زہری نے ان کی توثیق کی ہے، اور ان کو مبہم کہا، اور میں نے اسے ان کی سند کے ساتھ ذکر کیا تا کہ منقطع سند سے میری کتاب کا آغاز نہ ہو۔ اھ

(۳) ابن ابوشیبہ (۶/ ۳۵۵) اور طبرانی نے کبیر میں (۹/ ۱۶۱) اس کی تخریج کی، اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۹/ ۷۷، ۷۸) میں کہا: ''طبرانی نے اس کو ایسی سندوں اور ایسے راویوں سے روایت کیا جن میں بعض صحیح کے رجال ہیں، میں کہتا ہوں: اور ابن ابو شیبہ کی اسناد بھی صحیح ہے، اور اس کے رجال، رجال صحیح کے ائمہ اعلام سے ہیں اور وہ تقریبا طریق طبرانی ہے جس کو ہیثمی نے صحیح کہا، مگر حسین بن علی جعفی رجال صحیح سے ہیں اصحاب ستہ نے ان کی روایت لی ہے اور حافظ مزی نے (تہذیب الکمال ۶/ ۴۵۱، ۴۵۲) میں ان کے بارے میں کہا: ثقہ عابد ہیں، احمد نے کہا: میں نے ان سے بہتر نہ دیکھا اور یحیی بن معین

(۲) افضل الخلق ﷺ، سیدہ فاطمہ اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شان اقدس میں ابن تیمیہ کی گستاخیاں

ابن تیمیہ نے درج ذیل امور کی تصریح کی:

(۱) ابوبکر کو رسول اللہ ﷺ کے غم وصال سے یک گونہ ضعف لاحق ہوتا۔

(۲) رسول اللہ ﷺ پر غم نہ کرنے کا حکم ہے۔

(۳) رسول اللہ ﷺ پر محض غم کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

(۴) رسول اللہ ﷺ پر غم کرنے والا مذموم انسان ہے، اس لیے کہ وہ ایسی فوت شدہ چیز پر غم کر رہا ہے جسے واپس لوٹایا نہیں جا سکتا۔

(۵) جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ کے وصال کا غم اس طرح نہ ہوا جیسا کہ وصال سے پہلے غار میں ہوا تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے غم وصال کا کوئی فائدہ نہیں۔

(۶) بلاشبہ ابوبکر کا غم فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غم سے کامل تر ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ پر آپ کا غم بلاشبہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غم سے بہت کم ہے۔

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۴۵۹/۸-۴۶۰) میں حضور اقدس ﷺ پر سیدہ فاطمہ اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے غم کا جائزہ لیا، اور شہد میں زہر چھپائے ہوئے کہا:

''نبی ﷺ پر آپ کا غم اس امر کی دلیل ہے کہ آپ کو حضور سے کامل دوستی اور محبت و خیر خواہی تھی، آپ ہمیشہ حضور کی مکمل حفاظت و پاسبانی اور آپ کا دفاع فرماتے، اور آپ سے ایذا دفع فرماتے اور یہ ایمان کا عظیم ترین حصہ ہے۔

وغیرہ نے ان کو ثقہ کہا اور سفیان بن عیینہ حسین جعفی کی دست بوسی کرتے اور کہتے: مجھے اس پر تعجب ہے جو کوفہ سے گذرے اور حسین جعفی کی پیشانی کو نہ چومے، اور یحیی بن یحیی نیشاپوری نے کہا: اگر کوئی ابدال رہ گئے ہیں تو وہ حسین جعفی ہیں۔ الخ

۱) ان ساری چیزوں کے باوجود آپ کو حضور کے غم کے سبب یک گونہ ضعف لاحق ہوتا۔

۲) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کو اس بات کا حکم ہے کہ ان اوصاف سے متصف رہیں اور غم نہ کریں۔

۳) کیوں کہ محض غم کا کوئی فائدہ نہیں، اور یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ غم نہ کرنا کوئی مذموم جرم و گناہ نہیں۔

پھر کہا:

''یہ شیعہ وغیرہ فاطمہ کے متعلق یہ بیان کرتے ہیں کہ: آپ کو نبی ﷺ کے وصال کا ایسا غم ہوا جو نا قابل بیان ہے، آپ نے غموں کے گھر کی عمارت تعمیر فرمائی یہ لوگ فاطمہ کے اس غم کو مذموم نہیں کہتے۔

۴) حالانکہ یہ فوت شدہ چیز کا غم ہے جسے واپس ہونا نہیں۔

۵) اور ابو بکر کو آپ کی حیات میں صرف اس خوف کے سبب غم ہوا کہ کہیں آپ جام شہادت نوش نہ فرما جائیں آپ کا یہ غم آپ کی حفاظت و پاسبانی کی خاطر تھا یہی وجہ ہے کہ جب آپ کا وصال ہوا تو آپ کو ایسا غم نہ ہوا اس لیے کہ اس غم کا کوئی فائدہ نہیں۔

۶) اس سے معلوم ہوا کہ ابو بکر کا غم بلا شبہ فاطمہ کے غم سے کامل تر ہے۔

ابن تیمیہ کے متبعین سے ہمارے مواخذے :

کیا رسول اللہ ﷺ ضعیف و کمزور ہو گئے تھے، یا آپ کو ضعف لاحق ہو گیا تھا جب آپ اپنے فرزند ارجمند، لخت دلبند حضرت ابراہیم کے وصال پر کبیدہ و رنجیدہ ہوئے؟

انس ابن مالک فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''**إن العين تدمع، والقلب يحزن، ولا نقول إلا ما يرضى ربنا، وإنا لفراقك يا إبراهيم لمحزونون**''۔

''یقیناً آنکھیں اشک بار ہیں، اور قلب رنجیدہ و غم ناک ہے، اور ہم وہی کہتے ہیں جو ہمارے رب کو پسند ہے، اور اے ابراہیم! ہمیں بلاشبہ تمہاری جدائی کا غم ہے''[1]

علاوہ ازیں ابن تیمیہ کے زعم کے مطابق یہ فوت شدہ چیز ہے جسے واپس ہونا نہیں۔

(۱) بخاری (۱/۴۳۸، ۴۳۹) اور مسلم (۴/۱۸۰۷) نے یہ حدیث تخریج کی۔

ابن تیمیہ کے پیروکار ہمیں بتائیں:

جب زید بن حارثہ، جعفر بن ابو طالب، اور عبداللہ بن رواحہ غزوۂ موتہ میں شہید ہوئے تو ان کی شہادت کے غم کی وجہ سے کیا رسول اللہ ﷺ کمزور ہو گئے تھے، یا آپ کو ضعف لاحق ہو گیا تھا؟ بخاری و مسلم کی روایت میں ہے سیدہ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ: جس وقت رسول اللہ ﷺ بیٹھے آپ پر غم کے آثار نمودار تھے۔(۱)

علاوہ ازیں ابن تیمیہ کے خیال کے مطابق یہ فوت شدہ چیز ہے جس کو واپس ہونا نہیں۔

ہم ابن تیمیہ کے ریزہ خواروں سے کہتے ہیں:

بئر معونہ میں قرائے صحابہ کی شہادت کے غم کے سبب کیا رسول اللہ ﷺ کمزور ہو گئے تھے، یا آپ کو ضعف لاحق ہو گیا تھا، امام بخاری نے انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا کہ: رسول اللہ ﷺ نے قرائے صحابہ کی شہادت کے وقت ایک ماہ تک قنوت پڑھی، میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی ایسا شدید رنجیدہ و غم ناک نہ دیکھا۔(۲)

حالاں کہ ابن تیمیہ کے گمان کے مطابق یہ ایک فوت شدہ امر ہے جسے واپس ہونا نہیں۔

رہ گیا سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کا غم واندوہ :

تو امام بخاری نے اپنی صحیح وغیرہ میں ثابت سے بروایت انس تخریج کی کہ جب نبی کریم ﷺ سخت بیمار ہوئے تو آپ پر غشی طاری ہونے لگی تو فاطمہ نے کہا: ہائے ابا حضور کی تکلیف، یہ سن کر حضور نے فاطمہ سے فرمایا: ''آج کے بعد تمہارے والد کو کبھی تکلیف نہ ہوگی'' جب آپ کا وصال ہو گیا تو فاطمہ نے کہا: ہائے ابا حضور آپ نے اپنے رب کی دعوت پر لبیک کہا، ہائے ابا حضور آپ کا مقام جنت الفردوس بنا، ہائے ابا جان ہم جبریل کو آپ کے وصال کی خبر دیں گے، تدفین کے بعد فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا نے کہا: اے انس! کیا رسول اللہ

---

(۱) بخاری نے اس کی تخریج کی (۱/۴۳۷) باب من جلس عندالمصیبة یعرف فیه الحزن اور مسلم (۲/۶۴۴) نے بھی تخریج کی۔

(۲) بخاری نے یہ حدیث تخریج کی (۱/۴۳۷)

ﷺ کو سپرد خاک کرنا تمہیں اچھا لگا؟

حاکم نے مستدرک میں اضافہ کر کے کہا: سعید بن منصور نے اپنی حدیث میں بروایت اسامہ اضافہ کر کے کہا: میں نے حماد بن یزید سے یہ کہتے سنا: میں نے ثابت بنانی کو اس حدیث کی روایت کے وقت اس قدر روتے دیکھا کہ ان کی پسلیاں مضطرب ہو جاتیں۔(۱)

اور محمد بن علی نے سیدہ فاطمہ کا حال بیان کرتے ہوئے کہا کہ: رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد آپ کو ہنستے ہوئے نہ دیکھا گیا سوا اس کے کہ لوگوں کو آپ کے دانت کے کنارہ کے بارے میں شک ہوا ہو۔(۲)

اور عبداللہ بن حارث فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ کے بعد فاطمہ آپ کے غم میں پگھلتی ہوئی چھ ماہ زندہ رہیں۔(۳)

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غم:

''آپ نے حضور اقدس ﷺ پر نوحہ خوانی کی، حضور کے وصال کے بعد جب آپ کے پاس پہنچے تو اپنا دہن آپ کی چشمان مبارک پر، اور اپنے ہاتھ آپ کی دونوں کنپٹی پر رکھ کر عرض کیا: ہائے اللہ کے نبی، ہائے اللہ کے خلیل، ہائے اللہ کے صفی۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے: یانبیاہ یاصفیاہ، اے اللہ کے نبی، اے اللہ کے صفی۔(۴)

اور رہا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غم واندوہ تو آپ اس قدر کبیدہ خاطر ہوئے کہ

(۱) امام بخاری (۱۶۹۱/۴) ابن حبان (۵۹۱/۱۴)، اور حاکم نے مستدرک میں (۵۳۷/۱) تخریج کیا، اور حاکم نے یہ کہا: سعید بن منصور نے اپنی حدیث میں بروایت اسامہ اضافہ کر کے کہا کہ: میں نے حماد بن یزید سے یہ کہتے سنا کہ میں نے ثابت بنانی کو اس حدیث کی روایت کے وقت اس قدر روتے دیکھا کہ ان کی پسلیاں مضطرب ہو جاتیں۔

(۲) طبرانی نے معجم کبیر (۳۹۹/۲۲) اور ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء (۴۳/۲) میں اس کی تخریج کی، اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۲۱۲/۹) میں کہا: طبرانی نے یہ حدیث روایت کی اور اس کے رجال، صحیح کے رجال ہیں۔

(۳) ذہبی نے سیر أعلام النبلاء (۱۲۸/۲) میں اسے ذکر کیا۔

(۴) طیالسی نے (۲۱۷/۱) اسے تخریج کیا۔

فرمایا: **من قال إن محمدا قد مات قتلته** ''جو شخص یہ کہے گا کہ محمد کا وصال ہو گیا میں اسے قتل کردوں گا''۔(۱)

مجھے نہیں معلوم کہ ابن تیمیہ نے کیسے یہ حکم لگایا اور کس شیطان نے اس کو یہ بتایا کہ حضور کے وصال کے بعد ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ آپ پر کبیدہ ورنجیدہ نہ ہوئے جیسا کہ غار میں کبیدہ ورنجیدہ ہو گئے تھے؟

حضور کے وصال کے بعد ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ کے ثابت قدم رہنے کا یہ معنی نہیں کہ آپ کو سخت رنج وغم نہ ہوا۔ امت کو ضیاع اور افتراق وانتشار سے بچانے کے لیے آپ ہی کا یہ اہم موقف تھا کہ خاص اہل اللہ میں سے ایک اہم شخص کی ضرورت ہے، سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ کا یہی حال تھا، اللہ عز وجل نے آپ کو آپ کے اہم موقف پر قائم رکھا، اور اس پر آپ کی مدد فرمائی۔ تو کیا ابن تیمیہ ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ وارضاہ عنا کی اس ثبات قدمی کو یہ سمجھتا ہے کہ آپ حضور اقدس ﷺ پر کبیدہ ورنجیدہ نہ ہوئے، یا یہ کہ بہت کم غم ناک ہوئے اس لیے کہ آپ رفیق اعلی سے جا ملے؟

ابن تیمیہ نے اس نکتہ کی طرف التفات نہ کیا کہ جس طرح رسول پاک کے اہل میں جگر گوشۂ رسول سیدہ فاطمہ، رسول پاک سے سب سے پہلے جا ملیں، اسی طرح کبار صحابہ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد آپ سے سب سے پہلے جا ملے، اگر آپ چاہیں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ شدت غم کی وجہ سے ایسا ہوا، یا یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ حضور اقدس کے کمال شوق میں ایسا ہوا یا دونوں کی وجہ سے۔

رسول پاک کی امت آپ پر کیوں غم ناک اور اشک بار نہ ہو جب کہ خود آپ نے ارشاد فرمایا:

''**من أصيب بمصيبة فليذكر مصيبته بي فإنها من أعظم المصائب**، جس پر کوئی مصیبت آئے تو اپنی مصیبت مجھ سے یاد کرلیا کرے کیوں کہ یہ سب سے بڑی مصیبت ہے''۔(۲)

---

(۱) اصل واقعہ صحیح بخاری (۱۳۴۱/۳)، ابن ماجہ (۵۲۰/۱) اور حاکم (۳۱۸/۳) وغیرہم میں موجود ہے۔

(۲) حدیث ''من أصيب بمصيبة فليذكر مصيبته بي فإنها من أعظم المصائب'' حدیث حسن ہے۔ اگر اپنے تمام طرق سے صحیح نہیں بھی ہو، تو بطریق عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا ابن ماجہ نے (۵۱۰/۱) اور طبرانی نے اوسط (۳۱۵/۴) اور صغیر میں (۳۶۶/۱) اور بیہقی نے شعب الایمان میں (۲۳۹/۷) اور ابن عبدالبر نے تمہید میں (۳۲۵/۱۹) اس کی تخریج کی

اورسلمان اورابودردا مسلسل مغموم رہے، ان دونوں حضرات نے خودکہا: تین چیزوں نے مجھے کبیدہ واشک بار کیا: محمد ﷺ اورآپ کی جماعت کا فراق الخ،، (۱)

اورعمار بن یاسر کو اپنی شہادت کے وقت کامل خوشی ہوئی خود انھوں نے فرمایا:"**اليوم ألقى الأحبة محمدا و حزبه**،، آج اپنے دوست واحباب محمد اورآپ کے اصحاب سے ملاقات ہوگی۔(۲)

جب رسول اللہ ﷺ نے لکڑی کا منبر اختیار فرمایا تو کھجور کا تنا (آپ کے فراق سے) مغموم ہوا تو رفیق اعلی کی طرف حضور کے انتقال کے بعد تمہارا کیا خیال ہے؟

سنن دارمی میں ہے کہ انس بن مالک نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن مسجد میں ایک کھجور کے تنے سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے، تو ایک رومی نے آ کر عرض کی: کیا حضور کے لیے کوئی ایسی چیز بنا دیں جس پر جلوس فرمائیں اور ایسا معلوم ہو کہ آپ قیام میں ہیں تو اس نے آپ کے لیے ایک منبر بنایا جس کی دو سیڑھیاں تھیں اور تیسرا درجہ بیٹھنے کے لیے تھا، جب حضور اقدس ﷺ منبر پر جلوہ بار ہوئے تو آپ کے غم میں کھجور کے تنے سے

ہے، اور ہیثمی نے مجمع الزوائد (۹/۳۷) میں اس کو ضعیف کہا، اور عبداللہ بن جعفر والد علی بن مدینی کے سبب معلل کہا کہ وہ ضعیف ہیں جیسا کہ عجلونی نے کشف الخفا (۱/۸۵) میں ان کو ضعیف کہا، اور بطریق ابن عباس، بیہقی نے شعب الایمان (۷/۲۳۹) میں اس کی تخریج کی، اور بطریق سابط جمحی طبرانی نے کبیر (۷/۱۶۷) میں اور بیہقی نے شعب الایمان (۷/۲۳۹) میں اس کی تخریج کی، اور حافظ نے اصابہ (۳/۳) میں اس کو تقی بن مخلد اور باوردی اور ابن شاہین کی طرف منسوب کیا اور کہا: اس کی سند حسن ہے لیکن اس میں علقمہ پر اختلاف ہے، اور عبدالرزاق نے بطریق عبدالرحمٰن بن سابط مرسلاً اس کو بسند صحیح تخریج کیا (۳/۵۶۴) اور بطریق مکحول وعطا مرسلا دارمی نے اپنی سنن (۱/۵۳) میں بسند جید تخریج کی۔

(۱) ابن ابو عاصم نے زہد (۱/۱۵۳) اور ابونعیم نے حلیۃ الاولیا (۱/۲۰۷) میں سلیمان کے اثر کی تخریج کی اور اثر ابودردا کی تخریج ابن مبارک نے زہد میں (۱/۸۴) کی جیسا کہ بیہقی نے شعب الایمان (۷/۳۷۸) میں اس کو روایت کیا۔

(۲) حاکم نے مستدرک (۳/۴۴۵) اور طبرانی نے اوسط (۶/۳۰۱) اور ابونعیم نے حلیہ (۱/۱۴۲) اور ابن عبدالبر نے استیعاب (۳/۱۱۳۹) میں اس کی تخریج کی، اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۹/۲۹۵، ۲۹۶) میں کہا کہ: طبرانی نے اوسط میں اور احمد نے اختصار کے ساتھ اس کو روایت کیا، ان دونوں کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

بیل کی سی آواز نمودار ہوئی جس سے پوری مسجد گونج گئی، حضور نے منبر سے اتر کر اس کو اپنے سے لگالیا جب آپ نے اس کو چمٹالیا تو اس پر سکوت طاری ہو گیا پھر آپ نے فرمایا: ''**والذي نفسي بيده لو لم ألتزمه مازال هكذا حتى تقوم الساعة حزنا على رسول الله ﷺ**'' ''قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اگر میں اسے اپنے (سینے، گلے) سے نہ لگالیتا تو اللہ کے رسول ﷺ کے غم میں قیامت قائم ہونے تک مسلسل اس کی یہی حالت و کیفیت رہتی'' اس کے بعد رسول پاک کے حکم پر اسے دفن کر دیا گیا''(۱)

ابن تیمیہ اور اس کے حامیوں کو چھوڑ کر تمام انسان و جنات اور جمادات و نباتات، حضور کے وصال جانکاہ پر کبیدہ ہو گئے، اگر گفتگو طویل ہونے کا خوف نہ ہوتا تو صحابہ و تابعین وغیرہم میں سے ان تمام حضرات کا احاطہ کرتا، جو اپنے آبا اور اولاد یا اپنے کسی عزیز کے فراق و وصال پر غمناک ہوئے اور کسی نے اس پر نکیر نہ کی۔

(۳) ابن تیمیہ نہیں جانتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے، اور اگر جانتا تو علما اس کے قول کے سبب اس کی تکفیر کرتے :

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۴۶۸/۸، ۴۶۹) میں کہا:

''رسول اللہ ﷺ کافروں کے کفر و انکار کے سبب کبیدہ و رنجیدہ خاطر ہوتے تھے، اللہ عزوجل کے منع فرمانے سے قبل آپ کی یہ طاعت و فرماں برداری تھی، جیسا کہ سرکار کے منع فرمانے سے پہلے ابوبکر کی کبیدگی طاعت و فرماں برداری تھی، جب سرکار نے ابوبکر کو غم کرنے سے منع فرمادیا اس کے بعد سے ابوبکر کبیدہ و رنجیدہ نہ ہوئے تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ابوبکر سرکار پر کبیدہ ہوئے ہوں جب کہ یہ ممکن ہے کہ آپ کو اس روز سرے سے غم ہی نہ ہوا ہو، خود اللہ عزوجل نے حضور کو کبیدہ خاطر اور رنجیدہ دل ہونے سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا أَوْ كَفُوْرًا﴾ [الانسان-۷۶:۲۴] اور ان میں کسی گنہ گار یا ناشکرے کی بات نہ سنو۔

(۱) دارمی (۳۲/۱) اور ضیا مقدسی نے مختارہ (۳۵۷/۴)، اور لالکائی نے اعتقاد اہل السنۃ (۷۹۸/۴، ۷۹۹) میں اس کی تخریج کی۔

میں کہتا ہوں:

(۱) ابن تیمیہ کا حال یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے آپ کو ورطۂ ہلاکت میں ڈالتا ہے اس لیے کہ اس کے گزشتہ کلام سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے اکثر اللہ عزوجل کی نافرمانی کی ہے، اس لیے کہ وہ یہ کہتا ہے :''رسول اللہ ﷺ کافروں کے کفروانکار کے سبب کبیدہ ورنجیدہ ہوتے تھے اور اللہ عزوجل کے منع فرمانے سے قبل یہ اللہ کی اطاعت وفرماں برداری تھی''۔

ابن تیمیہ سے ہمارا کہنا یہ ہے کہ چلیے مان لیتے ہیں کہ رسول ﷺ کبھی کبیدہ ہوئے اور یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت تھی، پھر اس کے بعد اللہ عزوجل نے آپ کو اس رنج وغم سے منع فرمادیا تو اس وقت کیا حکم ہو گا جب سرکار بار بار کبیدہ ورنجیدہ ہوتے کیا آپ گناہ گار قرار پائیں گے والعیاذ باللہ تعالی، اللہ تعالی بار بار آپ کو منع فرمارہا ہے اور آپ اس کو نہیں مان رہے ہیں یہ کیسی کج فہمی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَحۡزَنۡ عَلَيۡهِمۡ وَلَا تَکُ فِيۡ ضَيۡقٍ مِّمَّا يَمۡكُرُوۡنَ﴾ [النحل-۱۶:۱۲۷]

ترجمہ:۔اوران کا غم نہ کھاؤ اوران کے فریبوں سے دل تنگ نہ ہو۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَلَا يَحۡزُنۡکَ قَوۡلُهُمۡ﴾ [یٰس-۳۶:۷۶]

ترجمہ:۔تو تم ان کی بات کا غم نہ کرو۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنۡ كَفَرَ فَلَا يَحۡزُنۡکَ كُفۡرُهٗ﴾ [لقمان-۳۱:۲۳]

ترجمہ:۔اور جو کفر کرے تو تم اس کے کفر سے غم نہ کھاؤ۔

اس کے علاوہ اور بہت سی آیتیں ہیں۔

کیا رسول ﷺ نے اللہ عزوجل کے بار بار منع فرمانے کے باوجود بار بار اس کی نافرمانی کی؟ یا ''لاتحزن

علیھم‘‘ سے نبی کریم ﷺ کی تسکین خاطر اور تسلی قلب مقصود ہے، ابن تیمیہ کے فہم کے مطابق طاعت ومعصیت مقصود نہیں ورنہ ایک دوسری مصیبت پیدا ہوگی، لیکن ابن تیمیہ کے یہاں یہ آفت ومصیبت نہیں اس لیے کہ اس کے نزدیک انبیا معصوم نہیں، ان سے معاصی کا وقوع ممکن ہے جیسا کہ ہم عنقریب درج ذیل ان آیتوں کے تحت ذکر کریں گے:

آیت کریمہ:

﴿وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ o الَّذِيْ أَنْقَضَ ظَھْرَکَ﴾ [الشرح-۹۴:۲،۳]

اور تم پر سے تمہارا وہ بوجھ اتار لیا جس نے تمہاری پیٹھ توڑی تھی۔

اور آیت شریفہ:

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا o لِیَغْفِرَلَکَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾ [الفتح-۴۸:۲،۳]

بے شک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرمادی تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے تمہارے پچھلوں کے۔

ابن تیمیہ کا یہ خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بعض معاصی سرزد ہوئے فتح مکہ کے بعد آٹھویں سال آپ نے ان سے توبہ فرمائی جو شخص رسول اللہ ﷺ کے متعلق ایسے خیالات رکھے اس پر ہم ﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ [البقرہ-۲:۱۵۶] اور ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ﴾ [آل عمران-۳:۱۷۳] پڑھتے ہیں۔

(۲) ابن تیمیہ کا یہ کہنا: ’’یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ابوبکر سرکار پر کبیدہ ہوئے ہوں، جب کہ یہ ممکن ہے کہ آپ کو اس روز سرے سے غم ہی نہ ہوا ہو، خود اللہ عزوجل نے حضور کو کبیدہ خاطر اور رنجیدہ دل ہونے سے منع فرمایا‘‘ ایک الگ مصیبت ہے اس لیے کہ گزشتہ سطور میں اس کا یہ خیال گذر چکا کہ حضور کے یوم وصال پر ابوبکر کو ایسا رنج نہ ہوا جیسا کہ غار میں ہوا تھا، اور اس وقت وہ یہ کہہ رہا ہے کہ ممکن ہے کہ اس روز ابوبکر کو

سرے سے کچھ غم ہی نہ ہوا ہو"، یعنی حضور کے وصال کے بعد ابوبکر کو رسول اللہ ﷺ پر بالکل کچھ غم نہ ہوا۔

ناظرین کرام غور وفکر کے بعد خود فیصلہ کریں، اس سے پیشتر ارباب علم ودانش کا فیصلہ گذر چکا کہ ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامہ (۱/۱۰۹) میں یہ لکھا:

"وہ مختلف فنون میں کلام کرتا ہے مگر اس کی عقل میں کمی ہے"۔

اور حافظ ولی الدین عراقی نے حافظ ابن فہد کے سوال کے جواب **"ا لأجوبة المرضية عن ا لأسئلة المكية"** میں فرمایا:

"لیکن وہ ویسا ہی ہے جیسا کہ اس کے بارے میں کہا گیا کہ: اس کا علم اس کی عقل سے زیادہ ہے"۔

اور علامہ قسطلانی اور علامہ زرقانی نے شرح زرقانی علی المواہب اللدنیہ (۸/۳۰۵) میں فرمایا:

"اس شخص نے انصاف کیا جس نے اس کے بارے میں یہ کہا کہ: اس کا علم اس کی عقل سے زیادہ ہے"

اور صلاح صفدی نے کہا: شیخ امام علامہ تقی الدین احمد بن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا علم حد درجہ وسیع تھا، اور ان کی عقل ناقص تھی، جس کے سبب وہ ہلاکت گاہوں اور تنگیوں میں پڑ جاتے اھ ــــ شواہد الحق ۱۸۹ میں علامہ نبہانی نے ایسا ہی نقل کیا۔

(٦) ابن تیمیہ کا فلسفہ

ابن تیمیہ کے فلسفہ کے ضمن میں یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ غم کا کوئی فائدہ نہیں، اس نے اپنے فتاوی کے مجموعہ (١٠/١٦-١٧) میں کہا:

(اور ایسا اس لیے ہے کہ اس کا نہ تو کوئی نفع ہے، اور نہ اس سے کوئی تکلیف ومصیبت دور ہوتی ہے اس لیے اس میں کوئی فائدہ نہیں، اور جس چیز کا کوئی فائدہ نہ ہو اللہ اس کا حکم نہیں فرماتا، ہاں ایسا شخص گناہ گار نہ ہوگا جب کہ اس کے غم میں کسی حرام چیز کی آمیزش نہ ہو جیسا کہ مصیبتوں پر غم منایا جاتا ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''**إن اللہ لایؤاخذ علی دمع العین ولاعلی حزن القلب ولکن یؤاخذ علی هذا أویرحم**'' ''بے شک اللہ آنکھوں کے جاری ہونے اور دل کے رنجیدہ ہونے پر مواخذہ نہیں فرماتا لیکن اس پر مواخذہ فرمائے گا مگر یہ کہ وہ رحم فرمائے'' سرکار نے اپنے ہاتھ سے اپنی زبان کی طرف اشارہ فرمایا اور فرمایا: **تدمع العین ویحزن القلب** ''آنکھ اشک بار ہوتی ہے اور دل غم گین ہوتا ہے'')

میں کہتا ہوں: کون کہتا ہے کہ غم کا کوئی نفع نہیں اور نہ اس سے کوئی تکلیف ومصیبت ٹلتی ہے؟ انسان کے لیے کافی ہے کہ وہ قہر الٰہی کا شعور رکھے اور دل میں رحمت اور خشوع وخضوع پیدا کرے، اور اپنے رب کے ساتھ اپنی ذات کا ادراک کرے، معصیت کا قصد نہ کرے، ترک دنیا کرے اور اس کے فضول معاملات سے الگ رہے، آخرت کی طرف متوجہ رہے، اور کسر شہوت کرے، آگ کی طرف لے جانے والے معاصی جیسے کبر وغرور، جبر وتشدد، ریا اور نمائش کی محبت کو کمزور کرکے ہمیشہ عبرت حاصل کرے، اور فکر وتواضع اور کمزور پر رحم کرے، یہاں تک کہ غم کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرنے والا اچھا قاری قرآن شمار کیا گیا ہے۔

امام شافعی فرماتے تھے کہ: حضور اقدس کے ارشاد: ''**لیس منا من لم یتغن بالقراٰن**'' کا معنی یہ ہے کہ جو شخص قرآن کو غم کے ساتھ نہ پڑھے، اور اپنی تلاوت سے غم پیدا نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری (٩/٧٠) میں فرمایا:

ابن ابوداود نے باسناد حسن ابو ہریرہ سے روایت کیا کہ انھوں نے ایک سورت تلاوت کی تو اس کی تلاوت سے مرثیہ خواں کی طرح غم ناک ہو گئے........

تو کیا رسول اللہ ﷺ کے متعلق تمہاری یہ رائے ہے کہ آپ کے لیے ایسی چیز کی جاتی ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں، یا آپ بے فائدہ چیز کرتے ہیں؟ ﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾ [البقرہ-۲:۱۵۶] ہم اللہ ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔

بہرحال ابن تیمیہ امت کا نبی نہیں، ہاں ان لوگوں کا ہوگا جو اسے بنانا چاہیں۔ نبی امت ﷺ کا ارشاد ہے: "**إن الله يحب كل قلب حزين**" "اللہ ہر رنجیدہ دل کو پسند فرماتا ہے"(۱)

اس مقام پر ابن تیمیہ کے بہت سے فلسفیانہ بے معنی مغالطے ہیں، حضور اقدس ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "**إن أحبكم إلى الله وأقربكم مني أحاسنكم أخلاقا، وإن أبغضكم إلى الله وأبعدكم مني الثرثارون المتفيقهون المتشدقون**" کہ تم میں اللہ کا زیادہ محبوب اور مجھ سے قریب تر وہ شخص ہے جس کے اخلاق اچھے ہیں۔ اور تم میں اللہ کو زیادہ ناپسندیدہ اور مجھ سے دور تر وہ لوگ ہیں جو تکلف سے زیادہ زیادہ باتیں کرتے ہیں، اور دوسروں پر اپنے کلام کی فضیلت وفصاحت اور برتری وبلندی ظاہر کرنے کے لیے منھ

---

(۱) حاکم نے اس کی تخریج کی اور اس کو صحیح کہا (۴/۳۵۱) اور طبرانی نے مسند الشامیین (۲/۳۵۱) اور ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء (۶/۹۰) اور قضاعی نے مسند الشہاب میں (۲/۱۴۹) اور بیہقی نے شعب الایمان (۱/۵۱۵) اور دیلمی نے مسند الفردوس (۱/۱۵۶) اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۱۰/۳۰۹، ۳۱۰) میں تخریج کی، ھیثمی نے کہا: بزار اور طبرانی نے اس کو روایت کیا اور ان دونوں کی اسناد حسن ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ جان لینے کے بعد آپ پر یہ روشن ہو گیا ہوگا کہ ابن قیم کا قول غلط ہے جو اس نے مدارج السالکین (۱/۵۰۷) میں اپنے اس کلام کے ذریعہ ایسی چیز کی تکذیب کی ہے جس کا اسے علم نہیں: یعنی "اس حدیث مروی "إن الله يحب كل قلب حزين" کے متعلق اس کا یہ کہنا غلط ہے کہ اس حدیث کی اسناد غیر معروف ہے، اور نہ اس کا راوی معروف ہے اور نہ اس کی صحت کا پتہ ہے" انتہی کلامہ۔ اس کے لیے یہ کہنا مناسب تھا کہ مجھے معلوم نہیں، اور اپنے شیخ کی مصیبتوں میں پیروی نہ کرتا۔

بھر کر متکبرانہ باتیں کرتے ہیں۔[1]

رہ گئے ابن تیمیہ کے متبعین تو مجھے نہیں معلوم کیا ان کا وہی اعتقاد واذعان ہے جو ابن تیمیہ کہتا ہے، یا اس کے پیچھے احمقوں کی طرح چلتے ہیں، یا ابن تیمیہ کی اتباع میں وہ یہ کہتے ہیں کہ رسول پاک پر غم نہ کیا جائے، مگر خود ابن تیمیہ پر خوب خوب غم کرتے ہیں۔

ابن تیمیہ کے متبعین نے اس کے مرثیہ میں جو کچھ کہا انہیں خود پڑھ کر فیصلہ کیجئے، ابن عبدالہادی کی العقود الدریۃ (۱/۴۷۱) میں ابن تیمیہ کے مرثیہ میں درج ذیل اشعار کہے گئے ہیں:

ومجاور قبر الإمام مؤملا یارب وارحمنا وكل مشيع صلى عليه أو أتاه مقبلا

من كان مسروراً به وبعلمه من بعده فالحزن أضحى عاجلا

ترجمہ:۔ اے پروردگار! امام کے جوارِ قبر میں پر امید ہو کر رہنے والوں، اور ہم پر رحم فرما اور ان لوگوں پر بھی جنھوں نے اس کی نماز جنازہ پڑھ کر اسے رخصت کیا، یا جو اس کی بارگاہ میں آئندہ آئے۔

جو اس سے اور اس کے علم سے خوش تھے انھیں جلد ہی غموں نے گھیر لیا۔

اور ابن تیمیہ کے ایک دوسرے پیروکار کے دوسرے مرثیہ میں یہ اشعار ہیں جیسا کہ ابن عبدالہادی نے ''**العقود الدرية**'' (۱-۴۴۴، ۴۴۵) میں نقل کیا:

إمام بكته أرضه وسماءه بكاء حزين حزنه متتابع

''وہ ایسا امام ہے جس پر زمین و آسمان نے پیہم غموں کے آنسو بہائے''۔

اور اسی کتاب (۱/۴۹۸) میں بدرالدین مغیثی کے قصیدہ میں ہے:

(۱) احمد نے اس کی تخریج کی (۴/۱۹۳) اور ابن حبان نے (۲/۲۳۱) اور الفاظ انہیں کے ہیں، اور طبرانی نے کبیر میں (۲۲/۲۲۱) تخریج کی اور ان کے رجال صحیح کے رجال ہیں جیسا کہ منذری نے الترغیب والترھیب میں کہا (۳/۲۷۷) اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۸/۲۱) میں تخریج کی اور کہا: بروایت جابر اس کی دوسری سند ہے جس کو ترمذی نے روایت کیا، اور اس کو حسن کہا (۴/۳۷۰) اور امام احمد نے بروایت ابو ہریرہ (۲/۳۶۹) روایت کیا۔

ومــا لهــمـــا لا يبــكيـــان لفـقـد مـن	عـن الـلـه لـم يـقـطعه فى الكون قاطع
وتــزلــزلــت كــل الــقــلـوب لفـقـده	وتـــوا تـــرت مـــن بـــعـــده الألام
ولــمـؤمـنيــن الــجــن حــزن شـامـل	ونيـــاحـــه نـطـقـت بهـاالأحـلام

اور وہ دونوں کیوں نہ اس کے فراق میں اشک بار ہوں جس کا عالم وجود میں کسی رشتہ توڑنے والے نے اللہ سے رشتہ قطع نہ کیا۔

جس وقت اس کی رحلت ہوئی سارے دلوں پر زلزلہ طاری ہوگیا، اور اس کے بعد مسلسل درد والم کا سلسلہ رہا۔

مومن جنوں پر بھی اس کا غم چھایا رہا، اور خوابوں نے بھی اس کی نوحہ خوانی کی۔

اور ابن عبدالہادی نے العقود الدریۃ (۱/۵۱۸-۵۲۱) میں عبداللہ بن حامد نامی شخص کے یہ اقوال نقل کیے:

جب بھی میرے دل و دماغ میں اس کا تصور و خیال آتا ہے تو اس کا غم کہنہ، غم نو کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں:

مجھے معلوم نہیں کہ اس حماقت، یا ابن تیمیہ، یا ہر روز ضائع ہونے والے شباب پر ماتم کریں۔

﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ [البقرہ-۲:۱۵۶]

سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی شان میں

ابن تیمیہ کی نازیبا جرأت وجسارت

ابن تیمیہ رسول اللہ ﷺ کے مقام اور آپ کی خصوصیت پر پیہم حملے کرتا رہتا ہے، اور جگر گوشۂ رسول سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی شان میں زبان درازی کرتا ہے، اس نے اپنی کتاب منہاج (۲۴۳/۴-۲۴۴) میں ابن مطہر شیعی کا رد کرتے ہوئے لکھا کہ:

ابن مطہر نے فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے متعلق یہ ذکر کیا کہ: ''آپ نے یہ قسم کھالی تھی کہ ابوبکر صدیق اور آپ کے ساتھی سے کلام نہ کریں گی یہاں تک کہ اپنے والد سے ملاقات کر کے ان کی شکایت کریں گی'' اس کا رد کرتے ہوئے ابن تیمیہ نے کہا: ''فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے متعلق اس کا ذکر زیبا نہیں کیوں کہ شکایت صرف اللہ تعالی ہی سے ہوتی ہے جیسا کہ بندۂ صالح (یعقوب پیغمبر) نے کہا: ﴿إِنَّمَآ أَشْكُوْ بَثِّيْ وَحُزْنِيْ إِلَى اللّٰهِ﴾ [یوسف-۱۲:۸۶] (میں تو اپنی پریشانی اور غم کی فریاد اللہ ہی سے کرتا ہوں۔)

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: ''أللهم عليک التكلان'' (اے اللہ تجھی پر بھروسہ ہے۔)

اور نبی پاک ﷺ نے ابن عباس سے کہا: ''إذا سألت فاسأل الله وإذا استعنت فاستعن بالله''

جب تم مانگو تو اللہ سے مانگو اور مدد چاہو تو اللہ سے مدد چاہو۔

آپ نے یہ نہ فرمایا کہ مجھ سے مانگو اور مجھ سے مدد لو۔ اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ٥ وَإِلَى رَبِّكَ فَارْغَبْ﴾ [الشرح-۹۴:۷،۸]

توجب تم نماز سے فارغ ہو دعا میں محنت کرو اور اپنے رب ہی کی طرف رغبت کرو

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ رسول اللہ ﷺ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی شان میں اپنی حد سے بڑھ رہا ہے، ابن تیمیہ کون ہوتا ہے جو خاتون جنت شہزادئ رسول سیدہ فاطمہ کاملہ کے حق میں یہ کہتا ہے کہ انہیں یہ کہنا اور کرنا چاہئے

اور ایسا نہ کرنا اور نہ کہنا چاہئے، آخر وہ سیدہ فاطمہ اور ان کے والد خیر خلق اللہ کے درمیان کیوں مداخلت کرر ہا ہے اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے بارے میں کیوں غلط تصور پیش کرر ہا ہے۔

ہماری یہ ساری گفتگو اس تقدیر پر ہے جب کہ اس سے صرف نظر کریں کہ اس کا کلام مغالطہ پر مبنی ہے اور معاملات میں الٹ پھیر اور خلط سے کام لے رہا ہے، ہم دوسروں کی طرح صرف نظر کرنے والے نہیں ان شاء اللہ تعالیٰ ہم مستقل ایک محققانہ بحث قائم کریں گے کہ نبی پاک ﷺ سے سوال کرنا جائز ہے، خود آپ نے اپنے بعض احباب سے فرمایا: "سل" مانگ، نیز فرمایا: "سلوني" مجھ سے مانگو، آپ کے اس ارشاد سے ابن تیمیہ کے فلسفیانہ کلام کا جھوٹ روز روشن سے زیادہ واضح ہوجاتا ہے اور یہ حقیقت بھی الم نشرح ہوجاتی ہے کہ اس نے حضور اقدس کی شان میں یہ کہہ کر حد سے تجاوز کیا ہے کہ آپ نے یہ نہیں فرمایا: "سلوني" مجھ سے مانگو، ابن تیمیہ جمہور امت محمدیہ کی تکفیر وتجہیل کا دائرہ وسیع کرنے، اور انہیں بدمذہب اور بدعتی قرار دینے کے لیے مشہور ومتعارف چیزوں کی تحریف کرر ہا ہے۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ معاملہ کہ آپ نے ابوبکر صدیق سے قطع تعلق فرمالیا ایک خاص مسئلہ ہے، ہم مسلمانوں کو یہ حکم نہیں کہ اس بارے میں لب کشائی کریں، ہمارے ائمہ عظام اور اسلاف کرام کے ارشادات ہمارے لیے مشعل راہ ہیں کہ ان بلند بارگاہوں میں لب کشائی سے احتراز کیا جائے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ﴿تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ [البقرہ-۲:۱۳۴] وہ ایک گروہ ہے کہ گزر گیا ان کے لیے ان کی کمائی اور تمہارے لیے تمہاری کمائی اور ان کے کاموں کی تم سے پرسش نہ ہوگی۔

سیدہ فاطمہ کا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قطع تعلق کرنا ایک ثابت شدہ اور مشہور معاملہ ہے [1]،

(۱) أقول باللہ التوفیق: جگر گوشۂ رسول سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دم وصال تک سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قطع تعلق رکھنا اور آپ سے ناراض رہنا میرے نزدیک سخت محل نظر ہے اس لیے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جس وقت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی میراث کا مطالبہ فرمایا تو آپ نے فرمایا:

امام بخاری (۴/۱۵۴۹)، مسلم (۳/۱۳۸۰) اور ابن حبان (۱۱/۱۵۳) نے رسول اللہ ﷺ کی میراث کے مسئلہ میں اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول ذکر فرمایا:

''میں نے اس سلسلے میں فاطمہ کو ابوبکر کے خلاف پایا، فاطمہ نے آپ سے قطع تعلق کرلیا اور آپ سے بات چیت بند کر لی یہاں تک کہ آپ کا وصال ہوگیا اور نبی کریم ﷺ کے بعد چھ ماہ تک آپ زندہ رہیں، آپ کے وصال کے وقت آپ کے شوہر علی نے رات میں آپ کو دفن کیا، ابوبکر صدیق کو اس کی خبر نہ دی، اور خود آپ کی نماز جنازہ پڑھائی''۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا جگر گوشۂ رسول ﷺ، چار با کمال عورتوں میں سے ہیں، آپ جنتی عورتوں کی سردار ہیں۔ اور سیدنا صدیق اکبر، رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ ہیں اس لیے امت مسلمہ کے لیے مناسب اور شایاں یہی

... میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے یہ فرماتے سنا کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا ہم جو کچھ چھوڑیں وہ صدقہ ہے، اہل بیت کی روایتوں کے مطابق سیدہ فاطمہ نے جس وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا آپ نے کچھ نہ فرمایا، نہ حضرت علی نے، نہ حضرت عباس نے، یہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ آپ نے اس حدیث کی صحت کو تسلیم کیا ورنہ آپ حضور کا یہ ارشاد سن کر خاموش نہ رہتیں اب جب کہ یہ ثابت ہوگیا کہ آپ نے اس حدیث کی صحت کو تسلیم فرمایا تو پھر ناراضی کا کا کیا معنی اس ارشاد کی صحت تسلیم کرنے کے بعد آپ کا ناراض ہونا اگر مان لیا جائے تو لازم آئے گا کہ سیدہ فاطمہ رسول پاک کے ارشاد کے مطابق یہ فیصلہ کرنے والے اور اس پر عمل کرنے والے سے ناراض ہو کر حضور اقدس کے ارشاد سے منحرف ہوگئیں اور ارشاد رسول کے مطابق فیصلہ کرنے والے اور اس پر عمل کرنے والے سے ناراض رہنا در حقیقت اللہ و رسول سے ناراضی ہے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا سے یہ بدرجہا بعید تر ہے کہ خود حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے ارشاد اور اس کے مطابق فیصلہ سے ناراض ہوں اور اس بنا پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سے قطع تعلق فرمائیں اسی لیے علمائے محققین نے ''فھجرت ولم تکلم حتی توفیت'' کا یہ معنی ارشاد فرمایا کہ سیدہ فاطمہ نے اس کے بعد میراث کا مطالبہ چھوڑ دیا، اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سے پھر اس بارے میں کچھ نہ کہا جیسا کہ امام ترمذی نے اپنے مشائخ سے نقل فرمایا ہے، نیز اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے عمرو بن شعیب نے روایت فرمایا: ''فلم تکلمه في ذلک المال'' کہ سیدہ فاطمہ نے پھر اس مال کے بارے میں کبھی گفتگو نہ فرمائی۔

ہے کہ ان عظیم الشان شخصیتوں کے باہمی اختلاف میں لب کشائی کرنے سے پرہیز واجتناب کریں، ورنہ ان میں سے کسی ایک کے حق میں ضرور خطا ہوگی ان حضرات کو تو درگزر کر دیا جائے گا، لیکن ان کی شان میں زبان درازی کرنے والوں کو بھی کیا بخشا جائیگا؟ امت مسلمہ کو کچھ کہنے سے پہلے سوچ لینا چاہئے کہ وہ کیا، اور کس کی شان میں کہہ رہی ہے۔

...رہ گیا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سے گفتگو نہ فرمانا تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا فطری طور پر ایک گوشہ نشین خاتون تھیں لوگوں سے بہت کم ملتی جلتی تھیں احادیث کے اوراق پر غائرانہ نظر ڈالنے سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ آپ کی پوری مقدس زندگی اس طرح گزری کہ لوگوں سے بہت کم ملتی جلتی تھیں آپ کی سیرت پاک کا مطالعہ کرنے والے کبھی یہ نہیں دکھا سکیں گے کہ آپ لوگوں سے ملتی جلتی رہی ہوں حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے وصال جانکاہ کا آپ کو ایسا غم ہوا کہ محمد بن علی نے آپ کے حالات ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''ما رؤيت ضاحكة بعد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم إلا أنهم قد امتروا في طرف نابها''۔(معجم کبیر للطبرانی ۲۲، ۳۹۹، حلیۃ الأولیا ۲، ۴۳)

ترجمہ:۔ رسول اللہ ﷺ کے وصال جانکاہ کے بعد آپ کو کبھی ہنستے نہ دیکھا گیا سوائے اس کہ آپ کے دانت کے کنارہ کے بارے میں لوگوں کو شبہ ہوا ہو۔

اور عبداللہ بن حارث نے فرمایا:

''مكثت فاطمة بعد النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ستة أشهر وهي تذوب''

(سیر أعلام النبلاء ۲-۱۲۸)

ترجمہ:۔ نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت فاطمہ آپ کے غم وصال میں پگھلتے ہوئے چھ ماہ زندہ رہیں۔

حضور اقدس ﷺ کے وصال جانکاہ کے بعد آپ کو آپ کی جدائی کا ایسا غم ہوا کہ آپ اس قابل نہ رہیں کہ سیدنا ابوبکر صدیق سے ملاقات کے لیے تشریف لاتیں۔

سیدنا ابوبکر صدیق کے دور خلافت میں مانعین زکات، مرتدین، کذاب مدعیان نبوت شورش مچائے ہوئے تھے آپ ان فتنوں کے مقابلہ میں اس قدر مصروف رہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی خدمت میں آپ کو حاضری کا موقع نہ مل سکا

سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ خلیفہ رابع ہیں جن کی اتباع کا ہمیں حکم دیا گیا، رسول پاک ﷺ نے آپ کی امامت پر نص فرمایا، ذرا آپ کے بارے میں غور فرمائیے آپ نے تو اصحاب جمل سے قتال فرمایا جب کہ ان میں طلحہ اور زبیر جیسی دو عظیم شخصیتیں تھیں جن کے جنتی ہونے کی بشارت بخشی گئی، تو ان حضرات کو تو بخش دیا جائے

...جس سے راوی نے یہ سمجھا کہ سیدہ فاطمہ سیدنا صدیق اکبر سے ناراض رہیں اور اپنے طور پر یہ روایت کیا "فوجدت فاطمة" "فغضبت فاطمة"۔

بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جگر گوشۂ رسول سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا رسول اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے روشن ارشاد:

"إن الأنبياء لم يورثوا دينارا ولا درهمًا و لكن أورثوا العلم"

انبیاء کرام دینار ودرہم میراث نہیں چھوڑتے، ہاں علم ان کی میراث ہے۔

کے مقابلہ میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سے ناراض ہوں آپ کے پاس جب تک یہ حدیث نہ پہنچی آپ نے سیدنا ابوبکر صدیق سے مطالبہ فرمایا مگر جب کہ آپ کا ارشاد سن لیا آپ نے سکوت فرمایا اور اس کی تردید میں کچھ نہ کہا اس لیے یہ کہنا کہ سیدہ فاطمہ دم وصال تک سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سے ناراض رہیں آپ سے قطع تعلق کرلیا سخت محل نظر ہے اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے جسے امام بیہقی نے امام شعبی سے روایت کیا کہ: سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ حضرت علی نے سیدہ فاطمہ سے فرمایا: یہ ابوبکر ہیں حاضری کی اجازت طلب کررہے ہیں سیدہ فاطمہ نے حضرت علی سے پوچھا کیا آپ کو پسند ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، جب سیدہ فاطمہ نے حاضری کی اجازت دے دی حضرت صدیق اکبر حاضر ہوئے اور آپ نے سیدہ فاطمہ کو راضی کرنے کی کوشش کی اور آپ ان سے راضی ہوگئیں۔

حضرت علی کا حضرت ابوبکر صدیق کو سیدہ فاطمہ کے وصال کی خبر نہ دینا اس بنا پر نہ تھا کہ آپ ان سے ناراض تھیں شارحین حدیث نے اس کی وجہ یہ بتائی کہ سیدہ فاطمہ نے خود کسی کو اطلاع دینے سے منع فرمایا تھا دراصل اس وقت وہاں کا دستور یہ تھا کہ عورت کے جنازے پر صرف ایک کپڑا ڈال کرلے جاتے تھے جس سے اس کے جسم کا حجم ظاہر رہتا حضرت سیدہ فاطمہ کو غایت حیا اور پردہ کے سبب یہ سخت ناپسند تھا اس لیے ایسا فرمایا اس کی تائید اس سے ہوتی ہے جو الاستیعاب ۳۷۸/۴، بر ہامش اصابہ میں ہے کہ: حضرت سیدہ نے حضرت صدیق اکبر کی اہلیہ حضرت اسماء بنت عمیس سے فرمایا: مرنے کے بعد عورتوں کے ساتھ جو کیا جاتا ہے وہ مجھے سخت ناپسند ہے کہ ان کے بدن پر ایک کپڑا ڈال کر ان کا جنازہ اٹھایا جاتا ہے جس

گا،لیکن حضرت طلحہ اور زبیر کو شہید کرنے والا تو اہل نار ہی ہے اس سلسلے میں بہت سے آثار وارد ہیں۔

ابن تیمیہ کے گزشتہ اسلوب میں غور وفکر کرنے سے ظاہر و باہر ہے کہ وہ اس اسلوب کے ذریعہ عوام کو اس بات پر آمادہ کرنا چاہتا ہے کہ وہ خیر البشر بعد رسول اللہ ﷺ کی شان میں جرأت و جسارت کریں، آپ اور آپ کے افعال اور جو کچھ آپ سے صادر ہوئے سب کا معیار مقرر کریں، امت مسلمہ پر لازم ہے کہ وہ اس سے ہوشیار

...سے جسم کا حجم ظاہر رہتا ہے،تو حضرت اسماء نے کھجور کی گیلی ٹہنیوں کو موڑ کر اس پر کپڑا ڈال کر ہودج نما بنایا اور بتایا کہ میں نے حبشہ میں اسے دیکھا ہے،اسے دیکھ کر حضرت سیدہ فاطمہ بہت خوش ہوئیں اور فرمایا: میرے لیے بھی ایسا ہی بنا دینا سیدہ فاطمہ کے وصال کے بعد آپ کا جنازہ مبارکہ اسی ہودج نما گہوارہ میں چھپا ہوا لے جایا گیا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت علی کا حضرت ابوبکر صدیق کو آپ کے وصال کی خبر نہ دینا سیدہ فاطمہ کی آپ سے ناراضی کی بنا پر نہ تھا بلکہ غایت حیا اور پردہ کے لحاظ سے تھا۔

حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

''یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت ابوبکر انتظار میں رہے ہوں کہ ان کو بلایا جائے گا،اور حضرت علی نے یہ خیال کیا ہو کہ وہ خود آئیں گے اور رات کا وقت تھا اس لیے ان کی شرکت کے بغیر تجہیز و تدفین کر دی گئی''۔ **كذا ذكره السمهودي في تاريخ المدينة اشعة اللمعات ۳/۴۵۴۔**

علاوہ ازیں آپ کے نماز جنازہ میں صرف سات آدمیوں نے شرکت کی ابوذر،سلمان،عمار،حذیفہ،عبداللہ بن مسعود، مقداد،اور حضرت علی ان حضرات کے علاوہ حضرت امام حسن،حضرت امام حسین،حضرت عبداللہ بن عباس،حضرت عقیل بن طالب،حضرت جعفر بن طالب،حضرت قیس بن سعد،حضرت ایوب انصاری،حضرت ابوسعید خدری،حضرت سہل بن حنیف،حضرت بلال،حضرت صہیب،حضرت براء بن عازب،اور حضرت ابورافع (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) شریک نہ تھے، مجھے بتایا جائے کہ سیدہ فاطمہ اپنے لخت ارجمند حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین سے بھی ناراض تھیں ہرگز نہیں جس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر کو وصال کی اطلاع نہ دینا اور آپ کا جنازہ میں شریک نہ ہونا اس بنا پر نہ تھا کہ آپ ان سے ناراض تھیں ورنہ حسنین کریمین کے بارے میں بھی یہی کہنا پڑے گا اور یہ کوئی سوچ نہیں سکتا۔

علاوہ ازیں ایک روایت یہ ہے کہ حضرت سیدہ کی نماز جنازہ حضرت عباس نے پڑھائی تھی یہ بخاری کی اس روایت کے مناسب ہے۔حضرت علی اور حضرت عباس دونوں نے نماز پڑھی مگر حضرت عباس حضرت علی کے چچا اور ان سے معمر تھے

اور متنبہ رہیں۔

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ کا یہ کہنا: ''فاطمہ نے یہ قسم کھالی تھی کہ ابوبکر اور ان کے صاحب سے کلام نہ کریں گی یہاں تک کہ اپنے والد (رسول اللہ ﷺ) سے ملاقات پر آپ کی بارگاہ میں شکایت کریں گی'' فاطمہ کے متعلق اس کا ذکر لائق ومناسب نہیں اس کا یہ اسلوب کلام شہد میں زہر چھپانے کے مرادف ہے، اس لیے کہ اس نے شکایت کا عطف

... اس لیے امامت آپ نے فرمائی، بلکہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ نے سیدہ فاطمہ کی نماز جنازہ پڑھائی تھی جیسا کہ طبقات ابن سعد میں امام شعبی اور امام نخعی سے دو روایتیں مروی ہیں:

''عن الشعبي قال صلى عليها أبو بكر رضي الله تعالى عنه وعن إبراهيم قال صلى أبو بكر الصديق على فاطمة بنت رسول الله وكبر عليها أربعا''

حضرت امام شعبی اور ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ: حضور کی صاحبزادی حضرت فاطمہ کی نماز جنازہ حضرت ابوبکر نے پڑھائی، اور نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہیں۔

اس روایت کے مطابق سیدنا ابوبکر صدیق کا آپ کی نماز جنازہ پڑھانا دین کے اصول کے عین مطابق ہے اس لیے کہ خلیفۃ المسلمین صرف اس کا نائب نماز جنازہ کی امامت کا سب سے زیادہ حق دار ہوتا ہے اسی لیے حضرت امام حسن مجتبی رضی اللہ تعالی عنہ کی نماز جنازہ حاکم مدینہ منورہ مروان بن حکم یا سعید بن عاص نے پڑھائی حالاں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ موجود تھے، انھوں نے کوئی اعتراض نہ کیا بلکہ فرمایا اگر شریعت کا حکم ایسا نہ ہوتا تو میں تمہیں جنازہ کی نماز نہ پڑھانے دیتا (اشعة اللمعات ۳-۴۵۴)

بہر حال دم وصال تک سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سے ناراض رہنا آپ سے قطع تعلق رکھنا اور آپ سے بات چیت نہ کرنا سخت محل نظر ہے بلکہ سچائی یہ ہے کہ شارع امت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے ارشاد کے سامنے آپ نے اپنا سر تسلیم خم کر دیا اور سیدنا ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ سے حضور کے میراث کے مسئلہ میں اس کے بعد پھر کلام نہ فرمایا اس لیے فدک کے مسئلہ کو دم وصال تک آپ کی ناراضی کی بنیاد بنانا سراسر غلط ہے۔

رہ گیا یہ کہ حدیث میں ''فوجدت فاطمة'' ''فغضبت فاطمة'' وارد ہے یعنی فاطمہ غصہ وناراض رہیں یہ راوی کا اپنا استخراج ہے۔ انھوں نے اپنی دانست کے مطابق یہ فرمایا ورنہ حقیقت حال واضح ہے۔ (مترجم)

بات نہ کرنے پر کیا اور ہم اس سے پہلے ذکر کر آئے کہ سیدہ فاطمہ کے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ سے قطع تعلق کا معاملہ بخاری و مسلم وغیرہ میں منصوص ہے۔ رہ گئی شکایت کی بات تو دوسری روایتوں میں اس کا ذکر ہوگا، شکایت کے نقطہ پر جب ابن تیمیہ کا رد کیا جاتا ہے تو ابن تیمیہ کی محبت کا دم بھرنے والے فوراً یہ سوال کرتے ہیں رسول پاک سے فاطمہ کی شکایت کی روایت کہاں ہے؟ اگر ہوگی تو ضعیف ہوگی، ابن تیمیہ کے اسیران الفت سے ہمارا سوال یہ ہے کہ ابن تیمیہ نے اپنے کلام: "**لاتکلمه و لاصاحبه حتى تلقى أباها وتشتكي إليه**" میں عدم کلام پر شکایت کا عطف کیوں کیا؟

جب یہ حقیقت روشن ہوگئی کہ ابن تیمیہ کے نزدیک رسول پاک سے سیدہ فاطمہ کی شکایت کا واقعہ ایک مسلم امر ہے تو اس کا انکار اور اس پر شہادت طلب کرنا روا نہیں، ابن تیمیہ کا یہ کلام شہد میں زہر چھپانے کے مرادف ہے، کیوں کہ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا اور امت مسلمہ رسول پاک ﷺ کی بارگاہ میں شکایت وعرض حال نہ کریں کہ یہ تو اللہ عزوجل ہی کی بارگاہ میں شایاں ہے جیسا کہ اللہ کے نبی یعقوب علیہ السلام نے عرض کیا: ﴿إِنَّمَآ أَشْكُوْ بَثِّيْ وَحُزْنِيْ إِلَى اللّٰهِ﴾ [یوسف-۱۲:۸۶] میں تو اپنی پریشانی اور غم کی فریاد اللہ ہی سے کرتا ہوں۔

شیطان اپنی اس کامیابی پر ضرور خوش ہوگا کہ اس نے رسول پاک کی اہمیت اور آپ کے تصرف واختیار کو سلب کرلیا، اور آپ کی امت میں یہ شعور بیدار کیا کہ آپ اپنی امت کے ماوی وملجا اور فریادرس نہیں، آپ کی امت کو آپ سے قلبی رابطہ اور وجدانی تعلق نہیں رکھنا چاہئے۔ ذرا سوچو تو سہی جو امت اپنے عظمت والے نبی کی قدر ومنزلت سے ناآشنا ہوگی اللہ عزوجل اس کی طرف نظر عنایت کیوں کر فرمائے گا۔

شیطان کا معاملہ تو بلعم بن باعورا کے معاملہ جیسا ہے کہ وہ اپنی قوم کو نصیحت کر رہا ہے، بہرحال ابن تیمیہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ بغیر کسی علم کے کہہ رہا ہے، لیکن ابن تیمیہ کے ریزہ خوار اسے ماننے کو تیار نہیں کیوں کہ اس کے متعلق ان کا یہ تصور ہے کہ وہ مطلقاً علم میں یکتائے روزگار ہے۔ یا رسول پاک ﷺ کے حق میں علم یا جہل کی بنا پر اس سے ایسا واقع ہوا اور آپ اور آپ کے اہل بیت اطہار سے دل میں کینہ رکھتا ہے، یہی

وہ آخری احتمال ہے جس کا فیصلہ اس کے حق میں ہوا، اور اسی بنا پر اسے قید کیا گیا، بلکہ اس کے زمانہ، اور اس کے بعد کے علمانے اسی سبب سے اسے بدمذہب کہا، اور اس کی تکفیر کی۔

ہم کہتے ہیں: یہ سب ابن تیمیہ کی بکواس ہے اس لیے کہ امت، اور خیر امت صحابہ کرام نے حضور اقدس ﷺ کی بارگاہ میں بھوک، پیاس، فاقہ، سکونت کی تنگی، بارش کی کمی، اور نرخ کی گرانی کی شکایت کی، بلکہ ان حضرات کے دلوں میں وسوسہ ہوتا یا شیطان وسوسہ پیدا کرتا اس کی بھی آپ سے شکایت کرتے، بعض صحابہ تو یہ شکایت کرتے کہ گھوڑوں پر انہیں ثبات وقرار حاصل نہیں ہوتا، بعض دائمی بیماری کی شکایت کرتے جو انہیں نہ چھوڑتی، بعض زبان کی تیزی کی شکایت کرتے، اور بعض حضرات رسول پاک سے بعض لوگوں کی شکایت کرتے یہاں تک کہ سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ نے خواب میں حضور سے امت کی شکایت کی۔ نبی پاک نے ان حضرات سے ہرگز یہ نہ فرمایا کہ مجھ سے شکایت نہ کرو اللہ ہی سے شکایت کرو۔ ان حقائق کے ہوتے ہوئے ابن تیمیہ کے لیے یہ کیوں کر مناسب ہے کہ سیدنا یعقوب علیہ السلام کے اس کلام سے استدلال کرے جو آپ نے اپنی اولاد کے سامنے فرمایا تھا: ﴿إِنَّمَآ أَشْكُوْ بَثِّيْ وَحُزْنِيْ إِلَى اللّٰهِ﴾ [یوسف-۱۲:۸۶] میں تو اپنی پریشانی اور غم کی فریاد اللہ ہی کرتا ہوں۔

رحمت دوجہاں، ہادی انس وجاں مونس بیکساں، چارہ سازِ دردمنداں ﷺ سے سیدہ فاطمہ کی شکایت کا قیاس اس پر کیسے کیا جاسکتا ہے صحابہ کرام اور اسلاف عظام خوب جانتے تھے کہ رسول پاک کی بارگاہ میں شکایت اللہ عزوجل ہی سے شکایت ہے اس لیے کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ﴾ [الفتح-۴۸:۱۰] جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾ [الانفال-۸:۱۷]

ترجمہ:۔ اور اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی۔

اس کی تصدیق درج ذیل حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے ایک ثقہ راوی موسی بن عقبہ دوسرے ثقہ راوی کریب ابن عباس کے آزاد کردہ غلام سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس نے فرمایا کہ: حضرت عمر بن خطاب

پر رات میں سو جانے کے بعد جب کہ روزہ واجب ہو چکا تھا آپ نے بحالت روزہ اپنی اہلیہ سے جماع فرمالیا، پھر اللہ کے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں اللہ عزوجل اور آپ سے اس چیز کی شکایت کرتا ہوں جو مجھ سے سرزد ہوئی۔ سرکار نے فرمایا: کیا چیز سرزد ہوئی؟ آپ نے عرض کیا میرے نفس نے چاہا کہ میں جماع کروں تو نیند سے بیدار ہونے کے بعد میں نے اپنی شریک حیات سے جماع کر لیا اور میں روزہ کے ارادہ سے تھا، صحابہ کا بیان ہے کہ سرکار نے ارشاد فرمایا: تمہیں ایسا نہ کرنا تھا، اتنے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَآءِ كُمْ﴾ [البقرہ-۲:۱۸۷] روزوں کی راتوں میں اپنی عورتوں کے پاس جانا تمہارے لیے حلال ہوا۔ (تفسیر ابن کثیر ۱/۲۲۱)

ابوداود (۲/۲۶۶) نے تخریج کی کہ خولہ بنت مالک بن ثعلبہ نے فرمایا کہ: میرے شوہر اوس بن صامت نے مجھ سے ظہار کیا تو میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آپ سے شکایت کرنے آئی، رسول پاک مجھ سے اس معاملہ میں بحث فرما رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے: ''اللہ سے ڈر کہ وہ تیرا چچازاد بھائی ہے'' میں سرکار سے بار بار یہی کہتی رہی یہاں تک کہ قرآن پاک کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِي تُجٰدِلُكَ فِي زَوْجِهَا﴾ [المجادلہ-۵۸:۱]

ترجمہ:۔ بے شک اللہ نے سنی اس کی بات جو تم سے اپنے شوہر کے معاملہ میں بحث کرتی ہے۔

اس سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ رسول پاک سے خولہ کی شکایت اللہ عزوجل سے شکایت ہے، اللہ عزوجل نے خود یہ آیت نازل فرمائی اور ارشاد فرمایا:

﴿وَتَشْتَكِيْ إِلَى اللّٰهِ﴾ [المجادلہ-۵۸:۱]

ترجمہ:۔ اور اللہ سے شکایت کرتی ہے (ایضاً)

﴿وَتَشْتَكِيْ إِلَى اللّٰهِ﴾ کا ہرگز یہ معنی نہیں کہ رسول پاک ﷺ سے شکایت نہ کرے معاندین کے پاس کوئی نص یا دلیل نہیں جس سے اس کا ثبوت فراہم ہو، رہ گئی وہ روایت جس میں یہ مذکور ہے کہ: ''جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ اے یعقوب! اللہ عزوجل نے آپ کو سلام پیش فرمایا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ کیا تمہیں میرے

علاوہ اور کسی سے شکایت کرتے حیا نہیں آتی'' تو اس روایت کے متعلق ھیثمی نے مجمع الزوائد (۷/۴۰) میں فرمایا: طبرانی نے صغیر اور اوسط میں اپنے شیخ محمد بن احمد باہلی بصری سے روایت کی جو حد درجہ ضعیف ہیں۔

اقـــــول: سبحان اللہ خود انبیائے کرام علیہم السلام رسول پاک کی بارگاہ عالی جاہ میں شکایت پیش کریں گے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: **''إني لقائم أنتظر أمتي تعبر عن الصراط إذ جاء ني عيسى فقال: هذه الأنبياء قد جاء تک يا محمد يشتكون أو قال يجتمعون إليک ويدعون الله عزوجل''**

''میں کھڑے ہو کر اپنی امت کا انتظار کرتا رہوں گا کہ میری امت پل صراط سے گزرے اسی درمیان میرے پاس عیسیٰ آ کر عرض کریں گے: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ انبیا آپ کے پاس شکایت لے کر آئے ہیں، یا یہ فرمایا کہ وہ آپ کی خدمت میں جمع ہو کر اللہ عزوجل سے دعا کریں گے'' (امام احمد ۳/۱۷۸)

ہم اس مقام کا ایک تحقیقی جائزہ پیش کریں گے اور یہ واضح کریں گے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے رسول پاک ﷺ کی بارگاہ میں شکایتیں کیں۔

(۱) سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے گھر کی خدمت کی شکایت کی:

حضرت علی فرماتے ہیں کہ سیدہ فاطمہ نے شکایت کی کہ مجھے چکی پیسنے میں کافی زحمت ومشقت ہوتی ہے، آپ کو خبر ملی کہ سرکار کی بارگاہ میں کچھ قیدی پیش ہوئے ہیں تو آپ سرکار کی خدمت میں ایک خادمہ کی درخواست لے کر حاضر ہوئیں لیکن حضور سے ملاقات نہیں ہوئی تو حضرت عائشہ سے ذکر کیا، جب سرکار تشریف لائے تو حضرت عائشہ نے آپ سے ذکر کیا، حضرت علی فرماتے ہیں کہ حضور ہمارے یہاں تشریف لائے اور ہم دونوں اپنی خواب گاہوں میں داخل ہو چکے تھے ہم آپ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونے لگے آپ نے فرمایا: آپ دونوں اپنی جگہ پر رہیں، میں نے آپ کے قدم پاک کی ٹھنڈک اپنے سینے پر محسوس کی آپ نے فرمایا: ''کیا میں تم دونوں کو اس سے بہتر چیز نہ بتادوں جو مجھ سے مانگا تھا جب تم بستر پر سونے کے لیے جاؤ تو ۳۴ بار اللہ اکبر اور ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۳/ بار سبحان اللہ پڑھ لیا کرو یہ تمہارے لیے اس سے بہتر ہے جو تم نے مانگا تھا (احمد ۱/۱۳۶، بخاری ۳/۱۱۳۳، مسلم)

(۲) صحابہ کرام نے گرانی نرخ کی شکایت کی:

ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا (۱۱-۳۴)

(۳) بعض صحابہ نے قحط کی شکایت کی :

انس ابن مالک فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول پاک سے شکایت کی کہ مال ہلاک و برباد ہو گئے ہیں اور عیال جہد و مشقت میں پڑ گئے ہیں۔ (بخاری ۱/۳۴۵)

(۴) صحابہ نے فقر و تنگدستی اور حاجت کی شکایتیں کیں:

ابن حوالہ نے کہا: ہم لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں فقر و تنگی اور اشیا کی کمی کی شکایتیں کیں تو آپ نے فرمایا: "ابشروا فوالله لأنا لكثرة الشيء أخوف مني عليكم من قلته" تم لوگ خوش ہو جاؤ اس لیے کہ خدا کی قسم کسی چیز کی کمی سے زیادہ مجھے تم پر اس کی کثرت کا ڈر ہے۔" ہیثمی نے مجمع الزوائد (۶/۲۱۲) میں کہا: اس حدیث کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

ابن ابو عاصم نے الآحاد والمثانی (۴/۲۷۴) اور ضیا مقدسی نے مختارہ (۹/۲۷۸و۲۷۹) اور ابن حبان نے اپنی صحیح (۱۶/۳۷۴) میں عدی بن حاتم سے روایت کی، انھوں نے فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تھا آپ کے پاس دو آدمی آئے: ان میں سے ایک نے عیال کی (تنگی کی) شکایت کی اور دوسرے نے راہ زنی کی شکایت کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: راہ روکنے والے (راہ زن) تمہارے پاس صرف کچھ لوگ جائیں گے یہاں تک کہ قافلہ حیرہ سے مکہ بلا کسی محافظ و پاسبان کے چلا جائے گا، رہی محتاجی تو قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ انسان اپنے مال کا صدقہ نکالے گا تو اسے لینے والا نہ پائے گا۔

امام احمد نے بسند صحیح روایت کیا (اس حدیث کے رجال صحیح کے رجال ہیں جیسا کہ ہیثمی نے مجمع الزوائد (۱۰/۲۷۴) میں کہا) سعید ابن ابوسعید نے فرمایا کہ: ابوسعید خدری نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی حاجت کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا: "ابوسعید! صبر کرو کیوں کہ جو ذات مجھے محبوب رکھتی ہے تمہارا فقر اس کی بارگاہ میں اس سیلاب سے بھی جلد پہنچتا ہے جو وادی اور پہاڑ کی بلندی سے نیچے کی طرف آتا ہے۔

(۵) بعض غزوات میں صحابہ نے پیاس کی شکایت کی:

صحیح بخاری (۱/۱۳۰، ۱۳۱) اور مسند احمد (۴/۴۳۴) اور صحیح ابن حبان (۴/۱۲۱) وغیرہم میں اس کے متعلق روایتیں مذکور ہیں، صحابہ نے حدیبیہ میں پیاس کی شکایت کی۔ صحیح بخاری (۲/۹۷۴)

رسول اکرم ﷺ نے ان پیاسے صحابہ سے کیا یہ فرمایا کہ اللہ ہی سے شکایت کرو، یا یہ فرمایا:

"ء أنتم أنزلتموه من المزن أم نحن المنزلون" کیا تم نے اسے بادل سے اتارا یا ہم ہیں اتارنے والے (سورہ واقعہ آیت ۶۹ پ ۲۷ ع ۱۵)

(۶) عثمان بن عفان نے شکایت کی کہ شیطان آپ کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے، اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ سے یہ فرمایا:

"واللہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات کی شکایت کی" ضیا مقدسی نے مختارہ (۱/۸۰) میں اسے روایت کیا۔

(۷) جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شکایت کی کہ وہ گھوڑوں پر ٹھہر نہیں پاتے:

جریر نے فرمایا کہ: میں جب سے اسلام لایا رسول اللہ ﷺ مجھ سے حجاب نہ فرماتے، آپ جب مجھے دیکھتے میرے چہرہ کو دیکھ کر تبسم فرماتے۔ اور ابن نمیر نے اپنی حدیث میں بروایت ادریس یہ اضافہ فرمایا: "اور میں نے آپ سے شکایت کی کہ گھوڑوں پر مجھے ثبات وقرار نہیں رہتا تو آپ نے میرے سینے پر اپنا دست اقدس مارا اور یہ دعا فرمائی: "أللهم ثبته، واجعله هاديا مهديا" "اے اللہ! تو انہیں ثابت قدم رکھ اور ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ فرما"۔ (بخاری ۳/۱۱۰۴، مسلم ۴/۱۹۲۵)

(۸) حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکایت:

آپ نے فرمایا: میں نے رسول پاک ﷺ سے اپنی زبان کی تیزی کی شکایت کی تو فرمایا: "أين أنت من الاستغفار" تم استغفار سے کہاں غافل رہتے ہو۔ اس کے بعد سے میں نے ہر روز سو ۱۰۰ بار اللہ سے استغفار کرنا

شروع کر دیا (احمد۲/۵۰۴، نسائی۶/۱۱۷، ابن ابوشیبہ۶/۵۶)

(۹) عبدالرحمٰن بن عوف کی خالد کی شکایت:

عبدالرحمٰن بن عوف نے رسول پاک ﷺ سے خالد بن ولید کی شکایت کی تو رسول پاک نے فرمایا: "**یاخالد لم توذي رجلا من أهل بدر، لو أنفقت مثل أحد ذهبا لم تدرك عمله**" "اے خالد! اہل بدر میں سے ایسے شخص کو کیوں ایذا دیتے ہو کہ احد پہاڑ کے برابر اگر سونا خرچ کرو تو اس کے عمل کو نہ پاسکو" تو خالد نے عرض کیا یارسول اللہ! وہ لوگ میری عیب جوئی اور غیبت کرتے ہیں تو میں انہیں جواب دیتا ہوں، تو رسول پاک نے فرمایا: "**لاتؤذوا خالدافإنه سيف من سيوف الله صبه على الكفار**" خالد کی ایذا رسانی نہ کرو کیوں کہ وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایسی تلوار ہیں جسے کافروں پر اس نے مسلط فرمایا۔ ابن حبان نے اس حدیث کو تخریج کیا (۱۵/۵۶۵)، اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۹/۳۴۹) میں کہا: طبرانی نے صغیر و کبیر میں مختصراً روایت کیا، اور بزار نے اسی طرح روایت کیا، اور طبرانی کے رجال ثقہ ہیں۔

(۱۰) بعض صحابہ نے اپنی سخت دلی کی شکایت کی:

ابو ہریرہ نے فرمایا کہ: ایک شخص نے رسول پاک کی خدمت میں اپنی سخت دلی کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا: "**امسح رأس اليتيم وأطعم المسكين**" "یتیم کے سر پر دست شفقت پھیرو اور مسکین کو کھانا کھلاؤ"

منذری نے ترغیب وترہیب (۳/۲۳۷) اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۸/۱۶۰) میں کہا: امام احمد نے اس حدیث کو روایت کیا۔ اور اس حدیث کے رجال صحیح کے رجال ہیں اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۱۱/۱۵۱) میں کہا: اس حدیث کی سند حسن ہے۔

(۱۱) عثمان بن ابوالعاص نے اپنے بدن کے درد کی شکایت کی:

عثمان بن ابوالعاص ثقفی نے فرمایا کہ انھوں نے رسول پاک ﷺ سے اس درد کی شکایت کی جو وقت اسلام سے آپ کے بدن میں ہوتا، رسول پاک نے فرمایا: "اپنا ہاتھ بدن کے درد کی جگہ رکھ کر ۳/ بار بسم اللہ اور سات مرتبہ "**أعوذ بالله وقدرته من شرّ ماأجدوأحاذر**" پڑھیے (مسلم۴/۱۷۲۸)۔

(۱۲) صحابہ نے مشرکین کے ظلم کی شکایت کی:

خباب ابن الارت فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول پاک ﷺ سے شکایت کی جب کہ آپ کعبہ کے سایہ میں سر اقدس کے نیچے اپنی چادر اقدس کا تکیہ لگا کر جلوہ فرما تھے، ہم نے آپ سے عرض کیا آپ کیوں ہمارے لیے مدد نہیں طلب فرماتے اور اللہ سے دعا نہیں کرتے، آپ نے فرمایا: تم سے پیشتر ایک شخص کے لیے زمین میں گڈھا کھود کر اسے اس میں کھڑا کیا جاتا پھر اس کے سر پر آرہ رکھ کر چلایا جاتا اور اس کے جسم کے دو ٹکڑے کر دیے جاتے اور یہ چیز اسے اس کے دین سے نہ پھیرتی، اس کے گوشت کو پار کر کے اس کی ہڈی یا پٹھے میں لوہے کی کنگھیاں کی جاتیں اور یہ چیز اسے اس کے دین سے نہ پھیرتی، بخدا یہ امر دین ضرور ضرور پورا ہوگا یہاں تک کہ سوار صنعاء سے حضر موت چلا جائے اسے صرف اللہ کا یا اپنی بکریوں پر بھیڑیا کا ڈر ہوتا لیکن تمہارا حال تو یہ ہے کہ تم جلد بازی کر رہے ہو (بخاری ۱۳۲۲/۳، مسلم ۴۳۳/۱)

(۱۳) بعض صحابہ نے نماز میں خیال آنے کی شکایت کی:

بخاری (۲۵/۲ ۷) و مسلم (۲۷۶/۱) نے سعید اور عباد بن تمیم سے روایت کیا وہ اپنے چچا سے راوی کہ انھوں نے نبی پاک ﷺ سے شکایت کی کہ آدمی کو خیال آتا ہے کہ وہ اپنی نماز میں کوئی چیز محسوس کرتا ہے تو آپ نے فرمایا: وہ اس کی طرف توجہ نہ کرے جب تک کہ آواز نہ سن لے یا بو محسوس نہ کرے"۔

(۱۴) عورتوں نے اپنے شوہروں کی زدوکوب کی شکایت کی:

مروی ہے کہ بہت سی عورتوں نے رسول اللہ ﷺ کے ازواج مطہرات کے پاس جا کر اپنے شوہروں (کے مارنے پیٹنے) کی شکایت کی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **"لقد طاف بآل محمد نساء كثير يشكون أزواجهن ليس أولئک بخیارکم"** بہت سی عورتوں نے محمد ﷺ کی ازواج کے پاس آ کر اپنے شوہروں کی شکایت کی ہے تم میں ایسا کرنے والے اچھے لوگ نہیں ہیں۔ ابوداؤد (۲۴۵/۲) ابن ماجہ (۶۳۸/۱) دارمی (۱۹۵/۲)

(۱۵) تابعین نے حجاج کی مشقتوں کی شکایت کی:

بخاری (۷۱۵۵/۶) واحمد (۱۳۲/۳) نے تخریج کیا کہ زبیر ابن عدی نے فرمایا ہم نے انس ابن مالک سے حجاج کی مشقتوں اور مصیبتوں کی شکایت کی تو فرمایا: صبر کیجیے کیوں کہ تمہارے پاس کوئی سال یا کوئی دن نہ آئے گا مگر وہ پہلے سے بدتر ہوگا یہاں تک کہ تم اپنے رب سے ملاقات کرو میں نے تمہارے نبی ﷺ سے ایسا ہی سنا ہے۔

میں کہتا ہوں: جو شخص رسول پاک ﷺ کی بارگاہ میں اس طرح کی کی جانے والی شکایتوں میں غور وفکر کرے گا اس کو بہت سی شہادتیں ملیں گی، اگر سیدہ فاطمہ رضی للہ تعالی عنہا کا مقصود یہ تھا کہ وہ اپنے والد سے ابوبکر صدیق کی شکایت کریں گی تو عشرہ مبشرہ میں سے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ نے حضور اقدس سے خالد بن ولید کی شکایت کی، اور اگر سیدہ فاطمہ نے تنگی دنیا کی شکایت کرنا چاہا تو سب سے پہلے اپنے والد کی بارگاہ میں شکایت کی، اور آپ نے فاطمہ سے یہ نہ فرمایا کہ شکایت کرنا حرام ہے، یا صرف اللہ ہی کی بارگاہ کے ساتھ خاص ہے۔ وھکذا

ابن تیمیہ کے نیاز برداروں پر ہم یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں شکایت وعرض حال کوئی نئی چیز نہیں بلکہ ہر دور میں مسلمانوں کی یہ محکم عادت رہی، بعض خلفائے راشدین جن کی اتباع کا حکم دیا گیا ان کے حالات پر نظر ڈالنے سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ انھوں نے خواب میں حضور اقدس سے شکایت کی۔

ابو صالح حنفی نے فرمایا کہ علی رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: میں نے نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو آپ سے آپ کی امت کی طرف سے پیش آنے والی مشقت وکجی اور مخالفت ونزاع کی رو کر شکایت کی تو آپ نے مجھ سے فرمایا: علی نہ روؤ............الی آخر الحدیث

ابو یعلی نے اس کو روایت کیا، اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۱۳۸/۹) میں کہا: ابو یعلی نے اسے روایت کیا، اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔ فیض القدیر (۹۹/۳)۔

فریب خوردہ لوگ جب اس اثر کو دیکھتے ہیں تو اس کی تضعیف کرتے ہیں، یا اس کی کمزور ترین تاویل

کرتے ہیں، یا امام علی کو خطا کار اور قصوروار ٹھہرانے کی پوری کوشش کرتے ہیں جیسا کہ ان کے پیشوا ابن تیمیہ کا یہی طریقہ ہے۔

ابن تیمیہ کے ریزہ خواروں سے ہم یہ بھی کہتے ہیں:

انسان تو انسان بہائم نے بارگاہ رسالت میں شکایتیں کیں ہیں تو کب تم لوگ آپ کی بارگاہ میں شکایت کروگے یا آپ کی بارگاہ سے مکمل بے نیاز ہو؟

امام احمد (۱۷۳/۴) نے بسند جید روایت کی (جیسا کہ منذری نے ترغیب وترہیب (۱۴۴/۳) میں کہا) کہ نبی پاک ﷺ نے اونٹ کے مالک سے فرمایا: تمہارے اونٹ کا کیا معاملہ ہے کہ وہ تمہاری شکایت کر رہا ہے اس نے تمہاری شکایت کی ہے کہ تم اس پر پانی لادتے ہو اور بوڑھا ہونے پر اسے ذبح کردوگے اونٹ کے مالک نے آپ سے عرض کیا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا میں ایسا نہ کروں گا۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے (جس کے متعلق حافظ ضیا مقدسی کی مختارہ (۱۵۸/۹) میں ہے کہ وہ صحیح کی شرط پر ہے) کہ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''اونٹ نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اسے بھوکا رکھتے ہو اور تھکا ڈالتے ہو (جانفشانی میں ڈالتے ہو)

عاشقان رسالت مآب ﷺ سے میری یہ گزارش ہے کہ وہ ایک اہم نقطہ کی طرف اپنی توجہ مبذول کریں وہ یہ ہے کہ اہل اللہ میں سے جو ائمہ اعلام اپنے مریدین کی تربیت فرماتے، اور انہیں سلوک کے منازل طے کراتے ہیں وہ مرید اور سالک الی اللہ کو ہمیشہ اس بات کی نصیحت فرماتے ہیں کہ مخلوق سے کسی چیز کی شکایت نہ کریں، ان حضرات کا مقصود یہ نہیں ہوتا کہ خود مرید یا سالک ان کے پاس شکایت لائے بلکہ ان کا مطمح نظر یہ ہوتا ہے کہ مرید یا سالک اپنے رب کی طرف کامل توجہ رکھے اور جب اسے کوئی معاملہ یا شکایت درپیش ہو تو سالک پر لازم ہے کہ اسے آگاہ کرے اس لیے کہ وہ اس کی تربیت کر رہا ہے اور اسے سلوک کے منازل طے کرا رہا ہے، ان کے دل میں ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ کوئی شخص رسول اللہ ﷺ سے شکایت نہ کرے ایسا کیوں کر ہوسکتا ہے جب کہ یہ حضرات لوگوں کو قرب رسالت سے سرفراز فرماتے ہیں اور آپ کی طرف ان کی راہ نمائی فرماتے ہیں۔

ابن تیمیہ اوراس کے متبعین کا یہ خیال ہے کہ حضوراقدس سید عالم ﷺ ایک عام امتی کی طرح ہیں کوئی شخص آپ کی بارگاہ میں اپنی حاجت وضعف وغیرہ کی شکایت پیش نہ کرے بلکہ اس سے بچنالازم ہے **والعیاذ باللہ تعالی في اعتقادهم** (ان کے اعتقاد سے اللہ کی پناہ)

بھلا یہ کیسے صحیح ہوسکتا ہے جب کہ آپ امت کے مربی اوران کی جائے پناہ ہیں اورمومنوں کے ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

ابن تیمیہ اوراس کے ہم نوا ہمیں بتائیں کیا اللہ کے نبی یعقوب علیہ السلام نے نبی پاک ﷺ کو پا کر آپ سے شکایت نہ کی، یا آپ کو ایسے نافرمان اولاد ملے جنھوں نے آپ پر یہ تہمت لگائی کہ بڑھاپے کے سبب آپ کی عقل میں فساد آگیا ہے۔ **لاحول ولاقوة إلا بالله العلي العظيم۔**

وصل اللهم وسلم وبارک علی من يقول أنا لها

أنا لها حينما يستغيث به الناس يوم القيامة

ترجمہ:۔اے اللہ! اس نبی پررحمت وبرکت وسلامتی نازل فرماجو اپنی امت کے لیے اس دن ''انا لھا، ''انا لھا'' فرمائیں گے جب قیامت کے دن آپ کی امت آپ کی بارگاہ میں فریاد بخشش لائے گی۔

(٦) ابن تیمیہ نبی پاک ﷺ کی مدد کا مطلقاً منکر ہے

ابن تیمیہ حضور اقدس سید عالم ﷺ کی ظاہری حیات میں بھی آپ سے سوال اور استغاثہ کا انکار کرتا ہے، جب کہ اس سے پہلے کسی نے ایسا نہ کہا۔

ابن تیمیہ کی عادت ہے کہ وہ حضور اقدس ﷺ کو ایک عام انسان کی شکل میں پیش کرتا ہے جیسا کہ وہ آپ کی خصوصیت وفضیلت اور قدرت وقوت کا انکار کرتا ہے حالاں کہ آپ کے رب عزوجل نے آپ کو بے شمار اختیارات وتصرفات اور گونا گوں کمالات سے سرفراز فرمایا ہے۔

اس نے اپنی کتاب منہاج (۴-۲۴۳،۲۴۴) میں کہا:

''نبی پاک ﷺ نے ابن عباس سے فرمایا: جب تم سوال کروتو صرف اللہ سے سوال کرو، اور جب مدد مانگوتو اللہ ہی سے مانگو''

(۱) یہ نہ فرمایا مجھ سے مانگو

(۲) اور نہ یہ کہا مجھ سے مدد مانگو

(۳) اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝ وَإِلَى رَبِّكَ فَارْغَبْ﴾ [الشرح-۹۴:۷،۸]

ترجمہ:۔تو جب نماز سے فارغ ہو دعا میں محنت کرو اور اپنے رب ہی کی طرف رغبت کرو۔'' اھ

میں کہتا ہوں:

مسلمانوں کی حجت ودلیل نبی پاک کی سنت شریفہ اور آپ کا ارشاد وعمل ہے، ابن تیمیہ کی بکواس نہیں، امام مسلم نے اپنی صحیح میں اور ان کے علاوہ دوسرے محدثین نے ربیعہ بن کعب اسلمی سے تخریج کیا آپ نے فرمایا: میں حضور اقدس ﷺ کے ساتھ رات گزارتا تھا، میں حضور کے وضو اور قضائے حاجت کے لیے پانی لایا تو آپ نے فرمایا: ''سل'' ''مانگو'' اور احمد اور ابوداود اور نسائی اور طبرانی میں ہے فرمایا: ''سلني'' ''مجھ سے

مانگو"۔ پھر میں نے عرض کیا: میں جنت میں آپ کی صحبت طلب کرتا ہوں آپ نے فرمایا: اور کچھ؟ میں نے عرض کی بس یہی، آپ نے فرمایا: تو تم اپنے اوپر کثرت سجود سے میری مدد کرو(۱)

اور طبرانی نے مصعب اسلمی سے تخریج کی انھوں نے فرمایا: ہم میں سے ایک لڑکا نبی پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کی حضور آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں فرمایا: کون سا سوال ہے؟ عرض کیا: میری خواہش یہ ہے کہ قیامت کے دن آپ میری شفاعت فرمائیں، فرمایا: تمہیں کس نے سکھایا، یا تمہیں کس نے بتایا؟ عرض کیا میرے نفس کے سوا مجھے کسی نے اس کا حکم نہ دیا فرمایا: میں تمہیں قیامت کے دن اپنی شفاعت کے سایہ میں لوں گا۔(۲)

میں کہتا ہوں:

نبی پاک ﷺ نے فرمایا: "سلني" "مجھ سے مانگو" یا "سل" "مانگ" نبی پاک کا یہ ارشاد(۳) اس بات

---

(۱) امام مسلم نے اپنی صحیح (۱/۳۵۳) اور ابوداود (۲/۳۵) اور نسائی (۱/۲۴۲) اور ابن ابوعاصم نے آحاد ومثانی (۴/۳۵۲) میں تخریج کی۔

اور امام احمد (۳/۵۰۰) زیاد بن ابوزیاد مولی بنی مخزوم سے راوی کہ نبی پاک ﷺ کے ایک خادم (مرد یا عورت) نے روایت کی کہ نبی پاک ﷺ اپنے خادم سے فرماتے: "کیا تمہاری کوئی حاجت ہے" یہاں تک کہ ایک دن خادم نے عرض کی حضور میری ایک حاجت ہے فرمایا: کون سی حاجت ہے؟ عرض کیا یہ کہ قیامت کے دن آپ میری شفاعت فرمائیں فرمایا: "کس نے تمہیں یہ بتا دیا؟" عرض کی میرے رب عزوجل نے، فرمایا: تم سجدوں کی کثرت سے میری مدد کرو۔ ھیثمی نے مجمع الزوائد (۲/۲۴۹) میں کہا: امام احمد نے روایت کی اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

(۲) طبرانی نے کبیر (۲۰/۳۶۵) میں روایت کی، ھیثمی نے مجمع الزوائد (۱۰/۳۶۹) میں کہا: اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں، اور زین عراقی نے اس کو صحیح کہا، اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں (فیض القدیر ۵/۱۸۰)

(۳) حضرت ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری مرقاۃ میں فرماتے ہیں:

"یوخذ من إطلاقه صلى الله تعالى عليه واله وسلم الأمر بالسؤال أن الله تعالى مكنه من إعطاء كل ماأراد من خزائن الحق"

کی روشن دلیل ہے کہ ابن تیمیہ کا قول ساقط الاعتبار ہے، لائق اعتماد اور قابل التفات نہیں، صحابی رسول کا حضور اقدس سے جنت میں رفاقت کا سوال اور آپ کا اس پر سکوت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ شرک و بدعت نہیں۔

نبی پاک نے صحابی رسول سے یہ نہ ارشاد فرمایا تم مجھ سے ایسا سوال کر رہے ہو جو صرف اللہ کی قدرت میں ہے، اور آپ نے یہ نہ فرمایا تم مجھ سے نہ مانگو بس اللہ عزوجل ہی سے سوال کرو، آپ نے یہ بھی نہ فرمایا کہ تم نے شرک کر ڈالا اور یہ نہ کہا کہ یہ تمہاری توحید کے منافی ہے۔

یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے جو مانگنے کا مطلق حکم دیا اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ اللہ عزوجل نے حضور صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کو یہ قدرت بخشی ہے کہ اللہ تعالی کے خزانوں میں سے جو کچھ چاہیں عطا فرمائیں۔

پھر لکھا: ''وذکر ابن سبع في خصائصه وغیره أن اللہ تعالی أقطعه أرض الجنة یعطي منها ما شاء لمن یشاء''

امام سبع وغیرہ علما نے حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے خصائص کریمہ میں ذکر کیا ہے کہ اللہ عزوجل نے حضور صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کو جنت کی جاگیرداری کر دی ہے کہ اس میں سے جو چاہیں جسے چاہیں بخش دیں۔

امام اجل سیدی ابن حجر مکی قدس سرہ الملکی جوہر منظم میں فرماتے ہیں:

''أنه صلی الله تعالی علیه و آله وسلم خلیفة الله الذي جعل خزائن کرمه، وموائد نعمه طوع یدیه وتحت إرادته یعطي منها من یشاء ویمنع من یشاء''

ترجمہ:۔ بے شک نبی صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم اللہ عزوجل کے خلیفہ ہیں، اللہ تعالی نے اپنے کرم کے خزانے، اور اپنی نعمتوں کے خوان حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے دست قدرت کے فرماں بردار، اور حضور کے زیر حکم وارادہ واختیار کر دیے ہیں کہ جسے چاہیں عطا فرماتے ہیں، اور جسے چاہتے ہیں نہیں دیتے ہیں۔

ان سب سے صاف ظاہر ہے کہ حدیث پاک میں حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم اللہ عزوجل کے خلیفہ اعظم اور نائب مطلق ہیں اس لیے آپ نے مطلق ارشاد فرمایا کہ: ''مانگ'' سوال کا اطلاق بتا رہا ہے کہ سائل حضور سے جو چاہے مانگے اس لیے کہ آپ اللہ عزوجل کے خوان کرم کے مالک ہیں اللہ عزوجل نے آپ کو اپنے خزانوں کا مالک بنا دیا ہے، اگر غیر اللہ سے استمداد شرک و بدعت ہوتو پھر حضور اقدس ہرگز یہ ارشاد نہ فرماتے اور صحابی رسول آپ کی بارگاہ میں اپنی حاجت پیش نہ فرماتے آپ کا یہ تصرف واختیار صرف آپ کی ظاہری حیات طیبہ ہی کے ساتھ خاص نہیں کہ حدیث میں وارد ہے: انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، مسلم شریف میں ہے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

بنی اسرائیل کی پیرزن کا واقعہ بھی اس کی روشن دلیل ہے۔

ابوموسی فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک اعرابی کے پاس آئے تو اس نے آپ کی تعظیم کی، پھر آپ نے ان سے فرمایا میرے پاس آنا تو وہ آپ کی خدمت میں آئے، آپ نے ان سے فرمایا اپنی حاجت کا سوال کرو انھوں نے عرض کیا: سواری کے لیے ایک اونٹنی چاہیے اور کچھ بکریاں جن کا دودھ میرے گھر کے لوگ حاصل کریں تو

''أتيت موسى ليلة أسرى بي عندالكثيب الأحمر وهو قائم يصلي في قبره ''

(مسلم کتاب الفضائل باب فضائل موسی)

ترجمہ:۔ میں شب اسری موسی کے پاس اس حال میں آیا کہ وہ ریت کے سرخ ٹیلہ کے پاس اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔

مسلم کے علاوہ بخاری ونسائی ودیگر کتب احادیث میں یہ حدیث وارد ہے امام بیہقی نے ان حدیثوں سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا:

''وفي كل ذالک دلالة على حياتهم''

یہ ساری حدیثیں اس بات کی روشن دلیل ہیں کہ انبیائے کرام زندہ ہیں۔

خود ابن قیم نے لکھا:

''وقد صح أنه صلى الله تعالى عليه وسلم رأى موسى عليه السلام قائما يصلي في قبره ليلة الإسراء''(الروح ص۲۴)

ترجمہ:۔صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے شب اسرا میں حضرت موسی علیہ السلام کو ان کی قبر میں کھڑے ہوکر نماز پڑھتے دیکھا۔

ابوداؤد نے اوس بن اوس سے تخریج کی کہ نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا:

''إن الله حرم على الأرض أن تاكل أجساد الأنبياء''(سنن ابوداؤد، باب الصلاۃ ۲۰۱، وتر ۱۹/۲۶)

ترجمہ:۔بے شک اللہ نے زمین پر انبیا کے جسموں کو کھانا حرام فرمادیا ہے۔

امام نسائی نے باب الجمعہ، ابن ماجہ نے باب الإ قامۃ اور جنائز میں یہ حدیث تخریج کی ہے امام دارمی نے باب الصلاۃ، امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں اس حدیث کو ذکر کیا، امام بیہقی نے دعوات کبیر، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں اس حدیث کو روایت کیا، امام حاکم نے مستدرک میں اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد فرمایا کہ: یہ حدیث

رسول پاک نے فرمایا: کیا تم اس سے عاجز ہو کہ بنی اسرائیل کی پیرزن کی طرح ہو؟ انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ! بنی اسرائیل کی پیرزن کا کیا واقعہ ہے؟ فرمایا: موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر چلے تو وہ لوگ

...بخاری کی شرط پر صحیح ہے، امام ذہبی نے اس کی موافقت کی، اور امام نووی نے اس کو صحیح قرار دیا (شرح حیاۃ الأنبیاء لفرید عبدالعزیز الجندی ص۲۳)

علامہ محمد عباس نے اس حدیث کی مزید درج ذیل تخریجات قلم بند کیں۔

(۱) ابونعیم نے دلائل نبوۃ میں (۲) امام بیہقی نے شعب الایمان، سنن کبریٰ و سنن صغریٰ میں (۳) ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں (۴) حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں (۵) امام قاضی اسماعیل نے اپنی کتاب میں (۶) امام نسائی نے سنن کبریٰ میں (۷) طبرانی نے معجم کبیر میں تخریج کیا۔

قاضی شوکانی نے تصریح کی:

''جن حدیثوں میں جمعہ کے دن نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کثرت سے درود بھیجنے کا ذکر ہے اور اس بات کا ذکر ہے کہ آپ پر درود پیش ہوتا ہے، اور آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں، انھیں حدیثوں کی روشنی میں محققین کی ایک جماعت نے اس بات کا قول کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد وفات بھی زندہ ہیں، اپنی امت کی نیکیوں پر خوش ہوتے ہیں، اور یہ کہ انبیا دائمی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں، اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ مطلق ادراک مثلاً علم، سماع سارے مردوں کے لیے ثابت ہے''

(نیل الأوطار ۳/۲۸۲)

ابوعبداللہ ابن احمد ابن عبدالہادی جو ابن تیمیہ کے شاگرد ہیں انھوں نے اس حدیث کی صحت کے بارے میں تحریر کیا:

''فيكون حديث الذي رواه حسين بن جابر عن أبي الأشعث عن أوس صحيحا لأن رواته كلهم مشهورون بالصدق والأمانة والثقة والعدالة ولذلک صححه جماعة من الحفاظ كأبي حاتم بن حبان، والحافظ عبدالغني المقدسي، وابن دحية وغيرهم ولم يات من يتكلم فيه'' ۔(الصارم المنكي ۲۷۵، ۲۷۶)

ترجمہ:۔ جو حدیث حسین ابن جابر نے ابوالاشعث سے روایت کی اور ابوالاشعث نے اوس بن اوس سے روایت کی وہ صحیح ہے کیوں کہ اس کے تمام راوی صداقت وامانت اور ثقات وعدالت میں مشہور ہیں اسی لیے حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا جیسے ابوحاتم ابن حبان، حافظ عبدالغنی مقدسی، اور ابن دحیہ وغیرہم اور اس حدیث کے راویوں میں کوئی ایسا راوی نہیں جس پر جرح وطعن ہے۔

راستہ بھٹک گئے تو آپ نے کہا یہ کیا ہے؟ تو ان کے علمانے کہا یوسف علیہ السلام نے اپنے وصال کے وقت ہم لوگوں سے ایک پختہ پیمان لیا تھا کہ ہم لوگ مصر سے باہر نہ نکلیں جب تک آپ وہاں سے منتقل ہونے کا حکم نہ دیں،

علاوہ ازیں اس حدیث کے چند شواہد بھی ہیں جنھیں ابن ماجہ نے ابو درداء سے ثقہ راویوں سے روایت کیا، امام بیہقی نے ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا، طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا۔

امام بیہقی نے ثقہ سے روایت کی، انھوں نے ابو عمرو ابن حمدان سے روایت کی، انھوں نے ابو یعلی سے، انھوں نے ابو الجہم ازرق ابن علی سے، انھوں نے حجاج سے، انھوں نے انس بن مالک سے کہ انس بن مالک نے کہا: نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا:

''الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون''(حیاۃ الأنبیاء ص ۱۷)

ترجمہ:۔انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں۔

فریدجندی نے اس حدیث کی سند کے بارے میں کہا:

''هذا إسناد جيد رجاله كلهم ثقات غير الأزرق''

ترجمہ:۔اس حدیث کی سند عمدہ ہے ازرق کے سوا اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

حافظ نے تقریب میں کہا:

''صدوق يغرب''

ترجمہ:۔ازرق سچے ہیں کبھی غریب لاتے ہیں۔

قاضی شوکانی نے کہا:

''وقد ثبت في الحديث أن الأنبياء أحياء في قبورهم'' (رواه المنذري وصححه البيهقي)

(نیل الأوطار ۳/۲۴۸)

اس حدیث سے اس بات کا ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ انبیا اپنی قبروں میں زندہ ہیں، منذری نے اسے روایت کیا اور بیہقی نے اسے صحیح کہا۔

قاضی شوکانی نے مزید تصریح کی:

''إنه صلى الله تعالى عليه وسلم حي في قبره بعد موته كما في حديث:''الأنبياء أحياء في

آپ نے فرمایا: آپ کی قبر کا علم کیسے ہے؟ کہا: بنی اسرائیل کی ایک پیرزن کو تو آپ نے انھیں بلا بھیجا، وہ پیرزن آپ کی خدمت میں حاضر آئیں، آپ نے فرمایا: مجھے یوسف کی قبر بتائیں، انھوں نے عرض کیا میں اس وقت تک نہ بتاؤں گی جب تک کہ آپ میری درخواست قبول نہ فرمائیں، فرمایا تمہاری درخواست وحاجت کیا ہے؟ عرض کی میں آپ کے ساتھ جنت میں رہوں، آپ نے اسے قبول فرمانا نہ چاہا تو اللہ عزوجل نے آپ کی طرف وحی فرمائی کہ اس پیرزن کی درخواست قبول کرلیں(۱)

یہ اس امر کی روشن دلیل ہے کہ نبی پاک ﷺ جب کسی سے یہ فرمائیں: ''مجھ سے مانگو'' تو اس سے آپ کی

قبورهم''وقد صححه البيهقي وألف في ذلك جزءا قال الأستاذ أبو منصور البغدادي : قال المتكلمون المحققون من أصحابنا أن نبينا صلى الله تعالى عليه وسلم حي بعد وفاته''(نيل الأوطار)

ترجمہ:۔ نبی علیہ السلام وصال فرمانے کے بعد اپنی قبر میں زندہ ہیں، جیسا کہ اس حدیث میں وارد ہے: ''الأنبياء أحياء في قبورهم'' امام بیہقی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا اور اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی، استاذ ابو منصور بغدادی نے کہا ہمارے اصحاب میں سے جو متکلمین محققین ہیں انھوں نے فرمایا: ہمارے نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم وفات کے بعد بھی زندہ ہیں۔

ان ساری شہادتوں سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اپنے وصال کے بعد زندہ ہیں، آپ اپنے وصال کے بعد بھی اپنی حیات کی طرح تصرف فرماتے ہیں تو جس طرح آپ کی ظاہری حیات طیبہ میں آپ سے سوال واستعانت جائز ہے آپ کے وصال کے بعد بھی یہ حکم باقی ہے، مزید شہادتوں کے ذریعہ انشاء اللہ الرحمٰن ہم آئندہ صفحات میں اس پر مزید روشنی ڈالیں گے۔ (مترجم)

(۱) بنی اسرائیل کی پیرزن کی حدیث ابن حبان نے اپنی صحیح (۲/۵۰۰-۵۰۱)، اور حاکم (۲/۴۳۹، ۲/۶۲۴) اور ابویعلی (۱۳/۲۳۶) اور خطیب نے تاریخ بغداد (۹/۳۱۲) میں ابوموسی اشعری سے تخریج کی، اور طبرانی نے اوسط (۷/۳۷۴، ۳۷۵) میں علی سے تخریج کی، اور سیوطی نے الدر المنثور (۴/۵۹۱، ۵۹۲) میں ابن ابو حاتم اور ابن حبان اور حاکم کی طرف نسبت کی۔ اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۱۰/۱۷۰-۱۷۱) میں کہا: ابویعلی کے رجال صحیح کے رجال ہیں اور یہ حدیث صحیح ہے ابن حبان اور حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا۔

مراد یہ ہوتی ہے کہ آپ کی امت آپ سے جنت میں رفاقت ومعیت کا سوال کرے، یہ ان لوگوں کا کھلا ہوا رد ہے جن کا یہ خیال ہے کہ عام انسان جس چیز کی طاقت ووسعت نہیں رکھتا اس میں نبی پاک ﷺ سے بھی مدد مانگنا، یا استغاثہ کرنا یا آپ سے ایسی چیز طلب کرنا کفر وشرک ہے۔

ذرا غور فرمائیں یہ جلیل الشان صحابی رسول پاک ﷺ سے جنت میں صحبت ورفاقت کا سوال کر رہے ہیں اور نبی پاک نے ان سے یہ نہ فرمایا یہ صرف اللہ عزوجل ہی کی قدرت وبس میں ہے اور ان سے یہ بھی نہ فرمایا کہ تمھیں کیا معلوم کہ تم جنت میں جاؤ گے۔

اس مقام کو سمجھنے اور اس میں غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے، مسلمانوں کو ان لوگوں کی ریشہ دوانیوں سے سخت اجتناب کرنا چاہئے جو لوگ شرک وکفر کی رٹ لگا کر مسلمانوں کو رسول پاک ﷺ کی بارگاہ اور آپ کے توسل واستغاثہ سے ڈراتے ہیں۔

اس مقام پر کوئی یہ شبہ کرسکتا ہے کہ رسول اللہ نے تو یہ نہ کہا کہ: مجھ سے مدد مانگو اور ابن تیمیہ کا مقصود یہ ہے کہ دعا اور طلب کرنا ممنوع ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ صحابی نے نبی پاک ﷺ سے جنت طلب کی اور یہ ایک واضح معاملہ ہے جس میں کسی التباس کی کوئی گنجائش نہیں۔

کیا منکرین زیادہ جانتے ہیں یا نبی پاک ﷺ کا علم ارفع واعلی ہے؟ اس مقام پر ایک سوال یہ رہ جاتا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے ابن عباس سے یہ فرمایا: ''جب تم مانگو تو اللہ سے مانگو''

ہم اس حدیث کی صحت کے متعلق گفتگو نہ کریں گے اس لیے کہ بعض علمانے اس حدیث کے متعلق اضطراب کا دعوی فرما کر کلام کیا، اگر نبی کریم ﷺ کی قبر شریف کی زیارت کے باب میں اضطراب کا دعوی ہوتا تو یہ لوگ ضرور اس کو ضعیف قرار دیتے۔

بہرحال اس حدیث ابن عباس کا معنی واضح ہے وہ اس طرح کہ یہ حدیث ''غلام کی حدیث'' سے مشہور ہے نبی پاک کا مقصود یہ تھا کہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ کو بچپن میں اس بات کی تعلیم فرمائیں کہ اللہ عزوجل سے اپنا تعلق قوی رکھیں کہیں ایسا نہ ہو کہ سبب سے رشتہ قائم کر کے مسبب کو بھول جائیں اور اسے بالکلیہ

چھوڑ دیں، جب آپ پروان چڑھے اور بڑے ہوئے تو آپ کو یہ بھی تعلیم فرمایا کہ کس طرح اسباب سے وابستگی رکھیں اوران سے تعلق ورشتہ رکھیں اس لیے کہ اسباب تو اللہ تعالیٰ ہی کی بارگاہ سے ہیں۔

یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ بکری کے شانہ کا گوشت سرکار کو محبوب تھا اور لہسن اور مسور اور پیاز آپ کو ناپسند تھا۔

نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**من لم یشکر الناس لم یشکر الله**'' ''جو بندوں کا شکر گزار نہیں وہ اللہ کا شکر گزار نہیں'' آپ کے اس ارشاد میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اسباب سے وابستگی رکھیں اوران سے رشتہ وتعلق قائم رکھیں۔

(۷)رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے یہ فرمایا کہ: تم میری مدد کرو اور اپنے اصحاب سے فرمایا: ''تم اپنے بھائی کی مدد کرو''

صحابہ کرام نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ سے مدد طلب کرتے ہیں، اور ابن تیمیہ اور اس کے متبعین حضور اقدس ﷺ سے مدد طلب کرنے والوں کی تکفیر کرتے ہیں۔

ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ نہ فرمایا ''مجھ سے مدد مانگو'' معاملات کو خلط ملط کرنا ہے خصوصا عوام پر جیسا کہ تقی حصنی نے اپنی کتاب (دفع شبہ من شبہ وتمرد) میں کہا کہ: یہ عوام پر ان کے معاملات کو مشتبہ کرنا ہے اور انھوں نے مزید یہ کہا: اس کی باطل باتوں سے پرہیز لازم ہے۔

ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ رسول پاک نے یہ نہ کہا: ''اور مجھ سے مدد مانگو'' یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اس نے مجموع الفتاوی (۳۱۹/۱۸) میں کہا:

> ''اللہ سبحانہ تعالی نے رسولوں کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو اللہ سے محبت رکھے، اور اسی سے امید کرے، اور دلوں کو ما سوی اللہ کی محبت و امید اور سوال سے خالی رکھے۔ اور اللہ کے لیے کوئی عمل اور اس سے استغاثہ کرے تو ما سوی اللہ کے لیے عمل نہ کرے اور نہ ان سے استغاثہ کرے بلکہ دلوں کو ان چیزوں سے خالی رکھے۔

میں کہتا ہوں:

ہمارے قلوب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ماسوی کی محبت سے خالی ہیں جیسا کہ بخاری و مسلم نے اپنی صحیح میں تخریج کی کہ: ''جس شخص میں تین خصلتیں ہوں گی وہ ان کی برکت سے ایمان کی شیرینی پائے گا، ان تینوں میں سے پہلی خصلت یہ ہے کہ: ''اللہ اور اس کے رسول ﷺ اسے سب سے زیادہ محبوب ہوں''۔ ذرا اللہ کے رسول ﷺ کے اس ارشاد پاک کی طرف نظر کیجئے کہ: ''اللہ اور اس کے رسول اسے سب سے زیادہ محبوب ہوں'' اور ابن

تیمیہ کے کلام کودیکھیے وہ کہتا ہے کہ اللہ کی محبت میں دل اس کے ماسوا کی محبت سے خالی رکھے۔

رہ گیامدارج السالکین (۱،٦٦) میں ابن القیم کا یہ کہنا کہ:''چوتھی چیز یہ ہے کہ اللہ سے مدد مانگی جائے کیوں کہ جس کے پاس کوئی اختیاراور مشیت وقدرت نہیں اس سے مدد مانگنا محال ہے''تو یہ بھی ابن تیمیہ ہی کے کلام جیسا ہے۔

ابن تیمیہ اوراس کے متبعین کا حال یہ ہے کہ بے محل کلام استعمال کرتے ،اورمتعارف چیزوں کو باطل کی طرف پھیرتے ہیں،اس سے ان کامقصودامت کوگمراہ کرنا،اوراپنے اختراع کردہ عقیدہ میں رنگنا ہوتا ہے،اس لیے ابن تیمیہ کے رد کے لیے ہم چند چیزیں ذکر کریں گے۔

(۱) اللہ عزوجل نے حضرت ذوالقرنین کے قصہ میں ذکر فرمایا کہ انھوں نے یہ کہا:

﴿فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا﴾ [الکہف-۱۸:۹۵]

ترجمہ:۔تم میری مدد طاقت سے کرو میں تم میں اوران میں مضبوط آڑ بنادوں (کنزالایمان)

ذوالقرنین نے یہ نہ کہا کہ جس کے پاس اختیاراور مشیت وقدرت نہیں اس سے مدد مانگنا محال ہے اور نہ یہ کہا کہ مدد مانگنا صرف اللہ ہی کے ساتھ خاص ہے۔

(۲) امام احمد نے ابوالخیر سے تخریج کی کہ انصار کے ایک شخص نے ان سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا قربانی کا جانور ذبح کرنے کے لیے زمین پرلٹایااوراس شخص سے فرمایا:''میرے اس قربانی کے جانور میں میری مدد کیجئے تواس شخص نے آپ کی مدد کی''

ذراغوروفکر کریں خودرسول پاک ﷺ نے''أعني''(میری مدد کرو)ارشادفرمایااور یہ نہ فرمایا کہ میں اللہ کے علاوہ کسی سے مدد نہ لوں گا۔

امام احمد(۳۷۳/۵)نے یہ حدیث تخریج کی اورھیثمی نے مجمع الزوائد(۲۵/۴)میں فرمایا:اس حدیث کے رجال صحیح کے رجال ہیں'اورحافظ ابن حجر نے فتح الباری (۱۹/۱۰)میں فرمایا:اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۳) سلمان نے فرمایا: مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے سلمان! اپنے مالک سے کتابت کرلو، تو میں نے اپنے مالک سے تین سو کھجور کے درخت پر اس شرط کے ساتھ کتابت کرلی کہ میں عفیر (طعام) اور چالیس اوقیہ کے بدلے ان درختوں کی آبیاری وشادابی کروں گا، تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: ''اپنے بھائی (سلمان) کی (بدل کتابت میں) مدد کرو''۔

امام احمد نے اسے تخریج کیا (۴۴۳/۵) اور معجم کبیر (۲۲۵/۶) میں بھی یہ روایت موجود ہے، ھیثمی نے مجمع الزوائد (۳۳۶/۹) میں کہا: احمد نے اس کو مکمل روایت کیا اور طبرانی نے کبیر میں اسی طرح مختلف سندوں سے روایت کیا، اور احمد وطبرانی کے نزدیک پہلی روایت کی اسناد کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ اور محمد بن اسحاق نے سماع کی تصریح کی ہے، اور دوسری روایت کے رجال تنہا احمد کے ہیں، اور اس کے رجال عمرو بن ابی قرہ سنان کے رجال ہیں جو ثقہ ہیں۔

(۴) ابن عباس (جو اس حدیث ''جب تم مدد مانگو تو اللہ سے مانگو'' کے راوی ہیں) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''زمین پر حفاظت کرنے والے فرشتوں کے علاوہ کچھ اور فرشتے ہیں جو درخت سے گرنے والے پتوں کو لکھتے ہیں تو جب تم چٹیل سنسان بیابان میں راستہ بھٹک جاؤ تو یہ ندا کرو: ''اے اللہ کے بندو! مدد کرو'' اس حدیث سے یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ مدد مانگنا جائز ہے۔

ابن ابوشیبہ نے اس حدیث کو روایت کیا (۹۱/۶) اور بیہقی نے شعب الایمان میں (۱۸۳/۱) روایت کیا، اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۱۳۲/۱۰) میں کہا: اس کو طبرانی نے روایت کیا اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۵) وحشی بن حرب فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ''امید کہ تم لوگ میرے بعد بڑے شہروں کو فتح کروگے اور ان شہروں کے بازاروں میں مجلسیں منعقد کروگے، تو جب ایسا ہو تو سلام کو پھیلاؤ اور نگاہیں پست رکھو، اور نابینا کی راہ نمائی کرو اور مظلوم کی مدد کرو''

ہیثمی نے مجمع الزوائد (۶۲/۸) میں کہا: اس کے تمام رجال ثقہ ہیں، اور بعض راویوں میں ضعف ہے، اور مناوی نے فیض القدیر (۲۶۷/۵) میں کہا: مصنف (سیوطی) نے اس کے حسن ہونے کی طرف

اشارہ کیا، اور وہ ویسا ہی ہے جیسا کہ فرمایا، یا علی ہے، پھر ھیثمی نے کہا: اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور بعض راویوں میں ضعف ہے۔

اور براء سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ انصار کے کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے تو فرمایا: ''اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے تو سلام کو پھیلاؤ، مظلوم کی مدد کرو اور مسافر کی راہ نمائی کرو'' احمد نے اس حدیث کی تخریج کی (۲۸۳/۴، ۲۹۳)

(۶) وحشی بن جنادہ سے مروی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے غدیر خم کے دن فرماتے سنا: ''اے اللہ! میں جس کا مولی ہوں، علی اس کے مولی ہیں، اے اللہ! تو اسے دوست رکھ جسے وہ دوست رکھیں، اور اس کو دشمن رکھ جس کو وہ دشمن رکھیں، اور اس کی مدد فرما جس کی وہ مدد کریں، اور اس کی اعانت فرما جس کی وہ اعانت کریں''۔

ہیثمی نے مجمع الزوائد (۱۰۶/۹) میں کہا: طبرانی نے اس کو روایت کیا اور محدثین نے اس حدیث کے رجال کی توثیق کی ہے۔

(۷) حبیب بن سیاف کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تم واپس جاؤ کیونکہ ہم کسی مشرک کی مدد نہیں لیتے'' اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر حبیب مسلمان ہوتے تو حضور اقدس ان سے ضرور مدد لیتے۔

امام احمد وطبرانی نے یہ حدیث تخریج کی اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۳۰۳/۵) میں کہا: احمد کے رجال ثقہ ہیں، اور ابن حبان نے اپنی صحیح (۲۸/۱۱) میں عائشہ سے، اور حاکم (۱۳۳/۲) نے ابوحمید ساعدی سے اسی طرح روایت کیا۔

(۸) نسائی نے مجتبیٰ (۲۶۳/۶) میں عمرو بن شعیب بروایت عن ابیہ عن جدہ تخریج کی وہ فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے کہ آپ کے پاس قبیلہ ھوازن کے وفد آئے، انھوں نے عرض کی اے محمد! ہم لوگ عرب کے اصول وقبائل سے ہیں، اور ہم پر جو مصیبت نازل ہوئی ہے آپ پر پوشیدہ نہیں اس لیے آپ ہم پر احسان فرمائیں آپ پر اللہ احسان فرمائے، آپ نے فرمایا: تم لوگ اپنے اموال یا اپنی

عورتوں اور بچوں میں سے جسے چاہو اختیار کرلو، انھوں نے عرض کیا آپ نے ہمیں ہمارے حسب اور مال کے درمیان اختیار بخشا ہے ہم اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کو اختیار کرتے ہیں، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سنو جو کچھ میرا اور بنو عبدالمطلب کا ہے وہ سب تمہارا ہے، جب تم نماز سے فارغ ہوتو کھڑے ہوکر یہ کہو کہ ہم اپنی عورتوں اور اپنے مالوں میں سے مومنوں یا مسلمانوں پر رسول اللہ ﷺ سے مدد طلب کرتے ہیں'' جب وہ نماز ظہر سے فارغ ہوئے تو کھڑے ہوکر وہی کہا جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو کچھ میرا اور بنو عبدالمطلب کا ہے وہ سب تمہارا ہے'' تو مہاجرین نے کہا: جو کچھ ہمارا ہے وہ سب رسول اللہ ﷺ کا ہے، اور انصار نے کہا: جو کچھ ہمارا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کا ہے، تو اقرع بن حابس نے کہا: رہا میں اور بنو تمیم تو ایسا نہیں، اور عیینہ بن حصن نے کہا: رہا میں اور بنو فزارہ تو ایسا نہیں، اور عباس بن مرداس نے کہا: رہا میں اور بنو سلیم تو ایسا نہیں، تو بنو سلیم نے کھڑے ہوکر عباس بن مرداس سے کہا: تو نے جھوٹ کہا، جو کچھ ہمارا ہے وہ سب رسول اللہ ﷺ کا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے لوگو! ان کی عورتوں اور ان کے بیٹوں کو ان کے حوالے کردو جو شخص اس مال غنیمت میں سے بلاعوض کسی کو دینا چاہے تو اس کے لیے چھ فرائض (اونٹنیاں) ہیں اس پہلی چیز میں سے جو اللہ عزوجل نے ہمیں مال غنیمت عطا فرمایا ہے'' اور آپ اپنی سواری پر سوار ہوئے اور دوسرے لوگ سوار ہوئے اور اس میں یہ بھی ہے کہ لوگوں نے کہا: آپ ہمارا مال غنیمت ہمیں تقسیم کردیجئے، پھر وہ لوگ آپ کو ایک درخت کی پناہ گاہ میں لے گئے اور انھوں نے آپ کی چادر اچک لی، آپ نے فرمایا: ''اے لوگو! مجھے میری چادر واپس دو، بخدا اگر تہامہ کے درختوں کی طرح تمہارے لیے اونٹ ہوتے تو میں انھیں تم پر تقسیم کردیتا، پھر تم مجھے بخیل و بزدل اور جھوٹا نہ پاتے'' پھر ایک اونٹ کے پاس آپ تشریف لائے تو اس کے کوہان سے تھوڑا سا بال اپنی دو انگلیوں کے درمیان لیا، پھر فرمایا: ''سنو میرے پاس کچھ بھی مال غنیمت نہیں اور نہ یہ مگر پانچواں حصہ اور پانچواں حصہ'' تو آپ کے پاس ایک شخص بال کا ایک حصہ لے کر کھڑا ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! میں نے اسے اس لیے لیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ اپنے اونٹ کی جھولوں کی اصلاح کروں پھر فرمایا:

''سنو میرے اور بنو عبد المطلب کے پاس جو کچھ ہے وہ تمہارے لیے ہے'' پھر فرمایا: کیا تمہارے پاس یہ پہنچی ایسا ہے تو مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں پھر آپ نے اسے پھینک دیا، اور فرمایا: ''اے لوگو! چھوٹی اور بڑی سوئی سب ادا کر دو کیوں کہ خیانت خائن پر قیامت کے دن عیب و عار ہوگی''۔

ذرا غور کیجئے کیا امام نسائی شرک و کفر نقل کریں گے؟

(۹) ابو موسی فرماتے ہیں میرے پاس اشعرین میں سے کچھ لوگ آئے، انھوں نے کہا رسول اللہ ﷺ کے پاس چلیں کیوں کہ ہمیں آپ سے کام ہے، تو میں ان کے ساتھ چلا، انھوں نے کہا اے اللہ کے رسول! آپ کام میں ہم سے مدد لیجئے، ابو موسی نے کہا تو میں نے ان کی باتوں سے معذرت کی اور میں نے عرض کیا کہ مجھے ان لوگوں کا حال معلوم نہیں، آپ نے میری باتوں کی تصدیق فرمائی اور میرا عذر قبول کیا اور فرمایا: ہم اپنے کام میں اپنے سائل سے مدد نہیں لیتے۔

اس حدیث سے بھی یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے کام میں مدد لیتے ہیں لیکن اپنے سائل سے نہیں۔

امام احمد (۴/۴۱۷)، نسائی (۳/۴۶۴) اور ابو عوانہ (۴/۳۷۹) نے یہ حدیث تخریج کی۔

(۱۰) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**واللہ في عون العبد ما کان العبد في عون أخیه**'' ''اللہ اپنے بندے کی مدد فرماتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے''۔

اس حدیث کو احمد (۲/۲۵۲)، مسلم (۴/۲۰۷۴)، ابو داود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان نے اپنی صحیح میں، اور حاکم نے اس کو روایت کیا، اور حاکم نے فرمایا: شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

(۱۱) ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ کے پاس غزوہ بنو مصطلق کے قیدی لائے گئے تو جویریہ بنت حارث بن قیس بن شماس اپنے چچا زاد بھائی کے حصہ میں آئیں۔ انھوں نے اپنے آپ کو مکاتبہ بنا لیا، آپ شیریں اخلاق اور حسین و جمیل وخوب رو تھیں، جو بھی انہیں دیکھتا پسند کر لیتا، وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بدل کتابت کی امداد کے لیے آئیں تو بخدا جیسے ہی آپ کے

حجرہ شریفہ کے دروازہ پر میں نے انہیں کھڑی ہوتے دیکھا مجھے ناگوار لگا اور میں نے محسوس کیا کہ رسول اللہ ﷺ ان کا حسن وجمال مشاہدہ فرمائیں گے جو میں نے دیکھا ہے، جویریہ نے عرض کی یا رسول اللہ! میرا حال آپ کو خوب معلوم ہے میں مکاتبہ ہوں اس لیے آپ سے بدل کتابت کی مدد مانگنے آئی ہوں، حضور نے فرمایا: کیا اس سے بہتر سلوک چاہتی ہو؟ عرض کیا وہ کیا ہے؟ فرمایا: میں تمہارا بدل کتابت ادا کر کے تم سے نکاح کر لیتا ہوں، انھوں نے عرض کی، مجھے بسر وچشم قبول ہے، آپ نے فرمایا: میں نے کیا، جب مجاہدین اسلام کو یہ خبر ملی تو انھوں نے کہا کہ قیدی رسول اللہ ﷺ کے قرابت دار ہیں ان کے ہاتھوں میں بنو مصطلق کے جتنے قیدی تھے سب آزاد کر دیے گئے، جویریہ کہتی ہیں: حضور کے مجھ سے نکاح فرمالینے کے بعد بنو مصطلق کے ایک سو افراد قید سے آزاد کر دیے گئے، عائشہ فرماتی ہیں: مجھے کوئی ایسی عورت معلوم نہیں جو اپنی قوم کے لیے جویریہ سے زیادہ بابرکت ثابت ہوئی ہو۔

نبی پاک کی ازواج میں یہ دو ایسی بیویاں ہیں جن کے واقعہ سے یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے مدد لینا جائز ہے۔

احمد (۶/۲۷۷) ابن حبان (۹/۳۶۱) بیہقی نے سنن کبری (۹/۷۴) اور طبرانی نے کبیر میں (۲۴/۶۱) اس کو روایت کیا۔

(۱۲) بخاری (۲/۸۳۷) ومسلم (۳/۱۵۶۹) نے روایت کیا کہ علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: میں نے بدر کے دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مال غنیمت میں ایک اونٹنی پائی رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک دوسری اونٹنی بھی عطا فرمائی تو میں نے ان دونوں کو ایک انصاری صحابی کے دروازہ پر بٹھادیا، میں ان پر اذخر (گھاس) لادنا چاہتا تھا تاکہ اسے بیچوں، میرے ہمراہ بنو قینقاع کا ایک سونار بھی تھا، میں فاطمہ کے ولیمہ میں اس سے مدد لیتا الخ۔

(۱۳) ابووائل سے مروی ہے انھوں نے روایت کیا کہ علی رضی اللہ تعالی عنہ کی خدمت میں ایک شخص آئے انھوں نے عرض کی امیر المومنین میں اپنا بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز ہوں آپ میری مدد فرمائیں، تو

علی رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: کیا تمہیں ایسے کلمات نہ سکھادوں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے مجھے سکھایا اگر تم پر جبل صیر کی طرح دینار ہوں تو اللہ تعالی تم سے ادا فرمادے گا، انھوں نے عرض کیا: کیوں نہیں، فرمایا یہ دعا پڑھو:

"اللهم اكفني بحلالك عن حرامك وأغنني بفضلك عمن سواك"

ترجمہ:۔ اے اللہ مجھے حلال عطا فرما کر حرام سے دور فرما، اور اپنے فضل کے ذریعہ دوسروں سے بے نیاز فرما۔

علی رضی اللہ تعالی عنہ نے یہ نہ فرمایا مدد صرف اللہ ہی سے مانگو، اور اگر فرماتے بھی تو آپ کی مراد یہ ہوتی کہ حقیقی مدد اللہ ہی کے ساتھ خاص ہے۔

امام احمد (۱۵۳/۱) اور ترمذی (۵۶۰/۵) نے اسے تخریج کیا اور ترمذی نے کہا: حسن غریب ہے، اور حاکم (۷۲۱/۱) نے تخریج کر کے کہا: صحیح ہے، علامہ ذہبی نے اس کی موافقت کی اور ضیاء مقدسی نے مختارہ (۱۱۸/۲) اور مناوی نے فیض القدیر (۱۱۱/۳) میں تخریج کیا۔

ان اکتشافات وتحقیقات کے بعد ابن رجب حنبلی کے اس کلام کا معنی واضح ہوجاتا ہے جسے اپنی کتاب جامع العلوم والحکم (۱۹۳/۱) میں ذکر کیا:

''اور اللہ سے مدد مانگو اور عاجز نہ ہو' جو شخص اللہ سے مدد نہ مانگے اور دوسروں سے مدد طلب کرے، اسے اللہ اسی شخص کے حوالہ کر دیتا ہے جس سے مدد لیتا ہے تو پھر وہ مدد سے محروم ہوجاتا ہے۔ حسن نے عمر بن عبدالعزیز کو لکھا: ''اللہ کے علاوہ کسی سے مدد نہ مانگو کہیں اللہ تمہیں اسی پر نہ چھوڑ دے''۔

یہ جملہ: ''جو شخص اللہ سے مدد نہ مانگے اور دوسروں سے مدد طلب کرے اسے اللہ اسی کے حوالہ کر دیتا ہے جس سے مدد لیتا ہے'' بہت ہی واضح ہے، اس لیے کہ اس کا معنی مقصود یہ ہے کہ جو حقیقی مدد اللہ سے نہ مانگے اور مخلوق سے مدد طلب کرے اسے اللہ عزوجل اسی کے سہارے چھوڑ دیتا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالی نے اپنی کتاب الأم (۲۶۱/۴) میں ارشاد فرمایا کہ: (رسول اللہ ﷺ نے ۸ھ میں غزوۂ حنین کے موقعہ پر صفوان بن امیہ سے

مدد طلب کی اس سے ارباب فہم پر استمداد و استعانت کی حقیقت خوب روشن ہو جاتی ہے۔

امام بخاری نے اپنی صحیح (۱/۱۷۲) میں ایک باب قائم فرمایا جس کا عنوان یہ ہے: ''**باب الاستعانة بالنجار و الصناع في أعواد المنبر و المسجد**'' (منبر و مسجد کی لکڑیوں میں بڑھئی اور معمار سے مدد لینے کا باب) اور یہ بھی فرمایا (۳/۱۰۶۱) **باب من استعان بالضُّعَفاء و الصالحين في الحرب** (جنگ میں کمزوروں اور نیکوں سے مدد لینے والوں کا باب)۔

علامہ نووی نے اپنی شرح صحیح مسلم (۱۲/۱۹۸-۱۹۹) میں فرمایا: حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا: ''**فارجع فلن أستعين بمشرك**'' (واپس جاؤ میں کسی مشرک سے مدد نہ لوں گا) اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ نبی پاک ﷺ نے صفوان بن امیہ سے ان کے اسلام لانے سے پہلے مدد طلب کی۔ علما کی ایک جماعت نے پہلی حدیث کو اطلاق پر جاری رکھا، اور امام شافعی اور دوسرے حضرات نے فرمایا: اگر کافر مسلمانوں کے اندر اچھی رائے والا ہے اور اس سے استعانت کی حاجت ہو تو اس سے مدد لی جائے ورنہ مدد حاصل کرنا مکروہ ہے اور دونوں حدیثیں انہیں دونوں حالتوں پر محمول ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ٥ وَإِلَى رَبِّكَ فَارْغَبْ﴾ [الشرح-۹۴: ۷، ۸]

ابن تیمیہ نے اس آیت سے استشہاد کر کے کہا کہ اللہ کے رسول نے یہ نہ فرمایا: ''مجھ سے مانگو اور مجھ سے مدد طلب کرو'' مجھے معلوم نہیں اس شخص کا طریقہ استدلال کیا ہے اگر اس کی مراد یہ ہے کہ انسان صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رغبت کرے تو ہم اس سے یہ کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے لیکن اس معنی مراد پر کسی کلمہ کی دلالت ضروری ہے ورنہ یہ معنی مراد لینا باطل ہے اس لیے کہ کلمہ ''**رغب**'' کے لغوی اشتقاق اور استعمال پر نظر ڈالنے سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ اس کا استعمال مختلف سیاق میں ہوتا ہے، اور وہ صرف اللہ عزوجل کی بارگاہ ہی کے ساتھ خاص نہیں جیسا کہ ابن تیمیہ کی مراد ہے اور وہ قاری کو یہی ذہن دینا چاہتا ہے، اس کی روشن دلیل اور واضح شہادت وہ روایت ہے جسے امام بخاری (۵/۱۹۶۷) نے تخریج کیا کہ ثابت بنانی نے فرمایا: میں انس کے پاس تھا اور ان کے پاس ان کی ایک بیٹی

تھیں انس نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک خاتون آئیں، انھوں نے اپنے آپ کو حضور کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کیا یارسول اللہ! کیا آپ کو میری حاجت ہے؟ تو انس کی بیٹی نے کہا: کس قدر کم حیا ہے، ہائے بری عادت! ہائے بری خصلت! اس پر آپ نے فرمایا: وہ تم سے بہتر تھیں اس لیے کہ انھوں نے رسول پاک کی طرف راغب ہو کر اپنے آپ کو حضور کی خدمت میں پیش کیا ہے۔

(۸) سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے جوتصرفات ابن تیمیہ کے فہم سے بالاتر ہیں ان میں وہ آپ پر جرحیں کرتا ہے۔

بخاری ومسلم کے حوالہ سے یہ گذر چکا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا نے اپنے وصال تک سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سے قطع تعلق [1] رکھا، اس سلسلے میں ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۲۴۴/۴) میں لکھا:

(سیدہ فاطمہ کا صدیق رضی اللہ تعالی عنہما سے قطع تعلق رکھنا کوئی ایسی چیز نہیں جس پر حکم لگانے والا مدح وذم کرے بلکہ مدح کے اعتبار سے اس کا قابل جرح ہونا قریب تر ہے۔) اھ

میں کہتا ہوں:

ہم مسلمانوں پر یہ لازم ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق وسیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہما دونوں کی نصرت وحمایت کریں اور ان میں سے کسی کی شان میں جرح وطعن سے اجتناب کریں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کے باہمی مشاجرات ومنازعات میں توقف کرنا چاہیے اور ان کی شان میں جرح سے احتراز کرنا چاہیے۔ اللہ تعالی قیامت کے دن ان کے مشاجرات کے متعلق ہم سے پرسش نہ فرمائے گا کیوں کہ اس نے ہمیں امت پر گواہ بنا کر نہ بھیجا، شاہد امت تو حبیب مصطفیٰ ﷺ ہیں ہاں ان کے آداب اور ان کی تعظیم وتکریم کے متعلق ہم سے ضرور پوچھا جائے گا، رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کے مشاجرات میں کثرت کلام کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ متکلم کسی ایک طرف مائل ہو جاتا ہے جیسا کہ ابن تیمیہ اس چاہ عمیق میں گرا **نسأل الله سبحانه العفو و العافية**.

اب ہم رسول اللہ ﷺ کے بعض ان احباب کے ارشادات عالیہ ہدیہ قارئین کر رہے ہیں جنھوں نے امت کو ان خرافات سے ڈرایا جن میں ابن تیمیہ گرفتار ہوا۔

---

(۱) اس کی کامل تحقیق ماسبق میں گزر چکی۔ (مترجم)

ثابت بن عبداللہ بن زبیر نے کہا: مہدی نے کہا: صحابہ کرام کی تنقیص شان کرنے والوں کے متعلق کیا فرماتے ہیں فرمایا: وہ لوگ زندیق ہیں اس لیے کہ وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی صریح تنقیص نہیں کر سکتے تو آپ کے اصحاب کی تنقیص کرتے ہیں گویا وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ: آپ کے ساتھ برے اصحاب تھے۔

(حسینی نے اکمال میں اس کو روایت کیا (۱/۶۵۰)

ابوعروہ نے کہا: ہم لوگ مالک بن انس کے پاس جمع تھے، آپ کے پاس لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کی تنقیص کرنے والے ایک شخص کا تذکرہ کیا تو امام مالک نے یہ پوری آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ...﴾ ﴿...يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ [الفتح –۴۸: ۲۹]

ترجمہ:۔"محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے (ان کے اصحاب) کافروں پر سخت ہیں" کسانوں کو بھلی لگتی ہے تا کہ ان سے کافروں کے دل جلیں۔ (کنز الایمان)

پھر آپ نے فرمایا: "جو اپنے دل میں رسول پاک کے اصحاب سے ذرا بھی غیظ وغضب رکھے وہ اس آیت کا مصداق ہے"۔

ابونعیم نے حلیہ (۶/۳۲۷) میں اس کی تخریج کی۔

ایک شخص نے امام احمد بن حنبل سے کہا: میرے ماموں معاویہ کی تنقیص کرتے ہیں امام احمد نے فورا فرمایا: اس کے ساتھ کھانا ترک کر دو۔

خلال نے السنۃ (۲/۴۴۸) میں اس کی تخریج کی۔

اور امام احمد نے یہ بھی فرمایا: جو رسول پاک کے اصحاب میں سے کسی صحابی کی تنقیص کرے گا وہ بلا میں گرفتار رہے گا اور اس کا انجام برا ہوگا۔

خلال نے السنۃ (۲/۴۷۷) میں اس کی تخریج کی۔

اور امام احمد سے کہا گیا آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جس کا یہ خیال ہے کہ رسول اللہ

ﷺ کے اصحاب کے فروگذاشت میں اس کے لیے کلام کرنا مباح ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ گھٹیا اور بے کار بات ہے ایسے لوگوں سے اجتناب کریں، اور ان کے ساتھ نہ بیٹھیں، اور ان کا معاملہ لوگوں پر واضح کر دیں۔

خلال نے السنۃ (۵۱۱/۳، ۵۱۲) میں اس کی تخریج کی۔

خطیب نے کفایہ (۴۹/۱) میں امام احمد کے شاگرد ابوزرعہ کا یہ قول نقل کیا:

''کسی شخص کو صحابہ کی تنقیص کرتے ہوئے دیکھو تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے''اھ

حافظ لالکائی نے اعتقاد اہل السنۃ (۱۶۲/۱) میں کہا: جو کسی صحابی کے فروگذاشت کے سبب ان کی تنقیص کرے، اور ان سے بغض رکھے، یا ان کے فروگذاشت کا ذکر کرے وہ مبتدع ہے یہاں تک کہ ان کے لیے دعائے رحمت کرے، اور اس کا دل ان کے لیے صاف وشفاف ہو جائے۔

وصل اللهم على أبي الزهراء وسلم تسليما كثيرا

(۹) ابن تیمیہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے فضائل کا انکار کیا۔

اللہ عزوجل نے اپنے فضل سے اہل بیت رضی اللہ تعالی عنہم کو جو فضائل بخشے ہیں ابن تیمیہ مسلسل ان کا انکار کرتا ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ سے فرمایا: ''إن اللہ یغضب لغضبک ویرضی لرضاک'' بے شک اللہ تمہارے غضب کی وجہ سے غضب فرماتا ہے، اور تمہاری رضا کی وجہ سے راضی ہوتا ہے'' ابن تیمیہ نے اس حدیث کے متعلق ابن المطہر کا رد کرتے ہوئے اپنی کتاب منہاج (۲۴۸/۴-۲۴۹) میں کہا:

''ابن مطہر کا یہ کہنا کہ سارے محدثین نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فاطمہ سے فرمایا: ''اے فاطمہ بے شک اللہ تمہارے غضب کے سبب غضب فرماتا ہے، اور تمہاری رضا کے سبب راضی ہوتا ہے''۔ یہ بالکل جھوٹ ہے۔

(۱) محدثین نے نبی کریم ﷺ سے اس حدیث کو روایت نہ کیا۔

(۲) حدیث کی کسی معروف ومشہور کتاب میں اس کا پتہ نہیں۔

(۳) نبی ﷺ سے اس کی کوئی معروف سند نہیں نہ صحیح نہ حسن۔

(۴) جس سے اللہ اور اس کے رسول راضی ہوں کسی مخلوق کا اس سے ناراض ہونا مضر نہیں، کوئی بھی شخص ہو اھ۔

میں کہتا ہوں:

(۱) ابن تیمیہ کا اس میں کیا جاتا ہے کہ اللہ عزوجل جگر گوشہ رسول خاتون جنت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی ناراضی کے سبب ناراض ہو، اور ان کی رضا کے سبب راضی ہو آخر اس انکار پر عجیب وغریب اصرار کیوں؟

(۲) کیا نبی پاک ﷺ سے مروی تمام احادیث ابن تیمیہ کی نظر میں ہیں؟

(۳) ابن تیمیہ کی گستاخی وبے ادبی اور خطا واشگاف کرنے کے لیے ہم یہ گوش گزار کرنا چاہتے ہیں کہ: بلاشبہ یہ حدیث، حدیث کی تمام کتابوں میں مروی نہیں، مگر مجھے بتایا جائے کہ کیا کوئی ایسی حدیث ہے

جو حدیث کی تمام کتابوں میں مروی ہے؟ پھر مزید اور سنیے:

کیا ابن ابو عاصم کی آحاد ومثانی، معجم ابو یعلی، حاکم کی کتاب مستدرک، اور معجم طبرانی حدیث کی عظیم الشان معروف ومشہور ومعتبر کتابوں میں سے نہیں؟ یا ابن تیمیہ کا مقصود تمام اہل بیت خصوصا سیدہ فاطمہ اور سیدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالی عنہما کی تجہیل ہے؟

یہ حدیث کہاں کہاں مروی ہے ابن تیمیہ کے متبعین ہم سے سنیں اور سر دھنیں اور اپنے نام نہاد پیشوا ابن تیمیہ پر ماتم کریں، اور فیصلہ کریں کہ ابن تیمیہ کذاب ہے کہ نہیں اور تمام حدیثوں پر اسے دسترس حاصل ہے یہ غلط ہے کہ نہیں؟

ابن ابو عاصم نے اس حدیث کو آحاد ومثانی (۳۶۳/۵) میں تخریج کیا، اور ابو یعلی نے تخریج کیا (۱۹۰/۱) اور حاکم نے مستدرک میں تخریج کر کے اس کو صحیح کہا (۱۶۷/۳) اور طبرانی نے کبیر میں تخریج کی (۱۰۸/۱، ۲۲/ ۴۰۱) اور دولابی نے الذریۃ الطاہریۃ (۱۲۰/۱) اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۱۵۶/۳) میں تخریج کی، نیز یہ حدیث جزء ابن الغطریف (۷۸/۱) اور تدوین في أخبار قزوین (۱۱/۳) میں مذکور ہے۔

اور محبّ طبری نے ذخائر العقبی (۳۹/۱)، اور ابو سعد نے شرف النبوۃ، اور امام علی بن موسیٰ رضا نے اپنی مسند، اور ابن مثنی نے اپنی معجم میں ذکر کیا۔

اور ہیثمی نے مجمع الزوائد (۲۰۳/۹) میں کہا: طبرانی نے اس کو روایت کیا اور اس کی سند حسن ہے، اور حافظ ھیثمی نے کہا: یہ حدیث حسن ہے۔

اور ابن تیمیہ کے تلمیذ حافظ ذہبی نے مستدرک میں حاکم کی روایت کو ضعیف کہا، اور یہ کہا کہ: حسین بن زید منکر الحدیث ہے، جس سے استدلال جائز وحلال نہیں اھ۔ یہ ذھبی کی تعلیق غریب اور جرح مبہم ہے اس لیے کہ انھوں نے اس جرح کا سبب ذکر نہ کیا اور نہ ہی اپنے اس قول (اس سے استدلال جائز وحلال نہیں) کی وجہ بتائی حسین بن زید کا منتہائے حال یہ ہے کہ ان کی حدیث میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ ابن عدی نے کامل (۳۵۱/۲) میں کہا: اہل بیت کے متعلق ان کا حاصل کلام یہ ہے اور مجھے امید ہے کہ ان میں کوئی حرج نہیں سوائے اس کے کہ

ان کی بعض حدیثوں میں نکارت پائی جاتی ہے۔

اور حافظ نے تقریب التہذیب (۱/۱۶۶،نمبر ۱۳۲۱) میں کہا: وہ صدوق (زیادہ سچے) ہیں کبھی خطا کرتے ہیں۔ یہ ان کا منتہائے حال ہے۔

حافظ ناقد بصیر دار قطنی نے اپنی سوالات برقانی (۱/۲۲) میں حسین بن زید بن علی بن حسین عن عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی عن ابیہ عن جدہ عن علی (اس سند) کے متعلق فرمایا: سب ثقہ ہیں اور آپ کی یہ توثیق کافی ہے، امام حاکم اور ضیاء مقدسی نے بھی آپ کی توثیق فرمائی کیوں کہ آپ الا حادیث المختارہ میں ان کی روایتیں ذکر کرتے ہیں تو ان کی حدیث کم از کم حسن ہے جیسا کہ حافظ ھیثمی نے اس کو حسن کہا۔

اور ذہبی پر یہ تہمت والزام ہے کہ وہ فضائل اہل بیت میں وارد حدیثوں میں شدت اختیار کرتے ہیں اور کبھی بے غبار اور پاک وصاف وسالم راویوں کی بھی تضعیف کرتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے علی بن صالح انماطی کے ترجمہ کے تحت لسان (۴/۲۳۵) میں ذکر کیا کہ ذہبی نے انہیں ایک ایسی حدیث میں متہم کیا جس سے وہ پاک اور بری ہیں، ان کی اصل عبارت کا معنی ومضمون یہ ہے:

''ذہبی سے پیشتر ان محدثین کی تحقیق ہونی چاہئے جن کی ذہبی تضعیف کرتے ہیں''

ذہبی کے شیخ حافظ مزی نے تہذیب الکمال (۳۵/۲۵۰) میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مناقب میں اس حدیث سے استشہاد کیا ہے، اور حافظ ابن حجر نے الاصابۃ (۸/۵۶) میں استدلال واجتماع کے طور پر ذکر کیا ہے اور ان دونوں حضرات نے ان کی تضعیف نہ فرمائی۔

(۴) ابن تیمیہ کا یہ کلام ابھی گزرا: ''جس سے اللہ اور اس کے رسول راضی ہوں اس سے کوئی ناراض ہو جائے تو کوئی فرق نہیں پڑتا، ناراض ہونے والا کیسا ہی ہو'' ہم کہتے ہیں: کہ یہ ایک ایسا کلمہ حق ہے جس سے باطل کا قصد وارادہ ہے، کیوں کہ یہاں پر یہ معاملہ نہیں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی ناراضی سے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کا کچھ بگڑنے والا نہیں، بلکہ جس کو اپنے بارے میں خود یہ معلوم نہیں کہ اس کا ٹھکانہ جنت ہے، یا دوزخ اسے یہ حکم نہیں کہ ان حضرات کے مشاجرات میں کلام کرے اور ان کے بارے میں فتوی دے جن کا جنتی ہونا قطعی

ویقینی ہے، اور جن کے جنتی ہونے کی بشارت وشہادت موجود ہے، خاص کر جگر گوشۂ رسول ﷺ اور آپ کے صاحب صدیق رضی اللہ تعالی عنہما کے مشاجرات میں، دراصل یہاں معاملہ یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ کی آل کے آداب کا پاس ولحاظ لازم وضروری ہے۔

بخاری (۳/۱۳۶) ومسلم (۳/۱۳۸) کی روایت میں ہے، کہ سیدہ فاطمہ کے وصال کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے مجھے رسول اللہ ﷺ کی قرابت اپنی قرابت سے زیادہ محبوب ہے''

بخاری (۳/۱۳۶) میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا: ''**ارقبوا محمدا صلى الله تعالى عليه وسلم في أهل بيته**'' محمد ﷺ کا آپ کے اہل بیت کے بارے میں پاس ولحاظ رکھو۔

اللہ عزوجل نے سورۂ بیّنہ میں فرمایا:

رضي الله عنهم ورضوا عنه (البیّنۃ ۸) اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔

صرف یہ نہ فرمایا ''**رضي الله عنهم**'' (اللہ ان سے راضی) بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا ''**ورضوا عنه**'' (اور وہ اللہ سے راضی)

کیا اس ارشاد کے بعد یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے حبیب اور آپ کے خلیفہ، اللہ کے حبیب ﷺ کی شہزادی اور آپ کی پارۂ جگر کی رضا جوئی نہ فرمائیں گے، یا اس اختلاف کے سبب آپ کبیدہ خاطر نہ ہوں گے اگر چہ آپ کے ساتھ حق ہو۔ تو پھر ابن تیمیہ کے اس کلام: ''ناراض ہونے والا کیسا ہی شخص ہو'' کا کیا مقصد ہے؟

(۵) ہم ابن تیمیہ کے متبعین سے یہ بھی کہتے ہیں کیا بخاری (۳/۱۳۶۱) میں مسور بن مخرمہ کی یہ روایت نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''فاطمہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہیں، جو انہیں ناراض کرے گا مجھ کو ناراض کرے گا''۔

وصل اللهم على أبي الزهراء التي كان يقوم لها ويقبلها
ويقول لها ''يا أمتي'' وسلم تسليما كثيرا كثيرا

(۱۰) ابن تیمیہ کی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شان میں جرأت و بے باکی کہ اس نے آپ سے متعلق دوفرضی چیزوں کی صحت تسلیم کرکے اس پر تبصرہ کیا۔

ابن تیمیہ کو یہ تسلیم ہے کہ صحابیہ جلیلہ ام ایمن رضی اللہ تعالی عنہا جھوٹی اور دروغ گو ہیں۔

فرض اول:

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ابن تیمیہ نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں عمداً خطا کی ہے اس لیے وہ زندیق ہے تو اس پر اس کے متبعین چراغ پا ہوتے ہیں، اور ان کا جوش غضب اس درجہ عروج پر ہوتا ہے کہ وہ ابن تیمیہ کو خاطی اور گستاخ و بے ادب قرار دینے والے کو گستاخ و خطا کار ٹھہراتے ہیں، لیکن جب ابن تیمیہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کو خطا کار ٹھہراتا ہے اور آپ کی شان میں توہین آمیز کلمات استعمال کرتا ہے تو اس پر ان کا جوش غضب نظر نہیں آتا۔

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۲۳۶/۴، ۲۳۷) میں بعض ان اقوال کا جائزہ لیا جن میں یہ ہے کہ سیدہ فاطمہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں فدک ہبہ فرمایا، اور سیدہ جلیلہ ام ایمن نے اس کی شہادت بھی دی، جیسا کہ ان اقوال کا جائزہ لیتے ہوئے اس نے اپنی مذکورہ بالا کتاب میں کہا:

(''چوتھی وجہ: یہ کہنا کہ: آپ ام ایمن کو لے کر آئیں تو انھوں نے آپ کے حق میں شہادت دی، اس پر ابوبکر نے فرمایا: کہ کسی عورت کا قول نہ لیا جائے گا، حالاں کہ تمام محدثین نے یہ روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ام ایمن جنتی عورتوں میں سے ہیں'')

ابن تیمیہ نے اپنی اسی کتاب منہاج (۲۳۸/۴) میں ایک صفحہ یا دو صفحہ کے بعد اس کا رد کرتے ہوئے کہا:

''اگر خدیجہ و فاطمہ و عائشہ اور ان کی طرح ایسی عورتیں جن کا جنتی ہونا معلوم ہے شہادت دیں تو ان

میں سے کسی کی شہادت کسی مرد کا نصف میراث، اوراس کی دیت کسی مرد کا نصف دیت ہوگی، اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔

توکسی عورت کا جنتی ہونا اس بات کو واجب نہیں کرتا کہ اس کی شہادت بھی لی جائے اس لیے کہ اس سے غلطی ہوسکتی ہے، ایسا کیوں نہ ہوگا کبھی انسان جھوٹ بول کر جھوٹ سے توبہ کر کے جنتی ہوجاتا ہے''۔

میں کہتا ہوں: ابن تیمیہ کے اس کلام میں دو خرابیاں ہیں جو نہایت قبیح اور سخت تر ہیں۔

پہلی خرابی: یہ ہے کہ اس میں ام ایمن رضی اللہ تعالی عنہا کی شان میں سخت بے ادبی ہے، کیوں کہ ابن تیمیہ نے آپ کی شان میں یہ تسلیم کیا اور کہا ''کہ کسی عورت کا جنتی ہونا اس بات کو واجب نہیں کرتا کہ اس کی شہادت بھی لی جائے، اس لیے کہ اس سے غلطی ہوسکتی ہے، ایسا کیوں نہیں ہوسکتا کبھی انسان جھوٹ بول کر جھوٹ سے توبہ کر کے جنتی ہوجائے''۔

دوسری خرابی: جب ام ایمن نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے حق میں جھوٹی شہادت دی تو اس کا معنی یہ نکلا کہ ابن تیمیہ کے نزدیک یہاں دو ۲ احتمالوں میں سے ایک احتمال ضرور ہے:

<u>پہلا احتمال</u>: یہ ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا والعیاذ باللہ تعالی جھوٹی ہیں، اور ام ایمن نے بھی آپ کے حق میں غلط اور جھوٹی شہادت دی، اور ابن تیمیہ کی نظر میں یہ کوئی بڑی بات نہیں اس لیے کہ وہ خود ہی کہہ رہا ہے: ''کبھی انسان جھوٹ بول کر جھوٹ سے توبہ کرلے اور جنتی ہوجائے''۔

<u>دوسرا احتمال</u>: یہ ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جھوٹا اور غلط دعوی نہ کیا، لیکن ام ایمن نے کذب و دروغ سے کام لیا اور فاطمہ نے اس کذب کی تصدیق کی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ پتہ نہ تھا کہ کیا کریں اور کیسا تصرف کریں اور معمولی شبہ کی بنا پر کافی مشقتیں اور دشواریاں پیدا ہوگئیں، اور امام علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ بھی آپ کی موافقت ومطاوعت کر بیٹھے اس میں سیدہ فاطمہ اور سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہما کی بھی تنقیص شان ہے۔

بہر حال ابن تیمیہ کے نزدیک ان دونوں احتمالوں میں ام ایمن صحابیہ جلیلہ جھوٹی ہیں جب کہ آپ کو نبی

پاک ﷺ کی پرورش کی سعادت حاصل ہے۔اور پہلے احتمال میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا والعیاذ باللہ تعالیٰ جھوٹی ہیں، یہ دونوں احتمال تنقیص شان سے خالی نہیں۔

ہم اس مقام پر ابن تیمیہ کی غلط باتوں میں اس کی اتباع کرنے والوں سے یہ ضرور کہیں گے کہ اے قلب وبصیرت کے اندھو! ذرا دیکھو ابن تیمیہ تمھیں کہاں لے جارہا ہے۔

ہم قارئین کرام سے یہ عرض کریں گے کہ صحابیہ جلیلہ ام ایمن رضی اللہ تعالی عنہا وہ ہیں جنہیں نبی کریم ﷺ کی پرورش کا شرف حاصل ہوا،اور زید بن حارثہ رضی اللہ تعالی عنہ نے حضور اقدس کی بعثت کی راتوں میں آپ سے عقد فرمایا،اور آپ ہی کے شکم اطہر سے حضور اقدس ﷺ کے محبوب نظر اسامہ ابن زید پیدا ہوئے،اور ام ایمن نے جب ہجرت کی تو آپ کو پیاس کا احساس ہوا اور آپ کے پاس ذرا بھی پانی نہ تھا آپ روزے سے تھیں آپ مشقت وجانفشانی میں پڑ گئیں تو سفید رسی لے کر آسمان سے آپ کے اوپر پانی کا ایک ڈول کھینچا گیا جس سے آپ نے اپنی پیاس بجھائی، آپ کہتی تھیں: اس کے بعد سے مجھے پیاس کا احساس نہ ہوا، اور سخت کڑی دوپہر میں جب روزے میں پیاس لگتی تو بھی آپ کو پیاس کا احساس نہ ہوتا۔(مصنف عبدالرزاق ۳۰۹/۴)،اور ذہبی کی سیر أعلام النبلاء (۲۲۴/۲)،اور حافظ کی الإصابہ (۱۶۹/۸)۔

جگر گوشۂ رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی جرح سے کیا ابن تیمیہ کی پیاس بجھ جائے گی؟

فرض ثاني:

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۲۶۴/۴) میں کہا:''فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے متعلق لوگوں نے ذکر کیا ہے کہ آپ نے ہبہ اور شہادت وغیرہ کا دعوی کیا، اگر یہ صحیح ہے تو استدلال کرنے والوں کی جرح مدح سے بہتر ومناسب ہے''۔

میں کہتا ہوں: ابن تیمیہ نے جگر گوشۂ رسول ﷺ کی جو کچھ تنقیص شان کی ہے اس کے متعلق ابن تیمیہ کے اصحاب کیا کہیں گے؟ کیا یہ کہیں گے کہ ہبہ اور شہادت مذکورہ کا دعوی بے اصل وبے بنیاد ہے، اگر وارد بھی ہو تو اس کی اسناد باطل، یا حد درجہ ضعیف ہے،اور سیدہ فاطمہ نے یہ دعوی نہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں فدک ہبہ فرمایا،

اور اگر اسناد صحیح ہے تو ہم پر یہ واجب ہے کہ سیدہ فاطمہ اور سیدنا ابوبکر صدیق کے مشاجرات کے بارے میں توقف کریں۔

ذرا متانت وسنجیدگی سے غور فرمائیں ’’کیا ابن تیمیہ کا یہ کلام جگر گوشہ رسول ﷺ کی شان میں احترام وادب کا ہے، کیا کوئی شخص ابن تیمیہ کو لگام لگانے والا نہیں کہ اس کے نزدیک سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شان میں جرح کرنا ہی بہتر ہے جیسا کہ ابھی اس کا یہ کلام گزرا: اگر یہ واقعہ صحیح بھی ہو تو استدلال کرنے والوں کے لیے مدح کی بہ نسبت جرح کرنا زیادہ لائق اور مناسب ہے،،۔

ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل بیت کے لیے یہ غیرت کا مقام ہے، جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ ابن تیمیہ نے نبی ﷺ اور آپ کے اہل بیت اور آپ کے اصحاب کو ایذا دی ہے تو اس کا حکم کم از کم یہ ہونا چاہئے کہ وہ زندیق ہے جیسا کہ اس کے زمانے کے علما اور حکام وسلاطین اسلام نے اس پر یہی حکم لگایا ہے کہ وہ زندیق ہے۔

ہم قارئین کرام کے یہ بھی گوش گذار کر دینا چاہتے ہیں کہ جس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ فاطمہ کو فدک عطا فرمایا وہ حدیث بہت ضعیف ہے اس کو ابویعلی (۳۳۴/۲) اور ابن سعد نے طبقات کبری (۳۱۵/۲، ۳۱۶) میں روایت کیا، اور حافظ ھیثمی نے مجمع الزوائد (۴۹/۷) میں ابویعلی کی حدیث کو ضعیف کہا، اور حافظ ابن حجر نے میزان الاعتدال (۱۶۴/۵، ۱۶۵) میں ایسا ہی ذکر کیا اور کہا: یہ باطل ہے اور ان کے علاوہ دیگر حضرات نے بھی یہ حدیث روایت کی۔

رہ گئی طبقات میں ابن سعد کی حدیث تو اس میں محمد بن عمر واقدی ہیں اور وہ اپنی جلالت شان کے باوجود متروک (۱) ہیں جو لائق استدلال نہیں جیسا کہ علم رجال میں ثابت ہو چکا ہے۔

(۱) أقول وباللہ التوفیق: شیخ الاسلام والمسلمین، مجدد اعظم سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں کہ محمد بن عمر بن واقد اسلمی ہمارے علما کے نزدیک ثقہ ہیں کہ ان حضرات کے نزدیک ان کی توثیق ہی راجح ہے اگرچہ جمہور اہل اثر نے ان پر کلام کیا محقق علی الاطلاق امام ابن ہمام نے یہی افادہ فرمایا جیسا کہ رقم طراز ہیں:

وصل اللهم علی من أنزل علیه ﴿وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوْا الَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ﴾ [الاسراء-۱۷:۵۳] اے اللہ! اس ذات پر اپنی رحمت نازل فرما جن کی شان میں یہ آیت پاک اتری "وعلی اٰله وسلم تسلیما کثیرا" اور آپ کی آل پر خوب سلامتی فرما۔

"امام واقدی ہمارے علما کے نزدیک ثقہ ہیں، امام واقدی کو جمہور اہل اثر نے چنیں و چناں کہا جس کی تفصیل میزان وغیرہ کتب فن میں مذکور، لاجرم تقریب میں کہا: متروک مع سعة علمه (علمی وسعت کے باوجود متروک ہے)۔ اگر چہ ہمارے علما کے نزدیک ان کی توثیق ہی راجح ہے کما أفاده الإمام المحقق في فتح القدیر (فتح القدیر، باب الماء الذي یجوز به الوضوء، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ۱/۶۹)" جیسا کہ امام محقق نے فتح القدیر میں اس کو بیان کیا ہے"۔ بایں ہمہ بجرح شدید ماننے والے بھی انھیں سیر و مغازی واخبار کا امام مانتے، اور سلفاً وخلفاً ان کی روایات سیر میں ذکر کرتے ہیں کما لایخفي علی من طالع کتب القوم (جیسا کہ اس شخص پر مخفی نہیں جس نے قوم کی کتب کا مطالعہ کیا ہے)۔ میزان میں ہے:

"کان إلی حفظه المنتهی في الأخبار والسیر والمغازي والحوادث وإمام الناس والفقهه وغیر ذلک" (میزان الاعتدال نمبر ۷۹۹۳ ترجمہ محمد بن عمر بن واقد الاسلمی، مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت لبنان ۳/۶۶۳) یہ اخبار واحوال علم سیر و مغازی حوادثات زمانہ اور اس کی تاریخ اور علم فقہ وغیرہ کے انتہائی ماہر اور حافظ ہیں۔

"حیث قال في باب الماء الذي یجوز به الوضوء عن الواقدي قال کانت بئر بضاعة طریقا للماء إلی البساتین وهذا تقوم به الحجة عندنا اذا وثقنا الواقدي

ترجمہ:۔ جہاں انھوں نے باب الماء الذي یجوز به الوضوء میں واقدی سے نقل کیا کہ بضاعۃ کے کنوئیں سے باغوں کو پانی دیا جاتا تھا ہمارے نزدیک حجت کے لیے یہی کافی ہے کیوں کہ ہم نے واقدی کی توثیق کر دی ہے۔

أما عند المخالف فلا لتضعیفه إیاه اهـ وقال في فصل الأسار قال في الإمام جمع شیخنا أبو الفتح الحافظ أول کتابه المغازي والسیر من ضعفه ومن وثقه ورجح توثیقه وذکر الأجوبة عما قیل فیه اهـ ۱۲ منه (م)

ترجمہ:۔ باقی مخالف کے نزدیک حجت نہیں کیوں کہ وہ اس کی تضعیف کا قائل ہے اھ اور فصل الاسار میں کہا کہ امام کے

وارضَ اللھم علی أحبابه الذین قالوا محبةو أدب وصول بلاتعب

ترجمہ:۔اے اللہ! رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ان احباب سے راضی ہو جنھوں نے کہا: محبت و ادب بے مشقت حاصل ہوتی ہے۔

بارے میں ہمارے شیخ ابوالفتح حافظ نے اپنی کتاب المغازی والسیر کی ابتدا میں ان تمام لوگوں کو جمع کیا ہے جنھوں نے ان کی توثیق کی یا ان کی تضعیف کی اور ان کی توثیق کو ترجیح دیتے ہوئے ان پر وارد شدہ اعتراضات کے جوابات بھی ذکر کیے اھ ۱۲ منہ

اب جب کہ یہ روشن ہوگیا کہ محمد بن عمر بن واقد اسلمی ہمارے علما کے نزدیک ثقہ ہیں اور ان کی توثیق راجح ہے تو پھر انھیں متروک قرار دے کر ہم اس پر کلام نہ کریں گے بلکہ درحقیقت معاملہ یہ ہے کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فدک ہبہ نہ فرمایا جیسا کہ اس کی تائید درج ذیل ابوداؤد شریف کی حدیث سے ہوتی ہے:

”عن المغیرة قال إن عمر بن عبدالعزیز جمع بني مروان حین استخلف فقال إن رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم کانت له فدک فکان ینفق منها ویعود منها علی صغیر بني هاشم ویزوج منها أیمهم وأن فاطمة سألته أن یجعلها لها فأبی فکانت کذلک في حیاة رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم حتی مضی لسبیله فلما أن ولّي أبو بکر عمل فیها بماعمل رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم في حیاته حتی مضی لسبیله فلما أن ولّي عمر بن الخطاب عمل فیها بمثل ما عملا حتی مضی لسبیله ثم أقطعها مروان ثم صارت لعمر بن عبدالعزیز فرأیت أمرا منعه رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم فاطمة لیس لي بحق وإني أشهدکم أني رددتها علی ما کانت یعني علی عهد رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم وأبي بکر و عمر“. (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۵۶ مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

ترجمہ:۔”حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ آیا تو انھوں نے بنی مروان کو جمع کیا اور ان سے فرمایا کہ فدک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس تھا جس کی آمدنی وہ اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتے تھے اور بنو ہاشم کے بچوں کو پہنچاتے تھے اور اس سے مجرد مرد و عورت کا نکاح بھی کرتے تھے۔ایک مرتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور سے سوال کیا کہ فدک

انھیں کے لیے مقرر کردیں تو حضور نے انکار کردیا تو ایسے ہی آپ کی زندگی بھر رہا یہاں تک کہ آپ کا وصال ہوگیا پھر جب حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے تو انھوں نے فدک میں ویسا ہی کیا جیسا کہ حضور نے کیا تھا یہاں تک کہ وہ بھی رحلت فرما گئے، پھر جب حضرت عمر خلیفہ ہوئے تو انھوں نے ویسا ہی کیا تھا جیسا کہ حضور اور ابوبکر نے کیا تھا یہاں تک کہ وہ بھی انتقال فرما گئے پھر مروان نے (اپنے دور میں) فدک کو اپنی جاگیر میں لے لیا یہاں تک کہ وہ عمر بن عبدالعزیز کی جاگیر بنا پس میں نے دیکھا کہ جس چیز کو حضور نے اپنی بیٹی فاطمہ کو نہیں دیا اس پر میرا حق کیسے ہوسکتا ہے لہٰذا میں آپ لوگوں کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے فدک کو اسی دستور پر واپس کردیا جس دستور پر کہ وہ پہلے تھا یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانۂ مبارک میں"۔

یہ حدیث اس بات کی روشن دلیل ہے کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو باغ فدک ہبہ نہ فرمایا تھا۔

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ سقیفۂ بنی ساعدہ کی بیعت کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر جلوہ افروز ہوئے مجمع پر نگاہ ڈالی تو حضرت زبیر کو نہ دیکھا، انھیں بلوانے کے بعد فرمایا: کہا جاتا ہے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پھوپھی کے صاحبزادے، اور حوار ہو اور تم یہ چاہتے ہو کہ مسلمانوں کی لاٹھی ٹوٹ جائے، حضرت زبیر نے کہا خلیفۂ رسول اللہ! پھر کھڑے ہوکر آپ کی بیعت کی، پھر حاضرین پر نظر ڈالی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہ دیکھا آپ کو بلوانے کے بعد فرمایا: کہا جاتا ہے کہ تم رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا کے صاحبزادے، اور حضور اقدس کے داماد ہو پھر یہ چاہتے ہو کہ مسلمانوں کی لاٹھی ٹوٹ جائے، یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے خلیفۂ رسول اللہ! پھر بیعت کرلی۔ (تاریخ الخلفا مصری بحوالہ ابن سعد حاکم، بیہقی ص ۶۹)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ فرمایا کہ "ہمیں اس بات کی تکلیف ہوئی کہ ہمیں مشورہ میں شریک نہ کیا گیا جب کہ ہم ابوبکر کو سب سے زیادہ خلافت کا حق دار جانتے تھے اس لیے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یار غار ہیں، ہم آپ کا فضل و شرف خوب جانتے ہیں،

رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اپنی حیات ظاہری میں انھیں نماز پڑھانے کا حکم فرمایا''۔(تاریخ الخلفا مصری بحوالہ مغازی موسی بن عقبہ وحاکم ص ۷۰)

علاوہ ازیں خود سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ نے یہ فرمایا: کہ نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم فرمایا، اور میں موجود تھا، غائب نہ تھا، اور نہ مجھے کوئی بیماری تھی، اس لیے ہم نے اپنی دنیا کے لیے وہی پسند فرمایا جو رسول پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ہمارے دین کے لیے پسند فرمایا۔(تاریخ الخلفا مصری بحوالہ ابن عساکر ص ۶۴)

ان سب سے صاف صاف ظاہر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے شروع ہی میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت تسلیم کر لی تھی نہ کہ چھ ماہ بعد بیعت کی اس کی دلیل یہ روایت بھی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما نے فرمایا کہ''جب مرتدین سے قتال کے لیے ابوبکر باہر نکل پڑے اور اپنی سواری پر بیٹھ گئے تو حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے آپ کی سواری کی لگام پکڑ کر کہا: اے خلیفۂ رسول اللہ! کہاں؟ میں آپ سے وہی کہتا ہوں جو رسول پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے احد کے دن فرمایا تھا اپنی تلوار نیام میں کریں، اپنی ذات سے ہمیں رنجیدہ نہ کریں، مدینہ منورہ لوٹ چلیں، بخدا اگر ہم آپ کو کھو کر رنجیدہ وغم گین ہو گئے تو پھر کبھی بھی اسلام کا نظام درست نہ ہوگا''۔(تاریخ الخلفا مصری بحوالہ دارقطنی ص ۷۵)

ہر شخص جانتا ہے کہ لشکر اسامہ کی روانگی کے بعد حضرت ابوبکر صدیق بلا تاخیر مرتدین سے جہاد کے لیے نکلے تھے، حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے اس وقت آپ کو رسول اللہ کا خلیفہ کہا، کیا یہ ان کی خلافت کو تسلیم کرنا اور ان کی بیعت کرنا نہیں؟ خلیفہ تسلیم کر لینے کے بعد بیعت نہ کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

حضرت ابوسعید خدری، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہم کی روایتوں سے یہ ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے چھ ماہ کے بعد بیعت نہ کی بلکہ شروع ہی میں آپ کی بیعت فرمالی تھی اور آپ کا خلیفۂ رسول ہونا تسلیم کر لیا تھا اس لیے اب انکار کی کوئی راہ نہیں۔

پھر یہ گزر چکا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے خود یہ فرمایا کہ: ابوبکر کو سب سے زیادہ خلافت کا حق دار جانتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اپنی حیات ظاہری میں میری موجودگی میں انھیں نماز پڑھانے کا حکم فرمایا جب کہ مجھے کوئی

بیماری بھی نہ تھی اس لیے ہم نے اپنی دنیا کے لیے اسے پسند کیا جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ہمارے دین کے لیے پسند فرمایا، یہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سیدنا صدیق اکبر کو اپنے سے زیادہ خلافت کا اہل جانتے تھے، اور آپ کی خلافت کو برحق جانتے تھے، ان ساری چیزوں کے باوجود ابتدا میں بیعت نہ کرنے کا کیا معنی؟۔ رہ گیا ام المومنین حضرت عائشہ کا یہ ارشاد: "ولم یکن یبایع تلک الأشهر" کہ حضرت علی نے ان مہینوں تک بیعت نہ کی تھی یہ انھوں نے اپنے علم ودانست کے اعتبار سے فرمایا، حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کی حدیث ابھی گزری آپ نے فرمایا: جب مرتدین سے قتال کے لیے ابوبکر باہر نکل پڑے تو حضرت علی نے آپ کی سواری کی لگام پکڑ کر کہا اے خلیفۂ رسول اللہ کہاں؟ اس سے اچھی طرح واضح و روشن ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق اکبر کے پاس حضرت علی آمدورفت رکھتے اور مشورے دیتے اور اپنی ذاتی وجاہت کے سبب اسے منوا بھی لیتے، مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے وصال و جدائی کا کافی اثر تھا آپ کے غم جاں گسل کے سبب چوں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا سخت بیمار پڑ گئیں اور علالت کا یہ سلسلہ دراز رہا حضرت علی آپ کی تیمارداری میں اس درجہ مصروف تھے کہ سیدنا صدیق اکبر کے دربار خلافت میں تشریف آوری کا موقعہ نہ پاسکے جس سے لوگوں نے سمجھا کہ شاید حضرت علی کو حضرت صدیق اکبر کی خلافت منظور نہیں اس لیے لوگوں کے اس سوئے ظن کو رفع کرنے کے لیے حضرت فاطمہ کے وصال کے بعد دوبارہ بیعت فرمائی ورنہ آپ ابتدا ہی میں بیعت فرما چکے تھے جیسا کہ گزرا۔

بفرض غلط اگر مان بھی لیا جائے کہ حضرت علی نے چھ ماہ تک بیعت نہ فرمائی تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ آپ کے نزدیک سیدنا صدیق اکبر کی خلافت باطل تھی اس لیے بیعت نہ کی ایسی کوئی روایت نہیں جس سے یہ پتہ چلے کہ حضرت علی نے کبھی یہ فرمایا کہ سیدنا صدیق اکبر خلافت کے اہل نہیں، یا ان کی خلافت باطل و نادرست ہے، ہاں بعض روایتوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ خانہ نشین ہو گئے تھے مگر یہ ناراضی کی بنا پر نہ تھا بلکہ سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالی عنہا کی شدت علالت اور ان کی دلجوئی اور تیمارداری کے سبب تھا ظاہر ہے سیدنا ابوبکر صدیق کی خلافت کا معاملہ کوئی پوشیدہ اور رازدارانہ نہ تھا بلکہ آپ کی خلافت کا معاملہ علانیہ پیش آیا جس کا علم حضرت علی کو تھا ایسے موقعہ پر باب مدینۃ العلم، خیبر شکن حضرت علی شیر خدا کا سکوت فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کے نزدیک آپ کی خلافت صحیح و درست تھی اگر آپ کے نزدیک آپ کی خلافت

باطل ونادرست ہوتی تو ضرور اس کا اعلان فرماتے ایک دینی مقتدا ایک باطل امر پر ساکت وخاموش نہ رہے گا،شرع میں کتنے ایسے مقامات ہیں جہاں سکوت ،خوشی ورضا کے قائم مقام ہوا کرتا ہے بلکہ شرع کی ایک اہم بنیاد حدیث تقریری ہے جس کی بنیاد اس پر قائم ہے کہ صحابہ کرام نے حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی بارگاہ میں کچھ کہا یا کیا اور حضور نے اس پر انکار نہ فرمایا بلکہ سکوت فرمایا تو اسے بھی حدیث رسول ہی کا مقام حاصل ہے اور احکام میں قابل حجت اور لائق استدلال ہے۔

علاوہ ازیں اگر حضرت علی کے نزدیک سیدنا ابوبکر صدیق کی خلافت باطل ہوتی تو وہ چھ ماہ کے بعد قطعی بیعت نہ فرماتے جب کہ سیدنا صدیق اکبر کے خلاف آپ کو آمادہ کرنے کی کوشش بھی کی گئی۔

''حضرت ابوسفیان کو جب یہ خبر ملی کہ سیدنا صدیق اکبر خلیفہ منتخب ہوگئے ہیں تو حضرت علی کے پاس مدینہ طیبہ آئے اور کہا کیا معاملہ ہے کہ خلافت قریش کی اس شاخ میں ہے جو سب سے کم اور کمزور ہے یعنی ابوبکر کا خاندان بنی تمیم،اگر آپ چاہیں تو ان کے خلاف سواروں اور پیادوں کو بھر دوں،حضرت علی نے یہ سن کر فرمایا: تو نے عرصہ دراز تک اسلام کی مخالفت کی اس سے اسلام کا کوئی نقصان نہ ہوا،ہم نے ابوبکر کو اس کا اہل پایا''۔(تاریخ الخلفا مصری ص٦٦)

اس روایت نے اس وہم کا دروازہ ہی بند کر دیا کہ آپ نے اپنی کمزوری اور بے بسی کے سبب ازراہ تقیہ بیعت فرمائی،اگر آپ کو آپ کی خلافت تسلیم نہ ہوتی تو ضرور سیدنا صدیق اکبر کے خلاف آمادہ ہو کر علی الاعلان آپ کی خلافت کا انکار کرتے اور چھ ماہ کے بعد لوگوں کی بدگمانی دور کرنے کے لیے دوبارہ بیعت نہ فرماتے۔

ان روایتوں سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے ابتدا ہی میں سیدنا ابوبکر صدیق کی بیعت فرمائی تھی اور آپ کا خلیفہ برحق ہونا تسلیم کر لیا تھا آپ نے چھ ماہ بعد بیعت نہ فرمائی بلکہ حضرت فاطمہ کی تیمارداری کی غایت مصروفیت کے سبب لوگوں کے مابین پھیلی ہوئی بدگمانی دور فرمانے کے لیے چھ ماہ کے بعد عام بیعت فرمائی تا کہ لوگوں کے شبہات زائل ہوجائیں۔ (مترجم)

(۱۱)ابن تیمیہ امت کو ہلاکت میں ڈالتا ہے

ابن تیمیہ اچھی طرح جانتا ہے کہ سیدہ فاطمہ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے قطع تعلق فرما لیا، اور آخری دم تک آپ سے کلام نہ کیا جیسا کہ بخاری و مسلم وغیرہ میں ام المومنین عائشہ بنت صدیق اکبر رضی اللہ عنہما کی روایت موجود ہے۔

ابن تیمیہ کو یہ بھی معلوم ہے کہ سیدہ عائشہ نے خود اسی حدیث میں فرمایا: علی فاطمہ کے نقطۂ حیات پر تھے۔

کہ جب فاطمہ کا وصال ہو گیا تو آپ نے لوگوں کے چہرے سے اظہار نفرت محسوس کی، اس لیے ابوبکر سے بیعت و مصالحت کی درخواست کی، ان مہینوں تک آپ نے بیعت نہ کی تھی، ابوبکر کے پاس آپ نے پیغام بھیجا کہ آپ ہمارے پاس تشریف لائیں اور آپ کے ہمراہ آپ کے ساتھ اور کوئی نہ آئے، حضرت عمر کی آمد کی ناپسندید گی میں آپ نے ایسا کہا، حضرت عمر نے ابوبکر سے کہا بخدا آپ تنہا ان کے پاس نہ جائیں، ابوبکر نے فرمایا: میرے ساتھ وہ کچھ بھی نہ کریں گے، بخدا میں ضرور ان کے پاس جاؤں گا، بہر حال ابوبکر آپ کے پاس پہنچے تو علی بن ابو طالب نے فرمایا: اے ابوبکر آپ کی فضیلت اور جو کچھ اللہ نے آپ کو عطا فرمایا مجھے خوب معلوم ہے اور اللہ نے آپ کو جو بھلائی بخشی اس میں ہمیں آپ سے کوئی حسد نہیں، لیکن آپ نے امر خلافت میں ہم پر اپنے آپ کو ترجیح دی جب کہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ ہم بھی اس کے حق دار ہیں اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ سے ہمیں رشتہ و قرابت حاصل ہے، آپ ابوبکر سے برابر گفتگو فرماتے رہے یہاں تک کہ ابوبکر کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں پھر ابوبکر نے فرمایا: قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے رسول ﷺ کی قرابت مجھے اپنی قرابت سے زیادہ محبوب ہے۔ الخ

اور زہری سے باسناد صحیح مروی ہے کہ کسی شخص نے آپ سے کہا: علی نے چھ ماہ تک ابوبکر کی بیعت نہ کی تو زہری نے کہا:

نہیں نہیں بنو ہاشم کے کسی شخص نے آپ کی بیعت اس وقت تک نہ کی جب تک کہ علی نے ان کی بیعت نہ

کی۔

میں کہتا ہوں: ابن تیمیہ کو وہ ساری چیزیں معلوم ہیں جو گزریں اس کے باوجود اپنی کتاب منہاج (۴-۲۵۷،۲۵۸) میں سیدہ فاطمہ اور سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہما کی شان میں طعن وتشنیع کی جیسا کہ اس نے کہا:

''اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالی عنہما ظالم تھے، انھوں نے مال کو اپنے لیے خاص کررکھا تھا، لیکن اس کے باوجود ان کی اطاعت اور ان کے ظلم پر صبر ضروری ہے''۔

اس شخص نے سیدنا علی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہما وغیرہما کی شان میں یہ طعن کیا کہ ان حضرات نے صبر سے کام نہ لیا بلکہ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا، اور جماعت سے الگ تھلگ رہ کر جماعت میں رخنہ اندازی کی، اور یہ بہت بڑی مصیبت ہے اس لیے کہ شیخین رضی اللہ عنہما کی شان میں اس شخص کی یہ تشنیع رافضیوں کی تشنیع سے بھی بڑھ کر ہے۔

میں کہتا ہوں: ابن تیمیہ کو یہ معلوم ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ابوبکر صدّیق سے قطع تعلق فرمالیا تھا اور آخری دم تک کلام نہ فرمایا اور امام علی نے چھ ماہ تک آپ کی بیعت نہ کی جیسا کہ اس پر سیدہ عائشہ اور امام زہری وغیرہما کا قول نص صریح ہے، جیسا کہ خود اس نے اپنی کتاب منہاج (۸-۳۳۳،۳۳۴) میں اسی حدیث سے استدلال کیا ہے، جب ابن تیمیہ کو یہ سارے حقائق معلوم ہیں تو اس اسلوب کا کیا معنی ہے؟ اور اس کے پس پردہ اس کا کیا مقصود ہے؟ وہ صراحۃ کیا کہنا چاہتا ہے اور نہیں کہہ پا رہا ہے؟

اس پیچیدہ اسلوب کا سنگین اور خطرناک پہلو یہ ہے کہ وہ جاہل اور عام طبقہ کے لوگوں میں یہ شعور بیدار کرنا چاہتا ہے کہ جب کوئی عام انسان ابن تیمیہ کی گزشتہ عبارت مطالعہ کرے تو یہ کہنے کی جرأت وجسارت کرے کہ واقعی سیدہ فاطمہ اور حضرت علی کا حال ویسا ہی ہے جیسا کہ ابن تیمیہ نے کہا کہ: ''انھوں نے صبر سے کام نہ لیا بلکہ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا، اور جماعت سے الگ تھلگ رہ کر جماعت میں رخنہ اندازی کی'' اس لیے کہ فاطمہ نے دنیا سے کوچ فرمایا اور ابوبکر سے آپ کا قطع تعلق برقرار رہا، اور علی نے چھ ماہ تک ابوبکر کی بیعت نہ کی، یہ بہت بڑی مصیبت ہے۔

اسی ابن تیمیہ نے کہا: ''فاطمہ اور علی وغیرہ کے بارے میں عیب وطعن کی بہت سی باتیں ہیں ان میں سے بعض تو گناہ ہیں اس لیے یہ حضرات معصوم نہیں، بلکہ یہ لوگ اولیاء اللہ اور جنتی ہوتے ہوئے گنہگار ہیں، اللہ عز وجل ان کے گناہ بخش دے گا'' اس کلام سے ابن تیمیہ کا مقصود عوام میں بے چینی اور بدامنی پیدا کرنا، اور انھیں تباہ و برباد کرنا اور اہل بیت اطہار کی تنقیص شان پر آمادہ کرنا ہے، اس طرح فساد کے ایسے راستے کھل جائیں گے جنھیں بند کرنا بس سے باہر ہوگا جیسا کہ امام قرطبی نے اپنی تفسیر (۲۹۹/۱۶) میں اس طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''بعض لوگ جن کا اعتداد وشمار نہیں اس طرف گئے کہ صحابہ اور غیر صحابہ کا حال برابر اور یکساں ہے اس لیے ان کی عدالت کی تفتیش لازم وضروری ہے بعض لوگوں نے ان کے ابتدائی حالات میں فرق کیا، اور یہ کہا: کہ وہ لوگ شروع میں عادل تھے بعد میں ان کے حالات بدل گئے، ان کے درمیان جنگیں ہوئیں، اور خونریزیاں دیکھنے میں آئیں اس لیے تفتیش وتحقیق از بس لازم وضروری ہے''۔

افسوس کا مقام یہ ہے کہ بہت سے عوام اس بلا میں گرفتار ہیں اور اس وقت سب سے اہم چیز یہ ہے کہ کیا اس توہین آمیز اسلوب سے خدائے رحمٰن کی رضا وخوشنودی حاصل ہوگی یا شیطان لعین کی؟ ابن تیمیہ کی خرافات آمیز بحثوں میں امعان فکر اور تعمق نظر کی ضرورت ہے۔

(۱۲)ابن تیمیہ منافقوں اور زندیقوں کا دل ٹھنڈا کر رہا ہے۔

اس نے ایسی فکر پیش کی، اور ایسے کلام کی جرأت کی جو کسی منافق نے نہ کی، وہ جرأت وجسارت یہ ہے کہ شہزادیٔ رسول ﷺ میں عیب وطعن کی بہت سی باتیں ہیں۔

ابن تیمیہ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سے فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے قطع تعلق پر تبصرہ کیا، اور عوام کو ایسی دعوت فکر دی جس میں انہیں پڑنا جائز نہیں، اس کی کتاب منہاج (۴-۲۴۳،۲۴۴) کے حوالہ سے ابھی گزرا کہ اس نے کہا:

''ہمیں بخوبی معلوم ہے کہ فاطمہ، اور ان کے علاوہ صحابۂ کرام کے بارے میں عیب وطعن کی بہت سی باتیں منقول ہیں'':

۱۔ان میں سے ایک تو ان کا جھوٹ ہے۔۲۔بعض کے متعلق تاویل کی جاتی ہے۔۳۔بعض جرم اور گناہ ہیں اس لیے یہ لوگ معصوم نہیں، بلکہ اولیاء اللہ اور جنتی ہوتے ہوئے ایسے گناہ گار ہیں جن کے گناہ اللہ بخش دے گا''۔

میں کہتا ہوں:

(۱) میں نہیں جانتا شہزادیٔ رسول ﷺ کے بارے میں کون سے کثیر عیب وطعن منقول ہیں، چاہے کذب ودروغ ہو، یا جس کی تاویل کی جاتی ہو، یا جرم وگناہ ہو، کس بدکار نا فرجام نے انہیں ذکر کیا۔

کیا ابن تیمیہ کا یہ اعتقاد نہیں کہ اللہ عزوجل اپنے نبی پاک ﷺ کی آپ کی شہزادی کے معاملہ میں ستر پوشی فرما رہا ہے اس لیے آپ کسی عیب وطعن میں گرفتار نہ ہوں گی۔

بر بنائے مذہب ابن تیمیہ مجھے بتایا جائے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی طرف منسوب عیب وطعن کے بارے میں اللہ تعالی آپ سے کیا معاملہ فرمائے گا؟

ابن تیمیہ کی شہادت ضرور لکھی جائے گی، اور خدائے قادر وقہار عزیز وجبار اس سے ضرور ضرور سوال

فرمائے گا۔

(۲) میں نہیں جانتا کہ ابن تیمیہ اپنے اس گزشتہ کلمہ "نحن" (ہم) سے کیا مراد لے رہا ہے، کیا قاری کو کچھ خبر ہے کہ "القادح" کا معنی ومفہوم کیا ہے؟

ابن منظور نے لسان العرب (۵۵۵/۲) میں کہا: القدح اور القادح کا معنی کھانے والا کیڑا جو درختوں اور دانتوں میں لگ جاتا ہے، اور القادح کا معنی گوشت کا بدبودار ہونا، یا بدبودار کرنا، یہ دونوں صفت غالبہ ہیں اور القادحة: وہ کیڑا جو دانت اور درخت کو کھائے بولا جاتا ہے: **قد أسرعت في أسنانه القوادح** کیڑوں نے بڑی تیزی سے اس کے دانت کھا لیے۔ الخ

اور صاحب المصباح المنیر (۴۹۱/۲) نے کہا: **قدح فلان في فلان قدحا،** باب فتح سے ہے جس کا معنی یہ ہے کہ فلاں نے فلاں کو عیب لگایا، اور اس کی تنقیص کی، اور اسی سے ہے: "**قدح في نسبه وعدالته**" یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کسی کے نسب وعدالت میں عیب وطعن کیا جائے اور اس کی تنقیص کی جائے اور ایسی چیز ذکر کی جائے جس کا اثر انقطاع نسب اور انکار شہادت پر پڑے۔

(۳) ذرا غور فرمائیں جب خالد بن ولید اور عمار بن یاسر میں تھوڑی سی مشاجرت (رنجش) ہوگئی تو خالد بن ولید سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**من ينتقص عمارا ينتقصه الله**" "جو عمار کی تنقیص کرے گا اللہ اس کی تنقیص فرمائے گا" تو اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جو جگر گوشۂ رسول ﷺ کی تنقیص شان کرے؟

(۴) بر بنائے مذہب ابن تیمیہ جب خاتون جنت شہزادی رسول ﷺ کے بارے میں عیب وطعن کی بہت سی باتیں منقول ہیں تو امت کی باقی خواتین اسلام کا کیا حال ہوگا۔

(۵) جب ابن تیمیہ خاتون جنت رضی اللہ تعالی عنہا کے بارے میں اس طرح بکواس کر رہا ہے تو حاکم بامر اللہ بن کر بقیہ اولیا، اور صالحین کی شان میں نہ جانے کیسی گستاخی اور زبان درازی کرے گا، اور نہ جانے

کیا حکم لگائے گا۔

ابن تیمیہ کا طرز واسلوب مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت طشت از بام ہوجاتی ہے کہ طعن وتشدد کرنے والے بدمذہبوں کا رشتہ محبت اس سے کیوں ہے؟

(۶) شاید ابن تیمیہ کے متبعین کو امام احمد کا یہ قول معلوم نہیں جسے خلال نے السنۃ (۲/۷۷ ۴) میں ذکر فرمایا:

''امام احمد بن حنبل نے فرمایا: جو رسول اللہ ﷺ کے کسی صحابی کی تنقیص شان کرے گا وہ بلا میں گرفتار رہے گا، اور اس کا انجام وحشر برا ہوگا جب اللہ کے رسول ﷺ کے اصحاب کا قصد وارادہ کیا جائے جو تمام انسانوں سے افضل وبرتر ہیں تو وہ تمہیں (دوسروں کی بہ نسبت) کافی ہیں''۔

خلال کی السنۃ (۳/۵۱۱، ۵۱۲) میں ہے کہ امام احمد سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس کا یہ خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کے فروگذاشت میں اس کے لیے کلام کرنا مباح ہے تو آپ نے فرمایا:

''یہ ایک بری اور گھٹیا بات ہے ایسے لوگوں سے لوگوں کو اجتناب کرنا چاہئے، ان کے ساتھ نشست وبرخاست ختم کردینا چاہئے، اور لوگوں پر ان کا معاملہ واضح کردینا چاہئے۔

اور خلال نے السنۃ (۲/۴۴۸) میں یہ بھی ذکر کیا کہ کسی شخص نے آپ سے پوچھا: اے ابوعبداللہ! میرا ایک ماموں امیر معاویہ کی تنقیص شان کرتا ہے تو ابوعبداللہ (امام احمد بن حنبل) نے فورا فرمایا: اس کے ساتھ کھانا پینا نہ رکھو۔

(۷) امام احمد بن حنبل کے پیش کردہ اقوال کی روشنی میں ہمارا سوال یہ ہے:

جو شخص سیدہ فاطمہ کی شان میں عیب اور طعن وتشنیع کی باتیں ثابت کرے، اور یہ کہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے بارے میں بہت سی طعن وتشنیع کی باتیں منقول ہیں۔

الف۔ آپ سے جھوٹ صادر ہوا۔

ب۔ اور بعض طعن وتشنیع کی باتوں میں تاویل کی جاتی ہے۔

ج۔ اور بعض گناہ اور جرم بھی آپ سے سرزد ہوئے اس لیے آپ معصوم نہیں، ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ آپ معصوم نہیں یہ ایسا کلمہ حق ہے جس سے ایک باطل کا قصد وارادہ ہے، ایسے دلیر وبے باک شخص کا کیا حکم ہے؟ برائے کرم ہمیں افادہ فرمائیں اللہ عزوجل آپ کو افادہ فرمائے۔

(۸) اگر کوئی شخص یہ جاننا چاہے کہ ابن تیمیہ کے متبعین کس قدر تباہ وبرباد ہیں تو اسے اس کے ریزہ خواروں سے یہ کہنا چاہئے کہ ابن تیمیہ کے بقول: ''سیدہ فاطمہ کے متعلق عیب وطعن کی بہت سی باتیں منقول ہیں''۔

الف۔ آپ سے جھوٹ صادر ہوا

ب۔ بعض عیب وطعن کی باتوں میں تاویل کی جاتی ہے

ج۔ ان میں بعض جرم اور گناہ ہیں۔

یہ کہنے کے بعد ان کا ردعمل ملاحظہ کرنا چاہئے اور تھوڑی دیر کے بعد پھر ان سے یہ کہنا چاہئے کہ ابن تیمیہ کے بارے میں عیب وطعن کی بہت ساری باتیں منقول ہیں، اس میں سے بہت سی بلائیں، بدعتیں، خامیاں اور برائیاں ہیں۔

الف۔ ان میں سے بعض تو جھوٹ ہیں،

ب۔ اور بعض میں تاویل کی جاتی ہے،

ج۔ اور بعض جرائم وحقائق ہیں اس سے لغزش وخطا ہوئی اور فتنہ وفساد اور گستاخی وگمراہی ظاہر ہوئی، کیا اللہ تعالی اسے بخش سکتا ہے؟۔

اس کے بعد اس کے ان ریزہ خواروں کا ردعمل اور شدت غیظ وغضب اور چہرہ کا جغرافیہ دیکھا جائے، فوراً علما کے احترام پر مشتمل وافر آیات واحادیث پیش کریں گے، ان لوگوں کا عجب حال ہے رسول اللہ ﷺ اور آپ

کے اہل بیت اطہار،اوراصحاب کرام کی شان میں اس کی ساری گستاخیاں،زبان درازیاں، بیباکیاں اور بے ادبیاں بالکلیہ بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔

ایسی صورت حال میں انسان کوراہ نجات اختیار کرنا،استقامت پر مضبوطی سے قائم رہنا،اورمعاندین کی ریشہ دوانیوں سے دور رہنا ازبس ضروری ولازم ہو جاتا ہے۔

و صل اللهم على سيدنا محمد و على آل بيته الطاهرين

اے اللہ! ہمارے سردار محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت اطہار پر صلاۃ وسلام نازل فرما۔

(۱۳)ابن تیمیہ نے سیدنا ابوبکر صدیق سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہما کی خفگی و ناراضی کو منافقین کی ناراضی و خفگی سے تشبیہ دی ہے۔

ابن تیمیہ نے جی بھر کر سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی شان میں طعن وتشنیع کی، اوران طعن وتشنیع کے کلمات سے منافقوں اور گمراہوں کا سینہ خوب ٹھنڈا کیا، اور یہ کہا کہ آپ نے صبر کو بالائے طاق رکھ دیا اور مسلمانوں کی جماعت میں رخنہ اندازی کی۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے غصہ وغضب پر دل کھول کر تبصرے کیے اور رافضی کا کلام رد کرتے ہوئے اپنی کتاب منہاج (۲۴۶/۴) میں کہا:

> ''ہر عاقل جانتا ہے کہ جب عورت (ہم اہل سنت و جماعت کہتے ہیں اے جگر گوشۂ رسول ﷺ آپ کا حامی ونگہبان اللہ ہے، ذرا ابن تیمیہ کا ادب اوراس کے الفاظ دیکھیے) کسی حاکم سے کوئی مال طلب کرے اور وہ اسے اس لیے نہ دے کہ وہ اس کی نظر میں اس مال کی مستحق ہی نہیں، اس حاکم نے وہ مال خود بھی نہ لیا، اوراپنے خویش واقارب کو بھی نہ دیا، بلکہ تمام مسلمانوں کو دیا، اور یہ کہا جاتا ہے کہ طالب کو حاکم پر جب غصہ آتا ہے تو اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ اس لیے اس پر غصہ ہوتا ہے کہ اس نے اسے مال نہ دیا اور حاکم نے اس سے یہ کہا کہ وہ تمہارا حق نہیں، بلکہ دوسرے کا حق ہے، تو کیا اس غصہ میں طالب کی تعریف ہوگی، اگر وہ مظلوم محض ہے تو محض طلب دنیا کے لیے''۔

ہم کہتے ہیں: اے جگر گوشۂ رسول ﷺ آپ کا محافظ وپاسبان اللہ عزوجل ہے ابن تیمیہ کی نظر میں تو آپ محض مظلوم ہیں، اور آپ کا غصہ وغضب خالص طلب دنیا کے لیے ہے۔ اے جگر گوشۂ رسول ﷺ آپ کا کیا معاملہ ہے کہ آپ ابن تیمیہ کے نزدیک......

''اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ اس حاکم پر تہمت جو اپنے لیے کچھ نہ لے، اس طالب کی تہمت سے بعید تر ہے جو طالب اپنے لیے کچھ لے رہا ہے، ایسا کیسے ہو سکتا ہے جو اپنے لیے مال نہ مانگے اس پر تہمت لگائی جائے، اور جو اپنے لیے مال مانگے اسے تہمت سے پاک اور بری کر دیا جائے، حاکم تو یہ کہہ رہا ہے کہ میں اللہ کے لیے روک رہا ہوں اس لیے کہ میرے لیے یہ حلال نہیں کہ میں مستحق کا حق اسے نہ دے کر غیر مستحق کو دے دوں، اور طالب صرف یہ کہہ رہا ہے مجھے صرف اس لیے غصہ آ رہا ہے کہ اس مال میں تھوڑا حصہ ہمارا بھی ہے''۔

ہم کہتے ہیں: شہزادی رسول سیدہ فاطمہ اپنے وصال تک ابوبکر صدیق سے نار[1]اض رہیں، ابن تیمیہ کو بخاری و مسلم کی حدیث کا اعتراف بھی ہے دراصل آپ کی ناراضی کا سبب یہ اختلاف تھا کہ آپ اپنے والد ﷺ کی وارث ہیں، تو کیا سیدہ فاطمہ کی شان میں ایسی باتیں کرنے والا اور انہیں آپ کے مناقب میں شمار کرنے والا جاہل انسان نہیں؟ کیا اللہ عزوجل نے منافقوں کی مذمت میں یہ ارشاد نہ فرمایا:

﴿وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ إِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ٥ وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَآ اٰتَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُوْلُهُ إِنَّآ إِلَى اللّٰهِ رَاغِبُوْنَ﴾ [التوبہ-۹: ۵۹]

ترجمہ:۔ ان میں کوئی وہ ہے کہ صدقہ بانٹنے میں تم پر طعن کرتا ہے تو اگر ان میں سے کچھ ملے تو راضی ہو جائیں اور نہ ملے تو بھی وہ ناراض ہیں۔ اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ اور رسول نے ان کو دیا اور کہتے ہمیں اللہ کافی ہے۔ اب دیتا ہے ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اللہ کا رسول۔ ہمیں اللہ ہی کی طرف رغبت ہے۔

ہم کہتے ہیں: اے جگر گوشہ رسول ﷺ آپ کا حامی و نگہبان، اور حافظ و پاسبان اللہ ہے، کیا ابن تیمیہ

(۱) ہم گزشتہ اوراق میں تحقیق و تفصیل کے ساتھ یہ واضح کر چکے کہ شہزادی رسول سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کا دم وصال تک اصدق الصادقین، سید المتقین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سے ناراض رہنا سخت محل نظر ہے۔ (مترجم)

کے نزدیک آپ کا مقام ومرتبہ اور آپ کی شان یہی ہے؟ سیدنا ابوبکر صدیق سے آپ کی کے معاملہ میں آپ کو کیسی چیزوں سے تشبیہ دے رہا ہے

''اللہ عزوجل نے اس آیت میں ایک ایسی قوم کا ذکر فرمایا جو پانے پر خوش رہتی ہے، اور نہ ملنے پر ناراض وخفا رہتی ہے اللہ نے اس پر ان کی مذمت فرمائی''۔

ہم کہتے ہیں: ابن تیمیہ کو خوب معلوم ہے کہ سیدہ فاطمہ غصہ وناراض ہیں۔

آخر کس نے فاطمہ کی اس پر تعریف کی جس میں ان منافقین سے انہیں مشابہت حاصل ہے کیا یہ فاطمہ کے بارے میں عیب وطعن نہیں؟۔

ہم کہتے ہیں: اے جگر گوشہ رسول ﷺ آپ کا اللہ ہے، بخدا صرف آپ کے بیٹے حسین ہی شہید نہیں بلکہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا بھی ابن تیمیہ کے سنان قلم سے سالم ومحفوظ نہیں۔

ہم کہتے ہیں: بخدا ہمیں نہیں معلوم کہ ابن تیمیہ اپنی ان عظیم گستاخیوں کے باوجود آپ کو کیوں رضی اللہ تعالی عنہا کہہ رہا ہے، یہ تقیہ کے سوا کچھ نہیں۔

''فاطمہ نے نبی ﷺ سے مال طلب کیا تو آپ نے انہیں نہ دیا جیسا کہ صحیحین میں علی رضی اللہ تعالی عنہ سے ''حدیث الخادم'' (خادمہ طلب کرنے کی حدیث) میں یہ مذکور ہے کہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور آپ کی بارگاہ میں ایک خادم کی درخواست پیش کی تو آپ نے انہیں خادمہ نہ دیا، اور تسبیح سکھائی''۔

ابن تیمیہ کی بات ختم ہوئی۔

ابن تیمیہ کی ان گستاخانہ عبارتوں کے درمیان کہیں کہیں ہمارے جملہ معترضہ آ گئے ہیں در اصل وہ ہمارے غم واندوہ کے کلمات ہیں، نہ کہ تعلیق وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

وصلی اللہ علی سیدنا محمد وبضعتہ الشریفة وجمیع أهل بیتہ وسلم تسلیما کثیرا وأخزی اللہ من جرحهم ومن اٰذاهم ومن تطاول علیهم.

ترجمہ:۔اللہ عزوجل ہمارے سردار محمد اور آپ کی جگر گوشہ اور آپ کے تمام اہل بیت پر خوب خوب صلاۃ وسلام نازل فرمائے اور آپ کی شان میں طعن وتشنیع اور زبان درازی، اور آپ کی ایذا رسانی کرنے والوں کو ذلیل وخوار کرے۔

(۱۴) کیا کسی مومن کے لیے یہ روا ہے کہ سیدہ فاطمہ یا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شان میں جہالت کی تہمت لگائے؟

ابن تیمیہ نے ذکر کیا کہ امام علی رضی اللہ تعالی عنہ نے فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی تدفین رات میں فرمائی، اور شیخین کریمین ابوبکر وعمر کو اس وجہ سے خبر نہ دی کہ سیدہ فاطمہ نے ابوبکر صدیق سے قطع تعلق کرلیا تھا یہ ذکر کرنے کے بعد کہا:

''اس کی حکایت اور اس سے استدلال صرف جاہل انسان ہی کرے گا''

تدفین کا یہ کام صرف نبی کریم ﷺ کے آل بیت علی، آپ کے بھائی عقیل، عباس، آپ کے بیٹے عبداللہ اور فضل رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین نے سرانجام دیا۔

ابھی ہم ایک تحقیقی جائزہ پیش کریں گے کہ ابن تیمیہ کی یہ بہت بڑی گستاخی اور دریدہ ذہنی ہے، اور یہ شخص اہل بیت کی عداوت وگستاخی میں تنہا نہیں رہنا چاہتا، بلکہ صحابہ کے درمیان پیدا شدہ امور میں جہلا اور عوام کی کثیر تعداد کو بھی شامل کرنا چاہتا ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسی چیزوں میں غور وخوض سے منع فرمایا جیسا کہ اہل سنت وجماعت کے علمائے سلف وخلف نے اس پر روشنی ڈالی ہے۔

ابن تیمیہ اپنے دجل وفریب اور مکر وچالبازی کے ذریعہ اپنے تلامذہ اور عام قارئین کو سیدہ فاطمہ یا سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہما یا دونوں کی تجہیل میں شریک کرنا چاہتا ہے۔

لاحول ولاقوة إلابالله العظيم پڑھیے، اور ابن تیمیہ کی منہاج (۲۴۷/۴، ۲۴۸) میں لکھے ہوئے ان سطور کا بنظر غائر مطالعہ کیجیے:

''اور اسی طرح یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ سیدہ فاطمہ نے وصیت فرمائی تھی کہ رات میں ان کی تدفین کی جائے، اور ان لوگوں میں سے کوئی ان کی نماز جنازہ نہ پڑھے۔ فاطمہ کے متعلق اس کی

حکایت اوراس سے استدلال جاہل انسان ہی کرے گا جو فاطمہ کی شان میں نازیبا راہیں کھولنا چاہتا ہے، اگر یہ صحیح بھی ہوتو سعی مشکور کی بہ نسبت جرم بخشیدہ زیادہ بہتر ہے، کیوں کہ مسلمان کا دوسرے کی نماز جنازہ پڑھنا ایک مزید کار خیر ہے جس کا اجر وثواب اسے ملتا ہے اور افضل الخلق کا اس سے کچھ نہیں بگڑتا کہ بدتر مخلوق اس کی نماز جنازہ پڑھے''۔

تعقبات

(۱) ابھی گذر چکا کہ فاطمہ کے متعلق مذکورہ واقعہ ایک ثابت شدہ تاریخی حقیقت ہے جس کا خود ابن تیمیہ کو بھی اقرار ہے، کیوں کہ اس نے کہا: ''سیدہ فاطمہ کی تدفین رات میں ہوئی تا کہ ابوبکر کو اس کا علم نہ ہوا ایسا اس وجہ سے ہوا کہ سیدہ فاطمہ
کا آخری دم تک ابوبکر سے قطع تعلق رہا'' اس ثابت شدہ تاریخی حقیقت کا انکار کرنے والا ابن تیمیہ کے نزدیک جب جاہل ہے تو ان حضرات کے بارے میں کیا خیال ہے جنھوں نے خود یہ کام کیا، اور اس کی وصیت فرمائی، یہی بیت القصید ہے کیوں کہ سیدہ فاطمہ یا حضرت علی یا دونوں نے یہ چاہا کہ ابوبکر علی کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور انہیں بالکل اس کا علم نہ ہو۔
ابن تیمیہ کو یقین سے یہ معلوم ہے کہ جگر گوشۂ رسول ﷺ نے جب داعی اجل کو لبیک کہا تو حضرت علی نے رات میں پوشیدہ طریقہ پر آپ کی تدفین فرمائی، آپ نے اہل بیت کے صرف مخصوص افراد ہی کو خبر دی جو تقریباً پانچ تھے عباس نبی پاک کے چچا، اور آپ کے دونوں بیٹے عبداللہ اور فضل اور عقیل۔
علی زین العابدین نے کہا: ''میں نے ابن عباس سے پوچھا آپ حضرات نے فاطمہ کی تدفین کب فرمائی؟'' تو فرمایا: ''رات کے سناٹے میں آپ کو دفن کیا گیا، اور آپ کی قبر پوشیدہ رکھی گئی، اسی لیے مورخین اور سیرت نگاروں نے یہ ذکر کرنے کی کوشش کی کہ سیدہ فاطمہ کی قبر کہاں ہے جب کہ نبی پاک ﷺ کی دیگر اولاد اور آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبریں معروف ومشہور ہیں، اور اسی طرح کبار صحابہ کی قبریں کہ یہ حضرات جنت البقیع میں آرام فرما ہیں، ان روشن حقائق کا یقینی علم رکھتے

ہوئے اسلوب میں پیچیدگی کیوں؟''

اس مقام پر ابن تیمیہ کا کوئی ریزہ خوار اس کی حمایت میں یہ کہہ سکتا ہے کہ ممکن ہے ابن تیمیہ کو اس تاریخی حقیقت کا علم نہ رہا ہو، یا بھول گیا ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ بخاری (۱۵۴۹/۴) و مسلم (۱۳۸۰/۳) وغیرہما کی اس روایت کو نہ بھولا ہے، اور نہ ہی اس سے غافل ہے جو سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی ہے کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کی میراث کے اختلافی مسئلہ کے بارے میں فرمایا: ''فاطمہ اس معاملہ میں ابوبکر سے ناراض ہوئیں تو ان سے قطع تعلق کر لیا، اور آخری دم تک آپ سے بات چیت نہ کی یہاں تک کہ فاطمہ کا وصال بھی ہو گیا، آپ نبی پاک ﷺ کے بعد چھ ماہ زندہ رہیں، جب آپ کا وصال ہوا تو آپ کے شوہر علی نے آپ کو رات میں سپرد خاک فرمایا، اور ابوبکر کو اس کی اطلاع نہ دی، خود حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی''۔

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۸-۳۳۳، ۳۳۴) میں ایک دوسرے مقام پر اسی حدیث مذکور سے استدلال بھی کیا جس سے صاف ظاہر و باہر ہے کہ اسے اس روشن واقعہ کا علم ہے، وہ اس سے غافل نہیں۔

(۲) ابن تیمیہ کا اسلوب یہ ہے کہ وہ انکار کر کے سابقہ الفاظ سے گستاخی و بے ادبی کرتا ہے، اور بغیر محاسبہ کیے خطا کار اور قصور وار ٹھہراتا ہے، پھر پلٹ کر اپنے انکار کردہ کو ثابت بھی کرتا ہے جیسا کہ گذر چکا کہ جس کا انکار کیا ہے خود اسی کو اپنی کتاب منہاج (۳۳۳/۸-۳۳۴) میں ثابت بھی کیا ہے، تو کیا یہ خبط الحواس شیخ الاسلام ہے؟ اے اللہ! یہ صرف اپنے اصحاب، اور ان لوگوں کا شیخ الاسلام ہے جن پر اس کا حال روشن نہیں، اور اس کے بارے میں اس لیے حسن ظن رکھتے ہیں کہ قدیم علمی خاندان سے اس کا رشتہ ہے۔

(۳) ابن تیمیہ کا قول مذکور: ''اگر یہ واقعہ صحیح بھی ہو تو سعی مشکور کی بہ نسبت جرم بخشیدہ زیادہ بہتر ہے'' یہ مضحکہ خیز اور خندہ انگیز ہے اس لیے کہ اس نے آٹھویں صدی ہجری میں اچانک تحدید و بشارت کا کام شروع

کردیا:

الف۔ علی اور فاطمہ اور نبی پاک کے چچا عباس اور عبداللہ اور فضل اور عقیل رضی اللہ تعالی عنہم کے گناہوں کی تحدید کررہا ہے۔

ب۔ اہل دنیا وآخرت کے سرداروں کو یہ بشارت وخوش خبری دے رہا ہے کہ ان کا گناہ بخش دیا جائے گا تو اہل بیت کو ابن تیمیہ کی اس بشارت پر خوش ہونا چاہئے۔ ماشاء اللہ کوئی عجب نہیں کہ ابن تیمیہ کی اندھی تقلید کرنے والے اس کی یہ بوکھلاہٹ دیکھ کر یہ سمجھ بیٹھیں کہ ابن تیمیہ اس کے باوجود اللہ کی جانب سے مبعوث ہوا ہے۔

ابن تیمیہ کے تلمیذ ابن عبدالہادی کو دیکھیے اس نے اپنی کتاب ''العقو دالدریۃ'' میں جب ابن تیمیہ کے متبعین کی تعریف وتوصیف ذکر کی تو اس نے اس سے بھی زیادہ عجیب وغریب بات کہی جو انسان کے خیال میں آتی ہے، یہ سادہ لوح اہل بیت کے جن فضائل وخصائص کا انکار کرتے ،اور یہ کہتے ہیں کہ یہ اہل بیت کی شان میں مبالغہ آرائی ہے جب ان کے پیشوا ابن تیمیہ کی بات آتی ہے تو اسے اہل بیت کے انہیں فضائل وخصائص کا مصداق بناتے ہیں۔

ابن تیمیہ کے ایک نیاز بردار نے کہا جیسا کہ ابن عبدالہادی نے العقو دالدریۃ (۱-۳۲۴،۳۲۵) میں نقل کیا: ''اللہ اس (ابن تیمیہ) کے ذریعہ دلوں کے تالے (بندشیں) کھولے، اورعقلوں سے شبہات کی تاریکیاں اور حیرت انگیز گمراہیاں زائل فرمائے، کیوں کہ عقل ان فرقوں کے درمیان حیرت واستعجاب میں ہے، اسے دین رسول کی حقیقت کا صحیح سراغ نہیں مل رہا ہے۔ ہم کہتے ہیں: ہر شخص دعوی کرتا ہے کہ وہ دین رسول پر قائم ہے، یہاں تک کہ اللہ نے اس شخص کے وسیلہ سے اپنے اس دین کی حقیقت روشن فرمادی جسے آسمان سے اتارا اور اپنے بندوں کے لیے پسند فرمایا''۔

پھر اس کے تھوڑے بعد کہا:

اور اللہ نے اس نور محمدی (ابن تیمیہ کے نور) کے ذریعہ بندوں کی گمراہیوں اور بے اعتدالیوں کو واشگاف

فرمایا،تو تم یہ جاننے لگے کہ کون صراط مستقیم پر قائم ہے،اور کون برگشتہ راہ ہے،کس کا مذہب صحیح،اور کس کا فاسد ہے''

ابن عبدالہادی نے العقود الدریۃ (۱/۳۲۸) میں اس کے بعض متبعین کا یہ کلام نقل کیا:

''ہمارے اس زمانہ میں اس شخص کے سوا اور کوئی نظر نہیں آتا جس کے اقوال وافعال سے نبوت محمدی اور اس کی سنت روشن ہو''۔

اور اسی شخص نے اس کے تھوڑا بعد کہا: اس کے دل کی حفاظت کرو، کیوں کہ ایسی شخصیتیں کبھی ملکوت السماء میں عظیم دعوے کرتی ہیں۔الخ

میں کہتا ہوں: اس آخری جملہ ''ملکوت السماء میں عظیم دعوے کرتی ہیں'' پر غور کیجئے اور فیصلہ کیجئے کہ کس کا اسلوب ہے؟

میں کہتا ہوں: کاش ابن تیمیہ کے ریزہ خوار اس کا خطبہ پڑھنے اور گن گانے کے بجائے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل بیت اور صالحین عظام کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان رہتے،مگر یہ سعادت انھیں کہاں نصیب، ان کے نزدیک تو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل بیت کی تعریف وتوصیف اور ادب برآری شرک وبدعت،اور ابن تیمیہ کی مدح خوانی سنت ہے۔**فلاحول ولاقوۃ إلاباللہ العلي العظیم**

وصل اللهم على سيدنا محمد الذي قال لبضعته الشريفة فيما أسره لها ''أنتِ أسرع أهلي لحوقابي'' وسلم تسليما كثيرًا

(۱۵)ابن تیمیہ نبی پاک ﷺ کی شان گھٹانے کے لیے یہ دعوی کرتا ہے

کہ نبی پاک کی ازواج مطہرات کا اجر عظیم اس وجہ سے نہیں کہ آپ نے انہیں اپنے حبالۂ عقد میں لیا، اوراپنی زوجیت سے مشرف فرمایا، بلکہ یہ ان کے تقوی کی بدولت ہے۔

نبی پاک ﷺ کی عظیم نسبت، اور آپ کی قرابت ومصاہرت کو گھٹانے کے لیے ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۲۱۶/۸) میں کہا:

> ''اسی تقوی کی بدولت نبی پاک کی ازواج کو اجر عظیم حاصل ہوا اس لیے کہ انھوں نے اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت کی اوراعمال صالحہ کیے، یہ اجر صرف مصاہرت ونکاح کے سبب نہیں، بلکہ کمال اطاعت کی بدولت ہے جیسا کہ اگر وہ کوئی کھلا ہوا برا کام کرتیں تو قبح معصیت کے سبب ان کا عذاب بھی دونا دون ہوتا''۔

میں کہتا ہوں: ابن تیمیہ نے ایسی بات کہی کہ اس سے پہلے کسی مسلمان نے نہ کہی۔ کیا ابن تیمیہ کو خبر نہیں کہ مسلمان نماز فرض کے اندر تشہد میں نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی ازواج مطہرات پر ۵/ بار درود بھیجتے ہیں نوافل وسنن مزید براں ہیں، اس وقت مسلمانوں کی تعداد کروڑوں کے قریب ہے تو ایک دن میں آپ کی ازواج پر ۵/کروڑ درود بھیجا جاتا ہے، ذرا دیکھیں ان ازواج پر کس قدر درودوں کی ڈالیاں نچھاور کی جارہی ہیں، درودوں کا یہ حسین سلسلہ اس وقت تک قائم رہے گا جب تک کہ زمین قائم رہے گی، اوراس پر اللہ کی وراثت باقی رہے گی۔ یہ شرف ان ازواج کو کہاں سے ملا صرف اور صرف حضور اقدس کی شرف زوجیت ہی کا صدقہ ہے۔

بخاری (۱۲۳۲/۳) اور مسلم (۳۰۶/۱) میں ہے کہ ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالی عنہ نے عرض کی یارسول اللہ! ہم آپ پر کیسے درود بھیجیں تو فرمایا: ''**اللھم صل علی محمدوأزواجه وذريته كما صليت على آل إبراهيم، وبارک**

علی محمد وأزواجه وذريته كما باركت على آل إبراهيم، إنك حميد مجيد" درود کے لیے چاہیں تو اسی مذکورہ صیغہ کا استعمال کریں یا یہ پڑھیں: "**اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم إلى آخره**"، آپ کی ازواج طاہرات اس درود میں داخل ہیں۔

ذرا صحابہ کرام کے وفور عشق ومحبت، کمال شوق ووارفتگی اور دین کی شیفتگی ملاحظہ کیجئے انھوں نے غزوۂ بنو مصطلق کے سارے قیدیوں کو آزاد کر دیا اور یہ کہا: یہ قیدی صحابہ رسول اللہ ﷺ کے قرابت دار ہیں، یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ نبی پاک نے جویریہ بنت الحارث سے عقد نکاح فرمایا(۱)

خلیفۂ ثالث عثمان بن عفان رضی اللہ تعالی عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے رشتہ مصاہرت پر فخر فرمایا اور اسے اپنے مناقب میں شمار کیا۔

بخاری نے اپنی صحیح (۱۴۲۹/۳) میں عروہ ابن زبیر سے روایت کیا کہ عبیداللہ بن عدی بن خیار نے انہیں یہ خبر دی کہ میں عثمان کے پاس پہنچا تو آپ نے تشہد پڑھا پھر کہا:

> "رہا حمد وصلاۃ کے بعد تو اللہ نے محمد ﷺ کو نبی برحق بنا کر بھیجا، اور میں ان لوگوں میں ہوں جنھوں نے اللہ ورسول کی دعوت پر لبیک کہا، اور اس دین پر ایمان لائے جس کے ساتھ محمد ﷺ مبعوث ہوئے، پھر میں نے دو مرتبہ ہجرت کی، اور مجھے رسول اللہ ﷺ کا داماد ہونے کا شرف حاصل ہوا، اور آپ کی بیعت کی سعادت سے بھی بہرہ اندوز ہوا، خدا کی قسم! میں نے آپ کے حکم سے سرتابی نہ کی اور نہ ہی آپ کے ساتھ دھوکہ اور خیانت کی یہاں تک کہ آپ رفیق اعلی سے جا ملے۔

بعض آثار میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "**سألت ربي أن لا أتزوج إلى أحد من**

(۱) غزوۂ بنی مصطلق کے قیدیوں کے واقعہ کی روایت درج ذیل محدثین نے اپنی کتابوں میں روایت کی، امام محمد نے اپنی مسند (۲۷۷/۶)، ابوداؤد نے اپنی سنن، (۲۲/۴) اور ابن حبان نے اپنی صحیح، (۳۶۱/۹)، ابن جارود نے منتقی، (۱۷۶/۱) اور ابن حجر نے درایہ (۴۹۲/۲)۔

أمتي،ولا يتزوج إلى أحد من أمتي إلا كان معي في الجنة فأعطاني ذلك'' ''میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ میں اپنی امت میں سے کسی سے شادی ونکاح نہ کروں اور نہ میری امت میں سے کوئی مجھ سے نکاح کرے مگر وہ میرے ساتھ جنت میں رہے تو اللہ نے مجھے یہ فضیلت وسعادت عطا فرمائی (1)۔

نبی کریم ﷺ کی شان گھٹانے والے مبتدعین کیوں نہیں عبرت حاصل کرتے اور سوچتے کہ اللہ کی بارگاہ سے انہیں کیا ہاتھ آئے گا۔

(۱) اس حدیث ''سألت الله ألّا أتزوج إلى أحد'' کی تخریج حاکم نے ابن ابی اوفی سے کی اور اس کو صحیح کہا (۱۴۸/۳) اور ذہبی نے ان کی موافقت کی اور ہیثمی نے مجمع الزوائد (۱۷/۱۰) میں کہا کہ طبرانی نے اوسط میں اس کو روایت کیا اور اس میں عمار بن سیف ہیں اور ایک جماعت نے ان کو ضعیف کہا اور ابن معین نے ان کی توثیق کی اور ان کے بقیہ رجال ثقہ ہیں۔

(۱۶)ابن تیمیہ نبی پاک ﷺ کی شان گھٹانے کے لیے یہ دعوی کرتا ہے کہ نبی پاک ﷺ کا نسب اور آپ کی قرابت کام نہ آئے گی۔

رسول پاک نے جس زمانہ کے بارے میں یہ بشارت بخشی کہ وہ زمانہ تمام زمانوں سے افضل ہے، اس زمانہ کے لوگ صالحین اور علما کی معرفت سے شرف وبرکت کا اکتساب کرتے، ان کا فیض قرب حاصل کرتے، ان کی دست بوسی کرتے، اوران سے دعا کی خواہش وتمنا کرتے۔ ان کے نزدیک یہ ادب کا کم تر درجہ تھا، یہ حضرات رسول پاک ﷺ اور آپ کے اہل بیت کو تعظیم وتوقیر کی نظر سے دیکھتے، اور جب یہ حضرات حضور کے اہل بیت کی زیارت کو جاتے تو آپ نے اپنے اہل بیت کے لیے جو دعا فرمائی تھی اس دعا سے شرف وبرکت حاصل کرتے، ان حضرات کی خواہش وتمنا یہ ہوتی کہ آپ کے اہل بیت میں سے ہوتے، مسلمانوں کی جماعت رسول پاک کی قرابت اور آپ کے مقدس نسب کی تعظیم کرتی، یہاں تک کہ آٹھویں صدی ہجری میں ابن تیمیہ نکلا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ اور آپ کے اہل بیت اور ابن تیمیہ کے درمیان کسی جرم اور خون کا بدلہ تھا کہ ابن تیمیہ اہل بیت کی کوئی خصوصیت پاتا ہے فوراً اس کا انکار کرتا اور اس پر گونا گوں اعتراض کرتا، یا اس کی تنقیص شان کرتا، یا اس کے معنی میں تحریف کرتا ہے، ان کی شان میں اس کے گستاخانہ کلمات وتعبیرات مزید براں ہیں کسی معاملہ میں اختلاط پاتا تو دل کھول کر خوب بکواس کرتا ہے۔

ابن تیمیہ نے نبی کریم ﷺ کے خصائص وکمالات، اور آپ کے اہل بیت کرام کے فضائل ومناقب کے سلسلے میں خوب بڑھ چڑھ کر موشگافیاں کیں۔

اس وقت ہمارا مطمح نظر یہ واشگاف کرنا ہے کہ ابن تیمیہ کے نزدیک نبی پاک ﷺ، اور آپ کے اہل بیت کرام، اور ازواج مطہرات امہات المومنین، اور آپ کی ذریت اور آپ کے داماد میں سے کسی سے اکتساب برکت کا نہ کوئی فائدہ ہے نہ نفع، جب کہ نبی پاک ﷺ اور آپ کے اہل بیت اور ذریت پر مسلمان فرض ونفل

نمازوں کے اندر تشہد میں درود بھیجتے ہیں، اور قیامت تک بھیجتے رہیں گے، ان حضرات کی برکت کے باب میں جو آیات واحادیث وارد ہیں ابن تیمیہ ان سے یکسر تجاہل کر رہا ہے۔

ابن تیمیہ نے دقائق التفسیر (۴۸/۲) میں کہا:

''اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت ہی کام آنے والی ہے، اس کے سوا اور کوئی چیز کام نہ آئے گی، نہ قرابت اور نہ قرب ومجاورت وغیرہ جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ''اے فاطمہ بنت محمد! میں تمہیں اللہ سے کچھ نفع نہ دے سکوں گا، اے صفیہ: رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی! میں اللہ سے تمہیں کچھ فائدہ نہ پہنچا سکوں گا، اے عباس رسول اللہ ﷺ کے چچا! میں اللہ سے تمہاری کچھ بھی کفایت نہ کرسکوں گا''۔

اوراپنی کتاب منہاج (۸۷/۷) میں کہا:

''اسی لیے آپ افضل الخلق ہیں، آپ کے اولیا اصحاب تقوی ہیں، رہے آپ کے اقارب تو ان میں مومن وکافر اور نیک وفاجر لوگ ہیں، اگر ان میں کوئی صاحب فضیلت ہے جیسا کہ علی رضی اللہ تعالی عنہ، جعفر، حسن اور حسین تو ان کی یہ فضیلت ان کے ایمان وتقوی کے سبب ہے، اوراسی لحاظ سے یہ حضرات نبی پاک کے اولیا ہیں، صرف نسب کی بنیاد پر فضیلت نہیں اس لیے کہ آپ کے اولیا کا درجہ آپ کی آل سے عظیم تر ہے''

میں کہتا ہوں:

ذرا ابن تیمیہ کا مغالطہ ملاحظہ کریں اور غور فرمائیں کہ اس کے دل میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل بیت سے کس درجہ کدورت ہے، ہم اس کے رد میں کہتے ہیں:

(۱) اس نے یہ کہا کہ: ''آپ کے اولیا کا درجہ آپ کی آل سے فزوں تر ہے'' مجھے بتایا جائے کیا حضور کی آل اولیا میں سے نہیں ہیں؟ لو مجھ سے سنو سیدہ خدیجہ اپنے عالم کی ساری عورتوں کی سردار، اور سارے عالم کی چار بزرگ ترین عورتوں میں سے ایک ہیں، جگر گوشۂ رسول ﷺ سیدہ فاطمہ تمام جنتی عورتوں کی

سردار ہیں، حسنین کریمین جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں، اوران دونوں کے پدر بزرگوار ان دونوں سے بھی بزرگ ترین ہیں، اہل سنت وجماعت کے نزدیک یہ ساری چیزیں ثابت شدہ ہیں۔

محبوبۂ محبوب رب العالمین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کی تمام عورتوں پرفضیلت ایسی ہے جیسا کہ ثرید کھانے کی فضیلت تمام کھانوں پر، آپ محبوبۂ محبوب رب العالمین ہیں، حضور اقدس کی تمام ازواج طیبات آپ کے ساتھ جنت میں جلوہ آرااور جمال نشیں ہوں گی، آپ کی ذریت پرتمام مسلمان اپنی نمازوں میں درود بھیجتے ہیں۔

بخاری (۱۲۳۲/۳) ومسلم (۳۰۶/۱) میں ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ہم آپ پرکس طرح درود بھیجیں تو رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: یہ پڑھو ''**اللهم صل على محمد وأزواجه وذريته كما صليت على آل إبراهيم وبارك على محمدوأزواجه وذريته كما باركت على آل إبراهيم إنك حميد مجيد**''

لواورسنو نبی پاک ﷺ کے چچا عباس، اورآپ کی اولاد، اورجعفر بن ابوطالب اورآپ کی اولاد، اورنبی پاک ﷺ کے چچا شیر خدا حمزہ کی فضیلت مزید برآں ہے، یہ سارے حضرات نبی پاک کے قرابت دار اورآپ کے پاکیزہ نسب سے ہیں، مجھے بتایا جائے کیا کوئی ایسی دلیل ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ حضرات اللہ عزوجل کے اولیا نہیں۔

(۲) جب نبی کریم ﷺ سے اہل بیت پاک کی قرابت کام آنے والی نہیں تو ہر روز مخلوق کا کروڑ ہا کروڑ درود انہیں کہاں سے حاصل ہورہا ہے؟ یہ صرف اورصرف رسول اللہ ﷺ کی قرابت کا فیض ہے۔

جیسا کہ ہم عرض کرچکے کہ مسلمانوں کی تعداد کروڑ ہا کروڑ ہے، شب وروز پانچ نمازیں فرض ہیں، اورسال میں ۳۶۵ یا ۳۶۶ دن ہوتے ہیں تو ایک سال میں صرف فرض نمازوں کی تعداد ۱۸۲۵۰۰۰۰۰۰۰۰۰ ہے تو ہر روز ہر صدی میں ان فرائض وسنن کا کیا حال ہوگا جن کی تعداد صرف اللہ ہی جانتا ہے۔

تشہد میں یہ درود پڑھا جاتا ہے ''**اللهم صل على محمدوعلى آل محمد كماصليت على**

إبراهيم وعلى آل إبراهيم -إلى آخر هذه الصيغة یا سابقہ صیغہ سے درود بھیجا جائے۔
ارباب عقل ودانش مجھے بتائیں کیا نبی پاک ﷺ کی قرابت کام نہیں آرہی ہے؟ اے اللہ! تو مجھے حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فیض کرم سے محروم ومحجوب نہ فرما اور آپ کے خیر سے ہمارا رشتہ وتعلق منقطع نہ فرما۔

(۳) ابن تیمیہ جس نے امام احمد کے مذہب کے ساتھ برا سلوک کیا، اور جس کے اصحاب کا یہ خیال ہے کہ ابن تیمیہ کو امام احمد کے اصحاب سے زیادہ امام احمد کے اقوال ونقول کا علم ہے۔ اے کاش! ابن تیمیہ کا رشتۂ ادب امام احمد کے اس قول کے ساتھ قائم رہتا جسے خلّال نے السنۃ (۴۳۲/۲) میں نقل کیا کہ عبدالملک بن عبدالحمید میمونی کہتے ہیں میں نے امام احمد بن حنبل سے سوال کیا۔ کہ کیا نبی کریم ﷺ نے یہ نہ ارشاد فرمایا: "**كل صهر ونسب ينقطع إلا صهري ونسبي**" "یعنی میری قرابت ونسب کے سوا تمام قرابت ونسب کا انقطاع ہوجائے گا" تو آپ نے فرمایا: کیوں نہیں، میں نے پوچھا: اور یہ معاویہ کے لیے بھی ہے؟، تو فرمایا: ہاں انہیں بھی آپ کی قرابت ونسب کا شرف حاصل ہے، وہ کہتے ہیں میں نے احمد ابن حنبل سے یہ فرماتے سنا: آپ کی قرابت ونسب کا فیض معاویہ اوران سب کے لیے ہے ہم اللہ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں"۔

جب سیدنا امیر معاویہ کو قرابت کا شرف حاصل ہے، اور امام احمد نے آپ کے بارے میں یہ فرمایا کہ: امیر معاویہ اوران سب کے لیے شرف قرابت ہے اور آپ نے نبی پاک ﷺ کے اہل قرابت کی شان میں گستاخی وبے ادبی کرنے والوں کے ساتھ گستاخی وبے ادبی سے عافیت کا سوال کیا تو پھر سیدہ فاطمہ ،سیدہ خدیجہ، سیدہ عائشہ، نبی پاک کی بقیہ ازواج طاہرات، حسنین کریمین، رسول اللہ ﷺ کی ذریت، اور آپ کے بقیہ اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی بلند شان کا کیا کہنا۔

(۴) ابن تیمیہ اوراس کے ریزہ خوار سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت کے بارے میں کیا کہیں گے جس میں یہ ہے کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے سنا: "**كل سبب ونسب ينقطع**

یوم القیامة إلا سببي ونسبي ''یعنی قیامت کے دن میرے اسباب وانساب کے علاوہ تمام اسباب وانساب منقطع ہوجائیں گے[1]

مسور بن مخرمہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**أنه ینقطع یوم القیامة الأنساب والأسباب إلا نسبي وسببي**'' ''یعنی قیامت کے دن میرے اسباب وانساب کے علاوہ تمام انساب واسباب منقطع ہوجائیں گے'' [2]

یہ نص قطعی ہے جس میں تاویل کا احتمال نہیں، ابن تیمیہ نے بالکلیہ اس نص قطعی سے تجاہل کیا تقریباً چار ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی کتاب میں کہیں اسے ذکر نہ کیا۔

---

(۱) ''کل سبب ونسب'' والی حدیث کو امام احمد بن حنبل، اور حاکم، اور ضیا مقدسی، حافظ ذہبی، اور حافظ ہیثمی اور حافظ سیوطی وغیرہم نے صحیح کہا اور فضائل اہل بیت میں وارد خاص احادیث کے بارے میں البانی نے اپنے تشدد کے باوجود اس کو صحیح کہا جیسا کہ ابن بشیر نے کہا یہ حدیث عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ سے کثیر طرق سے وارد ہے، اور مسور بن مخرمہ اور ابن عباس اور عبداللہ بن زبیر سے۔

رہی عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی حدیث تو اس کو بزار (۱/۳۹۷) اور ابن سعد نے طبقات (۸/۴۶۳) اور طبرانی نے کبیر (۳/۴۴، ۴۵) اور اوسط (۶/۳۵۷) میں تخریج کی اور ہیثمی نے مجمع الزوائد (۴/۲۷۱، ۲۷۲) میں کہا: اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ اور صیداوی نے معجم الشیوخ (۱/۳۳۸) اور ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء (۲/۳۴، ۷/۳۱۴) اور دیلمی نے مسند الفردوس (۳/۲۵۵) اور ضیا نے مختارہ (۱/۱۹۷، ۱۹۸، ۳۹۸) میں جیسا کہ امام احمد نے اس کی تخریج کی (۴/۳۲۳، ۳۳۲) اور حاکم نے مستدرک (۳/۱۷۲) میں اور حاکم نے اس کو صحیح کہا اور ذہبی نے کہا صحیح ہے۔

(۲) مسور کی حدیث طبرانی نے کبیر (۲۰/۲۵، ۲۷) اور بیہقی نے سنن کبری (۷/۶۴) میں تخریج کی اور عبداللہ بن زبیر کی حدیث طبرانی نے اوسط (۴/۲۵۷) اور ابن عباس کی حدیث طبرانی نے کبیر (۱۱/۲۴۳) میں تخریج کی اور ہیثمی نے مجمع الزوائد (۹/۱۷۳) میں کہا اور اس کے رجال ثقہ ہیں، بیہقی نے کبری میں (۷/۶۳) تخریج کی۔

اور حافظ ابن عبدالبر نے الاستیعاب (۴/۱۹۵۵) اور ابن کثیر نے اپنی تفسیر (۳/۲۵۷) میں اور ان دونوں کے علاوہ نے تخریج کی کہ عمر بن خطاب نے ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب سے چالیس ہزار مہر پر نکاح فرمایا۔

(۵) مدارس کے طلبہ کو امام مسلم (۱/۱۹۵، ۱۹۶) وغیرہ کی وہ روایت معلوم ہے جس میں یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ''**أهون أهل النار عذابا أبا طالب، وهو منتعل بنعلين يغلي منهما دماغه**'' ''تمام جہنمیوں میں سب سے آسان اور ہلکا عذاب ابوطالب [۱] کا ہوگا ان کے پیروں میں (آگ) کے دو نعل ہوں گے جن سے ان کا دماغ ابلے گا'' اور فرمایا: ''**وجدته في غمرات من النار فأخرجته إلى ضحضاح**'' ''میں نے اسے سراپا آگ میں ڈوبا ہوا پایا تو اسے میں نے کھینچ کر پاؤں تک کی آگ میں کر دیا'' سبحان اللہ! امام مسلم کو یہ اندیشہ تھا کہ کہیں کوئی زندیق یہ نہ کہے کہ تخفیف عذاب کا سبب عمل ہے اس لیے سابقہ دو حدیثوں کے بعد فرمایا: ''**باب الدليل على أن من مات على الكفر لا ينفعه عمل**'' کہ اس باب میں اس بات کی دلیل ہے کہ جس کا خاتمہ کفر پر ہوا اس کا کوئی عمل اس کے کام نہ آئے گا''۔

پھر ذکر فرمایا کہ عائشہ صدیقہ نے حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ! ابن جدعان دور جاہلیت میں صلہ رحمی کرتا، اور مسکین کو کھانا کھلاتا تو کیا اسے اس کا نفع ملے گا، اس پر حضور نے فرمایا: ''**لا ينفعه إنه لم يقل يوما رب اغفر لي خطيئتي يوم الدين**'' ''اس کا یہ عمل اسے کوئی

---

(۱) عباس بن عبدالمطلب نے نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے پوچھا آپ نے اپنے چچا کو کیا فائدہ پہنچایا؟ وہ آپ کی حمایت کرتے تھے اور حضور کے لیے لوگوں سے جھگڑتے تھے، حضور نے فرمایا: ''**هو في ضحضاح من نار ولولا أنا لكان في الدرك الأسفل من النار**'' وہ ٹخنہ کے برابر آگ میں ہیں اگر میں نہ ہوتا تو جہنم کے نچلے طبقے میں ہوتے۔
(بخاری باب قصہ ابوطالب)
ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے سنا حضور کے پاس ان کے چچا کا تذکرہ ہوا تو فرمایا قیامت کے دن ان کو میری شفاعت نفع دے گی۔
''**فيجعل في ضحضاح من النار تبلغ كعبيه يغلى منه دماغه، وفي رواية يغلى منه أم دماغه**''
ترجمہ:۔ وہ جہنم کے اوپری حصہ میں کیے جائیں گے آگ ان کے ٹخنوں تک رہے گی جس سے ان کا دماغ ابلے گا، اور ایک روایت میں ہے ان کا بھیجا ابلے گا۔ (بخاری کتاب المناقب باب قصہ ابوطالب) (مترجم)

فائدہ نہ دے گا" اس نے کسی دن یہ نہ کہا: اے پروردگار! قیامت کے دن تو میرے گناہ بخش دے"۔
اور یہ بھی وارد ہے کہ ہر دوشنبہ کو ابولہب کے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے اس لیے کہ اس نے رسول پاک ﷺ کی ولادت مبارکہ کی خوشی میں اپنی لونڈی ثویبہ کو آزاد کر دیا تھا، بخاری (۱۹۶۱/۵) اور ایسا ہی عبدالرزاق (۶۲/۹) نے بروایت عروہ زینب بنت ابی سلمہ سے تخریج کی کہ ابولہب نے اپنی کنیز ثویبہ کو آزاد کر دیا تھا تو ثویبہ نے نبی پاک ﷺ کو دودھ پلایا، ابولہب کے دنیا سے چلے جانے کے بعد اس کے بعض اہل قرابت نے خواب میں اسے بری حالت میں دیکھا تو اس سے پوچھا: تم نے کیا پایا؟ تو ابولہب نے کہا: میں نے کچھ بھی نہ پایا البتہ میری اس انگلی کو اس وجہ سے سیراب کیا جاتا ہے کہ میں نے ثویبہ کو اس انگلی کے اشارے سے آزاد کیا تھا۔

اور حضور ﷺ کے ارشاد "فأخرجته إلى ضحضاح" "میں نے اسے کھینچ کر پاؤں تک کی آگ میں کر دیا" میں غور کیجئے اور اچھی طرح فکر کیجئے، امید کہ اللہ عزوجل شبہات وظلمات کا ازالہ فرما دے۔

(۲) امام احمد نے مسند اعباس سے تخریج کی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا: یارسول اللہ جب ہم نکلتے ہیں تو قریش کو گفتگو کرتے دیکھتے ہیں پھر وہ ہمیں دیکھ کر خاموش ہو جاتے ہیں، اس پر سرکار اس درجہ غضب ناک ہوئے کہ آپ کی چشمان مبارک کے درمیانی حصہ سے پسینہ نمودار ہوا پھر فرمایا: "والله لا يدخل قلب امرئ إيمان حتى يحبكم لله ولقرابتي" "قسم خدا کی کسی مومن کے دل میں ایمان داخل نہ ہوگا یہاں تک کہ اللہ کے لیے اور میری قرابت کے سبب تم سے محبت کرے۔"[1]

(۱) عباس کا قصہ اور نبی کریم ا کا قول امام احمد نے (۲۰۷/۱) بطریق صحابی جلیل عبدالمطلب بن ربیعہ روایت کی اور ابن ابی شیبہ (۳۸۲/۶) نے مسلم بن صبیح سے اور ابن ماجہ (۵۰/۱) اور بزار (۱۴۷/۴، ۱۴۸) اور حاکم نے مستدرک (۸۵/۴) میں اور ضیا مقدسی نے مختارہ (۳۸۲/۸) میں محمد بن کعب سے روایت کی، مصباح الزجاجۃ (۲۱/۱) میں کہا: اس اسناد کے رجال ثقہ ہیں مگر عباس سے محمد بن کعب کی روایت مرسل کہی جاتی ہے۔الخ
میں کہتا ہوں: "یقال" (کہی جاتی ہے) کا لفظ ضعف کے لیے آتا ہے اور یہ یقینی شی نہیں اور حاکم اور ضیا نے اس کو صحیح کہا اور کم از کم یہ مرسل صحیح ہے پھر یہ مختلف طرق سے مروی ہے۔

(۷) عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے بنوعبدالمطلب! میں نے اللہ سے تمہارے لیے تین چیزوں کا سوال کیا ہے:

(۱) وہ تمہیں ثابت قدم رکھے۔

(۲) اور تم میں سے گمراہ کو ہدایت بخشے۔

(۳) اور جاہل کو علم سے سرفراز کرے۔

اور میں نے اللہ سے یہ سوال کیا کہ تمہیں سخی وفیاض اور دلیر ورحم دل بنائے، اگر کوئی شخص رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان نماز پڑھے اور روزہ رکھے پھر محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے اہل بیت کا بغض لے کر اللہ سے ملے وہ جہنم میں جائے گا''۔(۱)

یہ اہل بیت ہی کی شان میں تو فرمایا گیا، اور کیا نبی پاک ﷺ کی برکت کام نہ آئی؟

(۸) عبدالرحمٰن بن ابورافع فرماتے ہیں کہ ام ہانی بنت ابوطالب آراستہ ہوکر نکلیں، اور ان کی دونوں بالیاں دکھائی دے رہی تھیں، تو عمر بن خطاب نے ان سے فرمایا: نیکیاں کیجئے کیوں کہ تم کو محمد سے کچھ نفع نہ ملے گا، انھوں نے نبی پاک ﷺ کے پاس آ کر خبر دی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**ما بال أقوام يزعمون أن شفاعتي لاتنال أهل بيتي، وأن شفاعتي تنال حاوحكم، حاوحكم قبيلتان**'' ''ان لوگوں کا کیا معاملہ ہے جن کا یہ خیال ہے کہ میری شفاعت میرے اہل بیت کے کام نہ آئے گی، اور میری شفاعت قبیلہ حاوح، اور حاوح کو حاصل ہوگی۔(۲)

---

(۱) ''سالت الله لكم ثلاثا'' اس حدیث کو ابن ابی عاصم نے السنۃ (۶۴۲/۲) میں اور حاکم نے مستدرک (۱۶۱/۳) میں تخریج کی اور کہا: بشرط مسلم یہ حدیث حسن صحیح ہے اور ان دونوں نے اس کی تخریج نہ کی اور ذہبی نے تلخیص میں اس کو برقرار رکھا اور بشرط مسلم کہا، اور طبرانی نے کبیر (۱۷۶/۱۱) میں اور ھیثمی نے مجمع (۱۷۱/۹) میں ایسا کلام فرمایا جو اس حدیث سے استدلال کا افادہ کرتا ہے۔

(۲) ام ہانی رضی اللہ تعالی عنہا کی حدیث طبرانی نے کبیر (۴۳۴/۲۴) میں تخریج کی اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۲۵۷/۹) میں کہا: یہ مرسل ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں ___ میں کہتا ہوں: معمر بن راشد (۵۶/۱۱) نے بھی قتادہ اور عبدالرحمٰن

ابن عمر، ابو ہریرہ اور عمار بن یاسر سے مروی ہے کہ درہ بنت ابولہب ہجرت کر کے رافع بن معلیٰ زرقی کے گھر اتریں، بنی زریق کی کچھ عورتوں نے آپ کے پاس بیٹھ کر کہا: تم تو اس ابولہب کی بیٹی ہو جس کے بارے میں اللہ عزوجل نے قرآن میں فرمایا:

﴿تَبَّتْ يَدَآ أَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ o مَآ أَغْنٰى عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ﴾ [المسد-۱۱۱:۲،۱]

ترجمہ:۔ تباہ ہو جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور تباہ ہو ہی گیا اسے کچھ کام نہ آیا اس کا مال اور نہ جو کمایا۔

تمہاری ہجرت تمہارے کام نہ آئے گی درہ نے نبی پاک ﷺ کی خدمت میں آ کر ان عورتوں کی شکایت کی کہ انھوں نے ایسا کہا، رسول اللہ ﷺ نے درہ کی تسکین خاطر فرمائی، اور فرمایا: ''بیٹھ جائیے'' پھر صحابہ کو نماز ظہر پڑھائی، اور منبر پر تھوڑی دیر کے لیے جلوہ ساماں ہوئے اور فرمایا: ''**أيها الناس مالي أوذي في أهلي وإن شفاعتي لتنال حي حا وحكم، وصدا وسلهب يوم القيامة**'' ''اے لوگو میرا کیا معاملہ ہے کہ مجھے میرے اہل کے بارے میں ایذادی جارہی ہے، بخدا قیامت کے دن میری شفاعت قبیلہ حاوح اور صدا اور سہلب کو حاصل ہوگی۔

(۹) صحابہ کے فقہ وعلم وادب پر غائرانہ نظر ڈالیے تا کہ یہ واضح ہو جائے کہ ابن تیمیہ کا سینہ نبی اکرم ﷺ اور آپ کے اہل بیت کی گستاخی و بے ادبی اور ان کے کینہ سے کس قدر آلودہ و پراگندہ ہے۔

واثلہ بن اسقع فرماتے ہیں: میں نے علی کے متعلق ان کے گھر میں پوچھا تو مجھے بتایا گیا کہ وہ رسول اللہ

ابن جندہ سے مرسلاً باسناد صحیح تخریج کی مگر قتادہ نے یہ نہ ذکر کیا کہ وہ ام ہانی ہیں۔

درہ بنت ابولہب رضی اللہ تعالی عنہا کی حدیث ابن ابوعاصم نے آحاد اور مثانی (۴۷۰/۵) میں اور طبرانی نے کبیر (۲۵۹/۲۴) میں تخریج کی ھیثمی نے مجمع الزوائد (۲۵۸،۲۵۷/۹) میں کہا: اس کو طبرانی نے روایت کی اور اس میں عبدالرحمٰن بن بشیر دمشقی ہیں جن کو ابن حبان نے ثقہ کہا (۳۷۳/۸) اور ابوحاتم نے ان کو ضعیف کہا اور اس کے باقی رجال ثقہ ہیں۔

میں کہتا ہوں: دحیم نے بھی عبدالرحمٰن بن بشیر کی توثیق کی ہے اور محمد بن عائذ نے ان کا ذکر خیر کیا ہے جیسا کہ حافظ کی لسان المیزان (۴۰۷/۳) میں ہے اور بخاری نے تاریخ سیر (۲۶۳/۵) میں ان کو ذکر نہ کیا نہ جرح کے ساتھ نہ تعدیل کے ساتھ۔

ﷺ کو لینے گئے ہیں تھوڑی دیر میں آپ آئے، اور رسول اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم جلوہ نشیں ہوئے، اور فاطمہ کو اپنے داہنے، علی کو اپنے بائیں، اور حسن و حسین کو اپنے سامنے بٹھایا اور فرمایا ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَذْهَبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ [الاحزاب-۳۳:۳۳] أللهم هؤلاء أهلي" اور اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو! کہ تم سے ہر ناپا کی دور فرمادے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے، اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔

واثلہ نے کہا: میں نے گھر کے گوشہ سے عرض کیا: اور میں بھی یا رسول اللہ آپ کے اہل سے ہوں تو آپ نے فرمایا: "وأنت من أهلي" "اور تم بھی میرے اہل بیت سے ہو" واثلہ نے کہا یہ میرے لیے بڑی امید افزا بات ہے۔

اس حدیث کو ابن حبان نے صحیح کہا (۴۳۲/۱۵) اور ذہبی نے السیر (۳۸۵/۳) میں کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے، اور طبرانی نے کبیر (۲۲، ۶۶) میں اس کو روایت کیا۔

(۱۰) ابو ہریرہ نے فرمایا: کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن اللہ کسی منادی کو یہ ندا کرنے کے لیے حکم فرمائے گا سنو میں نے ایک نسب بنایا ہے، اور تم نے ایک نسب بنایا ہے، تو میں نے تمہارے اندر اسے زیادہ باعزت بنایا جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے، تو تم لوگوں نے اسے ناپسند کیا، اور یہ کہا فلاں بن فلاں، فلاں بن فلاں سے بہتر ہے، آج میں اپنا نسب بلند فرماؤں گا، اور تمہارا نسب پست کروں گا کہاں ہیں پرہیزگار لوگ" یہ حدیث باطل ہے ہیثمی نے مجمع الزوائد (۸۴/۸) میں کہا: طبرانی نے صغیر اور اوسط میں اس کو روایت کیا اور اس میں طلحہ بن عمر متروک راوی ہیں۔

(۱۱) اس حدیث: "يا فاطمة بنت محمد صلى الله تعالى عليه وسلم أنقذي نفسك من النار فإني لاأملك لك ضرا ولا نفعا" "اے فاطمہ بنت محمد ﷺ اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ کیوں کہ میں اپنے نقصان و نفع کا خود سے مالک نہیں" کے بارے میں مجھے نہیں معلوم کہ ابن تیمیہ نے کس مقصد کے لیے اس سے استدلال کیا یہ حدیث آیت کریمہ ﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ

الْأَقْــرَبِيْــنَ﴾ [الشعراء-۲۶:۲۱۴] اور اے محبوب اپنے قریب تر رشتہ داروں کو ڈراؤ۔ کے موقعہ پر نازل ہوئی یہ حکم آپ کی دعوت کے آغاز میں تھا اور شفاعت کا حکم مدینہ منورہ میں اترا۔

ابن حبان نے اپنی صحیح (۴۱۲/۲) میں یہ حدیث روایت فرما کر کہا: یہ منسوخ ہے اس میں یہ ہے کہ آپ کسی کی شفاعت نہ کریں گے حالاں کہ اس کے بعد مدینہ منورہ میں آپ کو شفاعت کا اختیار بخشا گیا۔اھ

بعض ائمہ نے حضور اقدس ﷺ کے ارشاد "**فإني لاأملک لک ضرا و لانفعا**" "یعنی میں تمہارے نقصان و نفع کا خود سے مالک نہیں"، کے متعلق فرمایا کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ: اللہ عزوجل کے اذن کے بغیر تمہارے نفع و نقصان کا مالک نہیں جیسا کہ حضور اقدس ﷺ نے یہ فرمایا:

"**ما نفعني مال قط ما نفعني مال أبي بكر.**" کبھی کسی مال نے مجھے نفع نہ دیا جتنا ابوبکر کے مال نے مجھے نفع دیا۔

(۱۷)ابن تیمیہ نبی پاک ﷺ اور آپ کی امت کے درمیان پھوٹ ڈالنے کے لیے خطرناک فکریں پیش کرتا ہے۔

ابن تیمیہ کے نزدیک سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا کا ایمان کامل نہیں:

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۳۰۳/۴،۳۰۴) میں کہا:

''یہ لوگ کہتے ہیں کہ حضور نے خدیجہ سے فرمایا:''اللہ نے مجھے ان کے بدلے میں ان سے بہتر نہ عطا فرمایا''اگر یہ صحیح ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ مجھے ان کے بدلے میں ان سے بہتر عطانہ فرمایا اس لیے کہ خدیجہ نے آغاز اسلام میں حضور کو ایسا نفع دیا کہ کوئی دوسرا اس نفع میں ان کا قائم مقام نہ ہوسکا تو اس لحاظ سے خدیجہ حضور کے لیے افضل ثابت ہوئیں،اس لیے کہ انھوں نے حضور کی ضرورت کے وقت حضور کو نفع دیا،لیکن عائشہ کو نبوت کے آخری زمانہ اور دین کے کامل ہونے تک حضور کی صحبت حاصل رہی اس سے درج ذیل امور ثابت ہوئے:

(۱) عائشہ کو علم وایمان کا وہ سرمایہ حاصل ہوا جو نبوت کا ابتدائی دور پانے والے کو نصیب نہ ہوا۔

(۲) اس فضیلت کے سبب عائشہ سب سے افضل ہیں کیوں کہ امت کو عائشہ سے جتنا زیادہ نفع ہوا کسی اور سے نہیں،اور آپ نے علم وسنت کی جو اشاعت کی کسی اور نے نہ کی۔

(۳) خدیجہ کا خیر اور ان کی نیکی و بھلائی صرف نبی ﷺ کے لیے تھی،انھوں نے آپ سے کچھ حاصل نہ کیا،اور نہ ہی ان سے امت کو عائشہ کی طرح نفع حاصل ہوا۔

(۴) اس وقت دین بھی کامل نہ ہوا تھا کہ خدیجہ کو اس کا علم ہوتا،اور اس کے سبب ان کا ایمان کامل ہوتا جیسا کہ ان لوگوں کا ایمان کامل ہوا جنھوں نے کمال دین کو جانا اور دین کامل ہونے کے بعد اس پر ایمان لائے۔

(۵) یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ جس کا مطمح نظر صرف ایک چیز ہوا کرتی ہے وہ اس میں کامل ہوتا ہے اور جسے

مختلف کاموں کی فکر ہوتی ہے اس کو ایسا کمال حاصل نہیں ہوتا، تو خدیجہ اس لحاظ سے خاص حضور کے لیے خیر ثابت ہوئیں لیکن تمام نیکیاں اسی میں منحصر نہیں، کیا نہیں معلوم کہ جن صحابہ کا ایمان عظیم ترین ہے اور جنھوں نے اپنی جان و مال سے خوب جہاد کیا جیسا کہ حمزہ، علی، سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر وغیرہم یہ حضرات صحابہ ان صحابہ سے افضل ہیں جو نبی ﷺ کی خدمت کرتے اور آپ کو ان سے زیادہ نفع پہنچاتے جیسا کہ ابو رافع اور انس بن مالک وغیرہما''۔ **انتھی بحروفه.**

میں کہتا ہوں: نبی پاک ﷺ کے خصائص کے موضوع سے ہم صرف نظر کرتے ہیں اس لیے کہ ابن تیمیہ اور اس کے متبعین صبح و شام اسے اپنا موضوع بحث بناتے رہتے ہیں نبی پاک ﷺ کی پاکباز بیویوں کے درمیان تفضیل کا مسئلہ چھیڑنا بھی مناسب نہیں معلوم ہوتا اس لیے کہ آپ کی تمام ازواج طاہرات کو یہ عظیم شرف حاصل ہے کہ آپ کے ساتھ جنت میں رہیں گی۔

لیکن اس مقام پر اس مسئلہ کو واضح کرنا از بس ضروری ہے کہ ابن تیمیہ کی منشا سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا کی تنقیص شان کرنا ہے، اور یہ کس قدر افسوس ناک و الم انگیز ہے کہ اس کا سینہ نبی پاک ﷺ کی تنقیص شان سے آلودہ و پراگندہ ہے، وہ اس آلودگی اور پراگندگی کو آپ کی امت میں عام کرنا چاہتا ہے۔

ابن تیمیہ کو یہ معلوم نہیں کہ نبی پاک ﷺ کون ہیں؟ اور رب تعالیٰ کے نزدیک آپ کا مقام و مرتبہ کیا ہے؟ یا وہ آپ کی تعظیم و تکریم کرنا ہی نہیں چاہتا؟ یا اسے یہ معلوم نہیں کہ نبی پاک کی محبت و توقیر شرک نہیں۔

ابن تیمیہ کو امام مسلم (۱/۱۵۴) کی وہ روایت خوب اچھی طرح معلوم ہے جس میں یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے شب اسرا میں فرمایا: **فأتيت بإناء ين في أحدهما لبن، وفي الأخر خمر، فقيل لي خذ أيهما شئت، فأخذت اللبن فشربته فقال: هديت الفطرة، أو أصبت الفطرة، أما إنک لو أخذت الخمر غوت أمتک**'' ''یعنی میرے سامنے دو برتن پیش کیے گئے ایک میں دودھ تھا اور دوسرے میں شراب، پیش کرنے والے نے مجھ سے کہا آپ جسے چاہیں نوش فرمالیں میں نے دودھ کو لیا اور اسے پیا تو فرشتہ نے کہا: آپ کو فطرت (دین اسلام) کی ہدایت فرمائی گئی، یا آپ فطرت پر قائم ہیں،

سنیے اگر آپ شراب لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہوجاتی''۔

اس حدیث پاک سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ نبی پاک ﷺ کے افعال کا آپ کی امت کی ہدایت پر بڑا گہرا اثر پڑتا ہے، وہ واقعہ بھی پیش نظر رہے جس میں یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ کے سبب پچاس نمازوں میں سے صرف پانچ نمازیں فرض رہیں آخری بار جب موسیٰ علیہ السلام نے آپ سے کہا:''آپ اپنے رب کے پاس جاکر اور کم کرائیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''**قد رجعت إلى ربي حتى استحييت منه**'' میں نے اپنے رب سے اس قدر عرض کیا کہ اب حیا آرہی ہے''۔

اس سے بھی یہ ظاہر ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی کوشش سے پچاس نمازوں میں صرف پانچ نمازیں فرض رہیں، اور آپ کی کوشش وعمل سے تین اور چار بھی ہوسکتی تھیں۔

مجھے یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ نبی پاک ﷺ کے افعال کا ساری امت کی ہدایت پر بڑا گہرا اثر پڑتا ہے، نبی پاک ﷺ نے اس طرف اشارہ بھی فرمایا اس لیے کہ آپ نے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا جس وقت آپ اور ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو کسی خارجی کے قتل کا حکم فرمایا:''کیا تم نے اسے قتل کردیا''عرض کیا نہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''**لو قتل مااختلف رجلان من أمتي حتى يخرج الدجال**''''اگر یہ قتل ہوجائے تو دجال کے ظاہر ہونے تک میری امت کے دو شخصوں میں اختلاف نہ ہوگا''۔

اس سے بھی پتہ چلا کہ کبھی ایک فرد کا عمل ساری امت پر اثر انداز ہوتا ہے قرآن عظیم کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ إِبۡرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً﴾ [النحل-۱٦ :۱۲۰] ترجمہ:۔بے شک ابراہیم ایک امام تھا۔

اور آپ کا وہ ارشاد بھی ناقابل فراموش ہے جب آپ نے جنگ بدر کے دن اپنے رب عزوجل سے عرض کیا:''**أللهم إن تهلك هٰذه العصابة من أهل الإسلام لا تعبد في الأرض**''''اے اللہ! اگر مسلمانوں کی یہ تھوڑی سی جماعت ہلاک ہوجائے گی تو زمین پر تیری عبادت نہ کی جائے گی''۔

جب یہ آپ کی امت کے افعال کا حال ہے تو آپ کے افعال کی کیا شان ہوگی۔

جب یہ حقیقت آپ پر عیاں وآشکارا ہوگئی تو ابن تیمیہ کے کلام کا فساد، اور اس کے مشرب کا بطلان بھی

آپ پر روشن ہو گیا ہوگا کیوں کہ جیسا کہ گزرا اس نے یہ کہا: ''خدیجہ کا خیر صرف نبی ﷺ پر منحصر ہے انھوں نے آپ سے کچھ حاصل نہ کیا، اور نہ ہی امت کو آپ سے عائشہ کی طرح نفع ملا'' اسی طرح اس نے شب اسری پر شب قدر کی فضیلت کے سلسلہ میں بکواس کی، اور یہ کہا کہ میرے نزدیک لیلۃ القدر ساری امت کے لیے اہم ہے لیکن لیلۃ الاسرا کی اہمیت صرف نبی ﷺ کے ساتھ خاص ہے، دیکھا آپ نے ابن تیمیہ نبی پاک ﷺ اور آپ کی امت کے درمیان اس طرح تفریق کرتا ہے۔

''اگر نبی پاک ﷺ شب اسرا میں شراب پی لیتے تو آپ کی ساری امت فتنہ میں پڑ جاتی اور گمراہ ہو جاتی''۔

تو بتایا جائے کہ امت کے لیے لیلۃ القدر کا نفع زیادہ ہے یا لیلۃ الاسراء کا؟ پھر کہاں نبی پاک ﷺ کی شفاعت، اور کہاں لیلۃ القدر کی فضیلت اللہ عز و جل نے نبی پاک ﷺ کو اختیار بخشا کہ آپ اپنی نصف امت کو جنت میں لے جائیں، یا شفاعت اختیار فرمائیں تو آپ نے شفاعت اختیار فرمایا، ہم غلامان مصطفیٰ اور عاشقان رسالت رسول پاک ﷺ کے نقش پا پر مر مٹنے والے ہیں، اپنے اعمال کے پیچھے پڑنے والے نہیں، اللہ ہمیں ان لوگوں میں رکھے جو اپنے اعمال ہی کی اتباع نہیں کرتے۔

کیا ابن تیمیہ نبی پاک ﷺ اور آپ کی امت کے لیے الگ الگ راہیں مقرر کرتا ہے؟

یہاں یہ امر بخوبی واضح رہے کہ جو چیز نبی پاک کے لیے خیر ہوگی آپ کی اتباع میں آپ کی ساری امت کے لیے بھی خیر ہوگی، اس لیے رسول پاک ﷺ کے لیے جو رات افضل و بہتر ہوگی وہ آپ کی امت کے لیے بھی افضل و بہتر ہوگی، ہمیں نہیں معلوم کہ کیا افضل رات کے متعلق کوئی استفتا ہوا ہے یا ہوگا، تو جو رسول پاک ﷺ کے دامن اقدس سے وابستہ ہے، اور آپ کا فدا کار و پیرو کار ہے اسے عظیم کامیابی حاصل ہوگی، اور جس نے رسول پاک سے اپنا رشتہ قطع کیا، اور آپ کی امت کی الگ الگ راہیں قائم کیں وہ بڑے نقصان اور خسارہ میں ہے۔

ابن تیمیہ امت مسلمہ میں جس چیز کو عام کر کے اس امت کے وجدان کو رسول اعظم ﷺ سے جدا کرنا چاہتا ہے اس سلسلے میں ہم پھر یہ کہتے ہیں کہ ابن تیمیہ کے کلام کا محور صرف دو نقطوں پر گردش کر رہا ہے:

پہلا نقطہ: یہ ہے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا اور جوامت کے نصف یا تہائی یا چوتھائی کے درجہ میں ہیں، جنھوں نے دعوت وتبلیغ کا وہ بار سنبھالا زمین پر جس کا حامل اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے کوئی نہ تھا، ابن تیمیہ کی نظر میں ایسی سیدہ خدیجہ کا خیر صرف نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص ہے۔ گویا ابن تیمیہ کے زعم میں آپ سے خطا سرزد ہوئی اور امت مسلمہ آپ سے مستفید نہ ہوسکی۔

دوسرا نقطہ: یہ ہے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا نے جس وقت داعی اجل کو لبیک کہہ کر اللہ کی رحمت کی پناہ لی آپ کا ایمان کامل نہ رہا، ابن تیمیہ والعیاذ باللہ تعالی اس طرح گستاخی کرتا اور سوئے ظن رکھتا ہے۔

پہلے نقطہ کا رد یہ ہے کہ خود نبی اکرم ﷺ ہی سراپا امت ہیں اگر آپ کا وجود مسعود نہ ہوتا تو امت کا وجود نہ ہوتا تو سیدہ خدیجہ نے نبی پاک ﷺ کے وسیلہ سے ساری امت کو نفع بخشا۔

امام احمد (۱۱۷/۶) اور طبرانی نے کبیر میں (۱۳/۲۳) تخریج کیا (اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۲۲۴/۹) میں کہا اس کو احمد نے روایت کیا اور کہا کہ اس کی اسناد حسن ہے) سیدہ عائشہ فرماتی ہیں میں نے حضور اقدس سے عرض کیا آپ کو اللہ نے ان کے بدلے میں ان سے بہتر عطا فرمایا تو حضور نے فرمایا: ''مجھے اللہ عزوجل نے ان کے بدلے ان سے بہتر نہ عطا فرمایا وہ مجھ پر ایسے ماحول میں ایمان لائیں جب لوگ میرے ساتھ کفر کیا کرتے اور انھوں نے اس وقت میری تصدیق کی جب کہ لوگوں نے میری تکذیب کی، انھوں نے اپنے مال کے ذریعہ میرے بازو کو قوت بخشی جب کہ دوسرے لوگوں نے مجھے اپنے مال سے محروم رکھا، اور مجھے اللہ عزوجل نے ان کے ولد کی توفیق بخشی جب کہ دوسری عورتوں نے مجھے اولاد سے محروم رکھا''۔

دوسرے نقطہ کا رد یہ ہے کہ ابن تیمیہ اور اس کے ریزہ خواروں پر یہ واضح ہونا چاہئے کہ علم در حقیقت علم باللہ ہی ہے، اور فقیہ وہ ہے جسے اپنے رب کی فقاہت ومعرفت حاصل ہو۔ جیسا کہ سلف صالح نے فرمایا۔ اور علم باللہ اور اللہ کی توحید کے درمیان، اور چوری وقتل کی حد، اور دوسرے احکام کے علم کے درمیان کھلا ہوا فرق ہے۔

سیدہ خدیجہ اپنے عالم کی ساری عورتوں کی سردار ہیں یہ نص قطعی ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

امام بخاری (۱۲۶۵/۳) اور مسلم (۱۸۸۶/۴) نے تخریج کیا کہ علی رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: میں نے

رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا:"خیر نسائھا مریم بنت عمران وخدیجة بنت خویلد "بہترین عورت مریم بنت عمران اور خدیجہ بنت خویلد ہیں" اور امام احمد اور ابویعلی اور طبرانی نے بھی یہ حدیث تخریج کی۔ اور ھیثمی (۲۲۳/۹) نے کہا: ان کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ ابن عباس نے فرمایا: رسول اکرم ﷺ نے ہمارے سامنے چار خطوط کھینچے اور فرمایا:"کیا تمہیں معلوم ہے یہ کیا ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ ورسول کو زیادہ معلوم ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا:"أفضل نساء أهل الجنة خديجة بنت خويلد، وفاطمة ابنة محمد صلى الله تعالى عليه وسلم، ومريم ابنة عمران، وآسية ابنة مزاحم امرأة فرعون" جنتی عورتوں میں سب سے افضل وبہتر خدیجہ بنت خویلد، اور فاطمہ بنت محمد ﷺ، اور مریم بنت عمران، اور آسیہ بنت مزاحم فرعون کی بیوی ہیں۔

ابن تیمیہ کے متبعین مجھے بتائیں کیا تمام جنتی عورتوں میں ان افضل عورتوں کا ایمان کامل ناقص ہے...... میں سمجھتا ہوں کہ وہ زندیقیت ہی کا معنی پیش کریں گے۔

ایک اہم گذارش:

جو شخص سیدہ خدیجہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہما کے فضل وکمال کا اظہار کرنا چاہے اسے ان دونوں سیدہ جلیلہ کے افضل محاسن کا ذکر کرنا چاہئے، رہ گیا ابن تیمیہ تو اس کا حال گذر چکا کہ اس کا مقصود تنقیص شان ہے، وبس۔

ایک دوسرے نقطے پر ضروری تنبیہ:

بہت سے علما نے ابن تیمیہ کی بہت سی چیزوں میں مذمت، اور بہت سے معاملات میں تعریف کی ہے دراصل اس کا واقعہ یہ ہے کہ یہ حضرات ابن تیمیہ کی ان تمام تحریروں پر مطلع نہ ہوسکے جن کے معنی واضح نہیں بلکہ اس کی تحریر کے دسویں حصہ پر انہیں اطلاع نہ ہوسکی اس کی روشن دلیل ابن حجر کا وہ قول ہے جوانھوں نے فتح الباری (۱۰۹/۷) میں فرمایا:

''ابن تیمیہ نے کہا: خدیجہ اور عائشہ کی فضیلت کی جہتیں متقارب ومتماثل ہیں، گویا اس کی رائے توقف ہے'' اس سے پیشتر ہم نے جو کچھ ذکر کیا ہے یہ اس کے بالکل برخلاف ہے معاملہ دراصل یہ ہے کہ ابن حجر، ابن تیمیہ کے اس عجیب وغریب طریقہ پر مطلع نہ ہو سکے جس تک ہماری نظر پہنچی کہ ابن تیمیہ سیدہ ام المومنین خدیجہ بنت خویلد کی خصوصیتوں کا انکار کر رہا ہے حالاں کہ آپ کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ سب سے پہلے اسلام کے گھر میں جلوہ آرا ہوئیں، اور ایسا اس لیے تھا کہ آپ فنا فی رسول اللہ ﷺ تھیں اور ابن تیمیہ کو یہ چیز پسند نہیں۔

حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ ابن تیمیہ سیدہ عائشہ کو سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہما پر فضیلت دیتا ہے اس کے باوجود والعیاذ باللہ تعالی یہ کہتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو سیدہ عائشہ کے بارے میں شک تھا!

(۱۸)ابن تیمیہ نے مستشرقین اور دشمنان دین متین کی عظیم خدمت انجام دی ہے کیوں کہ اس نے نبی پاک ﷺ پر یہ تہمت لگائی کہ آپ کو سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے معاملہ میں شک تھا۔

ابن تیمیہ۔والعیاذ باللہ تعالی، یہ دعوی کرتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے معاملہ میں شک تھا، جب کہ ابن تیمیہ کو یہ خوب معلوم ہے کہ آپ کو سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے معاملہ میں قطعا شک نہ تھاہاں ان منافقین کو ضرور شک تھا جن کی اللہ عزوجل نے اپنی کتاب حکیم میں مذمت فرمائی اور ان کے بارے میں فرمایا:

﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَآ أَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ [النور-۲۴: ۱۴]

ترجمہ:۔اور اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر دنیا اور آخرت میں نہ ہوتی تو جس چرچے میں تم پڑے اس پر تمہیں بڑا عذاب پہنچتا۔

اور فرمایا:

﴿وَتَحْسَبُوْنَهُ هَيِّنًاوَهُوَعِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ० وَ لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَاأَنْ نَتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ﴾ [النور-۲۴: ۱۵، ۱۶]

ترجمہ:۔اور اسے سہل سمجھتے تھے اور وہ اللہ کے نزدیک بڑی بات ہے اور کیوں نہ ہوا جب تم سے سنا تھا کہا ہوتا کہ ہمیں نہیں پہنچتا کہ ایسی بات کہیں، الٰہی پاکی ہے تجھے۔یہ بڑا بہتان ہے۔

اور فرمایا:

﴿لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ﴾ [النور-۲۴:۱۲]

ترجمہ:۔ کیوں نہ ہوا جب تم نے اسے سنا تھا کہ مسلمان مردوں اور عورتوں نے اپنوں پر نیک گمان کیا ہوتا اور کہتے یہ کھلا بہتان ہے۔

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۷/۸۰،۸۱) میں کہا:

''آپ کو عائشہ کے بارے میں شک تھا اس لیے کہ صحیحین میں ہے کہ آپ نے عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے افک کے واقعہ میں آپ کی براءت جاننے سے پہلے یہ فرمایا: ''اے عائشہ اگر تم پاک دامن ہو تو اللہ تعالی جلد ہی تمہاری پاک دامنی ظاہر فرمائے گا اور اگر تم کسی جرم و گناہ میں گرفتار ہو تو اللہ سے توبہ واستغفار کرو کیوں کہ بندہ جب اپنے گناہ کا اقرار کر کے توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔'' الخ

ابن تیمیہ کی اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ کو اپنے اہل بیت کے معاملہ کا کچھ بھی علم نہ تھا، اور جب ابن تیمیہ اس طرح کی بکواس کرتا ہے کہ حضور اقدس کو سیدہ عائشہ کے معاملہ میں شک تھا تو مستشرقین اور دشمنان دین متین آپ کے بارے میں کیا زہر افشانیاں کریں گے۔

عجیب وغریب بات یہ ہے کہ ابن تیمیہ خود بعض اوقات یہ دعوی کرتا ہے کہ اس پر لوح محفوظ کی چیزوں کا انکشاف ہوتا ہے جیسا کہ اس کے تلمیذ ابن القیم نے مدارج السالکین (۲/۴۸۹،۴۹۰) میں اس کے بارے میں اس کشف کا ذکر کرتے ہوئے کہا: ''۷۰۲ھ میں جب تاتاری مشتعل ہوئے اور انھوں نے شام کا قصد کیا، تو ابن تیمیہ نے لوگوں اور امیروں کو خبر دیا کہ گردش زمانہ ان کے خلاف ہے اور انہیں لوگوں کی شکست وریخت ہوگی اور کامیابی اور فتح ونصرت مسلمانوں کو حاصل ہوگی اور اس نے ستّر بار سے زائد اس پر قسم کھائی تو اس سے کہا جاتا انشاء اللہ کہیے تو وہ ان شاء اللہ تحقیق کے لیے کہتا تعلیق کے لیے نہیں، اور میں نے اس سے یہ بھی کہتے سنا کہ جب لوگوں نے مجھ سے بہت زیادہ اصرار کیا تو میں نے کہا اصرار نہ کرو اللہ تعالی نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے کہ اس

مرتبہ انہیں کی شکست وریخت ہوگی اور اسلامی لشکر کو فتح ونصرت حاصل ہوگی''۔

ابن القیم نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ ابن تیمیہ کہتا: میرے پاس میرے اصحاب وغیرہ آتے ہیں تو میں ان کے چہروں اوران کی آنکھوں میں ایسی چیزیں دیکھتا ہوں جنہیں ان کے سامنے ذکر نہیں کرتا تو میں نے اس سے کہا دوسروں سے بتادیتے، تواس نے کہا: کیا تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ میں مشہور حاکموں اور والیوں کی طرح مشہور ومعروف ہوجاؤں۔اورایک دن میں نے اس سے کہا اگر آپ ہم لوگوں کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے تو اس سے استقامت وصلاح کو زیادت قوت حاصل ہوتی، تواس نے کہا: تم لوگ میرے ساتھ اس پر ایک جمعہ یا ایک مہینہ صبر نہ کرسکو گے۔

اورابن تیمیہ نے بارہا مجھے کچھ ایسی باطنی چیزوں کی خبر دی جن کا میں عزم کرچکا تھا اورابھی اپنی زبان سے ذکر نہ کیا تھا اور مستقبل میں پیش آنے والے بعض عظیم حوادث مجھے بتائے، اوران کے اوقات کی تعیین نہ کی، میں نے ان میں سے بعض حوادث سر کی آنکھوں سے دیکھے، اور باقی حوادث کا انتظار ہے، اوراس کے عظیم اصحاب نے اس طرح کے جو عظیم حوادث مشاہدہ کیے ہیں وہ میرے مشاہدات سے کئی گنا زیادہ ہیں۔

میں کہتا ہوں: سبحان العلی العظیم۔ابن تیمیہ کی طرف علم غیب اور کشف باطن کی نسبت کی جارہی ہے، اوررسول اکرم ﷺ کی شان اقدس میں عام انسانوں جیسا کلام کیا جارہا ہے، کبھی تو ابن تیمیہ یہ ہرزہ سرائی کرتا ہے کہ حضور کو چند منافقوں کے سوا کسی کا علم ہی نہ تھا جیسا کہ اس کی منہاج (۲۹۰/۴) میں ہے، اورکبھی یہ کہتا ہے کہ نبی پاک ﷺ کو اہل حق اوراہل باطل کی بالکل تمیز نہ تھی، اور نبی اور غیر نبی کسی کو اس پر قدرت نہیں، والعیاذ باللہ تعالی اس طرح کی ناپاک جرأت وجسارت کرتا ہے اورکبھی یہ زہرافشانی کرتا ہے کہ رأس المنافقین عبداللہ بن ابی سلول نے محبوبۂ محبوب رب العالمین سیدہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کی شان میں جو گستاخی وبے ادبی کی ہے اس سلسلے میں حضور کو ذرا بھی علم نہ تھا کہ آپ پاک دامن وپارسا ہیں اور تہمت وافک سے بری ہیں یا نہیں۔

مقام حیرت یہ ہے کہ ابن القیم اورابن تیمیہ ان دونوں نے لفظ عائشہ (۲۱۱۲ مرتبہ) ذکر کیا اورابن تیمیہ نے اپنی پوری کتاب میں ایک بار بھی یہ نہ کہا سیدہ عائشہ، اورسیدہ خدیجہ، اورسیدہ فاطمہ، اس کے برخلاف سیدہ

مریم تین بار لکھا ہے۔

ایک سائل نے اس سے سیدہ نفیسہ کے بارے میں ''سیدہ نفیسہ'' کہہ کرسوال کیا (جیسا کہ مجموع الفتاوی (۴۲۷/۲۷) میں ہے) تو اس نے سیدہ کالفظ حذف کر کے فوراًاس طرح جواب دیا''جو کسی مردہ کو نفیسہ یا اس کے علاوہ کہے''إلى آخر كلامه۔

ذرا ابن تیمیہ کا اسلوب ملاحظہ کیجئے وہ کس طرح اہل بیت کرام، اورائمۂ اعلام وعلمائے عظام کی تنقیص شان کررہا ہے، اوراس کے اصحاب کس طرح اس کی تعظیم کررہے ہیں اس کی کچھ شہادتیں گذریں اورانشاءاللہ تعالی مزید آئیں گی۔

ابن تیمیہ نے سیدہ عائشہ، سیدہ خدیجہ، سیدہ فاطمہ کی شان میں ایک باربھی ''صدیقۃ'' یا''الصدیقۃ'' کالفظ استعمال نہ کیا، اورسیدہ مریم کے بارے میں ۳۴بار یہ لفظ استعمال کیا، خود اپنے کلام، اورقرآن کریم سے استشہاد میں بھی، ابن تیمیہ نے سیدہ عائشہ، سیدہ خدیجہ، سیدہ فاطمہ میں سے کسی کو ایک باربھی طاہرہ نہ کہا، اورسیدہ مریم کو سات بار طاہرہ کہا حالاں کہ اللہ عزوجل نے حضرت مریم کی پارسائی وپاک دامنی جس طرح قرآن پاک میں بیان فرمائی سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی بھی عفت قرآن پاک کے سورہ نور میں بیان فرمائی اورمزید سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی شان اقدس میں یہ فرمایا:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾

[الاحزاب-۳۳: ۳۳]

اوراللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ناپاکی دور فرمادے اورتمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کردے۔

ایک اہم تنبیہ:

جوشخص ابن تیمیہ کی پاک دامنی اور پارسائی بیان کرے، اوراس کی صفائی پیش کرے اس سے اللہ کی پناہ، یہ دلیر وبے باک نبی پاک ﷺ کی عزت وآبرو اورآپ کے ناموس پاک پر حملہ کررہا ہے تو اس کی اس کھلی گستاخی و

بے باکی کے باوجود اگر کوئی شخص اس کی بارگاہ کو نبی پاک کی بارگاہ سے اہم جانے وہ زندیق ہے۔

اب ہم اصل مسئلہ کی طرف آتے ہیں، اور ابن تیمیہ اور اس کے متبعین کا رد حسب ذیل طریقوں پر کرتے ہیں:

(۱) ابن تیمیہ نے یہ جملہ کہاں سے لیا:

"**وكان قد ارتاب في أمرها**" ترجمہ: حضور کو عائشہ کے معاملہ میں شک تھا۔

ناظرین کو شاید یہ گمان ہو کہ یہ جملہ صحیحین بخاری و مسلم میں ہے حالاں کہ یہ جملہ موضوع ہے جو اس کا خود ساختہ ہے، صحیحین میں یہ جملہ ہرگز نہیں، درج ذیل محدثین نے اپنی کتابوں میں افک کا وقعہ روایت کیا اور اس کی تخریج کی۔

امام احمد (۱۹۶/۶)، بخاری (۱۵۲۱/۴، ۱۷۲۹، ۱۷۷۷)، مسلم (۲۱۳۵/۴)، نسائی (۲۹۸/۵، ۳۶۷/۶)، طبری نے اپنی تفسیر میں (۹۲/۱۸)، عبدالرزاق (۴۱۷/۵)، ابویعلی (۳۳۰/۸، ۳۴۵)، اسحاق بن راھویہ (۵۲۲/۲)، ابن حبان (۱۹/۱۰) و (۱۸/۱۶)، نیز ابن حبان نے ثقات میں (۲۹۳/۱) طبرانی نے کبیر میں (۵۴/۲۳، ۵۹، ۶۴، ۶۸، ۷۳، ۷۷، ۸۲، ۸۶، ۹۱، ۱۰۰)، حاکم نے مستدرک میں (۲۷/۴)، بیہقی نے سنن کبری (۱۵۳/۱۰) اور شعب الایمان (۳۸۴/۵) میں۔

ان تمام کتابوں میں کہیں بھی ابن تیمیہ کا یہ خود ساختہ جملہ مذکور نہیں:

"**وكان قد ارتاب في أمرها**"

ترجمہ: حضور کو عائشہ کے معاملہ میں شک تھا۔

احادیث صحاح و سنن ومسانید ومعاجم اور اس کے علاوہ کسی حدیث یا کسی اور کتاب میں کہیں یہ جملہ ہے؟

(۲) بلاشبہ حضور اقدس سید عالم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا:

"**فإن كنت بريئة فسيبرئك الله، وإن كنت ألممت بشيء فاستغفري الله وتوبي إليه، فإن العبد إذا اعترف بذنبه ثم تاب تاب الله عليه**".

ترجمہ :۔اگرتم پاک دامن وپارسا ہوتوعنقریب اللہ تمہاری پاک دامنی کوظاہرفرمائے گا، اوراگرتم کسی جرم اور گناہ میں گرفتار ہوتو اللہ سے استغفار وتوبہ کرو کیوں کہ بندہ جب اپنے گناہ کااقرار کر کے اللہ سے توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

آخرابن تیمیہ نے اس ارشاد سے یہ مفہوم کیسے اخذ کیا کہ حضور کوسیدہ عائشہ کے معاملہ میں شک تھا۔کیا ابن تیمیہ کو یہ نہیں معلوم کہ آپ پہلے نبی ہیں پھرخاوندوشوہر،دراصل آپ سے آپ کی امت کے بارے میں کچھ پوچھا جائے تو کچھ اقدامات اور کاروائیاں ضروری ہوتی ہیں جس طرح قاضیان اسلام ضروری تحقیقات کرتے ہیں،آپ نے تعلیم امت کے لیے ایسا فرمایا جیسا کہ اللہ عزوجل نے عیسی علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿وَإِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَ أَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَأُمِّيْ إِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ [المائدہ-۵:۱۱۶]

ترجمہ:۔اور جب اللہ فرمائے گا اے مریم کے بیٹے عیسیٰ کیا تو نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو خدا بنالو اللہ کے سوا۔

حالاں کہ عیسی علیہ السلام نے یہ نہ کہا۔

حضوراقدس ﷺ نے اپنی چہیتی شہزادی خاتون جنت سیدہ فاطمہ کے بارے میں اسی طرح فرمایا:''**لو أن فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها**'' ''اگر فاطمہ بنت محمد چوری کرتی تو اس کا ہاتھ کاٹا جاتا'' جب کہ جگر گوشہ رسول ﷺ سیدہ فاطمہ جو تمام جنتی عورتوں کی سردار،اور چار کامل ترین عورتوں میں سے ایک ہیں ان کے متعلق چوری کا تصور وخیال نہیں کیا جاسکتا لیکن حضور نے بطور ضرب المثل اس کو اس لیے بیان فرمایا کہ حدود میں سفارش نہیں ہوتی۔

(۳) کیا ابن تیمیہ کو اس حدیث کے واضح نص میں نبی پاک ﷺ کا یہ ارشاد پاک نظر نہ آیا:''**من يعذرني من رجل بلغ أذاه في أهلي، فوالله ما علمت على أهلي إلا خيرا**'' ''مجھے کون اس شخص سے معذور رکھے گا جس نے مجھے میرے اہل کے بارے میں ایذا دی،خدا کی قسم میں نے اپنے اہل بیت کے بارے میں صرف

خیر ہی جانا''۔

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ اس نے خود مناقضہ کیا، اور اپنی کتاب دقائق التفسیر (۴۵۷/۲) میں بخاری ومسلم کی وہ روایت ذکر کی جس میں یہ ہے: ''میں نے اپنے اہل بیت کے بارے میں صرف خیر ہی جانا''۔

نبی پاک ﷺ کا یہ ارشاد سیدہ عائشہ کی عفت و پاک دامنی کے بارے میں حد درجہ واضح اور صریح ہے، ابن تیمیہ کی نظر سے یہ روایت گذری اور اسے نقل بھی کیا مگر اس کے باوجود ایسی گستاخی و بے ادبی پر آمادہ ہوا۔

اسی طرح ابن تیمیہ کے مقرب اور تلمیذ نجیب ابن القیم نے اس روایت کو زادالمعاد (۲۶۳/۳) میں ذکر کیا اور کہا: (آپ کو سیدہ عائشہ کے بارے میں کبھی سوئے ظن نہ ہوا، آپ عائشہ کے بارے میں اس ظن سے دور رہے، اسی لیے اہل افک سے جب آپ نے معذرت چاہی تو فرمایا: ''کون شخص مجھے اس شخص کے بارے میں معذور رکھے گا جس نے مجھے میرے اہل بیت کے بارے میں ایذا دی، خدا کی قسم میں نے اپنے اہل بیت کے بارے میں صرف خیر ہی جانا''.اھ

(۴) کیا ابن تیمیہ نے علمائے اسلام کی تحریر فرمودہ کتب تفاسیر میں یہ نہ دیکھا کہ انھوں نے کہیں بھی یہ ذکر نہ فرمایا کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ کو سیدہ عائشہ کے معاملہ میں شک تھا، ابن تیمیہ سے پہلے اور اس کے بعد تفسیر کی کسی بھی کتاب میں کہیں اس کا ذکر نہیں ملتا۔

اللہ تعالی ہمیں اور آپ کو ہدایت پر استقامت بخشے، ذرا امام قرطبی کا کمال ادب دیکھیے آپ نے اپنی تفسیر (۲۰۲/۱۲) میں فرمایا: ''اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

﴿لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا﴾

[النور-۱۲:۲۴]

ترجمہ:۔ کیوں نہ ہوا جب تم نے سنا تھا کہ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنوں پر نیک گمان کیا ہوتا۔

اللہ سبحانہ تعالی نے اس آیت کریمہ میں مومنوں پر ان کے ظن کے بارے میں عتاب فرمایا جس وقت

اصحاب افک نے طرح طرح کی نازیبا باتیں کہیں، اور بہتان باندھا۔ ابن زید نے کہا: مومنوں کا یہ خیال وظن تھا کہ مومن اپنی ماں کے ساتھ بدکاری نہ کرے گا۔ مہدوی نے کہا: "لو لا" "هَلّا" کے معنی میں ہے یعنی اس کا معنی ہے: "کیوں نہیں"۔ اور ایک قول یہ ہے کہ:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ مومن مرد وعورت میں جو لوگ فضیلت وبزرگی والے ہیں انہیں اس معاملہ کو اپنے اوپر قیاس کرنا چاہئے اگر یہ معاملہ ان سے بعید ہے تو عائشہ اور صفوان سے بعید تر ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ سیدنا ابوایوب انصاری اور آپ کی بیوی کی بلند وصحیح فکر ہے، دراصل اس کا واقعہ یہ ہے کہ ابوایوب اپنی بیوی کے پاس پہنچے تو آپ کی بیوی نے آپ سے کہا: کیا آپ نے کچھ سنا فرمایا ہاں وہ سراسر جھوٹ ہے، اے ام ایوب! کیا تم سے ایسی حرکت سرزد ہوسکتی ہے؟ انھوں نے کہا: نہیں خدا کی قسم، آپ نے فرمایا: خدا کی قسم، عائشہ تو تم سے بھی افضل ہیں تو ام ایوب نے کہا جی ہاں۔

تو اس طرح کے ظن پر اللہ تعالی نے مومنوں پر عتاب فرمایا کیوں کہ تمام مومنوں نے ایسا گمان نہ کیا۔

آٹھواں: اللہ تعالی نے "بأنفسهم" فرمایا اور شیخ نحاس نے فرمایا: بأنفسهم کا معنی "بإخوانهم" ہے یعنی "اپنے بھائیوں پر" تو اس آیت میں اللہ تعالی نے تمام مسلمانوں پر یہ واجب فرمایا کہ جب وہ کسی سے کسی پر تہمت، اور اس کا ذکر قبیح سنیں تو انہیں اس کا انکار اور اس کی تکذیب کرنی چاہئے تو جن لوگوں نے ایسا نہ کیا اور اس افک اور بہتان وتہمت کو نقل کیا اللہ عز وجل نے ان پر وعید فرمائی۔

امام قرطبی نے (۲۰۶،۲۰۵/۱۲) یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

﴿وَ لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُم مَّا يَكُوْنُ لَنَاأَنْ نَتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ٥ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ أَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ٥ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْآيَاتِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ [النور-۲۴: ۱۸،۱۷،۱۶]

ترجمہ:۔ اور کیوں نہ ہوا جب تم نے سنا تھا کہا ہوتا کہ ہمیں نہیں پہنچتا کہ ایسی بات کہیں، الہی پاکی ہے تجھے۔ یہ بڑا بہتان ہے، اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ اب کبھی ایسا نہ کہنا اگر ایمان

رکھتے ہو۔اور اللہ تمہارے لیے آیتیں صاف بیان فرماتا ہے اور اللہ علم وحکمت والا ہے۔

یہ آیت کریمہ تمام مومنوں کے عتاب میں اتری جس کا معنی یہ ہے کہ تمام مومنوں کو تو یہ چاہئے تھا کہ اس تہمت و بہتان کا انکار کرتے، اور اس سے اپنی بیزاری ظاہر کرتے، اور کوئی کسی سے اسے نقل و حکایت نہ کرتا، اور اللہ عزوجل کی پاکی بیان کرتا اور یہ کہتا کہ حضور اقدس ﷺ کی بیوی سیدہ عائشہ کا دامن عفت پاک وصاف ہے اور آپ پر یہ سراسر بہتان ہے کیوں کہ بہتان کی حقیقت ہی یہ ہے کہ انسان میں جو وصف نہ ہوا سے اس کی طرف منسوب کیا جائے اور غیبت یہ ہے کہ انسان کی کوئی صفت اس کے پس پشت ذکر کی جائے یہ معنی نبی پاک ﷺ کی صحیح حدیث میں مذکور ہے، پھر اللہ عزوجل نے انہیں یہ نصیحت فرمائی کہ مومنوں کو اسی حالت پر رہنا چاہئے اور تہمت و بہتان کا انکار کرنا چاہئے اور عفت و پاک دامنی کا اذعان و یقین رکھنا چاہئے۔

پندرہواں: اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: ﴿إِنْ كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ اگر ایمان رکھتے ہو، اس میں سوئے ظن سے روکا گیا اور حسن ظن کی تاکید فرمائی گئی جیسا کہ آپ کہتے ہیں آپ کو ایسا ایسا کرنا چاہئے اگر مرد ہیں۔

سولہواں: اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿يَعِظُكُمُ اللّٰهُ أَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖ أَبَدًا﴾ اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ اب کبھی ایسا نہ کہنا۔[النور-۲۴:۱۷]

صرف سیدہ عائشہ کے بارے میں فرمایا اس لیے کہ "مثلہ" (یعنی ایسی بات کہنا) اس کی کوئی نظیر ہی نہیں مگر خاص وہی جس کے بارے میں بات کی گئی، یا جسے نبی پاک ﷺ کے ازواج کا مقام و مرتبہ حاصل ہو اس لیے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل کی عزت وآبرو پر حملہ کر کے رسول پاک ﷺ کو ایذا دینا ہے اور ایسا کرنے والا کافر ہے۔

سترہواں: ہشام بن عمار نے کہا: میں نے امام مالک سے یہ فرماتے سنا: جو ابوبکر و عمر کو برا بھلا کہے اس کی تادیب کی جائے، اور جو عائشہ کو برا بھلا کہے اسے قتل کر دیا جائے اس لیے کہ اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿يَعِظُكُمُ اللّٰهُ أَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖ أَبَدًا إِنْ كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ [النور-۲۴:۱۷]

ترجمہ:۔اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ اب کبھی ایسا نہ کہنا اگر ایمان رکھتے ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو عائشہ کو اس معاملہ میں برا بھلا کہے، اور آپ پر تہمت لگائے اس نے قرآن کے خلاف کیا، اور قرآن کی مخالفت کرنے والا کافر ہے۔

ابن العربی نے کہا: اصحاب شافعی نے کہا: جو عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کو برا بھلا کہے اس کی تادیب کا حکم ہے جیسا کہ تمام مومنوں کے بارے میں یہی تادیب کا حکم ہے اگر کوئی شخص ان کی بدگوئی و برائی کرے، اور اللہ تعالی کا ارشاد: ﴿إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ عائشہ کے بارے میں نہیں اس لیے کہ یہ کفر ہے، اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "لايؤمن من لايأمن جاره بوائقه" "وہ شخص مومن نہیں جس کے شر سے اس کا ہمسایہ مامون نہ ہو" اگر عائشہ کو برا بھلا کہنے والے کا ایمان حقیقۃً مسلوب ہو تو حضور کے ارشاد:

"لايزني الزاني وهو مومن" ترجمہ:۔زانی ایمان کی حالت میں زنا نہیں کرتا۔

میں حقیقت ایمان کا سلب مراد ہوگا۔ہم کہتے ہیں، ایسا نہیں جیسا کہ اصحاب شافعی نے گمان کیا کیوں کہ اہل افک نے عائشہ مطہرہ پر زنا کی تہمت لگائی، اور اللہ عزوجل نے ان کی پاک دامنی ظاہر فرمائی تو اللہ عزوجل نے جس تہمت و بہتان سے آپ کی پاک دامنی ظاہر فرمادی اگر کوئی شخص آپ کی طرف اس تہمت و بہتان کی نسبت کرے اور آپ کو برا بھلا کہے تو اللہ عزوجل کی تکذیب کرتا ہے، اور رب عزوجل کی تکذیب کرنے والا کافر ہے، امام مالک کے گزشتہ ارشاد کا معنی اور اس ارشاد کی بنیاد دراصل یہی ہے اور ارباب بصیرت کے لیے یہ ایک روشن راہ ہے، ہاں اگر کوئی شخص عائشہ کی گستاخی ان چیزوں سے نہ کرے جن سے اللہ عزوجل نے آپ کی عفت و پارسائی بیان فرمائی تو اس کی سزا تادیب ہے۔اھ

میں کہتا ہوں: اللہ آپ پر رحم فرمائے۔اللہ عزوجل نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی شان میں سوئے ظن رکھنے والوں کی کیسی مذمت فرمائی اور ان کے بارے میں فرمایا:

﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَآ أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ [النور-۲۴:۱۴]

اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر دنیا و آخرت میں نہ ہوتی تو جس چرچے میں تم پڑے

اس پر تمہیں بڑا عذاب پہنچتا۔

اور فرمایا:

﴿وَتَحۡسَبُوۡنَهٗ هَيِّنًاوَهُوَعِنۡدَ اللّٰهِ عَظِيۡمٌ o وَ لَوۡلَا إِذۡ سَمِعۡتُمُوۡهُ قُلۡتُمۡ مَّا يَكُوۡنُ لَنَاأَنۡ نَتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبۡحَانَكَ هٰذَا بُهۡتَانٌ عَظِيۡمٌ﴾ [النور-۲۴: ۱۵، ۱۶]

ترجمہ:۔اور اسے سہل سمجھتے تھے اور وہ اللہ کے نزدیک بڑی بات ہے اور کیوں نہ ہوا جب تم نے سنا تھا کہا ہوتا ہمیں نہیں پہنچتا کہ ایسی بات کہیں، الٰہی پاکی ہے تجھے یہ بڑا بہتان ہے۔

اور فرمایا:

﴿لَوۡلَا إِذۡ سَمِعۡتُمُوۡهُ ظَنَّ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتُ بِأَنۡفُسِهِمۡ خَيۡرًا وَقَالُوۡا هٰذَا إِفۡكٌ مُّبِيۡنٌ﴾ [النور-۲۴:۱۲]

ترجمہ:۔کیوں نہ ہوا جب تم نے اسے سنا تھا کہ مسلمان مرد وعورتوں نے اپنوں پر نیک گمان کیا ہوتا اور کہتے یہ کھلا بہتان ہے۔

رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں بھلا یہ کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ آپ ایسے گرداب (شک) میں پڑیں گے جس میں پڑنے والوں کی اللہ عزوجل نے مذمت و وعید فرمائی۔

آپ قرآن کریم کی کوئی بھی تفسیر مطالعہ کریں کہیں بھی یہ نہ ملے گا کہ رسول پاک کو سیدہ عائشہ کے معاملہ میں شک تھا، اس سے صاف واضح ہے کہ ابن تیمیہ کا یہ ادعائے باطل ہے، مزید تحقیق کے لیے درج ذیل کتابوں کی طرف مراجعت کریں حق ان شاء اللہ تعالیٰ واضح ہو جائے گا۔

تفسیر طبری (۹۹/۱۸)، احکام القرآن للجصاص (۱۶۳/۵) تفسیر القرطبی (۲۰۲/۱۲۔۲۰۶) زاد المسیر لابن الجوزی (۲۰/۶) تفسیر ابن کثیر (۲۷۴/۳، ۲۷۵) الدر المنثور للسیوطی (۱۵۳/۶، ۱۶۰، ۱۶۱) الإتقان (۱۰۲/۱) فتح القدیر للشوکانی (۱۴/۴) تفسیر النسفی (۱۳۷/۳، ۱۳۹) وغیرہ کتب تفسیر۔

استفادہ کے لیے حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری (۴۷۵/۸، ۴۷۶) مطالعہ کیجئے، اس میں آپ نے

بعض کمزور ایمان اور شک کرنے والوں کا رد فرمایا جنھوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے اس کلام کا مقصد نہ سمجھا جو آپ نے اپنے والد ابوبکر سے کہا، آپ نے اپنے والد سے یہ عرض کیا کہ: آپ رسول اللہ ﷺ کو اس بارے میں جواب دیجئے جو میرے متعلق کہی جا رہی ہے ابوبکر صدیق نے اپنی دختر نیک اختر سے فرمایا: خدا کی قسم مجھے نہیں معلوم کہ میں حضور کو کیا جواب دوں۔ ابن حجر نے اس بارے میں فرمایا:

''ایک قول یہ ہے کہ: اس مقام پر سوال اگر چہ اس باطنی امر کا ہے جس کی اطلاع کسی کو نہیں پھر بھی حضرت عائشہ نے اپنے والد سے اس بات کی طرف اشارہ کے لیے کہا کہ مجھ سے باطن میں کوئی ایسی نازیبا حرکت سرزد نہ ہوئی جو اس ظاہر کے خلاف ہو جس کا آپ کو علم ہے تو گویا آپ نے اپنے والد سے عرض کیا کہ آپ جس طرح چاہیں میری پاک دامنی بیان فرمائیں، آپ جو کچھ کہیں گے حضور کو آپ کے صدق پر مکمل وثوق واعتماد رہے گا، ابوبکر نے عائشہ کو صرف یہی جواب دیا کہ مجھے نہیں معلوم میں کیا عرض کروں، چوں کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی کثرت سے اتباع فرماتے تھے اس لیے ایسا جواب ارشاد فرمایا جس کا معنی سوال کے مطابق تھا، آپ کو اگر چہ اپنی لخت دلبند کی پاک دامنی پر پورا اعتماد ویقین تھا مگر آپ اپنی شہزادی کی صفائی اور پارسائی و پاک دامنی کیسے بیان کرتے اسی طرح آپ کی ماں نے بھی جواب میں یہی کہا مجھے نہیں معلوم''۔

اور ہشام بن عروہ کی آنے والی روایت میں یہ ہے کہ: ابوبکر نے فرمایا: میں کیا کہوں، اور ابواویس کی روایت میں ہے: کہ میں نے اپنے والد سے کہا آپ جواب دیجئے، تو آپ نے فرمایا میں جواب نہیں دیتا اس لیے کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اللہ کے رسول اور صاحب وحی ہیں۔ اھ

(۵) کیا ابن تیمیہ کو بخاری (۱۴۱۵/۳، ۳۹۴۳، ۵۱۳۴، ۷۰۹۷، ۷۰۹۸) ومسلم (۱۸۸۹/۴) وغیرہما کی روایت نہیں معلوم کہ اللہ کے رسول ﷺ نے سیدہ عائشہ سے فرمایا:

''أريتک في المنام ثلاث ليال جاء ني بک الملک في سرقة من

حریر فیقول هٰذه امرأتک فأکشف عن وجهک فإذا أنت هي، فأقول إن یک هٰذا من عند الله یمضه''

ترجمہ:۔''تین راتوں سے میں تمہیں خواب میں دیکھتا ہوں کہ فرشتہ ریشم کے ایک ٹکڑے میں تمہیں میرے پاس لے کر آتا اور کہتا ہے کہ یہ آپ کی شریک حیات ہیں، آپ ان کا چہرہ کھول کر دیکھیے دیکھا تو اچانک تمہیں تھیں تو میں نے کہا اگر یہ اللہ کی طرف سے ہے تو وہ اس کا فیصلہ فرمائے گا''۔

یہ فرشتہ جبریل علیہ السلام ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۳۲۲/۱) کے مقدمہ میں ذکر کیا، اور یہ امر یقینی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے نکاح سے پہلے یہ خواب دیکھا تھا، علما اور محدثین نے سیدہ عائشہ کے فضائل ومناقب میں اسے ذکر کیا۔

تنبیہ:

ابن تیمیہ کے تلمیذ نجیب ابن القیم نے توحید کی حمایت وحفاظت کا دعوی کر کے (ان کی توحید کا حال اللہ کو خوب معلوم ہے) حضور اقدس سید عالم ﷺ کی شان میں زبان درازی کی ہے، توحید باری تعالی اس بات کا مقتضی نہیں کہ نبی پاک ﷺ کی شان میں بے ادبی وگستاخی کی جائے جیسا کہ خوارج اور اکثر گمراہ فرقے کرتے ہیں ان کا مقصود توحید کی حفاظت کا سہارا لے کر بارگاہ رسالت میں گستاخی وبے ادبی کرنا ہے، وبس۔

میں کہتا ہوں: ابن القیم نے یہ دعوی کیا ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق کی بیٹی ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کی

عبودیت وبندگی اسی وقت کامل ہوئی جب انھوں نے نبی ﷺ کی مدد، یا آپ کے وسیلہ سے کشائش غم کی امید منقطع کر لی، اگر وہ ایسا نہ کرتیں تو اللہ تعالی ان کی براءت کا اعلان نہ فرماتا، ابن القیم نے اپنی کتاب زاد المعاد (۲۶۲/۳) میں یہ دعوی کیا کہ واقعہ افک سے یہی مستفاد ہوتا ہے جیسا کہ کہتا ہے:

''صدیقہ اور ان کے والدین کا مقصود عبودیت وبندگی کامل ہوئی، اور اللہ کی نعمت ان پر تام

ہوئی، اور صدیقہ اوران کے والدین کی رغبت وخواہش خوب رہی، اوران کا فاقہ اپنی شدت کو پہنچ گیا، افتقار واحتیاج اللہ ہی سے رکھی، اور فروتنی وعاجزی اسی سے کی، حسن ظن اسی کے ساتھ رکھا اور امید بھی اسی سے قائم رکھی۔

اور عائشہ نے اپنی امید تمام مخلوق یعنی نبی ﷺ سے منقطع کرلی"۔

ذرا ابن القیم کی ذکر کردہ دلیل دیکھیں:

"عائشہ کو یہ امید نہ تھی کہ کسی مخلوق یعنی نبی ﷺ کے ہاتھ انہیں مدد ملے گی، اوران کا غم آپ سے دور ہوگا"۔

ابن القیم کی دلیل مزید دیکھیے وہ ذکر کرتا ہے:

"اسی لیے جب عائشہ صدیقہ سے ان کے والدین نے کہا حضور کی خدمت میں جاؤ اللہ نے تم پر تمہاری برائت وعفت نازل فرمادی تو صدیقہ نے اس مقام پر اللہ کا حق پورا کیا، اور یہ کہا: میں حضور کی خدمت میں نہ جاؤں گی، اور اللہ کے سوا کسی کی تعریف نہ کروں گی، اللہ ہی نے میری براءت وعفت اتاری ہے" اھ

میں کہتا ہوں: سیدہ عائشہ اس طرح اللہ کی قسم کھاتی تھیں محمد کے رب کی قسم، آپ جب غصہ وناراض ہوتیں تو یوں قسم کھاتیں ابراہیم کے رب کی قسم، تو عائشہ کا یہ کلام: میں حضور کے پاس نہ جاؤں گی اور اللہ کے سوا کسی کی تعریف نہ کروں گی اللہ ہی نے میری براءت وعفت اتاری اسی باب سے ہے۔

اس کلام کا وہ معنی نہیں جو ابن القیم کہہ رہا ہے، ورنہ عائشہ صدیقہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہما سے بھی بڑھ کر باکمال ہوں گی حالاں کہ کوئی اس کا قائل نہیں۔

پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کو یہ خوب معلوم تھا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿سَيُؤْتِينَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗ﴾ [التوبہ-۹:۵۹]

ترجمہ:۔اب دیتا ہے ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اللہ کا رسول۔

اور اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿وَمَا نَقَمُوْا إِلَّآ أَنْ أَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ [التوبہ-۹:۷۴]

ترجمہ:۔اور انہیں کیا برا لگا یہی نہ کہ اللہ ورسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَيُرِيْدُوْنَ أَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهِ﴾ [النساء-۴:۱۵۰]

ترجمہ:۔اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کو جدا کر دیں۔

سیدہ عائشہ کو حضور اقدس سید عالم ﷺ کا یہ ارشاد پاک خوب خوب معلوم تھا:

"أشكر كم لله عز وجل أشكر كم للناس" (۱) تم میں اللہ عزوجل کا زیادہ شکر گذار وہی بندہ ہے جو انسانوں کا زیادہ شکر گذار ہے۔

ان حقائق کے ہوتے ہوئے ابن قیم کیوں ایسی جسارتیں کر رہا ہے، اور گونا گوں اوہام وخیالات کو راہ دے رہا ہے۔اس کے ازعام واوہام سے تو یہی پتہ چلتا ہے کہ وہ حضور اقدس سید عالم ﷺ کے مقابلہ میں ابن تیمیہ کی فکروں سے زیادہ متاثر نظر آتا ہے۔

---

(۱) اس حدیث کو طبرانی نے کبیر (۱/۲۳۶) اور ضیا نے المختارہ (۴/۳۰۷) میں روایت کیا، اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۸/۱۸۰) میں کہتا ہوں: ''اس کو احمد اور طبرانی نے روایت کیا، اور احمد کے رجال ثقہ ہیں'' اور حدیث کے دوسرے طرق بھی ہیں جن کے الفاظ قریب قریب ہیں ملاحظہ ہو: مسند امام احمد (۲/۲۵۸) اور ابن حبان نے اپنی صحیح (۸/۱۹۸) میں اور ضیا نے ذکر کیا، ھیثمی نے مجمع الزوائد (۵/۲۱۷، ۲۱۸) میں کہا: اس کو عبداللہ بن احمد اور بزار اور طبرانی نے روایت کیا، اور ان کے راوی ثقہ ہیں، اور اس کو ترمذی نے روایت کیا، اور کہا: حسن غریب ہے (۴/۳۸۰) اور نسائی (۶/۵۳) اور بزار (۷/۵۴) اور ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا (۸/۲۰۲) اور ضیا مقدسی نے المختارہ (۴/۱۱۰) میں روایت کیا۔

(۱۹) ابن تیمیہ سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ کے دین کے بارے میں طعن کرتا ہے، اور آپ پر یہ تہمت لگاتا ہے کہ آپ کی ہجرت خالص اللہ ورسول کے لیے نہ تھی بلکہ ایک عورت سے نکاح کرنے کے لیے تھی۔

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۲۵۵/۴) میں اپنے کلام کے دوران یہ کہا کہ سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ کا ارادہ یہ تھا کہ ہجرت کر کے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا سے نکاح کریں جیسا کہ منہاج میں کہتا ہے:

''اگر یہ مان لیا جائے کہ ابوبکر نے انہیں (فاطمہ کو) ایذا دی تو کسی ذاتی مقصد کے تحت ایذا نہ دی بلکہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت، اور مستحق تک اس کا حق پہنچانے کے لیے ایسا کیا، اور علی رضی اللہ تعالی عنہ کا مقصود تو ان (فاطمہ) سے نکاح کرنا تھا تو ابوبکر کے برخلاف ان کی ایذا کا ایک مقصد تھا جس سے یہ معلوم ہوا کہ علی کی بہ نسبت فاطمہ کی ایذا پر ابوبکر کی مذمت حد درجہ بعید اور دور رفتہ ہے، ابوبکر کا مقصود تو صرف اللہ ورسول کی ایسی اطاعت تھی جس میں دوسرے کا کوئی حصہ نہیں برخلاف علی کہ ان کا ایک حصہ ہے کہ فاطمہ کو اپنے حبالۂ عقد میں لائیں، ابوبکر تو ان مہاجرین کے زمرہ میں ہیں جنھوں نے خالص اللہ ورسول کے لیے ہجرت کی، کہاں آپ، اور کہاں وہ جس کا مقصود کسی عورت سے نکاح کرنا ہے؟ دونوں میں کوئی مماثلت ومشابہت نہیں'' اھ۔

میں کہتا ہوں: حسبنا الله ونعم الوکیل.

بخاری (۳/۱) اور مسلم (۱۵۱۵/۳) نے سیدنا عمر بن خطاب سے تخریج کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إنما الأعمال بالنيات وإنما لكل امرئ ما نوى، فمن كانت هجرته إلى الله ورسوله، فهجرته إلى الله ورسوله ومن كانت هجرته إلى دنيا يصيبها أو إلى امرأة ينكحها فهجرته إلى ما هاجر إليه''

ترجمہ:۔ اعمال نیتوں سے ہیں ہر شخص کے لیے وہی ہے جو نیت کرے، جس کی ہجرت اللہ

ورسول کی طرف ہوتو اس کی ہجرت اللہ ورسول کی طرف ہوگی ،اور جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے یا عورت سے نکاح کرنے کے لیے ہو اس کی ہجرت اس کی طرف ہوگی جس کے لیے ہجرت کی۔

ابن تیمیہ کے زعم کے مطابق سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ اسلام کے اہم اصول نیت ہی سے محروم رہے جس کے بغیر کوئی چیز صحیح ودرست نہیں ہوتی۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا: یہ حدیث علم کا تہائی حصہ ہے اور یہ فقہ کے ۷۰ رستر دروازوں میں داخل ہے۔اور امام شافعی رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: اسلام کے اصول تین حدیثوں پر قائم ہیں:

(۱) عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث: ''**إنما الأعمال بالنيات**'' ''یعنی عمل کا دارومدار نیتوں پر ہے''۔

(۲) اور عائشہ کی حدیث:

''**من أحدث في أمرناهذاماليس منه فهو ردٌّ**''

ترجمہ:۔جو شخص ہمارے اس دین کے معاملہ میں وہ چیز ایجاد کرے جو اس امر دین سے نہیں تو وہ چیز مردود ہے''

(۳) اور نعمان بن بشیر کی حدیث:

''**الحلال بَيِّنٌ والحرام بَيِّنٌ**'' ترجمہ:۔حلال وحرام روشن وواضح ہیں۔

ذرا قلم کی سرکشی دیکھیے کہ خلفائے راشدین میں سے چوتھے خلیفہ حضرت علی کو ام قیس کی خاطر ہجرت کرنے والا بنا دیا۔

حافظ نے فتح الباری (۱۰/۱) میں کہا: ''مہاجر ام قیس کا واقعہ سعید بن منصور نے روایت کیا وہ فرماتے ہیں ہم کو ابومعاویہ نے بروایت اعمش خبر دی کہ شقیق نے عبداللہ ابن مسعود سے روایت کی انھوں نے فرمایا: جس نے کسی چیز کی خواہش لے کر ہجرت کی تو اس کے لیے وہی ہے۔ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کرنے کے لیے ہجرت کی جس عورت کا نام ام قیس ہے تو اس کو مہاجر ام قیس کہا جانے لگا۔

طبرانی نے بروایت اعمش دوسری سندوں سے ان الفاظ میں روایت کی:

''ہمارے درمیان ایک شخص نے ام قیس نام کی عورت کو نکاح کا پیغام دیا، اس عورت نے ہجرت کے بغیر نکاح سے انکار کیا تو اس شخص نے ہجرت کر کے اس عورت سے نکاح کیا تو ہم لوگوں نے اس آدمی کا نام مہاجر ام قیس رکھ دیا۔ شیخین کی شرط پر اس حدیث کی اسناد صحیح ہے'' الخ

بہرحال اس مسئلہ میں ہم وہی کہتے ہیں جو نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ''من اٰذی علیافقد اٰذاني'' ''جس نے علی کو ایذا دی اس نے مجھے تکلیف دی''۔(۱)

اور نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

''تم لوگ علی سے کیا چاہتے ہو، بے شک علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں اور علی میرے بعد ہر مومن کے ولی ہیں''۔(۲)

ان ارشادات عالیہ کی روشنی میں میرا اذعان واعتقاد یہ ہے کہ ابن تیمیہ کے زمانہ کے علما نے اسے منافق

---

(۱) ''من اٰذی علیا'' ''جس نے علی کو ایذا دی اس کا قصہ عمرو بن شاش اسلمی سے مروی ہے__ آپ اصحاب حدیبیہ سے تھے، ان سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے عمرو خدا کی قسم تو نے مجھے ایذا دی'' میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کی تکلیف وایذا سے اللہ کی پناہ، آپ نے فرمایا کیوں نہیں ''جس نے علی کو ایذا دی مجھے تکلیف وایذا دی''، ہیثمی نے مجمع الزوائد (۱۲۹/۹) میں کہا: احمد وطبرانی نے اسے مختصرا روایت کیا اور بزار نے اس سے بھی مختصر، اور احمد کے راوی ثقہ ہیں۔ اور ہیثمی نے بھی سعد بن ابی وقاص سے یہ روایت ذکر کی وہ فرماتے ہیں میں مسجد میں بیٹھا تھا، میرے ساتھ دو آدمی تھے ہمارا علی سے کچھ معاملہ ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ غصہ وغضب میں تشریف لائے آپ کے روئے اقدس پر غضب کے آثار نمایاں تھے، میں نے آپ کے جلال وغضب سے اللہ کی پناہ لی حضور نے فرمایا: ''میرا اور تمہارا کیا معاملہ ہے جس نے علی کو ایذا دی اس نے مجھے تکلیف وایذا دی''، ھیثمی نے کہا: ابویعلی اور بزار نے مختصرا اس حدیث کو روایت کیا، اور ابویعلی کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ محمود بن خداش اور رفنان میں کچھ اختلاف ہے مگر وہ دونوں بھی ثقہ ہیں۔

(۲) ''ماتریدون من علي'' ترمذی نے یہ حدیث تخریج کی حافظ نے الاصابۃ (۵۶۹/۴) میں کہا: اس کی سند قوی ہے۔

کہا، ان حضرات کے اس حکم کا ایک سبب ابن تیمیہ کا یہ قول ہے جسے حافظ ابن حجر نے ''الدرر الکامنۃ'' میں ذکر فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی سے فرمایا: ''**لا یبغضک إلا منافق**'' ''تم سے منافق ہی بغض رکھے گا''۔

(۲۰) خلیفہ راشد سیدنا علی ابن ابو طالب اور صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالی عنہم پر ابن تیمیہ کا افترا

ابن تیمیہ نے رسول پاک ﷺ کے اصحاب کرام کے درمیان تقابل کیا اور اپنی کتاب منہاج (۷/۱۳۷، ۱۳۸) میں کہا:

''علی کا معاملہ ایسا نہ تھا کیوں کہ اکثر صحابہ وتابعین ان سے بغض رکھتے، اور انہیں نازیبا کلمات سے یاد کرتے اور ان سے جنگ وقتال کرتے''۔

میں کہتا ہوں: ابن تیمیہ کو سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ کی گستاخی اور آپ کی اہانت شان ہی محبوب ہے اسی لیے یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ اکثر صحابہ وتابعین آپ سے بغض رکھتے اور آپ کو نازیبا کلمات سے یاد کرتے۔

ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ صحابہ کرام علی سے محبت نہ کریں حالاں کہ انہیں خوب معلوم ہے کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ نے علی رضی اللہ تعالی عنہ سے فرمایا: ''تم سے صرف مومن محبت رکھے گا، اور منافق ہی تم سے دشمنی کرے گا۔''(۱)

اور نبی پاک ﷺ نے عمرو بن شاس سے فرمایا ''خدا کی قسم تو نے مجھے تکلیف دی'' عمرو کہتے ہیں میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! مجھے آپ کی تکلیف سے اللہ کی پناہ، آپ نے فرمایا: ''کیوں نہیں جس نے علی کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی۔''(۲)

---

(۱) مسلم (۱/۸۶)، احمد (۱/۹۵)، ترمذی (۵/۶۴۳)، نسائی (۵/۱۳۷)، ابن ماجہ (۱/۴۲) اور ابن حبان (۱۵/۳۶۷) نے یہ حدیث تخریج کی جیسا کہ ابن ابو شیبہ نے اس کو روایت کیا (۶/۳۷۲) اور ابن ابو عاصم نے السنۃ (۲/۵۹۸) میں اور الاستیعاب (۳/۱۱۰۰) میں صحابہ کی ایک جماعت سے یہ روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے علی رضی اللہ تعالی عنہ سے فرمایا: ''تم سے صرف مومن محبت رکھے گا اور تم سے صرف منافق دشمنی رکھے گا''۔

(۲) اس حدیث کی تخریج ان محدثین نے اپنی کتابوں میں کی امام احمد (۳/۴۸۳)، ابن ابو شیبہ (۶/۳۷۱) اور حاکم اور انھوں نے اس کو صحیح کہا (۳/۱۳۱) ذہبی نے ان کی موافقت کی، اور ابن حبان نے اس کو صحیح کہا (۱۵/۳۶۵) ھیثمی نے مجمع

اور حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا: "من سبَّ عليا فقد سبني."

"جس نے علی کو برا کہا اس نے مجھے برا کہا۔" (۱)

اور یہ بھی حضور اقدس نے فرمایا:

"جس نے علی سے محبت رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھی، اور جس نے علی سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی"(۲)

بھلا صحابہ کرام حضرت علی سے دشمنی کیوں رکھیں گے جب کہ امام بخاری کی روایت میں ہے کہ نبی پاک ﷺ نے علی سے فرمایا: "أنت مني و أنا منک" "تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔"(۳)

صحیحین میں ہے کہ ان حضرات نے خود یہ روایت کی کہ نبی پاک ﷺ نے علی سے فرمایا:

"کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ تمہیں مجھ سے وہ مقام حاصل ہو جو ہارون کو (ان کے بھائی) موسیٰ سے ملا مگر

الزوائد (۹/۱۲۹) میں کہا: احمد کے رجال ثقہ ہیں، اور ابویعلی (۲/۱۰۹) اور بزار (۳/۳۶۶) نے روایت کیا، ہیثمی نے کہا: ابویعلی کے رجال صحیح کے رجال ہیں محمود بن خداش اور فنان دونوں ثقہ ہیں۔ میں کہتا ہوں: اور ضیا نے المختارہ (۳/۲۶۷) میں اس کو صحیح کہا اور فیض القدیر (۶/۱۸،۱۹) ملاحظہ کیجئے۔

(۱) اس کو احمد (۶/۳۲۳) اور نسائی (۵/۱۳۳) اور حاکم نے تخریج کی اور اس کو صحیح کہا (۳/۱۳۰) عبداللہ جدلی نے ام سلمہ سے یہ حدیث روایت کی، ہیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا (۹/۱۳۰) اس کو احمد نے روایت کیا اور اس کے رجال ابوعبداللہ جدلی کے رجال ہیں اور وہ ثقہ ہیں۔ اور اس کو نسائی نے سنن کبری (۵/۱۳۳) میں سعد بن ابی وقاص سے روایت کی، ہیثمی نے مجمع میں (۹/۱۳۰) کہا: اس کو ابویعلی نے روایت کی اور اس کی اسناد حسن ہے۔

(۲) اس کو حاکم نے تخریج کیا اور اس کو صحیح کہا (۳/۱۴۱) اور ذہبی نے ان کی موافقت کی، اور طبرانی نے معجم کبیر میں (۲۳/۳۸۰) ہیثمی نے مجمع الزوائد (۹/۱۳۲) میں کہا: اس کو طبرانی نے روایت کی اور اس کی اسناد حسن ہے اور ایسا ہی مناوی نے فیض القدیر (۶/۳۲،۳۳) میں کہا۔

(۳) بخاری (۲/۹۶۰-۳/۱۳۵۷) نے اسے تخریج کیا۔

میرے بعد کوئی نبوت نہیں'' (۱) خود انہیں صحابہ نے حضور سے یہ روایت کی کہ آپ نے علی کے متعلق فرمایا:

''من كنت مولاه فعلي مولاه'' ''میں جس کا مولی ہوں علی اس کے مولیٰ ہیں۔'' (۲)

صحابہ کی مقدس جماعت حضرت علی سے کیوں دشمنی کرے گی اور کیوں انہیں برا بھلا کہے گی جب کہ بخاری ومسلم وغیرہما میں ہے کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ نے خیبر کے دن فرمایا:

''میں کل ایک ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھ اللہ خیبر فتح فرمائے گا وہ اللہ ورسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ ورسول اس سے محبت فرماتے ہیں۔ (۳) تو لوگوں نے اس فکر میں رات گذار دی کہ کل کسے پرچم عطا کیا جائے گا، صبح کے وقت ہر شخص بارگاہ رسالت میں یہ امید لے کر حاضر ہوا کہ اسے جھنڈا عطا کیا جائے گا، سرکار نے فرمایا: علی کہاں ہیں؟ عرض کیا گیا انہیں آشوب چشم ہے، سرکار نے ان کی آنکھوں میں لعاب دہن لگایا جس سے ان کی آنکھیں شفایاب ہوگئیں ایسا لگتا تھا کہ اس میں کچھ ہوا ہی نہیں۔ مسلم نے یہ اضافہ فرمایا کہ عمر نے فرمایا: ''ما أحببت الإمارة إلا يومئذ'' ''میں نے اسی دن امارت کو محبوب جانا''۔

نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے اس ارشاد پاک کے بعد صحابہ کرام حضرت علی سے کیسے بغض رکھیں گے اور کیسے انہیں برا بھلا کہیں گے، نبی پاک ﷺ کی حیات مبارکہ میں علی ابن ابو طالب اور بعض صحابہ کے درمیان جو مشاجرت ومخالفت ہوئی سرکار نے سخت الفاظ میں اس سے منع فرمایا جیسا کہ گزرا۔

رہا بعض صحابہ کا علی سے قتال تو آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ سیدہ عائشہ کو اس پر سخت ندامت ہوئی جب انھوں نے سنا کہ حوأب کے کتے ان پر بھونک رہے ہیں، اس طرح سے اس مقام پر بہت سے آثار ہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ سیدنا علی نے طلحہ اور زبیر رضی اللہ تعالی عنہم کو حضور اقدس سید عالم ﷺ کا وہ ارشاد پاک یاد دلایا نبی پاک

(۱) بخاری (۱۳۵۹/۳، ۱۶۰۲/۴) امام مسلم (۱۸۷۰/۴، ۱۸۷۱) اور دوسرے محدثین نے سعد بن ابی وقاص سے یہ حدیث تخریج کی۔

(۲) یہ حدیث متواتر ہے، ہم نے علی کی اخوت کے مسئلہ میں اس کے بعض طرق اور اس کی تصحیح کرنے والے محدثین کا ذکر کر دیا ہے۔

(۳) بخاری (۱۰۹۶/۳) ومسلم (۱۸۷۱/۴) نے صحیحین میں اور دیگر محدثین نے یہ حدیث تخریج کی۔

نے زبیر سے فرمایا:"أتحبه فإنک تقاتله و أنت له ظالم" ''کیا تم ان سے محبت کرتے ہو اور خود ہی ان پر ظلم ڈھا کر ان سے قتال کرتے ہو''۔

علاوہ ازیں اس مقام پر دوسرے آثار ہیں جن سے یہ افادہ ہوتا ہے کہ زبیر اور طلحہ نے جمل کے معرکہ سے واپسی کا ارادہ کیا تو ان کی واپسی پر ان کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔

رہ گیا بعض ائمہ کا بعض سے قتال کا معاملہ تو ان کے باہمی آداب بہت معروف ومشہور ہیں، دراصل ان کے یہ باہمی آداب نبی ﷺ کی اعلی تربیت کا فیض ہیں۔

اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

﴿وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَى سُرُرٍ مُّتَقَـٰبِلِيْنَ﴾ [الحجر-۱۵:۴۷]

ترجمہ:۔اور ہم نے ان کے سینوں میں جو کچھ کینے تھے سب کھینچ لیے آپس میں بھائی ہیں تختوں پر روبرو بیٹھے۔

مفسرین کرام نے اس آیت کریمہ کی جو روشن تفسیر فرمائی ہے اس سے قلب کو خوشی اور روح کو تازگی حاصل ہوتی ہے۔ابن تیمیہ نے ذکر کیا ہے کہ صحابہ کرام کے زمانہ میں موجود تابعین نے علی سے بغض رکھا اور آپ کو برا بھلا کہا یہ تابعین کون ہیں؟ ابن تیمیہ پر لازم ہے کہ ہمیں ان کے نام بتائے تحقیق یہ ہے کہ وہ تابعین نہ تھے بلکہ خوارج تھے، کیا خوارج بھی ابن تیمیہ کے اسلاف ہیں؟

(۲۱) ابن تیمیہ اور سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ کی خصوصیتوں کا سلب وانکار، سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ کی شان میں ابن تیمیہ کے مسلسل مغالطے

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۳۵۹/۷-۳۶۱) میں کہا:

''تیسرا یہ کہ علی کی مواخات کی ساری حدیثیں موضوع ہیں، نبی ﷺ نے کسی سے مواخات کا رشتہ قائم نہ فرمایا نہ باہم مہاجرین کے درمیان، اور نہ ابوبکر وعمر کے درمیان، اور نہ باہم انصار کے درمیان، ہاں مہاجرین وانصار کے درمیان مواخات قائم فرمائی جب آپ پہلی بار مدینہ آئے''۔

اور مجموع الفتاوی (۴۱۷/۴، ۴۱۸) میں کہا:

''حضور کا یہ کہنا: ''میں جس کا مولی ہوں علی اس کے مولی ہیں اے اللہ! تو اسے دوست رکھ جسے علی دوست رکھیں۔ الخ[1]

یہ حدیث ترمذی کے علاوہ حدیث کی ان اہم کتابوں میں نہیں جنہیں امہات کتب الاحادیث

(۱) امام احمد (۸۴/۱، ۱۱۹)، ابن حبان (۳۷۶/۵)، طبرانی نے صغیر میں (۱۱۹/۱)، بزار (۱۳۳/۲) اور ضیاء نے المختارہ میں (۱۰۶/۲) علی بن ابوطالب سے یہ حدیث تخریج کی۔ اور ترمذی (۶۳۳/۵)، نسائی (۴۵/۵، ۱۳۰)، طبرانی نے کبیر میں (۱۶۶/۵) اور حاکم نے (۱۱۸/۳) زید بن ارقم سے تخریج کی۔ اور نسائی (۴۵/۵)، ابن ابوشیبہ (۳۷۴/۶)، ابن ابوعاصم نے الآحاد والمثانی میں (۳۲۵/۴)، طبرانی نے اوسط میں (۱۱۲/۱) اور حاکم نے (۱۱۹/۳) بریدہ سے اسے تخریج کیا۔ اور نسائی نے عمران بن حصین سے (۴۵/۵) تخریج کی۔ اور نسائی (۴۵/۵) اور ابن ابوشیبہ (۳۶۶/۶) نے حبشی ابن جنادہ سلولی سے تخریج کی۔ اور طبرانی نے کبیر میں حذیفہ بن اسید غفاری سے (۱۸۰/۳) اور ابویعلی (۳۰۷/۱۱) اور طبرانی نے اوسط میں (۲۴/۲) ابوہریرہ سے۔ ابن ماجہ (۴۵/۱) اور حاکم (۱۲۶/۳) نے سعد سے۔ اور حاکم نے ابن عباس سے (۱۴۳/۳) اور حاکم (۴۱۹/۳) نے طلحہ بن عبداللہ سے۔ اور ابن ماجہ (۴۳/۱) نے براء سے روایت کیا۔

کہا جاتا ہے اور ترمذی میں بس اتنا ہے: ''میں جس کا مولی ہوں علی اس کے مولی ہیں'' رہ گیا اضافہ تو حدیث میں نہیں، امام احمد سے اس زیادتی کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: یہ کوفیوں کا اضافہ ہے اور بلاشبہ یہ دروغ ہے۔ پھر کہا: اور ایسے قول: ''اے اللہ تو اسے دوست رکھ جسے علی دوست رکھیں اور تو اسے دشمن رکھ جسے علی دشمن رکھیں''۔

یہ اسلام کے اصول کے خلاف ہے کیوں کہ قرآن نے یہ بیان فرمایا کہ تمام مومنین بھائی ہیں اگر چہ ان میں باہم قتال و بغاوت ہو، اور اس قول: ''میں جس کا مولی ہوں علی اس کے مولی ہیں'' کے بارے میں بعض محدثین جیسے بخاری وغیرہ نے طعن کیا اور بعض نے اس کو حسن کہا۔

اور ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۷/۵۵) میں اس کی تاکید میں اپنا یہ کلام ذکر کیا:

پانچویں وجہ: تمام مشہور محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ لفظ: ''اے اللہ! تو اسے دوست رکھ جسے علی دوست رکھیں، اور اسے دشمن رکھ جسے علی دشمن رکھیں، اور اس کی مدد فرما جو علی کی مدد کرے، اور اس کی مدد چھوڑ دے جو علی کی مدد چھوڑے'' کاذب ہے۔

میں کہتا ہوں:

(۱) مواخات کے متعلق ابن تیمیہ کی دریدہ دہنی کے جواب میں بس اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ امام بخاری

اور ابن ابو عاصم نے السنۃ (۲/۶۰۴، ۶۰۷) میں یہ حدیث صحابہ کی ایک جماعت سے روایت کی ہے جس میں ابوایوب انصاری، جابر بن عبداللہ، ابن عمر، سعید، حبشی بن جنادہ، علی بن ابوطالب، زید بن ارقم، اور براء بن عازب رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین ہیں۔

حدیث کی بعض روایتوں کے متعلق حافظ ہیثمی کا قول ہم نقل کریں گے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ ابن تیمیہ اپنی رائے کی نصرت وحمایت اور سیدنا علی ابن ابوطالب رضی اللہ تعالی عنہ کی خصوصیتوں کے انکار میں کس قدر تعصب وعناد رکھتا ہے۔

ہیثمی نے مجمع الزوائد (۹/۱۰۳-۱۰۸) میں کہا: اس باب میں اس بات کا ذکر ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''من كنت مولاه فعلي مولاه'' ''میں جس کا مولی ہوں علی اس کے مولی ہیں''۔

(۱۳۵۹/۳)، (۱۶۰۲/۴) ومسلم (۱۸۷۰/۴، ۱۸۷۱، ۱۸۷۱) نے صحیحین وغیرہما میں سعد بن ابی وقاص سے تخریج کی کہ رسول اللہ ﷺ نے علی سے فرمایا: "أنت مني بمنزلة هارون من موسى إلا أنه لا نبي بعدي" "میرے نزدیک تمہارا مقام وہی ہے جو ہارون کو موسیٰ سے ملا مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی

ابوایوب انصاری نے کہا: صحابہ نے کہا ہم نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا: "میں جس کا مولی ہوں علی اس کے مولی ہیں اے اللہ! تو اسے دوست رکھ جسے علی دوست رکھیں اور تو اسے دشمن رکھ جسے علی دشمن رکھیں" ابوایوب انصاری ہمارے درمیان تھے انھوں نے اپنا چہرہ کھول کر فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا: "میں جس کا مولی ہوں علی اس کے مولی ہیں اے اللہ! تو اسے دوست رکھ جسے علی دوست رکھیں اور تو اسے دشمن رکھ جسے علی دشمن رکھیں" امام احمد کے رجال ثقہ ہیں۔ اور سعید بن وہب سے مروی ہے انھوں نے فرمایا کہ: علی نے لوگوں کو قسم دی تو نبی پاک ﷺ کے پانچ یا چھ اصحاب نے کھڑے ہو کر یہ شہادت دی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں جس کا مولی ہوں علی اس کے مولی ہیں" اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا، اور ان کے رجال صحیح کے رجال ہیں، اور عمرو بن ذی مر اور سعید بن وہب اور زید بن یثیع سے مروی ہے انھوں نے فرمایا: ہم نے علی سے یہ فرماتے سنا میں اس شخص کو اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے رسول اللہ ﷺ سے غدیر خم کے دن فرماتے سنا جب آپ کھڑے ہوئے تو تیرہ حضرات نے کھڑے ہو کر شہادت دی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کیا میں مومنوں کے ان کی جانوں سے زیادہ قریب نہیں" صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ! پھر آپ نے علی کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: "میں جس کا مولی ہوں یہ اس کے مولی ہیں، اے اللہ! تو اسے دوست رکھ جسے یہ دوست رکھیں اور تو اسے دشمن رکھ جسے یہ دشمن رکھیں، اور تو اسے محبوب رکھ جسے یہ محبوب رکھیں اور تو اسے مبغوض رکھ جسے یہ مبغوض رکھیں اور تو اس کی مدد فرما جو ان کی مدد کرے اور تو اس کی مدد کو چھوڑ دے جو علی کی مدد چھوڑ دے"۔ اس حدیث کو بزار نے روایت کیا اور ان کے رجال صحیح کے رجال ہیں، فطر بن خلیفہ یہ ثقہ ہیں، اور زید بن ارقم سے مروی ہے انھوں نے فرمایا علی نے لوگوں کو قسم دے کر فرمایا: "میں اس شخص کو اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے نبی کریم ﷺ سے یہ فرماتے سنا: "میں جس کا مولی ہوں علی اس کے مولی ہیں اے اللہ! تو اسے دوست رکھ جسے علی دوست رکھیں اور تو اسے دشمن رکھ جسے علی دشمن رکھیں" تو بارہ اصحاب بدر نے کھڑے ہو کر اس کی شہادت دی اور میں ان لوگوں میں تھا جنھوں نے چھپایا تو میری بصارت جاتی رہی۔ طبرانی نے کبیر اور اوسط میں اس حدیث کو روایت کیا اور اس میں بصارت زائل ہونے، اور شہادت چھپانے، اور علی کی اس دعا کا ذکر نہیں۔ اور اس کی ایک روایت میں ہے کہ علی نے چھپانے والے کے خلاف دعا کی اور طبرانی اوسط کے رجال ثقہ ہیں۔

نہیں‘ اس حدیث کی دلالت خوب واضح اور روشن ہے۔

(۲) رہ گئی حدیث: ”**من كنت مولاه فعلي مولاه**“ میں جس کا مولی ہوں علی اس کے مولی ہیں تو اس کے بارے میں ابن تیمیہ کی یہ دریدہ ذہنی کہ بعض محدثین مثلاً بخاری وغیرہ نے اس کے بارے میں طعن کیا ہے اور بعض نے اسے حسن کہا‘ یہ اس کی سراسر تلبیس ہے۔

بخاری نے اسماعیل بن نشیط عامری، سہم بن حصین اسدی، اور عثمان بن عاصم ابوحصین اسدی کی روایت کے بارے میں طعن کیا ہے تاریخ کبیر (۱/۳۷۵-۴/۱۹۳-۶/۲۴۰) کی طرف رجوع کیجئے، باقی تیس صحابۂ کرام کی روایتیں کہاں ہیں جیسا کہ عجلونی نے **کشف الخفا** (۲/۳۶۱) میں کہا۔

عجلونی نے یہ بھی تصریح کی: (یہ حدیث متواتر یا مشہور ہے)

اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۴/۴۷) میں کہا: حدیث: ”**من كنت مولاه فعلي مولاه**“ امام ترمذی اور نسائی نے تخریج کی اور اس حدیث کے بہت سے طرق ہیں، ابن عقدہ نے کتاب مفرد میں تمام طرق کا استیعاب واحاطہ کیا ہے اور ان طرق کی بہت سی سندیں صحیح وحسن ہیں۔

اور زیاد بن ابی زیاد سے مروی ہے انھوں نے فرمایا میں نے علی ابن ابو طالب سے لوگوں کو قسم دیتے سنا، علی نے فرمایا: ”میں اس مسلمان شخص کو اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے غدیر خم کے دن رسول اللہ ﷺ سے وہ فرماتے سنا جو آپ نے کھڑے ہو کر فرمایا۔ تو بارہ اصحاب بدر نے کھڑے ہو کر شہادت دی۔ اس کو امام احمد نے روایت کیا اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

اور حبشی بن جنادہ سے مروی ہے انھوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے غدیر خم کے دن یہ فرماتے سنا: ”اے اللہ! میں جس کا مولی ہوں علی اس کے مولی ہیں اے اللہ! تو اسے دوست رکھ جسے علی دوست رکھیں اور تو اسے دشمن رکھ جسے علی دشمن رکھیں اور تو اس کی مدد فرما جو علی کی مدد کرے اور تو اس کی اعانت فرما یا جو علی کی اعانت کرے‘ طبرانی نے اس حدیث کو روایت کیا اور محدثین نے ان کے رجال کی توثیق کی۔

سعد ابن ابی وقاص سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے علی کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ”کیا میں مومنوں کے ان کی جانوں سے زیادہ قریب نہیں، میں جس کا ولی ہوں علی اس کے ولی ہیں‘ اس کو بزار نے روایت کیا، اور ان کے رجال ثقہ ہیں۔

ذرا ابن تیمیہ کا یہ جملہ: ''كالبخاري وغيره'' (جیسے بخاری وغیرہ) دیکھیے اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ اس کا ایک نفسیاتی اسلوب ہے جسے ابن تیمیہ عوام کے ساتھ اختیار کرتا ہے۔

(۳) ابن تیمیہ کا یہ کہنا: (ومنہم من حسنہ) بعض لوگوں نے اس حدیث کو حسن کہا۔ سخت تدلیس اور ملمع سازی ہے اس سے وہ اس بات کی طرف اشارہ کررہا ہے کہ علما نے اس حدیث کو صحیح نہ کہا، اور یہ حدیث حسن سے بھی کم درجہ ہے اگر علما اس کا اعتراف کرتے۔

مجھے نہیں معلوم کہ ابن تیمیہ نبی کریم ﷺ کی حدیثوں کی تکذیب کے بجائے اپنے امام (مفروض) احمد بن

اور سعید بن وہب زید بن یثیع سے راوی انھوں نے فرمایا کہ علی نے کشادہ میدان میں ان لوگوں کو قسم دی جنھوں نے رسول اللہ ﷺ سے غدیر خم کے دن فرماتے سنا جب آپ کھڑے ہوئے تو سعید کی طرف سے چھ(٦) اور زید کی طرف سے ۷/سات حضرات نے شہادت دی کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے غدیر خم کے دن علی کے بارے میں فرماتے سنا: ''کیا میں مومنوں کے زیادہ قریب نہیں، لوگوں نے عرض کیا کیوں نہیں حضور اقدس نے فرمایا: اے اللہ! میں جس کا مولی ہوں علی اس کے مولی ہیں اے اللہ جس کو وہ دوست رکھیں تو اسے دوست رکھ اور جس کو وہ دشمن رکھیں تو اسے دشمن رکھ'' اس کو عبد اللہ اور بزار نے اس سے کامل طریقہ پر روایت کیا اور انھوں نے سعید بن وہب سے روایت کیا، نہ کہ زید بن یثیع سے جیسا کہ یہاں وارد ہے اور یوں کہا عبد اللہ نے سعید بن وہب سے انھوں نے زید بن یثیع سے روایت کیا، اور ظاہر ہے کہ واو ساقط ہے واللہ اعلم۔ اور ان دونوں کی اسناد حسن ہے۔ اور علی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غدیر خم کے دن فرمایا: ''میں جس کا مولی ہوں علی اس کے مولی ہیں'' فرمایا اور دوسرے راویوں نے ''وال من والاہ'' کے بعد یہ اضافہ کیا ''وعاد من عاداہ'' (اور تو اسے دشمن رکھ جسے وہ دشمن رکھیں) اس کو احمد نے روایت کیا اور ان کے رجال ثقہ ہیں اور ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ''میں جس کا مولی ہوں علی اس کے مولی ہیں'' اس حدیث کو بزار نے حدیث کے دوران روایت کیا۔ اور ان کے رجال ثقہ ہیں۔

اور عمر بن سعد سے مروی ہے کہ علی نے لوگوں کو کشادہ میدان میں جمع فرمایا اور میں حاضر تھا، آپ نے فرمایا: میں اس شخص کو اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے سنا: ''میں جس کا مولی ہوں علی اس کے مولی ہیں'' تو ۱۸/اٹھارہ حضرات نے کھڑے ہو کر شہادت دی کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے سنا، اس حدیث کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا۔ اور ان کی اسناد حسن ہے۔

حنبل کا کیوں احترام نہیں کرتا اوران حدیثوں کے متعلق ان کا حکم کیوں نہیں مانتا۔

خلال کی کتاب السنۃ (۲/۳۴۷،۳۴۸) میں ہے کہ ابوبکر مروزی نے سیدنا امام احمد بن حنبل سے نبی پاک ﷺ کے اس ارشاد کے بارے میں پوچھا جو آپ نے علی سے فرمایا: ''أنت مني بمنزلة هارون من موسى''، مجھ سے تمہیں وہ مقام حاصل ہے جو ہارون کو موسیٰ سے ملا۔ کہ اس کی کیا تفسیر ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کے بارے میں سکوت کرو اس سلسلے میں کچھ نہ پوچھو، یہ حدیث اسی طرح ہے جیسا کہ وارد ہے۔

اور ابوطالب نے امام احمد بن حنبل سے نبی پاک ﷺ کے اس قول کے بارے میں پوچھا جو آپ نے علی کے متعلق فرمایا: ''من كنت مولاه فعلي مولاه'' اس کی کیا تفسیر و توضیح ہے فرمایا: اس بارے میں کلام نہ کرو، حدیث جس طرح وارد ہے اسی پر رہنے دو۔

(۴) ابن تیمیہ کی تلبیس و تدلیس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اس نے یہ کہا: ''ترمذی کے علاوہ حدیث کی کسی اہم کتاب میں اس کا ذکر نہیں''۔

میں نے روشن شہادتوں سے یہ واضح کیا کہ امام احمد ونسائی وابن ماجہ وغیرہم نے یہ حدیث بہت سارے صحابہ کرام سے روایت کیا، حدیث کی تخریج ملاحظہ ہو۔

اور بریدہ نے فرمایا ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ایک سریہ میں بھیجا اور علی کو ہم پر عامل و گورنر مقرر فرمایا جب ہم لوگ آئے تو فرمایا: ''اپنے صاحب کو کیسا پایا'' تو یا تو میں یا میرے علاوہ کوئی ان کی شکایت کرتا سرکار نے اپنا سر اقدس اٹھایا اور میں سرخمیدہ تھا آپ کا روئے اقدس جلال وغضب سے سرخ تھا آپ نے فرمایا: ''میں جس کا ولی ہوں علی اس کے ولی ہیں'' تو میں نے عرض کی: حضور میں ان کے بارے میں آپ کو کبھی کبیدہ ورنجیدہ نہ کروں گا اس حدیث کو بزار نے روایت کیا۔ اوران کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ اھ

اس حدیث کو بہت سے علمائے محدثین نے صحیح کہا جن میں امام احمد، ابن حبان، حاکم، ابن عقدہ ضیا مقدسی، مزی اور ذہبی ہیں ـــ اور ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (۴۱۵/۵) میں کہا: بلاشبہ یہ حدیث ثابت ہے۔ اور ھیثمی، ابن حجر، سیوطی، عجلونی اور ان کے علاوہ بہت سے محدثین نے اس حدیث کو صحیح کہا۔

پھراس مقام پراہم یہ ہے کہ حدیث صحیح یاحسن ہو، چاہے وہ حدیث کی اہم ترین کتابوں میں ہو یا غیرمشہورومعروف کتابوں میں، کتنے ایسے مقامات ہیں کہ ابن تیمیہ بخاری ومسلم کی ثابت شدہ روایتوں کا انکار کرتا ہے اوران کے ثبوت میں حدیث کے انہیں غیرمعروف ومشہوراجزاء کا حوالہ دیتا ہے، اورامہات حدیث کویکسر بالائے طاق رکھ دیتا ہے جیسا کہ اس نے یہ دعوی کیا کہ عمر بن خطاب نے اس درخت کوکٹوادیا جس کے نیچے صحابہ کرام نے رسول ﷺ سے بیعت کی تھی جیسا کہ عنقریب اس قضیہ کا ذکرآئے گا،اگر یہ حدیث کی معتبر ومستند کتابیں نہیں تو ابن تیمیہ انھیں کیوں بطور سند پیش کرتا ہے اور ان سے کیوں استدلال کرتا ہے اور حجت قائم کرتا ہے؟ ابن تیمیہ نے صحابی جلیل عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کومبتدع قرار دیا۔

(۵) ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ تمام مشہور محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ ''حدیث مذکور میں یہ اضافہ کرنا کہ حضوراقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے اللہ تو اسے دوست رکھ جسے علی دوست رکھیں اوراسے دشمن رکھ جسے علی دشمن رکھیں''اوراسی طرح اس میں مزید اضافہ کرنا کہ حضوراقدس سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے اللہ تو اسے دوست رکھ جسے علی دوست رکھیں اوراسے دشمن رکھ جسے علی دشمن رکھیں اوران کی مدد کرجس کی علی مدد کریں اوراس کی مدد چھوڑ دے جوعلی کی مدد چھوڑے'' جھوٹ ہے، **میں کہتا ہوں کہ**: ابن تیمیہ کا یہ جھوٹا دعوی سراسر جھوٹ ہے۔

مشہور محدثین کا یہ اتفاق کہاں سے نقل کیا؟ جن محدثین نے اس حدیث کی تخریج وتصحیح کی اوراسے روایت کی جیسا کہ ابن حبان ،حاکم ،اورضیاء مقدسی وغیرہم ان کی ولادت اوران کا وصال ابن تیمیہ سے صدیوں پہلے ہوا، کیا یہ جلیل الشان محدثین کرام حدیث کی معرفت ودسترس رکھنے والے نہیں؟ صرف تنہا ابن تیمیہ ہی حدیث کی معرفت اوراس علم میں دست گاہ رکھتا ہے!

لوہم سے سنو''**اللھم وال من والاہ وعادمن عاداہ**''اس لفظ کی تخریج علی بن ابوطالب سے ان محدثین کرام نے اپنی کتابوں میں فرمائی۔

احمد(۱/۱۱۸، ۱۱۹، ۱۵۲)، نسائی (۵/۱۳۲، ۱۳۴، ۱۳۶، ۱۵۴)، ابن ابوشیبہ (۶/۳۶۶، ۳۶۸) ابن حبان (۱۵/۳۷۶) طبرانی نے صغیر میں (۱/۱۱۹) بزار (۲/۱۳۳، ۲۳۵)، (۳/۳۵) اور ضیا نے المختارہ میں (۲/۱۰۵، ۱۰۶) علی رضی اللہ عنہ۔

ان حضرات محدثین کرام نے اپنی کتابوں میں زید بن ارقم رضی اللہ تعالی عنہ سے یہ حدیث تخریج کی۔امام احمد (۴/۲۸۱، ۳۶۸، ۳۷۰، ۳۷۲) (۵/۳۷۰) نسائی (۵/۴۵)، طبرانی نے کبیر میں (۵/۱۶۶)، حاکم (۳/۱۱۸) اور ابن ابوعاصم نے السنۃ میں (۲/۵۶۶)

اور امام احمد (۴/۲۱۸) اور ابن ابوشیبہ (۶/۳۷۲) نے براء سے تخریج کیا۔

اور طبرانی نے کبیر (۳/۱۸۰) میں حذیفہ بن اسید غفاری سے تخریج کی۔

اور ابویعلی (۱۱/۳۰۷) اور طبرانی نے اوسط (۲/۲۴) میں ابوہریرہ سے۔

اور نسائی (۵/۱۳۵)، ابن ماجہ (۱/۴۵) اور حاکم (۳/۱۲۶) نے سعد سے۔

اور بزار (۳/۱۷۱) اور حاکم (۳/۴۱۹) نے طلحہ بن عبداللہ سے روایت کیا۔

کیا ان تمام حضرات محدثین نے نبی پاک ﷺ سے جھوٹی روایتیں ذکر کیں ہیں۔

جن حضرات نے اپنی تخریج میں "**عادمن عاداه وانصرمن نصره واخذل من خذله**" کا اضافہ کیا ان میں امام احمد (۱/۸۴، ۱۱۹) اور بزار (۳/۳۰) ہیں، ضیاء مقدسی (۲/۲۷۴) اور ھیثمی نے اس روایت کو صحیح کہا۔

(۶) ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ: "**اللهم وال من والاه وعادمن عاداه**" "اسلام کے اصول کے مزاحم ومخالف ہے" یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا یہ قول عداوت پر مبنی ہے، سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ سے وہ سخت عداوت رکھتا ہے۔

مجھے بتایا جائے کہ نبی پاک ﷺ کا ارشاد پاک: "**اللهم وال من والاه وعادمن عاداه**" اسلام کے کن اصولوں کے مزاحم ومخالف ہے؟ کیا نماز، زکاۃ اور حج کے خلاف ہے ؟ کس قدر الم انگیز اور افسوسناک ہے کہ ابن تیمیہ کے لیے زندیقیت کے سارے دروازے کھلے ہیں اور رسول پاک

ﷺ کی ثابت شدہ حدیثیں جو اسے پسند نہیں ان کے بارے میں یہ دریدہ دہن کہتا ہے کہ یہ اسلامی اصولوں کے مزاحم ومخالف ہیں۔

(۷) ہم حافظ ابن حجر کا کلام فتح الباری (۷/۲۷۱) کے حوالہ سے ہدیہ قارئین کررہے ہیں: ابن تیمیہ نے اپنی کتاب ''الرد علی ابن المطہر الرافضی'' (ابن مطہر رافضی کے رد میں تحریر کردہ کتاب) میں مہاجرین اور خاص کر علی سے نبی پاک ﷺ کی مواخات کا سخت انکار کیا، اس نے کہا: مواخات باہم رفق ومحبت قائم کرنے کے لیے مشروع ہے، تو نبی سے ان کی مواخات کا کوئی معنی نہیں، اور نہ ہی باہم مہاجرین کی مواخات کا کوئی معنی ہے، یہ قیاس سے نص کا رد کرنا ہے اور مواخات کی حکمت سے غافل رہنا ہے اس لیے کہ بعض مہاجرین مال وکنبہ اور طاقت وقوت کے لحاظ سے بعض سے بڑھ کر ہیں تو اعلی اور ادنی میں اس لیے مواخات قائم فرمائی تا کہ ادنی اعلی سے نفع اندوزی کرے، اور مرافق ومنافع حاصل کرے اور اعلی ادنی سے مدد لے۔ اسی سے حضور اقدس سے علی کی مواخات کی حکمت ظاہر ہو جاتی ہے اس لیے کہ حضور اقدس بعثت کے پہلے ہی سے علی کی طفولیت سے ان کی مسلسل نگہداشت اور دیکھ ریکھ فرماتے رہے۔ اور حضرت حمزہ اور زید بن حارثہ کی مواخات کا بھی یہی حال ہے اس لیے کہ زید بن حارثہ ان لوگوں کے آزاد کردہ ہیں تو ان کی اخوت پہلے ہی سے ثابت شدہ ہے اور یہ دونوں حضرات مہاجرین سے ہیں، عمرۃ القضاء کے بیان میں آئے گا کہ زید بن حارثہ نے کہا: بے شک حمزہ کی بیٹی میری بھتیجی ہے۔
حاکم اور ابن عبدالبر نے بسند حسن ابوشعثاء سے تخریج کی کہ ابن عباس نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے زبیر اور عبداللہ ابن مسعود کے درمیان مواخات قائم فرمائی، یہ دونوں حضرات مہاجرین سے ہیں، میں کہتا ہوں: ضیاء مقدسی نے طبرانی کی معجم کبیر کی ''الاحادیث المختارۃ'' میں اسے تخریج کیا۔ اور ابن تیمیہ نے یہ تصریح کی ہے کہ المختارۃ کی حدیثیں مستدرک کی حدیثوں سے اصح اور اقوی ہیں۔
پہلی مواخات کا واقعہ حاکم نے بطریق جمیع بن عمیر تخریج کی کہ ابن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ

نے ابوبکر وعمر، وطلحہ وزبیر، اورعبدالرحمٰن بن عوف اورعثمان کے درمیان مواخات قائم فرمائی، اورایک جماعت کا ذکر کر کے فرمایا:علی نے عرض کی :اے اللہ کے رسول! آپ نے اپنے اصحاب کے درمیان مواخات قائم فرمائی تو میرا بھائی کون ہے؟ آپ نے فرمایا:''میں تمہارا بھائی ہوں'' گزشتہ حدیثوں کے ساتھ اسے ملانے سے یہ قوی ہوجاتی ہےاور کتاب **الوکالة** کے کچھ پہلے باب **الکفالة** میں''**لاحلف في الإسلام**'' (اسلام میں کوئی حلف نہیں) کے تحت اس پر گفتگو ہوچکی جس کے اعادہ کی کوئی حاجت نہیں''۔الخ

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر کے اس کلام میں تین اہم نقطے ہیں:

پہلا نقطہ: ابن حجر نے یہ ثابت کیا کہ ابن تیمیہ کی تالیف ابن المطہر رافضی کے رد میں ہے اس نے اپنی کتاب منہاج میں حدیث مشہور کو کاذب کہا۔

دوسرا نقطہ: ابن حجر نے یہ ثابت کیا کہ ابن تیمیہ نے نبی پاک ﷺ کی حدیثوں کو رد کیا ہے۔

تیسرا نقطہ: حافظ ابن حجر نے ابن المطہر رافضی کے رد میں ابن تیمیہ کی کتاب مطالعہ نہ کی ورنہ اس میں حدیث صحیح ثابت یعنی ''**من کنت مولاہ فعلي مولاہ**'' کے متعلق ابن تیمیہ کا مذکورہ دعوی پاتے ،اس سے پتہ چلتا ہے کہ بہت سے ائمہ نے کافی تلاش وجستجو کے ساتھ ابن تیمیہ کے کلام کا مطالعہ نہ کیا۔

بہت سے علما کہتے ہیں ابن تیمیہ نے ایسا ایسا نہ کہا جب کہ ابن تیمیہ کی کتابوں میں اکثر مقامات پر ان چیزوں کا ثبوت ملتا ہے جن علما نے اس طرح کی باتیں کیں ان میں سے ابن کثیر ہیں جیسا کہ ان شاء اللہ تعالی عنقریب آئے گا۔

(۲۲) کیا ابن تیمیہ کو اس بات کا غم ہے کہ نبی پاک ﷺ نے علی رضی اللہ تعالی عنہ سے فرمایا: "لا یحبک إلا مؤمن و لا یبغضک إلا منافق" (تم سے مومن ہی محبت کرے گا اور منافق ہی بغض رکھے گا)

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۱۴۹/۷) میں کہا: "وہ شخص ظالم و جاہل ہے جو صحابہ کے بارے میں خلاف واقعہ اعتقاد رکھے، اور ان کے بارے میں یہ گمان کرے کہ وہ کافر یا فاسق تھے اس وجہ سے کہ علی سے بغض رکھا، علی سے بغض رکھنے والا منافق نہیں، اس سے اس روایت کا کذب ظاہر ہو جاتا ہے جو بعض صحابہ جیسا کہ جابر سے مروی ہے انھوں نے فرمایا:

"ہم نبی پاک ﷺ کے عہد میں منافقین کو اسی سے پہچان لیتے تھے کہ وہ علی سے بغض رکھتا تھا"۔ کیوں کہ اللہ تعالی نے سورۃ توبہ وغیرہ میں منافقوں کی کچھ صفتوں اور علامتوں کا ذکر فرمایا ان میں علی سے بغض کا ذکر نہ فرمایا جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿وَمِنْهُم مَنْ يَقُولُ ائْذِنْ لِي وَلَا تَفْتِنِّي أَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا﴾[التوبہ-۹:۴۹]

ترجمہ:۔"اور ان میں کوئی تم سے یوں عرض کرتا ہے کہ مجھے رخصت دیجئے اور فتنہ میں نہ ڈالیے"۔

میں کہتا ہوں:

(۱) امام مسلم وغیرہ نے زر سے تخریج کی انھوں نے فرمایا کہ: علی نے فرمایا: قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے دانہ کو چاک کیا اور جان کو پیدا کیا! بے شک نبی امی ﷺ نے مجھ سے یہ عہد لیا کہ: "مجھ سے مومن ہی محبت کرے گا اور منافق ہی بغض رکھے گا"۔(۱)

(۱) مسلم نے اس حدیث کی تخریج کی (۸۶/۱) اور امام احمد (۹۵/۱)، ترمذی (۶۴۳/۵)، نسائی (۱۳۷/۵)، ابن ماجہ (۴۲/۱)، ابن حبان (۳۶۷/۱۵) نے جیسا کہ ابن شیبہ نے اس کو روایت کیا (۳۷۲/۶) اور ابن عاصم نے السنۃ (۵۹۸/۲) اور استیعاب میں (۱۱۰۰/۳) اور صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے علی رضی اللہ تعالی عنہ سے فرمایا: "تم سے مومن ہی محبت کرے گا اور منافق ہی بغض رکھے گا"۔

(۲) **میں کہتا ہوں:** کیا ابن تیمیہ فرقہ اہل قرآن سے ہے جو سنت رسول پاک کو جھٹلاتے ہیں، اور قرآن کے علاوہ دوسری کتابیں نہیں مانتے یا اہل قرآن کے لیے دروازہ کھول رہا ہے؟

چلیے ابن تیمیہ کی یہ بات مان لیتے ہیں کہ اللہ تعالی نے سورۃ توبہ وغیرہ میں منافقوں کی کچھ صفتوں اور علامتوں کا ذکر فرمایا ان میں علی سے بغض کا ذکر نہ فرمایا تو کیا اللہ تعالی نے اپنی کتاب حکیم میں یہ ذکر فرمایا کہ ظہر کی نماز چار رکعت ہے؟

(۲۳)ابن تیمیہ کے بعض اقوال جن کے ذریعہ اس نے سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ کی شان میں گستاخی کی، اور جن کے سبب اس کے زمانہ کے علما نے اسے منافق کہا، ابن تیمیہ نے ابن مطہر رافضی کا رد کیا

حافظ ابن حجر نے ''اللسان'' (۳۱۹/٦) میں ابن مطہر حلی کے ترجمہ میں ابن تیمیہ پر اس کے رد کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

> ''میں نے ابن مطہر کی ذکر کردہ حدیثوں کے رد میں ابن تیمیہ کو حد درجہ ظالم و بے باک پایا، ابن مطہر کی ذکر کردہ اکثر حدیثیں اگر چہ موضوعات و واہیات ہیں لیکن ابن تیمیہ نے ابن مطہر کے رد میں بہت سی جید حدیثیں رد کر ڈالیں جن کے مقامات بوقت تصنیف مجھے مستحضر نہیں، ابن تیمیہ اپنے وسعتِ حافظہ کے سبب اسی پر اعتماد کر لیتا جو اس کے سینہ میں محفوظ ہوتا اور انسان سے عمداً نسیان ہوتا رہتا ہے، رافضی کے کلام کی اہانت میں ابن تیمیہ نے ایسے ایسے مبالغے کیے جن سے علی رضی اللہ تعالی عنہ کی بھی تنقیص شان ہوتی ہے، اس ترجمہ میں اس کی توضیح اور اس کی مثالیں ذکر کرنے کی گنجائش نہیں۔ الخ

حافظ ابن حجر نے الدرر الکامنۃ (۱۸۱/۱-۱۸۲) میں کہا: ''بعض حضرات نے ابن تیمیہ کی طرف نفاق کی نسبت کی اس لیے کہ اس نے علی رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں گزشتہ باتیں کہیں، اور اس نے آپ کے بارے میں یہ شنیع کلمات بھی کہے:

> ''کہ وہ جہاں کہیں گئے بے یار و مددگار رہے''۔
>
> ''انھوں نے بار بار خلافت حاصل کرنے کی کوشش کی مگر اس میں کامیابی نہ ملی''۔
>
> ''انھوں نے ریاست کے لیے قتال کیا دیانت کے لیے نہیں''۔

''انہیں ریاست محبوب تھی اور عثمان کو مال محبوب تھا''۔

''ابن تیمیہ نے کہا: ابوبکر بڑھاپے میں اسلام لائے انہیں اپنی باتوں کا خوب علم تھا، اور علی بچپنے میں اسلام لائے اور ایک قول پر بچے کا اسلام لانا صحیح و درست نہیں''۔

''اس نے ابوجہل کی بیٹی کے پیغام نکاح کے واقعہ میں کلام کیا اور تادم مرگ اسے نہ بھولا''۔

ابوالعاص ابن الربیع کا واقعہ اور اس واقعہ سے جو کچھ ماخوذ ہوتا ہے اس سلسلے میں اس نے طعن و تشنیع کی جس کے سبب اس کے زمانہ کے علما نے اس پر نفاق کا الزام لگایا کیوں کہ حضور نے علی کے بارے میں فرمایا: ''**ولا یبغضک إلا منافق**'' (ترجمہ:۔''تم سے منافق ہی بغض رکھے گا'')۔الخ

(۱) ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۶/۴۳) میں کہا:

''علی رضی اللہ تعالی عنہ پر رسول اللہ ﷺ کی کئی گونا حدیثیں پوشیدہ رہیں جن میں بعض سنتیں آخری وقت تک نہ جان سکے۔الخ بحروفہ

میں کہتا ہوں: ماشاء اللہ! سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ پر حضور کی بہت سی سنتیں پوشیدہ رہیں، اور ابن تیمیہ نے انہیں جان لیا اور علم الٰہی پر مطلع و آگاہ ہو گیا اس لیے کہ اسے یہ معلوم ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ آخری وقت تک حضور کی ان سنتوں کو نہ جان سکے!

(۲) ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۷/۵۳۰) میں کہا:

''اہل مدینہ منورہ علی کا قول نہ لیتے، بلکہ فقہائے سبعہ زید و عمر و ابن عمر وغیرہم سے فقہ کی تحصیل کرتے''

(۳) اس نے اپنی کتاب منہاج (۸/۲۷۹) میں یہ بھی کہا:

''عمر نے علی سے جتنا استفادہ کیا اس سے کہیں زیادہ علی نے عمر سے استفادہ کیا، اور عثمان تو ابوبکر و عمر سے بہت ہی زیادہ کم علم تھے اس کے باوجود انہیں علی کی حاجت نہ تھی، یہاں تک کہ بعض صحابہ نے علی سے عثمان کے خراج و صدقات وصول کرنے والے عاملین و محصلین کی

شکایت کی تو آپ نے عثمان کی خدمت میں کتاب الصدقہ بھیجا تو عثمان نے کہا: ہمیں اس کی حاجت نہیں ''عثمان نے سچ کہا'' الخ

(۴) اس نے اپنی کتاب منہاج (۲۴۱/۴) میں یہ بھی کہا:

''اوران کے فتاوی عمر کے فتاوی کی جنس سے ہیں، اورعثمان ان حضرات سے زیادہ صواب ودرستگی والے نہ تھے، ان حضرات کے مرجوح اقوال ان کے مرجوح قول سے زیادہ نہیں، نبی پاک ﷺ کی مدح وثنا اور خوشنودی ورضا ان حضرات سے زیادہ انہیں حاصل نہیں''۔

میں کہتا ہوں:

اس کا رد حافظ مزی کے کلام سے ہوجاتا ہے جوانھوں نے تہذیب الکمال (۴۸۰/۲۰-۴۸۹) میں کہا، امام احمد (۱۱۳/۵) اور ابن ابوشیبہ (۱۳۸/۶) اور حاکم (۳۴۵/۳) نے عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے تخریج کی کہ حضرت عمر نے فرمایا: علی کو ہم سب سے زیادہ قضا کا علم تھا۔

اور یحیٰ بن سعید نے روایت کیا کہ سعید بن میسّب نے فرمایا: عمر اس کٹھن اور دشوار قضیہ سے پناہ لیتے جسے حل کرنے کے وقت ابوالحسن (علی) موجود نہ ہوتے۔ اور سعید بن جبیر نے روایت کیا کہ ابن عباس نے فرمایا: ہمارے پاس علی کی کوئی تحقیق آتی تو ہم دوسری تحقیق آپ کی تحقیق کے برابر نہ ٹھہراتے۔ الاصابۃ (۵۶۴/۴-۵۶۹) مطالعہ کریں۔

جو شخص صحابہ اور سلف صالح کے اقوال میں غور وخوض کرے گا سابقہ نقطوں میں ابن تیمیہ کا کذب اس پر اظہر من الشّمس ہوجائے گا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے حوالے سے جو کچھ کہا گیا اس کی سند پیش کی جائے، حضرت عثمان اور بقیہ صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین کے درمیان حقائق کا مطالعہ کرنے والے ابن تیمیہ کا جھوٹ خوب جانتے ہیں۔

(۵) اس نے اپنی کتاب منہاج (۱۹۹/۷) میں یہ بھی کہا:

''علی کی طرح دوسرے صحابہ نے بھی اسلام میں اچھے کارنامے انجام دیے، بعض صحابہ کے اعلی کارنامے

علی کے کارناموں سے بھی بڑھ کر ہیں، نقل سے ثابت شدہ صحیح سیرت جسے معلوم ہے اس پر یہ حقائق روشن ہیں''۔

(۶) اس نے اپنی کتاب منہاج (۴/۳۷۱) میں یہ بھی کہا:

''نبی ﷺ نے علی رضی اللہ تعالی عنہ سے یہ فرمایا:''میں جھنڈا ایک ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ ورسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ ورسول اس سے محبت رکھتے ہیں'' اور علی نے یہ کہا:''نبی امی نے مجھ سے یہ عہد فرمایا کہ مجھ سے مومن ہی محبت اور منافق ہی بغض رکھے گا'' اور آپ نے علی سے یہ فرمایا: کیا تم اس پر خوش ہو کہ تمہیں مجھ سے وہ مقام حاصل ہو جو ہارون کو موسی سے حاصل ہوا مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں'' یہ چیزیں علی کے خصائص سے نہیں ہاں ان فضائل ومناقب سے ہیں جن سے ان کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ان فضائل ومناقب کے باب میں اہل سنت کی روایت مشہور ہے وہ اس روایت کے ذریعہ خوارج وغیرہ کا طعن دفع کرتے ہیں جو علی کو طعنہ کرتے۔اور انہیں کافر یا ظالم ٹھہراتے ہیں''۔

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ کے رد کے لیے حافظ ابن حجر کا کلام نمبروار ملاحظہ فرمائیں آپ نے الاصابۃ (۴/۵۶۴-۵۶۹) میں فرمایا:

حضرت علی کی بعض خصوصیتیں:

۱) حضور اقدس ﷺ نے غزوہ خیبر کے موقعہ پر سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں فرمایا:''علی بن ابو طالب کہاں ہیں؟''صحابہ نے عرض کیا انہیں آشوب چشم ہے، حضور نے انھیں بلا بھیجا اور ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا جس سے ان کی آنکھیں شفایاب ہوگئیں پھر آپ نے انہیں پرچم عطا فرمایا۔صحیحین میں شیخین نے اس حدیث کو سہل بن سعد، اور سلمہ بن اکوع سے اسی طرح مختصراً روایت کیا، اس میں یہ ہے کہ:''اللہ ان کے ہاتھوں خیبر فتح فرمائے گا''۔اور مسلم میں ابو ہریرہ کی روایت اسی طرح ہے، اس میں ہے: عمر نے کہا: صرف اسی دن میرے اندر امارت کی محبت پیدا ہوئی تھی۔

امام احمد نے بریرہ کی حدیث سہل کی حدیث کی طرح روایت کیا، اوراسی میں اس کے شروع اورآخر میں مرحب کا یہ واقعہ ہے کہ حضرت علی نے اسے قتل فرمایا، آپ نے اس کی کھوپڑی پر ایسی تلوار چلائی جس سے اس کا بیضہ (خود) کاٹ کررکھ دیا۔اسی میں یہ بھی ہے کہ:"آپ ابھی مجاہدین کے آخری صف میں ہی تھے کہ اللہ نے انہیں فتح خیبر عطافرمادیا۔

اورمسند امام عبداللہ بن احمد بن حنبل میں جابر کی یہ روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب علی کوخیبر کے دن پرچم عطافرمایاتو آپ قلعہ خیبر کی طرف تیزی سے بڑھے،صحابہ آپ سے کہنے لگے رفق ونرمی سے چلیے، آپ نے خیبر کے قلعہ پرپہنچ کرتنہااس کادروازہ کھینچااورزمین پراسے لاکررکھ دیا،دوبارہ ستر صحابہ نے مل کراس دروازہ کواٹھایااوراسے اس کی جگہ کھڑاکیا۔

اس حدیث کی سند میں حرام بن عثمان متروک ہیں،حافظ ابن حجر نے الاصابۃ (۵٦۷/۴) میں اسے ذکرکیا۔

ابورافع کی حدیث میں بھی دروازہ کے واقعہ کاذکرہے مگراس میں دوسری تعداد مذکورہے۔

۲) احمد ونسائی نے بطریق عمروبن میمون تخریج کی کہ: میں ابن عباس کے پاس بیٹھاہواتھااچانک آپ کے پاس سات اشخاص حاضرہوئے پھرآپ نے یہ قصہ ذکرکیاجس میں یہ ہے:

"آپ اپنالباس جھاڑتے ہوئے آئے اورفرمایاکہ لوگ ایک باعزت شخص کے بارے میں چہ میگوئیاں کررہے ہیں جب کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:"میں ضرورایک ایسے شخص کوروانہ کروں گاجسے اللہ رسوانہ فرمائے گا، انھیں اللہ اوررسول سے محبت ہے،علی آشوب چشم کی حالت میں آئے حضورنے آپ کی آنکھوں میں اپنالعاب دہن لگایاپھرتین بارجھنڈالہراکرعلی کوعطافرمایاپھرصفیہ بنت حیی کولے کرآئے اورقریش کےسامنے سورہ برأت تلاوت فرماکرآپ کوروانہ فرمایا۔

۳) نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا:"لایذهب إلا رجل مني و أنا منه" "صرف ایک شخص جارہے ہیں جومجھ سے ہیں اورمیں ان سے ہوں"۔

۴) آپ نے اپنے چچا کے بیٹوں سے فرمایا تم میں سے کون شخص دنیا وآخرت میں مجھے دوست رکھے گا؟ تو کسی نے جواب نہ دیا اور علی نے عرض کی: میں، اس پر حضور نے فرمایا: "إنــه ولیي في الدنیا والآخرہ"، علی دنیا وآخرت میں میرے ولی ہیں"

۵) حضور نے اپنی چادر اقدس علی وفاطمہ اور حسن وحسین پر ڈالی اور فرمایا:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَذْهَبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ﴾ [الاحزاب-۳۳:۳۳]

ترجمہ:۔"اور اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپا کی دور فرمادے"۔

حضرت علی نے حضور کا لباس زیب تن فرمایا، اور آپ کے بستر استراحت پر سوئے، مشرکین حضور کے قتل کے ارادہ سے آئے ہوئے تھے صبح کے وقت انھوں نے حضور اقدس کے بستر استراحت پر علی کو دیکھا تو پوچھا تمہارے صاحب کہاں ہیں؟

اور حضور نے غزوۂ تبوک میں علی سے فرمایا: أنـت مـنـي بـمـنـزلة هـارون من موسی، إلا أنک لسـت بـنبـي"، تمہیں میری طرف سے وہ مقام حاصل ہے جو ہارون کو موسی سے ملا مگر تم نبی نہیں، یعنی تمہیں خلیفہ مقرر کیے بغیر میرا جانا مناسب نہیں۔

اور علی سے فرمایا: "أنـت ولي كل مؤمن من بعدي"، "میرے بعد تم ہر مومن کے ولی ہو" اور علی کے دروازے کے سوا سارے دروازے بند کر دیے گئے، آپ نے علی کو بحالت جنابت مسجد میں داخل ہونے کی اجازت عطا فرمائی اس لیے کہ مسجد سے آپ کا راستہ تھا اس راستہ کے علاوہ آپ کا کوئی دوسرا راستہ نہ تھا۔

۶) اور حضور اقدس نے فرمایا: "مـن كنت مولاه فعلي مولاه"، "میں جس کا مولی ہوں علی اس کے مولی ہیں" اور اللہ نے یہ خبر دی کہ تمام اصحاب شجرہ (درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں) سے راضی ہے۔اس کے بعد ہمیں یہ نہ بتایا کہ وہ ان لوگوں سے ناراض ہوا، اور حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: اے عمر! تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ اہل بدر کی نصرت وحمایت فرما رہا ہے پھر فرمایا تم جو چاہو کرو۔

۷) سعید بن مسیّب نے فرمایا کہ: عمر اس مشکل قضیہ سے پناہ مانگتے جس کے حل کرنے میں ابوالحسن (علی) شریک نہ ہوتے۔

۸) اور سعید بن جبیر نے فرمایا: ابن عباس فرماتے تھے: **إذا جاء ناالثبت عن علي لم نعدل به** جب علی کی کوئی تحقیق ہمیں مل جاتی ہے تو ہم کسی تحقیق کو اس کے برابر نہیں ٹھہراتے۔

اور وہب بن عبداللہ نے ابوطفیل سے روایت کیا: علی فرماتے تھے: ''اللہ تعالی کی کتاب کے متعلق مجھ سے پوچھو، مجھ سے پوچھو، خدا کی قسم کوئی آیت نہیں مگر میں جانتا ہوں کہ رات میں اتری یا دن میں''۔

اور ترمذی نے بسند قوی عامر بن سعد بن ابو وقاص سے وہ اپنے باپ سے راوی کہ انھوں نے فرمایا: معاویہ نے سعد سے فرمایا کہ ابوتراب کی بدگوئی سے تمہیں کیا چیز روکتی ہے؟ تو انھوں نے فرمایا میں نے تین چیزیں ذکر کیں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور یہ کہا کہ ان میں سے کسی ایک خصلت کا مجھے حاصل ہونا سرخ اونٹوں سے زیادہ پسند ہے میں ہرگز انہیں برا بھلا نہ کہوں گا (۱) جب حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم علی کو چھوڑ کر بعض غزوات میں تشریف لے جا رہے تھے تو علی نے آپ سے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ کر جا رہے ہیں، تو حضور نے ان سے فرمایا: ''کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ میرے پاس تمہارا وہ مقام ہو جو ہارون کو موسی سے ملا مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبوت نہیں۔ (۲) اور خیبر کے دن سرکار سے فرماتے سنا: ''میں ضرور ایک ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جو اللہ ورسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ ورسول اسے محبوب رکھتے ہیں'' تو ہم لوگوں نے وہ پرچم حاصل کرنے کے لیے اپنی گردن دراز کی اور اس پر فخر کیا تو سرکار نے فرمایا: ''علی کو بلاؤ'' علی آشوب چشم کی حالت میں آپ کے پاس حاضر ہوئے تو سرکار نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا اور انہیں پرچم عطا فرمایا تو اللہ نے ان کے ہاتھ خیبر فتح فرمایا (۳) اور جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَآءَ نَاوَأَبْنَآءَ كُمْ وَنِسَآءَ نَا وَنِسَآءَ كُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ﴾

[آل عمران-۳:۶۱]

ترجمہ:۔''تو ان سے فرما دو آؤ ہم تم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں''۔

تو رسول اللہ ﷺ نے علی اور فاطمہ اور حسن وحسین کو بلا کر یہ دعا فرمائی:''**اللھم ھو لاء أھلي** '' اے اللہ! یہ میرے اہل ہیں۔

امام ترمذی نے بھی حضرت علی سے اس حدیث کی تخریج کی۔اور یہ حدیث مسلم میں بھی ہے،حضرت علی نے فرمایا: نبی کریم ﷺ نے مجھ سے یہ عہد فرمایا'' کہ مومن کے سوا کوئی تم سے محبت نہ کرے گا،اور منافق کے سوا کوئی تم سے بغض نہ رکھے گا''۔

۹) امام ترمذی نے باسناد قوی عمران بن حصین سے اس قصہ کے متعلق تخریج کیا جس میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''تم لوگ علی سے کیا چاہتے ہو، بے شک علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں اور وہ میرے بعد ہر مومن کے ولی ہیں''اور مسند احمد میں بسند جید مروی ہے کہ حضرت علی نے فرمایا:عرض کیا گیا یارسول اللہ! آپ کے بعد کون امیر ہوگا؟فرمایا:اگر تم ابوبکر کو امیر بناؤ تو انہیں امین ،تارک الدنیا اور آخرت کی رغبت وخواہش رکھنے والا پاؤ گے، اور اگر عمر کو امیر بناؤ گے تو انہیں باقوت،امانت دار پاؤ گے انہیں اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہیں،اور اگر علی کو امیر بناؤ گے اور میں نہیں دیکھتا کہ تم انہیں امیر بناؤ گے تو تم انہیں ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ پاؤ گے،وہ تمہیں صراط مستقیم پر گامزن رکھیں گے''۔(حافظ ابن حجر کا کلام ختم ہوا)

اس گفتگو کے بعد اب ابن تیمیہ کے اقوال ملاحظہ فرمائیں:

(۷) اس نے اپنی کتاب منہاج (۷۶/۸) میں کہا:

''یہ کہنا کہ علی سب سے زیادہ دلیر تھے یہ جھوٹ ہے، بلکہ رسول اللہ ﷺ سب سے بڑے بہادر و دلیر تھے''۔

میں کہتا ہوں:

سبحان اللہ کیا اس کلام کا یہ معنی ہے کہ علی رضی اللہ تعالی عنہ رسول اللہ ﷺ سے افضل ہیں؟ یا اس سے یہ مقصود ہے کہ نبی پاک ﷺ کے بعد علی سب سے بہادر و دلیر ہیں؟ ذرا شوق انکار اور اس کا فلسفہ ملاحظہ ہو، وہ بھی کس کی شان میں؟

(۸) اس نے اپنی کتاب منہاج (۹۰/۸) میں کہا:

''اسلام میں بہت سے ایسے غزوات ہوئے جن سے اسلام کو قوت حاصل ہوئی ان میں علی کی تلوار کی کوئی تاثیر نہیں جیسے یوم بدر کہ اس روز وہ بہت سی تلواروں میں سے ایک تلوار تھے۔ تین عظیم جنگوں میں وہ امیر ہوئے (۱) یوم جمل، (۲) صفین اور (۳) نہروان۔ جمل اور نہروان میں مغلوب رہے کیوں کہ اسلامی لشکر باطل سے کئی گونہ زیادہ تھے پھر بھی دشمنوں پر فتح حاصل نہ کر سکے بلکہ خود دشمن ان پر غالب رہے یہاں تک کہ خود ان کا معاملہ کمزور ہوتا رہا اور ان سے قتال کرنے والوں کا معاملہ زور پکڑتا رہا''

میں کہتا ہوں:

مجھے نہیں معلوم ابن تیمیہ کے قلب وسینہ میں کیا ہے؟ اور کون سی چیز علی رضی اللہ تعالی عنہ کی شان میں ایسی جرأت وجسارت اور گستاخی وبے باکی پر آمادہ کرتی ہے، ابن تیمیہ بغور سنے بدر کے دن قتال وجہاد کے لیے جو تین حضرات نکلے آپ ان میں سے ایک ہیں، آپ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا عطا فرمودہ پرچم تھا، اور جب مصعب بن عمیر نے جام شہادت نوش فرمالیا تو رسول اللہ ﷺ نے علی ہی کو پرچم عطا فرمایا اور ہم یہ ذکر کر چکے کہ خیبر کے دن آپ رسول اللہ ﷺ کے علمبردار تھے۔

ناظرین فیصلہ کریں اور انصاف کریں کہ علی رضی اللہ تعالی عنہ کی شجاعت میں کوئی شبہ ہے؟؟ ہاں ابن تیمیہ کا قلب وسینہ ضرور تنگ ہے۔ آپ کو اختیار ہے ابن تیمیہ پر جو چاہیں حکم لگائیں۔

(۹) اس نے اپنی کتاب منہاج (۲۳۵/۸) میں یہ بھی کہا:

عثمان کو حضور نے اپنا داماد بنایا اوران سے اپنی بیٹی کا رشتہ ازدواج قائم فرمایا، حضور کوان سے یہ رشتہ ہمیشہ پسند رہا، عثمان سے کبھی ایسا فعل سرزد نہ ہوا جس پر حضور انہیں عتاب فرماتے بلکہ خود سرکار نے یہاں تک فرمایا:''**لو كان عندنا ثالثة لزوجناهاعثمان**''اگر ہمارے پاس کوئی تیسری بیٹی ہوتی تو اس کا نکاح عثمان سے کرتے''اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی کے نزدیک علی کے رشتہ کی بہ نسبت عثمان سے اپنی شہزادی کا رشتہ زیادہ کامل ہے۔

میں کہتا ہوں:

ابوبکر صدیق نے نبی پاک ﷺ سے خواہش ظاہر کی کہ سیدہ فاطمہ کو ان کی زوجیت میں عطا فرمادیں، اوراسی طرح عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے نبی پاک سے سیدہ فاطمہ کے نکاح کی خواہش ظاہر کی مگر سرکار نے اسے قبول نہ فرمایا جیسا کہ ابن حبان نے اپنی صحیح (۱۵/۳۹۳،۳۹۴،۳۹۵) میں اسے روایت کیا، اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۹/۲۰۴) میں اسے طبرانی کی طرف منسوب کیا اور کہا: اس کے رجال ثقہ ہیں: حجر بن عنبس جنھوں نے دور جاہلیت کو پایا اوراس دور میں خون کھاتے پیتے اور علی رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ جنگ جمل وصفین میں شریک رہے انھوں (حجر بن عنبس) نے کہا: ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالی عنہما نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے نکاح کا پیغام دیا تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا:''**هـــي لک یاعلي**''''اے علی! وہ تمہارے لیے ہیں''۔

اور عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''**إن الـلـه أمـرني أن أزوج فاطمة من عـــلـــي**'' ''اللہ عزوجل نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں علی سے فاطمہ کا نکاح کردوں''ھیثمی نے مجمع الزوائد (۹/۲۰۴) میں ذکر کیا:

میں کہتا ہوں: اس کو طبرانی نے روایت کیا، اوراس حدیث کے رجال ثقہ ہیں۔

(۱۰) ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۶/۱۱۶) میں یہ بھی کہا:

''اوراہل سنت وللہ الحمد اس بات پر متفق ہیں کہ یہ لوگ یعنی خوارج گمراہ بدمذہب ہیں،

اورنصوص صحیحہ کی روشنی میں ان سے قتال وجہاد واجب ہے،خوارج سے جنگ وقتال امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سب سے بہتر کارنامہ تھا''۔

میں کہتا ہوں:

کیا سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سب سے بہتر کارنامہ یہ نہیں کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے، ہجرت کے وقت آپ کے مبارک بستر پر سوئے، آپ کے ساتھ بدر میں جہاد کیا، اور باقی مشاہد اور فتح خیبر وغیرہ میں اہم کارنامے انجام دیے؟

مجھے امید ہے کہ ناظرین پر ابن تیمیہ کا پرفریب اسلوب روشن ہو گیا ہوگا، ابن تیمیہ کے ریزہ خواروں سے پوچھنا چاہیئے کہ اہل سنت کا نقل کردہ اتفاق کہاں ہے؟

(۲۴) حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت پر ابن تیمیہ کا طعن اور آپ پر فساد کا الزام

(۱۱) ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۱۰۵/۴) میں کہا:

''علی ابن ابو طالب کے سوا کوئی امام نہ بن سکا'' حالاں کہ آپ کو سخت دشواریاں درپیش تھیں، امت کے نصف یا اس سے بھی کم یا اس سے زیادہ لوگوں نے آپ کی بیعت نہ کی''۔

میں کہتا ہوں:

اس کا ردوہی ہے جو حافظ ابن عبدالبر نے فرمایا، جسے مزی نے تہذیب الکمال (۲۰/۴۸۷-۴۸۹) میں نقل فرمایا:

''ابوعمر نے کہا: عثمان کی شہادت کے دن علی رضی اللہ تعالی عنہ کی بیعت کر لی گئی، اب مہاجرین وانصار آپ کی بیعت پر متفق تھے، ان میں سے کچھ لوگ آپ کی بیعت سے پیچھے رہے اس پر آپ نے ان کی نہ توہجو کی، اور نہ انہیں ناپسند فرمایا، ان کے بارے میں آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا یہ لوگ حق سے بیٹھے رہے، اور باطل کے ساتھ کھڑے نہ ہوئے''۔

قارئین کرام پر اللہ رحم فرمائے ذرا اس جملہ پر غور کریں:

''**وتخلف عن بيعته نفر**'' کچھ لوگ آپ کی بیعت سے پیچھے رہے۔

اور پھر اس جملہ کو ابن تیمیہ کے کلام سے ملائیں۔

(۱۲) اس نے اپنی کتاب منہاج (۱۵۶/۶، ۱۵۷) میں یہ بھی کہا:

''نیز عثمان کی خلافت وولایت میں کچھ ایسے مصالح ومقاصد تھے جو صرف اللہ ہی کو معلوم ہیں، اگر ان کی ولایت میں کچھ ایسی چیزیں رونما ہوئیں جو صحابہ کو ناپسند تھیں جیسا کہ بعض

بنوامیہ کو امیر بنانا اور انہیں کچھ مال دینا وغیرہ تو ان کی خلافت کے بعد کی خلافت وولایت میں تو اس سے بھی زیادہ فسادات رونما ہوئے، اور اس میں وہ بھلائی حاصل نہ ہوئی جو عثمان کی خلافت میں حاصل ہوئی''۔

(۱۳) اور اس نے اپنی کتاب منہاج (۴/۱۱۷) میں یہ بھی کہا:

''آپ کے دور خلافت میں دین اسلام کو فروغ حاصل نہ ہوا''۔

(۱۴) اور اسی منہاج (۴/۱۶۱-۱۶۲) میں یہ بھی کہا:

''یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ خلفائے ثلاثہ پر مسلمانوں کا اتفاق رہا، ان کے دور خلافت میں کافروں پر تلواریں بے نیام رہیں، اور مسلمانوں سے دور رہیں، رہے علی تو ان کی بیعت پر اہل اسلام کا اتفاق نہ ہوا بلکہ ان کی خلافت کے زمانہ میں فتنہ رونما ہوا اور اس زمانہ میں تلوار کافروں سے ہٹ کر مسلمانوں پر بے نیام رہی، اور یہ خلافت تامہ کاملہ کے ائمہ کی یادوں کو فراموش کرنا، اور صرف اس خلافت کا ذکر کرنا ہے جو نا تمام رہی اور جس کا مقصود حاصل نہ ہوا''۔

(۱۵) ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۶/۴۸) میں کہا:

''اگر یہ کہا جائے کہ علی نے اس باب (قتال) میں اجتہاد کیا، اور انہیں اس اجتہاد سے یہ اذعان واعتقاد حاصل ہوا کہ قتال سے لوگ مطیع وفرماں بردار ہوں گے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ایسا اجتہاد معاف ہو جس میں ہزار ہا مسلمان قتل ہوں اور فسادات رونما ہوں اور کوئی مقصد حاصل نہ ہو، تو کیا ایک ایسے شخص کے قتل کے بارے میں اجتہاد معاف نہ ہوگا کہ اگر اس ایک شخص کو قتل کر دیا جائے تو ایک قسم کا مقصد خیر حاصل ہو اور برائیوں کا سدراہ ہو حالاں کہ وہ ایک شخص قتل نہ کیا گیا بلکہ اس کے قتل کا قصد کر کے اسے چھوڑ دیا گیا''۔

(۱۶) اس نے اسی منہاج (۷/۴۵۴) میں یہ بھی کہا:

''علی کے اس جنگ وقتال سے نہ دین کی مصلحت حاصل ہوئی، اور نہ دنیا کی، اور ان کی خلافت میں نہ تو کسی کافر سے جنگ ہوئی اور نہ کوئی مسلمان خوش رہا''۔

(۱۷) اس نے اسی منہاج (۲۳۱/۸-۲۳۳) میں کہا:

''علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے کسی قرابت دار کو کوئی خاص چیز نہ دی، ہاں ان لوگوں سے جنگ شروع کی جنھوں نے ان سے جنگ کا آغاز نہ کیا، یہاں تک کہ اس جنگ میں ہزارہا مسلمان قتل ہوئے، اگرچہ ان کے اس فعل کی کچھ تاویل کی جاتی ہے جس کی موافقت میں بعض علما نے یہ کہا کہ یہ لوگ (علی سے قتال کرنے والے) باغی تھے اور اللہ تعالیٰ نے باغیوں کے قتل کا حکم فرمایا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا:

﴿فَقٰتِلُوا الَّتِي تَبْغِي﴾ [الحجرات-۹:۴۹]

ترجمہ: ''تو زیادتی کرنے والے سے لڑو''۔

لیکن اکثر علما اس تاویل کے خلاف ہیں'' الخ

(۱۸) اس نے اپنی منہاج (۲۴۱/۸-۲۴۳) میں یہ بھی کہا:

''جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ بارہ ۱۲ لوگ وہ ہیں جنہیں رافضی اپنا امام اعتقاد کرتے ہیں تو یہ انتہائی جہالت ہے، کیوں کہ ان لوگوں میں علی ابن ابو طالب کے سوا کوئی ایسا شخص نہ تھا جس کے پاس تلوار رہی ہو، اور ان سب کے باوجود علی اپنے دور خلافت میں کسی کافر سے نہ جنگ کر سکے، اور نہ ہی کوئی شہر فتح کیا، اور نہ کسی کافر کو قتل کیا''۔

میں کہتا ہوں: سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم، علم اور مواقف وخصائص پر یہ ابن تیمیہ کی سراسر الزام طرازیاں اور بہتان تراشیاں ہیں۔ اس نے آپ پر فساد کا الزام لگایا کہ آپ نے فساد انگیزی کی، ان سب کے باوجود ابن تیمیہ کو عالم کہا جا رہا ہے، اگر یہ کوئی عام آدمی ہوتا تو مستحق تعزیر ہوتا اور اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جاتا تو اس شخص کے بارے میں آپ کا کیا گمان ہے جسے لوگ عالم گمان کرتے ہیں۔ ابن تیمیہ کے اقوال اس بات کی طرف

داعی ہیں کہ اس کی تفسیق کی جائے، اسے بدمذہب کہا جائے، اور اس پر زندیقیت کا حکم لگایا جائے۔

علما نے اس کے بارے میں یہ کہا کہ: اس کا سینہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل بیت اطہار کے کینہ سے آلودہ و پراگندہ ہے۔

رہ گئی یہ گفتگو کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے قتال فرمایا تو اس سلسلے میں نبی پاک ﷺ کا وہ ارشاد کافی ہے جسے حاکم نے مستدرک (۱۳۲/۳) میں ابوسعید خدری سے تخریج کی اور اس کو صحیح کہا۔ ابوسعید خدری نے فرمایا: ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے انتظار میں بیٹھے تھے کہ رسول پاک اپنی بعض ازواج کے گھروں سے باہر تشریف لائے ہم آپ کے ساتھ کھڑے ہوگئے، آپ کا نعل پاک ٹوٹ گیا تو علی پیچھے رک کر اسے سینے لگے، رسول اللہ ﷺ اور ہم آپ کے ساتھ چلتے رہے پھر حضور کھڑے ہو کر علی کا انتظار فرمانے لگے ہم لوگ بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہوگئے، اس کے بعد حضور نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو قرآن کی تاویل پر قتال کریں گے جیسا کہ میں نے قرآن کی تنزیل پر قتال کیا'' یہ سن کر ہم لوگ بغور دیکھنے لگے ہمارے درمیان ابوبکر و عمر بھی تھے اس پر حضور نے فرمایا: ''نہیں وہ خاصف النعل (جوتا سینے والے) یعنی علی ہیں یہ سن کر ہم لوگ علی کو خوش خبری سنانے آئے تو آپ پہلے ہی اسے سن چکے تھے۔

سیدہ عائشہ کا حال معلوم ہے کہ آپ واقعہ جمل پر نادم تھیں اور اسی طرح طلحہ اور زبیر رضی اللہ تعالی عنہم۔

امام بخاری نے اپنی صحیح (۱۷۲/۱-۱۰۳۵/۳) میں ابن عباس سے تخریج کی کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

''ویح عمار تقتله الفئة الباغية يدعوهم إلى الجنة ويدعونه إلى النار''

ترجمہ: ''افسوس عمار کو باغیوں کی جماعت قتل کرے گی، وہ انہیں جنت کی طرف دعوت دیں گے اور وہ لوگ انہیں جہنم کی طرف بلائیں گے''۔

ذرا نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے اس ارشاد پاک میں غور فرمائیں:

''يدعوهم إلى الجنة ويدعونه إلى النار''

ترجمہ: وہ انہیں جنت کی طرف دعوت دیں گے، اور وہ لوگ انہیں جہنم کی طرف بلائیں گے۔

حافظ ابن حجر نے **الاصابہ** (۵۶۶/۴) میں فرمایا: ''عمار کی شہادت کے واقعہ سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آ گئی کہ حق وصواب علی کے ساتھ تھا اور اس پر اہل سنت کا اتفاق ہے اگر چہ پہلے اس میں کچھ اختلاف رہا وللہ الحمد''۔

اور طبرانی نے کبیر (۹/۲۴) میں جری بن سمرہ سے تخریج کی، انھوں نے فرمایا: جب اہل بصرہ اور علی کے درمیان معاملہ ہوا تو میں چل کر مدینہ منورہ آیا اور میمونہ بنت حارث سے ملاقات کی جو نبی پاک ﷺ کی بیوی اور قبیلہ بنی ہلال سے ہیں، میں نے آپ سے سلام عرض کیا تو فرمایا کون صاحب ہیں؟ میں نے عرض کیا اہل عراق سے، فرمایا: اہل عراق میں کس سے؟ میں نے عرض کیا اہل کوفہ سے، فرمایا اہل کوفہ میں کس سے؟ میں نے عرض کیا بنو عامر سے، فرمایا خوش آمدید قرب بالائے قرب وسعت بالائے وسعت پھر فرمایا: آنے کا سبب کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: علی اور طلحہ کے درمیان درپیش واقعہ کے سبب میں نے علی کے پاس جا کر ان کی بیعت کر لی، فرمایا: تو ان کے ساتھ رہنا خدا کی قسم وہ گمراہ نہ ہوئے اور نہ انہیں گمراہ کیا گیا، آپ نے تین بار یہی فرمایا۔

ہیثمی نے مجمع الزوائد (۱۳۵/۹) میں کہا: اس حدیث کے رجال صحیح کے رجال ہیں جری بن سمرہ ثقہ ہیں۔

حافظ ابن عبدالبر جن کے علم وفضل پر اجماع ہے انھوں نے الاستیعاب (۷۷/۱) میں کہا کہ: علی بن خشرم نے فرمایا، میں نے وکیع سے کہا: فتنہ سے کون محفوظ رہے فرمایا: نبی پاک کے مشہور ومعروف اصحاب میں چار حضرات (۱) سعد بن مالک، (۲) عبداللہ بن عمر، (۳) محمد بن مسلمہ، (۴) اسامہ بن زید، اور باقی لوگوں میں اختلاط ہے، آپ نے فرمایا: اور یہ حضرات ان لوگوں کے معاملہ میں شریک نہ رہے۔ تابعین میں سے چار حضرات علی کے ساتھ باغیوں کے خلاف قتال میں شریک نہ ہوئے (۱) ربیع بن خثیم، (۲) مسروق بن اجدع، (۳) اسود بن یزید اور (۴) عبدالرحمٰن بن سلمٰی۔ حافظ ابوعمر ابن عبدالبر نے کہا: لیکن عبدالرحمٰن بن سلمٰی تو ان کے بارے میں صحیح یہ ہے کہ وہ علی ابن ابو طالب کرم اللہ وجہہ کے ساتھ تھے، اور مسروق کے بارے میں ابراہیم نخعی نے ذکر کیا کہ وہ اگر چہ علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ نہ تھے مگر وصال سے قبل اللہ عزوجل کی بارگاہ میں اس سے توبہ کر لیا تھا کہ آپ علی کے ساتھ شریک نہ رہے، اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بچند طرق صحیحا مروی ہے کہ آپ نے

فرمایا: مجھے کسی چیز کا اتناغم نہ ہوا جتنا اس کا غم ہوا کہ علی رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ آپ کے باغیوں سے قتال نہ کیا۔

رہی علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت تو اس بارے میں حضور اقدس سید عالم ﷺ کا وہ ارشاد کافی ہے جس کو امام احمد (۱۰۸/۱) نے بسند جید علی رضی اللہ تعالی عنہ سے تخریج کی، علی نے فرمایا: عرض کیا گیا یارسول اللہ آپ کے بعد کون امیر ہوگا؟ فرمایا: اگر ابوبکر کو امیر بناؤ گے تو انہیں امین، تارک الدنیا، آخرت کی رغبت وخواہش رکھنے والا پاؤ گے، اور اگر عمر کو امیر بناؤ گے تو انہیں باقوت امانت دار پاؤ گے جنہیں اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہیں ہوتا، اور اگر علی کو امیر بناؤ گے اور میں نہیں دیکھتا کہ تم لوگ ایسا کرو گے تو انہیں ہدایت دینے والا ہدایت یافتہ پاؤ گے، وہ تمہیں صراط مستقیم پر گامزن رکھیں گے''۔(۱)

میں کہتا ہوں:

حاکم (۷۳/۳) نے اس حدیث کو صحیح کہا، اور ضیاء مقدسی نے المختارۃ (۸۶/۲) میں تخریج کی، اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۱۷۶/۵) میں کہا: بزار (۳۳/۳، ۲۹۹/۷) اور طبرانی نے اوسط (۳۴۱/۲) میں اس حدیث کی تخریج کی اور بزار کے رجال ثقہ ہیں، حافظ ابن حجر نے الاصابۃ (۵۶۹/۴) میں بزار کی سند کو جید کہا۔

نبی پاک ﷺ کے ارشاد پاک کے ہوتے ہوئے کسی کلام کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی، ہمیں حضور اقدس سید عالم ﷺ کا وہ ارشاد پاک کافی ہے جو آپ نے علی سے فرمایا: ''**من أشقى الأولين؟ قال: عاقر الناقة، قال: فمن أشقى الآخرين؟ قال: الله ورسوله أعلم، قال: قاتلك**'' ''اگلوں میں سب سے بڑا بدبخت کون ہے'' عرض کیا: صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹنے والا، فرمایا: ''بعد والوں میں سب سے بڑا بدبخت

(۱) امام احمد (۸۲،۳۳/۳) نے اس حدیث کی تخریج کی، اور ابن حبان (۳۸۵/۱۵) نے اس کو صحیح کہا، اور ابو یعلی (۳۴۱/۲) نے اس کو روایت کیا اور حاکم نے مستدرک (۱۳۲/۳) میں اس کو صحیح کہا، ھیثمی نے مجمع الزوائد (۱۸۶/۵) میں کہا: ابو یعلی نے اس حدیث کو روایت کیا، اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں اور یہ بھی کہا (۱۳۴،۱۳۳/۹) اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا اور ان کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ فطر بن خلیفہ ثقہ ہیں۔

کون ہے‘ عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے، فرمایا: ’’تمہارا قاتل‘‘(۱)

ہم اخیر میں ابن تیمیہ کی مضحکہ خیز اور خندہ انگیز باتوں پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کے ان پیروکاروں سے کہتے ہیں جو اس کی الفت کے اسیر اور محبت کے دیوانے ہیں۔

اس شخص کا کیا حکم ہے جو کسی صحابی، خاص کر عشرۂ مبشرہ، اور خاص کر چاروں خلفائے راشدین مہدیین میں کسی کی تنقیص شان کرے؟۔

ہم ان سے کہتے ہیں کہ امام بخاری نے اپنی صحیح (۱۳۵۸/۳) میں تخریج کیا کہ سعد بن عبیدہ نے فرمایا: ایک شخص عبداللہ بن عمر کے پاس آئے، انھوں نے آپ سے عثمان کے بارے میں پوچھا تو آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے کام کی خوبیاں ذکر کیں، پھر فرمایا: شاید یہ بات تمہیں اچھی نہیں لگ رہی ہے؟ کہا: ہاں، فرمایا: اللہ تمہاری ناک خاک آلود فرمائے، پھر آپ سے علی کے بارے میں پوچھا تو آپ نے ان کے کام کی خوبیاں ذکر کیں اور فرمایا: ان کی شان یہی ہے ان کا گھر نبی پاک ﷺ کے گھرانوں میں افضل ہے پھر فرمایا: شاید تمہیں یہ بات اچھی نہیں لگ رہی ہے، اس نے کہا: ہاں، فرمایا: تو اللہ تمہاری ناک خاک آلود کرے، جا اپنا کام کر۔

اے اللہ! ہمارے سردار محمد، اور آپ کی آل پاک پر صلاۃ وسلام نازل فرما۔

ابن کثیر پر ابن تیمیہ کے منفی اثرات مرتب ہوئے تو ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ (۲۳۲/۶) میں ایسی بات کہی جس کا گمان نہیں کیا جاسکتا تھا، انھوں نے کہا:

’’وعلي بن أبي طالب ليس من أهل البيت‘‘ ’’علی بن ابوطالب اہل بیت سے نہیں‘‘۔

مجھے نہیں معلوم کہ ابن کثیر سے یہ لغزش کیوں ہوئی، ابن کثیر اس روایت کے بارے میں کیا کہیں گے جسے امام مسلم وغیرہ نے سیدہ عائشہ سے روایت کیا: حضور اقدس سید عالم ﷺ صبح کے وقت نکلے آپ کے تن اطہر پر نقش

(۱) حدیث ’’من أشقی الأولین‘‘ (اگلوں میں سب سے بڑا بدبخت کون ہے) جابر بن سمرہ سے مروی ہے، حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۷/۷۴) میں فرمایا: طبرانی نے اس حدیث کی تخریج کی۔ اور امام احمد کے پاس اس کا شاہد عمار بن یاسر کی حدیث، اور طبرانی کے پاس صہیب کی حدیث ہے، اور ابویعلی کے نزدیک خود علی سے باسناد لین، اور بزار کے نزدیک باسناد جید مروی ہے۔

ونگار کی ہوئی سیاہ اونی چادر تھی، اتنے میں حسن بن علی آئے، حضور نے انہیں اپنی اس چادر اقدس میں داخل فرمالیا پھر حسین آئے انہیں بھی اپنے ساتھ اس چادر میں داخلفر مالیا، پھر فاطمہ آئیں آپ نے انہیں بھی اس چادر میں داخلفر مالیا، پھر علی آئے آپ نے انہیں بھی اس چادر انور میں داخل فرمالیا پھر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾

[الاحزاب-۳۳:۳۳]

ترجمہ:۔''اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرمادے اور تمہیں پاک کر کے ستھرا کردے''۔(۱)

(۱) امام مسلم نے اپنی صحیح (۱۸۸۳/۴) میں سیدہ عائشہ سے، اورامام احمد (۱۰۷/۴) اورابن ابوشیبہ (۳۷۰/۶) اورابن حبان (۴۳۲/۱۵) اورحاکم (۴۱۵/۲) نے واثلہ بن اسقع سے اورامام احمد (۲۹۲/۶) اورحاکم نے (۴۵۱/۲) ام سلمہ سے، اورترمذی (۳۵۱/۵) نے عمر بن ابوسلمہ سے روایت کیا۔

(۲۵) جنتی نوجوانوں کے سردار حسنین کریمین کی قدر و منزلت گھٹانے کے لیے ابن تیمیہ کا جوش غضب

ابن تیمیہ نے اپنی عادت کے مطابق اہل بیت کرام کی تنقیص شان کی خاطر اپنی کتاب منہاج (۱۶۸/۴-۱۶۹) میں کہا:

''رہ گئے باقی بارہ حضرات تو ان کی بہت سی صنفیں ہیں، جن میں بعض وہ صحابہ ہیں جن کے جنتی ہونے کی بشارت وشہادت دی گئی جیسے حسن وحسین۔ جن صحابہ کے جنتی ہونے کی بشارت دی گئی ان میں سے بہت سے حضرات ان دونوں کی اس فضیلت میں ان کے شریک ہیں، اور سابقین اولین میں ایسے حضرات ہیں جو ان دونوں سے افضل ہیں جیسا کہ اہل بدر، اور یہ دونوں حضرات (رضی اللہ عنہما) اگر جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں تو ابوبکر وعمر ادھیڑ عمر کے جنتیوں کے سردار ہیں اور یہ صنف اس صنف سے بلند تر ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ دونوں شہزادی رسول اللہ ﷺ کی اولاد ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس پر اہل سنت اور شیعہ سب کا اتفاق ہے کہ علی بن ابو طالب ان دونوں سے افضل ہیں حالاں کہ وہ شہزادئ رسول اللہ ﷺ کی اولاد سے نہیں اور نبی پاک ﷺ کے فرزند ابراہیم ان دونوں سے زیادہ حضور کے قریب ہیں، اور وہ بھی سابقین اولین سے افضل نہیں''۔

میں کہتا ہوں:

سبحان اللہ! حسن وحسین کے مقابل ابن تیمیہ کے ان ادراکات واحساسات پر کیا کوئی لگام لگانے والا نہیں، یہ دونوں حضرات وہ ہیں جن کے بارے میں فرشتہ نے نبی پاک ﷺ کو یہ خوش خبری دی کہ یہ دونوں جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔ مزید توضیح کے لیے عرض ہے:

(۱) ابن تیمیہ اللہ ورسول کے حکم سے کیوں نہیں ادب سیکھتا تمام اہل اسلام تو اسی ادب سے راضی ہیں۔ وہ

ادب نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد پاک ہے: **الحسن والحسين سيدا شباب أهل الجنة** ''حسن اور حسین جنتی نو جوانوں کے سردار ہیں'' ابن تیمیہ کو بھی حدیث متواتر کی صحت کا اقرار ہے۔

نبی پاک ﷺ کا ارشاد: ''حسن اور حسین جنتی نو جوانوں کے سردار ہیں'' خبر بھی ہے اور حکم بھی۔

(۲) حسن اور حسین جنتی نو جوانوں کے سردار ہیں اور اللہ عز وجل کی بعض برگزیدہ مخلوق کو چھوڑ کر تمام جنتی مخلوقات پر انھیں یہ فضیلت حاصل ہے، بلا شبہ یہ حضرات اس حکم سے مستثنیٰ ہیں مثلاً حضرات انبیائے کرام، نیز ابوبکر و عمر، اس لیے کہ یہ دونوں ادھیڑ عمر کے جنتیوں کے سردار ہیں۔اس پر نبی پاک ﷺ کا ارشاد نص جلی ہے اور ایسا ہی علی ابن ابو طالب بھی اس حکم سے مستثنیٰ ہیں اس لیے کہ خود نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''حسن اور حسین جنتی نو جوانوں کے سردار ہیں، اور ان دونوں کے والد ان دونوں سے افضل ہیں'' اب ان حضرات کے علاوہ وہ شخص جس کے متعلق نبی پاک ﷺ کی طرف سے کوئی ایسی صریح نص نہیں جس میں یہ وارد ہو کہ وہ شخص ان دونوں سے افضل ہیں بلا شبہ حسن و حسین ان تمام لوگوں کے سردار ہیں، ابن تیمیہ مانے یا نہ مانے۔

(۳) نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''حسن اور حسین تمام جنتی نو جوانوں کے سردار ہیں مگر خالہ کے دو بیٹے عیسیٰ ابن مریم، اور یحیٰ بن زکریا۔اور فاطمہ تمام جنتی عورتوں کی سردار ہیں مگر جو مریم بنت عمران سے ہوں'' ابن تیمیہ اس ارشاد سے یکسر تجاہل کرتا ہے اور نظر انداز کرتا ہے، ایک بار بھی اسے نہیں ذکر کرتا حالاں کہ اس حدیث کو امام احمد، نسائی، ابویعلی، ابن حبان نے اپنی صحیح میں، اور طبرانی نے تخریج کیا، اور حاکم نے اس کو صحیح کہا۔اور ذہبی نے اس کی موافقت کی اور بہت سارے محدثین نے اس حدیث کو صحیح و حسن کہا۔

(۴) ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ: ''سابقین اولین میں بعض حضرات ایسے ہیں جو ان دونوں سے افضل ہیں جیسا کہ اہل بدر'' یہ ابن تیمیہ کی ایسی خطا ہے جسے کوئی طالب علم نہ کرے گا اس لیے کہ امام بخاری (۱۸۵۵/۴) و مسلم (۱۹۴۱/۴) کی روایت میں یہ ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے حاطب بن ابی بلتعہ رضی

اللہ تعالی عنہ کوقتل کرنا چاہا، جب حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اہل مکہ کو خطاب کیا عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن ماردوں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ بدر میں شریک ہو چکا ہے، اور تمہیں کیا معلوم، کہ اہل بدر کے بارے میں اللہ نے یہ فرمایا ہے: ''اب تم جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا ہے''۔

خدائے پاک کا اہل بدر کو معاف فرمادینا اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ حضرات تمام جنتی نوجوانوں کے سرداروں سے افضل ہیں، اللہ عزوجل کروڑہا کروڑ مخلوقات کو بخشے گا تو کیا کوئی عاقل یہ کہے گا کہ یہ تمام جنتی نوجوانوں کے سرداروں سے افضل ہیں؟

(۵) بعض اہل بدر وہ ہیں جنھوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے متعلق آپ کی تہمت کے واقعہ میں کلام کیا، ان میں مسطح بن اثاثہ ہیں جن پر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ خرچ فرمایا کرتے تھے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے اسی افک کے واقعہ کے بارے میں فرمایا: ام مسطح اپنی چادر میں الجھ کرگر پڑی۔

اور عائشہ نے کہا: مسطح ہلاک ہوجائے، تو میں نے عائشہ سے کہا تم نے بری بات کہی ہے کیا بدر میں شریک ہونے والے مجاہد کو برا کہتی ہیں۔ عائشہ نے کہا: اے حضور! کیا آپ نے وہ نہ سنا جو لوگ کہہ رہے ہیں میں نے کہا کیا بات ہے؟ اب اس نے افترا پردازوں کی بات بتائی۔ (الحدیث)

بخاری (۱۷۷۵/۴) اور مسلم (۲۱۳۲/۴) دیکھیے۔

اور بعض اہل بدر کے بارے میں حضرت عمر نے حضور سے عرض کی یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیں میں اس منافق کی گردن ماردوں، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کہ یہ بدر میں شریک ہو چکا ہے اور تمہیں کیا معلوم، امید ہے کہ اصحاب بدر پر اللہ کا فضل متحقق ہو پھر فرمایا کہ: اللہ عزوجل نے اہل بدر سے فرمایا: اب تم جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا۔

ان حقائق کے ہوتے ہوئے ابن تیمیہ جنتی نوجوانوں کے سرداروں پر کسی کو کیسے فضیلت دیتا ہے۔

(۲۶) رسول اللہ ﷺ کے فرزند قاسم بھی ابن تیمیہ کے اس میزان سے نہ بچ سکے جو اس نے حضور اقدس ﷺ کے اہل بیت کے لیے قائم کر رکھا ہے۔

ابن تیمیہ کا یہ قول گذر چکا: ''اور اللہ کے نبی ﷺ کے فرزند ابراہیم حسن وحسین کی بہ نسبت حضور سے زیادہ قریب ہیں، اور وہ (ابراہیم) سابقین اولین سے افضل نہیں''۔

ہم کہتے ہیں:

ابن تیمیہ کے پاس کون سی دلیل اور کون سا مانع ہے؟ نبی پاک ﷺ کے فرزند ابراہیم اپنے رب کے حضور، حضور اقدس سید عالم ﷺ کی گود اور آپ کے آغوش تربیت میں ہیں، انہیں نبی پاک ﷺ کے ساتھ رہنے کے لیے کسی اذن کی ضرورت نہیں جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ﴾ [الطّور-۵۲:۲۱]

ترجمہ:۔''ہم نے ان کی اولاد ان سے ملا دی''

ہر بلند درجہ اپنے سے کم تر درجہ کو عزت وشرافت عطا کرتا ہے تو جو ذات مقام محمود کے بلند درجہ پر فائز ہو اس کی شرف نوازی کا کیا پوچھنا۔ اگر آپ زندہ رہتے تو نبی ہوتے جیسا کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا، حضرت خضر نے ایک ایسے بچہ کو قتل فرمایا جو قتل کا سزاوار تھا جب کہ ابھی وہ سن تکلیف کو بھی نہ پہنچا تھا کہ اس پر کفر کا حکم لگا کر اسے کافر قرار دیا جاتا مگر علم الٰہی میں اس کا کافر ہونا مقدر اور یقینی تھا اسی سبب وہ قتل کیا گیا، اور نبی پاک ﷺ کے فرزند حضرت ابراہیم اگر زندہ رہتے تو اللہ کے علم میں نبی ہوتے۔

وصل اللهم على سيدنا محمد ولد آدم وعلى السيدة فاطمة سيدة نساء أهل الجنة وعلى الحسن والحسين سيدا شباب أهل الجنة وجميع أهل البيت وإن كره الكارهون وسلم تسليما كثيرا كثيرا.

(۲۷) ابن تیمیہ کے اصحاب بغیر کسی دلیل کے اس سے یہ کہتے ہیں: ''تو سب سے بڑا عالم ہے'' تو وہ خاموش رہتا ہے۔ خود ابن تیمیہ جنتی نوجوانوں کے سرداروں کے بارے میں یہ کہتا ہے:

''حسن وحسین کا اپنے زمانہ کا سب سے بڑا زاہد وعالم ہونا بے دلیل بات ہے''

ابن تیمیہ کا عجب معاملہ ہے کہ اس کے پاس چند پیمانے ہیں جو اس کے دل کی چھپی ہوئی گستاخیاں ظاہر کرتے رہتے ہیں، اس نے اپنی کتاب **الجواب الصحیح** (۵۳/۶) میں صحابی جلیل ابوعبیدہ بن جراح کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

> ''آپ کے امیر کبیر ابوعبیدہ تمام مخلوق میں سب سے بڑے تارک الاموال، اپنے خالق کے سب سے بڑے عبادت گزار، اللہ کی مخلوق پر سب سے بڑے مہربان، اور خواہش نفس سے زیادہ دور رہنے والے تھے اسی لیے نبی پاک ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا:
>
> **''إن لکل أمة أمینا وأمین ھذہ الأمة أبوعبیدة بن الجراح''.**
>
> ترجمہ:۔''ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے، اور اس امت کے امین ابوعبیدہ بن جراح ہیں''۔
>
> اس ارشاد سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابوعبیدہ بن جراح ساری مخلوق میں سب سے بڑے زاہد وعابد، ان میں سب سے زیادہ مہربان، اور خواہش نفس سے زیادہ دور رہنے والے ہیں''۔

پھر اس کے بعد اپنی کتاب منہاج (۴۱/۴) میں حسن وحسین کے متعلق یہ ہرزہ سرائی کی: ''اور ان دونوں کا اپنے زمانہ کا سب سے بڑا زاہد وعالم ہونا بے دلیل بات ہے''۔

(۱) ہم ابن تیمیہ کے پیروکاروں سے کہتے ہیں کہ جنتی نوجوانوں کے سردار کے خلاف ابن تیمیہ کی ہرزہ سرائی پر کوئی دلیل ہے؟

(۲) ابوعبیدہ ابن جراح کے لیے کیوں یہ ثابت کیا کہ وہ ساری مخلوق میں سب سے بڑے زاہد و عابد و مہربان، اور خواہش نفس سے دور رہنے والے ہیں، اور حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لیے کیوں یہ ثابت نہ کیا؟ ہوسکتا ہے ابن تیمیہ کا کوئی ریزہ خوار اس کی حمایت میں یہ کہے کہ ابوعبیدہ بن جراح عشرہ مبشرہ سے ہیں، نیز اس امت کے امین ہیں۔ تو ہم کہتے ہیں بلاشبہ آپ کی یہی شان رفیع ہے، اور حسن وحسین بھی تو تمام جنتی جوانوں کے سردار ہیں جیسا کہ رسول پاک ﷺ نے اس پر نص فرمادیا ہے۔ اور یہ بہت ہی بلند و بالا مقام ہے، تو ابن تیمیہ کو صرف حسن وحسین ہی کی فضیلت کے بارے میں کیوں دلیل درکار ہے؟

(۳) ابن تیمیہ کو اس بات کا اعتراف ہے کہ: ''حسن وحسین جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں'' اور جب یہ دونوں حضرات تمام جنتی جوانوں کے سردار ہوئے تو اس مقام تک رسائی کے لیے دو وجہوں میں سے کوئی ایک وجہ ضرور ہوگی کسب، یا اللہ کی عطا سے انھیں یہ مقام ملا۔ کسب کا مطلب یہ ہے کہ: یہ مقام ان دونوں کی کوششوں سے انھیں ملا لیکن اللہ عزوجل کی بخشش وعطا یہ ہے کہ یہ دونوں نبی پاک ﷺ کا پارہ جگر ہونے کے سبب آپ کے اہل بیت ہیں، اور نبی پاک ﷺ کی قرابت کے سبب ان حضرات کو اللہ نے اس شرف سے نوازا، اور یہ گذر چکا کہ ابن تیمیہ کے نزدیک نبی پاک کی قرابت کا کوئی نفع ہی نہیں جب کہ اہل سنت وجماعت کے خلاف یہ مسئلہ ہے تو ابن تیمیہ کے سامنے اب صرف ایک ہی راہ رہی کہ وہ اس شرف کا کسبی ہونا تسلیم کرے۔ اور سیادت کا کسبی ہونا بھی اسے تسلیم نہیں جیسا کہ وہبی ہونا تسلیم نہیں۔

(۴) ابن تیمیہ کا حال ناظرین پر واضح ہو چکا کہ وہ حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بلند و بالا شان میں یہ کہتا ہے:

''ان حضرات کا اپنے زمانہ کا سب سے بڑا عالم ہونا بے دلیل بات ہے'' مگر اس کے برخلاف کتاب الأعلام العلية في مناقب ابن تيمية (۴۶/۱) میں اس کا ایک ریزہ خوار لکھتا ہے: ''اگر کسی دور دراز کے عام آدمی سے بھی یہ پوچھا جائے کہ اس زمانہ کا سب سے بڑا زاہد، دنیا کے فضولیات کے ترک میں سب سے بڑا کامل، اور طلب آخرت کا زیادہ حریص کون ہے؟ تو وہ یہی کہے گا کہ میں نے ابن تیمیہ جیسا کسی

کو نہ سنا''۔

اور ''الرد الوافر علی من زعم أن من أطلق علی ابن تیمیة شیخ الإسلام فهو کافر'' (۱۲۹/۱) میں مزی نے کہا:

''میں نے کتاب اللہ، اور سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا اس سے بڑا عالم، اور اس سے زیادہ متبع نہ دیکھا''۔

بھلا بتایئے یہ کوئی رد ہے۔

ہم ابن تیمیہ کے ریزہ خواروں سے پوچھتے ہیں کہ ابن تیمیہ کا اپنے زمانہ کا سب سے بڑا عالم وزاہد ہونا محتاج دلیل نہیں، اور حسن وحسین کا تمام جنتی جوانوں کا سردار ہونا، اور اپنے زمانہ کا سب سے بڑا عالم وزاہد ہونا محتاج دلیل ہے۔

ابن تیمیہ نے جنتی جوانوں کے سرداروں پر مسلسل زہرافشانی کرتے ہوئے اپنی کتاب منہاج (۵۵۰/۴) میں ایسی گفتگو کی جس سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ باطنی چیزوں کا عالم، اور وہی ان کی سیادتوں کو قائم رکھنے والا ہے:

''انہیں اور ان کے بھائی کو اللہ کی بارگاہ سے پہلے وہ سعادت ملی جو بغیر ابتلا اور امتحان وآزمائش کے نہیں ملتی''

میں کہتا ہوں: اسے کس نے یہ بتایا اور کس نے یہ حکم دیا، کیا اس کے پاس لوح، یا قلم، یا میزان ہے، ''اور ان دونوں کے پاس وہ سابقہ چیزیں نہیں جو ان کے اہل بیت کے پاس تھیں''۔

میں کہتا ہوں: یہ تسلیم کرنا کہ فضل وکمال صرف عمل ہی سے حاصل ہوتا ہے، یہ کہاں ہے؟ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ﴾ [البقرہ-۲:۲۶۹]

ترجمہ: ''حکمت اللہ کی عطا ہے جسے دینا چاہے''

''وہ دونوں آغوش اسلام میں عزت وامان کے ساتھ پروان چڑھے، تو ایک نے زہر سے شہید ہو کر دنیا سے سفر کیا، اور دوسرے تلوار سے شہید ہو کر دنیا سے گئے''، **میں کہتا ہوں:** کیا یہ ادب ہے، یہ کیسا اسلوب ہے۔ کیا اہل جنت کی سردار عورتیں اس لیے شہید ہوئیں تاکہ انہیں سعداء کا مقام اور شہدا کا عیش حاصل ہو، ''اور ان دونوں کا اس طرح (شہید ہو کر) سفر آخرت اس لیے ہوا تاکہ اس کے ذریعہ انہیں سعدا کا مقام اور شہدا کا عیش حاصل ہو''۔

میں کہتا ہوں:

کیا ابن تیمیہ شرک بالعمل کے گرداب میں پھنسا ہوا ہے، سعادت کبھی بندے کو بے عمل، اور کبھی معمولی عمل، اور کبھی اللہ عزوجل کے محض فضل سے حاصل ہو جاتی ہے اور اس کا ہرگز یہ معنی نہیں کہ بندہ عمل سے دور رہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اللّٰهُ يَجْتَبِيٓ إِلَيْهِ مَن يَّشَآءُ وَيَهْدِيٓ إِلَيْهِ مَنْ يُّنِيبُ﴾ [الشوریٰ-۴۲:۱۳]

ترجمہ:''اور اپنے قریب کے لیے چن لیتا ہے جسے چاہے اور اپنی طرف راہ دیتا ہے اسے جو رجوع لائے''۔

اور صحیح بخاری (۴؍۱۹۱۷) میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

''تمہاری اجل گزشتہ امتوں کے اجل کے مقابلہ میں ایسا ہی ہے جیسا کہ نماز عصر اور غروب آفتاب کے درمیان ہے، اور تمہاری اور یہود و نصاریٰ کی مثال اس شخص کی طرح ہے جیسا کہ کسی نے کسی کو کام کے لیے مزدور رکھا اور کہا ایک قیراط پر آدھا دن کون میرا کام کرے گا تو یہود نے کام کیا، پھر اس نے کہا کون آدھے دن سے عصر تک کرے گا تو نصاریٰ نے کیا، اس کے بعد تم لوگ دو دو قیراط کے بدلے عصر سے مغرب تک کام کرتے ہو، اس پر ان لوگوں نے کہا کام ہمارا زیادہ ہے اور عوض کم ہے؟ تو اس مالک نے کہا: کیا میں نے تمہارے مقررہ حق میں کچھ کمی کر کے تم پر ظلم کیا؟ وہ لوگ کہیں گے نہیں، وہ مالک کہے گا: یہ میرا فضل ہے جسے

چاہوں دوں''۔

(باب أحادیث الانبیاء ۵۴۹۷، باب فضائل القرآن ۵۰۷۳)

اس کے علاوہ وہ حدیث بھی پیش نظر رہے جس میں یہ ہے کہ: ''**لن یدخل أحدکم الجنة بسبب عمله**'' تم میں سے کوئی اپنے عمل کے سبب جنت میں نہ جائے گا، صحابہ عرض کریں گے: اور آپ بھی یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: **ولا أنا إلا أن یتغمدني الله برحمته** ''اور میں بھی جب تک کہ اللہ کی رحمت سایہ فگن نہ ہو''۔

(۵) اس مقام پر یہ وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ ابن تیمیہ کی کتاب ''**الزهد والورع والعبادة**'' (۸۵/۱) میں ہے کہ ابوالقاسم مغربی نامی ایک شخص نے ابن تیمیہ کے نام ایک مکتوب ارسال کیا جس میں یہ ہے:

''شیخ إمام بقیة السلف، قدوة الخلف، أعلم من لقیت ببلاد المشرق والمغرب، تقي الدین أبوالعباس أحمد بن تیمیة، برائے کرم مجھے ایسے امر کی وصیت فرمائیں جس میں میرا دینی صلاح، مضمر ہو''

اس مکتوب کے آخر میں ہے: ''والسلام الکریم علیہ ورحمة اللہ وبرکاتہ'' الخ

ابن تیمیہ نے اس کے جواب میں ایک لمبا خط لکھا جس میں اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ وہ ''**أعلم من لقیته ببلاد المشرق والمغرب**'' (بلاد شرق وغرب کا سب سے بڑا عالم ہے) اور نہ اس کے مکتوب میں یہ ہے کہ میری تعریف نہ کرو۔

خود ابن تیمیہ لوگوں کو یہ ڈھیل اور چھوٹ اور عام اجازت دیتا ہے کہ لوگ اسے بلاد شرق وغرب کا سب سے بڑا عالم کہیں، اور جب جنتی نوجوانوں کے سردار حسن وحسین کے بارے میں یہ کہا جائے کہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے زاہد وعالم ہیں تو اس کا منہ بگڑ جاتا ہے۔

وصل اللهم علی سیدنا محمد

''اے اللہ! ہمارے سردار محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود وسلام نازل فرما جنھوں نے یہ فرمایا:''**لـــو أن رجـلا صـفـن بيـن الـركـن والمقام فصلى وصام، ثم لقي الله وهو يبغض لأهل بيت محمد دخــل الـنــار**'' ''اگر کوئی شخص رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان کھڑے ہوکر صوم وصلوٰۃ میں مشغول رہے پھر خدا سے اس حال میں ملے کہ اس کے دل میں اہل بیت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے بغض ہو، وہ جہنم میں داخل ہوگا، اور آپ کی آل واصحاب پر رحمت وسلام نازل فرما۔

(۲۸)ابن تیمیہ اورخون حسین

ابن تیمیہ کہتا ہے کہ: جس درخت پر حسین رضی اللہ تعالی عنہ کا خون بہا اس کے جلانے، اسے ایندھن اور کوئلہ بنانے سے کوئی بھی چیز مانع نہیں۔

امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ کا وہ عالی مقام ہے کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا: ''حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں، اللہ کا محبوب ترین وہ ہے جو حسین سے محبت رکھے''(۱) آپ کے بارے میں حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے یہ شہادت دی کہ آپ جنتی جوانوں کے سردار ہیں، حسین

---

(۱) امام احمد (۱۷۲/۴) نے اس حدیث کی تخریج کی اور ترمذی (۶۵۸/۵) نے تخریج کر کے اسے حسن کہا۔ اور ابن ماجہ (۵۱/۱) اور ابن ابوشیبہ (۳۸۰/۶) اور ابن حبان نے اس کو صحیح کہا (۴۲۷/۱۵، ۴۲۸) اور حاکم نے مستدرک (۱۹۴/۳) اور طبرانی نے کبیر میں اسے روایت کیا (۳۲/۳) اور ھیثمی نے مجمع الزوائد میں اس کو حسن کہا (۱۸۱/۹) اور سیوطی نے جامع صغیر (۱۴۸/۱) میں روایت کیا، اور بوصیری نے مصباح الزجاجۃ (۲۲/۱) میں کہا: اس کی اسناد حسن ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

جن حدیثوں میں یہ آیا ہے کہ فرشتوں نے حسین کی شہادت کی خبر دی ہے ہم حافظ ھیثمی کی مجمع الزوائد (۱۸۷/۹) کی تخریجات واقوال کے حوالہ سے ان کا ایک جائزہ پیش کرتے ہیں:

حافظ ہیثمی نے کہا:

انس ابن مالک کی حدیث میں ہے کہ: ''ملک قطر (بارش کے فرشتہ) نے حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی تو سرکار نے اس کو اجازت دے دی آپ نے ام سلمہ سے فرمایا: دروازہ بند کر دو تا کہ کوئی شخص ہمارے پاس نہ آئے، اتنے میں حسین بن علی آئے وہ حضور کی خدمت میں داخل ہونا چاہتے تھے اور ام سلمہ نے انہیں منع فرمایا تو وہ کود کر داخل ہوئے، اور نبی پاک کی پشت اقدس، اور آپ کی دوش مبارک، اور گردن پر کھیلنے لگے تو فرشتہ نے نبی پاک سے عرض کیا کیا یہ آپ کے محبوب ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں، فرشتہ نے کہا آپ کی امت عنقریب انہیں شہید کرے گی۔ اور اگر آپ چاہیں تو میں ان کی خاک شہادت آپ کو دکھا دوں، فرشتہ نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا اور ایک خاک سرخ نکال کر آپ کی خدمت میں پیش کیا ام سلمہ نے اسے لے کر اپنی اوڑھنی میں رکھ لیا، ثابت نے فرمایا: ہمیں خبر ملی کہ وہ خاک کربلا ہے۔

وہ ہیں کہ جبریل امین نے ان کی شہادت گاہ ''کربلا'' کی سرخ مٹی حضور کولا کر دی، حضور اقدس نے اسے

اس حدیث کو امام احمد، ابو یعلی، بزار اور طبرانی نے چند سندوں سے روایت کیا، اور اس روایت میں عمرہ بن زاذان ہیں جنھیں ایک جماعت نے ثقہ کہا۔ اور ان میں ضعف ہے اور ابو یعلی کے باقی رجال صحیح کے رجال ہیں۔

نجی حضرمی نے فرمایا کہ وہ علی رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ چلے، وہ آپ کے ساتھ آپ کا سامان طہارت لے کر چلتے، صفین جاتے ہوئے جب نینویٰ کے مقابل پہنچے تو علی رضی اللہ تعالی عنہ نے آواز دی، اے ابو عبداللہ! فرات کے کنارے صبر فرمائیں میں نے کہا: کیا بات ہے؟ تو انھوں نے کہا: میں نبی پاک ﷺ کی خدمت میں ایک دن پہنچا اور آپ کی چشمان مبارک اشک بار تھیں، میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! کیا آپ غصہ میں ہیں آپ کی چشمان اقدس کیوں اشک آلود ہیں؟ فرمایا: ''میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے تھے انھوں نے مجھے یہ بتایا کہ حسین فرات کے کنارے شہید کر دیے جائیں گے۔ انھوں نے کہا کیا آپ وہاں کی خاک سونگھیں گے میں نے کہا: ہاں، فرمایا: جبریل نے اپنا ہاتھ پھیلایا اور ایک مشت خاک لا کر مجھے دی تو میری آنکھیں اشک ریز ہو گئیں'' اس حدیث کو امام احمد، ابو یعلی، بزار اور طبرانی نے روایت کیا۔ اور ان کے رجال ثقہ ہیں اور تنہا نجی حضرمی ہی اس حدیث کے راوی نہیں۔

اور عائشہ یا ام سلمہ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے ان میں سے کسی سے فرمایا: ''میرے گھر میں ایک فرشتہ آیا اس نے کہا: آپ کے فرزند حسین شہید کر دیے جائیں گے۔ اگر آپ چاہیں تو میں ان کی شہادت گاہ کی مٹی آپ کو دکھاؤں تو اس فرشتہ نے سرخ مٹی لا کر دی'' اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا۔ اور ان کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

اور ام سلمہ نے فرمایا: ایک دن رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں جلوہ فرما تھے آپ نے فرمایا: ''میرے پاس کوئی نہ آئے'' ام سلمہ ابھی انتظار میں تھیں کہ حسین آئے اور میں نے رسول اللہ ﷺ کے رونے کی آواز سنی اور دیکھا کہ حسین حضور کے آغوش مبارک میں ہیں اور آپ روتے ہوئے ان کی پیشانی پر دست اقدس پھیر رہے ہیں۔ میں نے کہا خدا کی قسم مجھے معلوم نہیں کب حسین داخل ہوئے تو فرمایا: ''کہ جبریل علیہ السلام گھر میں تھے انھوں نے کہا کیا آپ ان سے محبت فرماتے ہیں میں نے کہا: ہاں دنیا میں، انھوں نے کہا: آپ کی امت انہیں خاک کربلا میں شہید کر دے گی جبریل نے وہاں کی خاک لا کر مجھے دکھائی'' حسین کی شہادت کے وقت جب ان کا محاصرہ ہوا تو آپ نے پوچھا اس زمین کا کیا نام ہے؟ لوگوں نے کہا کربلا، تو آپ نے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول نے ''کرب وبلاء'' سچ فرمایا، اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ''خاک کرب وبلا'' سچ فرمایا، اس حدیث کو طبرانی نے مختلف سندوں سے روایت کیا اور ان میں سے بعض کے رجال ثقہ ہیں۔

سونگھا اور اشک بار ہو گئے اور سیدہ ام سلمہ کو وہ خاک سرخ دی تو انھوں نے اسے اپنے دوپٹہ میں رکھ لیا۔ آپ تو جگر گوشۂ رسول پاک ﷺ ہیں جیسا کہ صحابی جلیل عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما نے فرمایا[1]۔ ابن تیمیہ آپ کی عزت و آبرو کو پامال کر رہا ہے، اس کے نزدیک آپ کے خون کی حیثیت اور کوئی قدر و قیمت نہیں۔ **فلاحول ولاقوة إلاباالله العلي العظيم**

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۵۵/۱) میں کہا:

''بعض لوگ طرفاء کی لکڑی اس لیے نہیں جلاتے کہ انہیں یہ خبر ملی ہے کہ طرفاء کے درخت پر حسین کا خون گرا ہے حالاں کہ یہ سب کو معلوم ہے کہ اس مخصوص درخت کا جلانا مکروہ نہیں اگر چہ اس پر کوئی بھی خون (یعنی خون حسین) گرے تو پھر جس درخت پر ان کا خون نہیں گرا اس کا جلانا کیوں کر مکروہ ہوگا''۔

میں کہتا ہوں:

اس کے رد میں ہم وہی کہیں گے جو حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا: ایک شخص نے آپ سے عرض کیا

اور ابوطفیل فرماتے ہیں کہ بارش کے فرشتہ نے آپ سے اجازت چاہی کہ ام سلمہ کے گھر میں آپ کو سلام پیش کرے تو حضور نے فرمایا: ''میرے پاس کوئی نہ آئے'' اتنے میں حسین بن علی رضی اللہ تعالی عنہ آئے اور حضور کی خدمت میں داخل ہوئے تو ام سلمہ نے کہا وہ حسین ہیں، تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ''آنے دو'' تو سرکار کے دوش مبارک پر چڑھنے اور کھیلنے لگے اور فرشتہ نے انہیں دیکھ کر کہا: اے محمد! کیا آپ ان سے محبت فرماتے ہیں فرمایا: ''ہاں خدا کی قسم مجھے ان سے محبت ہے'' فرمایا آپ کی امت انہیں شہید کر دے گی۔ اور اگر میں چاہوں تو آپ کو ان کی خاک شہادت گاہ دکھا دوں تو اس نے مجھے ایک مشت خاک لا کر دی تو ام سلمہ نے اسے اپنے دوپٹہ میں رکھ لیا کہ وہ خاک کربلا ہے۔ طبرانی نے اس حدیث کو روایت کیا۔ اور اس کی اسناد حسن ہے۔ اھ تخریج ھیثمی

(۱) اثر ابن عمر یہ ہے کہ آپ نے حسین رضی اللہ تعالی عنہ سے کہا: آپ جگر گوشۂ رسول ﷺ ہیں ھیثمی نے مجمع الزوائد (۱۹۴/۹) میں کہا: طبرانی نے اوسط میں اسے روایت کیا اور بزار کے رجال ثقہ ہیں۔
میں کہتا ہوں: اور ابن حبان نے اپنی صحیح (۴۲۴/۱۵) میں اس کی تخریج کی۔

یارسول اللہ! آپ ان دونوں سے محبت فرماتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''جس نے ان دونوں سے محبت رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے ان دونوں سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا''(۱)

ابن تیمیہ اپنے منھ سے جو کچھ کہہ رہا ہے اس حدیث پاک سے اس کا حال بخوبی واضح ہے، اس سلسلے میں صرف منافق ہی جنگ وجدال کرے گا، ابن تیمیہ کے بعض ریزہ خوار کبھی کبھی گزشتہ حدیث کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے۔ **فلاحول ولاقوة إلابالله العلي العظيم۔**

حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ ابن تیمیہ اور ابن قیم نے اپنی کتابوں میں ایک بھی حدیث اس سلسلے میں نہ ذکر کی کہ ملائکہ نے کربلا میں حسین رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت کی خبر دی، جب کہ حدیث میں ہے کہ جبریل سرخ مٹی لائے حضور نے اسے سونگھ کر سیدہ ام سلمہ کو دیا انھوں نے اس کو اپنے دوپٹہ میں رکھ لیا شہادت حسین کی خبر کی حدیثیں بعض علمائے محدثین کے نزدیک حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔

یہ بھی تعجب خیز ہے کہ ان دونوں نے ایک بار بھی حسین رضی اللہ تعالی عنہ کی یہ خصوصیت نہ ذکر کی کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا: ''**حسين مني وأنا منه**'' ''حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں''

ہمارے تبصرے اور مواخذے اور خاص قابل لحاظ چیزیں:

(۱) ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: میں نے نبی پاک ﷺ کو دوپہر کے وقت خواب میں خاک وغبار کی حالت میں دیکھا، آپ کے ساتھ ایک شیشی تھی جس میں تھوڑا خون تھا، آپ اس شیشی میں کوئی چیز تلاش کر رہے تھے یا چن رہے تھے میں نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ کیا ہے؟ فرمایا ''میں حسین اور ان کے اصحاب کا خون تلاش کر رہا ہوں'' عمار نے کہا: ہم نے وہ دن یاد رکھا اور دیکھا کہ اسی دن حسین کی شہادت ہوئی۔

اس کو امام احمد (۱/۲۴۲)، عبد بن حمید (۱/۲۳۵) اور مستدرک میں حاکم (۴/۴۳۹) نے تخریج کیا۔ حاکم

(۱) ھیثمی نے مجمع الزوائد (۹/۱۷۹) میں کہا: احمد نے اس حدیث کو روایت کیا۔ اور اس کے رجال ثقہ ہیں، اور بعض کے بارے میں اختلاف ہے اور بزار نے اسے روایت کیا۔

نے کہا کہ: یہ حدیث مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور شیخین نے اس حدیث کی تخریج نہ کی، اور طبرانی نے معجم کبیر (۱۱۰/۳) میں تخریج کی، ھیثمی نے مجمع الزوائد (۱۹۴،۱۹۳/۹) میں اس حدیث کو صحیح کہا، امام احمد اور طبرانی نے اس حدیث کو روایت کیا، امام احمد کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

اور ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ میں کہا کہ اس حدیث کی اسناد قوی ہے۔

میں کہتا ہوں: سبحان اللہ! یہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں جو حسین رضی اللہ تعالی عنہ کا خون چن رہے اور جمع فرما رہے ہیں اور ابن تیمیہ اس درخت کو جلانے سے گریز نہیں کرتا جس پر سید الشہدا امام حسین کا خون گرا۔

(۲) امام بخاری نے اپنی صحیح (۱۴۹۵،۱۴۹۴/۴) میں تخریج کیا کہ وحشی جب نبی پاک ﷺ کے چچا حمزہ کی شہادت کے کچھ سالوں بعد اسلام لائے تو آپ نے وحشی سے فرمایا: تم مجھ سے اپنا چہرہ غائب رکھو۔ تو وہ آپ کی بارگاہ سے نکلے یہاں تک کہ حضور نے رفیق اعلی کی طرف سفر فرمایا۔ ذرا غور فرمائیں نبی پاک کو ایک مسلمان شخص کا چہرہ دیکھنا اچھا نہ لگا۔

کیا کوئی مسلمان یہ سوچ سکتا ہے کہ نبی پاک ﷺ کسی درخت پر حسین رضی اللہ تعالی عنہ کا خون دیکھیں اور اپنی امت کو اسے جلانے دیں؟

(۳) کیا کوئی عاقل یہ تصور کر سکتا ہے کہ اللہ عز وجل حسین کا خون آگ میں جلائے گا؟

جب آپ کا یہ خیال ہے تو ہم آپ سے کہتے ہیں کہ ابن عباس نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ سے فرمایا:

"إن اللّٰه غير معذبكِ ولا ولدكِ"

ترجمہ:۔ اللہ عز وجل تم پر اور تمہاری اولاد پر عذاب نہ فرمائے گا

اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا، اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۲۰۲/۹) میں فرمایا کہ: اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۴) جس درخت پر حسین رضی اللہ تعالی عنہ کے خون کے قطرات گرے کیا آپ کے گمان میں اسے بالکل جلایا جاسکتا ہے؟ طبرانی نے دوید جعفی سے روایت کیا کہ ان کے والد نے کہا: حسین کی شہادت کے دن لشکر حسین سے میں ایک اونٹ لوٹ کرلا یا جب اس کا گوشت پکایا گیا تو وہ صرف خون ہی رہا۔
ھیثمی نے مجمع الزائد (۹/۱۹۶) میں کہا: اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔
اور طبرانی نے روایت کیا کہ زہری نے فرمایا: مجھ سے عبدالملک نے کہا کہ: آپ کون ہیں اگر میں آپ کو یہ بتاؤں کہ حسین کی شہادت کے دن کون سی علامت ظاہر ہوئی، انھوں نے فرمایا: اس روز بیت المقدس میں جو کنکری اٹھائی جاتی اس کے نیچے تازہ خون نکلتا، پھر عبدالملک نے مجھ سے کہا: بے شک ہم اور آپ اس حدیث (کی روایت) میں دوساتھی ہیں۔
ھیثمی (۹/۱۹۶) نے کہا کہ: اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔
طبرانی نے بروایت زہری یہ بھی روایت کیا کہ حسین کی شہادت کے دن ملک شام میں جو بھی پتھر اٹھایا جاتا اس کے نیچے خون ظاہر ہوتا۔ ھیثمی نے مجمع الزوائد (۹/۱۹۶) میں کہا کہ: اس حدیث کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔

(۵) کیا ابن تیمیہ کا یہ اسلوب سرداران جنت کے شایان شان ہے؟ کیا اس اسلوب سے ادب میں اضافہ ہوگا، یا مزید جرأت وجسارت اور بے باکی پیدا ہوگی؟

(۶) کیا ابن تیمیہ کی ان ناپاک فکروں سے ایسی قومیں تیار ہوں گی جو اہل بیت کرام کی تعظیم وتکریم بجالائیں، اور نبی پاک اور اہل بیت کی عزت وآبرو کی حفاظت وصیانت کریں، یا ایسی سنگ دل، سخت جاں نسلیں جنم لیں گی جنہیں نبی پاک اور آپ کے اہل بیت کی حرمت اور عزت وآبرو کا ذرا بھی پاس ولحاظ نہ ہوگا۔ اللہ کی مخلوق کے اندران نوزائیدہ نسلوں کا بس ایک ہی کام ہے ان میں خوف ودہشت کا ماحول پیدا کر کے ان کی عزت وآبرو پامال کر کے ان کا خون ومال مباح ٹھہرالینا۔

ابن تیمیہ نے یہ جملہ: ''یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ اس مخصوص درخت کا جلانا مکروہ نہیں اگر چہ اس پر کسی

کا بھی خون ہو" کہاں سے ذکر کیا، اور فقہ کے ابواب میں سے کس باب سے سیکھا کہ فی نفسہ اس مخصوص درخت کے جلانے میں کوئی کراہت نہیں اگر چہ اس پر حسین کا خون کیوں نہ ہو۔

(۷) اے ابن تیمیہ کے ریزہ خوارو! اللہ کا خوف کرو۔

ابن تیمیہ کی زہر افشانی، اور اس کی دسیسہ کاری پر نظر فرمائیں وہ اپنے خوفناک، اور پر فریب اسلوب کے ذریعہ لوگوں کو دھوکہ وفریب دینا چاہتا ہے مثلاً اس نے یہ کہا: "یہ ایک واضح اور معلوم حقیقت ہے کہ ایسا درخت ایک عام درخت کی طرح ہے۔ سارے علما کا اتفاق ہے کہ اس درخت کا جلانا مکروہ نہیں اور ائمہ کے اجماع سے یہ حکم ثابت ہے" اس کے علاوہ اور بھی دوسرے الفاظ اور جملے ہیں جن سے ابن تیمیہ سادہ ذہن، اور سادہ لوح عام مسلمانوں، بلکہ بعض عالم کہلائے جانے والوں، یا ایسے لوگوں کو متاثر کرنا چاہتا ہے جو لوگ ان باطل دعووں سے لوگوں کو مقہور کرنا چاہتے ہیں، اور جن کا کام ہی جھوٹ پر جھوٹ بولنا ہوتا ہے، اور انسان قصداً جھوٹ بولتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک اس کا جھوٹا ہونا لکھ دیا جاتا ہے۔

(۸) اگر آپ کے پاس اس درخت کا کوئی ٹکڑا ہو جس پر حسین کا خون گرا ہو کیا آپ اسے جلا کر اس سے چائے، یا کھانا بنانا یا حقہ بھرنا پسند کریں گے، والعیاذ باللہ تعالی یا اسے کہیں محفوظ کر کے رکھ دیں گے جیسا کہ ام سلمہ نے خاک کربلا کو اپنے دوپٹہ میں محفوظ کر کے رکھ دیا تھا۔

(۹) ذرا بتائیں اگر کوئی زندیق اس درخت کا ٹکڑا جلا ڈالے جس پر حسین کا خون بہا اور کبھی نہ جلایا جائے تو کیا حسین کے نانا جان ﷺ کو اس بد باطن کی یہ حرکت پسند آئے گی؟

(۱۰) اس طرح کے مسائل میں ابن تیمیہ کی ہرزہ سرائی اور گستاخی وبے ادبی جب ناظرین پر واضح ہو چکی تو اب انہیں تقی حصنی اور علاء بخاری وغیرہما کے قول سے متفق ہو جانا چاہئے، ان حضرات نے اگر چہ ابن تیمیہ کی تکفیر نہ کی مگر اس کو فاسق وزندیق کہا اور یہ کہا کہ: ابن تیمیہ کا سینہ نبی پاک ﷺ اور آپ کے اہل بیت کے کینہ سے آلودہ وپراگندہ ہے۔

(۱) کیا ہمارے لیے یہ کہنا جائز ہے کہ: اللہ تعالی اس شخص کو جلائے جو حسین رضی اللہ تعالی عنہ کا خون جلانا چاہے، یا کسی کو اس رائے سے اتفاق ہے کہ حسین رضی اللہ تعالی عنہ کا خون جلانا جائز ہے؟

(۲) کیا آپ کو حسین سے محبت ہے؟ اور کیا حسین کی محبت رکھنے والا ابن تیمیہ کی بولی بولے گا؟

(۳) آپ کے دل میں کس کا قرب اور کس کی تعظیم وتوقیر زیادہ ہے، جنتی نوجوانوں کے سردار فرزند رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم، یا ابن تیمیہ کی جس کے بارے میں لوگوں کا شدید اختلاف ہے؟

کیا آپ کو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل بیت کی حرمت وآبرو کی فکر ہے، یا ابن تیمیہ کی شہرت وعزت کی؟

وصل اللهم علی سیدنا محمد وعلی آل بیته الأطهار

(۲۹) ابن تیمیہ اور تنقیص شان اہل بیت

کیا یہ ممکن ہے کہ ابن تیمیہ اہل بیت کرام، اور سردار اہل جنت کے فرزند، سید جلیل علی بن زین العابدین، اور آپ کی اولاد، بلکہ آپ کے متعلقین واحباب کی تعظیم وتکریم باقی رکھے گا؟

ہشام بن عبدالملک خلیفہ بننے سے پہلے حج کرنے گیا اور حجر اسود کا بوسہ لینے کی کوشش کی تو نہ لے سکا، اور حسین بن علی آئے تو لوگ آپ کو دیکھ کر دور کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ آپ بوسہ سے فارغ ہو گئے، ہشام بن عبدالملک کے لیے منبر قائم کیا گیا جب وہ منبر پر بیٹھا تو اہل شام نے اس سے پوچھا اے امیر المومنین! یہ کون صاحب ہیں؟ تو اس نے کہا: میں انہیں نہیں جانتا تو فرزدق شاعر نے بڑا پیارا جواب دیا اور کہا: میں آپ کی شخصیت خوب جانتا ہوں یہ علی بن حسین رضی اللہ تعالی عنہما ہیں، اور آپ کی شان اقدس میں یہ اشعار کہے:

(۱) هـذا ابـن خيـر عبـاد اللّٰـه كـلهـم هـٰذا التـقـي الـعـلـم

(۲) هـٰذا الـذي تـعـرف البـطـحـاء وطـأتـهٗ والـحل والـحـرم

(۳) يـكـاد يـمسـكـهٗ عـرفـان راحتـهٖ عـنـدالـحـطيم إذا مـاجـاء يستلم

(۴) إذا رأتـهٗ قـريـش قـال قـائـلهـا إلـى مـكـارم هـٰذا يـنتهـي الـكـرم

(۵) إن عـد أهـل التـقـى كـانـوا أئـمتهم أوقيل من خيرأهل الأرض قيل هم

(۶) هـٰذا ابـن فـاطـمة إن كـنـت جـاهـلـهٗ بـجـدهٖ أنبيـاء اللّٰـه قد ختموا

(۷) ولـيـس قـولـک مـن هـٰذا بـضـائـرهٗ الـعـرب تعرف ماأنكرت والعجم

(۸) يـغـضـي حيـاء ويـغـضـى مـن مهـابتـهٖ ولايـكـلـم إلا حيـن يبتسمُ

(۹) أي الـخـلائـق ليسـت فـي رقـابهـم لأولية هـٰذا أولـهٗ نـعـم

(۱۰) مـن يـعـرف الـلـه يـعـرف أولية ذا فـالـدين من بيت هـٰذا نـالـه الأمم

ترجمہ:

(۱) یہ اللہ کے بندوں میں سب سے افضل و بہتر ذات پاک کے فرزند ہیں، یہ تقوی شعار اور قوم کے سردار ہیں۔

(۲) یہ وہ ذات پاک ہے جن کی خاک پا اور نشان قدم کو بطحا اور حل وحرم جانتے ہیں۔

(۳) ان کے کف دست کی معرفت انہیں حطیم کے پاس روکے رکھتی ہے جب وہ سنگ اسود کا بوسہ لینے آتے ہیں۔

(۴) جب قریش نے انہیں دیکھا تو ان کے ایک کہنے والے نے کہا یہ کرامت و شرافت کے منتہا ہیں۔

(۵) اگر اہل تقوی کو شمار کیا جائے تو وہ ان سب کے امام ہوں گے، یا یہ کہا جائے کہ زمین پر سب سے افضل کون لوگ ہیں تو کہا جائے گا یہی لوگ افضل ہیں۔

(۶) یہ فاطمہ کے فرزند ہیں، اگر تو انھیں نہیں جانتا تو نہ جانے۔ ان کے نانا جان خاتم الانبیا ہیں۔

(۷) تیری اس بات سے ان کا کچھ نہ بگڑے گا عرب وعجم کو تیرے اس انکار کا حال خوب معلوم ہے۔

(۸) وہ شرم وحیا کے سبب اپنی نگاہیں پست رکھتے ہیں، اور ان کی ہیبت کے سبب ان کے حضور لوگوں کی نگاہیں پست رہتی ہیں، ان سے کلام کی جرأت وہمت اسی وقت ہوتی ہے جب تبسم ریز ہوتے ہیں۔

(۹) مخلوقات میں کون ایسا ہے جس پر آپ کو فضیلت و برتری حاصل نہ ہو، یا آپ کے احسانات کے زیر بار نہ ہو۔

(۱۰) جسے اللہ کی معرفت حاصل ہے وہ آپ کی فضیلت خوب جانتا ہے، یہ وہ بلند و بالا ذات ہیں جن کے گھر سے امت کو سچا دین ملا۔(۱)

(۱) ابونعیم نے حلیۃ الاولیا (۱۳۹/۳) میں اس کی تخریج کی، اور ابن الجوزی نے صفوۃ الصفوۃ (۹۹/۲)، اور حافظ مزی نے تہذیب الکمال (۴۰۱/۲۰)، اور ذہبی نے سیر (۳۹۸/۴) میں تخریج کیا، اور ابوالفرج اصفہانی نے الاغانی (۳۱۶/۱۵) میں دونوں بیتوں کے آخر میں اضافہ کیا، اور صدیق حسین خاں نے ترجمہ فرزدق ابجد العلوم (۷۶/۳) میں کہا: اور ان کے قصائد مشہور ہیں انہیں میں سے ان کا وہ مشہور قصیدہ ہے جو امام زین العابدین کی مدح میں کہا بہت سارے علمائے امت نے اس کی شرح فرمائی۔

یہ وہ امام عالی شان ہیں جن کی صلب اطہر سے جو بھی نسل جاری ہوتی ہے وہ نجیب وشریف اور حسینی کہلاتی ہے، ابن تیمیہ ان کی بلند شان میں جرأت وجسارت، اور دریدہ ذہنی کرتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن تیمیہ یزید بن معاویہ کے لشکر خوں خوار سے ہے جس نے اہل بیت کی حرمت وفضیلت کو پامال کیا، ان کی آبرو ریزی اور تنقیص شان کی، اور جنتی نوجوانوں کے سردار امام حسین کو ان کی آنکھوں کے سامنے شہید راہ حق کیا۔

کتنے دشمنان اہل بیت ایسے ہیں جو حسین کو زندہ شہید کرنا چاہتے ہیں اور کتنے دشمنان اہل بیت ایسے ہیں جو آپ کی شہادت کے بعد اہل بیت پاک کی کوئی فضیلت سننا نہیں چاہتے۔

ابن تیمیہ نے اہل بیت اطہار پر کلام کرتے ہوئے اپنی کتاب منہاج (۱۰۷/۴، ۱۰۸) میں کہا:

''امت میں اہل بیت کے آثار سے زیادہ دوسروں کے عظیم ترین آثار اور کارنامے ظاہر ہوئے''۔

اور اس نے اپنی کتاب منہاج (۱۶۹/۴، ۱۷۰) میں کہا:

''ان بارہ ۱۲ میں کچھ ایسے لوگ ہیں جن کے علم ودین کو شہرت حاصل ہوئی مثلاً علی ابن حسین، اوران کے بیٹے ابو جعفر، اوران کے بیٹے جعفر بن محمد۔ ان کا حکم وہی ہے جو ان کی طرح دوسرے لوگوں کا ہے کیوں کہ امت میں ان کی طرح، اوران سے افضل بہت سے لوگ ہیں، جن کی بدولت مسلمانوں کا دینی اور دنیاوی فائدہ اس سے کئی گونا زیادہ ہوا جو ان حضرات (علی وغیرہ) سے ہوا''۔

اس نے اسی کتاب (۳۸۷/۶) میں کہا:

''علی بن حسین، اوران کے بیٹے جعفر بن محمد نے لوگوں کو وہ (علوم وآداب واحکام) سکھائے جو اللہ نے انہیں بخشے، اور امت میں ان سے بھی زیادہ علم والے ہوئے جو امت کے لیے ان سے زیادہ نفع بخش اور فیض رساں ثابت ہوئے''۔

اس نے اسی کتاب (۱۱۶/۴) میں کہا:

''علی بن حسین، اوران کے بیٹے ابوجعفر،اوران کے بیٹے جعفربن محمدوغیرہم بھی اس اعتبار سے ائمہ اہل سنت وجماعت سے ہیں تواس جماعت(شیعہ)نے جس امام عالم وزاہدکی اقتدا کی اہل سنت نے بھی اس کی اوردوسری جماعتوں کی اقتدا کی اور یہ دوسری جماعتیں علم وزہد میں اس امام جیسا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہیں''۔

میں کہتا ہوں:

سب سے پہلے وہ روشن ارشادملاحظہ ہوجسے امام ابوالمحاسن حنفی نے اپنی کتاب معتصر المختصر(۳۲۹/۲-۳۳۰)میں تحریرفرمایا:

''جوشخص حضورکی عترت پاک کواس مقام سے نکالے جواللہ عزوجل نے اپنے نبی پاک کی زبان اقدس پرانہیں بخشا،اورانہیں وہ لباس پہنائے جوآپ کی عترت کالباس نہیں ایساشخص ملعون ہے''۔

ہم ابن تیمیہ کے ریزہ خواروں سے کہتے ہیں کہ ابن تیمیہ سے پہلے کس نے ایسی جرأت وبے باکی کی، اورامام علی زین العابدین،اورآپ کے اہل بیت اطہارکی شان میں کس نے اس طرح کی بیہودہ باتیں کیں؟

(۱) کہ امت میں ان سے زیادہ دوسروں کے عظیم ترین آثار،اورکارنامے ظاہرہوئے،کس نے ابن تیمیہ کو یہ بتایا،اگرتمہارے اندرذرابھی صداقت ہے توبتاؤ۔

(۲) کس نے یہ کہا کہ امت میں ان کی طرح اوران سے افضل بہت سے لوگ ہیں جن سے مسلمانوں کا دینی اوردنیاوی نفع اس سے کئی گوناز یادہ ہواجوان حضرات(علی وغیرہ)سے ہوا؟

ابن تیمیہ کاذرایہ اسلوب دیکھیے کہ اس نے یہ کہا:(یہ لوگ)یہ نہ کہا:اہل بیت اوررسول اللہ ﷺ کی اولاد پاک،ابن تیمیہ بتائے نبی پاک ﷺ کے اہل بیت سے افضل کون بہت سارے حضرات ہیں؟

ابن تیمیہ کے ریزہ خوار بتائیں کہ وہ کون ارباب علم ہیں جن کا ذکر ابن تیمیہ نے اپنے اس کلام ''یہ اہل علم کے نزدیک مشہور ہے'' میں کیا؟

اور اپنی کس کتاب میں انھوں نے یہ ذکر کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے نواسہ زادہ حضرت علی زین العابدین سے فلاں افضل ہے ان کا نام کیوں نہ ذکر کیا، اور ان کا کلام کیوں نہ نقل کیا؟

ہم قارئین پر یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ علی بن حسین بن علی بن ابو طالب رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت اطہار اور آپ کی پاکیزہ اولاد سے ہیں جن پر اللہ نے ہمیں درود بھیجنے کا حکم فرمایا۔ حضور کی ذریت کے لیے یہ عظیم سرمایۂ افتخار ہے۔

اور بخاری (۱۲۳۲/۳) ومسلم (۳۰۶/۱) کی وہ روایت اچھی طرح ذہن نشین رہے جو ابو حمید ساعدی رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم کس طرح آپ پر درود بھیجیں تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا یوں پڑھیے:

''اللهم صل على محمد وأزواجه وذريته كماصليت على إبراهيم، وبارك على محمد وأزواجه وذريته كمابارکت على آل إبراهيم إنک حميدمجيد''

ان حضرات پر ہمیں درود بھیجنے کا حکم دیا گیا، اور یہ بہت بڑا سرمایہ افتخار ہے کہ اللہ عزوجل ان پر درود بھیجتا ہے اے عقل والو! کچھ تو اللہ کا خوف کرو۔

تنقیص اہل بیت کرام کے موضوع کے حوالہ سے ذرا ابن تیمیہ کی یہ گستاخی بھی دیکھیں اس نے یہ دعوی کیا کہ اہل بیت پر درود بھیجنے سے دوسروں پر ان کے مظالم رفع نہ ہو جائیں گے۔

لاحول ولاقوة إلابالله العلي العظيم.

اے اہل بیت رسول پاک! تمہاری محبت اللہ کی طرف سے فرض ہے، اللہ عزوجل نے قرآن پاک میں یہ حکم نازل فرمایا:

تمہارے لیے بڑے فخر کی بات یہ ہے کہ جس نے تم پر درود نہ بھیجا اس نے درحقیقت درود ہی نہ بھیجا۔

ہم کہتے ہیں: حافظ ذہبی نے فرمایا: ہمارے حضرت علی زین العابدین سید الشہدا کے فرزند رضی اللہ تعالی عنہما عظیم جلالت شان والے ہیں۔ بخدا انھوں نے آپ کی شان میں حق فرمایا اس لیے کہ بلاشبہ آپ امامت عظمٰی کے اہل تھے اس لیے کہ آپ شرافت وسیادت کے پیکر، اور علم اور کمال عقل کے حامل تھے، ان کمالات کے پیش نظر آپ اس مقام پر فائز ہیں کہ امت آپ کا احترام کرے، اور امت کے وہ اکابر علما آپ کی تکریم شان بجالائیں جن کے فیض کرم سے جہان اسلام سیراب ہو رہا ہے۔

سعید بن مسیّب جو سادات تابعین سے ہیں ان سے ایک شخص نے کہا: میں نے فلاں سے زیادہ صاحب ورع نہ دیکھا۔ تو آپ نے فرمایا: کیا تو نے علی بن حسین کو دیکھا؟ اس نے کہا: نہیں آپ نے فرمایا: میں نے آپ سے زیادہ صاحب ورع نہ دیکھا۔

اور زہری نے فرمایا: ''میں نے خاندان قریش میں حسین بن علی سے افضل کسی کو نہ دیکھا''، اور زہری نے یہ بھی فرمایا: ''علی بن حسین کے ساتھ میری نشست ومجالست زیادہ نہ تھی، میں نے آپ سے زیادہ بلند پایہ فقیہ کسی کو نہ دیکھا، لیکن آپ قلیل الحدیث تھے۔

ابوبکر ابن البرقی نے فرمایا: حسین کی ساری نسل آپ کے فرزند علی اصغر سے ہے، آپ اپنے زمانہ میں برتر وافضل تھے۔

حاکم کی معرفۃ علوم الحدیث (۵۳/۱) اور فتح الباری (۱۱/۳) وغیرہما میں ہے کہ ابوبکر بن ابوشیبہ نے کہا: تمام سندوں میں زیادہ اصح ''**زهري عن علي بن الحسين عن أبيه عن علي**'' ہے۔[1]

---

(۱) ابونعیم کی حلیۃ الاولیا (۱۴۱/۳)، ابن الجوزی کی صفوۃ الصفوۃ (۹۹/۲)، ذہبی کی سیر أعلام النبلاء (۳۸۷/۴-۳۹۱)، حافظ کی تہذیب (۲۶۹/۷)، اور حافظ سیوطی کی تذکرۃ الحفاظ (۷۵/۱) میں حضرت علی زین العابدین کے حالات ملاحظہ فرمائیں۔

(۳۰) امت مسلمہ کے نزدیک علی بن حسین رضی اللہ تعالی عنہ کا اعلی وصف زین العابدین ہے، اور ابن تیمیہ آپ کا یہ وصف کمال سلب کرنا چاہتا ہے۔

اللہ ہی جانتا ہے کہ ابن تیمیہ کو اہل بیت کرام کی تنقیص شان کس قدر مرغوب ومحبوب ہے، اس نے اپنی کتاب منہاج (۴۲/۴) میں حضرت حسن پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

''حسن کے بارے میں یہ کہنا کہ: آپ نے اپنے لباس فاخرہ کے نیچے اونی پوشاک پہنا یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ علی (ابن حسین) کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ: وہ ایک ہزار رکعت نماز ادا کرتے، یہ کوئی فضیلت و بزرگی نہیں یہ سراسر جھوٹ ہے'' اھ

اسی کتاب (۵۰/۴) میں تاکید کے ساتھ لکھا:

''یہ بات گذر چکی کہ شرعا ایک ہزار رکعت پڑھنا مکروہ طریقہ پر ہی ممکن ہے، یا کسی حال میں ممکن ہی نہیں اس لیے مناقب میں ایسی چیزیں ذکر کرنا بہتر نہیں''۔

میں کہتا ہوں:

علی بن حسین رضی اللہ تعالی عنہ کا وصف زین العابدین اس لیے ہوا کہ آپ ایک ہزار رکعت نماز پڑھتے تھے۔ ابن تیمیہ نے اس عمل کی فضیلت کا انکار کیا، اور اسے جھوٹ بتایا اس کا صاف صاف مطلب یہ نکلا کہ ابن تیمیہ کے نزدیک علی ابن حسین زین العابدین کہلانے کے مستحق نہیں۔

اور یہ کوئی عجب نہیں اس لیے کہ جس کتاب کی عبارت ہم نے نقل کی ہے اس میں ابن تیمیہ نے علی بن حسین رضی اللہ تعالی عنہ کا اسم گرامی ستائیس بار ذکر کیا مگر آپ کے نام پاک کے ساتھ آپ کا اعلی وصف ''زین العابدین'' ذکر نہ کیا، ہاں پانچ مرتبہ رافضی کے اقوال والفاظ کے تحت اس وصف خاص (زین العابدین) کا ذکر آیا ہے۔

اس سے بھی زیادہ تعجب خیز امر یہ ہے کہ یہ وصف کسی متشدد شیعی کا کلام بھی نہیں، پھر بھی اس نے اپنی عظیم

ترین کتابوں میں علی بن حسین رضی اللہ تعالی عنہ کا وصف زین العابدین خود سے صرف دوبار ہی ذکر کیا۔

ابن جوزی نے صفوۃ الصفوۃ (۱۰۰/۲)، حافظ مزی نے تہذیب الکمال (۳۹۰/۲۰) اور ذہبی نے سیر أعلام النبلاء (۳۹۲/۴) اور حافظ نے تہذیب (۲۶۹/۷) اور حافظ سیوطی نے تذکرۃ الحفاظ (۷۵/۱) وغیرہ میں ائمہ اربعہ میں سے ایک جلیل الشان امام مالک بن انس سے نقل کیا کہ انھوں نے علی بن حسین رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں فرمایا: مجھے یہ خبر ملی کہ آپ اپنے وصال تک روزانہ دن ورات میں ایک ہزار رکعت نماز ادا فرماتے اور اسی کثرت عبادت کے سبب آپ کا لقب زین العابدین ہوا۔ الخ

حافظ مزی نے تہذیب الکمال (۴۱/۳۵) میں آپ کے حالات زندگی میں لکھا: (کثرت عبادت کے سبب اونٹ کے گھٹنے کے نشان کی طرح نشانیوں والے علی بن حسین بن علی بن ابوطالب زین العابدین کا یہ نام اس لیے پڑا کہ آپ ہر روز ایک ہزار رکعت نماز ادا کرتے جس کے سبب آپ کے دونوں زانو میں اونٹ کے زانو کے نشانات کی طرح نشانات پڑ گئے تھے' الخ

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ کا یہ کلام: ''یہ بات گذر چکی کہ شرعا ایک ہزار رکعت پڑھنا مکروہ طریقہ پر ہی ممکن ہے، یا کسی بھی حال میں ممکن ہی نہیں اس لیے مناقب میں ایسی چیزیں ذکر کرنا مناسب نہیں'' اس بات کی روشن دلیل ہے کہ ابن تیمیہ کو یہ خبر نہیں کہ وقت میں برکت کس چیز کا نام ہے قرآن پاک میں مذکور ہے ﴿قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ أَنْ يَّرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ﴾ [النمل-۲۷:۴۰] کہ جس کے پاس کتاب (اسم اعظم) کا علم تھا انھوں نے ملکۂ سبا (بلقیس) کا تخت شہر سبا سے پلک جھپکنے سے پہلے (چشم زدن سے پہلے) حاضر کر دیا۔ لوگ اپنے محاورہ میں یہ بولتے رہتے ہیں: ''کبھی کبھی معمولی وقت میں اتنی برکت ہو جاتی ہے کہ اس میں کافی کام ہو جایا کرتا ہے۔

ابن تیمیہ نے ہزار رکعت کے زمانہ کا حساب طول سے لگایا تخفیف سے نہیں ہمارا ابن تیمیہ سے یہ مواخذہ ہے کہ اس نے دن ورات میں کتنی نمازیں ادا کیں ہیں کہ اسے یہ معلوم ہو گیا کہ ایک ہزار رکعت کے لیے اتنا وقت

درکار ہے۔کبھی ایک نماز میں چار یا دو رکعتیں ہوا کرتی ہیں۔

میں کہتا ہوں:

سبحان اللہ! کس نے ابن تیمیہ کو یہ فتوی بتا دیا کہ ایک ہزار رکعت، یا اس سے کم نماز پڑھنے میں کوئی فضیلت نہیں زہد ورقائق کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ حضرات سلف صالحین باری باری ایک سو ۱۰۰ رکعت سے لے کر ہزاروں رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔اور بعض حضرات دس ہزار سے لے کر ایک لاکھ تک تسبیحات کے وظیفے فرماتے۔اس کا شمار ان حضرات کے مناقب میں ہوتا ہے،اور اسے ان کی دائمی استقامت واطاعت کی دلیل قرار دیا جاتا ہے۔

ابن تیمیہ کے ریزہ خواروں سے پھر ہم کہتے ہیں کہ تمہیں یہ خوب معلوم ہے کہ تمہارا پیشوا ابن تیمیہ حنبلی ہے۔اور سیدنا امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالی کے بارے میں یہ ایک ناقابل انکار ثابت شدہ حقیقت ہے کہ وہ ہر دن اور رات میں تین سو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔اور ثابت بنانی اور جنید بغدادی کا بھی یہی حال تھا،فتنہ کے بعد جب آپ کو مرض لاحق ہوا تو ہر دن ورات میں ڈیڑھ سو رکعت نماز پڑھا کرتے اس وقت آپ کی عمر شریف تقریبا ۸۰/اسی سال ہو چکی تھی۔

کیا امام احمد مبتدع تھے،اور ان کے اس عمل میں کوئی فضیلت نہیں؟

ہم ان سے کہتے ہیں کہ علمائے امت نے صالحین کے مناقب کے باب میں سات ایسے اسلاف صالحین کا ذکر فرمایا ہے جو ہر روز ایک ہزار رکعت نماز ادا فرمایا کرتے۔ان حضرات علمائے امت نے علی بن حسین (زین العابدین)،اور علی بن عبداللہ ابن عباس،اور عامر بن عبداللہ،اور کہمس،اور بلال بن سعد،اور مصعب بن ثابت، اور مرہ بن شراحیل ہمدانی[1] کے متعلق اس کثرت عبادت کا ذکر فرمایا۔

(۱) ابونعیم نے حلیۃ الاولیا(۹/۱۸۱)،حافظ مزی نے تہذیب الکمال(۱/۴۵۸،۴۵۹)اور حافظ نے تہذیب(۱/۶۴)میں امام احمد کی نماز کی تخریج کی۔علی زین العابدین کے متعلق جن حضرات نے ایک ہزار رکعت کا ذکر کیا ان کا ذکر گذر چکا،علی بن عبداللہ بن عباس کے بارے میں ربیع نے اپنی مسند(۱/۲۸۶)،ابن حبان نے ثقات(۵/۱۶۰)،حافظ مزی نے تہذیب الکمال(۲۱/۳۸)اور ذہبی نے السیر(۵/۲۵۲،۲۵۳) اور حافظ نے تہذیب(۷/۳۱۲)میں ذکر کیا۔

اب ہم پھر حضرت علی زین العابدین بن حسین کی خصوصیتوں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں: مصعب بن عبداللہ زبیری نے سیدنا امام مالک بن انس سے روایت کیا: علی بن حسین نے احرام باندھ کر تلبیہ کا ارادہ فرمایا، تین بار تلبیہ پڑھنے کے بعد آپ پر ایسی غشی طاری ہوئی کہ آپ اپنی اونٹنی سے گر گئے جس سے آپ کی ہڈی شکستہ ہوگئی۔

اور مجھے یہ خبر ملی کہ آپ اپنے وصال تک ہر دن ورات ایک ہزار رکعت نماز ادا فرمایا کرتے۔ آپ کی کثرت عبادت کے سبب آپ کا نام زین العابدین پڑا۔ اھ

اللہ امام مالک پر رحم فرمائے، کیا ابن تیمیہ کو امام احمد، اور امام مالک، اور سلف صالح سے زیادہ علم ہے؟ میرا خیال ہے کہ ایسا اعتقاد وہی بد مذہب رکھیں گے جن کی عقل پر ابن تیمیہ کے افکار ونظریات کا غلبہ نظر آتا ہے اور اس کے گھنے چھاؤں میں انھیں سکون وآرام ملتا ہے۔

اور عامر[3] بن عبداللہ کے بارے میں ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء (۸۸/۲، ۸۹)، بیہقی نے شعب الایمان (۱۵۴/۳) اور ابن جوزی نے صفوۃ الصفوۃ (۲۰۲/۳) میں ذکر کیا۔ اور کہمس[4] کے متعلق ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء (۲۱۱/۶)، ابن جوزی نے صفوۃ الصفوۃ (۳۱۴/۳)، ذہبی نے السیر (۳۱۷/۵) اور حافظ نے میزان (۵۰۳/۵) میں ذکر کیا۔ اور بلال[5] بن سعد کے متعلق حافظ مزی نے تہذیب الکمال (۲۹۲/۴)، ذہبی نے السیر (۹۰/۵، ۹۱) اور حافظ نے تہذیب (۴۴۱/۱) میں ذکر کیا۔ اور مصعب[6] بن ثابت کے متعلق ابن جوزی نے صفوۃ الصفوۃ (۱۲۶/۲)، ذہبی نے السیر (۲۹/۷) اور حافظ نے میزان (۴۳۵/۶) میں ذکر کیا۔ اور مرہ[7] بن شراحیل ہمدانی کے متعلق ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء (۱۶۲/۴)، کلاباذی نے رجال صحیح البخاری (۷۳۲/۲) اور ابن جوزی نے صفوۃ الصفوۃ (۳۴/۳) میں ذکر کیا۔

(۳۱) ابن تیمیہ اور امام جعفر صادق کی توہین

ابن تیمیہ کی یہ عادت ہے کہ وہ اہل بیت کرام کی تنقیص وتوہین کرتا ہے بلکہ یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ابن تیمیہ ان تمام حضرات کی توہین کرتا ہے جن سے امت مسلمہ فطری محبت وعقیدت رکھتی اور ان کی تعظیم وتکریم بجالاتی اور ان کی بارگاہوں میں نذر عقیدت پیش اور جبین نیاز خم کرتی ہے۔

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۷/۵۳۳،۵۳۴) میں کہا:

''حاصل کلام ان ائمہ اربعہ میں سے کسی نے بھی جعفر (صادق) سے فقہ کے کچھ قواعد نہ سیکھے ،ہاں ان حضرات نے جعفر سے حدیثیں روایت کیں جیسا کہ دوسروں سے روایت کیا، اور دوسروں کی روایت کردہ حدیثیں ان کی روایت کردہ حدیثوں سے کئی گونا زیادہ ہیں، زہری اور ان کی حدیث کے درمیان تو کوئی نسبت ہی نہیں، نہ قوت، نہ کثرت میں، امام بخاری کو ان کی بعض حدیثوں کے بارے میں شبہ ہوا اس وجہ سے کہ انہیں یہ خبر ملی کہ یحی بن سعید قطان نے فرمایا کہ: ان کے بارے میں کلام ہے اس لیے انھوں نے ان کی حدیث تخریج نہ کی۔ اور جعفر صادق کی براءت کے باوجود ان پر جس قدر کذب کا طعن ہے کسی اور پر نہیں۔''

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ کے کلام میں تین نقطے ہیں جن کی بنیاد پر اس نے امام جعفر صادق کی توہین کی:

پہلا نقطہ:

یہ ہے کہ ابن تیمیہ نے یہ کہا: ''اُن ائمہ اربعہ میں سے کسی نے بھی جعفر سے فقہ کے کچھ قواعد نہ سیکھے''۔ یہ جعفر صادق اور اہل بیت کرام کی تنقیص وتوہین اور مکابرہ ہے، ابن تیمیہ سے پہلے کسی نے یہ نہ کہا کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی نے ایک دوسرے سے اخذ نہ کیا مثلا امام احمد نے شافعی، اور امام شافعی نے امام مالک سے اخذ نہ کیا اور کسی نے یہ بھی نہ کہا کہ ائمہ اربعہ نے امام جعفر صادق سے کچھ بھی قواعد فقہ نہ سیکھے۔

علامہ ذہبی نے سیر أعلام النبلاء (۲۵۷/۶) میں ذکر کیا کہ: حسن بن زیاد نے فرمایا: میں نے امام ابوحنیفہ سے سنا آپ سے پوچھا گیا آپ کی نظر میں سب سے عظیم فقیہ کون ہیں؟ تو فرمایا: میں نے جعفر بن محمد سے بڑا فقیہ نہ دیکھا۔

حافظ ابن حجر کی تعجیل (۵۶/۱) میں بہلول بن عمر صیرفی معروف بہ مجنون کے ترجمہ میں مذکور ہے کہ امام ابوحنیفہ نے ان کے بارے میں بیان فرمایا کہ میں نے انہیں بازار میں کھاتے ہوئے پایا تو میں (امام ابوحنیفہ) نے ان سے کہا: جعفر صادق جیسی شخصیت کے پاس مجالست رکھتے ہو اور بازار میں چلتے ہوئے کھاتے ہو۔

ذرا دیکھیے سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کی نظر میں سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ تعالی عنہ کا مقام کیسا ہے آپ یہ فرمارہے ہیں: جعفر صادق جیسی شخصیت کی مجلس میں بیٹھتے ہو اور بازار میں چلتے پھرتے کھاتے ہو؟

علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (۲۵۸/۶) میں ذکر کیا ہے کہ: امام ابوحنیفہ نے فرمایا: جب خلیفہ منصور جعفر صادق کو ''حیرہ'' کی سرزمین پر لے کر آیا تو میرے پاس خبر بھیجی اور کہا: اے ابوحنیفہ! جعفر بن محمد کے سبب یہاں کے لوگ فتنہ میں پڑ گئے ہیں اس لیے آپ امام کے لیے اپنے کچھ مشکل اور دشوار مسائل تیار کیجیے تو میں نے خلیفہ کے کہنے پر آپ سے سوال کرنے کے لیے چالیس مسئلے تیار کیے پھر میں ابوجعفر (خلیفہ منصور) اور جعفر کے پاس آیا تو خلیفہ نے مجھے اپنے داہنے جانب بیٹھایا جب میری نظر ان دونوں پر پڑی تو میرے دل میں جعفر کی ایسی ہیبت قائم ہوئی جو ابوجعفر (خلیفہ منصور) کے دیکھنے سے نہ ہوئی، پھر ابوحنیفہ نے فرمایا: میں نے امام جعفر صادق سے سوالات شروع کیے آپ ہر مسئلے کے بارے میں یہی فرماتے اس سلسلے میں آپ حضرات کا یہ قول ہے، اور اہل مدینہ منورہ ایسا ایسا فرماتے ہیں، اور ہم اس طرح حکم دیتے ہیں، کبھی تو وہ ہماری اور کبھی اہل مدینہ منورہ کی موافقت فرماتے اور کبھی ہم سب کی مخالفت فرماتے یہاں تک کہ میں نے آپ کی خدمت میں مکمل چالیس مسئلے پیش کیے اور ان مسائل میں سے کچھ بھی کم نہ کیا۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: کیا ہم نے یہ روایت نہ کی کہ سب سے بڑا عالم وہ ہے جسے اختلاف علما کا زیادہ علم ہے۔

میں کہتا ہوں:

اللہ ہمیں اور آپ لوگوں کو ہدایت پر قائم رکھے۔ ذرا دیکھیے امام ابوحنیفہ، امام جعفر صادق کی کیسی تعریف

وتوصیف فرما رہے ہیں۔ وہ تو یہ فرما رہے ہیں: ”کیا ہم نے یہ نہ کہا کہ سب سے بڑا عالم وہ ہے جسے اختلاف علما کا زیادہ علم ہے“ اور ذرا امام ابوحنیفہ کا وہ ادب ملاحظہ فرمائیں جسے صاحب طبقات حنفیہ (۴۶۳/۱) نے ذکر کیا کہ امام ابویوسف نے فرمایا کہ: امام (ابوحنیفہ) مسجد حرام میں فتوی دے رہے تھے اچانک امام جعفر صادق بن امام محمد باقر رضی اللہ تعالی عنہما وعن آباءھما الکرام جلوہ افروز ہوئے اور آپ کے پاس کھڑے ہو گئے جیسے ہی امام ابوحنیفہ کو آپ کا علم ہوا عرض کیا: اے فرزند رسول پاک! اگر مجھے پہلے ہی سے آپ کے قیام کا علم ہوتا تو آپ کھڑے رہتے اور میں بیٹھا نہ رہتا پھر آپ نے فرمایا: آپ بیٹھ کر حکم شرع بیان فرمائیں میں نے اپنے آبائے کرام کو اسی طریقہ پر پایا۔

رہے سیدنا امام مالک علیہ الرحمہ تو حافظ نے تہذیب التہذیب (۸۸/۲) میں ذکر کیا کہ: میں ایک زمانہ تک آپ کی خدمت میں آتا جاتا رہا میں نے آپ کے اندر تین خصلتیں پائیں۔ آپ یا تو نماز پڑھتے، یا روزہ میں مشغول رہتے، یا قرآن کی تلاوت فرماتے۔ میں نے ہمیشہ آپ کو باوضو حدیث بیان فرماتے دیکھا۔ آخر ایک زمانہ تک آپ کی خدمت میں امام مالک کی آمد ورفت کیوں رہی؟

رہ گئے سیدنا امام شافعی علیہ الرحمہ تو ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء (۱۵۲/۹، ۱۵۳) میں آپ کے متعلق ذکر کیا کہ بعض لوگوں نے آپ پر رفض کی تہمت صرف اس لیے لگائی کہ آپ اہل بیت کی طرف کامل میلان رکھتے۔ اوران سے بے پناہ محبت فرماتے۔ امام شافعی نے تو اپنے اشعار میں یہاں تک فرمایا:

۱) قف بالمحصب من منى فاهتف بها واهتف بقاعد خيفها والناهض

۲) إن كان رفضا حب آل محمد فليشهد الثقلان أني رافضي

۱) منیٰ کے مقام محصب میں کھڑے ہو کر اس خاک مقدس میں کھڑے اور بیٹھے سارے لوگوں کو یہ پیغام سنا دو کہ

۲) اگر آل محمد کی محبت کا نام رافضی ہونا ہے تو جن وانس گواہ ہو جائیں کہ میں رافضی ہوں۔

علامہ ذہبی نے سیر أعلام النبلاء (۸۵/۱۰) میں نقل فرمایا کہ: ربیع بن سلمان نے کہا: ہم نے امام شافعی کے ساتھ حج کیا تو دیکھا کہ آپ جب کسی وادی میں قدم رنجہ ہوتے یا اس سے اترتے تو اشک بار آنکھوں سے یہ اشعار پڑھتے:

۱) یـاراکبًـا قف بـالـمـحـصـب من منـی واهتف بـقـاعـد خیـفـنـاوالـنـاهـض

۲) سـحـرا إذا فـاض الـحـجیج إلی منـی فیـضـا کـمـلـتـطـم الـفـرات الفـائض

۳) إن کـان رفـضـا حـب آل مـحـمـد فـلیشهـد الثـقـلان أنـي رافـضـي

۱) اے سوار منٰی کے مقام محصب میں کھڑے ہوکر اس ارض مقدس میں کھڑے اور بیٹھے سارے لوگوں کو سحر کے وقت یہ پیغام سنادو۔

۲) جب کہ حجاج فرات کے تلاطم خیز موجوں کی طرح منٰی کی طرف جوش زن ہوں۔

۳) اگر آل محمد کی محبت کا نام رافضی ہونا ہے تو جن وانس گواہ ہوجائیں کہ میں رافضی ہوں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ آپ سورۃ فاتحہ کے شروع میں زور سے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھتے تھے باقی ائمہ کرام کا مذہب یہ ہے کہ نماز میں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' آہستہ پڑھا جائے۔ اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ تعالی باقی ائمہ کے برخلاف نماز فجر میں بھی قنوت پڑھتے تھے۔ زور سے تسمیہ، اور نماز فجر میں قنوت وغیرہ پڑھنا آپ نے اہل بیت اطہار کے مذہب سے اخذ فرمایا۔ اسی وجہ سے اور اہل بیت کرام کی غایت محبت اور کمال مدح کے سبب آپ پر رافضی ہونے کی تہمت لگائی گئی اور آپ نے یہ اشعار فرمائے۔

تمام اسلامی کتابوں میں امام جعفر صادق سے امام سفیان ثوری کے سوالات کا ذکر ملتا ہے۔

امام سفیان ثوری کے ان اقوال میں نظر کیجئے جنہیں ابونعیم نے روایت کیا (جیسا کہ ذہبی نے سیر أعلام النبلاء (۶/۲۶۱،۲۶۲) میں ذکر کیا) امام سفیان ثوری نے فرمایا: میں جعفر بن محمد کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ آپ ریشم کا ایک جبہ زیب تن کیے ہوئے ہیں جس کا رنگ مائل بہ سیاہی ہے، اور آپ ایک ریشمی دیدجانی چادر اوڑھے ہوئے ہیں۔ میں تعجب سے آپ کو دیکھنے لگا تو آپ نے فرمایا: ثوری! کیا بات ہے؟ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول کے فرزند! آپ اور آپ کے آبائے کرام کا یہ لباس نہیں ہے۔ تو آپ نے فرمایا: وہ فقر وتنگدستی کا زمانہ تھا وہ حضرات اپنے فقر وتنگدستی کے لحاظ سے کام کرتے تھے۔ آج ہر چیز کی فراوانی اور بہتات ہے اس کے بعد آپ نے اپنے جبہ کی آستین کھولی تو اندر ایک سفید اونی جبہ تھا جس کا دامن دوسرے دامن سے چھوٹا تھا اور فرمایا یہ خالص اللہ

عزوجل کے لیے پہن رکھا ہے۔ اور اسے آپ لوگوں کے لیے زیب تن کر رکھا ہے، تو جو چیز خالص اللہ کے لیے ہے ہم نے اسے چھپا رکھی ہے اور جو آپ لوگوں کے لیے ہے اسے ظاہر کر رکھا ہے۔

حافظ ذہبی نے سیر أعلام النبلاء (۶/۲۶۴:۲۶۶) میں ذکر کیا کہ: خلیل بن احمد نے فرمایا: میں نے سفیان ثوری سے سنا آپ نے فرمایا: میں مکہ آیا تو ابوعبداللہ جعفر بن محمد کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ بطحائے مکہ میں جلوہ نشین ہیں میں نے عرض کیا: اے فرزند رسول اللہ! کیوں موقف کو پیچھے سے رکھا گیا، اور مشعر حرام حرم کی طرف نہ پھیرا گیا؟ آپ نے فرمایا کعبہ اللہ کا گھر ہے اور حرم اس کی خاک پاک ہے، اور موقف اس کا دروازہ ہے، جب وفد والے اس کا قصد کر کے آتے ہیں تو انہیں باب کعبہ پر عجز کے ساتھ دعا و مناجات کے لیے ٹھہرا دیا جاتا ہے، جب انہیں داخل ہونے کی اجازت مل جاتی ہے تو انہیں دوسرے دروازہ مزدلفہ سے قریب کر دیا جاتا ہے، جب وہ کثرت سے مناجات و دعا کرتے ہیں اور عبادت و طاعت میں خوب جہد و مشقت کرتے ہیں تو ان پر اللہ کی بیکراں رحمت کا نزول ہوتا ہے، جب کعبہ انہیں اپنے سایۂ رحمت میں لے لیتا ہے تو انہیں یہ حکم دیتا ہے کہ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں اپنی قربانیوں کا تقرب پیش کریں، جب وہ تقرب سے فارغ ہو جاتے ہیں، اپنا میل کچیل دور کر لیتے ہیں اور ان گناہوں سے پاک ہو جاتے ہیں جو بندہ اور رب کے قرب میں حجاب اور مانع ہوتے ہیں تو انہیں یہ حکم دیا جاتا ہے کہ پاک ہو کر اس کے خاص گھر کی زیارت کریں، سفیان ثوری نے کہا: پھر ایام تشریق میں کیوں روزہ مکروہ ہے؟ فرمایا: اس لیے کہ ان دنوں بندے اللہ کے مہمان ہوتے ہیں، اور مہمان پر میزبان کے یہاں روزہ کی پابندی لازم نہیں ہوتی، میں نے کہا: میں آپ پر نثار لوگ غلاف کعبہ سے کیوں چمٹتے ہیں حالاں کہ وہ تو ایک کپڑا ہے جس کا کوئی نفع نہیں فرمایا: اس کی مثال اس آدمی کی ہے کہ اس آدمی اور دوسرے آدمی کے درمیان کوئی جرم وقصور ہو تو وہ مجرم وقصوروار اس کے پیچھے لگا رہتا ہے، اور اس امید پر اس کے گرد چکر لگاتا رہتا ہے کہ کہیں اسے عفو و درگزر اور بخشش کا پروانہ مل جائے۔

رہ گیا امام احمد کا معاملہ تو وہ آپ کے زمانہ میں تھے اس لیے کہ امام جعفر صادق کا ۱۴۸ھ میں وصال ہو گیا تھا۔

دوسرا نقطہ:

ابن تیمیہ نے یہ کہا کہ: ''ائمہ اربعہ نے امام جعفر صادق سے روایت کیا ہے جیسا کہ ان حضرات نے دوسروں سے روایت کیا ہے، اور دوسروں کی حدیثیں امام جعفر کی حدیث سے کئی گونا زیادہ ہیں۔ اور زہری اور ان کی حدیث کے درمیان کوئی نسبت ہی نہیں نہ قوت، نہ کثرت میں''۔

ہم اس کے اس کلام کے جواب میں کہتے ہیں کہ: ابن عدی (۱۳۱/۲) اور ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (۶/ ۲۵۶) اور علامہ ابن حجر نے لسان (۱۴۴/۲) میں دراوردی سے نقل کیا کہ انھوں نے یہ کہا: ''امام مالک نے جعفر سے روایت نہ کی یہاں تک کہ بنو عباس کا معاملہ غالب آ گیا، یعنی سبب واضح ہے اور وہ یہ ہے کہ بنو امیہ کی حکومت تھی اور یہ لوگ اہل بیت کرام سے شدید نفرت و کراہت رکھتے تھے۔ سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت انہیں کے دور خلافت میں ہوئی۔

یہ امام زہری اور حضرت علی زین العابدین کے درمیان تقابل کی طرح ہے کہ بعض علما نے کہا کہ: دونوں کی عمر ایک ہے جیسا کہ احمد بن صالح نے یہی کہا، اور بعض علما نے کہا کہ علی زین العابدین رضی اللہ تعالی عنہ زہری سے تیرہ سال بڑے ہیں یعنی آپ کی عمر کافی زیادہ ہے۔ تہذیب التہذیب (۲۶۹/۷) دیکھیں۔

حضرت علی زین العابدین کے ساتھ زہری کا معاملہ کیا ہے ہم ماسبق میں ذکر کر چکے۔

ہم کہتے ہیں: کیا ابن تیمیہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کی ایک ہزار روایت کے بالمقابل ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت کردہ حدیث کی تعداد بھول گیا، کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ ابو ہریرہ اور ابوبکر کی حدیث کے درمیان کوئی نسبت ہی نہیں، نہ قوت، نہ کثرت میں، کہاں ابو ہریرہ اور کہاں سیدنا ابوبکر صدیق اکبر؟ یہ غور کا مقام ہے۔

تیسرا نقطہ:

ابن تیمیہ نے یہ کہا کہ: ''بخاری کو امام جعفر کی بعض حدیثوں میں اس لیے شبہ ہوا کہ انہیں یحیی بن سعید قطان سے یہ خبر ملی کہ ان کے بارے میں کلام ہے اس لیے ان کی حدیث تخریج نہ کی اور جعفر کی براءت کے

باوجود ان پر کذب کا ایسا طعن ہے جو کسی اور پر نہیں''۔

اس کے جواب میں درج ذیل امور ملاحظہ ہوں:

(۱) خود اس کے تلمیذ حافظ ذہبی نے سیر أعلام النبلاء (۲۵۶/۶، ۲۵۷) میں ذکر کیا:

''یحی بن سعید نے فرمایا: جعفر بن محمد نے مجھے حج کی طویل حدیث املا کرائی۔ پھر یحی بن سعید نے کہا: ''میرے دل میں اس بارے میں کچھ خدشہ ہے، مجالد مجھے ان (جعفر) سے زیادہ محبوب ہیں''۔ میں (ذہبی) کہتا ہوں: یہ یحی قطان کی لغزشوں میں سے ہے۔ بلکہ اس شان کے ائمہ حدیث کا اس بات پر اجماع ہے کہ جعفر مجالد سے زیادہ ثقہ ہیں، اوران ائمہ محدثین نے یحی قطان کے اس قول کی طرف ذرا بھی التفات نہ فرمایا۔

امام شافعی نے فرمایا: جعفر ثقہ ہیں، اور یحی بن معین نے کہا: جعفر بن محمد ثقہ مامون ہیں، اور ابن ابوحاتم نے کہا: میں نے ابوزرعہ سے سنا آپ (ابوزرعہ) سے ''عن جعفر بن محمد عن أبیه''، اور ''سھل عن أبیه''، اور ''علاء عن أبیه'' کے متعلق پوچھا گیا ان میں کس کی اصح روایت ہے تو آپ نے فرمایا: جعفر کا ان سے تقابل نہ کیا جائے۔ اور میں نے ابوحاتم سے یہ فرماتے سنا: جعفر جیسی شخصیت کے بارے میں نہ پوچھا جائے'' الخ

ابن عدی نے کامل (۱۳۱/۲-۱۳۴) میں کہا: آپ کی بہت سی حدیثیں اس طرح مروی ہیں ''عن أبیه عن جابر، وعن آبائه'' اور اہل بیت کے کچھ نسخے ہیں۔ ائمہ کرام نے آپ سے حدیثیں روایت کیں، آپ ثقہ راویوں میں سے ہیں جیسا کہ ابن معین نے فرمایا۔

(۲) ابن تیمیہ کے اس جملہ میں کس قدر رلوچ اور گھال میل ہے۔ اس کے اس بے معنی کلام میں ابہام وایہام کے سوا کچھ نہیں: ''بخاری کو آپ کی بعض حدیثوں کے بارے میں شبہ ہوا اس وجہ سے کہ یحی بن سعید قطان سے انہیں یہ خبر ملی کہ آپ کے بارے میں کچھ کلام ہے اس لیے ان کی حدیث تخریج نہ کی۔ اور جعفر صادق کی براءت کے باوجود ان پر جس طرح کذب کا طعن ہے کسی اور پر نہیں''۔

بعض حدیث میں کلام کی وجہ یہ ہے کہ یحی قطان کا کلام خود امام جعفر صادق کے صدق کے بارے میں تھا اسی لیے ہم نے ماسبق میں حافظ ذہبی کا یہ کلام نقل کیا کہ: ''یہ یحی قطان کی لغزشوں میں سے ہے'' یہ ایک موضوع ہے، اور ماسبق کے باقی جملہ معطوفہ کا ایک الگ موضوع ہے اس لیے کہ اس کا تعلق ایسے لوگوں سے ہے جو جعفر صادق پر کذب کی تہمت لگاتے ہیں تو ذرا دیکھیے کہ ایک سیاق میں دو معنوں کے درمیان کیسا کھلا ہوا بعد ہے۔

(۳) ابن تیمیہ کے اس کلام کا کیا فائدہ ''**ولم يكذب على أحد ما كذب على جعفر الصادق مع برائته**'' جعفر صادق کی براءت کے باوجود ان پر کذب کا ایسا طعن ہے جو کسی اور پر نہیں۔

جب ابن تیمیہ کے لیے یہ خود ہی قناعت بخش ہے تو پھر یحی قطان کی اس لغزش کا کیوں ذکر کیا جائے جس کا ذکر ابھی گزرا کہ علامہ ذہبی نے فرمایا: ائمہ محدثین کا اس پر اجماع ہے کہ یہ یحی قطان کی خطا ولغزش ہے۔

(۴) امام بخاری شافعی المذہب ہیں انھوں نے اپنی صحیح میں امام شافعی کی روایت ذکر نہ کی تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ امام شافعی ثقہ نہیں؟ یا ائمہ نے ان سے اخذ روایت وحدیث نہ کی؟ ذرا غور فرمائیں۔

(۵) ابن تیمیہ کا اس جملہ سے کیا مقصود ہے: ''جعفر صادق کی براءت کے باوجود ان پر کذب کا ایسا طعن ہے جو کسی اور پر نہیں'' کیا امام بخاری کی عدم روایت کی صفائی پیش کر رہا ہے اور اسے جائز قرار دے رہا ہے یا جعفر صادق کی مرویات میں شک پیدا کرنا مقصود ہے کہ جعفر صادق کی مروی روایتیں سننے والا شک وشبہ کا شکار ہو جائے۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ ابن تیمیہ کا اس جملہ سے کیا مقصود ہے: ''امام بخاری کو جعفر کی بعض حدیثوں میں شک ہوا'' ہم تو ابن تیمیہ سے کہتے ہیں اسے یہ کہنا چاہئے: ''جعفر صادق کی براءت کے باوجود ان پر کذب کا ایسا طعن ہے جو کسی اور پر نہیں جیسا کہ ان کے جد اعلی رسول اعظم ﷺ کی طرف بعض جھوٹے راویوں نے جھوٹی روایتیں منسوب کیں۔

(۶) امام جعفر بن محمد بن باقر بن علی زین العابدین بن حسین نواسہ رسول اللہ ﷺ کو صادق کے لقب سے کیوں

یاد کیا گیا اور اس پر امت کا اتفاق کیوں ہے؟ اور نبی کریم ﷺ کو کیوں صادق امین کہا گیا؟ عمرو بن ابو المقدام نے فرمایا:

''میں جب جعفر بن محمد کو دیکھتا تو ایسا معلوم ہوتا کہ آپ انبیا کی پاکیزہ نسل اور اولاد سے ہیں''۔

(۳۲) ابن تیمیہ کی حضرت علی رضا بن موسیٰ کاظم کی شان میں گستاخی جن کی قبر شریف سے ابن خزیمہ اور ابن حبان اکتساب برکت کرتے۔

حضرت علی رضا بن موسی کاظم، بن جعفر صادق، بن محمد باقر، بن علی زین العابدین، بن سردار اہل جنت حسین، بن علی وہ ہیں جن کی شان میں رسول اکرم ﷺ کے منبر اقدس پر یہ کہا گیا:

ستة آبـــاء هـــم مـــاهـــم　　　خيـر مـن يشـرب صـوب الـغـمـام

ترجمہ:۔''یہ علی بن موسی، بن جعفر، بن محمد، بن علی، بن حسین ہیں''

ان کے چھ آبائے کرام وہ ہیں جو باران کرم سے سیراب ہونے والے تمام لوگوں سے افضل ہیں۔

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۶۰/۴) میں کہا:

''یہ کہنا کہ وہ (حضرت علی) سب سے بڑے زاہد و عالم ہیں۔ یہ محض دعوی بے دلیل ہے۔ جو شخص کسی انسان کے بارے میں غلو کرتا ہے وہی ایسے دعوے کرسکتا ہے، یہ دعوی کیوں کر بے دلیل نہ ہوگا جب کہ ہر شخص جانتا ہے کہ ان کے زمانہ میں ان سے بڑھ کر علم وزہد والے تھے جیسا کہ شافعی، اور اسحٰق ابن راہویہ، اور احمد بن حنبل، اور اشہب بن عبدالعزیز، اور ابوسلیمان دارانی، اور معروف کرخی اور اس طرح کی دوسری عظیم الشان شخصیتیں۔ علمائے محدثین میں سے کسی نے ان کی کوئی حدیث قبول نہ کی، اور اصحاب صحاح ستہ نے اپنی کتابوں میں ان کی کوئی حدیث روایت نہ کی''۔

اور اس نے اپنی کتاب منہاج (۶۱/۴، ۶۲) میں یہ بھی کہا:

''یہ کہنا کہ: ان سے فقہائے جمہور نے خوب اخذ علم کیا۔ یہ صریح جھوٹ ہے، ان مشہور فقہائے جمہور نے ان سے اخذ علم نہ کیا۔ اگر بعض غیر معروف فقہائے جمہور نے ان

سے اخذ علم کیا تو کوئی عجب بھی نہیں کیوں کہ طالبان فقہ اپنے سے متوسط، اور متوسط سے بھی کمتر علم والوں سے اخذ واکتساب کیا کرتے ہیں، بعض لوگ ذکر کرتے ہیں کہ معروف کرخی ان کے خادم تھے، آپ نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، ان کے خرقہ کا اتصال بھی آپ ہی سے تھا یہ بھی جھوٹ ہے جس پر تمام معروف شخصیتیں متفق ہیں''۔ الخ

میں کہتا ہوں:

(۱) اہل بیت کی مسلسل تنقیص شان میں سے ابن تیمیہ کی یہ بھی ایک گستاخی ہے۔ ابن تیمیہ سرداران اہل جنت حسن وحسین کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ: وہ اپنے زمانہ کے بڑے زاہد وعالم نہ تھے۔

اور اپنے مریدوں سے اپنے بارے میں بقیۃ السلف، قدوۃ الخلف، اعلم بلاد الشرق والغرب کہلواتا ہے جیسا کہ اس کی کتاب ''الزہد والورع والعبادۃ'' (۸۵/۱) کے حوالہ سے گزرا۔

میں کہتا ہوں:

حفید حسین (حسین کے پوتے) کے بارے میں وہ یہ کہہ رہا ہے کہ: وہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم وزاہد نہیں۔ اور اسے یہ یاد نہیں کہ اللہ نے ساتویں حفید (پوتے) کو ان کے آبا کے خیر وصلاح کے سبب کرامت وشرافت سے سرفراز فرمایا جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وَ كَانَ أَبُوْهُمَا صٰلِحًا﴾ [الکہف-۸۲:۱۸]

ترجمہ: ''اور ان کا باپ نیک آدمی تھا''۔

خلیفہ مامون نے حضرت علی رضا کی بارگاہ میں خلافت کا عریضہ پیش کیا تو آپ نے حضرت حسن رضی اللہ تعالی عنہ کی طرح اسے قبول نہ فرمایا یہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ آپ اپنے زمانہ کے بہت بڑے زاہد تھے۔

بخاری وغیرہ کی روایت میں ہے کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا:

''إن ابني هذا سيد، ولعل الله أن يصلح به بين فئتين عظيمتين من المسلمين''.

''میرا یہ بیٹا سردار ہے امید ہے کہ اللہ عزوجل ان کے ذریعہ مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں میں

صلح کرائے''۔

(۲) ابن تیمیہ کا یہ کلام ابھی گزرا:

''آپ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم وزاہد کیسے ہوں گے جب کہ ہر شخص کو معلوم ہے کہ آپ کے زمانہ میں آپ سے بڑھ کر علم وزہد والے تھے جیسا کہ شافعی ،اوراسحاق بن راھویہ،اوراحمد بن حنبل،اوراشہب بن عبدالعزیز،اورابوسلیمان دارانی اورمعروف کرخی''۔

اس کے اس کلام میں بہت سے مغالطے ہیں۔

یہ حضرات کون ہیں،ان کا ذکر کیوں نہ کیا،اوران کی دلیل کیا ہے؟جب کوئی شخص حضرت علی رضا کی طرف کسی فضیلت کی نسبت کرتا ہے تو ابن تیمیہ اسے بے دلیل بات ٹھہراتا ہے آخراس کے پاس اس کے خلاف دلیل کیا ہے؟ہم ماسبق میں ذکر کر چکے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اہل بیت کرام سے بے حد محبت فرماتے یہاں تک کہ اس جرم محبت میں لوگوں نے آپ کو متشیع تک کہہ ڈالا،اسی طرح تصوف کے عظیم امام دارانی کی محبت اہل بیت کون نہیں جانتا،نیز حضرت معروف کرخی حضرت علی رضا کے خادموں میں سے تھے جیسا کہ بہت سے ائمہ کرام نے اس کی تصریح فرمائی۔ہاں ابن تیمیہ اسے نہیں مانتا،چندصدیوں کے بعداس پہلے شخص نے اپنی عادت کے مطابق یہ دعوی کیا کہ حضرت معروف کرخی حضرت علی رضا کے خادم نہ تھے،اور یہ صرف اس بنا پر کہ امام احمد بن حنبل،حضرت معروف کرخی کی بے پناہ تعظیم وتکریم فرماتے تھے،ہم ابن تیمیہ سے کہتے ہیں کہ: ذرا وہ اسحاق بن راھویہ کو دیکھے ہم ابھی ذکر کر چکے کہ وہ حضرت علی رضا سے بھی بڑے زاہد تھے پھر بھی وہ حضرت علی رضا کا ادب فرماتے عجلونی نے کشف الخفاء(۲۲/۱) میں فرمایا:

''جب علی بن موسی رضا سفید خچر پر سوار ہو کر نیشاپور میں قدم رنجہ ہوتے تو اس شہر کے علما آپ کے استقبال کے لیے نکلے جن میں یحی بن یحی ،اوراسحاق بن راھویہ ،اوراحمد بن حرب،اورمحمد بن رافع خاص کر قابل ذکر ہیں ان حضرات نے آپ کی سواری کی لگام کو پکڑا، اوراسحاق بن راھویہ نے آپ سے عرض کیا: آپ کے آباء کے حق کا وسیلہ آپ ہمیں حدیث

سنائیں تو آپ نے حدیث کی مکمل سند ذکر فرما کر فرمایا: مجھ سے عبد صالح میرے والد موسی بن جعفر نے یہ حدیث بیان فرمائی: ''**لا إلــه إلا الـلّٰــه حصني**'' (لا الٰہ إلا اللہ میرا مضبوط قلعہ ہے)۔

ذرا غور کیجئے تنہا اسحاق بن راہو یہ علی رضا کی سواری کی لگام نہیں سنبھال رہے ہیں بلکہ آپ کے ساتھ یحی بن یحی بھی ہیں۔جن کی جلالت شان کا یہ حال تھا کہ امام احمد بن حنبل آپ کی مبارک قمیص سے اکتساب برکت کرتے۔اور احمد بن حرب اور محمد بن رافع جیسے ائمہ سلف بھی آپ کے ساتھ تھے،ان ائمہ سلف کا علی رضا کی سواری کی لگام سنبھالنے کا واقعہ کافی معروف ومشہور ہے۔

ابن عساکر حافظ الدنیا کی تاریخ دمشق (۴۶۳/۵) مطالعہ کیجئے۔

(۳) ابن تیمیہ کا یہ کلام گذر چکا: '' **ولـم يـأخذ عنه أحد من أهل العلم بالحديث شيئا ولا روى له حديث في الكتب الستة**'' آپ سے علمائے محدثین نے کچھ بھی اخذ نہ کیا اور نہ ہی اصحاب صحاح ستہ نے اپنی کتابوں میں ان کی کوئی حدیث روایت کی۔

ابن حجر نے اپنی تہذیب (۳۳۹/۷) میں فرمایا: ''ائمہ حدیث میں سے آدم بن ابوایاس،اور نصر بن علی جہضمی،اور محمد بن رافع قشیری وغیرہم نے آپ سے حدیث روایت کی''۔

ابن ماجہ (جو ائمہ کتب صحاح ستہ میں سے ایک عظیم محدث ہیں) انھوں نے آپ کی ایک حدیث روایت کی وہ یہ ہے ''**الإيـمـان معرفة بالقلب، وقول باللسان ،وعمل بالأركان** ''یعنی ایمان قلبی معرفت،اور اقرار باللسان،اور عمل بالارکان کا نام ہے''اور ابوالصلت کا یہ قول منقول ہے کہ:''**لـو قـرأ هـذاالاسـنـاد على مـجـنـون لبرأ**'' اگر یہ اسناد کسی مجنون پر پڑھ کر دم کر دیا جائے تو وہ روبصحت اور شفایاب ہوجائے۔ابن تیمیہ کو یہ نہیں معلوم کہ اہل بیت کن کرب انگیز حالات اور جبر وتشدد اور محاصرہ کے پرآشوب دور سے گذرے ہیں چاہے وہ دور اموی ہو یا عصر عباسی،خود حضرت علی رضا کو زہر آلود انار کی شربت پلائی گئی جیسا کہ ہر شخص کو معلوم ہے۔

(۴) ابن تیمیہ نے کہا:''**وإن أخـذ عـنه بعض من لا يعرف من فقهاء الجمهور فهذا لا**

ینکر فإن طلبة الفقهاء قد یأخذون من المتوسطین في العلم و من هو دون المتوسطین"۔

"اگر بعض غیر معروف فقہا نے آپ سے اخذ علم کیا تو یہ کوئی عجب نہیں کہ طالبان فقہ کبھی اپنے سے متوسط، اور متوسط سے کمتر علم والوں سے استفادہ کرتے رہتے ہیں"۔

اس عبارت پر جس کا جتنا جی چاہے دل کھول کر تبصرہ کرے، اور اہل بیت کے مقابلہ میں ابن تیمیہ کی عداوت ونفسانیت دیکھے اور خود فیصلہ کرے کہ کس کے ساتھ رہنا بہتر ہے۔

(۳۳) ائمہ سلف حضرت علی بن موسیٰ کی تعظیم وتکریم فرماتے ہیں، ان میں ابوزرعہ رازی اور ابن اسلم طوسی ودیگر بے شمار علما ومحدثین ہیں۔

(یہ حضرات آپ سے توسل فرماتے اور آپ پر قسمیں کھاتے یہاں تک کہ آپ ان سے حدیث بھی بیان فرماتے)

ماسبق میں ابن تیمیہ کا یہ کلام گزرا:

''علی بن موسی کے مناسب حال، اور لائق شان کچھ تعریفات اور مشہور محاسن ومکارم ہیں جنھیں اہل معرفت جانتے ہیں، لیکن اس رافضی نے ان کی ایک بھی فضیلت دلیل کے ساتھ ذکر نہ کی''۔

میں کہتا ہوں: کیوں ابن تیمیہ نے علی رضا کی کوئی فضیلت ذکر نہ کی اور یہ کہا: ''آپ کے مناسب حال اور لائق شان کچھ تعریفات ہیں'' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن تیمیہ حاکم امت ہے یہاں تک کہ سیکڑوں سال پیشتر حضرات کا بھی حاکم ہے۔

ہم اس مقام پر امت کے سلف وخلف کے حوالہ سے یہ ذکر کرنا چاہتے ہیں کہ یہ حضرات حضرت علی بن موسی رضا کی بے حد تعظیم وتکریم فرماتے بلکہ آپ کی قبر اطہر کا بھی احترام فرماتے۔

(۱) یہ بہت مشہور ومعروف ہے کہ ائمہ سلف نے علی بن موسی رضا کی سواری کی لگام سنبھالی۔

یحی بن یحی، اور اسحاق بن راھویہ، اور احمد بن حرب، اور محمد بن رافع، اور ابوزرعہ رازی، اور ابن اسلم طوسی، اور یاسین بن نضر اور ان کے علاوہ بے شمار علما ومحدثین کے بارے میں یہ واقعہ مروی ہے۔

دیلمی نے مسند الفردوس اور ابن عساکر حافظ الدنیا نے تاریخ دمشق (۴۶۳/۵) میں اس واقعہ کو نقل کیا، اور حافظ مناوی نے فیض القدیر (۴۸۹/۴) اور حافظ عجلونی نے کشف الخفا (۲۲/۱) میں یہ واقعہ نقل کیا، بلکہ فیض القدیر (۴۸۹/۴، ۴۹۰) میں مناوی کا یہ قول دیکھیں: فائدہ: حاکم کی تاریخ نیشاپور میں ہے کہ: علی رضا بن موسی

کاظم ، بن جعفر صادق ، بن محمد باقر ، بن علی زین العابدین بن حسین جب نیشاپور میں جلوہ آرا ہوئے تو آپ ایک سفید دراز گوش پر ایک قبہ میں سوار تھے جس پر پردہ لگا ہوا تھا کثرت ہجوم کے باعث دراز گوش کا بازار میں چلنا دشوار ہو گیا، امام حافظ ابوزرعہ رازی، اور ابن اسلم طوسی اور آپ کے ہمراہ بے شمار علما ومحدثین آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے سید جلیل، سرداران امت کے فرزند! آپ کے پاکیزہ آباء اور معزز اسلاف کے حق کی قسم آپ اپنا رخ زیبا کھول کر ایک ایسی حدیث پاک سنائیں جو آپ کے آبا نے آپ کے جداعلی سے روایت فرمائی ہم اس حدیث کے ذریعہ آپ کا ذکر خیر کریں گے، اس خواہش واصرار پر آپ نے اپنے غلاموں کو ٹھہرنے، اور قبہ سے پردہ ہٹانے کا حکم دیا اور اپنی طلعت زیبا کی زیارت سے لوگوں کی آنکھوں کو قرار وسکون بخشا آپ کی زلفیں شانہ کی طرف لٹک رہی تھیں لوگ حسب مراتب کھڑے ہو کر اس حسین دلکش منظر کا نظارہ کر رہے تھے کوئی اشک بار ہے تو کوئی چیخ رہا ہے، تو کوئی خاک وغبار میں لوٹ رہا ہے، تو کوئی دراز گوش کے کھر کے بوسے لے رہا ہے، شور وہنگامہ بپا دیکھ کر ائمہ اعلام نے بآواز بلند فرمایا: اے لوگو! خاموش ہو کر بغور حدیث پاک سماعت کرو اور اپنے شور وہنگامہ سے ہمیں ایذا نہ دو املا کی درخواست کرنے والے ابوزرعہ اور طوسی موجود تھے (علی بن موسی) نے حدیث روایت کرتے ہوئے فرمایا:

> ''میرے والد موسی کاظم نے اپنے والد جعفر صادق، انھوں نے اپنے والد محمد باقر، انھوں نے اپنے باپ علی زین العابدین، انھوں نے اپنے والد شہید کربلا حسین، انھوں نے اپنے باپ علی مرتضی سے روایت کیا کہ علی مرتضی نے فرمایا کہ: میرے حبیب، اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک رسول اللہ ﷺ نے یہ حدیث بیان فرمائی: ''مجھ سے جبریل علیہ السلام نے بیان فرمایا کہ رب العزت سبحانہ نے مجھ سے یہ فرمایا: ''کلمة لا إله إلا الله حصني، فمن قالها دخل حصني، ومن دخل حصني أمن من عذابي'' کہ کلمہ ''لا الہ الا اللہ'' میرا مضبوط قلعہ ہے جس نے اس کلمہ کا اقرار واعتقاد کیا وہ میرے مضبوط قلعہ میں داخل ہو گیا، اور جو میرے مضبطوط قلعہ میں داخل ہوا میرے عذاب سے محفوظ و مامون رہا''۔

یہ حدیث پاک روایت فرما کر آپ نے قبہ پر پردہ ڈال لیا، اور وہاں سے چل پڑے دوات وکاغذ لے کر لکھنے والوں کو جب شمار کیا گیا تو بیس ہزار سے بھی زائد افراد تھے۔

اور استاذ ابوالقاسم قشیری نے فرمایا کہ بعض امراے سامانیہ کے پاس یہ حدیث اس سند متصل کے ساتھ موجود ہے انھوں نے اس حدیث کو آب زر سے لکھ کر یہ وصیت کی کہ ان کے ہمراہ ان کی قبر میں اسے رکھ دیا جائے ان کے وصال کے بعد انہیں خواب میں دیکھا گیا اور پوچھا گیا کہ اللہ عزوجل نے کیسا معاملہ فرمایا؟ تو انھوں نے کہا: کلمہ ''لا الہ الا اللہ'' کا ورد اور اس بات کی تصدیق کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، میرے لیے سامان بخشش ثابت ہوا۔

(۲) ابھی یہ سند گذری: ''علی بن موسی نے اپنے والد موسی کاظم، انھوں نے اپنے والد جعفر صادق، انھوں نے اپنے والد محمد باقر، انھوں نے اپنے والد علی زین العابدین، انھوں نے اپنے والد حسین، انھوں نے اپنے والد علی بن ابوطالب، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا۔ اس متصل سند کے بارے میں ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء (۱۹۱/۳-۱۹۲) میں فرمایا: یہ حدیث اس سند کے ساتھ ثابت ومشہور ہے۔ یہ ان پاکیزہ نفوس کی روایت ہے جنھوں نے اپنے مقدس آبائے کرام سے روایت کیا۔ ہمارے بعض اسلاف محدثین جب یہ سند روایت کرتے تو فرماتے:

''لو قرأ هذا الإسناد على مجنون لبرأ''

ترجمہ:۔ ''اگر یہ سند کسی پاگل پر پڑھ کر دم کر دیا جائے تو روبصحت اور شفایاب ہو جائے''۔

ابن ماجہ (۲۵/۱) نے فرمایا:

''اگر یہ اسناد کسی مجنون پر پڑھ کر دم کر دیا جائے تو شفایاب ہو جائے''۔

اور خطیب نے تاریخ بغداد (۴۱۸/۵-۴۱۹) میں ان لوگوں کا قول نقل کیا جنھوں نے یہ کہا: یہ پاگلوں کے ناک؟ میں چڑھانے کی دوا ہے۔ اگر یہ دوا مجنون کی ناک میں چڑھا دی جائے تو شفایاب ہو جائے۔

اور بعض ائمہ جرح وتعدیل جیسا کہ عبدالرحمٰن بن ابوحاتم رازی نے فرمایا: میں اپنے والد کے ہمراہ شام میں تھا میں نے مرگی کے ایک مریض کو دیکھا اسے مرگی آ رہی تھی تو میں نے یہ سند ذکر کی اور کہا کہ: میں اس سند سے

تجربہ کرتا ہوں میں نے اس مرگی کے مریض پر یہ سند پڑھ کر دم کردی تو وہ بیمار اپنی جگہ سے شفایاب ہو کر کھڑا ہو گیا، اور اپنے لباس جھاڑ کر چلا گیا۔ رافعی نے التدوین في أخبار قزوین (۴۸۲/۳) میں اسے ذکر کیا۔ یہ ثابت ہو جانے کے بعد یہ کس قدر نامعقول بات ہوگی کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث آپ کے اہل بیت تک نہ پہنچے، اور ساری امت اس کو جانے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ حاشیہ ابن قیم (۲۹۴/۱۲) میں ابن ماجہ کی حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے اس نے یہ کہا: بعض ائمہ حدیث نے کہا کہ اگر یہ (اسناد) کسی پاگل پر پڑھ کر دم کیا جائے تو وہ ضرور شفایاب ہوگا اگر یہ حدیث عبدالسلام سے سالم ومحفوظ ہو۔ عبدالسلام ایک متہم راوی ہے۔

اس مقام پر ابن قیم نے یہ نہ ذکر کیا کہ یہ کس کی عبارت ہے، میرا اذعان واعتقاد یہ ہے کہ یہ جملہ: ''اگر یہ حدیث عبدالسلام سے سالم ومحفوظ ہو جو ایک متہم راوی ہے'' ان ائمہ کے ارشادات میں خود ابن قیم کا اضافہ ہے۔

اہم بات یہ ہے کہ ابن قیّم کو بھی اس بات کا اقرار ہے کہ جس متصل سند میں اہل بیت اطہار ہیں اگر کسی پاگل پر صرف اس سند کو پڑھ کر دم کر دیا جائے تو وہ شفایاب ہوگا اور عنقریب کسی نہ کسی دن اسے فائدہ ہوگا۔

(۳۴) حکام وعلمائے مسلمین کا حضرت علی رضا کے وصال کے بعد آپ کی تعظیم وتکریم کرنا، اور آپ کی قبر اطہر سے اکتساب برکت کرنا

(۱) امام ابن خزیمہ، اور امام ابوعلی ثقفی طوس تشریف لے جاتے اور علی بن موسی رضا کی قبر اطہر پر تعظیم وتکریم کے ساتھ حاضر ہوتے۔

حافظ ابن حجر نے حضرت علی رضا کے حالات کے تحت تہذیب التہذیب (۳۳۹/۷) میں فرمایا:
''حاکم نے تاریخ نیشاپور میں فرمایا: میں نے ابوبکر محمد بن مومل بن حسن بن عیسی سے یہ فرماتے سنا: ہم لوگ امام المحدثین ابوبکر بن خزیمہ اوران کے ہم عصر ابوعلی ثقفی اور دیگر مشائخ کی ایک وافر جماعت کے ساتھ علی بن موسی رضا کی قبر کی زیارت کے لیے ''طوس'' گئے، محمد بن مومل فرماتے ہیں: ہم نے ابن خزیمہ کو دیکھا کہ آپ اس خاک مقدس کی بے پناہ تعظیم فرماتے ، اوراس بارگاہ میں حددرجہ تواضع وتضرع فرماتے''۔الخ

میں کہتا ہوں:

ان پانچ اکابر علمائے امت کو دیکھیے جن کے سرخیل امام ابن خزیمہ ہیں اورجنہیں ابن تیمیہ امام الائمہ کہتا ہے اور دوسرے حافظ ابوعلی ثقفی جو امام محدث، فقیہ، علامہ خراسان کے شیخ ہیں، ان کے متعلق ابن شریح نے کہا کہ: وہ حجۃ اللہ علی خلقہ (اللہ کی مخلوق پر اللہ کی حجت) ہیں، ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (۲۸۰/۱۵) میں ایسا ہی ذکر کیا۔ تیسرے شیخ الحاکم محمد بن مؤمل بن حسن بن عیسیٰ بن ماسرجسی ہیں، جن کے بارے میں ابن تیمیہ کے تلمیذ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (۲۳/۱۶، ۲۴) میں کہا: امام رئیس نیشاپور نے محدثین کے لیے ایک مکان تعمیر کرایا اوران کے خورد ونوش کا اعلی انتظام فرمایا، ابوعلی حافظ آپ کے پاس حاضر ہوتے، اورتاریخ احمد بن حنبل کا درس لیتے۔

اور چوتھے امام حاکم صاحب کتاب **المستدرک علی الصحیحین** ہیں۔
اور پانچویں **خاتمة الحفاظ و المحدثین** حافظ ابن حجر عسقلانی ہیں۔
محمد بن مؤمل بن حسن بن عیسیٰ ماسرجسی کے اس کلام میں غور کیجئے ''مشائخ کی ایک وافر جماعت کے ساتھ''
اور ذرا اس کلام پر غور کیجئے: ''میں نے ابن خزیمہ کو دیکھا کہ ''اس خاک مقدس کی بے پناہ تعظیم کرتے، اور اس بارگاہ میں بے حد تواضع وتضرع فرماتے''۔
یہ کوئی تعجب کی بات نہیں اس لیے کہ صرف علمائے محدثین جیسا کہ امام ابن خزیمہ، ابوعلی ثقفی، ماسرجسی، اور آپ کے ہم رکاب مشائخ کرام ہی اہل بیت کے مشاہد وآثار سے محبت نہیں فرماتے بلکہ ساری[1] امت مسلمہ عقیدت ومحبت رکھتی ہے۔

(۲) امام حافظ ابن حبان:

ابن حبان نے اپنی کتاب الثقات (۸/۴۵۷) میں علی رضا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:
''آپ کی قبر نوقان کے باہر سناباذ میں معروف ومشہور ہے، رشید کی قبر کے قریب آپ کا مزار پاک ہے۔ میں بارہا اس بارگاہ کی زیارت سے شرف یاب ہوا، جس وقت'' طوس''

---

(۱) مجدد اعظم سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس نے شجرۂ طیبہ میں فرمایا:

حب اہل بیت دے آل محمد کے لیے ۔۔۔ کر شہید عشق حمزہ پیشوا کے واسطے

یہ شجرہ طیبہ سلسلہ عالیہ رضویہ کے تمام مشائخ کرام اور ان کے مریدین ومعتقدین ومتوسلین پڑھتے ہیں اور علمائے ربانیین عالم اسلام میں نبی پاک ﷺ کی آل پاک کے اکرام واحترام اور ان کی عقیدت ومحبت کا درس دیتے ہیں۔
اور شیخ الکل مطاع العالم علامہ شیخ شرف الدین سعدی شیرازی فرماتے ہیں:

خدایا بحق بنی فاطمہ ۔۔۔ کہ بر قول ایمان کنم خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی ور قبول ۔۔۔ من ودست ودامان آل رسول ۔۔۔ (بوستاں سعدی)

امام شیرازی کی کتاب بوستاں ''ابن تیمیہ کے کفش بردار'' بھی پڑھتے پڑھاتے ہیں اور اس کی تعلیم دیتے ہیں۔ (مترجم)

میں میرا قیام رہا جب بھی مجھے کوئی مشکل پیش آئی علی بن موسی رضا کی قبر کی زیارت کے لیے حاضر ہوا (اللہ کی رحمتیں آپ کے جداعلی اور آپ پر ہوں) اور اس مشکل کے دفع کے لیے اللہ عزوجل سے دعا کی تو میری دعا مقبول ہوئی اور میری وہ مشکل ٹل گئی، بار ہا میں نے اس کا تجربہ کیا اور کامیابیوں سے ہمکنار ہوا، اللہ عزوجل محبت اہل بیت کرام پر ہم سب کا خاتمہ فرمائے صلی اللہ تعالی علیہ وعلیہم اجمعین'' الخ

ہم کہتے ہیں:

نبی کریم ﷺ کے اہل بیت سے علمائے امت محمدیہ کو کامل محبت ہے، اور جن کے دلوں میں بیماری ہے انہیں اہل بیت اطہار سے بغض وعداوت ہے ہم اس پر مزید کوئی تبصرہ نہ کریں گے۔

(۳) بادشاہ محمود بن سبکتگین:

حافظ ذہبی نے سیر أعلام النبلاء (۵۰۰/۱۶) میں کہا:

یہ بات معروف ومشہور ہے کہ ۳۸۷ھ میں بلخ وغزنہ وغیرہ بادشاہ سبکتگین کے زیر سلطنت تھا، یہ بادشاہ دشمنان اہل بیت سے تھا، جب طوس پر اس کی سلطنت قائم ہوئی تو اس نے علی بن موسی رضا کے مزار پاک کو ویران کر ڈالا، اور وہاں جانے والے زائرین کو قتل کرایا، جب اس کا بیٹا محمود تخت نشین ہوا تو اس نے علی رضی اللہ تعالی عنہ کو خواب میں دیکھا آپ فرما رہے تھے: یہ سلسلہ کب تک قائم رہے گا؟ تو اس نے از سر نو مزار پاک تعمیر کرایا اور اس مزار کے اوقاف اس کے حوالہ کر دیے۔

بادشاہ محمود بن سبکتگین نے اپنے دور سلطنت میں اپنے باپ کی بدعتوں کے بعد مذہب اہل سنت وجماعت کو فروغ واستحکام بخشا، یہاں تک کہ خود ابن تیمیہ نے آپ کی بار بار تعریف کی، اور مجموع الفتاوی (۲۲/۴) میں ان کے بارے میں یہ انکشاف کیا:

''بادشاہ محمود بن سبکتگین کی سلطنت ان کے ہم جنس بادشاہوں سے بہت اچھی تھی، ان کی

سلطنت میں اسلام وسنت کو فروغ واستحکام حاصل ہوا کیوں کہ انھوں نے ہندوستان کے مشرکین سے معرکہ آرائی کی اور عدل وانصاف کا ایسا پرچم لہرایا کہ اس سے پہلے اس طرح سر بلند نہ ہوا، ان کے زمانہ میں سنت کو غلبہ حاصل ہوا، اور بدعتوں کا قلعہ قمع ہوا"۔

اور درءالتعارض (۶/۲۵۳) میں کہا:

"سلطان محمود بن سبکتگین نے برسر منبر کھلم کھلا اہل بدعت پر لعنت کی اور سنت کو فروغ دیا"۔

اور بیان **تلبیس الجهمية** (۲/۳۳۱) میں کہا:

"چوتھی صدی ہجری میں سلاطین اہل مشرق میں سلطان محمود بن سبکتگین گذرے ہیں جو اسلام وعقل، دین وجہاد اور بادشاہت کے لحاظ سے بہت اچھے بادشاہ گذرے ہیں"۔

اور اپنی کتاب منہاج (۳/۴۲۹) میں آپ کے بارے میں لکھا:

"كان من خيار الملوك".

ترجمہ:۔"آپ اچھے بادشاہوں میں سے تھے"۔

وصل اللهم صلى على سيدنا محمد
وعلى آل بيته وسلم تسليما كثيرا

(۳۵) کیا اللہ تعالیٰ نے ابن تیمیہ کو جہنم کا علم بخشا ہے کہ اسے اس بات کا یقین ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ساری ذریت پر جہنم کی آگ حرام نہیں ہے؟

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۶۳/۴، ۶۴) میں کہا:

''فاطمہ کی ساری اولاد پر جہنم کی آگ حرام نہیں بلکہ ان میں بھی اچھے اور برے ہیں'' الخ

میں کہتا ہوں:

آخر ابن تیمیہ اور نبی کریم ﷺ کے اہل بیت کا کیا معاملہ ہے؟ اہل بیت کرام کے خصائص سے اس کا کیا بگڑ رہا ہے؟

ہم ابن تیمیہ کے نیاز برداروں سے کہتے ہیں:

(۱) ابن تیمیہ کے پاس کون سی دلیل ہے کہ فاطمہ کی ساری اولاد پر جہنم کی آگ حرام نہیں ہے؟

(۲) بخاری (۱۲۳۲/۳) کی حدیث میں اس بات کی صاف تصریح ہے کہ ساری امت کو اولاد فاطمہ پر درود بھیجنے کا حکم ہے اور مسلم (۳۰۶/۱) میں ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم آپ پر کس طرح درود بھیجیں، تو حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا: اس طرح درود بھیجو ''اللهم صل على محمد وأزواجه وذريته، كما صليت على آل ابراهيم، وبارك على محمد وأزواجه وذريته، كما باركت على آل إبراهيم إنك حميد مجيد''.

ابن تیمیہ کو بھی اس بات کا اقرار ہے کہ اولاد فاطمہ ہی حضور اقدس کے اہل بیت ہیں، اس نے مجموع الفتاوی (۲۴۵/۲۴) میں کہا:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی ازواج واولاد آپ کی آل ہیں، یا آپ کی اولاد آپ کی آل ہیں''۔

اوراس نے اپنی منہاج (۲۴۰/۷) میں کہا:

''صحیحین میں ہے کہ حضور نے ارشادفرمایا:''**اللھم صل علی محمدوعلی أزواجه وذريته**'' بلکہ اس درود میں قیامت تک کے سارے اہل بیت داخل ہیں''۔

(۴) نبی پاک ﷺ کے اہل بیت ہی دنیاوآخرت کے سردار ہیں،اوراس کے لیے نبی پاک کا یہ ارشادکافی ہے: ''فاطمہ تمام جنتی عورتوں کی سردار ہیں''اور''حسن اور حسین جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں''۔

اورہم یہ ذکر کر چکے کہ ہمیں اس ذریت پر درود بھیجنے کا حکم ہے جوآپ کی آل ہیں جیسا کہ ابن تیمیہ کو بھی اس کا اقرار ہے کہ وہ سب آپ کی آل سے ہیں،تو پھر کیسے سرداران دنیاوآخرت کی شان میں ایسی گفتگو کررہاہے، حالاں کہ ان کی سیادت مسلم ہے چاہے ابن تیمیہ مانے یانہ مانے،آپ کی آل سے بغض ودشمنی رکھنے والاکس قدر بدانجام ہے۔

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ طبرانی نے کبیر(۲۶۳/۱۱) میں ابن عباس سے روایت کیا کہ: رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا سے فرمایا:''**إن اللّٰه غير معذبكِ ولا ولدكِ**'' اللہ عزوجل تم پر،اورتمہاری اولاد پرعذاب نہ فرمائے گا''۔

ھیثمی نے مجمع الزوائد(۲۰۲/۹) میں کہا:اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔

(۵) ہر عاقل پرلازم ہے کہ ابن تیمیہ کی اتباع سے اپنے آپ کودوررکھے،اس کا کام یہ ہے کہ فضائل اہل بیت میں آئی ہوئی تمام صحیح حدیثوں کو بالائے طاق رکھ دیتاہے،یاان میں من مانی تاویل کرتاہے،اورجن کی سندضعیف ہوتی ہے اسے موضوع قراردیتاہے،جبکہ ضعیف (جس کی نسبت صحت کاجزم نہیں ہوتا) اورموضوع (جس کے کذب کاجزم ویقین ہوتا ہے اورصدق کااحتمال نہیں ہوتا) کے درمیان زمین وآسمان کافرق ہے۔

نیز فضائل اعمال ومناقب میں ضعیف حدیثیں حجت ہوا کرتی ہیں۔

حدیث میں وارد ہے:''إن فاطمة أحصنت فرجها فحرم الله ذريتها على النار''''فاطمہ نے اپنی عفت وعصمت (شرم گاہ) محفوظ رکھی ہے اس لیے اللہ نے ان کی اولاد پر جہنم کی آگ حرام فرما دی ہے۔[1] ابن تیمیہ نے اپنی شنیع عادت کے مطابق فضائل اہل بیت کا انکار، اوراس حدیث مذکورہ پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنی کتاب منہاج (۶۲۱/۴) میں کہا:

''هو كذب باتفاق أهل المعرفة بالحديث''

ترجمہ:۔''مشہور محدثین اس پر متفق ہیں کہ یہ حدیث جھوٹی ہے'' الخ

اے کاش اس طرح غلواور مبالغہ آرائی کرنے والا ہمیں اس مصنف کا نام بتا دیتا، یا کم ازکم اس مقام کی نشاندہی کر دیتا جہاں یہ لکھا ہوا ہے کہ:''تمام مشہور محدثین اس پر متفق ہیں کہ یہ حدیث جھوٹی ہے''ہاں چند صدیوں بعد ابن تیمیہ اوراس کے کفش برداروں نے حدیث کی روایت وتخریج کا فریضہ انجام دینا شروع کر دیا اس لیے اب ابن تیمیہ کا جوش غضب جس حکم پر اتفاق کرنا چاہے وہ اوراس کے اصحاب

(۱) یہ حدیث''إن فاطمة أحصنت فرجها، فحرم الله ذريتها على النار''فاطمہ نے اپنی عفت کو محفوظ رکھا ہے اس لیے اللہ تعالی نے ان کی اولاد پر جہنم کی آگ حرام فرما دیا ہے''۔بزار (۲۲۳/۵)، اور طبرانی نے کبیر (۴۱/۳) میں تخریج کیا، اور حاکم نے تخریج کر کے اس کو صحیح کہا (۱۶۵/۳) اور ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء (۱۸۸/۴)، ابن شاہین نے فضائل فاطمہ (۲۱/۱-۲۳) اور تمّام نے اپنے فوائد (۱۵۴، ۱۵۵) میں تخریج کیا۔حاکم کے نزدیک یہ حدیث درجہ صحت میں ہے کیوں کہ انھوں نے اس کو صحیح کہا البتہ ذہبی نے کہا: بلکہ ضعیف ہے، معاویہ نے تنہا روایت کیا اوراس میں ابن غیاث کے سبب روایت میں ضعف ہے یہ ضعیف اور واہی ہیں، سبط بن عجمی نے الكشف الحثيث (۲۰۲/۱ نمبر ۵۷۳) میں اس روایت کو برقرار رکھا۔اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۲۰۲/۹) میں کہا: اس میں عمرو بن غیاث ضعیف ہیں۔مناوی نے فیض القدیر (۴۶۳/۲) میں اس کو ثابت رکھا۔ اور ذہبی کی تضعیف نقل کر کے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ: اس حدیث کی شاہد حدیثیں موجود ہیں، یہاں تک کہ البانی جس کی احادیث فضائل اہل بیت میں شدت معروف ومشہور ہے اس نے اپنی ضعیفہ (۱۸۸۵) میں اس حدیث کو ضعیف کہا۔اور حافظ مزی تلمیذ ابن تیمیہ نے تہذیب الکمال (۲۵۱/۳۵) میں مناقب سیدہ فاطمہ میں اس حدیث کو ذکر کیا۔ان روشن حقائق وشواہد کے ہوتے ہوئے بہ اتفاق محدثین یہ حدیث کیوں کر کاذب ہوگی۔

اتفاق کریں اور اپنی خواہش کے مطابق احادیث کی تخریج کریں۔

(۶) یہ امر بھی واضح رہے کہ ائمہ تفسیر جیسا کہ طبری (۳۰/۲۳۲)، قرطبی (۲۰/۹۵)، ابن کثیر (۴/۵۲۴)، سیوطی نے درمنثور (۸/۵۴۲)، شوکانی نے فتح القدیر (۵/۴۵۹)، اور آلوسی نے روح المعانی (۳۰/۱۶۰) میں اللہ عزوجل کے ارشاد:

﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى﴾ [الضحیٰ-۹۳:۵]

ترجمہ:۔"اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے"۔

کی تفسیر کے تحت عبداللہ بن عباس کی یہ تفسیر ذکر کی:

"من رضامحمد ﷺ ألايدخل أحدمن أهل بيته النار".

ترجمہ:۔"محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اس میں ہے کہ آپ کے اہل بیت میں سے کوئی شخص جہنم میں نہ جائے" الخ

قارئین کرام ماسبق کے ان حقائق کا مطالعہ کریں جنہیں ہم نے اس مصیبت کے تحت ذکر کیا جس میں ابن تیمیہ گرفتار ہوا اس لیے کہ ماسبق میں اس کی یہ تصریح گزری کہ نبی پاک ﷺ کا نسب، اور آپ کی قرابت کام نہ آئے گی، اور نبی پاک کی ازواج کا آپ کی زوجیت میں آنا کسی خصوصیت اور فضیلت کا موجب نہیں۔

ناظرین وہ صحیح حدیث بھی پیش نظر رکھیں جس میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

"كل سبب و نسب مقطوع يوم القيامة إلا نسبي و سببي"

ترجمہ:۔"قیامت کے دن میرے نسب، اور سبب کے علاوہ سارے انساب واسباب منقطع ہو جائیں گے"

اور ام ہانی بنت ابوطالب کی وہ حدیث بھی پیش نظر رہے کہ جب آپ زیبائش کے ساتھ نکلیں اور آپ کے کان کی بالیاں کھلی ہوئی دیکھ کر عمر بن خطاب نے آپ سے فرمایا:

آپ عمل (صالح) کریں کیوں کہ محمد (صلی اللہ تعالی علیہ وسلم) تمہارے کام نہ آئیں گے۔ ام

ہانی نے نبی پاک کی خدمت میں آ کر سب کچھ بتایا تو آپ نے فرمایا: ''ان لوگوں کا کیا معاملہ ہے جو یہ خیال رکھتے ہیں کہ میری شفاعت میرے اہل بیت کو نفع نہ دے گی حالانکہ میری شفاعت کا نفع تمہارے ان دو قبیلوں حاوح حاوح کو بھی ملے گا''۔نسب اور مصاہرت کے مسائل کے تحت ہم نے مکمل حدیث ذکر کر دی ہے اور اس کی تخریج بھی وہاں گزر چکی ہے۔

وصل اللهم على من قال لابنته "إن الله غير معذبک ولا ولدک" وسلم تسليما كثيرا كبيرا

اے اللہ! اس پر بے کراں رحمت وسلام نازل فرما جو آپ کی شہزادی کے حق میں یہ کہے:

"إن الله غير معذبکِ ولا ولدکِ"

ترجمہ:۔''کہ اللہ تم پر اور تمہاری اولاد پر عذاب نہ فرمائے گا''۔

(۳۶) اے ابن تیمیہ! اہل بیت میں وہ کون ہیں جو طاہر نہیں؟

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۲۵۹/۴) میں کہا:

''اللہ تعالی نے یہ خبر نہیں دی کہ اس نے تمام اہل بیت کو پاک فرمادیا ہے، اوران سے ان کی آلائش اور پلیدی کو دور فرمادیا ہے، کیوں کہ یہ اللہ کے حق میں کذب ہے، ایسا کیسے ہوسکتا ہے جب کہ ہمیں یقین سے معلوم ہے کہ بنو ہاشم میں ایسے لوگ ہیں جو گناہوں سے پاک نہیں، اور نہ ہی ان سے پلیدی دور رکھی گئی خاص کر رافضیوں کے نزدیک، کیوں کہ ان کے یہاں تو بنو ہاشم میں سے جو شخص ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالی عنہما سے محبت رکھتا ہے وہ مطہر نہیں''۔الخ

میں کہتا ہوں:

کوئی زندیق ابن تیمیہ کی بعینہ یہی بولی بول کر یہ کہہ سکتا ہے کہ: اللہ تعالی نے اس بات کی خبر نہیں دی کہ اس نے نبی پاک ﷺ کی تمام ازواج کو پاک فرمادیا ہے۔ یا کوئی یہ کہہ سکتا ہے''**اللّٰھم صل علی النبي ﷺ وعلی من ثبت طھرہ من أھل البیت**''یعنی اے اللہ! نبی ﷺ اور آپ کے ان اہل بیت پر رحمت نازل فرما جن کی پاکی ثابت ہو چکی ہے؟

کیا اللہ عزوجل نے یہ خبر دی ہے کہ اہل بیت میں سے بعض یا نصف کو پاک فرمادیا ہے، اور باقی کو پاک نہ فرمایا، ابن تیمیہ مجھے بتائے کہ علمائے مسلمین میں کون سے حضرات ہیں جنھوں نے طاہر اور غیر طاہر اہل بیت کے اسما کے بیان میں کتابیں تالیف فرمائیں، ایسا صرف زندیقوں ہی کی کتابوں میں ہوگا؟

مجھے بتایا جائے کہ کن علمائے مسلمین نے سابقہ صدیوں میں ابن تیمیہ کی سی بات کی؟

مجھے بتایا جائے خود ابن تیمیہ خطا اور بدعت پر ہے، یا وہ علمائے امت جاہل ہیں جو اپنی کتابیں شروع، اور ختم کرتے وقت نبی پاک ﷺ اور آپ کے اہل بیت پر درود بھیجتے ہیں اوران کی تطہیر کا اعتراف کرتے اوراس کی شہادت دیتے ہوئے یہ کہتے ہیں''**وعلی أھل بیتہ الطاھرین أو الأطھار الذین طھرھم اللہ تطھیرا**''

علماے اسلام کی قدیم وجدید کتابیں اس صیغہ تطہیر کے ذکر سے مالا مال ہیں۔

مجھے بتایا جائے کیا یہ محبان اہل بیت کا کلام ہے یا دشمنان اہل بیت کا؟

مجھے نہیں معلوم کہ جنتی نوجوانوں کے سردار حضرت حسن، اور سیدہ زینب رضی اللہ تعالی عنہما کی تصدیق کریں یا ابن تیمیہ کو سچا جانیں؟

طبرانی نے کبیر (۹۳/۳) میں ابوجمیلہ سے یہ روایت کیا کہ حضرت علی کی شہادت کے وقت جب حضرت حسن مسند آرائے خلافت ہوئے تو ابھی آپ نماز پڑھا رہے تھے اچانک ایک شخص آپ پر حملہ آور ہوا اور آپ پر خنجر سے وار کر دیا جس کا اثر یہ ہوا کہ آپ کئی ماہ بیمار رہے، پھر آپ نے منبر پر جلوہ نشیں ہوکر خطبہ کے درمیان فرمایا: اے اہل عراق! ہمارے معاملہ میں اللہ کا خوف رکھو کیوں کہ ہم تمہارے حاکم و امیر، اور تمہارے مہمان ہیں۔ اور ہم اہل بیت کے بارے میں اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾

[الاحزاب-۳۳:۳۳]

ترجمہ:۔ ''اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرمادے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے''۔

اس دن آپ جب تک خطاب فرماتے رہے مسجد میں سارے حاضرین اشک بار ہی نظر آئے۔ الخ

ھیثمی نے مجمع الزوائد (۱۷۲/۹) میں کہا: ''رجاله ثقات'' اس کے راوی ثقہ ہیں۔

اور ابوطفیل کی ایک دوسری روایت جو ایک طویل حدیث ہے اس میں یہ ہے کہ ابوطفیل نے فرمایا: حسن بن علی بن ابو طالب نے خطبہ ارشاد فرمایا تو اللہ کی حمد وثنا فرمائی اور اس خطبہ میں یہ فرمایا: میں ان اہل بیت سے ہوں جن کی ناپاکی اللہ نے دور فرمائی، اور انہیں خوب خوب پاک فرمایا۔ اور میں ان اہل بیت سے ہوں جن کی محبت و دوستی اللہ نے فرض قرار دی کیوں کہ اس نے محمد ﷺ کی شان میں یہ نازل فرمایا:

﴿قُلْ لَاأَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّاالْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبىٰ﴾ [الشوری-۴۲:۲۳]

ترجمہ:۔’’تم فرماؤ میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت‘‘۔

ہیثمی نے مجمع الزوائد (۱۴۶/۹) میں اس حدیث کے بعض طرق کو حسن قرار دیا، حاکم (۱۸۸/۳) اور دولابی نے الذریۃ الطاہرۃ (۱/۷۴) میں علی بن زین العابدین سے اسے روایت کیا۔

اور طبرانی نے اپنی تاریخ (۳۳۶/۳)، اور ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ (۱۹۳/۸) میں ذکر کیا کہ جب سیدہ زینب عبداللہ بن زیاد کے پاس پہنچیں (حضرت حسین کی شہادت کے بعد) عبیداللہ بن زیاد نے کہا: یہ کون خاتون ہیں؟ اس پر آپ نے اسے جواب نہ دیا تو حضرت زینب کی بعض کنیزوں نے جواب دیا: یہ زینب شہزادیٔ فاطمہ ہیں تو عبیداللہ نے کہا: تمام تعریفیں اس اللہ کی جس نے تم لوگوں کو رسوا کیا، اور تمہیں قتل کرایا، اور تمہارے افسانہ کا جھوٹا ہونا ظاہر فرمایا، اس پر حضرت زینب نے فرمایا: بلکہ اس خدائے یکتا و بے ہمتا کا شکر ہے جس نے ہمیں محمد ﷺ کی پاکیزہ نسبت سے مشرف و مکرم فرمایا، اور ہمیں خوب خوب پاک فرمایا، ایسا نہیں جیسا کہ تو کہتا ہے، صرف فاسق کو ذلیل وخوار کیا جاتا اور بدکار کو جھٹلایا جاتا ہے، عبیداللہ بولا: تم نے نہ دیکھا اللہ نے اہل بیت کا کیسا حال کیا۔ سیدہ زینب نے فرمایا: اللہ نے ان کی شہادت مقدر فرمادی تھی تو انھوں نے اپنی آرام گاہوں کی پناہ لی۔ اور جلد ہی اللہ تمہیں اور انہیں جمع فرمائے گا اور اپنی بارگاہ میں تم پر انہیں غالب رکھے گا۔

اور حدیث پاک میں وارد ہے (جس کو ابن حبان (۴۳۲/۱۵) نے صحیح کہا، اور ذہبی نے سیر أعلام النبلاء (۳۸۵/۳) میں حسن قرار دے کر فرمایا (’’یہ حدیث حسن غریب ہے‘‘) کہ: رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ کو اپنے داہنے، علی کو اپنے بائیں، اور حسن وحسین کو اپنے سامنے بٹھا کر یہ فرمایا: ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ اللهم هؤلاء أهلي‘‘ یعنی’’ اے اہل بیت! اللہ تم سے ناپاکی دور فرمانا چاہتا ہے اور تمہیں خوب خوب پاک کرنا چاہتا ہے، اے اللہ! یہ میرے اہل ہیں‘‘۔

واثلہ بن اسقع نے کہا: میں نے گھر کے گوشہ سے عرض کیا: اور یا رسول اللہ میں آپ کے اہل سے ہوں؟ فرمایا: ’’اور تم میری آل سے ہو، واثلہ نے کہا‘‘ کہ ہم وابستگان رسالت کے لیے یہ بڑی امید افزا بات ہے۔

پھر ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۷۹/۷) میں کہا:

''اگر یہ کہا جائے چلیے مان لیتے ہیں کہ اہل بیت کی تطہیر،اوران کی ناپا کی دور کرنے سے جومراد ومقصود ہے اس کا وقوع قرآن سے نہیں معلوم ہوتا لیکن نبی پاک ﷺ نے ان کے حق میں ایسی دعافرمائی جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اہل بیت کی تطہیر ہوچکی اوران کی ناپا کی دور کر دی گئی کیوں کہ آپ کی دعا مقبول ومستجاب ہے''۔

اس کا جواب یہ ہے کہ:اس مقام پر مقصود یہ ہے کہ قرآن سے اس دعوی کا علم نہیں ہوتا کہ ان کی طہارت ثابت ہے،اوران کی ناپا کی دور ہوگئی چہ جائے کہ عصمت وامامت کا علم ہو،رہا حدیث سے استدلال تو اس کا دوسرا مقام ہے۔الخ

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ کو اس بات کا اعتراف ہے کہ نبی پاک ﷺ کی دعا مقبول ومستجاب ہے،تو پھر اس کے کلام سابق کا کیا معنی کہ ''وإن ليس كل أهل البيت مطهرين''(سارے اہل بیت مطہر نہیں)اوراس کا کیا معنی کہ''اس حدیث سے استدلال کا دوسرا مقام ہے''اوراپنی کتابوں میں اس حدیث کے متعلق کیوں کلام نہ کیا؟

(۳۷)ابن تیمیہ اہل بیت رضی اللہ عنہم اوران پر درود وسلام کی اہمیت گھٹا رہا ہے، اورامام شافعی وامام احمد پر جھوٹ کا دعوی کرر ہا ہے۔

''ابن مطہر نے ذکر کیا کہ نبی پاک کے اہل بیت دوسروں سے اس لیے افضل ہیں کہ ان پر درود بھیجا جاتا ہے'' ابن تیمیہ نے ابن مطہر کا اس مسئلہ میں رد کرتے ہوئے اپنی کتاب منہاج (۷/۷۸) میں کہا:

''آپ کی تبعیت میں آپ کی آل پر درود بھیجا جانا اس امر کو مستلزم نہیں کہ آپ کی آل آپ کے ان اولیا سے بھی افضل ہوں جن پر درود نہیں بھیجا جاتا، کیوں کہ انبیا اور مرسلین آپ کے اولیا میں سے ہیں اور یہ حضرات آپ کے اہل بیت سے بھی افضل ہیں اگرچہ تبعا درود میں داخل نہیں، اس لیے کہ کبھی مفضول کو کوئی خصوصیت حاصل ہوتی ہے اور اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ مفضول فاضل سے بھی افضل ہو، اس کی دلیل یہ ہے کہ صحیحین کی روایتوں سے یہ ثابت ہے کہ آپ کی ازواج پر درود بھیجا جاتا ہے پھر بھی اس پر سب کا اتفاق ہے کہ انبیا ان سب سے افضل ہیں''۔

اس نے اپنی کتاب منہاج (۷/۲۴۰) میں یہ بھی کہا:

''یہ بات معلوم ہے کہ صلاۃ وسلام کے حکم میں ان کا داخل ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ ان سے بھی افضل ہیں جو درود وسلام میں داخل نہیں''

میں کہتا ہوں:

نبی پاک ﷺ کے اہل بیت سے ابن تیمیہ کا کیا مقصود ہے...اور اس کے اس کلام سے کیا ایہام ملحوظ ومنظور ہے: ''انبیاو مرسلین آپ کے اولیا سے ہیں، اور آپ کے اولیا آپ کے اہل بیت سے افضل ہیں'' کیا اس میں کسی کا کوئی اختلاف ہے۔

اہل سنت کا مقصود یہ ہے کہ اہل بیت رسول اللہ ﷺ انبیاء ومرسلین اوران حضرات کے بعد ساری مخلوق سے افضل ہیں جن کی افضلیت کی تصریح حضوراقدس ﷺ نے فرمادی ہے، جیسا کہ فرمایا: ''ابوبکر وعمر تمام جنتیوں میں ادھیڑ عمر والوں کے سردار ہیں'' اور یہ بھی حدیث سے ثابت شدہ ہے کہ ''سیدہ فاطمہ تمام جنتی عورتوں کی سردار ہیں'' ''اورحسن وحسین تمام جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں'' اوران کے والدان دونوں سے افضل وبہتر ہیں'' نبی پاک ﷺ نے ایسا ہی ارشاد فرمایا، اورآپ کی ازواج طاہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن بنص قرآن کریم آپ کے ساتھ رہیں گی، اوراسی طرح آپ کی اولا دامجاد بھی۔

ہم ماسبق میں ذکر کر چکے کہ نبی پاک ﷺ کا نسب اورآپ کی قرابت ومصاہرت کو کالعدم قرار دینے سے ابن تیمیہ کا کیا مقصود ہے؟ ابن تیمیہ نے معاذ اللہ گزشتہ حقائق کو بالائے طاق رکھ دیا توان کروڑ ہا کروڑ درود کا کیا جائے جنھیں ہرروز نمازی اپنی نمازوں میں اہل بیت پر بھیجتے ہیں، حدیث پاک سے تو یہ حقیقت ثابت شدہ ہے کہ تین چیزوں کو چھوڑ کر انسان کے تمام اعمال کا نفع منقطع ہوجاتا ہے، اورنبی پاک کے اہل بیت پر درودوں کا سلسلہ منقطع ہونے والانہیں۔

پھر ابن تیمیہ کے اس کلام کا کیا معنی ہے:

''یہ بات **معلوم** ہے کہ صلاۃ وسلام میں ان کا داخل ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ ان تمام لوگوں سے افضل ہیں جو اس درودوسلام میں داخل نہیں''۔

یہ ''**امر معلوم**'' کہاں سے ابن تیمیہ کے ہاتھ لگا، اس کی دلیل کیا ہے؟ اس اسلوب سے ہوشیار رہیے جس کا مغز دشمنان اسلام کے ذریعہ دھویا گیا ہے۔

اگر اہل بیت کو یہ افضلیت حاصل نہ ہوتی تو اللہ عزوجل انہیں اہل بیت میں پیدا نہ فرماتا، اورنبی پاک ﷺ کی برکت میں داخل نہ فرماتا، پھرآپ کے حکم اورآپ کی تعلیم امت کے سبب ان آل پاک پرنمازیوں کا جو درود بھیجا جاتا ہے اس میں بھی انہیں شامل نہ فرماتا۔

(۳۸) جو شخص نبی پاک ﷺ اور آپ کے اہل بیت پر درود بھیجنا نہیں چاہتا، ابن تیمیہ اس کے لیے مکمل دروازہ کھول رہا ہے

ابن مطہر نے ذکر کیا کہ ''نبی پاک ﷺ کے اہل بیت دوسروں سے اس لیے افضل ہیں کہ مسلمان نماز پنجگانہ اور نوافل وسنن کے تشہد میں ان پر درود بھیجتے ہیں'' ابن مطہر کے اس ذکر کردہ مسئلہ کا رد کرتے ہوئے ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۵۹۵/۴) میں کہا:

''اس سلسلہ میں فقہا کا اختلاف ہے کہ نماز میں نبی پاک ﷺ پر درود بھیجنا واجب ہے، جمہور فقہا اس کو واجب نہیں کہتے، اور جو فقہا وجوب کے قائل ہیں وہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ درود آپ پر بھیجا جائے، نہ کہ آپ کی آل پر'' الخ

اور اس کلام کو موکد کرنے کے لیے اپنی کتاب منہاج (۵۹۸/۴) میں یہ بھی کہا:

''بلکہ بعض فقہا اس کے قائل ہیں کہ صرف آپ پر درود بھیجنا واجب ہے، نہ کہ آپ کی آل پر جیسا کہ شافعی واحمد کے مذہب میں یہ مشہور ہے۔ اس بنا پر آپ کی آل پر درود بھیجنا واجب نہیں'' الخ

میں کہتا ہوں:

اے اہل بیت! اللہ ورسول آپ کے لیے کافی ہیں، ابن تیمیہ آپ کے خصائص کا انکار کر کے کمزور ایمان والوں کے لیے درود نہ بھیجنے کی مکمل راہیں کھول رہا ہے، کاش! اسے یہ نظر آتا کہ جو فقہا وجوب کے قائل نہیں وہ استحباب کے تو قائل ہیں۔ ابن تیمیہ نے امام احمد کے مسلک میں خلط ملط کیا، اور آپ پر جھوٹ باندھا، ہم جلد ہی ابن تیمیہ سے پہلے حنابلہ کے اقوال پیش کریں گے، اور اس کے بعد اس کے بعض تلامذہ کے اقوال گوش گذار کریں گے جس سے ابن تیمیہ کے کذب کا پردہ فاش ہو جائے گا، اس لیے کہ اس کا یہ دعوی ہے کہ جمہور کا قول

یہ ہے کہ نماز میں نبی پاک پر درود بھیجنا واجب نہیں، حالاں کہ سیدنا امام شافعی و امام احمد بن حنبل اور بعض مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ واجب ہے، تو پھر کیسے جمہور کا یہ قول ہے کہ واجب نہیں؟

(۱) ابن قدامہ مقدسی حنبلی نے کہا: (ابن تیمیہ کے مرنے سے ۱۰۸ سال پہلے آپ کا وصال ہوا) مغنی (۳۱۸/۱) میں ہے مسئلہ: فرمایا: تشہد کے بعد نبی پاک ﷺ پر یہ درود بھیجے: "**اللھم صل علی محمد وآل محمد کما صلیت علی آل إبراھیم إنک حمید مجید، وبارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی إبراھیم إنک حمید مجید**" حاصل یہ کہ جب نماز کے آخر میں بیٹھے تو مذکورہ تشہد پڑھے، پھر نبی پاک ﷺ پر درود بھیجے جیسا کہ خرقی نے ذکر کیا اور یہ صحیح مذہب میں واجب ہے۔ یہ شافعی اور اسحاق کا قول ہے، اور احمد کی روایت میں واجب ہے اور امام احمد کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ واجب ہے، کیوں کہ ابوزرعہ دمشقی نے امام احمد سے نقل کیا کہ آپ نے فرمایا: مجھے اس سے ڈر لگتا تھا پھر مجھ پر روشن ہوگیا تو اب درود واجب ہے" اس سے یہی ظاہر ہے کہ آپ نے اپنے پہلے قول سے اس قول کی طرف رجوع فرمالیا۔

(۲) ابن تیمیہ کے تلمیذ ابن مفلح حنبلی نے المبدع (۴۹۷/۱) میں کہا: خرقی کی مختار روایت میں نبی پاک ﷺ پر درود بھیجنے کا حکم ہے، اور مغنی میں ہے کہ یہ روایت ظاہر مذہب کے مطابق ہے، اور شرح میں اس کو صحیح کہا، اور "**وجیز**" نے اس روایت پر جزم کیا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا﴾ [الاحزاب-۳۳ ۵۶]

ترجمہ: "اے ایمان والو ان پر درود اور خوب سلام بھیجو"۔

اللہ عزوجل کے اس ارشاد پاک میں امر کا معنی یہ ہے کہ درود و سلام بھیجنا واجب ہے، اور فرض نماز سے بہتر کوئی جگہ نہیں جہاں درود بھیجنا واجب ہو، اور آپ سے مروی ہے کہ رکن ہے۔ "**المحرر والفروع**" میں اسی روایت کو مقدم رکھا، اور "**المذھب والوسیلہ**" میں اس کو صحیح کہا، اور ابن ہبیرہ نے ذکر کیا کہ یہ مشہور روایت ہے۔ اور کعب کی حدیث کے سبب یہ اکثر حضرات کا مختار ہے۔ اور یہ بھی

مروی ہے کہ سنت ہے۔ مروزی نے ابوعبداللہ سے کہا: ابن راھویہ یہ فرماتے اگر کوئی شخص تشہد میں حضور اقدس ﷺ پر درود نہ بھیجے اس کی نماز باطل ہے، تو ابوعبداللہ نے کہا: میں ایسا کہنے کی جرأت نہیں رکھتا، اور ایک روایت میں ہے کہ: یہ شاذ ہے۔

(۳) اور مرداوی حنبلی (ابن تیمیہ کے ۱۵۷ سال بعد آپ کا وصال ہوا) کی الانصاف (۱۱۶/۲) میں ہے: ''نبی پاک ﷺ پر درود کے مقام میں درود بھیجنا یعنی تشہد اخیر میں درود بھیجنا واجب ہے۔ یہ امام احمد کی ایک روایت ہے جس پر العمد ۃ، اور الھادی، اور الوجیز میں جزم فرمایا۔ اور خرقی اور مجد نے اپنی شرح تذکرہ میں اس کو مختار قرار دیا، اور نظم اور حاوی کبیر میں اس کو صحیح کہا۔ مغنی میں کہا کہ یہ ظاہر مذہب ہے، اور فائق میں اس کو مقدم رکھا۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ: رکن ہے۔ اور یہی مذہب ہے جس پر اکثر اصحاب ہیں۔ الخ

(۴) ابن کثیر شافعی نے اپنی تفسیر (۵۰۹/۳) میں کہا: ہم نے اس کا واجب ہونا روایت کیا اور یہ ذکر کیا کہ نماز میں رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنے کا حکم وارد ہے جیسا کہ آیت سے یہی ظاہر ہے، اور صحابہ کی ایک جماعت سے اس حدیث کی یہی تفسیر منقول ہے جن میں عبداللہ ابن مسعود، ابومسعود بدری اور جابر بن عبداللہ ہیں۔ تابعین میں شعبی، ابوجعفر باقر، اور مقاتل ابن حبان نے اس حدیث کی یہی تفسیر فرمائی۔ امام شافعی کا یہی مذہب ہے، اس سلسلے میں نہ تو امام شافعی کا کوئی اختلاف ہے، اور نہ ہی آپ کے اصحاب کا۔ اور اخیر میں امام احمد کا یہی مذہب رہا جیسا کہ ابوزرعہ دمشقی نے آپ سے یہی مذہب نقل کیا۔ اسی کے قائل اسحاق ابن راھویہ، اور فقیہ امام محمد بن ابراہیم معروف با بن المواز مالکی رحمہم اللہ تعالی ہیں۔ یہاں تک کہ بعض ائمہ حنابلہ نے یہ فرمایا: نماز میں حضور ﷺ پر درود بھیجنا واجب ہے اس لیے کہ صحابہ نے آپ سے عرض کیا کہ آپ پر کس طرح درود بھیجیں تو حضور نے انہیں درود اور اس کا طریقہ تعلیم فرمایا۔ اور ہمارے بعض اصحاب نے آپ کی آل پر درود بھیجنا واجب فرمایا جیسا کہ بندنیجی، سلیم رازی، اور ان کے ساتھی نصر بن ابراہیم مقدسی نے اس کو نقل فرمایا، اور امام الحرمین اور آپ کے شاگرد امام غزالی

نے اسے امام شافعی کا ایک قول نقل فرمایا، اور صحیح یہ ہے کہ یہ ایک وجہ ہے، علاوہ ازیں جمہور اس کے برخلاف ہیں، ان حضرات نے اس کے خلاف اجماع نقل کیا، اور حدیث سے وجوب کا قول ظاہر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اھ

(۵) صاحب سبل السلام (۱۹۳/۱) نے کہا: ''اور ''قولوا'' کے ظاہری معنی کے سبب حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ نماز میں حضور اقدس پر درود بھیجنا واجب ہے اس لیے کہ حدیث میں ''قولوا'' (پڑھو) فرمایا جو امر کا صیغہ ہے جس کا ظاہر واجب ہونا ہے۔ اور سلف وائمہ کی ایک جماعت، امام شافعی و اسحاق کا یہی مذہب ہے ان حضرات کی دلیل گزشتہ حدیث ہے جس میں آل کا اضافہ بھی ہے جو اس بات کو مستلزم ہے کہ آپ کی آل پر بھی درود بھیجنا واجب ہے، اور یہ ہادی، قاسم، اور احمد بن حنبل کا قول ہے۔ اور یہیں سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ درود سے آل کا لفظ حذف کرنا مناسب نہیں جیسا کہ کتب حدیث میں واقع ہے۔ زمانہ قدیم میں مجھ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو میں نے اس کا یہ جواب دیا کہ محدثین کے نزدیک نبی پاک ﷺ پر درود بھیجنے کا یہ طریقہ بلاشبہ صحیح ہے، خود ان حضرات نے درود کا یہ طریقہ روایت کیا۔ گویا انھوں نے ازراہ تقیہ غلطی سے اسے حذف کر دیا۔ دراصل اس کی وجہ یہ ہے کہ اموی حکومت میں کچھ لوگ اہل بیت کرام کا ذکر سننا پسند نہ کرتے'' اھ تو کیا ابن تیمیہ انہیں کی اتباع میں نماز کے اندر ان کا ذکر نا پسند کرتا ہے؟

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ کے نیاز برداروں سے ہمارا مواخذہ یہ ہے کہ: جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ پر درود بھیجنا واجب نہیں، کیا انھوں نے نماز میں تشہد کے اندر آپ، یا آپ کے اہل بیت پر درود بھیجنا چھوڑ دیا؟ ابن تیمیہ کا طریقہ استدلال کیا ہے؟

(۳۹) ابن تیمیہ کی نظر میں اہل بیت رضی اللہ عنہم کے خون کی قدر و قیمت

ابن تیمیہ نے اپنے گزشتہ جوش وخروش کے ساتھ رافضی کارد کرتے ہوئے اپنی کتاب منہاج السنہ (۵۸۶/۴) میں کہا:

''اسی طرح یہ کہنا کہ نبی پاک نے یہ فرمایا: جو میرے اہل بیت کی خون ریزیاں کرے گا، اور میری عترت کے بارے میں مجھے ایذا دے گا اس پر اللہ کا، اور میرا سخت غضب نازل ہوگا'' یہ ایسی بات ہے جسے ایک جاہل ہی نبی ﷺ سے نقل کرے گا، اور آپ کی طرف اسے منسوب کرے گا۔ کیوں کہ حسن وحسین وغیرہما کے خون کی حفاظت ان کے ایمان وتقوی کے سبب کرنے والا مومن متقی محض قرابت والے سے بڑھ کر ہے، اور اگر نبی ﷺ کے اہل بیت کا کوئی شخص ایسا کام کرے جس کے سبب اسے قتل کرنا، یا اس کا عضو کاٹنا مباح ہو جائے تو باجماع مسلمین اسے قتل کرنا، اور اس کا عضو کاٹنا جائز ہوگا''۔اھ

میں کہتا ہوں:

کیا ابن تیمیہ یہ چاہتا ہے کہ نبی کریم ﷺ یہ فرمادیں کہ صرف اللہ پر بھروسہ کرو، اور میرے اہل بیت کو ذبح کردو، ابن تیمیہ کے دل کی جو پوشیدہ بغض وعداوت اس کے کلام سے ظاہر ہے ـــــ ہم اس کے رد میں کہتے ہیں:

۱۔ جب ابن تیمیہ کے کلام کے مطابق جنتی نوجوانوں کے سرداروں کے خون کی حفاظت کرنے والا مومن متقی محض قرابت کے سبب حفاظت کرنے والے سے بڑھ کر ہے تو کیوں جبریل وہاں کی خاک لے کر نہ آئے جہاں حجاج اور یزید بن معاویہ کے لشکر نے سیکڑوں اور ہزاروں رسول پاک کے اصحاب کو شہید کیا، جیسا کہ امام حسین کی شہادت گاہ ''کربلا'' کی خاک سرخ بارگاہ رسالت میں لے کر آئے۔

شجرۂ طرفاء کا موضوع مطالعہ کیجئے، یہ وہ درخت ہے جس پر حسین رضی اللہ تعالی عنہ کا خون بہا۔

۲۔ ابن تیمیہ کسی حدیث کی تضعیف تو نہیں کر رہا ہے لیکن حدیث کے مفہوم ومعنی کا انکار کر رہا ہے اس لیے

اس سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

۳۔ رہ گیا رسول پاک کی پاکیزہ عترت کے خون کا معاملہ تو اس کے لیے بس اتنا کافی ہے کہ رسول پاک ﷺ سے حیا کی جائے، اور آپ کے اہل بیت کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، اگر کسی دشمن کا دین وایمان کمزور ہے، اس کے یقین میں کمی ہے، اور اس کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی حرمت کی تعظیم نہیں ہے اس وجہ سے وہ کوئی دلیل چاہتا ہے تو اسے سیدہ عائشہ کی یہ روایت کافی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**ستة لعنتهم، لعنهم الله، وكل نبي يجاب: المكذب بقدرة الله، والزائد في كتاب الله، والمتسلط بالجبروت يذل من أعز الله، ويعزمن أذل الله، والمستحل لحرم الله، والمستحل من عترتي ماحرم الله، والتارك لسنتي**'' ''چھ لوگوں پر میں، اللہ اور ہر نبی مستجاب الدعوات لعنت بھیجتے ہیں:

(۱) اللہ کی تقدیر کو جھٹلانے والا۔

(۲) اللہ کی کتاب میں زیادتی کرنے والا،

(۳) غالب طاقت وقدرت رکھنے والا جو اسے ذلیل کرے جسے اللہ نے عزت بخشی، اور اسے عزت وغلبہ دے جسے اللہ نے ذلیل فرمایا۔

(۴) اللہ کے حرام کو حلال کرنے والا۔

(۵) میری عترت سے اس چیز کو حلال کرنے والا جسے اللہ نے حرام فرمایا، اور

(۶) میری سنت ترک کرنے والا۔[1]

---

(۱) کم از کم چھ (۶) حفاظ حدیث نے اس حدیث کو صحیح کہا: ابن حبان (۶۰/۱۳) اور حاکم (۹۱/۱)، (۵۷۲/۲) نے صحیح کہا، ذہبی نے تلخیص میں کہا: یہ حدیث صحیح ہے اور مجھے اس حدیث میں کوئی علت قادحہ معلوم نہیں، اور مناوی نے فیض القدیر میں کہا: اس حدیث کو ذہبی نے کبائر میں عائشہ کی حدیث سے تخریج کی پھر فرمایا: اس کی اسناد صحیح ہے، اور اس کو ھیثمی نے مجمع الزوائد (۱۷۶/۱)، (۲۰۵/۷) میں ذکر کر کے کہا: طبرانی نے اس کو اوسط (۱۸۶/۲) میں روایت کیا، اور اس کے

۴۔ جو شخص یہ کہے کہ: ''نبی پاک ﷺ کو ایذا نہ دی جائے اور آپ کی ذریت کی خوں ریزی نہ کی جائے'' ایسا شخص ابن تیمیہ کی نظر میں جب جاہل ہے تو پھر عالم کون ہے؟
ابن حبان، طبرانی، حاکم، اور ابن ابو عاصم نے یہ حدیث مذکور روایت کی یہ حضرات ائمہ حدیث ہیں تو کیا یہ سارے حضرات جاہل ہیں؟

۵۔ حاکم نے سعید بن جبیر سے روایت کیا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے فرمایا: اللہ نے محمد ﷺ کی طرف یہ وحی فرمائی: ''**إني قتلت بيحي بن زكريا سبعين ألفا، وإني قاتل بابن ابنتك سبعين ألفا وسبعين ألفا**'' ''میں نے یحیی بن زکریا کے بدلے ستّر ہزار کو قتل کیا، اور آپ کے نواسہ کے عوض ستر ہزار اور ستر ہزار کو قتل کروں گا''۔(۱)

رجال ثقہ ہیں۔ اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا.... میں کہتا ہوں: اور طبرانی نے کبیر (۱۲۶/۳) میں بھی اسے روایت کیا، اور سیوطی نے جامع صغیر (۳۲/۲) میں اس کو صحیح کہا، اور اس کو بیہقی نے بھی شعب الایمان (۴۴۳/۳) میں روایت کیا جیسا کہ حاکم نے (۵۷/۲) بطریق علی بن حسین اسے روایت کر کے صحیح کہا، اور ذہبی نے اس کی موافقت کی۔
اسی طرح یہ حدیث اس لفظ کے ساتھ مروی ہے ''سبعةٌ لعنتهم'' (سات لوگوں پر میری لعنت ہے) طبرانی نے کبیر میں (۴۳/۱۷) عمرو بن شغوی سے اس کو روایت کیا، اور ابن ابو عاصم نے (۱۴۹/۱) سیدہ عائشہ سے روایت کیا، اور سیوطی نے جامع صغیر (۳۱/۲) میں اس کو حسن کہا، اور مناوی نے فیض القدیر (۹۱/۴-۹۲) میں نقل کیا کہ دیلمی نے اسے صحیح کہا۔

(۱) حاکم نے چھ حضرات کے طریق سے مستدرک (۳۱۹/۲، ۶۴۸) اور (۱۹۵/۳) میں ابونعیم سے تخریج کر کے صحیح کہا، اور ذہبی نے اس کی موافقت کی، اور اپنی تلخیص میں یہ کہا: مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔ خطیب نے تاریخ بغداد (۱۴۱/۱-۱۴۲) میں اس کو روایت کیا، اور ابن حجر نے لسان (۴۵۷/۴) میں یہ ذکر کیا کہ: ابن حبان نے ان تین راویوں کو ضعیف کہا جو ابونعیم کی روایت میں ہیں، اس کے بعد ابن حجر نے کہا: حاکم نے مستدرک میں بروایت ابونعیم چھ حضرات کے طرق سے اس کی تخریج کی اور صحیح کہا اور مصنف (ذہبی) نے اپنی تلخیص میں اس کی موافقت کی۔ اور عجلونی نے کشف الخفا (۱۲۸/۲) میں کہا: اس کو حاکم نے مستدرک میں ابن عباس سے مرفوعا چند ایسی سندوں سے روایت کی جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس حدیث کی اصل ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے کہا۔

ان ارشادات کے ہوتے ہوئے کیا اللہ عزوجل کی بارگاہ میں بھی حسین اور رسول اللہ ﷺ کی عترت کا خون بے قدر و قیمت ہے، ابن تیمیہ نے چونکہ اس حدیث کو ذکر نہ کیا نہ صحیح کہہ کر نہ ضعیف، بلکہ مکمل تجاہل سے کام لیا۔ اس کی دراصل وجہ یہ ہے کہ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ جب حضرت عثمان کے معاملہ میں لوگوں کے درمیان شورش پھیلی تو عبداللہ بن سلام نے فرمایا: ''اے لوگو! اس شیخ کو قتل نہ کرو، نہ ان پر عتاب طلب کرو کیوں کہ جب بھی کسی امت نے اپنے معاملہ کی اصلاح کی خاطر اپنے نبی کو قتل کیا تو ستر ہزار کی خوں ریزی ہوئی اور جب کوئی امت اپنے اصلاح امر کی خاطر اپنے خلیفہ کو قتل کرے گی تو ان میں سے چالیس ہزار کا خون رائیگاں ہوگا''۔

اور اسی اثر میں ہے: ''علی کی شہادت کے وقت عبداللہ نے، ابن معقل سے کہا: یہ چالیس کے سردار ہیں اور عنقریب ان کے سر دار ہی کے سر صلح ہوگی، اور جب بھی کوئی امت اپنے نبی کو قتل کرے گی تو اس کے

علم حدیث سے اشتغال رکھنے والے بعض نوخیزوں نے جب اس حدیث کی تضعیف کی کوئی راہ نہ پائی تو یہ کہا کہ یہ حدیث حبیب ابن ابو ثابت کے سبب ضعیف ہے اس لیے کہ ان میں عنعنہ کی علت پائی جاتی ہے۔ اگر ان نوخیزوں کی بات مان لی جائے تو اس طرح بخاری و مسلم وغیرہ کی ایسی دسیوں حدیثیں ضعیف قرار پائیں گی جنہیں حبیب ابن ابو ثابت نے سعید بن جبیر وغیرہ سے بطریق عنعنہ روایت کیا اس لیے کہ عنعنہ کی علت ان احادیث میں بھی دائر ہے جب یہ حدیث اس علت کے سبب ضعیف ہے تو ان کے پاس بخاری و مسلم وغیرہ کی دسیوں حدیثوں کی تضعیف سے کوئی مانع نہیں، اور حبیب بن ابو ثابت کے بارے میں ابن عدی نے کامل میں کہا: وہ مشہور ہیں ان کی حدیثیں بہت زیادہ ہیں جنہیں ذکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں، ائمہ حدیث نے ان سے حدیث روایت کیا، وہ ثقہ حجت ہیں جیسا کہ ابن معین نے کہا: اور علی بن مدینی نے کہا: ان کی تقریباً دوسو (۲۰۰) حدیثیں ہیں اور ابوبکر بن عیاش فرماتے ہیں: کوفہ میں تین حضرات کے سوا کوئی چوتھا نہ تھا: حبیب بن ابی ثابت، حکم اور حماد، اور یہ تینوں حضرات اصحاب فتوی تھے، اور کوفہ میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو حبیب کے سامنے سرنگوں نہ ہو۔ اور ابوبکر بن عیاش نے کہا، ابو یحیی قتات سے مروی ہے: میں حبیب بن ابی ثابت کے ساتھ طائف آیا ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ان میں کوئی نبی جلوہ ساماں ہوا ہے۔ اور ابن مبارک نے سفیان سے روایت کر کے کہا: ہم سے حبیب بن ابی ثابت نے حدیث بیان کی اور وہ عظیم ستون تھے یا اس طرح اور کوئی کلمہ کہا۔ میں کہتا ہوں: خواہش و خواری سے اللہ کی پناہ کہ صرف اہل بیت کرام کی شان گھٹانے کے لیے ہی عنعنہ کو مشق ستم بنایا جا رہا ہے۔

بدلے ستر ہزار کا خون رائیگاں ہوگا، اور جب کسی امت کے خلیفہ کا قتل ہوگا تو اس کے عوض چالیس ہزار کا ناحق خون ہوگا"۔

ھیثمی نے مجمع الزوائد (۷/۲۴۶-۲۴۷) میں کہا: اس کو طبرانی نے دو طریق سے روایت کیا اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

ان دونوں حدیثوں کا معنی یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ کی حرمت وکرامت کے پیش نظر حسین کی خون ریزی کا وہی بدلہ ہے جو کسی نبی کے کشت وخون کا بدلہ ہے، اور یہ بھی واضح رہے کہ نبی پاک ﷺ نے علی سے ارشاد فرمایا: "من أشقى الأولين" قال: عاقر الناقة، قال "فمن أشقى الأخرين" قال: الله ورسوله أعلم، قال: "قاتلك" "اگلوں میں کون بد بخت ہے" عرض کی: صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کوچیں کاٹنے والا، فرمایا "بعد والوں میں کون شقی وبد بخت ہے" عرض کی: اللہ ورسول کو زیادہ معلوم ہے تو آپ نے فرمایا: "تمہارا قاتل" بزار نے عمدہ سند کے ساتھ اس حدیث کو روایت کیا جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا۔

(۴۰) نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر اقدس کی زیارت، اور صالحین کی قبروں سے متعلق بعض اہم احکام

اے اللہ کے رسول! ابن تیمیہ کا یہ دعوی ہے کہ: ''آپ کی بارگاہ کا سفر ناجائز ہے، اور ائمہ اس پر متفق ہیں کہ آپ کی قبر کے پاس دعا مقبول نہیں، جو آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر دعا کرے وہ آپ کی طرف اپنی پیٹھ کرے، آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر درود وسلام پیش کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، صحابہ آپ کی بارگاہ میں سلام پیش کرنے سے بے نیاز رہے، انھوں نے آپ کو بے یارومددگار رکھا، وہ اپنے آباواجداد کی زیارت کو جاتے مگر آپ کی زیارت کو نہ آتے۔ یہاں تک کہ اہل مدینہ منورہ آپ کی زیارت کو نہ جاتے، اس کا یہ بھی دعوی ہے کہ اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ لوگ آپ کی قبر اقدس کی زیارت نہ کریں اس لیے کہ آپ کا سکنا حجرہ نبویہ کی چند میٹر ہی تک محدود ہے تو پھر ان دور دراز مسافتوں سے سفر کرکے آپ کی زیارت کے لیے آنا کس لیے ہے'' اور اس کے علاوہ بہت سے دعوے کیے۔

گویا ابن تیمیہ رسول اللہ ﷺ سے کہہ رہا ہے: سفر زیارت آپ کی خاطر ہے۔ آپ تو رہے نہیں، ہاں مسجد کے درو دیوار، اور چٹائیاں وقالینیں وغیرہ موجود ہیں۔

میں آپ کی خاطر یہ خدمت انجام دوں گا کہ آپ کی امت کے اندر آپ کی زیارت کے متعلق شک وشبہ پیدا کروں گا، اور انہیں آپ کی برکت سے محروم و بے فیض رکھوں گا، ــــ جیسا کہ یہ ذکر کیا کہ مدینہ منورہ نبی پاک ﷺ کی برکت کے سبب محفوظ نہیں ــــ میں لوگوں کو اس پر آمادہ کروں گا کہ وہ اس کی حاضری دیں جسے صحابہ نے اپنے ہاتھوں سے تعمیر کیا" رہ گئے آپ اے وہ ذات پاک جن کی شان میں اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿فَإِنَّکَ بِأَعْيُنِنَا﴾ [الطّور-۵۲:۴۸]

ترجمہ:- ''کہ بے شک تم ہماری نگہداشت میں ہو''۔

اور موسیٰ کے متعلق فرمایا:

﴿وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ﴾ [طہ-۲۰:۳۹]

ترجمہ:۔''اور اس لیے کہ تم میری نگاہ کے سامنے تیار ہو''۔

تو میں آپ کی امت کو اس ذات کی زیارت نہ کرنے دوں گا جس کے بارے میں اللہ عزوجل نے یہ فرمایا: ﴿فَإِنَّکَ بِأَعْيُنِنَا﴾ کہ بے شک تم ہماری نگہداشت میں ہو۔

میں ہر زمانے میں کچھ افراد فراہم کروں گا، خاص کر آخری زمانہ میں، جس وقت علما کے اٹھ جانے سے علم اٹھ جائے گا اور ایسی کمسن نوخیز نسل تیار ہوگی جن کے اندر بڑے کی تعظیم، اور چھوٹے پر مہربانی وشفقت نہ ہوگی، ان کا ایمان ان کے حلقوم سے نیچے نہ اترے گا، وہ اپنی خواہش کے مطابق حدیثیں صحیح کہیں گے، اور اپنی خواہش کے معیار پر حدیثیں ضعیف قرار دیں گے، اور جب ان سے یہ کہا جائے گا کہ: فلاں امام نے یہ فرمایا تو بس وہ یہی کہیں گے: ہم تو ابن تیمیہ کے سوا کسی کو مانتے ہی نہیں۔

ان کے شیوخ کو تکفیر کے سوا کچھ کام نہیں، یہاں تک کہ اگر کسی نے یہ کہا کہ زمین گول ہے تو ان کی تکفیر کی تلوار اسے سر قلم کرنے کو تیار رہتی ہے، اور کسی نے چاند کے سفر کا قول کیا تو انھوں نے اس کی تکفیر سے گریز نہ کیا یہاں تک کہ مسجدوں میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال بھی ان کے نزدیک عظیم ترین بدعات سے ہے۔

پھر نوع بنوع ٹولیاں اور جدید نسلیں پیدا کی جارہی ہیں، ایک ایسی ٹیم کی تشکیل کا بھی عمل جاری ہے جو حرم پاک میں لوگوں کو ہتھیاروں سے قتل کرے کیوں کہ ان کا یہ دعویٰ ہے کہ انہیں میں سے مہدی کا ظہور ہوگا (۱۹۷۸ء)

انہیں میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو اسرائیلیات کی حدیث صحیح قرار دیتے ہیں جیسا کہ اس جھوٹی گڑھی ہوئی حدیث کو صحیح کہا''إن الله تعالى لما فرغ من الخلق استلقى على قفاه، ووضع رجلا على رجل، وقال إن هذا لاينبغي لابن آدم'' (اللہ تعالیٰ جب تخلیق خلق سے فارغ ہوا تو وہ چت لیٹ گیا اور اپنے ایک پیر پر دوسرا پیر رکھا اور یہ فرمایا یہ انسان کے لیے زیبا نہیں)

أقول والدمع من عيني منسجم لما رأيت جدار القبر يستلم

والـنـاس يغشـونـه بـاک ومـنـقـطـع مـن الـمهـابة أو داع فـمـلـتـزم
فـمـا تـمـالکـت أن ناديـت من حـرق في الصدر کادت لها الأحشاء تضطرم
يـا خيـر مـن دفـنـت بـالقاع أعظمـه فـطـاب مـن طيبهـن القـاع والأکـم
نـفسـي الـفـداء لقبـر أنـت سـاکـنـه فيـه العـفـاف وفيـه االجود والکـرم
وفيـه شـمـس التـقـى والدين قد غربت مـن بـعـد مـا أشـرقت من نورها الظلم
حـاشـا لـوجهک أن يبـلـى قد هديت فـي الشـرق والـغـرب من أنواره الأمم
وان تـمسک أيـدی التـرب لامسة وأنـت بيـن السـموات العـلـى علم
لـقيـت ربک والإسـلام صـارمـه مـاض وقـد کـان بـحـر الـکـفر يلتطم
فـقـمـت فيـه مـقـام الـمـرسلين الـى أن عـزّ فهـو عـلـى الأديـان يـحتـکـم
لـئـن رأيـنـاه قبـراً إن بـاطـنـه لـروضة مـن رياض الـخـلـد تبتسم
طـافـت بـه مـن نـواحيـه ملائکة لا تـمـش إلا عـلـى خدي لک القدم
هـدی بک الـلـه قـومـا قـال قـائلهم ببـطـن يثـرب لـمـا ضـمـه الـرجـم
إن مـات احـمـد فـالـرحـمـن خـالقه حيـی ونـعـبـده مـا أورق السـلـم

(من نظم أبو الطيب أحمد المقدسي رحمه الله)

(۱) میں اشک بار آنکھوں سے کہہ رہا ہوں، جب میں نے یہ حسین منظر دیکھا کہ دیوار قبر اطہر کا بوسہ لیا جا رہا ہے۔
(۲) اور لوگ اس پر پروانہ وار نثار ہو رہے ہیں کوئی نالہ زن ہے، تو کسی کا دل ہیبت جلال سے اڑا جا رہا ہے، کوئی اس سے چمٹ کر دعا کر رہا ہے
(۳) تو میرے سینہ میں ایسی سوزش ہوئی کہ محسوس ہو رہا تھا سارا قلب وجگر شعلہ زن ہو جائے گا۔
(۴) تو میں نے بے تابانہ عرض کیا اے ان میں افضل جن کی ہڈیاں سپرد خاک کی گئیں تو ان کی پاکیزگی کے

سبب وہاں کی خاک اور ٹیلے اور پہاڑ پاکیزہ ومشک بار ہیں

(۵) میں اس تربت اطہر پر نثار جس میں آپ سراپا عفت اور جودوکرم کا پیکر بن کر جلوہ آرا ہیں اس قبر کے اندر عفت و پارسائی اور جود و سخا ہے۔

(۶) اس تربت اقدس میں دین وتقوی کا وہ روشن آفتاب روپوش ہو گیا جس کی ضوبار کرنوں سے شرق وغرب کی تاریکیاں روشن ہوئیں۔

(۷) آپ کی طلعت زیبا بوسیدگی سے پاک ہے، آپ کے رخ رنگیں کی تابشوں سے شرق وغرب میں آباد امتیں رشدو ہدایت سے ہمکنار ہوئیں۔

(۸) جب آپ بلند آسمانوں کے درمیان سردار امت ہیں تو اس خاک اقدس کو بوسہ لینے والے ہاتھ کیوں کر روکے جائیں گے۔

(۹) آپ اپنے رب سے اس حال میں جا ملے کہ اسلام کی تلوار چل رہی تھی، اور کفر کا سمندر موج زن تھا۔

(۱۰) آپ تمام رسولوں کے اعلی مقام پر فائز ہیں اسی لیے تمام دینوں پر آپ کی حکمرانی قائم ہے۔

(۱۱) اگر ہم آپ کی قبر اطہر پر نظر ڈالیں تو وہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک تبسم ریز کیاری ہے۔

(۱۲) جس کے اردگرد ملائکہ رحمت ہر روز ازدحام وہجوم لگا کر اس کا طواف کرتے رہتے ہیں۔

(۱۳) اگر میں آپ کو آپ کی ظاہری زندگی میں چشم سر سے دیکھتا تو عرض کرتا حضور میرے رخسار ہی پر اپنا قدم رنجہ فرما کر تشریف لے چلیں۔

(۱۴) آپ کی برکت سے اللہ نے ایسی قوم کو ہدایت بخشی جس قوم کے کہنے والے نے وادی مدینہ منورہ میں اس وقت یہ کہا تھا جب آپ پر پتھر برسائے گئے۔

(۱۵) اگر محمد جاں بحق ہو گئے تو رحمٰن ان کا خالق زندہ ہے ہم اس کی عبادت کریں گے جب تک درخت سلم کے درخت پتہ دار رہیں گے۔ (ابوطیب احمد مقدسی رحمۃ اللہ تعالی علیہ)

بلا مبالغہ اگر ہزار نہیں تو سیکڑوں صفحات ابن تیمیہ نے صرف اس لیے سیاہ کیے تاکہ یہ ثابت کرے کہ نبی

پاک کے روضۂ اقدس کی زیارت کرنا حرام ہے اور اس سلسلے میں سب سے پہلے اس نے یہ دعوی کیا کہ آپ کی قبر کی زیارت کے لیے سفر کرنا حرام ہے، پھر اس معاملہ میں مزید شدت کے ساتھ یہ دعوی کیا کہ دوسروں کی زیارت کی طرح نبی ﷺ کی زیارت نہ کی جائے، آپ کی زیارت ناجائز ہے یہاں تک کہ مدینہ منورہ والوں کے لیے بھی جائز نہیں، اور یہ بھی دعوی کیا کہ نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس دعا کرنا بدعت ہے۔ اس پر سارے ائمہ کا اتفاق ہے، اور اگر کوئی دعا کرے تو اپنی پیٹھ حضور اقدس ﷺ کے رخ اقدس کی طرف رکھے، آپ کے چہرہ اقدس کے مواجہہ میں کھڑے ہو کر دعا نہ کرے، اور نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر کے پاس درود پڑھنا شرک و بدعت ہے۔

پھر اس کا حال اس سے بھی زیادہ سخت ہوا یہاں تک کہ نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر سلام پیش کرنے کی اہمیت گھٹائی اور یہ کہا کہ حضور اقدس ﷺ سلام کا جواب نہیں دیتے اور یہ بھی دعوی کیا کہ صحابہ حضور کی قبر کے پاس سلام نہ پیش کرتے، اور اس بات کی تصریح کی کہ نبی پاک ﷺ کی زیارت کا کوئی فائدہ نہیں، پھر اسی پر بس نہ کیا بلکہ گزشتہ دعووں کے بعد اپنے مجموعۂ فتاوی (۲۷/۴۱۶) میں مزید یہ کہا:

''آپ کی قبر کی زیارت میں نہ ان لوگوں کا کوئی فائدہ ہے اور نہ ان (حضور ﷺ) کا'' الخ۔

پہلے مرحلہ میں ابن تیمیہ کا طریقہ کار کیا ہے، اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱) نبی پاک کی زیارت کے سلسلے میں وارد صحیح حدیث کی صحت کا انکار۔

۲) اس بات کا انکار کرنا کہ صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی۔

۳) یہ شخص شدرحال والی حدیث سے استدلال کرتا ہے جس میں یہ ہے کہ: ''**لاتشد الرحال إلا إلی ثلاثة مساجد**''، ''صرف تین مسجدوں کا سفر کیا جائے''۔

۴) نیز اس حدیث سے استدلال کرتا ہے جس میں یہ ہے: ''**لاتتخذوا قبري عيدا**'' میری قبر کو عید نہ بناؤ''

جب اس کے ہم عصر علما نے اس کی سخت مخالفت کی، اور اس کا بلیغ رد کیا تو ابن تیمیہ نے اس سے بھی خطرناک ایک دوسرے مرحلہ کا آغاز کیا کیوں کہ اس نے مخالفت کرنے والے علما کی دلیلوں میں نظر کر کے ماسبق

کی طرح اپنے طریقۂ کار کو مرتب کیا اور اس میں کچھ اضافہ بھی کیا مثلاً:

۱) نئی پیشانیاں اور جدید مسائل کھولے (مثلاً توسل کا مسئلہ) کیوں کہ اولاً وہ توسل کا اثبات کرتا تھا اور نبی پاک سے استغاثہ کا انکار کرتا تھا، یہاں تک کہ ابن کثیر کو ابن تیمیہ کے متعلق یہ گمان ہوا کہ وہ توسل کا منکر نہیں۔

ابن کثیر نے ''البدایۃ والنہایۃ'' (۴۵/۱۴) میں کہا:

''برزانی نے کہا: ان لوگوں نے اس بارے میں شافعی قاضی کی طرف رجوع کیا، چنانچہ اس سلسلے میں ایک مجلس قائم ہوئی، ابن عطا نے ابن تیمیہ کے خلاف کچھ ایسے دعوے کیے جن کا ثبوت فراہم نہ ہوسکا، لیکن ابن تیمیہ نے یہ کہا کہ صرف اللہ ہی سے استغاثہ کیا جائے، نبی پاک سے کسی طرح کا کوئی استغاثہ نہ کیا جائے، ہاں آپ سے توسل کیا جائے اور آپ کو اللہ کی بارگاہ میں شفیع بنایا جائے، اس پر بعض حاضرین نے کہا: اس میں تو کوئی قباحت نہیں، لیکن قاضی بدرالدین بن جماعہ کی رائے یہ تھی کہ یہ گستاخی و بے ادبی ہے۔ اس کے بعد قاضی کے پاس یہ پیغام پہنچا کہ ابن تیمیہ کے ساتھ شرع کے موافق عمل کیا جائے تو قاضی نے کہا: میں نے ابن تیمیہ کے متعلق وہی کہا جو اس طرح کے لوگوں کے لیے کہا جاتا ہے''۔

ابن تیمیہ کے تلمیذ ابن کثیر خود نبی پاک ﷺ سے توسل کر رہے ہیں جیسا کہ البدایۃ والنہایۃ (۱۹۲/۱۳) میں ہے کہ جب مدینہ منورہ طیبہ میں آگ رونما ہوئی تو انھوں نے یہ کہا:

''**فالله يجعلها عبرة للمسلمين ورحمة للعالمين بمحمد وآله الطاهرين**'' اللہ عزوجل محمد (ﷺ) اور آپ کی پاکیزہ آل کے وسیلہ سے اس آگ کو مسلمانوں کے لیے عبرت، اور سارے عالم کے لیے رحمت فرمائے۔

۲) اس شخص نے یہ کہا کہ: نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کرنے والے کے لیے بحالت سفر نماز میں قصر کرنا حرام ہے، حالاں کہ اس نے مجموع الفتاوی (۱۰۹/۲۴) میں یہ کہا:

''یہ ابن حزم وغیرہ کا قول ہے۔ابوحنیفہ اورابن حزم وغیرھما یہ کہتے ہیں کہ بحالت سفر نماز میں قصر واجب ہے اگر چہ سفر حرام ہی کیوں نہ ہو،جیسا کہ یہ سارے حضرات سفر حرام میں پانی پر قدرت نہ ہونے کے وقت تیمّم واجب قرار دیتے ہیں۔اورابن عقیل نے بعض مقامات پر سفر حرام میں قصر اورافطار ہی کو ترجیح دی ہے،اور دلیل انہیں لوگوں کی تائید کرتی ہے جولوگ جنس سفر میں قصر وافطار کومشروع کہتے ہیں،اورکسی سفر کی تخصیص نہیں کرتے اور یہی قول صحیح ہے،کیونکہ کتاب وسنت میں سفر مطلق وارد ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَمَنْ كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ [البقرہ-۲:۱۸۴]

ترجمہ:۔''تو تم میں جو کوئی بیمار یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں''

اور جیسا کہ آیت تیمّم میں فرمایا:

﴿وَإِنْ كُنتُم مَّرْضٰى أَوْ عَلٰى سَفَرٍ﴾ [النساء-۴:۴۳]

ترجمہ:۔''اوراگر تم بیمار یا سفر میں ہو''

یعنی ابن تیمیہ کے نزدیک سفر حرام میں قصر کا جواز ہی راجح ہے،اور جب نبی کریم ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کی بات آتی ہے تو علمائے امت سے مشتعل ہو کر یہ کہتا ہے کہ اس سفر زیارت میں نماز میں قصر حرام ہے۔

ابن تیمیہ نے جب اس سلسلے میں یہ دعویٰ کیا کہ یہی جمہور،اور خاص کر مالک وشافعی اور احمد کا مذہب ہے تو علمائے امت نے اس سے یہ مطالبہ کیا کہ ان حضرات نے جس جگہ یہ گفتگو فرمائی ہے اس کو سامنے لائے،آج تک ابن تیمیہ اوراس کے کسی کفش بردار سے یہ نہ بن پڑا کہ وہ کسی بھی ایک امام کا یہ قول پیش کرے کہ ان حضرات نے یہ فرمایا کہ نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت کا سفر کرنے والے قصر نہ کریں،ان حضرات علمائے امت نے یہی سمجھا کہ ابن تیمیہ کا یہ کلام سراسر تلبیس ہے۔

۳) ابن تیمیہ نے سابقہ علمائے امت کے استدلال کا سرے سے انکار کیا،یا مزید نقول کا سہارا لے کر ان

حضرات کے استدلال کی تاویل کی اگر چہ ان حضرات کے روشن استدلال اور اس کی تاویل میں کھلا ہوا تضاد ہے۔ مزید ابن تیمیہ پر ایک کھلی ہوئی تہمت یہ بھی ہے کہ وہ نقل کے معاملہ میں امانت کو بالکلیہ بالائے طاق رکھ دیتا ہے، اس کا مطمح نظر صرف اور صرف اپنا مطلوب ومقصود ہوتا ہے جیسا کہ آئندہ سطور میں ہم اسے واضح کریں گے۔

یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ ابن تیمیہ کا قید کیا جانا اس کی باطل رایوں اور مذکورہ دعووں کا لازمی نتیجہ ہے، ان دو مرحلوں کے بعد ابن تیمیہ نے تیسرے مرحلہ میں قدم رکھا جس میں دو چیزیں کافی نمایاں ہیں۔

۱۔ ابن تیمیہ کے قتل کے بجائے عرصۂ دراز تک اس کے حکم قید کی حیثیت اور اس کے اسباب.

۲۔ ابن تیمیہ اور اس کے اصحاب پر زندیقیت اور سید الخلق ﷺ کی عداوت کی تہمت تھی، اس تہمت کے سبب قتل سے نجات ورستگاری حاصل کرنے کے لیے انھوں نے ایک فکری طور وطریقہ اختیار کیا۔

ابن تیمیہ اور اس کے متبعین نے اس قتل سے خلاص ورستگاری حاصل کرنے کے لیے حسب ذیل فکری طور وطریقہ اور لائحہ عمل اختیار کیا:

الف۔ ابن تیمیہ نے تقیہ کا عقیدہ اختیار کیا، جس کی واضح مثال ابن تیمیہ کی خود نوشتہ دستی تحریر ہے جس میں اس نے یہ لکھا کہ اس نے توبہ کر کے امام شافعی کا مذہب اختیار کیا۔

ب۔ اس نے پروپیگنڈہ کا حربہ استعمال کیا، اس کے کفش برداروں کا کام یہ تھا کہ وہ ہمہ وقت یہ پروپیگنڈہ کرتے کہ ابن تیمیہ اپنے مناظر پر غالب رہا، اور ٹھیک اسی وقت ابن تیمیہ اس کے برعکس یہ شہادت بھی دیتا ہے کہ اس نے ان رایوں سے توبہ ورجوع کر لیا ہے۔

ج۔ اس نے ایک پروپیگنڈہ ادارہ قائم کیا تا کہ اس کے ذریعہ اس کی خوب روئی ظاہر ہو، اور یہ دعوی ممکن ہو کہ اس کے اقوال ایسے ایسے نہیں جب کہ ٹھیک اسی وقت ابن تیمیہ عوام کے روبرو یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ اس نے ان گستاخانہ اقوال سے رجوع نہیں کیا ہے؟

د۔ اس کے پروپیگنڈہ ادارہ نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ ابن تیمیہ امام احمد بن حنبل کی طرح ایک مظلوم

امام ہے، اس کے ہم عصر علما حاسد ہیں، اس سے حسد کرتے ہیں، ان کے پاس حسد کے سوا اور کچھ نہیں۔

تعجب خیز بات یہ ہے کہ ابن تیمیہ نے اپنے اس قول سے رجوع نہ کیا کہ: ''نبی پاک ﷺ کی زیارت کا قصد حرام ہے، چاہے اہل مدینہ منورہ زیارت کو جائیں یا دور دراز مقامات کے لوگ زیارت کو جائیں'' اور سب سے بڑی آفت اور عظیم مصیبت یہ ہے کہ اس کا یہ خیال ہے کہ اس کا یہ قول اجماعی ہے۔

ہم اس مقام پر ابن تیمیہ کے رد کی خاطر اس کے اہم مسائل ذکر کریں گے پھر ان کا رد پیش کریں گے، ہمارا اسلوب رد ان حضرات کے اسلوب رد سے مختلف اور جداگانہ ہوگا جنھوں نے ابن تیمیہ کے رد میں کتابیں تحریر کیں اس کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں۔

ہم سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحاب پھر علماے امت کے اقوال پیش کریں گے پھر مختلف مسائل پر بحث وتمحیص کریں گے۔

(۴۱) ان حضرات کے روشن ارشادات جنھیں رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت، اور قبروں کے اندر اہل اللہ کی زیارت کے باب میں روشنی عطا کی گئی

طبرانی نے معجم صغیر (۳۲/۲) میں روایت کیا:

''نعیم بن عبداللہ مجمر نے یہ خبر دی کہ انس بن مالک نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''ثلاث من كن فيه فقد وجدحلاوة الإيمان'' ترجمہ:۔''تین خصلتیں جس شخص کے اندر ہوں گی وہ ایمان کی حلاوت سے بہرہ ور ہوگا''۔

اوراس میں یہ ہے کہ: مجمر کا نام مجمر اس لیے ہوا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اطہر کے پاس دھونی دیتے، آپ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ تھے''۔

طبرانی نے معجم اوسط (۲۰۲/۳) میں تخریج کیا:

''ابراہیم نے ہم سے بیان کیا ہم سے مرار بن حمویہ ہمدانی نے بیان کیا، مجھ سے یحیی بن سعید ابوزکریا مدنی (رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس کی حفاظت کرنے والے) نے بیان کیا، مجھ سے محمد بن صالح نے بیان کیا''۔

ابن ابو عاصم کی کتاب الزہد (۳۶۹/۱) میں ہے:

''ہم سے عبداللہ بن احمد نے بیان کیا کہ مجھے ابن مبارک سے یہ خبر ملی کہ ایک خاتون نے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا: آپ مجھے رسول اللہ ﷺ کا روضۂ اطہر دکھائیں جب عائشہ صدیقہ نے ان کے سامنے آپ کا روضۂ اقدس کھولا تو اس قدر اشک بار ہوئیں کہ جاں بحق ہوگئیں''۔

ذہبی کی سیر أعلام النبلاء (۳۵۸/۵-۳۵۹) میں ہے:

مصعب بن عبداللہ نے کہا، مجھ سے اسماعیل بن یعقوب تیمی نے بیان کیا کہ: ابن منکدر اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھتے تھے تو آپ پر سکوت چھایا رہتا آپ اسی حالت میں کھڑے ہوتے یہاں تک کہ اپنا رخسار نبی پاک ﷺ کی قبر اطہر پر رکھ دیتے پھر واپس آتے، اس بارے میں انہیں ملامت کی گئی تو فرمایا: مجھے ایک خطرہ لاحق ہوا جب میں نے اسے محسوس کیا تو نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر سے استعانت کی۔

آپ مسجد کے ایک گوشہ میں آ کر وہاں کی خاک میں لوٹتے، اور چت لیٹ جاتے، آپ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: میں نے خواب میں نبی پاک ﷺ کو اس جگہ دیکھا ہے۔

دارمی (۵۷/۱) نے کعب احبار سے روایت کیا:

کسی دن سورج طلوع نہیں ہوتا مگر ستر ہزار ملائکۂ رحمت نزول فرماتے اور نبی پاک ﷺ کی قبر اقدس پر اپنے پروں سے سایہ فگن ہوتے ہیں، اور رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجتے ہیں پھر شام کے وقت آسمان کی طرف واپس چلے جاتے ہیں اور اسی تعداد میں دوسرے فرشتگان رحمت نازل ہو کر انہیں جیسی خدمت انجام دیتے ہیں یہاں تک کہ جب روضۂ اقدس کی خاک شق ہو جائے گی تو حضور ستر ہزار فرشتوں کے جھرمٹ میں رونق افروز ہوں گے جو حضور کو رب تعالی کی بارگاہ میں پہنچائیں گے۔

ابن عساکر کی تاریخ دمشق (۱۷۸/۳۶) میں ہے:

عبدالرزاق بن ہمام فرماتے ہیں: میں جب حج کو گیا تو رسول پاک کے روضۂ پاک کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ طیبہ آیا۔

بیہقی نے شعب الایمان (۴۹۲/۳) میں ذکر کیا:

''ابن ابوفدیک نے کہا مجھ سے بعض ملنے والوں نے کہا: ہمیں یہ خبر ملی کہ جو شخص نبی پاک ﷺ کے روضۂ پاک پر جا کر یہ آیت کریمہ پڑھے:

﴿ إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا

تَسْلِیْمًا﴾ [الاحزاب-۳۳ ۵۶]

ترجمہ:۔''بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر، اے ایمان والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو''۔

اور پھر یہ کہے اے محمد ﷺ آپ پر اللہ عزوجل درود نازل فرمائے، ستر مرتبہ جو شخص اسے پڑھے، تو ایک فرشتہ اسے جواب دیتا ہے: اے فلاں اللہ تم پر رحمت نازل فرمائے تمہاری حاجت ناکام نہ ہوئی'' اس کی اسناد حسن ہے۔

ذہبی کی سیر أعلام النبلاء (۲۱۲/۱۱) میں ہے:

عبداللہ بن امام احمد نے فرمایا: میں نے اپنے والد کو دیکھا وہ نبی پاک ﷺ کے موئے مبارک کو اپنی ہتھیلی میں رکھ کر بوسہ لیتے، اور میرا گمان ہے کہ میں نے اپنے والد کو اسے اپنی آنکھوں سے بھی لگاتے دیکھا، آپ اسے پانی میں ڈال کر اس کا دھوون پیتے تو شفا پاتے، اور میں نے اپنے والد کو دیکھا کہ وہ نبی پاک ﷺ کے کاسہ شریف کو لے کر اسے پانی کے گھڑے میں دھوتے، پھر اس پیالہ میں پیتے، اور میں نے آپ کو شفا کے لیے آب زمزم شریف نوش جاں کرتے دیکھا آپ زمزم شریف کو اپنے ہاتھ اور چہرہ پر ملتے۔

میں (علامہ ذہبی) کہتا ہوں: کہاں ہیں امام احمد پر غلو اور انکار کرنے والے؟ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ عبداللہ نے اپنے والد امام احمد سے پوچھا کہ جو نبی پاک ﷺ کے منبر شریف کی لکڑی اور حجرہ نبوی کو مس کرے اس کا کیا حکم ہے؟ تو آپ نے فرمایا: میں اس میں کوئی حرج نہیں دیکھتا'' اللہ ہمیں اور آپ لوگوں کو خوارج اور اہل بدعات کی رائے سے پناہ بخشے۔

ابن عبدالبر کی تمھید (۲۲۹/۱۲) میں ہے:

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد آپ کے روضۂ پاک اور آپ کی مسجد شریف کی فضیلت قائم ہے، اور مدینہ منورہ کی فضیلت کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

ابن عبدالبر کی تمھید (۲۲۶/۲۲) میں ہے:

حدیث پاک میں ہے:"والمدینة خیر لھم لو کانوا یعلمون" (اور مدینہ منورہ ان کے لیے افضل وبہتر ہے اگر وہ لوگ جانتے) ایک قول یہ ہے کہ: مدینہ منورہ ان کے لیے اس لیے افضل ہے کہ وہاں نہ طاعون آئے گا، اور نہ ہی دجال، اور ایک قول یہ ہے کہ: دوسرے شہروں کی بہ نسبت مدینہ طیبہ میں فتنے کم ہیں، اور ایک [۳] قول یہ ہے: وہاں رسول اللہ ﷺ کی مسجد، اور اس میں نماز، اور آپ کے روضۂ اقدس کے جوار فیض وکرم میں رہنے کی فضیلت حاصل ہے۔

ذہبی کی سیر أعلام النبلاء (۲۷۳/۶) میں ہے:

خطیب نے فرمایا ہم کو ابو العلاء واسطی نے خبر دی، ہم سے عمر بن شاہین نے بیان کیا، ہم سے حسین ابن قاسم نے بیان کیا، مجھ سے احمد بن وہب نے بیان کیا کہ مجھ سے عبد الرحمٰن بن صالح ازدی نے بیان فرمایا: خلیفہ ہارون رشید حج کے لیے آئے تو نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر پر حاضر ہوئے، آپ کے ساتھ موسی بن جعفر بھی تھے۔ انھوں نے اپنے اردگرد موجود لوگوں پر فخر کرتے ہوئے عرض کیا السلام علیک یا رسول اللہ یا ابن عم (اے اللہ کے رسول اے چچا کے شہزادے آپ پر سلام) تو موسی بن جعفر نے قریب ہو کر عرض کیا السلام علیک یا أبت (اے والد محترم آپ پر سلام) تو ہارون رشید کا چہرہ متغیر ہو گیا اور کہا: اے ابو الحسن! یہ فخر کرنا حق اور بجا ہے۔

امام بخاری کی تاریخ کبیر میں ہے:

آپ نے فرمایا: میں نے نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس مدینہ منورہ طیبہ کی تاریخ تصنیف کی، میں اسے چاندنی راتوں میں لکھتا تھا۔

حکیم ترمذی کی نوادر الأصول في أحادیث الرسول (۶۷/۲) میں ہے:

ایک سو بارہواں (۱۱۲) اصول: اس بیان میں ہے کہ نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت بیقراروں اور بیتابوں کے لیے سامان ہجرت ہے۔

ابونعیم اصفہانی کی حلیة الاولیاء (۲۶۲/۹) میں ہے:

ابو سلیمان دارانی نے فرمایا: جب اویس حج کو گئے تو مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد مسجد کے دروازہ پر کھڑے

ہو گئے، ان کو بتایا گیا کہ نبی پاک ﷺ کا روضۂ اطہر ہے: فرماتے ہیں: یہ سن کر آپ پر غشی طاری ہو گئی، ہوش میں آنے کے بعد فرمایا: مجھے باہر لے چلو اس لیے کہ میرا شہر، اس شہر پاک کی طرح نہیں جہاں محمد ﷺ آرام فرما ہیں۔

حافظ ابن عبد البر کی الاستیعاب (۱۵۱۸/۴) میں ہے:

نابغہ جعدی نے یہ شعر عرض کیا:

فیاقبرَ النبي و صاحبیه　　　ألایاغوثنالو تسمعُونا

اے نبی پاک اور آپ کے دونوں ساتھیوں کی قبر　اے ہمارے غوث و مددگار کاش آپ حضرات ہماری (حاجت) سنتے۔

مؤطا امام مالک (۴۶۲/۲ حدیث نمبر ۹۸۸، ۹۸۹) میں ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے تین بار فرمایا: ''**ماعلی الأرض بقعة هي أحب إلي أن يكون قبري بها منها**'' روئے زمین پر مدینہ سے زیادہ (افضل) کوئی جگہ نہیں جہاں مجھے اپنی قبر ہونا پسند ہو''۔

مرداوی حنبلی کی **الانصاف** (۴۳/۸) میں ہے:

ابن عقیل نے ذکر کیا کہ: شمس و قمر کی روشنی میں نبی پاک ﷺ کا سایہ اس لیے نہ ہوتا کہ آپ نورانی ہیں اور سایہ ایک قسم کی ظلمت و تاریکی ہے اور زمین آپ کا ثقل (محبت سے) اپنی طرف کھینچتی ہے۔

مصنف ابن شیبہ (۴۵۰/۳) میں ہے:

یزید بن عبد الملک بن قسیط نے فرمایا: میں نے نبی پاک ﷺ کے اصحاب میں سے ایک جماعت کو دیکھا جب وہ مسجد کو خالی پاتے تو منبر شریف کی لکڑی کے پاس کھڑے ہو کر اس پر ہاتھ پھیرتے، اور دعا کرتے، انھوں نے فرمایا: اور میں نے یزید کو ایسا کرتے دیکھا۔

طبقات الحنفیه (۲۸۲/۱) میں ہے:

عبد اللہ بن مبارک نے فرمایا: میں نے امام ابو حنیفہ سے سنا، آپ نے فرمایا: ایوب بن ابو تمیمہ

سختیانی آئے اور میں مدینہ منورہ میں تھا، میں نے اپنے دل میں کہا: میں ضرور ضرور ان کا عمل دیکھوں گا کہ وہ یہاں کیا کرتے ہیں آپ نے اپنی پشت قبلہ کی سمت کی، اور اپنا چہرہ رسول اللہ ﷺ کی طلعت زیبا کے مواجہہ میں کیا، آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ آپ کسی فقیہ کے مقام پر جلوہ بار ہیں۔

ابو یعلی خلیلی کی الارشاد (۱/۱۸۵،۱۸۶) میں ہے:

''سب سے پہلے مدینہ منورہ طیبہ حاضر ہوا اس لیے کہ وہ نبی پاک ﷺ کا دار الہجرت ہے، اور وہاں آپ کا روضۂ اطہر ہے''۔

ابن ہشام کی السیرۃ النبویۃ (۶/۹۱،۹۲) میں ہے:

حضرت حسان بن ثابت نے اشک بار آنکھوں سے رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں یہ اشعار کہے:

قال حسان بن ثابت أيضا يبكي رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم

(۱) ما بال عينك لا تنام كأنما — كحلت ما فيها بكحل الأرمد

(۲) فظللت بعد وفاته متبلدا — متلددا ياليتني لم أولد

(۳) أأقيم بعدك بالمدينة بينهم — ياليتني صبحت سم الأسود

(۴) والله لا أسمع بهالك إلا — بكيت على النبي محمد

(۵) ياويح أنصر النبي ورهطه — بعد المغيب في سواء الملحد

(۶) ضاقت بالأنصار البلاد فأصبحوا — سودا وجوههم كلون الإثمد

(۷) ولقد ولدناه وفينا قبره — وفضول نعمته بنا لم نجحد

(۸) والله أكرمنا به وهدى به — أنصاره في كل ساعة مشهد

(۹) صلى الإله ومن يحف بعرشه — والطيبون على المبارك أحمد

(۱) تیری آنکھ کا کیا حال ہے کہ اسے نیند نہیں آتی گویا اس میں آشوب چشم کا سرمہ لگا دیا گیا ہے۔

(۲) میں آپ کے وصال جانکاہ کے بعدست وکند خاطر اور متحیر ہو گیا، اے کاش میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا۔

(۳) کیا آپ کے بعد ان کے درمیان مدینہ میں میرا قیام رہے گا، اے کاش مجھے کالے سانپ کا زہر پلا دیا جاتا۔

(۴) خدا کی قسم! میں مدینہ میں آپ کے متعلق سنتا ہوں تو اللہ کے سچے نبی محمد (ﷺ) پر اشک بار ہو جاتا ہوں۔

(۵) ہائے میری بربادی گوشہ قبر میں نبی پاک کے روپوش ہو جانے کے بعد بھی میں آپ، اور آپ کی قوم کی نصرت وحمایت کروں گا۔

(۶) مہاجرین کی آمد آمد سے انصار پران کے شہر تنگ ہو گئے یہ دیکھ کر مشرکین عرب اثمد کی طرح روسیاہ ہو گئے۔

(۷) آپ ہم میں جلوہ گر ہوئے، اور ہمارے ہی درمیان آپ کا روضۂ اطہر بھی ہے، اور ہم پر آپ کے بیکراں انعامات واحسانات ہیں جن کا ہم انکار نہیں سکتے۔

(۸) اللہ نے آپ کے ذریعہ ہمیں کرامت بخشی، اور آپ ہی کے ذریعہ ہر گھڑی، ہر جگہ آپ کے انصار کو ہدایت عطا فرمائی۔

(۹) اللہ، اور اس کے عرش کو گھیرنے والے فرشتے، اور پاکیزہ لوگ مبارک احمد (ﷺ) پر گلہائے سلام ورحمت بھیجتے ہیں۔

نورالدین محمود قاہر الفرنجہ باذن اللہ نے "كتاب الروضتين في أخبار الدولتين النورية" (۸۴/۳) میں فرمایا: "ہمارا بھتیجا حجاز کے ابتدائی بیابان میں بلاد فرنگ کے دور ترین شہروں میں غائب ہو گیا کیوں کہ ان میں سے ایک متکبر سرکش نے اپنے گھوڑسواروں اور پاپیادہ لوگوں کو جمع کیا اور اس کی خبیث طبیعت میں آیا مدینہ منورہ کی دہلیز "تیماء" کا قصد وارادہ کرے (مدینہ منورہ میں جلوہ ساماں رسول عربی پر سلام ہو) اور اس سال بیابان حجاز کا سرسبز وشاداب ہونا غنیمت شمار کیا اور تعجب کی بات یہ ہے کہ ہم نبی صلوات اللہ علیہ وسلامہ کی قبر کے اہم امور میں مشغول ہو کر اس کی حمایت وحفاظت کرتے ہیں اور مذکور (صاحب موصل) اپنے دست ظلم سے ہماری اس

ولایت کو لینے کے لیے نزاع کر رہا ہے''۔

میں کہتا ہوں: اے نورالدین! کاش ابن تیمیہ آپ کے عہد میں ہوتا۔

ابن کثیر نے البداية والنهاية (۳۲۲/۱۲) میں کہا:

پھر سلطان نورالدین محمود نے خاک حطین کی آبلہ پائی کی اور وہاں حضرت شعیب علیہ السلام کی قبر کی زیارت کی پھر وہاں سے اردن کا سفر کیا اور ان تمام بلاد کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔

بیہقی نے شعب الإيمان (۴۸۴/۳) میں کہا:

میں نے ابوسعید حسن بن احمد اصطخری شافعی سے سنا آپ نے فرمایا: میں نے یحیی بن معاذ رازی سے سنا آپ نے اپنے وعظ میں فرمایا: میرا ایک پیغام ہے جس کا مقصود یہ ہے کہ مدینہ طیبہ حاضر ہو کر نبی ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کی جائے، اور آپ کی مسجد، اور مسجد قباء میں نماز ادا کی جائے۔

فاکہی (۲۱۷-۲۷۵ھ) کی ''أخبار مكة'' (۲۹۹/۲) میں ہے:

۱) لا خير فيمن ليس يعرف فضلكم من كان يجهله فلسنا نجهل

۲) في أرضكم قبر النبي وبيته والمنبر العالي الرفيع الأطول

۳) وبها قبور السابقين بفضلهم عمرو صاحبه الرفيق الأفضل

۴) والعترة الميمونة اللاتي بها سبقت فضيلة كل من يتفضل

أخبار مكة للفاكهي ۲۱۷-۲۷۵ھ (۲/۲۹۹)

۱) اس شخص کے اندر کوئی بھلائی نہیں جو آپ لوگوں کے فضل سے ناآشنا ہے، اگر وہ آپ لوگوں کی فضیلت نہیں جانتا تو ہم تو جانتے ہیں۔

۲) تمہاری فضیلت یہ ہے کہ تمہاری زمین پر نبی پاک کا روضۂ اطہر، اور آپ کا کاشانۂ اقدس، اور بلند و بالا منبر مبارک ہے۔

۳) اور اسی خاک اقدس ہی پر حضور اقدس کے ساتھی کی بھی قبریں ہیں جو اپنی فضیلت کے لحاظ سے سابق

ومقدم ہیں۔

(۴) اور آپ کی مبارک عترت کی بھی قبریں ہیں جن کی فضیلت ہر ذی فضل سے اعلی ہے۔

ابن حبان کی "**مشاهير علماء الأمصار**" (۳/۱) میں ہے:

صقع اول: امام ابوحاتم رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا: ہم اس صقع کا آغاز مدینہ منورہ سے کرتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ مہبط وحی، معدن رسالت ہے جہاں اللہ نے آپ پر کثرت سے درودوسلام نازل فرمایا، وہیں سے دین اسلام پھیلا، اور وہاں دین کی عظیم نشانیاں ظاہر ہوئیں، اوراسی خاک اقدس پر رسول اللہ ﷺ اورآپ کے جلو میں آرام فرما ابوبکر وعمر کی قبریں ہیں۔

الاكتفاء بماتضمنه من مغازي رسول الله ﷺ (۴۶۸/۲) میں ہے:

ابواسحاق اسماعیل بن قاسم غزی کوفی معروف بہ ابوالعتاہیہ نے یہ اشعار کہے:

(۱) **ليبك رسول الله من كان باكيا ولا تنس قبرا بالمدينة ساويا**

(۲) **جزي الله عنا كل خير محمدا فقد كان مهديا دليلا هاديا**

(۳) **لمن تبتغي الذكرىٰ لماهو أهله إذا كنت للبر المطهر ناسيا**

(۴) **أ تنسى رسول الله أفضل من مشى وآثاره بالمسجدين كماهيا**

(۱) جسے آنسو بہانا ہے وہ اللہ کے رسول کی محبت میں آنسو بہائے اور مدینہ منورہ میں برابر وہموار قبر کو نہ بھولے۔

(۲) اللہ عزوجل محمد ﷺ کو ہماری طرف سے ہر خیر کی جزا بخشے اس لیے کہ آپ ہدایت یافتہ، اور ہمارے رہبر ورہنما ہیں۔

(۳) جب تم اس پاکیزہ ومقدس ذات کو فراموش کردو گے تو پھر کسے لائق ذکر پاؤ گے۔

(۴) کیا اللہ کے اس مقدس رسول کو فراموش کردو گے جو تمام چلنے والوں میں سب سے افضل وبرتر ہیں، اور دونوں مسجدوں میں جن کے آثار ونشانات آج بھی ویسے ہی ہیں جیسے پہلے تھے۔

الاكتفاء بماتضمنه من مغازي رسول الله ﷺ (۴۷۳/۲) میں ہے:

ابوعبداللہ محمد بن ابوالخصال غافقی اندلسی نے کہا:

(۱) وأدعو إلى الرحمٰن دعوة تائب	إلى عفوه من طيبه يتزود
(۲) وأسمو إلى البيت العتيق بفرضهٖ	فكل به من ذنبهٖ يتجرد
(۳) ولست على قبر	الرسول بمؤثر

(۱) میں رحمٰن کی بارگاہ میں اس انسان کی طرح دعا کرتا ہوں جو اس کے عفو کی طرف تائب ہوکر اس کی پاکیزگی سے توشہ حاصل کرے۔

(۲) اور اس کے فرض میں مشغول ہوکر خانۂ کعبہ کی طرف مائل ہوتا ہوں۔ اس لیے کہ ہر انسان خانہ کعبہ کی خیر و برکت سے اپنے گناہوں سے پاک وصاف ہوتا ہے۔

(۳) میں رسول پاک کے روضۂ اطہر پر کسی دوسری شئ کو فضیلت نہیں دیتا۔

مزید انھوں نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ کے اشعار کی تضمین کرتے ہوئے درج ذیل اشعار کہے:

(۱) مابال عينک لاتنام كأنما	بهٰذه الكلمة المرسومة بعد
(۲) هل يجمعن صبح يوم أوغد	بيني وبين القبرقبر محمد
(۳) حتى أروي ناظري من عبرتي	ويقرعيني طيب ذاک المشهد
(۴) وأقبل الأرض التي حملت بهٖ	نورا يجلي كل جنح أسود
(۵) وأهش للأفق المبارک جوه	متجددا من نوره المتجدد
(۶) وأسح في أبيات آل محمد	دمعا كنظم اللؤلو المتبدد
(۷) والله يعلم أن آل محمد	آل تمكن حبهم في محتدي
(۸) بكربتي منهم أبوح وأنطوي	وبحسرتي فيهم أ روح وأغتد ي

(۱) تیری آنکھ کا کیا معاملہ ہے کہ اسے نیند نہیں آتی گویا اس مرسوم کلمہ کے سبب اس کی نیند اڑادی گئی ہے۔

(۲) کیا آج یا کل کی صبح مجھے اور محمد ﷺ کے روضۂ اقدس کو جمع کرے گی۔

(۳) یہاں تک کہ میں اپنے اشکوں سے اپنی آنکھوں کو سیراب کروں، اور وہ پاکیزہ روضۂ اقدس میری چشم اشک بار کو ٹھنڈک بخشے۔

(۴) اور کیا میں اس مقدس خاک تک پہنچ سکوں گا جو حضور اقدس کو اپنی آغوش میں لیے بقعہ نور بن کر ہر تاریک وسیاہ افق عالم کو روشن وفروزاں کر رہی ہے۔

(۵) اور کیا مجھے اس افق تاباں سے نشاط وشادمانی حاصل ہو سکے گی جس کی فضا مبارک ہے۔ اور جہاں نئی کرنیں نمودار ہو کر افق درخشاں کو نئی روشنی عطا کرتی ہیں۔

(۶) اور میں محمد ﷺ کے اہل بیت کی محبت میں مسلسل ایسے آنسو بہاتا ہوں جیسے بکھری ہوئی موتیاں پرودی گئی ہوں۔

(۷) اللہ خوب جانتا ہے کہ اس کے رسول پاک کی پاکیزہ آل ایسی آل ہیں جن کی محبت میرے دل میں رچی بسی ہے۔

(۸) میں اپنا رنج وغم ان سے لپٹ کر ظاہر کرتا ہوں، اور ان کی حسرت میں صبح وشام کرتا ہوں۔

المجموع للإمام النووی (۳۸۹/۷) میں ہے:

تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ جس جگہ رسول اللہ ﷺ کا روضۂ اقدس ہے وہ تمام زمینوں سے افضل ہے۔ اختلاف اس کے علاوہ زمینوں کے بارے میں ہے۔

ابن جوزی نے صفوۃ الصفوۃ (۲۰۵/۲) میں ذکر کیا:

اللہ عزوجل کی ایک مخلص بندی نے کہا: میں مسلسل وسوسہ کا شکار رہتی تھی یہاں تک کہ بخدا میں نے تقصیر کا قصد وارادہ کیا، پھر میں مغرب وعشا کے درمیان رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں داخل ہوئی اور آپ کے روضۂ اطہر کو مضبوطی سے پکڑ کر اللہ عزوجل کی حمد کی اور اس کے رسول پر درود بھیجا۔

تفسیر طبری (۱۱/۲٦) میں ہے:

اہل تاویل کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ اس آیت میں کون سی مسجد مراد ہے:

﴿ لَّمَسۡجِدٌ أُسِّسَ عَلَى ٱلتَّقۡوَىٰ مِنۡ أَوَّلِ يَوۡمٍ ﴾ [التوبہ-۹:۱۰۸]

''بے شک وہ مسجد کہ پہلے ہی دن سے جن کی بنیاد پرہیز گاری پر رکھی گئی''

بعض اہل تاویل نے کہا: اس سے رسول اللہ ﷺ کی مسجد مراد ہے جہاں آج آپ کا منبر اور قبر اطہر ہے۔

ذہبی نے سیر أعلام النبلاء (۲۲/۱۳۹-۱۴۰) میں کہا:

سلطان کبیر علاء الدین خوارزم شاہ عزالدین علی بن اثیر نے کہا: آپ مشقت پر بے پناہ صبر فرماتے، اور عیش ولذت سے دور وکنارہ کش رہتے، آپ فاضل، فقہ واصول کے عالم تھے، علما کی تعظیم کرتے، ان سے مناظرہ پسند فرماتے، اور دین دار لوگوں سے برکت حاصل کرتے۔

مجھ (عزالدین علی بن اثیر) سے حجرہ نبویہ کے خادم نے کہا: میں آپ کی خدمت میں آیا تو آپ نے مجھے اپنے گلے سے لگایا، اور میری خاطر چند قدم پیدل چلے اور فرمایا: آپ نبی ﷺ کے حجرہ پاک کے خادم ہیں؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے چہرہ پر پھیرا اور مجھے ہدیہ عطا فرمایا۔

علامہ ابن حجر کی فتح الباری (۴/۹۳-۹۴) میں ہے:

ایمان مدینہ منورہ میں پھیلا۔ اور چوں کہ ہر مومن کے دل میں نبی پاک ﷺ کی پاکیزہ محبت کا چراغ روشن ہوتا ہے اس لیے وہ اپنے اندر ایک ایسا محرک پاتا ہے جو مدینہ منورہ کی طرف اس کے بیتاب دل کو کھینچتا ہے۔ ہر زمانہ میں مدینہ منورہ کی یہی شان رہی اس لیے کہ نبی پاک کے زمانہ میں آپ سے اکتساب علم کے لیے طالبان علم مدینہ منورہ آتے اور صحابہ وتابعین وتبع تابعین کے دور میں ان کے روشن طریقہ کی اقتدا کے لیے وارفتگان شوق مدینہ منورہ آتے، اور اس کے بعد حضور اقدس ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت، اور آپ کی مسجد میں ادائے نماز، اور آپ اور آپ کے اصحاب کے آثار کے مشاہدہ کی برکت وزیارت کے لیے ایک مومن کا دل ہمہ

وقت شہر مدینہ منورہ کی طرف بیتاب رہتا ہے۔

امام سیوطی کی دیباج (۱۶۶/۱) میں ہے: حدیث پاک میں ہے''إن الإیمان لیأرز إلی المدینة'' بے شک ایمان مدینہ منورہ کی طرف سمٹ کر چلا جائے گا'' امام قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالی نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا کہ: اس ارشاد پاک کا معنی یہ ہے کہ شروع اور آخر میں ایمان کا یہی حال رہا اور رہے گا، اس لیے کہ آغاز اسلام میں مومن مخلص اور سچے مسلمان مدینہ منورہ میں رہے، مدینہ منورہ کی طرف انھوں نے ہجرت کی، اور اسے اپنا وطن بنایا پھر اس کے بعد حضور کے روضۂ مکرم، اور آپ اور آپ کے اصحاب کے آثار کے فیض زیارت کا سلسلہ ہمہ وقت قائم رہے گا۔ ان برکتوں سے مالا مال ہونے کے لیے صرف مومن ہی مدینہ منورہ آئیں گے۔

علامہ ذہبی نے سیر أعلام النبلاء (۴۸۳/۴-۴۸۵) میں فرمایا:

''کس قدر خوش نصیب ہے وہ انسان جو حجرۂ اقدس کے پاس تضرع وعاجزی کے ساتھ کھڑے ہوکر آپ پر درود وسلام کی ڈالیاں نچھاور کرے، اس لیے کہ اس نے اچھی طرح زیارت کی، تضرع وانکسار کی دولت اور کمال محبت سے سرشار رہا اس نے اس شخص سے بہتر عبادت کی جس نے اپنی سرزمین پر یا اپنی نماز میں حضور پر درود وسلام پیش کیا اس لیے کہ زیارت کرنے والا زیارت، اور آپ پر درود بھیجنے کا اجر پاتا ہے، اور دوسرے شہروں میں درود بھیجنے والے صرف درود بھیجنے کا اجر پاتے ہیں، تو جو شخص ایک بار حضور پر درود بھیجتا ہے اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، لیکن جس نے حضور (صلوات اللہ علیہ) کی زیارت کی، اور زیارت کے لیے عمدہ وضو نہ کیا یا روضۂ اطہر کو سجدہ کیا، یا غیر مشروع افعال کیے تو اس نے اچھا اور برا دونوں کام کیا، ایسے شخص کو رفق وملاطفت سے زیارت کے آداب بتائے جائیں، اللہ عزوجل زیادہ بخشنے والا مہربان ہے۔ خدا کی قسم جو بھی مسلمان آپ کی محبت میں بیقرار و بیتاب ہو کر چیختا چلاتا، دیوار و در کے بوسے لیتا، اور شدت سے روتا اور بلکتا ہے وہ اللہ

اوراس کے رسول کی سچی محبت سے سرشار ہوتا ہے، اس کی یہ محبت جنتیوں اور دوزخیوں کے درمیان حد فاصل اور عظیم معیار ہے''۔

آپ کے روضۂ اطہر کی زیارت بہترین قربت وعبادت ہے، اگر بالفرض انبیا اور اولیا کی قبروں کی زیارت کے لیے شرعاً سفر کی اجازت اس لیے نہ ہو کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا:

''**لاتشدوا الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد**'' ترجمہ :۔''صرف تین ہی مسجدوں کی طرف سفر کرو''۔

تو نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ کا سفر آپ کی مسجد کے سفر کو مستلزم ہے، اور آپ کی مسجد کا سفر مشروع ہے جس میں کسی کا نزاع نہیں اس لیے کہ آپ کی مسجد سے ہو کر ہی آپ کے حجرہ تک پہنچنا ممکن ہے اس لیے سب سے پہلے تحیۃ المسجد بجالائے پھر صاحب مسجد کی تحیت بجالائے اللہ عزوجل ہمیں اور آپ سب کو اس کار خیر کی توفیق بخشے، آمین۔

ثقات ابن حبان (۲/۲۷۱-۲۷۲) میں ہے:

ابوایوب انصاری آپ کے پاس آئے اور عرض کیا اے امیر المومنین: کاش ان شہروں میں آپ کا قیام ہوتا اس لیے کہ یہ مضبوط زرہ ہیں، یہاں نبی ﷺ کا دارالہجرت، آپ کا روضۂ اقدس، آپ کا منبر اور اسلام کا منبع ہے۔

ابن عساکر کی تاریخ دمشق (۱۱/۱۰۴) میں ہے:

ہم کو ابوالفتح نصراللہ بن محمد نے خبر دی، نصر بن ابراہیم نے ہمیں املا کرایا کہ ابوالقاسم ثابت بن احمد بن حسین بغدادی نے مجھ سے بیان کیا کہ: انھوں نے مدینۃ النبی میں ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے روضۂ مبارک کے پاس صبح کی اذان دی، اور اذان میں یہ کہا''الصلاۃ خیر من النوم'' (نماز نیند سے افضل ہے) یہ سن کر مسجد کا ایک خادم آیا، اور آپ کو ایسا سخت مکا مارا کہ آپ رو پڑے، اور عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کی بارگاہ عالی میں میرے ساتھ ایسا ہو رہا ہے، اس آدمی پر فالج کا اثر ہوا، اسے اس کے گھر لایا گیا اور تین دن کے

بعد اس شخص کا انتقال ہو گیا۔

حافظ قضاعی نے کتاب **الحلة السیراء** (۲/۲۸۴) میں کہا:

ابو علی کے بہت سے اشعار ہیں (آپ کو اللہ تعالیٰ عزت بخشے) میں آپ کے دیوان سے واقف و آگاہ ہوں، میں نے آپ سے بہت سے قصائد اور قطعے لفظ بلفظ سماعت کیے، اور انہیں میں سے آپ کے وہ اشعار ہیں جنہیں الحاج ابو بکر بن عربی اشبیلی کے ہاتھ نبی پاک ﷺ کے روضۂ انور کی طرف بھیجا تھا ان اشعار کا مطلع یہ ہے:

(۱) **عسى قبول لديك يلحقني بقبرك المستنير والحرم**

(۲) **وصاحبيك اللذين خصّهما بنعمة القرب منك ذو النعم**

(۳) **فقد توسلت بالذي لك عند اللّٰه من رفعة ومن عظم**

(۱) امید ہے کہ آپ کی بارگاہ کی مقبولیت مجھے آپ کے روضۂ انور اور حرم پاک۔

(۲) اور آپ کے ان دونوں ساتھیوں کی قبروں کی زیارت نصیب کرے جنہیں منعم حقیقی نے آپ کے قرب خاص کی نعمت سے مالا مال فرمایا ہے۔

(۳) میں نے اللہ عزوجل کے حضور آپ کی اس رفعت وعظمت کو وسیلہ بنایا ہے جو اس کی بارگاہ میں آپ کو حاصل ہے۔

الریاض النضرة (۱/۳۳۴، نمبر ۱۹۹، ۲۰۰) میں ہے:

مالک بن انس نے فرمایا کہ: خلیفہ ہارون رشید نے آپ سے پوچھا: رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں آپ کی بارگاہ میں ابو بکر و عمر کا کیا مقام تھا؟ آپ نے فرمایا: حضور کے وصال کے بعد آپ کے روضۂ پاک سے ان دونوں کی قبروں کو جو قرب حاصل ہے وہی قرب آپ کی حیات میں بھی انھیں حاصل تھا، ہارون رشید نے کہا: اے مالک! آپ نے تشفی بخش جواب عنایت فرمایا، بصری اور حافظ سلفی نے اس کی تخریج کی۔

ابن عساکر کی تاریخ دمشق (۵۵/۳۶۱، ۳۶۲) میں ہے:

ہم کو ابو القاسم نے خبر دی، عمر بن عبد اللہ نے ہمیں خبر دی، علی بن محمد بن بشران نے ہمیں خبر دی، عثمان بن

احمد نے ہمیں خبر دی، حنبل بن اسحاق نے ہم سے بیان کیا، ہم سے حمیدی نے بیان کیا، ہم سے سفیان نے بیان کیا: زہری سے کہا گیا: کاش آپ مدینہ منورہ میں رہتے، اور رسول پاک کی مسجد اور روضۂ انور پر حاضر ہوتے لوگ آپ سے علم سیکھتے، تو آپ نے فرمایا: مجھے یہ عمل اس وقت تک زیب نہیں دیتا جب تک کہ دنیا چھوڑ کر آخرت کی طرف مائل نہ ہو جاؤں، حمیدی کہتے ہیں: سفیان نے فرمایا: زہری کے پایہ کا کون تھا۔

سہمی کی تاریخ جرجان (۲۳۶/۱) میں ہے:

طیب بن محمد بن صول جرجانی کے حالات کے بیان میں: سلامی نے اپنی تاریخ میں کہا: ہمارے بعض شیوخ نے ان کے متعلق ہم سے بیان کیا: احمد بن محمد بن طیب جرجانی نے مجھ سے بیان کیا کہ ان کے والد نے اپنے دادا محمد بن صول سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ: جس وقت جرجان فتح ہوا تو صول نے یزید بن مہلب سے کہا: کیا اسلام میں آپ سے بھی بلند و بالا کوئی شخصیت ہے جس کے ہاتھ پر میں اسلام لاؤں؟ انھوں نے کہا: ہاں، سلیمان بن عبدالملک ہیں۔ انھوں نے کہا: مجھے ان کے پاس لے چلیں تا کہ ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کروں۔ آپ انہیں لے کر گئے، جب سلیمان کے پاس آئے تو انھوں نے ان سے بھی ویسا ہی سوال کیا جیسا کہ یزید سے کیا تھا تو سلیمان نے کہا: اس وقت مسلمانوں میں مجھ سے بلند و بالا کوئی نہیں ہے، لیکن رسول پاک کے روضۂ پاک کی فضیلت مسلم ہے، انھوں نے کہا: میں وہیں اسلام قبول کروں گا، سلمان نے انہیں مدینہ منورہ بھیج دیا، آپ نے وہاں جا کر اسلام قبول کیا، پھر یزید بن مہلب کے پاس واپس آئے، اور آپ کی صحبت میں رہے اور آپ کے مصارف میں تصرف کیا یہاں تک کہ مسلمہ بن عبدالملک نے کونچیں کاٹنے کے دن آپ کو اسی جگہ شہید راہ حق کر دیا جہاں یزید بن مہلب نے جام شہادت نوش فرمایا۔

ابن حبان نے ثقات (۴۵۷/۸) میں علی موسی رضی اللہ تعالی عنہ کے متعلق ذکر کیا: آپ کی قبر نوقان کے باہر سناباذ میں معروف ومشہور ہے، رشید کی قبر کے پاس آپ کا مزار اقدس ہے، میں نے بار ہا اس کی زیارت کی ہے، اور طوس میں قیام کے دوران مجھے جب بھی کوئی مشکل پیش آئی علی بن موسی رضا (آپ کے جد اعلی اور آپ پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں) کی قبر کی زیارت کی، اور اس مشکل کے ازالہ کے لیے اللہ سے دعا کی تو میری دعا مقبول و

مستجاب ہوئی اور میری مشکل دور ہوگئی، میں نے جب بھی اس کا تجربہ کیا تو کامیابی ملی، اللہ عزوجل حضور اور آپ کے اہل بیت کی محبت پر خاتمہ فرمائے۔ صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم وعلیھم أجمعین .

حافظ ابن ابوعاصم کی الآحاد والمثاني (۱۶۳/۱) میں ہے:

آپ نے طلحہ بن عبیداللہ کے بارے میں فرمایا کہ: آپ کے لیے ستر ہزار درہم کے عوض ایک مکان خریدا گیا، دونوں ہجرت کے وقت اسی گھر میں آپ کی قبر تھی، میں نے اصحاب علم وفضل کی ایک جماعت کو دیکھا جب انہیں کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر دعائیں کرتے، اور اجابت سے شادکام ہوتے۔

علامہ ابن حجر کی تھذیب التھذیب (۲۶۰/۱۱) میں ہے:

حاکم نے کہا: میں نے ابوعلی نیشاپوری سے سنا آپ نے فرمایا: میں سخت غم میں مبتلا تھا کہ خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت سے سرشار ہوا اور آپ مجھے یہ حکم فرما رہے ہیں کہ یحی بن یحی کی قبر کے پاس جاکر استغفار کرو، اور اپنی حاجت پیش کرو تمہاری حاجت برآئے گی، میں نے صبح ایسا ہی کیا میری حاجت برآئی۔

سیر أعلام النبلاء (۱۰۷/۱۰) میں ہے:

علامہ ذہبی نے سیدہ نفیسہ کے بارے میں فرمایا کہ: آپ کے بھائی قاسم زاہد، صالح نیک انسان تھے آپ کا مسکن نیشاپور تھا، وہاں آپ کی اولاد واحفاد ہیں، ان میں سید علوی ہیں جن سے حافظ بیہقی حدیثیں روایت کرتے ہیں، اور کہا گیا کہ حضرت نفیسہ عبادت گزار نیک خاتون تھیں آپ کی قبر کے پاس دعا مستجاب ہوتی ہے بلکہ انبیا اور صالحین کی قبروں کے پاس، مسجدوں کے اندر، عرفہ ومزدلفہ اور سفر مباح میں دعا مقبول ہوتی ہے۔

سیر أعلام النبلاء (۲۵۲،۲۵۱/۲۱) میں ہے:

علامہ ذہبی نے حجری کے حالات ذکر کرتے ہوئے کہا: شیخ، امام، علامہ، معمر، مقری، مجود، محدث، حافظ، حجت، شیخ الاسلام ابومحمد عبداللہ بن محمد رعینی حجری اندلسی مربی مالکی کے متعلق میں نے ابوربیع بن سالم سے فرماتے سنا کہ آپ کے وصال کے وقت قحط پڑا، جب آپ کا جنازہ رکھا گیا اور لوگوں نے آپ کے وسیلہ سے اللہ کی بارگاہ

میں دعا کی تو اتنی زیادہ بارش ہوئی کہ لوگ ہفتہ بھر آپ کی قبر پر کیچڑ ہی میں آتے جاتے۔

حافظ خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد (۱۲۳/۱) میں کہا: ابوعبداللہ محمد بن علی بن عبداللہ صوری نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے ابوالحسین محمد بن احمد بن جمیع سے سنا: میں نے ابوعبداللہ بن محاملی سے سنا آپ نے فرمایا: میں ستر سال سے معروف کرخی کی قبر کے بارے میں جانتا ہوں کہ جو بھی غم رسیدہ آپ کی بارگاہ میں آیا اللہ نے اس کا غم دور فرمایا۔

اور فرمایا: میں نے امام شافعی سے سنا آپ نے فرمایا: میں امام ابوحنیفہ سے اکتساب برکت کے لیے ہر روز آپ کی قبر کی زیارت کرنے آتا ہوں، جب مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے دو رکعت نماز ادا کر کے آپ کی قبر پر حاضر ہوتا ہوں اور وہاں اللہ سے اپنی حاجت کا سوال کرتا ہوں میری حاجت پوری ہوتی ہے۔

تاریخ بغداد (۱۲۰/۱) میں ہے:

اس باب میں بغداد کے علما و زہاد کی ان خاص قبروں کا بیان ہے جو جانب غرب میں مدینہ منورہ کے بالائی حصہ میں واقع ہیں جہاں قریش کی قبریں ہیں۔ (صاحب تاریخ بغداد نے) کہا: میں نے حسن بن ابراہیم ابوعلی خلال کے متعلق سنا آپ نے فرمایا: مجھے جب بھی کوئی اہم معاملہ پیش آتا موسیٰ بن جعفر کی قبر پر حاضر ہوکر آپ کے وسیلہ سے دعا کرتا، میرا پسندیدہ مطلوب مجھ پر آسان ہو جاتا۔

المنتظم لابن الجوزي (۲۵۷ھ) (۸۹/۹) میں ہے:

حسن بن حسین استرابادی نے کہا ہم کو احمد بن جعفر بن ہمدان قطیعی نے خبر دی کہ حسن بن ابراہیم خلال نے فرمایا: مجھے جب بھی کوئی اہم معاملہ پیش آیا میں نے موسیٰ بن جعفر کی قبر پر حاضر ہوکر آپ کے وسیلہ سے دعا کی ،اللہ نے میرا محبوب مطلوب آسان فرما دیا۔

حافظ ابن حجر نے تهذیب التهذیب (۳۳۹/۷) میں فرمایا:

حاکم نے تاریخ نیشاپور میں کہا: میں نے ابوبکر محمد بن مومل بن حسن، بن عیسیٰ سے سنا آپ نے فرمایا: ہم لوگ امام المحدثین ابوبکر بن خزیمہ اور آپ کے ہمسر ابوعلی ثقفی کے ساتھ طوس میں علی بن موسیٰ رضا کی قبر کی

زیارت کے لیے نکلے، ہمارے ساتھ مشائخ کی ایک عظیم جماعت تھی، ابوبکر محمد نے فرمایا: میں نے امام ابن خزیمہ کو دیکھا آپ اس خاک اقدس کی بے پناہ تعظیم فرماتے، اور علی بن موسی رضا رضی اللہ تعالی عنہم کی بارگاہ میں حیرت انگیز تواضع وتضرع فرماتے۔

تھذیب التھذیب (۲۶۰/۱۱) میں ہے:

بشر بن حکیم نیشاپوری نے کہا: ہمارا تخمینہ وانداز ہ ہے کہ یحی بن یحیی کے جنازہ میں ایک لاکھ انسان شریک تھے، اور حاکم نے کہا: میں نے ابوعلی نیشاپوری سے سنا آپ نے فرمایا: میں سخت غم میں مبتلا تھا خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت سے بہرہ ور ہوا اور آپ مجھے یہ حکم فرمارہے ہیں کہ یحیی بن یحیی کی قبر پر حاضر ہوکر استغفار اور عرض حاجت کرو تمہاری حاجت برآئے گی۔ صبح میں نے ایسا ہی کیا تو میری حاجت برآئی۔

سیر أعلام النبلاء (۱۶۲/۱۶) میں ہے:

علامہ ذہبی نے کہا: ابوالحسن رحمہ اللہ تعالی نے صحیح اصولوں سے بتایا اور میں نے آپ سے فرماتے سنا: مجھے خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی، میں آپ کے پیچھے ہولیا یہاں تک کہ آپ یحیی بن یحیی کی قبر کے پاس تشریف لاکر کھڑے ہوگئے آپ آگے تھے اور آپ کے پیچھے صحابہ کی جماعت صف بستہ تھی، حضور نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی پھر اپنے صحابہ کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا: یہ قبر اس شہر والوں کے لیے امان ہے۔

علامہ ابن حجر کی **تھذیب التھذیب (۳۱۰/۵) میں ہے:**

آپ نے عبداللہ بن غالب حدانی ابوقریش کے حالات میں کہا: (امام بخاری نے ''الادب'' میں اور امام ترمذی نے آپ سے روایت کیا)

نوح بن قیس نے کہا: عون بن ابوشداد سے مروی ہے کہ عبداللہ بن غالب ایک سو (۱۰۰) رکعت نماز چاشت ادا فرماتے، اور یہ فرماتے کہ: اسی لیے ہمیں پیدا کیا گیا، اور اسی کا ہمیں حکم دیا گیا، یوم الترویہ کو آپ کی شہادت ہوئی تو لوگ آپ کی خاک قبر لارہے تھے ایسا محسوس ہورہا تھا کہ گویا وہ مشک ہے۔

یاقوت حموی کی **معجم البلدان (۳۰۶/۱) میں ہے:**

صاحب معجم البلدان نے کہا: قطیعۂ ام جعفر میں عبداللہ بن امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالی عنہ کی قبر ہے آپ کی وصیت کے مطابق آپ کا جسد خاکی وہیں سپرد خاک کیا گیا، اس کا راز یہ ہے کہ آپ نے فرمایا: مجھے صحت کے ساتھ یہ معلوم ہے کہ قطیعۂ مذکورہ میں ایک نبی مدفون ہیں، اور اپنے والد کے قرب وجوار کی بہ نسبت کسی نبی کے جوار اقدس میں رہنا مجھے زیادہ محبوب ہے۔

سیر أعلام النبلاء (۱۸/۲۷۹) میں ہے:

حافظ ابن عساکر نے کہا: میں نے حسین بن محمد سے سنا وہ ابن خیرون یا اور کسی سے یہ بیان فرمارہے تھے کہ خطیب نے ذکر کیا کہ: حج کے دوران آپ نے تین مرتبہ زمزم شریف نوش جان فرمایا، اور اللہ سے تین حاجتوں کا سوال کیا (۱) وہاں تاریخ بغداد بیان کریں، (۲) اور جامع منصور میں حدیث کا املا کرائیں، (۳) اور بشر حافی کے قریب آپ کو دفن کیا جائے، آپ کی اس دعا کا اثر یہ ہوا کہ آپ کی تینوں حاجتیں پوری ہوئیں۔

صحیح ابن حبان (۱۱/۳۰۸) میں ہے:

ابن حبان نے کہا: ہم کو ثابت بن اسماعیل بن اسحٰق نے بغداد میں معروف کرخی کی قبر کے پاس اس حدیث کے بارے میں اس سند کے ساتھ خبر دی کہ ہم سے محمد بن ولید بسری نے بیان کیا، ہم سے محمد بن جعفر نے بیان کیا، ہم سے شعبہ نے بیان کیا، شعبہ نے محمد ابن اسحٰق سے، اسحاق نے محمد بن ابراہیم تیمی سے، انھوں نے سعید بن مسیّب سے، انھوں نے معمر سے روایت کیا کہ معمر نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس (حکم) کے بعد کوئی خطا کار ہی احتکار کرے گا (مہنگا بیچنے کے لیے سامان روک رکھے گا)

حافظ ابن صلاح کی ''صیانۃ صحیح مسلم'' (۱/۶۴) میں ہے:

آپ نے امام مسلم کے بارے میں روایت کرکے کہا: میں کہتا ہوں: میں نے نیشاپور میں آپ کی قبر کی زیارت کی ہے، وہاں آپ کی کتاب صحیح مسلم کا خاتمہ وغیرہ سماعت کیا، اللہ ان سے اور ہم سے راضی ہو، اور آپ کی اس کتاب اور تمام علوم سے ہمیں نفع عطا فرمائے آمین آمین۔

حافظ ابن نقطہ حنبلی کی ''التقیید'' (۱/۲۳۸، ۲۳۹) میں ہے:

آپ نے حسن بن محمد بن ابراہیم بن احمد، بن علی، بن حیویہ ابونصر یونارتی کے ترجمہ میں کہا: میں آپ کے وصال کے وقت موجود تھا، لوگ فوج درفوج آپ کی قبر پر جاتے، اور ہمارے شیخ حافظ ابوموسی نے آپ کی قبر کے پاس آپ کے مناقب کے سلسلے میں ایک طویل مجلس قائم فرمائی، اکثر فقہائے اصفہان آپ کے تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں یہاں تک کہ ہمارے شیخ حافظ ابوموسی نے آپ سے فقہ کی تحصیل کی، اور حدیث بھی روایت کی، اسکندریہ کے ہمارے شیخ سلفی نے اصفہان کے شیوخ کے متعلق مجھ سے پوچھا تو میں نے ان سے رستمی کا ذکر کیا تو انھوں نے کہا: میں آپ کو ایک فقیہ عابد وزاہد جانتا ہوں۔

حافظ سلفی نے **معجم السفر** (۸۱/۱) میں کہا:

آپ ایک شیخ صالح تھے آپ کی آنکھیں خوب اشک بار رہتیں، حج فرمانے کے بعد فرمایا: میری صرف ایک حسرت نبی پاک ﷺ اور آپ کے صاحبین (ابوبکر وعمر) کی قبر کی زیارت باقی ہے اس لیے کہ میں نے حج کیا اور زیارت کی سعادت سے محروم رہا۔

ابوالقاسم بن بلبان نے **تحفة الصديق** (۴۶/۱) میں کہا:

میں نے اسکندریہ کی سرحد میں ابوطاہر احمد بن محمد سلفی کی قبر کے قریب باب اخضر میں ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن مکی بن حاسب کے پاس پڑھا۔

حضور اقدس سید عالم ﷺ کے روضۂ اقدس اور صالحین کی قبروں سے متعلق ائمہ کے احوال واقوال پیش کرنے کے بعد ہم کہتے ہیں:

ابن تیمیہ نے نبی ﷺ کا ارشاد "**الرفيق الاعلى**" ایک مرتبہ ذکر کیا، اور اس نے آپ کی قبر اطہر کو صرف دوبار "قبر مکرم" کے لفظ سے ذکر کیا جیسا کہ مجموع الفتاوی (۳۲۳/۲۷، ۳۲۴) میں ہے۔

اسی طرح اس نے قبر شریف صرف دو مرتبہ ہی کہا جیسا کہ **زيارة القبور** (۲۶/۱) اور مجموع الفتاوی (۷۶/۲۷) میں ہے۔

ذرا ابن تیمیہ کے اصحاب کو دیکھیں وہ اپنے مرثیوں میں اس کی قبر کے کیسے اعلی اوصاف ذکر کرتے ہیں:

صاحب عقود دریہ (۱/۱/۴۷) نے کہا:

قد أودع القبر الشريف علومه عجبا لوسع القبر بحرًا سائلا

قد كان لايحتاج طالب علمه كثر السئوال وليس يلقى سائلا

اس کے علوم قبر شریف میں ودیعت کردیے گئے، کس قدر حیرت انگیز ہے کہ قبر کی وسعتوں میں علم کا بحر سائل سماں گیا۔

کبھی اس کے طالب علم کو کثرت سوال کی حاجت نہ ہوئی اور نہ ہی کسی سائل سے اس کا مقابلہ وسامنا ہوتا۔

ذرا غور کیجئے ابن تیمیہ کی قبر قبر شریف ہے، اور حضور اقدس سید عالم ﷺ کے روضۂ پاک کی زیارت حرام ہے۔ إنالله وإناإليه راجعون

(۴۲) نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت کے دلائل

جب نبی پاک ﷺ اپنی قبرانور میں زندہ ہیں تو آپ کے روضۂ اقدس کی زیارت کسی دلیل کی محتاج نہیں، اگر کسی فلسفی سے یہ پوچھا جائے کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ اللہ پر بھروسہ کرنا واجب ہے تو قرآن وسنت سے ایسی کوئی نص نہ لاسکے گا جس میں صراحتاً یہ وارد ہو کہ ''اللہ ہی پر بھروسہ کرنا لازم ہے، صرف اللہ ہی پر بھروسہ کرو وغیرہ۔

لیکن جو شخص رسول پاک ﷺ کے فیض زیارت سے محروم نہیں، یا محروم رہ کر اللہ عزوجل سے التجا کرتا ہے کہ اس مصیبت وبلا سے نجات بخشے ہم ان کے سامنے ایسے روشن دلائل پیش کریں گے جن سے یہ انکشاف تام ہوگا کہ اس ذات اقدس کے روضۂ اطہر کی زیارت بلاشبہ جائز ہے جس نے شب معراج میں براق پر سوار ہو کر مکیں سے لامکاں تک سیر فرمایا، اور اللہ کے نبی موسیٰ علیہ السلام کی قبر کی زیارت فرمائی، بلاشبہ وہ ذات پاک صادق اور امین ﷺ، یا اللہ کے امین جبریل یادونوں حضرات ہیں جنھوں نے مقدس وقت میں پاکیزہ سواری پر سوار ہو کر لمبی مسافت طے فرمائی اور زیارت فرمائی۔

ہم سب سے پہلے قرآن کریم کے دلائل پیش کریں گے اللہ عزوجل کا ارشاد پاک ہے:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوٓا أَنفُسَهُمْ جَآءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا﴾ [النساء-۴:۶۴]

ترجمہ:۔''اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں''۔

اس آیت مبارکہ سے ہمارا استدلال یہ ہے کہ ابن تیمیہ سے پہلے کوئی ایسا مسلمان نہ گزرا جس نے یہ تصریح کی ہو کہ بارگاہ رسالت کی یہ حاضری نبی پاک ﷺ کی ظاہری حیات طیبہ ہی کے ساتھ خاص اور مقید ہے، اور آپ کے وصال کے بعد اب یہ حکم باقی نہ رہا، بلکہ صحابہ وتابعین اور علمائے قرون ثلاثہ اولی نے یہی روشن تصریح

فرمائی کہ نبی اکرم ﷺ کے روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر آپ سے گناہوں کی بخشش طلب کرنا اب بھی مشروع ہے۔ ان حضرات کے استدلال کی بنیاد یہ آیت کریمہ ہے، ہاں ان حضرات کے بعد ابن تیمیہ آیا جس نے ایسی بات کہی جسے اس سے پہلے کسی عالم نے نہ کہی اس کے اس قول کی بنیاد نہ تو کسی دلیل پر قائم ہے، نہ ہی کسی صحابی، تابعی، یا اسلاف سے اس کا یہ قول منقول ہے۔ علمائے مسلمین میں سے کسی عالم نے ایسا قول نہ فرمایا جس میں یہ تصریح ہو کہ رسول اللہ ﷺ کے رفیق اعلیٰ کی طرف سفر فرمانے کے بعد اس آیت مقدسہ کے موجب پر عمل کرنا صحیح نہیں۔

ہم ناظرین کرام کی خدمت میں صحابہ و تابعین اور علمائے امت کے اقوال پیش کر رہے ہیں:

۱۔ صحابی جلیل عبداللہ بن مسعود:

سعید بن منصور، اور حاکم و طبرانی وغیرہم نے تخریج کیا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: سورۃ نساء میں پانچ آیتیں ایسی ہیں جن کے عوض مجھے دنیا و مافیہا حاصل ہونا پسند نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ جب ان آیتوں پر علما کی نظر پڑتی ہے تو وہ انہیں جان لیتے ہیں وہ پانچ آیتیں یہ ہیں:

(۱) ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَإِنْ تَكُ حَسَنَةً يُضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ أَجْرًا عَظِيْمًا﴾ [النساء-۴:۴۰]

ترجمہ:۔ ''اور اللہ ایک ذرہ بھر ظلم نہیں فرماتا اور اگر کوئی نیکی ہو تو اسے دونی کرتا اور اپنے پاس سے بڑا ثواب دیتا ہے''۔

(۲) ﴿إِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا﴾ [النساء-۴:۳۱]

ترجمہ:۔ ''اگر بچتے رہو کبیرہ گناہوں سے جن کی تمہیں ممانعت ہے تو تمہارے اور گناہ بخش دیں گے، اور تمہیں عزت کی جگہ داخل کریں گے''۔

(۳) ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ [النساء-۴:۴۸]

ترجمہ:۔ ''اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے، اور اس سے نیچے جو کچھ ہے

جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے''۔

(۴) ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوٓا أَنْفُسَهُمْ جَآءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾ [النساء-۴:۶۴]

ترجمہ:''اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں، اور پھر اللہ سے معافی چاہیں، اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں''۔

(۵) ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوٓءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ [النساء-۴:۱۱۰]

ترجمہ:''اور جو کوئی برائی یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے بخشش چاہے تو اللہ کو بخشنے والا مہربان پائے گا''۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: مجھے ان کے عوض دنیا و مافیہا کا حاصل ہونا پسند نہیں۔ (۱)

---

(۱) یہ اثر صحیح ہے حافظ ہیثمی نے مجمع الزوائد (۷/۱۱-۱۲) میں اس کو صحیح کہا اور یہ کہا: اس کو طبرانی نے روایت کیا اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ حاکم نے مستدرک (۲/۳۳۴) میں تخریج کر کے کہا: یہ اسناد صحیح ہے اگر عبدالرحمٰن کا اپنے باپ سے سماع ثابت ہے تو اس میں اختلاف ہے، اور سعید بن منصور نے بھی اس اثر کو تخریج کیا (۴/۱۲۹۷) اور طبرانی نے معجم کبیر میں (۹/۲۲۰) تخریج کی۔

اور سیوطی نے درمنثور (۲/۴۹۸) میں ابوعبید، اور عبد بن حمید، اور ابن جریر اور ابن منذر کی طرف بھی اس اثر کو منسوب کیا، رہا حاکم کا یہ قول: ''یہ اسناد صحیح ہے اگر عبدالرحمٰن کا اپنے باپ سے سماع ثابت ہے تو اس میں اختلاف ہے'' تو اس سلسلے میں گزارش یہ ہے کہ عبدالرحمٰن کا اپنے باپ سے سماع ثابت ہے علی بن مدینی، اور یحیی بن معین اس طرف گئے کہ سماع کا ثابت ہونا صحیح ہے، معاویہ بن صالح نے ایسا ہی نقل کیا۔ اور امام بخاری اور ابوحاتم بھی سماع کی صحت کی طرف گئے۔ اور امام احمد بن حنبل نے یحیی بن سعید سے روایت کر کے کہا: ابن مسعود کا وصال ہو گیا اور عبدالرحمٰن ابھی چھ سال کے تھے۔

میں کہتا ہوں:

آپ کا یہ ارشاد مذکور روشن دلیل ہے خاص کر آپ کا یہ ارشاد: ''اور مجھے معلوم ہے کہ جب ان آیتوں پر علما کی نظر پڑتی ہے تو وہ انہیں جان لیتے ہیں''۔

اور ایک دوسری روایت میں ایک دوسری سند سے مروی ہے (جسے بیہقی نے شعب الایمان (۳۷۶/۲) میں تخریج کیا) کہ عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ اگر کوئی شخص یہ آیتیں (صدق دل اور اخلاص نیت سے) تلاوت کرے اللہ عزوجل اسے بخش دے گا۔

میں کہتا ہوں: علمائے محدثین اس عمر میں بچوں کا حافظہ ثابت قرار دیتے ہیں... جیسا کہ ہم چھ سال سے بھی کم عمر کے بچوں کو حافظ قرآن دیکھتے ہیں۔

ابن صلاح نے اپنی کتاب علوم الحدیث (ص۱۳۰) اور رامہرمزی نے المحدث الفاصل (۱۸۹-۱۹۰)، اور خطیب بغدادی نے الكفاية في علم الرواية (ص۱۰۳) میں یہ ثابت فرمایا کہ محدثین کا عمل اس پر قائم ہے کہ صغیر کے سماع کی حد پانچ سال ہے۔

اور صحابی محمود بن ربیع ذکر فرماتے ہیں کہ مجھے اس بات کا علم ہے کہ میرے گھر میں ایک ڈول آویزاں تھی رسول اللہ ﷺ نے اس ڈول کے پانی سے میرے چہرہ پر کلی فرمائی رسول اللہ ﷺ کے وصال کے وقت آپ کی عمر پانچ سال تھی۔ اور دبیری کو عبدالرزاق سے سماع حاصل ہے آپ کی اکثر کتابیں عبدالرزاق سے مروی ہیں لوگوں نے آپ کی روایتیں آپ سے نقل کیں، اور انہیں سنا بھی جب کہ عبدالرزاق کے وصال کے وقت دبری صرف چھ یا سات سال کے تھے امام بخاری نے تاریخ صغیر میں بطریق قاسم بن عبدالرحمٰن عن أبیہ تخریج کیا کہ جب عبداللہ کے وصال کا وقت ہوا تو میں نے آپ سے عرض کیا: آپ مجھے وصیت فرمائیں تو آپ نے فرمایا: آپ اپنی خطا پر گریہ وزاری فرمائیں___ ان کی سند میں کوئی حرج نہیں___ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے طبقات المدلسین (۴۰/۱) میں فرمایا:

اور ابن حجر نے بھی تہذیب التہذیب (۱۹۵/۶) میں فرمایا: بخاری نے تاریخ کبیر، اور اوسط میں بطریق خیثم عن القاسم بن عبدالرحمٰن عن أبیہ روایت کیا جس میں یہ ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں اپنے والد کے ساتھ تھا۔ اس کے بعد تاخیر صلاۃ کی حدیث ذکر کی، اور بخاری نے اوسط میں بروایت شعبہ یہ اضافہ فرمایا: محدثین فرماتے ہیں کہ انھوں نے اپنے والد سے نہ سنا۔ اور ابن خیثم کی حدیث میرے نزدیک اولی ہے۔

﴿ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَحِيْمًا﴾ [النساء-۴:۱۱۰] ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوْٓا أَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ﴾ [النساء-۴:۶۴] ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ﴾ [النساء-۴:۱۱۰] ﴿وَالَّذِيْنَ إِذَا فَعَلُوْا فٰحِشَةً أَوْ ظَلَمُوْٓا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ﴾ [آل عمران-۳:۱۳۵] جب کوئی بے حیائی یا اپنی جانوں پر ظلم کریں اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی معافی چاہیں''

آپ کا روشن ارشاد اس بات کی محکم دلیل ہے کہ آپ کے نزدیک اس آیت کریمہ کا حکم ساری امت کے لیے عام ہے، صرف صحابہ کے لیے خاص نہیں۔

۲۔سعید بن جبیر رضی اللہ تعالی عنہ سادات تابعین سے ہیں۔

سعید بن جبیر نے فرمایا: استغفار کی دو قسمیں ہیں قولی، اور عملی، استغفار قولی کے متعلق اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوْٓا أَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ﴾ [النساء-۴:۶۴]

یہ ان حضرات کی حجت ہے جنھوں نے عبدالرحمٰن کا اپنے والد سے سماع ثابت مانا اگرچہ بعض ہی حدیثوں میں، خاص کر جب وہ اپنی بعض روایتوں میں خود صاف صاف تصریح فرما رہے ہیں کہ ''میں نے اپنے والد سے سنا'' یا عبداللہ بن مسعود نے فرمایا''، یہ بات واضح رہے کہ اثبات نفی پر مقدم ہے۔اور خاص کر جب کہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود ثقہ لوگوں میں سے ہیں اس لیے کہ بخاری ومسلم اور باقی ائمہ صحاح ستہ وغیرہم نے آپ کی حدیثیں تخریج کیں۔علاوہ ازیں صرف عبدالرحمٰن ہی نے اپنے والد عبداللہ بن مسعود سے یہ اثر تنہا روایت نہ کی بلکہ اس اثر کے مزید تین طرق شاہد ہیں۔

ا۔طریق یحیی بن عباد: بیہقی نے شعب الایمان (۲/۳۷۶) میں اس طریق کو روایت کیا،۲۔طریق بشیر الاودی، ھناد نے زہد (۲/۴۵۴) میں اس کو روایت کیا،۳۔طریق یسیر بن عمرو الاودی، تاریخ واسط (۱۱/۱۵۰،۱۵۱)

بلا شبہ ان طرق سے ایک دوسرے کو قوت ملتی ہے اسی لیے حافظ ھیثمی نے مجمع الزوائد میں اس اثر کو صحیح کہا جیسا کہ گذر چکا۔

ترجمہ: ''اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں، اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے''۔

اور استغفارِ عملی کے متعلق اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ [الانفال-۸:۳۳]

ترجمہ:۔اور اللہ انہیں عذاب کرنے والا نہیں جب تک وہ بخشش مانگ رہے ہیں۔

اللہ عزوجل کے اس ارشاد کا معنی یہ ہے کہ بندہ جب قول وعمل کے ذریعہ استغفار کرتا ہے تو اللہ عزوجل کی بخشش اس پر سایہ فگن ہوتی ہے، اور مجھے معلوم ہے کہ کچھ لوگ اپنی زبانوں سے استغفار کے باوجود جہنم میں جائیں گے یہ دوسرے مذاہب کے لوگ ہیں جو محض زبان سے اسلام کا دعوی کرتے ہیں۔(۱)

ہم اجمالاً ان مصادر ومراجع کو ذکر کریں گے جن میں یہ مذکور ہے کہ علمائے امت نے مذکورہ آیت کریمہ سے استدلال کیا۔ پھر ان شاء اللہ تعالی ان کی تفصیلات پیش کریں گے۔

---

(۱) ابن منذر اور ابن ابو حاتم نے سعید بن جبیر کے اثر کی تخریج کی جیسا کہ علامہ سیوطی نے درمنثور (۵۸۳/۲، ۵۸۴) میں ان کی طرف اس کی نسبت کی۔

(۴۳) ان حضرات کے اقوال جنھوں نے گزشتہ آیت کی روشنی میں زیارت روضۂ اقدس کو مشروع قرار دیا، جن سے یہ روشن ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک حاضریٔ روضۂ اقدس نیز بخشش وشفاعت کا سوال جائز ہے۔

اس سلسلے میں عتبی کا واقعہ کافی مشہور ہے، انھوں نے ذکر کیا ہے کہ میں نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس بیٹھا تھا ایک اعرابی آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے انھوں نے اس طرح سلام عرض کیا: السلام علیک یارسول اللہ، اور یہ کہا: میں نے اللہ عزوجل کا یہ ارشاد پاک سنا:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوٓا أَنْفُسَهُمْ جَآءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾ [النساء-۴:۶۴]

ترجمہ:۔اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں، اور پھر اللہ سے معافی چاہیں۔ اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

اس لیے میں اپنے رب کی بارگاہ میں آپ کو اپنا شفیع لاتا ہوں اور آپ سے اپنے گناہ کی بخشش چاہتا ہوں، پھر یہ اشعار پڑھنے لگے:

۱) یاخیر من دفنت بالقاع أعظمه — فطاب من طیبهن القاع والأکم

۲) نفسي الفداء لقبر أنت ساکنه — فیه العفاف، وفیه الجود والکرم

(۱) اے ان میں افضل وبہتر جن کی ہڈیاں سپرد خاک گئیں تو ان پاکیزہ ہڈیوں کی برکت وفیض سے فرش زمین، پہاڑ اور ٹیلے پاکیزہ ومشک بار ہوگئے۔

(۲) میری جان اس تربت اطہر پر نثار جس میں آپ سراپا عفت اور جود وکرم بن کر جلوہ ساماں ہیں، اس قبر

اطہر میں عفت و پاکدامنی اور جود وکرم ہے۔

پھر وہ اعرابی واپس چلے گئے اتنے میں میری آنکھ لگ گئی خواب میں نبی پاک ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی آپ نے ارشاد فرمایا: ''اے عتبی! اعرابی کے پاس جاؤ اور اسے خوش خبری دے دو کہ اللہ نے اسے بخش دیا''۔

میں کہتا ہوں:

عتبی امام شافعی کے شیوخ میں شمار ہوتے ہیں، آپ سلف صالح سے ہیں، ہر دور میں جمہور امت نے اس قصہ سے استدلال کیا، اب ہم اس مقام پر ان اجلہ علمائے کرام کا ذکر کریں گے جنھوں نے اس آیت کریمہ سے استدلال فرمایا۔

مفسرین:

قرطبی نے اپنی تفسیر (۲۶۵/۵، ۲۶۶) میں اور ثعالبی (۳۸۶/۱) اور ابن کثیر (۵۲۰/۱-۵۲۱) اور نسفی (۲۳۰/۱، ۲۳۱)

فقہائے حنفیہ:

کمال ابن ہمام نے فتح القدیر (۱۷۹/۳-۱۸۰-۱۸۱) اور علامہ شرنبلالی نے نور الایضاح (۱۵۵/۱) میں ذکر کیا۔

فقہائے مالکیہ:

قاضی عیاض نے شفا، اور شہاب قرافی نے ذخیرہ (۳۷۵/۳، ۳۷۶)، اور زرقانی وقسطلانی نے المواہب اللدنیۃ میں استدلال کیا۔

فقہائے شافعیہ:

اپنے زمانہ کے شیخ الشافعیہ ابو منصور صباغ نے اپنی کتاب ''الشامل'' اور بیہقی نے شعب الایمان (۴۹۵/۳) اور امام نووی نے المجموع (۲۰۲/۸) (آپ نے قاضی ماوردی اور قاضی ابوالطیب کے حوالہ سے اسے

نقل کیا)اور سبکی نے شفاء السقام اور ابن الملقن نے **غایۃ السول في خصائص الرسول** ﷺ (ص۱۸۳)، اور علامہ سیوطی نے در منثور (۲۳۸/۷۰/۱)، اور ابن حجر نے **الجوهر المنظم**، اور حصنی نے ''دفع شبہ'' (ص ۱۱۵)، اور جاوی نے نہایۃ الزین (۲۲۰/۱-۲۲۱) میں ذکر کیا۔

فقہائے حنابلہ:

ابن عقیل حنبلی نے اپنے تذکرہ، اور عبدالقادر جیلانی (۵۶۱ھ) نے کتاب غنیۃ، اور ابن الجوزی نے **المنتظم** (۹۳/۹)، اور ابن قدامہ مقدسی نے المغنی (۲۹۷/۳-۲۹۹)، اور ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ سمری نے **المستوعب**، اور ابن مفلح نے المبدع (۲۵۹/۳)، اور البھوتی نے کشف القناع (۵۱۶/۲) میں ذکر کیا۔

مورخین:

ابن الاثیر نے الکامل (۵۰۶/۸)، اور ابن خلکان نے وفیات الاعیان (۱۳۶/۵)، اور ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ (۱۵۰/۱۲-۱۵۱) میں ذکر کیا۔

ان حقائق کا مطالعہ کرنے کے بعد ابن تیمیہ کی خطا اظہر من الشّمس ہو جاتی ہے کیوں کہ اس نے اپنے مجموع الفتاوی (۱۵۹/۱) میں کہا:

بعض لوگ اللہ تعالی کے ارشاد: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوٓا أَنفُسَهُمْ جَآءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾ [النساء-۴:۶۴]، (ترجمہ:۔ اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں)

میں تاویل کر کے کہتے ہیں کہ حضور کے وصال کے بعد آپ سے بخشش وشفاعت کا سوال صحابہ سے بخشش وشفاعت کے سوال کی طرح ہے یہ لوگ صحابہ وتابعین اور تمام مسلمانوں کے اجماع کے خلاف تاویل کرتے ہیں کیوں کہ ان حضرات میں سے کسی نے حضور کے وصال کے بعد آپ کو اپنا نہ تو شفیع بنایا اور نہ ہی آپ سے کچھ مانگا، اور نہ ہی ائمہ مسلمین میں سے کسی امام نے اپنی کتاب میں اسے ذکر کیا''۔

اسی طرح ابن تیمیہ نے یہ بھی کہا:

''ان ساری صورتوں میں ملائکہ وانبیاوصالحین کے وصال کے بعد ان کی قبروں سے دورونزدیک سے خطاب کیا جاتا ہے، اوران کی تصویروں اور مجسموں کو خطاب کرنا عظیم ترین شرک ہے۔ اہل کتاب کے علاوہ تمام مشرکین میں ان رسموں کا رواج تھا۔ اوراب ان مبتدع اہل کتاب اور مسلمانوں میں بھی پایا جارہا ہے۔ ان لوگوں نے بعض ایسے شرک ،اورایسی عبادتیں اختراع کرلی ہیں جن کا اللہ تعالی نے حکم نہ دیا''۔

اس نے الردعلی الکبری (۱/۱۴۶) میں یہ بھی کہا:

تیسرادرجہ:

یہ ہے کہ صاحب قبر سے یہ سوال کرے کہ وہ اللہ سے اس کے لیے سوال والتجا کریں، یہ بھی بہ اتفاق ائمہ مسلمین بدعت ہے، اللہ نے یوسف کے بھائیوں کے بارے میں یہ خبر دی کہ انھوں نے آپ کو سجدہ کیا۔ اسی طرح آپ کے والدین نے بھی آپ کو سجدہ کیا، یہ سجدہ ہمارے لیے مشروع نہیں (لہٰذا کسی کو کسی کا سجدہ کرنا جائز نہیں)''

اوراپنے مجموع الفتاوی میں کہا:

''زیارت بدعت اہل شرک کی زیارت ہے یہ نصاریٰ کی زیارت کی طرح ہے۔ یہ لوگ میت سے دعا کرتے ،اس سے مدد مانگتے، اوراس سے اپنی حاجتیں طلب کرتے ،اس کی قبر کے پاس درود پڑھتے ،اوراس کو پکارتے ہیں وغیرہ، ایسا نہ تو صحابہ نے کیا، اورنہ ہی رسول اللہ نے اس کا حکم دیا، اورنہ ہی امت کے اسلاف وائمہ نے اسے مستحب قراردیا۔''

میں کہتا ہوں: یہ سب ابن تیمیہ کی بالاخانیاں ہیں۔ گزشتہ اوراق میں اس کا رد گزر چکا اور باقی رد اب کریں گے۔ اولاً ہم قارئین کرام کی خدمت میں ایسے آثار پیش کریں گے جن سے ابن تیمیہ کا کذب ودروغ طشت ازبام ہوجائے گا۔ کیوں کہ اس نے انبیا کے وصال کے بعد ان کی قبروں سے دورونزدیک سے خطاب وندا اور دعا کا خوف دلایا ہے:

رسول اکرم ﷺ نے جب رفیق اعلیٰ کی طرف سفر فرمایا تو سیدہ فاطمہ نے عرض کیا: ہائے میرے پدر محترم! رب نے آپ کی دعا کو اجابت سے سرفراز فرمایا، ہائے میرے پدر محترم! جنت الفردوس آپ کا مسکن بنا، ہائے میرے ابا حضور! ہم جبریل کو آپ کے وصال کی اطلاع دیں گے۔ (۱)

حضور کی تدفین کے بعد فاطمہ نے فرمایا: اے انس! کیا رسول اللہ ﷺ کو سپرد خاک کرنا آپ لوگوں کو اچھا لگا؟ حضرت ابوبکر صدیق آئے اور رسول اللہ ﷺ کا چہرہ زیبا کھول کر بوسہ لیا، اور عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کا دنیا میں رہنا اور اس سے کوچ فرمانا پاکیزہ وعمدہ ہے، قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اللہ آپ کو کبھی دو موتوں کا ذائقہ نہ چکھائے گا۔ (۲)

اور قیس بن حازم نے فرمایا: ایک روز عمر بن خطاب نے مدینہ کے منبر پر لوگوں کو خطاب فرمایا: اور خطبہ کے دوران ارشاد فرمایا: جنات عدن میں ایک محل ہے جس کے پانچ سو دروازے ہیں، ہر دروازہ پر پانچ ہزار حور عین ہیں، ان دروازوں سے صرف انبیا داخل ہوں گے، پھر رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا: اے اس روضۂ پاک میں جلوہ نشیں! آپ کو مبارک وخوش گوار ہو۔ پھر فرمایا: یا صدیق (اس دروازہ سے داخل ہوں گے) پھر ابوبکر کی قبر کی طرف رخ کر کے فرمایا: اے ابوبکر! آپ کو مبارک ہو۔ پھر فرمایا: یا شہید (اس دروازہ سے داخل ہوں گے) پھر اپنی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اور اے عمر! تمہاری شہادت کہاں ہے؟ پھر فرمایا کہ: جس ذات نے مجھے مکہ سے نکالا، اور مدینہ منورہ کی ہجرت کا شرف بخشا وہ اس پر قادر ہے کہ میری طرف شہادت جاری فرمائے۔ عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا: اللہ نے اپنی بدتر مخلوق مغیرہ کے مملوک غلام کے ہاتھ عمر کی شہادت جاری فرمائی۔ (۳)

(۱) حدیث (یا أبتاہ) بخاری (۱۶۱۹/۴) وابن حبان (۵۹۱/۱۴) اور حاکم (۵۳۷/۱) نے تخریج کی۔

(۲) حدیث (طبت حیا ومیتا) بخاری (۱۳۴۱/۳) نے عائشہ، اور بزار (۱۸۲/۱) نے عبداللہ ابن عمر سے تخریج کی۔ اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۳۸/۹) میں کہا: اس حدیث کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ علی بن منذر ثقہ ہیں اور بیہقی نے بھی کبری (۱۴۲/۸) میں یہ حدیث تخریج کی۔

(۳) اثر عمر بن خطاب طبرانی نے اوسط میں (۱۶۳/۹-۱۶۴) روایت کیا، اور حارث نے اپنی مسند (زوائد ھیثمی) (۸۹۱/۲) میں روایت کیا۔ ھیثمی نے مجمع الزوائد (۵۴/۹-۵۵) میں کہا: شریک نخعی کے علاوہ اس کے تمام رجال صحیح کے رجال ہیں، اور شریک ثقہ ہیں اور ان کے بارے میں اختلاف ہے۔

یہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ انبیا کے وصال کے بعد ان کی غیبت میں ان سے خطاب کرنا، اور انہیں پکارنا جائز و مشروع ہے۔

ہم ماسبق میں ذکر کر چکے کہ ساری امت مسلمہ اپنے تشہد میں آپ کو خطاب و ندا کرتی ہے اور عرض کرتی ہے "**السلام علیک ایھاالنبي ورحمة الله وبركاته**" اس کی روشن دلیل نبی پاک ﷺ کی وہ سنت کریمہ بھی ہے جسے ہم آئندہ سطور میں دلائل کی روشنی میں ذکر کریں گے۔

علمائے امت کے نقول، اور عتبی کے واقعہ، اور نبی پاک ﷺ کے شرف دیدار کے حوالہ سے استدلال پیش کرنے کے بعد اس قصہ کے متعلق ابن تیمیہ کی رائے ہم پیش کریں گے کیوں کہ اس نے اس قصہ کے بارے میں جمہور امت کی مخالفت کی ہے۔

(۴۴)ابن تیمیہ کے نزدیک خواب میں نبی پاک ﷺ کی زیارت کرنے والا اپنے دین میں کمزور ہے، اس کے اندر نفاق پایا جاتا ہے، ایسا شخص مولفۃ القلوب سے ہے

عتبی کے بارے میں یہ واقعہ بہت ہی مشہور ہے کہ آپ نے ذکر کیا: میں نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس بیٹھا تھا ایک اعرابی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے، اور سلام عرض کیا: السلام علیک یا رسول اللہ، سلام پیش کرنے کے بعد عرض کیا: میں نے اللہ عزوجل کا یہ ارشاد پاک سنا ہے:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوٓا أَنفُسَهُمْ جَآءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾ [النساء-۴:۶۴]

ترجمہ: ''اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔''

اس لیے میں اپنے رب کی بارگاہ میں آپ کو شفیع لاتا ہوں، اور آپ سے اپنے گناہ کی بخشش کا خواستگار ہوں، پھر یہ اشعار پڑھنے لگے:

۱) یاخیر من دفنت بالقاع أعظمه فطاب من طیبهن القاع والأکم

۲) نفسي الفداء لقبر أنت ساکنه فیه العفاف، وفیه الجود والکرم

(۱) اے ان میں افضل وبہتر جن کی ہڈیاں سپرد خاک گئیں تو ان پاکیزہ ہڈیوں کی برکت وفیض سے فرش زمین، پہاڑ اور ٹیلے پاکیزہ ومشک بار ہوگئے۔

(۲) میری جان اس تربت اطہر پر نثار جس میں آپ سراپا عفت اور جودوکرم بن کر جلوہ ساماں ہیں اس قبر اطہر

میں عفت و پاکدامنی اور جودوکرم ہے۔

پھر وہ اعرابی واپس چلے گئے: اتنے میں میری آنکھ لگ گئی اور مجھے خواب میں نبی پاک ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی سرکار نے حکم فرمایا: اے عتبی !اس اعرابی کو جاکر بشارت دے دو کہ اللہ نے اسے بخش دیا''۔

ابن تیمیہ نے اس مشہور واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنی کتاب **قاعدة فی المحبة** (۱/۱۹۱،۱۹۲) میں کہا:

''بعض فقہانے اعرابی کے متعلق عتبی کا یہ واقعہ ذکر کیا'' کہ اعرابی نبی پاک کی قبر کے پاس آئے اور عرض کیا اے ساری مخلوق میں افضل !اللہ عزوجل نے ارشادفرمایا:﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوٓا أَنفُسَهُمْ﴾ [النساء-۴:۶۴] میں آپ کی خدمت میں حاضر آیا ہوں، عتبی نے خواب دیکھا کہ خواب میں سرکار نے انھیں یہ حکم فرمایا کہ اعرابی کو خوش خبری دے دیں، اس طرح کے جو بھی واقعات نبی پاک اور دیگر صالحین کی قبر کے متعلق ذکر کیے جاتے ہیں صرف اس انسان کو پیش آتے ہیں جس کے ایمان میں ضعف اور کمزوری ہے، اور رسول پاک کے مقام ومرتبہ، اور آپ کے حکم سے جاہل ہے اگر اس طرح کا انسان اپنی حاجت کے سبب معاف نہ کر دیا جائے تو اس کا ایمان خطرہ میں پڑ جائے گا، اور اس کا نفاق بڑھ جائے گا اس لیے کہ ایسا شخص مولفۃ القلوب کے درجہ میں ہے جسے نبی پاک کی حیات میں تالیف قلب کے لیے کچھ دیا جاتا تھا، جیسا کہ خود آپ نے ارشادفرمایا: میں کچھ لوگوں کے دلوں کی بے صبری اور ضعف وبزدلی کے سبب ان سے ظاہری محبت رکھتا ہوں، اور کچھ لوگوں کو اس تونگری اور خیر پر چھوڑ دیتا ہوں جو اللہ نے ان کے دلوں میں قائم فرمادیا ہے'' ان مولفۃ القلوب کو بھی یہ مال لینا مکروہ ہے۔ تو اس شخص کا حکم بھی انہیں حاجتمندوں کے حکم کی طرح ہے''۔

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ مرضی مولی کے خلاف ایک جھوٹی بات کہہ رہا ہے کیوں کہ خواب میں نبی پاک کا دیدار کرنے والا

اس کے نزدیک منافق ہے کس نے اسے یہ خبر دی کہ ایسے شخص کا ایمان کمزور ہے، یا وہ رسول پاک ﷺ کے مقام ومرتبہ سے جاہل ہے، ان حضرات کا علمی پایہ تو ابن تیمیہ سے بدر جہا بلند و بالا ہے، کس نے اسے یہ بتایا کہ اس شخص کے دل میں نفاق ہے اور اس کا نفاق بہت بڑھا ہوا ہے یہ تمام خرافات ابن تیمیہ کے ایسے مفروضات ہیں جو حد درجہ قبیح ہیں۔ان مفروضات کا صرف ایک ہی مقصد ہے نبی پاک کی زیارت کی اہمیت گھٹانا۔

کیا آپ کو کچھ خبر ہے کہ ابن تیمیہ خواب میں نبی پاک کے دیدار پرانوار کی اہمیت کیوں گھٹا رہا ہے؟؟؟ دراصل اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی کتابوں، اور اس کے اصحاب کے کلام میں یہ کہیں نہیں ملتا کہ انہیں نبی ﷺ کا دیدار پرانوار نصیب ہوا، اسی طرح اگر کوئی انسان اس سے یہ پوچھے کہ کیا تمہیں نبی پاک کے دیدار کا شرف حاصل ہوا، تو اس کا وہی جواب ہوگا جو گزر چکا، اور اگر کوئی شخص اس سے یہ کہے کہ علما اور صالحین میں سے فلاں عالم اور فلاں صالح کو نبی پاک ﷺ کا شرف دیدار حاصل ہوا اسی لیے میں ان کی اتباع کرتا ہوں تو ابن تیمیہ کا یہ کھلم کھلا رد ہوگا۔

اب تک ابن تیمیہ کے کفش برداروں کا یہی طریقہ چلا آ رہا ہے، افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس سال (۱۴۲۳ھ میں) ۲۵ر رمضان المبارک کی شب میں بعض حضرات نبی پاک کی زیارت سے بہرہ ور ہوئے سرکار دو عالم ﷺ نے ۲۵ر رمضان المبارک کی شب میں ان حضرات کو یہ خبر بخشی کہ یہ شب قدر ہے، تو بعض جہلا نے (جنہیں پوست کے سوا کچھ نہیں معلوم، صرف بعض مسجدوں میں تدریس کرتے ہیں) یہ کہا اس کا کیا معنی ہے **"كويس علشان تجتهدى فى العبادة ولكن ده مش دليل"**.

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ بے فیض انسان شرف زیارت سے محروم ہے۔اگر خود یہی شخص شرف زیارت سے مشرف ہوتا تو اپنے اصحاب اور رفقا کو اس زیارت کی خبر دیتا، اور اگر اکثر صالحین سے دریافت کرتا تو وہ حضرات یہی جواب دیتے کہ یہ پچیسویں شب ہے یہ شخص عبداللہ بن عمر کی اس حدیث پاک سے غافل ہے جس میں یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ کے اصحاب نے خواب دیکھا کہ شب قدر اخیر کی سات راتوں میں ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''أري رُؤيـاكـم قـد تواطأت في السبع الأواخر فمن كان متحريها فليتحرها في السبع الأواخر'' (۱)

ترجمہ:۔''مجھے معلوم ہے کہ تم لوگوں کا خواب دیکھنا اخیر کی سات راتوں میں ایک دوسرے کے مطابق ہے۔تو جو شخص اس کو تلاش کرنا چاہے وہ اخیر کی سات راتوں میں تلاش کرے''۔

اگر مسلمانان اہل سنت کی کتابوں کا غائرانہ نظر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ واضح ہوگا کہ یہ حضرات خواب میں نبی پاک کی زیارت کرنے والوں سے بے پناہ خوش ہوتے ،اوران کی حد درجہ تعظیم وتوقیر کرتے ہیں،اوراسے زیارت کرنے والے کے اعلی مناقب میں شمار کرتے ہیں،اوراسے ان کے فضل وکمال اورزہدوورع کی دلیل جانتے ہیں اس لیے جو حضرات نبی پاک کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں خیار امت سے ہیں۔

بعض علما اس سے پناہ مانگتے تھے کہ خواب میں نبی پاک کا دیدار حاصل نہ ہو۔

میں پہلے ہی عرض کر چکا کہ ابن تیمیہ کا کوئی کفش بردار نبی پاک کے دیدار پر انوار کی تعظیم کرتا نظر نہیں آ تا اس لیے یہ لوگ شرف زیارت سے محروم ہیں شاذ ونادر ہی کوئی ان سے یہ سنے گا کہ میں نے نبی پاک کی زیارت کی ہے، یہ شخص یا تو ابن تیمیہ،اوراس کے حامیوں،اوراس کے نقوش راہ پر چلنے والوں کی فکر سے دور رفتہ ہے یاوالعیاذ باللہ تعالی آپ کی یہ زیارت خوف دلانے کی خاطر ہے بشارت وخوش خبری کے لیے نہیں۔

ان بے فیض لوگوں سے پوچھنے پر کوئی جواب نہیں ملتا،صرف یہ لوگ نبی پاک ﷺ کے دیدار پر جمال کی اہمیت گھٹاتے ہیں وبس۔

نبی پاک کا دیدار پر جمال عارفوں کے نزدیک تریاق کا درجہ رکھتا ہے خواہ یہ دیدار آپ کی ظاہری حیات طیبہ میں ہو یا رفیق اعلی کی طرف سفر فرمانے کے بعد۔نبی پاک کا یہ ارشاد ملاحظہ فرمائیں:

(۱) امام مسلم وغیرہ نے ابو ہریرہ سے تخریج کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''من أشـد أمتـي لي حبا ناس

---

(۱) حدیث(أری رؤیاکم)امام بخاری نے روایت کی(۲/۷۰۹)اورمسلم(۸۲۲)وغیرہ نے بھی مشکاۃ المصابیح ص ۱۸۱ باب لیلۃ القدر،ابوداودرمضان،ترمذی صوم،مؤطاامام مالک اعتکاف،مسندامام احمد۲/ص۸۹۶وغیرہ

یکونون بعدي، یود أحدهم لو رآني بأهله وماله'' ''میری امت میں سب سے زیادہ میری محبت انہیں ہوگی جو میرے بعد ہوں گے، ان میں سے بعض یہ خواہش وتمنا کریں گے کاش ان کے اہل ومال میں انہیں میرا دیدار حاصل ہوتا''۔(۱)

(۲) طبرانی نے سمرہ بن جندب سے تخریج کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''**إن أحدكم سیوشک أن یحب أن ینظر إلي نظرة بماله من أهل ومال**''، تم میں سے بعض لوگ عنقریب یہ پسند کریں گے کہ اپنے اہل ومال میں میرا دیدار کریں''۔(۲)

(۳) انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے تھے:''**قل لیلة تاتي علي إلا وأنا أری فیها خلیلي صلی اللّٰہ تعالی علیه وسلم، وأنس یقول ذالک وتدمع عیناه**'' میرے پاس بہت کم ایسی راتیں آتیں جن میں اپنے خلیل ﷺ کا شرف دیدار حاصل نہ ہوتا، حضرت انس یہ فرما کر اشک بار ہوجاتے۔(۳)

---

(۱) حدیث(أشدأمتي لي حُبًّا)امام احمد(۲/۴۱۷)،مسلم(۴/۲۱۷۸)،ابن حبان(۱۶/۲۱۴)،طبرانی نے اوسط(۷/۸۹) اورحاکم نے مستدرک میں(۴/۹۵)یہ حدیث تخریج کی۔

(۲) (سمرہ کی حدیث)طبرانی نے روایت کیا۔(۷/۲۶۸)اورھیثمی نے مجمع الزوائد(۹/۳۹)میں کہا:اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۳) (انس کی حدیث)احمد نے روایت کیا(۳/۲۱۶)اورھیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا:اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔

ثانیا: سنت مطہرہ

ہم سب سے پہلے یہ واضح کر دیں کہ اس باب میں تین طرح کی حدیثیں وارد ہیں:

(۱) عام قبروں کی زیارت۔

(۲) خاص نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت۔

(۳) نبی پاک نے انبیا کی قبروں کی زیارت فرمائی، اوران کی قبروں کی معرفت کا شوق دلایا۔ میرے علم میں اس نقطہ پر کوئی متنبہ نہ ہوا۔

(۱) قبروں کی زیارت کی ترغیب

اس مضمون کی حدیثیں موضوع بحث نہیں، ابن تیمیہ ان حدیثوں کو مانتا ہے، اوراس بات کو بھی مانتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شہدائے احد، وبقیع کی زیارت کی ترغیب دلائی، اور نبی پاک نے خود اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت فرمائی۔

ابن تیمیہ نے اپنے مجموع الفتاوی (۲۳۳/۲۷) میں کہا:

''اورانہیں میں سے یہ گمان بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت، دوسری قبروں کی زیارت معہودہ کی طرح ہے یہاں تک کہ بقیع وشہدائے احداور آپ کی والدہ ماجدہ کی زیارت قبر سے اس پر استدلال کیا جاتا ہے''۔

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ سے ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ وہ ان نصوص کو پیش کرے جن میں روضۂ اقدس کی زیارت کی نفی مذکور ہے اس لیے کہ یہ معاملہ ظاہر وباہر ہے۔

کیا نبی ﷺ نے یہ فرمایا: میری قبر کے علاوہ دوسری قبروں کی زیارت کرو؟

ابن تیمیہ کے استدلال کی بنیاد نبی ﷺ کا یہ ارشاد ہے:

''لاتتخذو اقبري عيدا'' ترجمہ:۔''میری قبر کو عید نہ بناؤ''

اس حدیث کا معنی بچوں کو بھی معلوم ہے کہ میری قبر کو عید میں ہونے والے کھیل کود کی طرح نہ بناؤ۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں (۲/۸۰۰) نبیشہ ھذلی سے تخریج کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:'' أيام التشريق أيام أكل وشرب''۔''ایام تشریق کھانے اور پینے کے دن ہیں''۔

اور صحیح مسلم میں (۲/۶۰۷،۶۰۸،۶۰۹) یہ بھی ہے:''اس باب کے اندر ایام عید کے اس کھیل کی رخصت کا بیان ہے جس میں کوئی معصیت اور گناہ نہیں ہشام نے اپنے والد، انھوں نے عائشہ سے روایت کیا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے فرمایا: میرے پاس ابوبکر آئے انصار کی دو کنیزیں میرے پاس وہ گیت گا رہی تھیں جو انصار نے بغاث کے دن خوشی میں پڑھے تھے، ابوبکر نے یہ دیکھ کر فرمایا: کیا رسول اللہ ﷺ کے گھر میں شیطان کے مزامیر ہیں (یہ عید کے دن کا واقعہ ہے) اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''یاأبابکر إن لكل قوم عيدا وهذا عيدنا'' (اے ابوبکر! بے شک ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے)۔

اور امام مسلم نے عروہ سے یہ بھی تخریج کیا کہ سیدہ عائشہ نے فرمایا: حضرت ابوبکر آپ کے پاس آئے ایام منی میں آپ کے پاس دو کنیزیں گا رہی تھیں، اور دف بجا رہی تھیں، رسول اللہ ﷺ اپنی چادر اقدس اوڑھے ہوئے محو استراحت تھے ابوبکر نے اس پر ان دونوں کنیزوں کو ڈانٹا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا چہرہ زیبا کھول کر فرمایا: ''دعهمایاأبابکر فإنهاأيام عيد'' اے ابوبکر! انہیں گانے دو کیوں کہ یہ عید کے دن ہیں''۔

اور یہ بھی تخریج کیا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ مجھے اپنی چادر اطہر میں چھپائے ہوئے ہیں، میں ابھی کمسن بچی تھی اہل حبشہ کو کھیلتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ تو آپ لوگ بھی نوعمر عرب بچیوں کی قدر و عزت کریں۔

اور عروہ سے یہ بھی تخریج کیا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ تشریف لائے میرے پاس دو بچیاں بغاث کے گیت گا رہی تھیں سرکار دوسری طرف رخ زیبا فرما کر محو استراحت ہو گئے اتنے میں ابوبکر آئے، اور مجھے ڈانٹا اور کہا: رسول اللہ ﷺ کے پاس شیطان کے گیت؟ تو رسول اللہ ﷺ نے میرے

والد کی طرف رخ اقدس فرما کر ارشاد فرمایا انہیں گانے دیں۔ جب آپ غافل ہوئے تو میں نے ان دونوں بچیوں کو جانے کا اشارہ کیا۔ اور عید کے دن سوڈان کے لوگ ڈھالوں اور چھوٹے نیزوں سے کھیل رہے تھے، تو یا تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، یا آپ نے خود از راہ کرم وشفقت ومحبت فرمایا: دیکھنا چاہتی ہیں؟ میں نے عرض کیا جی حضور، آپ نے مجھے اپنے پیچھے فرمالیا میرا رخسار آپ کے رخسار پرانوار کے پاس تھا اور آپ فرمارہے تھے اے بنی ارفدہ! لو یہاں تک کہ جب میں اکتا گئی تو آپ نے فرمایا: بس ہو گیا، میں نے عرض کی جی ہاں آپ نے فرمایا ٹھیک ہے جائیں۔

سید الخلق ﷺ کے کلام کا معنی خوب واضح ہے کہ عید سے مراد یہی عید اور اس میں ہونے والے کھیل وکود اور اس دن کے خورد ونوش مراد ہیں، اور ظاہر ہے کہ یہ ساری چیزیں اس ذات پاک کی بارگاہ میں صحیح ودرست نہیں جو رفیق اعلی کے قرب خاص میں جلوہ آرا ہیں، اور جن کے سر اقدس پر مقام محمود کا تاج رفعت ہے۔

بعض صالحین نے حضور کے ارشاد: ''**لاتجعلو اقبري عيدا**'' (میری قبر کو عید نہ بناؤ) کے بارے میں فرمایا: کہ اس کا معنی یہ ہے کہ سال میں عید دو بار آتی ہے، تو اس سے زیادہ کرنے سے بچو۔

یہ حقیقت واضح ہو چکی کہ عید کا کیا معنی ہے اور عید میں کیا ہوتا ہے۔

اس مقام پر کوئی یہ استدلال کر سکتا ہے کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا: ''**اللهم لاتجعل قبري وثنا يعبد**''۔ اے اللہ! تو میری قبر کو بت نہ بنا جس کی عبادت و پوجا ہو' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حقائق سے صرف نظر کرنا ہے کیوں کہ اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ انبیائے کرام کی دعا مستجاب ومقبول ہے اور اس پر رسول اللہ ﷺ کا ارشاد بھی نص جلی ہے یہاں تک کہ ابن تیمیہ کو بھی اس سے مفر اور انکار نہیں کہ انبیا کی دعا مقبول ومستجاب ہے تو بہر حال روضۂ اقدس کی زیارت میں یہ خوف وخدشہ نہ رہا۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں (۲۱۶۶/۴) جابر سے روایت کیا آپ نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا: ''**إن الشيطان قد يئس أن يعبده المصلون في جزيرة العرب، ولكن في التحريش بينهم**''۔ ''بے شک شیطان اس بات سے ناامید ہو چکا ہے کہ جزیرہ عرب میں نمازی اس کی عبادت کریں، لیکن ایک دوسرے کے خلاف برانگیختہ کرنے

میں لگا رہے گا''۔

سب سے اہم چیز یہ ہے کہ قبروں کی زیارت کا حکم آیا ہوا ہے جیسا کہ احوال آخرت کی یاد تازہ کرنے کے لیے اس کا حکم دیا گیا اسی طرح مردوں کی محبت اور ان کے ساتھ نیکی و بھلائی اور کار خیر وغیرہ کا حکم ہے اور نبی پاک ﷺ نیکی و بھلائی اور امر خیر کے زیادہ لائق ہیں آپ کی شان رفیع میں اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿النَّبِيُّ أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ﴾ [الاحزاب-۶:۳۳]

ترجمہ:۔''یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے''۔

ابن تیمیہ کے کفش بردار ہرگز یہ نہیں چاہتے کہ رسول اللہ ﷺ ان کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے مالک رہیں، اس لیے انہیں اسی کو موضوع بحث بنانا چاہئے جو ان کی جانوں سے بھی زیادہ ان کا مالک ہو، اور جس کی اطاعت کرنے پر دنیا و آخرت کی سعادتوں کے مالک کی بارگاہ میں نقصانات سے دوچار ہونا پڑے۔

۲۔ نبی پاک ﷺ کی زیارت کے باب میں خاص صفت کے ساتھ حدیثیں وارد ہیں:

دارقطنی نے اپنی سنن (۲/۲۷۸)، اور بیہقی نے شعب الایمان (۳/۴۹۰) میں اور ان کے علاوہ دوسرے محدثین نے تخریج کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''من زار قبري وجبت له شفاعتي'' (ترجمہ:۔''جس نے میری قبر کی زیارت کی اس پر میری شفاعت واجب ہوگئ'')

حافظ ابن حجر نے **تلخیص الجبیر** (۲/۲۶۷) میں فرمایا: **فائدہ**: اس حدیث کے تمام طرق ضعیف ہیں لیکن ابو علی بن سکن نے ابن عمر کی مروی حدیث کو صحیح قرار دیا انھوں نے اپنی سنن صحاح میں اس کو ذکر کیا، اور عبد الحق نے **الأحكام في سكوته** میں، اور تقی الدین سبکی نے مجموع طرق کے اعتبار سے اس حدیث کو صحیح قرار دیا۔

اور اس باب کی صحیح ترین حدیث وہ ہے جسے امام احمد اور ابوداود نے بطریق صخر بن حمید بن زیاد، یزید بن عبداللہ بن قسیط سے روایت کیا کہ ابو ہریرہ نے مرفوعا روایت کیا''**ما من أحد يسلم علي إلا رد الله علي روحي حتى أرد عليه السلام**''. ''جو شخص مجھ سے سلام کرتا ہے اللہ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے تاکہ میں اس

کے سلام کا جواب دوں''۔امام بیہقی نے اس حدیث سے باب شروع کیا۔اور عجلونی نے کشف الخفاء(۳۲۸/۲، ۳۲۹)میں کہا:

''ابوالشیخ اور ابن ابوالدنیا وغیرہما نے ابن عمر سے اس حدیث کو روایت کیا،اور یہ حدیث صحیح ابن خزیمہ میں ہے،انھوں نے اس کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کیا،اور ابوالشیخ ،اور طبرانی،اور ابن عدی،اور دارقطنی ،اور بیہقی نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا:

''فكأنما من زار قبري بعد موتي زارني في حياتي''

ترجمہ:۔''جس نے میری رحلت کے بعد میری قبر کی زیارت کی وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے میری حیات میں میری زیارت کی''۔

امام بیہقی نے اس حدیث کو ضعیف کہا۔ذہبی نے اس حدیث کے طرق پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:اس کے تمام طرق لیّن ہیں لیکن بعض روایتوں کو بعض روایات سے قوت حاصل ہوتی ہے اس لیے کہ اس کے راویوں میں کوئی راوی متہم بالکذب نہیں۔

ذہبی نے کہا:سب سے عمدہ اسناد حاطب کی حدیث ہے جسے ابن عساکر وغیرہ نے اس طرح تخریج کیا:

''من زارني بعدموتي فكأنما زارني في حياتي''

ترجمہ:۔''جس نے میرے وصال کے بعد میری زیارت کی گویا اس نے میری حیات میں میری زیارت کی''۔

اور طیالسی نے عمر سے مرفوعا روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''من زارقبري كنت له شفيعا''.

ترجمہ:۔''جس نے میری قبر کی زیارت کی میں اس کا شفیع ہوں گا''۔

اور حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

''من زارني أومن زارقبري إلى المدينة كنت له شفيعاوشهيدا''

ترجمہ:۔''جس نے مدینہ منورہ آکر میری یا میری قبر کی زیارت کی میں اس کا شفیع اور شاہد رہوں گا''۔

اور بیہقی نے انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا:

''من زارني في المدينة محتسبا كنت له كلاهما وشفيعا يوم القيامة''.

ترجمہ:۔جس نے اجر وثواب کی نیت سے مدینہ منورہ میں میری زیارت کی میں اس کے لیے دونوں،(شفیع وشہید)اور قیامت میں شفیع ہوں گا۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ زیارت کی صحیح یا حسن حدیثیں جو تقریبا دس طرق سے مروی ہیں علامہ ابن حجر کے قول کے مطابق ابن موطا نے ان تمام طرق کے لحاظ سے انہیں صحیح کہا اور اپنے سنن صحاح میں انہیں جگہ دی اور عبدالحق نے ''الأحكام في سكوته'' میں اور تقی الدین سبکی نے بھی ان طرق کے لحاظ سے انہیں صحیح کہا۔

جب یہ روشن ہو گیا کہ یہ حدیثیں صحیح ہیں تو حضور اور آپ کے روضۂ اقدس کی زیارت کرنے والا کس قدر خوش نصیب ہے، اور آپ کی زیارت کی سعادت سے محروم انسان کس قدر محروم ونامراد ہے، اور اگر یہ حدیثیں ضعیف بھی ہوں تو شہدائے احد اور بقیع کی زیارت کی حدیث کتب احادیث میں وارد ہے جو درجہ صحت کو پہنچی ہوئی ہے اور ہم یہ ذکر کر چکے کہ نبی پاک ﷺ سب سے زیادہ زیارت کے لائق ہیں۔

اس لیے آپ کے روضۂ اطہر کی زیارت اس لیے نہ کرنا کہ بعض علما نے احادیث زیارت کو ضعیف کہا یہ محض بعض شیطانوں کا مکر وفریب ہے اس لیے کہ زیارت کا حکم احادیث صحیحہ سے ثابت شدہ ہے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے اور عنقریب مزید ذکر کریں گے۔

(۳) نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی زیارت کی حدیثیں:

حضور اقدس سید عالم ﷺ انبیائے کرام کی قبروں کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے، اور اپنی امت کو اس کی ترغیب بھی فرماتے کہ انبیائے کرام کی قبریں پہچانیں اس نقطہ پر تنبیہ کرنے والا مجھے کوئی نہ ملا۔

(۱) نبی پاک ﷺ اور جبریل امین نے اللہ عزوجل کے حکم سے سفر معراج فرمایا یہاں تک کہ نبی پاک نے

اللہ کے نبی موسی علیہ السلام کی قبر کی زیارت فرمائی۔

صحیح مسلم (۱۸۴۵/۴) میں ثابت بنانی اور سلیمان تیمی نے انس بن مالک سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس رات مجھے سرخ تودۂ ریگ کے پاس سیر کرائی گئی میں موسی علیہ السلام کے پاس آیا (اور ہداب کی روایت میں ہے کہ ''گزرا'') آپ اپنی قبر میں کھڑے ہوکر نماز ادا فرمارہے تھے۔

میں کہتا ہوں:

اس حدیث سے دو چیزیں کھل کر سامنے آتی ہیں:

۱۔ انبیائے کرام علیہم السلام زندہ[1] ہیں، اور اپنی قبروں میں ذکر و نماز و عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔

۲۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ کے نبی موسی علیہ السلام کی قبر کی زیارت فرمائی، آپ کو کھڑے ہوکر نماز پڑھتے پایا، ورنہ (اگر آپ نے زیارت نہ فرمائی) کیوں موسی علیہ السلام کے پاس سے آپ گزرے؟

اس کی دلیل وہ حدیث پاک ہے جسے امام بخاری (۴۴۹) اور مسلم (۱۸۴۲/۴) وغیرہما نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے تخریج کیا کہ آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے ملک الموت کو موسی علیہما السلام کے پاس (قبض روح کے لیے) بھیجا، جب ملک الموت آپ کے پاس آئے تو آپ نے انہیں ایسا طمانچہ مارا کہ ملک الموت کی آنکھ پھوٹ گئی وہ اپنے رب کی بارگاہ میں واپس گئے اور عرض کیا: تونے ایسے بندے کے پاس بھیجا تھا جو موت نہیں چاہتے اب اللہ تعالی نے پھر ان کی آنکھ درست فرمادی اور فرمایا پھر جاکر عرض کرو کہ اپنا ہاتھ بیل کی پشت پر رکھیں ان کے ہاتھ میں جتنے بال آئیں گے ہر بال کے عوض ایک سال زندگی ملے گی حضرت موسی نے عرض کیا اے رب

(۱) فقیہ اسلام مجدد اعظم سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں۔

تو زندہ ہے واللہ، تو زندہ ہے واللہ
مرے چشم عالم سے چھپ جانے والے

حیات انبیا کے متعلق علماے محدثین نے کامل تحقیق فرمائی گزشتہ سطور میں اس کی تحقیق گزر چکی۔ (مترجم)

اس کے بعد پھر کیا ہوگا؟ فرمایا موت، تو عرض کیا ایسا ہے تو ابھی، اور اللہ سے سوال کیا ایک پتھر پھینکنے بھر ارض مقدس سے انہیں قریب فرمادے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**فلو كنت عنده لأريتكم قبره إلى جانب الطريق عند الكثيب الأحمر**". "اگر میں وہاں ہوتا تو ان کا مزار راستے کے کنارے سرخ ریت کے ٹیلہ کے پاس تم کو دکھاتا"۔

میں کہتا ہوں:

اس حدیث سے یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام کی قبر کی معرفت کا کوئی فائدہ نہیں تو رسول اللہ ﷺ یہ نہ فرماتے: "اگر میں وہاں ہوتا تو ان کا مزار راستے کے کنارے سرخ ریت کے ٹیلہ کے پاس تم کو دکھاتا" نبی پاک ﷺ اپنی امت کو صرف وہی چیز بتاتے ہیں جس میں اس کی بھلائی اور اس کا رشد و صلاح مضمر ہو۔

نبی پاک ﷺ کے اس ارشاد: "میں ضرور تم کو ان کا مزار دکھاتا" میں اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ اس کا سبب زیارت ہی ہے، اور آپ کے ارشاد کا معنی مراد یہ ہے کہ میں ضرور تمہیں ان کی قبر کی زیارت کراتا اور ضرور تم ان کے مزار کی زیارت کا شرف حاصل کرتے۔ ورنہ اس ارشاد مذکور کا کیا معنی ہے، غور کرنے کی ضرورت ہے۔

(۲) ابویعلی اور ابن عساکر نے باسناد صحیح سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے تخریج کیا آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا: "قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں ابوالقاسم کی جان ہے عیسیٰ ابن مریم امام مقسط، اور حاکم عادل بن کر اتریں گے، صلیب توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے، اور اصلاح ذات البین فرمائیں گے اور بغض و کینہ و عداوت کا خاتمہ فرمائیں گے، مال پیش کیا جائے گا تو اسے قبول کرنے والا کوئی نہ ہوگا، پھر اگر وہ میری قبر کے پاس کھڑے ہو کر مجھے "یا محمد" کہہ کر پکارتے، میں انہیں ضرور جواب دیتا، اور ایک روایت میں ہے، میں انہیں ضرور ضرور جواب دوں گا۔[1]

(۱) حدیث (لينزلن عيسىٰ بن مريم) ابویعلی (۴۶۲/۱۱) نے باسناد صحیح تخریج کی اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۴۹۳/۴۷، ۴۹۴، ۴۹۶) میں تخریج کیا اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۲۱۱/۸) میں اس کو صحیح کہا اور کہا: میں کہتا ہوں: "یہ حدیث صحیح میں اختصار کے ساتھ مروی ہے ابویعلی نے اسے روایت کیا اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ الخ

میں کہتا ہوں:

نبی پاک ﷺ نے یہ نہ فرمایا کہ: اگر وہ مجھ سے سلام کرتے تو میں ضرور ان کے سلام کا جواب دیتا، حضور اقدس کے اس ارشاد کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام نبی پاک سے سوال کریں گے، اور آپ اپنی قبر میں جلوہ نشیں ہو کر آپ کے سوال کا جواب دیں گے۔

ابن منظور نے **لسان العرب** (۲۸۳/۱) میں کہا:

''**الإجابة**'' کا معنی کلام کا جواب دینا ہے یوں کہا جاتا ہے: **أجابه عن سؤاله وقد أجابه إجابة وإجابا وجوابا وجابة، واستجوبه واستجابه واستجاب له** ۔ان سب کا معنی یہی ہے کہ کسی سوال کا جواب دینا، اور اس کی دعوت پر لبیک کہنا، اور دعوت قبول کرنا۔

اور **مختار الصحاح** (۴۹/۱) میں ہے: **ج و ب**

اور **المصباح المنير** (۱۱۳/۱) میں ہے: جواب، طلب کے بعد ہی ہوتا ہے اور ''**أجابه**، اور **أجاب قوله** اور **استجاب لهٗ**'' اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کو کسی چیز کی طرف دعوت دے تو وہ اس کی اطاعت کرے اور اس کی دعوت قبول کرے، اور **أجاب اللّٰه دعاء ه** کا معنی یہ ہے کہ اللہ نے اس کی دعا قبول فرمالی اور **استجاب له** کا بھی یہی معنی ہے۔

اور **التوقيف على مهمات التعريف** (۳۴/۱) میں ہے:

الإجابة موافقة الدعوة فيماطلب بها لوقوعها على تلك الصفة ۔کہ ''**الإجابة**'' کا معنی دعوت سے جو چیز مطلوب ومقصود ہے اس میں (دعوت کی) موافقت کرنا اس لیے کہ دعوت کی موافقت اسی طریقہ پر ہوگی۔

بعض لوگوں نے علما سے سوال کیا کہ عیسیٰ بن مریم آخری زمانہ میں اترنے کے بعد کتاب وسنت کے موافق فیصلہ کریں گے لوگ آپ سے قرآن کے احکام پوچھیں گے تو آپ ان احکام کے بارے میں کیا کریں گے جو نبی پاک ﷺ کی خاص سنت ہیں؟

اس سوال کے جواب میں انھوں نے فرمایا: آپ حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوکر آپ سے سوال کریں گے اور ائمہ اربعہ ابوحنیفہ اور مالک وشافعی واحمد میں سے کسی امام کے قول پر عمل نہ کریں گے۔

میں کہتا ہوں: گزشتہ حدیث سے بھی یہی انکشاف ہوتا ہے۔

یہ ذہن نشیں کر لینے کے بعد ابن تیمیہ کے اس قول کا رد آشکارا ہو جاتا ہے جو اس نے اپنے فتاوی کبری (۶/۲) میں کہا: ''جب مقصد سفر نبی کی قبر کی زیارت ہو، نہ کہ آپ کی مسجد میں نماز ادا کرنا تو اس مسئلہ میں اختلاف ہے، ائمہ اور اکثر علما اس پر ہیں کہ یہ نہ مشروع ہے نہ اس کا حکم دیا گیا ہے''۔

میں کہتا ہوں:

(۱) ابن تیمیہ کے کفش برداروں کو میرا چیلنج ہے کہ وہ ائمہ اربعہ ابوحنیفہ یا مالک، یا شافعی، یا احمد میں سے کسی امام سے ایسی نص لائیں جس میں ان حضرات میں سے کسی نے وہ کہا جو ابن تیمیہ کی زبان سے نکل رہا ہے۔

(۲) سید الخلق ﷺ نے کلیم اللہ موسی علیہ الصلاۃ والسلام کی زیارت فرمائی اور وہاں نماز ادا نہ فرمائی۔

(۳) کیا آپ کے اعتقاد میں کوئی ایسا فقہی مسئلہ ہے جس میں یہ تصریح ہو کہ اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کی زیارت کرے پھر اذان سنے تو وہ نماز نہ پڑھے، اور یہ کہے کہ میں صرف زیارت کی غرض سے آیا ہوں؟ یہ ائمہ اور اکثر علما کون ہیں جن کا ابن تیمیہ حوالہ دے رہا ہے؟

ثالثاً: اجماع

قاضی عیاض نے شفاء (۶۸/۲، ۶۹) میں فرمایا:

''حضور اقدس سید عالم ﷺ کے روضہ اطہر کی زیارت تمام مسلمانوں کی ایسی سنت ہے جس پر ان سب کا اجماع ہے، اور یہ ایسی فضیلت ہے جس کی ترغیب وارد ہے''۔

اور ابن ھبیرہ حنبلی (۴۹۹-۵۶۰ھ) نے اپنی کتاب اتفاق الائمہ میں فرمایا:

الفقه على مذاهب الأئمة الأربعة کے نام سے ایک کتاب مطبع دار الحرمین سے طبع ہوئی یہ کتاب ''**الإفصاح عن معاني الصحاح**'' کا ایک جز ہے اس کتاب میں اس بات کا التزام کیا گیا ہے کہ ائمہ اربعہ ابوحنیفہ و مالک وشافعی واحمد کے اقوال ذکر کیے جائیں، اور ان کے اصحاب یا ان سے نسبت رکھنے والوں کے اقوال ذکر نہ کیے جائیں۔ ہاں اشارۃ ذکر آ سکتا ہے۔

اس کتاب (۳۳۷/۱-۳۳۸) میں یہ ہے کہ: اس بارے میں علما کا اختلاف ہے کہ حرمین (حرم مکہ اور حرم مدینہ منورہ) میں سے کون افضل ہے؟ امام مالک اور امام احمد نے اپنی ایک روایت میں فرمایا: مدینہ منورہ افضل ہے، اور امام ابوحنیفہ وشافعی اور احمد نے (دوسری روایت میں) فرمایا کہ: مکہ افضل ہے، لیکن آپ کے جسد اقدس سے متصل حصۂ زمین بلا کسی اختلاف ساری زمین سے اشرف وافضل ہے۔

پھر اسی کتاب (۳۳۹/۱) میں یہ بھی ہے:

اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مصطفیٰ ﷺ اور آپ کے جوار اقدس میں آرام فرما آپ کے صاحبین ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبر کی زیارت مستحب اور مندوب ومرغوب ہے۔

شوکانی نے نیل الاوطار (۱۸۱/۵) میں کہا:

حضور اقدس ﷺ کی قبر اطہر کی زیارت سنن واجبہ سے ہے ایسا ہی عبد الحق نے کہا۔ جو لوگ اس زیارت کو مشروع کہتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ دور دراز مقامات سے مختلف مذاہب کے لوگ

حج کے ارادہ سے آتے ہیں ان حجاج کا ہمیشہ سے یہ طریقہ رہا کہ مدینہ مشرفہ روضۂ اطہر کی زیارت کے ارادہ سے حاضر ہوتے ہیں، اور ایسا ہمیشہ ہر زمانہ میں ہوتا رہا۔ یہ لوگ اسے افضل عمل شمار کرتے ہیں اور کہیں یہ منقول نہیں کہ کسی نے ان حجاج وزائرین کی اس زیارت پر نکیر فرمائی جس سے صاف واضح ہے کہ اس کے جواز واستحباب پر تمام حضرات کا اجماع ہے۔

زیارت روضۂ اقدس سے متعلق علماء وائمہ کے چند اقوال

قتادہ سے صحیحا مروی ہے کہ عمر بن خطاب نے کعب سے فرمایا: مدینہ منورہ کیوں نہیں جاتے وہاں رسول اللہ ﷺ کا دارالہجرت، اور آپ کا روضۂ اطہر ہے۔ کعب نے فرمایا: میں نے اللہ کی نازل فرمودہ کتاب میں پایا کہ شام اللہ عزوجل کی زمین کا خزانہ ہے، اور وہاں اس کی خلق (بندوں) کا خزانہ ہے[(۱)]

اس سے صاف ظاہر ہے کہ عمر بن خطاب اور قتادہ کا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت کے لیے سفر کرنا مشروع ہے۔

ہم آئندہ سطور میں ابن تیمیہ کے رد میں ایسے آثار پیش کریں گے جن سے واضح ہوگا کہ کم از کم آٹھ صحابہ کرام نے رسول پاک کے روضۂ اقدس کی زیارت کی۔

---

(۱) معمر بن راشد نے اپنی جامع (۲۵۱/۱۱) میں کعب سے حضرت عمر کے اس ارشاد کی تخریج کی انھوں نے کہا ہم کو عبدالرزاق نے معمر سے خبر دی کہ قتادہ نے فرمایا، اور بغوی نے تفسیر (۲۵۱/۳) میں بطریق عبدالرزاق تخریج کیا، اور حافظ ابن عساکر نے بھی تاریخ دمشق (۱۲۱/۱) میں بطریق عبدالرزاق تخریج کیا اس اسناد کے تمام رجال ثقہ ہیں، مگر قتادہ کا عمر بن خطاب سے لقا ثابت نہیں جب کہ مدار روایت وہی ہیں لیکن اس واقعہ کے شواہد ہیں جو موصولا دو طریقوں سے مروی ہیں۔

۱۔ ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۱۲۱/۱) میں بسند حسن علقمہ بن وقاص لیثی کے طریق کی تخریج کی۔

۲۔ ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۱۲۱/۱) میں موسی بن طریف کے طریق کی تخریج کی لیکن موسی بن طریف ضعیف ہیں اور ان کا عمر سے لقا ثابت نہیں۔

بہر حال ان طرق کے سبب یہ روایت حسن لغیرہ کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے واللہ تعالی اعلم۔

طبری نے اپنی تفسیر (۴۶/۱۷) میں کہا: ابوقلابہ نے کہا: اور ہم سے یہ ذکر کیا گیا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا: اے کعب! کیوں مدینہ منورہ نہیں جاتے کیونکہ وہاں رسول اللہ ﷺ کا دارالہجرت، اور آپ کا روضۂ اقدس ہے۔ تو کعب نے آپ سے کہا: اے امیر المومنین! میں اللہ کی نازل فرمودہ کتاب میں یہ پاتا ہوں کہ شام اللہ کی زمین کا خزانہ ہے اور وہاں اس کے بندوں کا خزانہ ہے۔

روضۂ اطہر کی زیارت کے متعلق ارباب علم کے ارشادات:

شیخ الاسلام سبکی نے اپنی کتاب **شفاء السقام في زيارة خير الأنام**(۶۸، ۶۹، ۷۰) میں فرمایا:

''علما نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت مستحب ہے اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔''

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا: ''حضور اقدس سید عالم ﷺ کے تربت اطہر کی زیارت مسلمانوں کی ایسی سنت جاریہ ہے جس پر ان کا اجماع ہے، اور یہ ایسی فضیلت ہے جس کی ترغیب دی گئی ہے''۔

قاضی ابوالطیب نے فرمایا: ''**ويستحب أن يزور (يعني الحاج) النبي ﷺ بعد أن يحج ويعتمر**'' (ترجمہ:۔''حج وعمرہ کے بعد حجاج کے لیے مستحب یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ کے روضۂ پاک کی زیارت کریں'')۔

محاملی نے ''تجرید'' میں کہا: حاجی کے لیے مکہ سے فارغ ہونے کے بعد مستحب یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ کی زیارت کرے۔

ابوعبداللہ حسین بن حسن حلیمی نے اپنی کتاب ''**المنهاج في شعب الإيمان**'' میں نبی پاک کی تعظیم سے متعلق امور ذکر کر کے کہا:

''یہ تعظیم ان حضرات کے لیے ہے جنہیں حضور اقدس کی زیارت وصحبت کا شرف حاصل ہے، آج حضور کی تعظیم یہ ہے کہ آپ کی زیارت کی جائے''۔

میں کہتا ہوں: بیہقی کی **شعب الإيمان**(۲۰۳/۲) مطالعہ فرمائیں۔

ماوردی نے حاوی میں کہا: نبی پاک کے روضۂ اطہر کی زیارت مامور ومندوب ہے۔

اور ماوردی نے ''**الأحكام السلطانية**'' میں حاجیوں کی ولایت کے سلسلے میں ایک باب قائم کیا اور یہ کہا ولایت حج کی دو قسمیں ہیں (۱) حاجیوں کو لے کر چلنا (۲) حج کرانا (حج ادا کرنا)

پہلی قسم میں یہ شرط ہے کہ: متولی مطاع ،صاحب رائے اور دلیر و بہادر اور باہمت ہو،اس طرح سے اس ولایت میں دس چیزیں داخل ہیں۔آپ نے انہیں ذکر کر کے فرمایا: جب لوگوں کا حج مکمل ہو جائے تو انہیں اتنے دن مہلت دی جائے جتنے دن کی عادت قائم ہے، جب یہ لوگ واپس ہونے کا ارادہ کریں تو انہیں مدینۃ الرسول ﷺ کی راہ کا سفر کرایا جائے تا کہ یہ لوگ آپ کی عزت وحرمت کی رعایت،اور آپ کی اطاعت کے حقوق قائم رکھ کر حج بیت اللہ کی سعادت کے ساتھ رسول پاک ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت سے سرشار ہوں،اگر چہ یہ امور حج کے فرائض سے نہیں،مگر شریعت مطہرہ کے مندوبات،اور حاجیوں کی مستحسن عبادات سے ہیں۔

اور صاحب المہذب نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت مستحسن ہے۔اور قاضی حسین نے کہا: حج سے فارغ ہونے کے وقت مسنون یہ ہے کہ ملتزم کے پاس ٹھہر کر دعا کرے پھر زمزم شریف پئے، پھر مدینہ منورہ طیبہ آ کر نبی ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت کرے۔

اور رویانی نے کہا: حج سے فارغ ہونے کے وقت نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت مستحب ہے۔

جب یہ واضح ہو چکا کہ زیارت کے مندوب ومستحب ہونے پر تمام مسلمانان عالم اور علماے امت کا اجماع ہے تو پھر اس بارے میں اصحاب کے کلام کے تفحص کی چنداں ضرورت نہیں۔

اور حنفیہ نے کہا: نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت افضل مندوبات ومستحبات سے ہے بلکہ واجبات کے درجہ سے قریب ہے۔ابو منصور محمد بن مکرم کرمانی نے اپنے مناسک،اور عبداللہ بن محمود بن بلدحی نے ''المختار'' کی شرح میں اس کی تصریح فرمائی۔

فتاوی ابواللیث سمرقندی میں ''بـاب أداء الـحـج'' میں ہے کہ حسن بن زیاد نے کہا: امام ابوحنیفہ نے فرمایا: حاجی کے لیے سب سے بہتر یہ ہے کہ پہلے مکہ جائے،مناسک حج ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ جائے،اور اگر پہلے مدینہ منورہ گیا تو یہ بھی جائز ہے،روضۂ اطہر کے قریب آ کر آپ کے روضۂ اقدس اور قبلہ کے درمیان کھڑا ہو، پھر قبلہ رو ہو کر نبی پاک ﷺ اور ابو بکر وعمر رضی اللہ تعالی عنہما پر درود بھیجے اور آپ کے ان صاحبین پر سلام ورحمت بھیجے۔

اور ابوالعباس سروجی نے ''الغایۃ'' میں کہا: حج وعمرہ کرنے والے مکہ سے واپس ہوکر ''طیبہ'' مدینۃ الرسول ﷺ آئیں، وہاں آپ کی قبر اقدس کی زیارت کریں کیوں کہ یہ سب سے کامیاب ترین کوشش ہے۔

حنابلہ نے بھی یہی تصریح کی: ابوالخطاب محفوظ بن احمد بن حسن کلوذانی حنبلی نے ''الہدایۃ'' میں طریقۂ حج کے آخری باب میں کہا: حج سے فارغ ہونے کے وقت حاجی کے لیے مستحب یہ ہے کہ: نبی پاک ﷺ اور آپ کے صاحبین ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبر کی زیارت کرے۔

ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن حسین بن احمد بن قاسم بن ادریس سامری نے ''المستوعب'' میں کہا: ''رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت کا باب: جب مدینۃ الرسول ﷺ آنے کا ارادہ کرے تو مستحب یہ ہے کہ مدینہ منورہ طیبہ میں داخل ہونے کے لیے غسل کرے، پھر رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام کی مسجد میں داخل ہو، اور سب سے پہلے داہنا قدم رکھے، پھر روضۂ اطہر کی دیوار اقدس کے ایک گوشہ میں اس طرح کھڑا ہو کہ چہرہ روضۂ اقدس کی طرف، اور پیٹھ قبلہ کی طرف، اور منبر بائیں طرف رہے، اس کے بعد زائر در اقدس یوں عرض کرے اے اللہ! تو نے اپنی کتاب میں اپنے نبی کی شان میں یہ فرمایا:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوٓا أَنْفُسَهُمْ جَآءُوكَ﴾ [النساء-۴:۶۴]

ترجمہ:۔''اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں''۔

آپ نے سلام ودعا کا مکمل طریقہ ذکر کر کے فرمایا کہ یوں عرض کرے:

اور میں بخشش کا طالب ہو کر آیا ہوں تو میں تجھ سے عرض کرتا ہوں کہ میری بخش واجب فرما جیسا کہ آپ کی حیات طیبہ میں آپ کے پاس حاضر ہونے والوں کی بخشش تو نے واجب فرمائی اللھم إني أتوجه إليك بنبيّك ﷺ اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں تیرے نبی ﷺ کو وسیلہ لاتا ہوں، آپ نے طویل دعا ذکر کر کے فرمایا: جب مدینہ منورہ طیبہ سے نکلنے کا ارادہ کرے تو آپ کے روضۂ اطہر پر واپس آ کر اسے الوداع کہے۔

ابن تیمیہ جو حنابلہ کا ہم مذہب بنتا ہے شدید جھگڑالو اور معاند ہے وہ ان حنبلی مصنفین کی روشن تصریحات چشم انصاف اور قلب بینا سے دیکھے کہ یہ حضرات نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں حاضری اور اس کے آداب کی کیسی

صاف اور واضح تصریحیں فرمارہے ہیں۔ابو منصور کرمانی حنفی نے فرمایا: اگر کوئی شخص تمہیں بارگاہ رسالت میں عرض سلام کی وصیت کرے تو یوں سلام پیش کرنا: ''یارسول اللہ فلاں بن فلاں کی طرف سے آپ کی بارگاہ میں مودبانہ سلام پیش ہے، وہ آپ کو آپ کے رب کے حضور رحمت ومغفرت کا شفیع ٹھہراتا ہے، آپ اس کی شفاعت فرمائیں۔

ہم ان شاء اللہ تعالی اس کتاب میں اس عنوان کا ایک مستقل باب قائم کریں گے۔

نجم الدین بن حمدان حنبلی نے ''الرعایۃ الکبری''میں کہا: ''حج کے مناسک سے فارغ ہونے کے لیے مسنون یہ ہے کہ: نبی پاک ﷺ اور آپ کے صاحبین رضی اللہ تعالی عنہما کی قبر اقدس کی زیارت کرے حج سے فارغ ہونے کے بعد زیارت کرے، اور اگر چاہے تو حج سے پہلے زیارت کرے''۔

پھر شیخ الاسلام سبکی نے (ص:۸۷) کہا: ''ابن بطال نے شرح بخاری میں کہا: حضور نے ارشاد فرمایا: ''مابین بیتي ومنبري روضة من ریاض الجنة'' میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کا حصہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے'' آپ نے اس مقام پر دو مشہور قول بیان کرنے کے بعد کہا: اور دوسرے قول کے قائل نے اس طرح استدلال کیا کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ارتعوا في ریاض الجنة'' جنت کی کیاریوں میں آسودہ زندگی بسر کرو یعنی ذکر وعلم کے حلقہ میں مشغول رہو، اور کہا: اس کا معنی نبی پاک ﷺ کے روضۂ پاک کی زیارت، اور آپ کی مسجد میں نماز کی ادائیگی پر آمادہ کرنا ہے''۔

میں کہتا ہوں: قارئین کی ضیافت طبع کے لیے ائمہ مذاہب میں سے بعض ان جلیل الشان اور بلند پایہ علمائے کرام کے اقوال پیش خدمت ہیں جو ابن تیمیہ سے پہلے اور بعد کے بھی ہیں:

اولا: حنفیہ

امام اجل حافظ طحاوی (۳۲۱ھ) نے مختصر اختلاف العلماء (۱۴۱/۲-۱۴۲) میں فرمایا:

طواف حج کو کیا کہا جائے ؟ ہمارے اصحاب حنفیہ اور سفیان ثوری اور امام اوزاعی طواف زیارت کہتے تھے، اور امام مالک اسے عظیم مکروہ جانتے کہ کوئی یہ کہے کہ: ہم نے نبی ﷺ کے

روضۂ اقدس کی زیارت کی۔ سفیان ثوری نے روایت کیا مجھ سے محمد بن طارق نے ابن طاؤس اور ابوالزبیر سے بیان کیا، ان دونوں نے ابن عباس اور عائشہ سے یہ روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے رات تک طواف زیارت کو موخر رکھا تو یہ دوسری چیزوں کی بہ نسبت اولی ہے، اور امام مالک کے بارے میں جو یہ مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ: یہ کہنا مکروہ ہے کہ: ''ہم نے نبی ﷺ کے روضۂ پاک کی زیارت کی'' تو اس کا کوئی معنی نہیں اس لیے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها''.

(ترجمہ:۔ ''میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع فرمایا تھا تو اب ان کی زیارت کرو'')

علامہ علاءالدین حصکفی نے درمختار (۶۲۶/۲) میں فرمایا:

مکہ مدینہ منورہ سے افضل ہے، یہی راجح ہے مگر نبی پاک علیہ الصلاۃ والسلام کے اعضائے شریفہ سے پیوستہ حصہ زمین مطلقاً افضل ہے یہاں تک کہ کعبہ وعرش وکرسی [1] سے بھی افضل ہے، اور آپ کے روضۂ اقدس کی زیارت مندوب بلکہ ایک قول کے مطابق صاحب استطاعت پر واجب ہے۔

کمال ابن ہمام نے فتح القدیر (۱۷۹/۳، ۱۸۰، ۱۸۱) میں فرمایا:

تیسرا مقصد: نبی پاک ﷺ کی قبر کی زیارت کے بیان میں: ہمارے مشائخ کرام رحمہم اللہ تعالی نے فرمایا: آپ کے روضۂ پاک کی زیارت افضل مندوبات سے ہے۔ اور شرح المختار میں ہے کہ صاحب استطاعت پر

---

(۱) فقیہ فقید المثال امام اہل سنت مجدد اعظم سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے فرمایا:

معراج کا سماں ہے کہاں پہنچے زائرو
کرسی سے اونچی کرسی اسی پاک در کی ہے

(مترجم)

یہ زیارت اقدس واجب ہے۔ دار قطنی، اور بزار کی روایت میں ہے کہ نبی پاک علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا:

''من زار قبري وجبت له شفاعتي''.

ترجمہ: ''جس نے میری قبر کی زیارت کی اس پر میری شفاعت واجب ہوگئی''۔

ملا علی قاری حنفی نے اپنی شرح شفا میں فرمایا:

''ابن تیمیہ حنبلی نے حد درجہ تفریط وکوتاہی سے کام لیا اس لیے کہ اس نے نبی پاک ﷺ کی زیارت کے سفر کو حرام کہا جیسا کہ دوسروں نے افراط کر کے یہ کہا کہ: زیارت دین کی قربت معلومہ بدیہیہ ہے، اور اس کے منکر پر کفر کا حکم ہے، مجھے امید ہے کہ یہ دوسرا قول درستگی کے زیادہ قریب ہے، اس لیے کہ جس امر کے استحباب پر علما نے اجماع فرمایا اسے حرام ٹھہرانا کفر ہے، اس لیے کہ (اس باب میں) اس کا حکم متفق علیہ مباح کی تحریم سے بڑھکر ہے''۔

علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی نے فرمایا:

''مصنف رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے شرح شفاء میں نبی پاک ﷺ کے اس ارشاد پاک:

''لعن الله قوما اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد''

ترجمہ: ''اللہ ان لوگوں پر لعنت فرمائے جنھوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو مسجد بنا ڈالا''۔

کے بعد فرمایا:

''یہی وہ حدیث ہے جس کے سبب ابن تیمیہ اور اس کے پیروکار ابن قیم نے اپنے شنیع مقالہ کی طرف قوم کو دعوت دی، اور علما نے ان کے اس شنیع قول کے سبب ان کی تکفیر کی۔ اور علامہ سبکی نے تو اس باب میں مستقل کتاب تصنیف فرمائی۔ ابن تیمیہ کا قول شنیع یہ ہے کہ: نبی پاک ﷺ کی زیارت، اور آپ کی بارگاہ کا سفر ممنوع ہے حالاں کہ آپ کی شان اقدس اس کا عظیم مصداق اور حسین پیکر ہے جو کسی عاشق صادق نے کہا:

لمهبط الوحی حقاً ترحل النجب   وعند ذلک المرجی ينتهي الطلب

ترجمہ:۔مہبط وحی خاک پاک طیبہ کی طرف خوش رفتار اونٹنیاں رواں دواں ہیں۔
اور اسی امیدگاہ کے پاس طالب کی امید وطلب کو کمال حاصل ہوتا ہے۔
ابن تیمیہ اس وہم میں ہے کہ اس نے بے جا اور بیہودہ خرافات کے ذریعہ جانب توحید کی حمایت وحفاظت کی ہے۔اس نے تو ایسی شنیع بات کہی جو کوئی عاقل نہ کہے گا چہ جائے کہ فاضل کہے۔"

منقول از **شواهد الحق في الاستغاثة بسيد الخلق للنبهاني. (ص۱۸۵)**

علامہ طحطاوی نے اپنے حاشیہ **مراقی الفلاح** (۱/۴۸۶) میں کہا:

"یہ فصل نبی پاک ﷺ کی زیارت کے بیان میں ہے: علما نے فرمایا: اگر حج فرض ہے تو زیارت سے پہلے حج کرے، ورنہ اختیار ہے۔ اور زیارت کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ محض [1] حضور اقدس سید عالم ﷺ کی قبر کی زیارت کی نیت ہو، اور ایک قول یہ ہے کہ: مسجد کی زیارت کی بھی نیت کرے، اس لیے کہ یہ مسجد پاک ان تین مسجدوں میں سے ہے جن کی طرف سفر کرنے کا حکم دیا گیا، مصنف کے قول "حَرَّضَ" کا معنی ہے: کسی چیز پر آمدہ کرنا قاموس میں ہے: "**حرضه تحريضا حثه**" یعنی کسی کو کسی چیز پر آمادہ کرنا، جب "حرض" کا یہ معنی ہے تو ماتن کے قول "**وبالغ**" (مبالغہ کرے) کا عطف ایک امر مغایر کا عطف ہے مصنف نے فرمایا "**وبالغ في الندب إليها أي في طلبها**" کہ قصد زیارت میں مبالغہ کرے، وہ اس طرح کہ یہ یاد رکھے کہ ترک زیارت پر وعید، اور زیارت کرنے پر وعدۂ اجر ہے۔

ابن عابدین نے اپنے حاشیہ میں (۲/۶۲۷) میں فرمایا:

قوله: ولينو معه الخ، ابن ہمام نے فرمایا بندۂ ناتواں کے نزدیک اولی یہ ہے کہ محض حضور علیہ الصلاۃ

---

(۱) فقیہ فقید المثال، مجدد اعظم، شیخ الاسلام والمسلمین، آیۃ من آیات رب العالمین، معجزۃ من معجزات سید المرسلین، سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے فرمایا:

کعبہ کا نام تک نہ لیا طیبہ ہی کہا — اصل مراد حاضری اس پاک در کی ہے (مترجم)

والسلام کے روضۂ اقدس کی زیارت کی نیت کرے، پھر زائرکو روضۂ اقدس کی یہ اولی زیارت اس وقت حاصل ہوگی جب کہ پہلے مسجد شریف کی زیارت کرے، یا دوسری بار اللہ تعالی کا فضل طلب کرے۔ اور اس دوسری مرتبہ زیارت روضہ اقدس کی نیت کرے اس لیے کہ اس میں حضور اقدس کی زائد تکریم و تعظیم ہے اور حضور اقدس کے ارشاد "مـن جاء نی زائرا". "جو شخص میری زیارت کے لیے آئے" الحدیث کے بہ ظاہر موافق بھی ہے۔

ثانیا: مالکیه

ابن مواز (۱۸۰-۲۶۹ھ) نے (اپنی کتاب کے "کتاب الحج" کے اس باب میں جو خانہ کعبہ کے الوداع کے باب میں ہے "شفاء السقام في زيارة خير الأنام" (ص۸۱) سے نقل کرکے) ذکر کیا: اشہب نے کہا: امام مالک نے خانہ کعبہ کے الوداع ورخصت کے باب میں کہا: اللہ کی کتاب، اور اس کے رسول علیہ الصلاۃ والسلام کی سنت شریفہ میں خانہ کعبہ کے رخصت والوداع کا حکم معروف نہیں۔ صرف طواف خانۂ کعبہ کا حکم معروف ہے، میں نے امام مالک سے کہا: جس طواف کے ذریعہ خانہ کعبہ کو الوداع اور رخصت کیا جاتا ہے کیا آپ کی رائے میں یہ التزام ہے، آپ نے فرمایا: بلکہ طواف ہے، صرف عمر نے اس بارے میں یہ فرمایا: "سب سے آخری عبادت طواف کعبہ ہے" امام مالک سے کہا گیا: جو شخص التزام کرنا چاہے، تو کیا آپ کی رائے میں بوقت رخصت اس کے لیے التزام جائز ہے، فرمایا: نہیں، ہاں لیکن وہاں کھڑے ہو کر دعا کرے۔ آپ سے پوچھا گیا: اور نبی کریم ﷺ کے روضۂ اطہر کے پاس بھی ایسا ہی حکم ہے، فرمایا: ہاں۔

قاضی عیاض یحصبی نے اپنی کتاب: الشفاء (۶۸/۲-۶۹) میں فرمایا:

حضور اقدس ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت تمام مسلمانوں کی ایسی سنت ہے جس پر ان سب کا اجماع ہے اور یہ ایسی فضیلت ہے جس کی ترغیب فرمائی گئی ہے۔

امام مالک نے فرمایا کہ: یہ کہنا مکروہ ہے کہ: "ہم نے نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت کی" آپ کے اس ارشاد کا کیا معنی ہے اس میں اختلاف ہے: **ایک قول یہ ہے**: کہ اس کا زیارت نام رکھنا مکروہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: "لعن الله زوارات القبور" "قبروں کی زیارت کرنے والیوں پر اللہ کی

لعنت ہے'' مگراس قول کا رد یوں ہوجاتا ہے کہ حضوراقدس نے یہ بھی تو ارشاد فرمایا:''نهيتم عن زيارة القبور فزوروها'' ''تمہیں قبروں کی زیارت سے روکا گیا تھا، اب قبروں کی زیارت کرو''اور آپ نے خاص روضۂ اقدس کی زیارت کے متعلق یہ بھی فرمایا:''من زار قبري'' (ترجمہ:۔''جو میری قبر کی زیارت کرنے آئے'') توخود حضوراقدس نے اس پر اسم زیارت کا اطلاق فرمایا۔

اور ایک قول یہ ہے کہ: ایسا کہنا اس لیے مکروہ ہے کہ یہ کہا جاتا ہے کہ'' زیارت کرنے والا اس سے افضل ہوتا ہے جس کی زیارت کی جائے'' مگر یہ بھی معقول وجہ نہیں اس لیے کہ ہر زائر کا حال ایسا نہیں۔اس لیے یہ ہر زائر کو عام بھی نہیں۔علاوہ ازیں حدیث میں اہل جنت کے متعلق وارد ہے کہ وہ اپنے رب کا دیدار اوراس کی زیارت کریں گے''اور اللہ تعالی کے حق میں ایسا کہنا ممنوع نہیں۔

اور ابوعمران رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ: امام مالک نے طواف زیارت،اور زیارت روضۂ اقدس ﷺ کہنا اس لیے مکروہ فرمایا کہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے لیے یہ کلمہ استعمال کرتے رہتے ہیں اور آپ کو یہ پسند نہیں کہ حضوراقدس کی زیارت کے لیے وہی کلمہ زیارت استعمال کیا جائے جو عام انسانوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔آپ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ یہ ہے کہ آپ کی شان اقدس میں مخصوص کلمہ استعمال کیا جائے، مثلا یوں کہا جائے کہ: ہم نے نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں سلام پیش کیا،اور زیارت تو لوگوں کے درمیان مباح ہے، اور حضوراقدس ﷺ کے روضۂ اقدس کا سفر کرنا واجب ہے،اس مقام پر وجوب سے آپ کی مراد وجوب بمعنی فرض نہیں، بلکہ اس کا معنی وجوب ندب اور ترغیب وتاکید ہے۔

امام قرطبی نے اپنی تفسیر (۱۰/۱۹۸) میں فرمایا:

اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

''واتيناه في الدنيا حسنة''(النحل ۱۲۲،پ۱۴)

ترجمہ:۔''''ہم نے دنیا میں اسے بھلائی بخشی''۔

ایک قول یہ ہے کہ: ''حسنہ'' سے مراد پاکیزہ اولاد ہے۔اور **ایک قول** یہ ہے کہ: عمدہ تعریف

اور ذکر خیر مراد ہے۔اور ایک قول یہ ہے کہ نبوت مراد ہے۔اور ایک قول ہے کہ ''صلاۃ''(درود) مراد ہے جب کہ تشہد میں محمد علیہ الصلاۃ والسلام پر درود بھیجا جائے۔اور ایک قول یہ ہے کہ ہر دین دار آپ کو محبوب ودوست رکھتا ہے ۔اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے آپ کی ضیافت، اور آپ کے روضۂ اطہر کی زیارت کا باقی رہنا مراد ہے۔اور اللہ عزوجل نے حضور اقدس ﷺ کو یہ تمام فضائل وکمالات بلکہ اس سے بھی زیادہ عطا فرمائے''۔

ابوالولید محمد بن رشد مالکی نے شرح عینیہ مسمی بہ کتاب ''**البیان والتحصیل**''**في كتاب الجامع**، میں **شفاء السقام في زيارة خير الأنام**(ص:۲-۷۳-۷) سے نقل کرکے فرمایا:

''نبی ﷺ کے روضۂ اطہر سے گذرنے والے شخص کے سلام کا بیان: نبی پاک کے روضۂ اقدس سے گذرنے والے کے متعلق امام مالک سے پوچھا گیا کیا آپ کے نزدیک جب جب گذرے سلام پیش کرے؟ فرمایا: ہاں، میری رائے یہ ہے کہ آپ کے روضۂ کے پاس سے جب بھی گذرے سلام پیش کرنا لازم ہے۔اور لوگ اس سے بھی زیادہ کرتے ہیں، ہاں جب آپ کے پاس سے نہ گذرے تو میری رائے یہ نہیں۔

محمد بن احمد بن جری کلبی، غرناطی (۶۹۳-۷۴۱ھ) کی القوانین الفقہیۃ (۹۵/۱) میں ہے: دسواں باب نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت، اور حرم پاک، اور مقامات مقدسہ کی زیارت کے بیان میں:

> حاجی کے لیے مناسب یہ ہے کہ مدینہ منورہ کا قصد وارادہ کرکے نبی پاک ﷺ کی مسجد میں داخل ہو۔اور اس مسجد پاک میں نماز ادا کرے، اور نبی پاک ﷺ اور آپ کے پہلو میں آرام فرما ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالی عنہما کی بارگاہ میں سلام پیش کرے، اور قبر ومنبر کے درمیان حضور اقدس کو اپنا شفیع بنائے، اور مدینہ منورہ واپس ہونے پر آپ کو الوداع کہے، اور مدینہ منورہ مکہ سے افضل ہے۔امام شافعی رحمہ اللہ تعالی اس قول کے خلاف ہیں جب کہ مکہ ومدینہ منورہ دونوں حرم ہیں۔

ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمن مغربی (۹۰۲-۹۵۴ھ) نے مواہب الجلیل (۴۰۰/۳) میں فرمایا:

ابن ابوفدیک نے بعض ملاقات کرنے والوں کے بارے میں خبر دیتے ہوئے کہا: ہمیں یہ خبر ملی کہ

جو شخص نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس کھڑے ہو کر یہ آیت کریمہ تلاوت کرے:

﴿ إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾ [الاحزاب-۳۳/۵۶]

ترجمہ: ''بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر اے ایمان والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو''۔

اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آپ پر اللہ درود نازل فرمائے ستر مرتبہ یہ کہے، ایک فرشتہ اسے پکار کر یہ کہے گا: اے فلاں! اللہ نے تجھ پر رحم فرمایا، آج تیری حاجت نامراد نہ ہوئی۔

نیز فرمایا: (مرجع سابق (۳/۳۴۴) فرع: شیخ زروق نے شرح ارشاد میں فرمایا: شیخ عیسیٰ غبرینی نے اس شخص کے متعلق توقف فرمایا جس نے حضور اقدس ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کی نذر مانی، اس لیے کہ اس باب میں نص وارد نہیں، اور دوسرے حضرات نے تصریح فرمائی کہ یہ نذر لازم ہے۔ اس لیے کہ یہ قربت ثابتہ ہے۔ اور ابن عربی نے اکتساب برکت کی خاطر کسی دوسرے شخص کی قبر کی زیارت کا انکار فرمایا، اور امام غزالی نے اس کو مندوبات میں شمار فرمایا۔ اور آداب السفر میں اس زیارت کی خاطر سفر کو جائز قرار دیا۔ علامہ ابن الحاج نے امام غزالی کا کلام آپ کی اصل عبارت وحروف کے ساتھ نقل فرمایا اس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

اور سید سمہودی نے تاریخ مدینہ منورہ میں نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت کے نذر کے باب میں شافعیہ کا کلام ذکر فرمایا اور اس کے بعد یہ فرمایا:

> مالکیہ میں سے عبدی نے شرح الرسالۃ میں فرمایا: مسجد حرام اور مکہ کے سفر کی نذر سے متعلق ایک اصل موجود ہے، وہ اصل نبی پاک ﷺ کے روضۂ کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ جا کر عمرہ اور حج کرنا ہے۔ اور مدینہ منورہ کعبہ اور بیت المقدس سے بھی افضل ہے اور اس (نذر ماننے والے) کا ارادہ نہ تو حج کا ہے نہ عمرہ کا اس لیے کوئی شخص ان تینوں مقامات مقدسہ کے سفر کی نذر مانے تو اس کی یہ نذر لازم ہے، کعبہ کے متعلق تو سب کا اتفاق ہے ہاں دوسری

دو مسجدوں کے بارے میں ہمارے اصحاب کا اختلاف ہے۔

علامہ زرقانی نے علامہ قسطلانی کی کتاب "المواهب اللدنیه" کی شرح (۳۱۴/۸-۳۱۵) میں قسطلانی کے قول پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا: شیخ تقی الدین ابن تیمیہ کی طرف اس کی کتاب منسک میں جو منسوب کیا گیا میں نے اسے دیکھا اس میں ہے کہ: "مالک عظیم ترین امام تھے آپ نے اسے (قبر شریف کی زیارت) مکروہ کہا"، اس (ابن تیمیہ) سے کہا جاتا کہ امام مالک نے اپنی کس کتاب میں کراہت کی تصریح فرمائی؟ ابن وہب جو امام مالک کے اجل اصحاب سے ہیں انھوں نے امام مالک کی جو روایت ذکر فرمائی اس میں امام مالک سے یہ نص صریح ہے کہ کھڑے ہو کر دعا کرے، اور طلب کا ادنی درجہ مستحب ہے۔ حافظ ابوالحسن قابسی، اور ابوبکر بن عبدالرحمٰن وغیرہما جو امام مالک کے ائمہ مذاہب ہیں انھوں نے ابن وہب کی اس روایت مذکور پر جزم فرمایا، اور علامہ خلیل بن اسحٰق نے اپنے مناسک میں اس پر جزم فرمایا۔ تو کیا اس شخص (ابن تیمیہ) کو اس بات سے شرم وحیا نہیں آتی کہ ایسی جھوٹی باتیں کہہ رہا ہے جو اس کے علم میں نہیں۔

مبسوط میں ہے کہ امام مالک نے فرمایا "لاأری أن یقف عندالقبر للدعاء" (میری رائے یہ نہیں کہ قبر کے پاس کھڑے ہو کر دعا کرے) آپ کے اس قول میں کراہت کی تصریح نہیں اس لیے کہ ممکن ہے آپ نے اس سے خلاف اولی مراد لیا ہو، علاوہ ازیں محدثین کے طریقہ پر اگر ہم ترجیح کا مسلک اختیار کریں تو ابن وہب کی گزشتہ روایت ہی راجح اور مقدم ہے، اس لیے کہ اس روایت کا اتصال اسماعیل کی روایت پر ہے، اور مالک سے اسماعیل کا لقا ثابت نہیں تو ان کی روایت منقطع ہو گئی۔ (اور امام مالک کے بارے میں جو یہ حکایت منقول ہے کہ آپ نے منصور کو یہ حکم فرمایا کہ: روضۂ اطہر کے سامنے دعا کریں۔ یہ امام مالک پر کذب ودروغ ہے ایسا ہی کہا واللہ اعلم) امام کا دامن اس سے پاک ہے کہ یہ حکایت جھوٹی ہو، اس لیے کہ ابوالحسن علی بن فہر نے اپنی کتاب "فضائل مالک" میں یہ حکایت ذکر کیا اور شفا میں بطریق حافظ ابوالفضل عیاض ایسی سند سے مروی ہے جس میں کوئی حرج نہیں، بلکہ ایک قول کے مطابق صحیح ہے، پھر کس طرح یہ روایت جھوٹی ہے حالانکہ اس کے راویوں میں نہ کوئی کذاب ہے نہ وضاع، ہاں اگر کوئی مبتدع اپنا نیا مذہب اختراع کرے اور یہ کہے: "کہ قبروں کی

تعظیم نہ کرنی چاہئے کہ یہ صرف طلب عبرت اور ترحم کے لیے ہوا کرتی ہے، اور اس کے لیے یہ شرط ہے کہ اس زیارت کے لیے سفر نہ کیا جائے'' اور اپنی عقل فاسد کے ذریعہ نئی چیزیں ایجاد کرتا ہے اور روشن حقیقت کی مخالفت کرتا ہے۔ یہ اس حملہ آور انسان کی طرح ہے جسے اس کی پرواہ نہیں کہ کیسے دفع کرے، جب اس مبتدع کو کوئی کمزور شبہ بھی نہیں ملتا جس کے ذریعہ اپنے زعم کے اعتبار سے دفاع کرے تو وہ مبہوت و حیران ہو کر اس دعوی کی طرف پلٹتا ہے کہ ''امام مالک کی طرف منسوب حکایت سراسر جھوٹ ہے''۔

جس شخص نے ابن تیمیہ کے بارے میں یہ کہا: ''اس کا علم اس کی عقل سے بڑھ کر ہے'' اس نے عدل وانصاف کیا۔

ثالثا: شافعیہ:

شیخ ابو اسحاق شیرازی نے المھذب (۲۳۳/۱) میں کہا:

فصل: ''ویستحب زیارة قبر رسول الله ﷺ'' رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت مستحب ہے۔

علامہ نووی نے المجموع (۱۹۹/۸-۲۰۰) میں فرمایا:

رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت مستحب ہے اس لیے کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما نے روایت فرمایا کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

''من زار قبري وجبت له شفاعتي'' (جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی)

رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں نماز ادا کرنا مستحب ہے اس لیے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

''صلاة في مسجدي هذا تعدل ألف صلاة فيماسواه من المساجد''

ترجمہ: ''میری اس مسجد میں نماز دوسری مسجدوں کی ہزار نمازوں کے برابر ہے''۔

اور علامہ نووی نے المجموع (۲۰۱/۸) میں یہ بھی فرمایا:

''یہ جاننا چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ کے روضۂ انور کی زیارت اہم قربت وعبادت ہے، اور کامیاب ترین کوشش ہے اس لیے جب حج وعمرہ کرنے والے مکہ سے واپس ہوں تو ان کے لیے غایت درجہ مستحب یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ طیبہ جائیں، اور زیارت کرنے والا آپ کے قرب، اور آپ کی بارگاہ کے سفر، اور آپ کی مسجد شریف میں ادائے نماز کی نیت کرے، اور یہ اعتقاد رکھے کہ ہر فضیلت وشرف خیر الخلق ﷺ ہی کے سبب ہے۔ اور مدینہ منورہ طیبہ جانے اور وہاں سے واپس آنے تک زائر کا دل تعظیم رسالت مآب صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے مالا مال رہے۔ اور اس بارگاہ کی ہیبت اس طرح قائم رہے گویا سرکار اپنی چشم اقدس سے اس زائر در اقدس کو مشاہدہ فرمارہے ہیں''۔

علامہ نووی نے اسی کتاب مذکور (۲۰۹/۸) میں یہ بھی فرمایا:

''جو شخص واپسی کا ارادہ نہیں رکھتا حاجیوں کے والی کی ولایت اس پر قائم نہ رہے گی ، اور جو واپسی کا ارادہ رکھتا ہے وہ ابھی والی حج کے زیر ولایت ہے وہ اس کے احکام اطاعت کا پابند ہے، جب لوگ حج سے فارغ ہو جائیں تو ان کی ضروریات کی تکمیل کے لیے عادت کے مطابق انہیں کچھ دن مہلت دی جائے، اور واپسی میں عجلت نہ کی جائے جب حاجیوں کا قافلہ واپس ہونے لگے تو رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے اسے مدینہ منورہ طیبہ کا سفر کرایا جائے ، یہ اگر چہ فرائض حج سے نہیں تاہم شرع کے مستحبات ومندوبات اور حاجیوں کی مستحسن عادات سے ہے''۔

علامہ نووی نے اپنی شرح صحیح مسلم (۱۷۷/۲) میں فرمایا:

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا: حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا:

''وهو يأرز إلى المدينة'' (ترجمہ:۔''ایمان مدینہ منورہ کی طرف سمٹ کر چلا جائے گا'')

آپ کے اس ارشاد کا معنی یہ ہے کہ ابتدا اور انتہا میں ایمان اسی حال پر رہے گا اس لیے کہ ابتدائے اسلام

میں مومن مخلص اور سچے مسلمان مدینہ منورہ طیبہ آئے یا تو ہجرت کر کے انھوں نے وہاں اپنا وطن بنالیا، یا رسول اللہ ﷺ کے شوق دیدار، اور آپ سے اخذ علم اور آپ کا قرب وفیض حاصل کرنے کی غرض سے آئے، پھر اس کے بعد خلفا کے عہد میں یہی حال رہا کہ لوگ اس بارگاہ اعظم کے قرب سے سرشار ہونے، اور خلفا کی سیرت عدل کی تحصیل، اور وہاں پر جلوہ بار جمہور صحابہ کی اقتدا اور اتباع کے لیے آتے، پھر ان کے بعد ان علما سے سنتوں کی تحصیل کا سلسلہ قائم ہوا جو اپنے زمانے میں علم وفضل کے روشن چراغ، اور ہدایت کے عظیم امام تھے انھوں نے مدینہ منورہ طیبہ میں سنتوں کی نشر و اشاعت کی۔ تو جس شخص کا ایمان درخشاں، اور سینہ نور ایمان سے فروزاں ہوتا وہ مدینہ منورہ طیبہ کی آبلہ پائی کرتا، پھر اس کے بعد ہر وقت اور ہر دور میں نبی ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت، اور آپ کے مشاہد وآثار، اور آپ کے اصحاب کے آثار سے اکتساب برکت کا سلسلہ قائم رہا، ان برکات سے مالا مال ہونے کے لیے صرف مومن ہی مدینہ منورہ طیبہ کی آبلہ پائی کرتا۔

سلطان العلما، عز بن عبد السلام نے **قواعد الأحكام في مصالح الأنام** (۱/۳۹) میں فرمایا:

محض مدینہ منورہ طیبہ کا قصد وارادہ واجب نہیں بلکہ رسول پاک ﷺ کے وصال کے بعد آپ کی زیارت کی خاطر اس خاک مقدس کا قصد واجب ہے۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۳/۶۶) میں فرمایا:

حاصل یہ کہ ابن تیمیہ پر لوگوں کا یہ الزام ہے کہ: اس نے سیدنا رسول اللہ ﷺ کے سفر زیارت کو حرام کہا، اس کی ظاہری صورت ہمیں تسلیم نہیں، اس کی تشریح میں جانبین نے لمبی گفتگو کی اور وہ یہ ہے کہ ابن تیمیہ سے بدترین مسائل منقول ہیں، جو لوگ نبی پاک کے روضۂ اطہر کی زیارت کو مشروع کہتے ہیں ان کا استدلال یہ ہے کہ اس بات پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ زیارت مشروع ہے۔ ابن تیمیہ نے اس دعوی کے استدلال کا رد کیا اس کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ امام مالک نے فرمایا کہ: یہ کہنا مکروہ ہے: ''میں نے نبی پاک ﷺ کی قبر کی زیارت کی'' امام مالک کے محققین اصحاب نے ابن تیمیہ کے اس استدلال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ: آپ نے ازارہ ادب اس لفظ کا اطلاق مکروہ قرار دیا ہے نہ یہ کہ اصل زیارت کو مکروہ فرمایا ہے۔ اس لیے کہ زیارت شریفہ تو ان

افضل اعمال اوراعلی عبادات سے ہے جن کے سبب خدائے ذوالجلال کی بارگاہ کی رسائی حاصل ہوتی ہے، اوراس بات پراجماع ہے کہ زیارت مشروع ہے۔ جس میں کسی کا کوئی نزاع نہیں اوراللہ ہی درستگی کی راہ دکھاتا، اوراس تک پہنچاتا ہے۔ اورزیارت یا طلب علم کا سفر محض مکان کی خاطر نہیں ہوتا، بلکہ مکین کی خاطر ہوتا ہے۔ **واللہ تعالی أعلم**

اورحافظ ابن حجر نے فتح الباری (۳/۲۰۷) میں یہ بھی کہا:

اس باب میں اس بات کا بیان ہے کہ کوئی شخص ارض مقدسہ یا اس کے مثل زمین پر دفن کیا جانا پسند کرے: زین بن منیر نے کہا: "**أو نحوها**" (یا اس کے مثل زمین) سے حرمین کے وہ باقی مقامات مراد ہیں جہاں کا سفر کیا جاتا ہے۔ اوراسی طرح انبیا کے مدفن، اورشہدا اوراولیا کی وہ قبریں مراد ہیں جہاں کا سفر ممکن ہے۔ ان حضرات کے قرب وجوار کی برکت، اوران پر نازل ہونے والی رحمت حاصل کی جائے۔ یہ درحقیقت موسی علیہ السلام کی اقتدا ہے۔

شیخ الاسلام زکریا انصاری (۸۲۳-۹۲۶ھ) نے فتح الوہاب (۱/۲۵۷) میں فرمایا:

"قبلہ رو ہوکر آب زمزم خوب خوب پیے، اور نبی ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کرے اگر چہ یہ شخص حج کرنے والا نہ ہو۔"

ملیباری نے **فتح المعین** میں فرمایا:

فائدہ: نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت سنت مؤکدہ ہے اگر چہ حج وعمرہ کرنے والا نہ ہو، اس زیارت کی فضیلت میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں۔

رملی انصاری نے شرح زید بن رسلان (۱/۱۱۸) میں کہا:

مسافر کو صرف سفر مباح یعنی سفر جائز ہی میں رخصت حاصل ہے اگر چہ وہ اس سفر میں کسی امر واجب مثلا حج اسلام اور جہاد، یا کسی امر مندوب کی مثلا حضور اقدس ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت یا کسی امر مباح مثلا تجارت یا کسی مکروہ امر کی نافرمانی کرے مثلا وہ شخص سفر کرے جس پر شب جمعہ میں جمعہ لازم ہو۔

محمد خطیب شربینی نے مغني المحتاج (۵۱۲/۱) میں کہا:

''رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت مسنون ہے، اس لیے کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا:

''من زار قبري وجبت له شفاعتي''

ترجمہ: ''جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئ''۔

امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اس حدیث کو روایت کیا جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت افضل عبادت وقربت ہے اگرچہ زیارت کرنے والا حج وعمرہ کرنے والا نہ ہو۔

اور نیز (۲۷۸/۱) میں فرمایا:

یہ حکم اس وقت ہے جب سفر مباح ہو مثلا سفر تجارت ہو، اور یہ حکم مکروہ کو بھی شامل ہے جیسا کہ اسونی نے کہا: مکروہ کی مثال تنہا سفر کرنا، اور اگر وہ طاعت واجب ہو جیسا کہ سفر حج، یا مندوب ہو جیسا کہ نبی پاک ﷺ کے روضۂ پاک کی زیارت تو قطعا جائز ہے۔

رابعا: حنابله:

ابن قدامہ نے المغني (۲۹۷/۳-۲۹۹) میں فرمایا:

نبی ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کرنا مستحب ہے حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا:

''من حج فزار قبري بعد وفاتي فكأنما زارني في حياتي''

ترجمہ: ''جو شخص حج کرنے آیا تو میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی''۔

اور ایک روایت میں ہے:

''من زار قبري وجبت له شفاعتي''

ترجمہ: ''جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئ''۔

ابن ہبیرہ حنبلی (۴۹۹-۵۶۰ھ) (یحی بن محمد بن ہبیرہ ہیں)، آپ کی کتاب اتفاق الائمہ ہے مطبع

دارالحرمین سے ایک کتاب: **الفقہ علی مذاهب الائمه الاربعة** کے نام سے طبع ہوئی جو "**الإفصاح عن معانی الصحاح**" کا ایک جز ہے، اس میں اس بات کا التزام ہے کہ ائمہ اربعہ: ابوحنیفہ و مالک وشافعی واحمد کے اقوال ذکر کیے جائیں گے، اوران کے اصحاب یاان سے نسبت رکھنے والے حضرات کے اقوال نہ لائے جائیں گے ہاں اشارۃ ذکر آ سکتا ہے۔

ابن ھبیرہ حنبلی نے اپنی اس کتاب مذکور(۱/۳۴۷-۳۴۸) میں ذکر فرمایا:

"علما کا اختلاف ہے کہ: حرمین شریفین میں کون افضل ہے، امام مالک اورامام احمد نے اپنی دوروایتوں میں سے ایک روایت میں فرمایا: مدینہ منورہ افضل ہے۔ اورامام ابوحنیفہ اورشافعی اوراحمد نے دوسری روایت میں فرمایا: مکہ افضل ہے۔ لیکن نبی پاک ﷺ کے جسد اطہر سے پیوستہ حصہ بلا کسی اختلاف کے ساری زمین سے اشرف وافضل ہے"۔

پھر آپ نے (۱/۳۴۹) میں فرمایا:

"اوراس پر سب کا اتفاق ہے کہ مصطفیٰ ﷺ اورآپ کے پاس مدفون آپ کے دوساتھی ابوبکروعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبر شریف کی زیارت مستحب ومندوب ہے"۔

ابن قدامہ نے **عمدة الفقه** (۱/۴۵) میں کہا:

"حاجی کے لیے نبی پاک ﷺ اورآپ کے دوساتھی ابوبکروعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے روضۂ پاک کی زیارت کرنا مستحب ہے"۔

مقدسی نے **الكافي في فقه ابن حنبل** (۱/۴۵۷) میں فرمایا:

"نبی پاک ﷺ اورآپ کے دوساتھی ابوبکروعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبر انور کی زیارت کرنا مستحب ہے اس لیے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

"**من زارني أوزارقبري كنت له شفيعا أو كلاهما**".

ترجمہ: "جس نے میری، یا میری قبر کی زیارت کی میں اس کا شفیع ہوں گا، یا دونوں (شفیع

وشہید) ہوں گا''۔

ابوداود نے اس حدیث کو روایت کیا۔''

ابن مفلح نے **المبدع** (۱۹۲/۱، ۱۹۳) میں کہا:

''اور احرام کے لیے غسل کرنا، اور امام احمد نے نص فرمایا: اور نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے غسل کرنا، اور ایک قول یہ ہے: اور ہر اجتماع کے لیے غسل کرنا مستحب ہے''۔

اور ابن مفلح نے **المبدع** (۲۵۸/۳) میں فرمایا:

''حاجی کے لیے حج سے فارغ ہونے کے وقت مستحب یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کرے، اور زیارت کے بعد واپس ہو۔ اس کو منصور نے مجاہد سے روایت کیا۔''

مرعی حنبلی نے **دلیل المطالب** (۹۴/۱) میں کہا: (اور یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے ابن تیمیہ کی تعریف میں کتابیں تالیف کیں)

''نبی ﷺ اور آپ کے صاحبین ابوبکر و عمر رضوان اللہ تعالی علیہما کی قبر کی زیارت کرنا مسنون ہے۔ اور حضور اقدس سید عالم ﷺ کی مسجد میں نماز پڑھنا مستحب ہے، اور اس نماز کا ثواب ہزار نمازوں کے برابر ہے''۔

مرداوی نے **الإنصاف** (۵۳/۴-۵۴) میں کہا:

''حج سے فارغ ہونے کے بعد نبی پاک ﷺ اور آپ کے صاحبین کے روضۂ مقدس کی زیارت مستحب ہے، تمام اصحاب متقدمین و متاخرین اسی مذہب پر قائم ہیں''۔

ابن ضوبان نے **منار السبیل** (۲۵۶/۱) میں کہا:

نبی پاک ﷺ اور آپ کے صاحبین رضوان اللہ وسلامہ علیہما کی قبر کی زیارت مسنون ہے اس لیے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

''من زارني أو زار قبري كنت له شافعا أو كلاهما''.

ترجمہ:۔جس نے میری، یا میری قبر کی زیارت کی میں اس کا شافع ہوں گا یا دونوں۔
ابوداود طیالسی نے اس حد
یث کوروایت کیا۔
اور ابن عمر سے مرفوعا مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:
"من حج فزار قبري بعد وفاتي فكأنما زارني في حياتي".
ترجمہ:۔"جس نے حج کیا اور میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی"۔
اور ایک روایت میں ہے:
"من زارقبري وجبت له شفاعتي"
ترجمہ:۔"جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی"۔
دارقطنی نے بسند ضعیف اس حدیث کوروایت کیا۔
زادالمستنقع (۹۴/۱) میں ہے:
"نبی ﷺ اور آپ کے صاحبین کی قبر کی زیارت مستحب ہے"۔
ابن بلبان نے **أخصر المختصرات** (۱۵۷/۱) میں کہا:
"نبی پاک ﷺ اور آپ کے صاحبین کی قبر کی زیارت مسنون ہے"۔
بہوتی نے کشف القناع (۵۱۵/۲) میں کہا:
تنبیہ: ابن نصر اللہ نے کہا: نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کا استحباب تینوں مسجدوں کی طرف استحباب سفر کو مستلزم ہے اس لیے کہ حج کے بعد حاجی کے لیے مسجد کی طرف شدرحال کے بغیر روضۂ اقدس کی زیارت ناممکن ہے۔تو گویا ان تینوں مسجدوں کی طرف شدرحال کے استحباب کی تصریح حضور اقدس ﷺ کی زیارت کے استحباب کی تصریح ہے۔

بہوتی نے کشف القناع (۵۱۵/۲) میں کہا:

اوراگرحج نفل ہےتو سب سے پہلے مدینہ منورہ طیبہ حاضر ہو،ابن نصراللہ نے اس بارے میں کہا کہ: زیارت حج نفل سے افضل ہے،اورحج فرض زیارت سے افضل ہے۔انتھی۔ میں کہتا ہوں: کبھی اس مسئلہ میں توقف کیا جاتا ہےاورامام کی مراد یہ ہے کہ حج کے ساتھ زیارت کا بھی ارادہ رکھے تاکہ دونوں کا ثواب ملے بخلاف حج فرض کہ اس صورت میں خالص حج فرض کی نیت کرے پھرحج فرض سے فارغ ہوکر روضۂ اقدس پراس طرح حاضر ہوکہ قبلہ کی طرف پیٹھ،اورحضوراقدس ﷺ کے رخ اقدس کی طرف چہرہ ہو۔

ابن مفلح نے فروع (۳۸۵/۳) میں کہا:

> ''نبی پاک ﷺ پر درود بھیجنا،اورآپ،اورآپ کے صاحب (ابوبکر) رضی اللہ تعالی عنہ کی قبر کی زیارت کرنا مستحب ہے،آپ کے مواجہہ اقدس میں کھڑے ہوکر سلام پیش کرے۔اورسلام پیش کرنے کے وقت قبلہ رو نہ رہے،اس کے بعد اس طرح قبلہ رو ہوکر دعا کرے کہ حجرہ اقدس اس کے بائیں جانب رہے۔امام احمد نے اسے ذکر کیا۔آپ کے کلام سے یہی ظاہر ہے کہ حجرۂ اقدس سے قریب یا دور رہے۔

اور نبی ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کے بعد حنابلہ کی دعا بھی ذرا ملاحظہ فرمائیں:

شیخ عبدالقادر جیلانی نے غنیۃ میں فرمایا:''اللهم لاتجعل آخر العهد مني بزيارة قبر نبيك'' (ترجمہ:۔''اے اللہ! اپنے نبی کے روضہ کی زیارت میری آخری زیارت نہ بنا'')

اورابن قدامہ نے المغنی (۲۹۹/۳،۳۰۰)،ابن مفلح نے المبدع (۲۶۰/۳) اور بہوتی نے کشف القناع (۵۱۷/۲) میں بعینہ یہی دعا ذکر کی۔

خامسا: ظاهريه:

ابن حزم ظاہری [وہابیہ کا پرانا امام غیر مقلد ظاہری المذہب (سبحان السبوح)] نے المحلی (۲/۸) میں کہا:

کتاب النذ ور: اللہ عز وجل کی ایسی طاعت جس کا بجالانا بندہ پر فرض لازم ہے۔ جب بندہ نے ایسی طاعت کی نذر اس لیے مانی تا کہ محض اللہ عز وجل کا تقرب، یا اللہ کی کسی نعمت پر اس کا شکر ادا کرے، یا کسی امید پر اللہ کا شکر بجالائے، اس میں کسی مسلمان پر ظلم ومعصیت نہ ہو مثلا اس طرح نذر مانے: اللہ ہی کے لیے اتنا صدقہ وخیرات، یا اتنے یا اس سے زیادہ روزے، یا حج، یا جہاد، یا اللہ تعالی کا ذکر مجھ پر لازم ہے، یا فقرا کے لیے مکان موقوف، یا کسی بیمار کی مزاج پرسی، یا کسی جنازہ میں شرکت، یا کسی نبی، یا کسی مرد صالح کی قبر کی زیارت، یا مکہ، یا مدینہ منورہ کے آثار ومشاعر میں سے کسی خاص مشعر (علامت رسوم، حج ادا کرنے کی جگہ)، یا بیت المقدس کی طرف پا پیادہ یا سوار ہو کر جانے، یا وہاں قیام کی نذر مانے، یا کسی خاص آزادی یا اور کسی طاعت کی نذر مانے تو یہ ساری نذریں خالص تقرب ہیں۔

سادسا: زیدیہ:

شوکانی نے نیل الأوطار (۱۷۸/۵) میں کہا:

''زیارت کے سلسلے میں اہل علم کے مختلف اقوال ہیں جمہور کا مذہب یہ ہے کہ مندوب ہے، اور بعض مالکیہ، اور بعض ظاہریہ کا مذہب یہ ہے کہ واجب ہے۔ اور حنفیہ نے کہا کہ: قریب بہ واجب ہے۔''

پھر شوکانی نے اسی کتاب (۱۸۰/۵) میں کہا:

''زیارت روضۂ اقدس ﷺ صحابہ کی ایک جماعت سے مروی ہے جن میں حضرت بلال ہیں جیسا کہ ابن عساکر نے بسند جید ذکر کیا، اور عبداللہ ابن عمر ہیں جیسا کہ امام مالک نے ذکر فرمایا، اور سیدنا ابوایوب ہیں جیسا کہ امام احمد نے ذکر فرمایا، اور حضرت انس ہیں جیسا کہ قاضی عیاض نے شفا میں ذکر کیا، اور بزار نے حضرت عمر اور دارقطنی نے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہم کو ذکر کیا۔ ان حضرات صحابہ کے علاوہ بہت سے حضرات سے روضۂ شریفہ کی زیارت مروی ہے لیکن حضرت بلال کے علاوہ کسی سے یہ منقول نہیں کہ انھوں نے اس زیارت کے

لیے سفر فرمایا بلال کے بارے میں یہ ہے کہ آپ نے ''داریا'' جا کر نبی ﷺ کی زیارت کی حضور نے حضرت بلال کے اس شدرحال پر فرمایا:

''**ماهذه الجفوة يابلال أما ان لک أن تزورني**''.

ترجمہ:۔''اے بلال! یہ کیا جفا ہے کیا ابھی اس کا وقت نہیں آیا کہ تم میری زیارت کرو''۔

ابن عساکر نے اس حدیث کو روایت کیا۔

تنبیہ:

(۱) ابن تیمیہ نے اپنے مجموعۂ فتاوی (۲۲۶/۲۷) میں کہا:

''میرے علم میں کتابوں میں جن علما کا نام آتا ہے ان میں سے کسی معروف عالم نے یہ نہ کہا کہ انبیا اور صالحین کی قبروں کی زیارت کے لیے سفر کرنا مستحب ہے۔اگر اس مسئلہ میں تیسرا قول انہیں معلوم ہوتا تو ضرور نقل کرتے۔''

ہم کہتے ہیں:

سلطان العلما عزبن عبدالسلام نے **قواعدالأحكام في مصالح الأنام** (۳۹/۱) میں کہا:

''مدینہ منورہ کا قصد واجب نہیں بلکہ رسول پاک علیہ السلام کے وصال فرمانے کے بعد آپ کی زیارت کے سبب مدینہ منورہ کا قصد واجب ہے۔اور عبدالحق اشبیلی کا قول ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے''۔

شوکانی نے **نیل الأوطار** (۱۷۸/۵) میں کہا:

''اس مسئلہ میں اہل علم کے مختلف اقوال ہیں جمہور کا مذہب یہ ہے کہ زیارت مندوب ہے اور بعض مالکیہ اور ظاہریہ کا مذہب یہ ہے کہ واجب ہے اور حنفیہ نے کہا: قریب بہ واجب ہے۔''

(۲) ابن تیمیہ نے اپنے مجموعۂ فتاوی (۴۴۶/۲۷) میں کہا:

''یہاں تک کہ علما کی ایک جماعت نے کہا جن میں عبدالعزیز کتانی ہیں: نبی کی قبر کے علاوہ جتنی قبریں انبیا کی طرف منسوب ہیں ان میں سے کوئی قبر صحیح نہیں۔ اور نبی کی قبر کے علاوہ خلیل علیہ السلام کی قبر کو بھی صحیح و ثابت قرار دیا گیا ہے۔''

یہ ابن تیمیہ کا کلام ہے، اور اب ہم عبدالعزیز کتانی کے اعمال و افعال قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ یہ عبدالعزیز کتانی وہ ہیں جن کا کلام ابن تیمیہ نے اپنے مذہب کے موافق ظاہر کیا ہے۔ ابن عساکر کی تاریخ دمشق (۴۱۸/۲-۴۱۹) میں ہے:

ہم کو ابو محمد بن اکفانی نے خبر دیا، کہ ہم سے عبدالعزیز کتانی نے بیان کیا، ہم کو ابو محمد بن ابونصر نے خبر دی ہم سے ابومیمون بن راشد نے بیان کیا کہ ابوزرعہ دمشقی نے کہا: میں نے اپنے شہر میں اہل علم کو یہ ذکر کرتے دیکھا کہ دمشق کے مقبرہ میں رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے ابوبکر کے آزاد کردہ بلال، اور سہل بن حنظلیہ، اور ابودرداء کی مبارک قبریں ہیں۔

میں نے ابومحمد بن اکفانی کی تحریر پڑھی اور آپ نے بالمشافہ بھی مجھے بتایا کہ شیخ حافظ ثقہ ابومحمد عبدالعزیز بن احمد کتانی رضی اللہ تعالی عنہ نے ہم سے بیان فرمایا: ہمارے نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے صاحبین ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالی عنہما کی قبر کے علاوہ کسی نبی اور صحابی کی عین قبر کی معرفت پر دو شہر والے متفق نہیں۔

ابن الاکفانی نے کہا: شیخ ابومحمد عبدالعزیز بن احمد کتانی نے ظاہر دمشق میں باب صغیر کے پاس بہت سی قبریں مجھے دکھائیں جن میں ان حضرات کی قبریں تھیں امیر المومنین معاویہ بن ابوسفیان، فضالہ بن عبید، اور واثلہ بن اسقع، اور سہل بن حنظلیہ اور اوس بن اوس (اور ان تمام حضرات کی قبریں احاطہ قبر کے اندر قبلہ کے قریب ہیں) اور ابودرداء کی قبر احاطہ کے باہر ہے، اور ام درداء کی قبر اس احاطہ کے پیچھے ہے، اور عبداللہ بن حرام جو عبادہ بن صامت کی بیوی کے مشہور فرزند ہیں ان کی قبر جادہ کے محاذی راستہ میں واقع ہے۔ اور ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ ابی بن کعب کی قبر ہے۔ اور یہ صحیح نہیں، اور ام حبیبہ بنت

ابوسفیان جومعاویہ رضی اللہ تعالی عنہم کی بہن اور رسول اللہ ﷺ کی زوجہ طاہرہ ہیں آپ کی قبر صحابہ کرام کے مقدس حظیرہ کے بغل میں ہے آپ کی قبر پر ایک پتھر لگا ہوا ہے جس پر آپ کا نام لکھا ہوا ہے اور ان کی بہن کی قبر پر بھی ایک پتھر لگا ہوا ہے جس پر ان کا نام لکھا ہے، اور بلال ابن رباح رسول اللہ ﷺ کے موذن کی قبر پر بھی ان کے نام کا پتھر آویزاں ہے۔

ابن اکفانی نے کہا: اور شیخ ابومحمد کتانی نے اس حظیرۂ مقدس کے پیچھے ولید بن عبدالملک امیر المومنین، اور آپ کے بھائی مسلمہ کی قبر مجھے دکھائی جہاں صحابہ کی قبریں ہیں یہ جادہ کے قریب راستہ میں امیر الجیوش کے مقبرہ کے بالمقابل واقع ہے۔

اور بریہہ بنت حسن بن علی بن ابوطالب رضی اللہ تعالی عنہم کی قبر ایک قبہ کے اندر مجھے دکھائی، اور ایک دوسرے قبہ میں سکینہ بنت حسین بن علی بن ابوطالب کی قبر کی زیارت کرائی ابوعلی نے کہا: نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

"أیما أهل مقبرة أقبر بین أظهرهم رجل من أصحابي جاء وا فدهم یوم القیامة".

ترجمہ:۔"ان لوگوں کے درمیان میرے اصحاب مدفون ہیں ان کا وفد قیامت کے دن آئے گا"۔

میں کہتا ہوں: یہ شخص محبت کرنے والوں میں سے تھے، انھوں نے اہل بیت، اور صحابہ اور تابعین کی ان قبروں کی زیارت کرائی جنہیں خود بچشم سر دیکھا، لوگ ان قبروں کو جانتے ہیں، تو جو شخص انھیں نہ جانے اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟

(۳) ابن تیمیہ کا استدلال یہ ہے کہ علی بن حسین نے ایک شخص کو دیکھا کہ نبی پاک ﷺ کی قبر کے قریب سوراخ میں اپنا سر داخل کر کے دعا کر رہا ہے آپ نے (اس کی یہ بے ادبی دیکھ کر) اس شخص کو ایسا کرنے سے منع کیا، اور کہا کس چیز نے تمہیں اس پر آمادہ کیا؟ اس نے کہا:

نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں سلام بھیجنا مجھے پسند ہے، تو علی بن حسین نے اس سے فرمایا: کیا میں آپ کو اپنے والد کی ایک حدیث سناؤں؟ اس نے کہا: جی ہاں، تو علی بن حسین نے بیان فرمایا کہ: میرے والد نے مجھ سے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''لاتجعلوا قبري عيدا ولاتجعلوا بيوتكم قبورا وصلوا علي وسلموا حيثما كنتم فتبلغني صلاتكم وسلامكم''.

ترجمہ:۔''میری قبر کو عید، اور اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ، اور جہاں بھی رہو مجھ پر درود وسلام پیش کرو کہ تمہارا درود وسلام میرے پاس پہنچتا ہے''۔

میں کہتا ہوں:

ابن کثیر نے اپنی تفسیر (۵۱۶/۳) میں اس اثر کے متعلق یہ کلام کیا کہ: اس کی سند میں ایک مبہم نامعلوم شخص ہے۔

میں کہتا ہوں:

علی زین العابدین رضی اللہ تعالی عنہ نے اس شخص کو اس لیے منع فرمایا کہ اس نے نبی پاک ﷺ کی بارگاہ پروقار میں بے ادبی کی کیوں کہ یہ شخص آپ کے روضۂ اقدس کے قریب سوراخ میں اپنا سر ڈال کر دعا کر رہا تھا۔

ابن تیمیہ کا استدلال یہ بھی ہے کہ عبدالرزاق نے مصنف میں ثوری سے مرسلا روایت کیا کہ ابوعجلان نے سہیل نامی ایک شخص سے روایت کیا کہ حسن بن حسن بن علی نے فرمایا کہ روضۂ اطہر کے پاس آپ کو کچھ لوگ نظر آئے آپ نے انہیں منع فرمایا اور کہا کہ: نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

''میری قبر کو عید، اور اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ، اور جہاں بھی رہو مجھ پر درود وسلام پیش کرو کیوں کہ تمہارا درود وسلام مجھ تک پہنچتا ہے''۔

اور یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے ایک شخص کو روضہ اطہر پر پیاپے آتے دیکھا تو فرمایا: اے شخص! تم اور اندلس کے لوگ برابر اور ایک جیسے ہو، یعنی سب کے سب قیامت تک آپ پر درود وسلام بھیجتے رہیں گے۔

ابن کثیر نے کہا: شاید آپ نے ان کی بے ادبی ملاحظہ فرمائی اس لیے کہ وہ لوگ ضرورت سے زیادہ آوازیں بلند کررہے تھے یہ دیکھ کر آپ نے انہیں منع فرمایا، ابن کثیر نے اس بات پر تنبیہ نہ کی کہ حسن بن حسن کی حدیث ضعیف ہے، اور اگر یہ اثر صحیح بھی ہو تو اس کا معنی وہی ہے جو ہم اوپر ذکر کر آئے۔

ایک عجیب وغریب بات یہ ہے کہ ابن تیمیہ نے حسن بن حسن کے اثر کو ذکر کیا مگر صحیح بخاری شریف (۱/۴۴۶) میں مذکور روایت ذکر نہ کی جس میں یہ ہے:

''جب حضرت حسن بن حسن حضرت علی کے پوتے رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا وصال ہو گیا تو ان کی اہلیہ نے ان کی قبر پر قبہ تانا جو ایک سال تک رہا پھر اٹھا لیا گیا، تو لوگوں نے سنا کوئی بلند آواز سے کہتا ہے جو چیز انھوں نے گم کی تھی اسے پایا تو دوسرے نے جواب دیا، نہیں بلکہ مایوس ہو کر لوٹ گئے۔

(۴۵)ابن تیمیہ کا دعوی ہے کہ انبیا کی قبروں کی معرفت کا کوئی فائدہ نہیں

ابن تیمیہ نے یہ دعوی کیا ہے کہ انبیا کی قبروں کی معرفت کا کوئی فائدہ نہیں، اس کا کام ہی ہے امت کی مخالفت کرنا اور ایسی بات کہنا جس کا کوئی قائل نہ ہو۔

اس نے مجموع الفتاوی (۲۷ر۴۴۴) میں کہا:

''انبیا کی مخصوص و معین قبروں کی معرفت کا کوئی شرعی فائدہ نہیں، اس کی حفاظت امر دین سے بھی نہیں، اگر اس کی حفاظت امر دین سے ہوتی تو ضرور اللہ اس کی حفاظت کرتا جیسا کہ باقی دین کی حفاظت فرمائی''۔

میں کہتا ہوں:

سنت کی اتباع واقتدا ابن تیمیہ کی رائے پر عمل کرنے سے بہتر ہے، اور جمہور کا اگر چہ اجماع نہیں مگر ان حضرات کا فہم ابن تیمیہ اور اس کے حامیوں کے فہم سے بہتر ہے۔

ابن تیمیہ کے فہم کے برخلاف روشن دلائل اور بعض ائمہ کا علمی فہم پیش کر رہے ہیں تا کہ ابن تیمیہ کے فہم کی حقیقت واضح ہو جائے:

ابوموسی[1] نے فرمایا: نبی پاک ﷺ ایک اعرابی کے پاس تشریف لائے اس نے آپ کی تعظیم وتکریم کی

(۱) فقیہ فقید المثال مجدد اعظم سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اس مضمون کی حدیث کو سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ سے اس طرح روایت فرمایا: طبرانی معجم اوسط اور خرائطی مکارم الاخلاق میں امیر المومنین مولی علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے راوی، رسول اللہ ﷺ سے جب کوئی شخص کچھ سوال کرتا اگر حضور کو منظور ہوتا ''نعم'' فرماتے یعنی اچھا اور نہ منظور ہوتا تو خاموش رہتے کسی چیز کو ''لا'' یعنی نہ نہ فرماتے، ایک روز ایک اعرابی نے حاضر ہو کر سوال کیا، حضور خاموش رہے پھر سوال کیا سکوت فرمایا پھر سوال کیا، اس پر حضور ﷺ نے جھڑکنے کے انداز سے فرمایا: '' سل ماشئت یاأعرابي'' اے اعرابی جو تیرا جی چاہے مانگ، مولی علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں '' فَغَبَطْنَاهُ فَقُلْنَا الان يَسْأل الجَنَّةَ'' یہ حال دیکھ کر (کہ حضور خلیفۃ اللہ اعظم ﷺ نے فرما دیا ہے جو دل میں آئے مانگ لے) ہمیں اس اعرابی پر رشک آیا ہم نے اپنے جی میں کہا اب یہ

حضور نے ان سے فرمایا ''تم ہمارے پاس آنا'' وہ اعرابی آپ کی خدمت میں آئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**سل حاجتک**'' ''اپنی حاجت کا سوال کیجئے'' اعرابی نے عرض کیا: ایک اونٹنی عطا فرمائیں جس پر ہم سوار ہوں، اور بکریاں جن کا دودھ ہمارے گھر والوں کے کام آئے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**أ عجزتم أن تكونوا مثل عجوز بني اسرائيل**'' ''کیا تم اس سے عاجز ہو کہ بنی اسرائیل کی پیرزن کی طرح ہو'' صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اور بنی اسرائیل کی پیرزن کا کیا واقعہ ہے؟ آپ نے فرمایا: ''کہ موسی علیہ السلام جب بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر نکلے تو بنی اسرائیل راستہ بھٹک گئے تو آپ نے فرمایا: یہ کیا ہے، تو ان کے علما نے کہا: کہ

حضور سے جنت مانگے گا، اعرابی نے کہا تو کیا کہا کہ میں حضور سے سواری کا ایک اونٹ مانگتا ہوں فرمایا عطا ہوا، عرض کی حضور سے زادراہ مانگتا ہوں، فرمایا عطا ہوا، ہمیں اس کے ان سوالوں پر تعجب آیا، سید عالم ﷺ نے فرمایا کتنا فرق ہے اس اعرابی کی مانگ اور بنی اسرائیل کی ایک پیرزن کے سوال میں پھر حضور نے اس کا ذکر ارشاد فرمایا کہ جب موسی علیہ السلام کو دریا اترنے کا حکم ہوا، کنار دریا تک پہنچے سواری کے جانوروں کے منھ اللہ تعالی نے پھیر دیے کہ خود بخود واپس پلٹ آئے، موسی علیہ الصلاۃ والسلام نے عرض کی، الہی یہ کیا حال ہے ارشاد ہوا تم قبر یوسف کے پاس ہو، ان کا جسم مبارک اپنے ساتھ لے لو، موسی علیہ الصلاۃ والسلام کو قبر کا پتہ معلوم نہ تھا، فرمایا اگر تم میں کوئی جانتا ہو تو شاید بنی اسرائیل کی پیرزن کو معلوم ہو اس کے پاس آدمی بھیجا کہ تجھے یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کی قبر معلوم ہے؟ کہا ہاں! فرمایا تو مجھے بتادے، عرض کی: ''**لا والله حتى تعطيني ماأسئلک**'' خدا کی قسم میں نہ بتاؤں گی یہاں تک کہ میں جو کچھ آپ سے مانگوں آپ مجھے عطا فرمادیں۔ فرمایا: ''**ذلک ذلک**'' تیری عرض قبول ہے ''**قالت فإني أسئلک أن أكون معک في الدرجة التي تكون فيها في الجنة**'' پیرزن نے عرض کی تو میں حضور سے یہ مانگتی ہوں کہ جنت میں میں آپ کے ساتھ ہوں اُس درجے میں جس میں آپ ہوں گے ''**قال سلي الجنة**'' موسی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا جنت مانگ لے یعنی تجھے یہی کافی ہے اتنا بڑا سوال نہ کر ''**قالت لا والله إلاأن أكون معک**'' پیرزن نے کہا خدا کی قسم نہ مانوں گی مگر یہی کہ آپ کے ساتھ ہوں ''**فجعل موسى يرددها فأوحى الله أن أعطهاذلک فإنه لن ينقصک شيئا فأعطاها**'' (موسی علیہ الصلاۃ والسلام اس سے یہی ردوبدل کرتے رہے اللہ عزوجل نے وحی بھیجی موسی وہ جو مانگ رہی ہے تم اسے وہی عطا کردو کہ اس میں تمہارا کچھ نقصان نہیں) موسی علیہ الصلاۃ والسلام نعش مبارک کو ساتھ لے کر دریا سے عبور فرماگئے۔ (الامن والعلی) (مترجم)

جب یوسف علیہ السلام کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ نے ہم لوگوں سے اللہ کا ایک پختہ پیمان لیا کہ ہم مصر سے اس وقت تک نہ نکلیں جب تک کہ ہمیں منتقل نہ کیا جائے آپ نے فرمایا: آپ کی قبر کسے معلوم ہے کہا: بنی اسرائیل کی ایک پیرزن کو معلوم ہے، اس کے بعد اس پیرزن کو بلانے کے لیے بھیجا گیا تو وہ پیرزن آپ کی خدمت میں آئیں تو آپ نے فرمایا: مجھے یوسف کی قبر کا پتہ بتادیں تو پیرزن نے کہا: میں اس وقت بتاؤں گی جب آپ میری حاجت قبول فرمالیں آپ نے فرمایا: تیری حاجت کیا ہے؟ اس نے عرض کیا میں آپ کے ساتھ جنت میں رہوں تو آپ نے اسے قبول کرنا پسند نہ فرمایا تو اللہ عزوجل نے وحی نازل فرمائی کہ اس پیرزن کی حاجت قبول کرلیں۔ (۱)

میں کہتا ہوں:

ہمارا استدلال یہ ہے کہ ایک نبی کی قبر کی معرفت کے سبب اللہ عزوجل نے اس پیرزن کو جنت میں بلند مقام سے سرفراز فرمایا، جب ایک نبی کی قبر کی معرفت نے اس بوڑھی عورت کو جنت میں اعلی مقام بخشا تو کیا ابن تیمیہ کے بقول یہ کوئی فائدہ نہیں؟

بلکہ نبی پاک ﷺ نے اسے بطور مثل بیان فرمایا اور یہ نہ فرمایا کہ کسی نبی کی قبر کی معرفت کا کوئی فائدہ نہیں، سبحان اللہ!! جو سنت پر چلے گا فلاح پائے گا، اور جو اس سے جدال کرے گا جادہ راہ سے دور اور منحرف گمراہ اور گمراہ گر رہے گا۔

---

(۱) ابن حبان (۲/۵۰۰، ۵۰۱)، حاکم (۲/۴۳۹، ۲/۶۲۴)، ابویعلی (۱۳/۲۳۶) اور خطیب نے تاریخ بغداد (۹/۳۶۲) میں ابوموسی اشعری سے روایت کیا، اور طبرانی نے اوسط میں (۷/۳۷۴، ۳۷۵) حضرت علی سے روایت کیا۔
اور سیوطی نے درمنثور (۴/۵۹۱، ۵۹۲) میں، اور ابن ابوحاتم نے عروہ بن زبیر سے روایت کیا یہ حدیث صحیح ہے ابن حبان، حاکم اور ھیثمی نے اس حدیث کو صحیح کہا۔ اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۱۰/۱۷۰، ۱۷۱) میں کہا: ابویعلی کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

(۴۶) نبی پاک ﷺ نے انبیا کی قبروں کی زیارت کی ترغیب بخشی

امام بخاری نے فرمایا: اس باب میں ان لوگوں کا ذکر ہے جنھوں نے ارض مقدس یا اس جیسے مقامات میں دفن ہونا پسند فرمایا، ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: ملک الموت موسی علیہ السلام کے پاس بھیجے گئے جب وہ آپ کے پاس آئے تو آپ نے انہیں زور سے طمانچہ مارا کہ ان کی آنکھ پھوٹ گئی ملک الموت نے اپنے رب کی بارگاہ میں عرض کیا: تو نے مجھے ایسے بندہ کے پاس بھیجا جو موت نہیں چاہتے، تو اللہ نے ان کی آنکھ انہیں دوبارہ واپس فرمائی، اور فرمایا جاکر ان سے کہنا کہ اپنا ہاتھ ایک بیل کے پشت پر رکھیں ان کے ہاتھ میں جتنے بال آئیں گے ہر بال کے عوض ایک سال زندگی ملے گی آپ نے عرض کیا: اے رب پھر کیا ہوگا؟ فرمایا پھر موت، عرض کی: تو اس وقت، آپ نے اللہ سے عرض کیا کہ: ایک پتھر پھینکنے بھر ارض مقدسہ کے قریب فرمادے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"فلو كنت عنده لأريتكم قبره إلى جانب الطريق عندالكثيب الأحمر".

ترجمہ: ''اگر میں وہاں ہوتا تو ضرور سرخ ریت کے ٹیلہ کے پاس راستہ کے کنارے تمہیں ان کی قبر کی زیارت کراتا''۔

میں کہتا ہوں: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر حضرت موسی کی قبر کی معرفت کا کوئی فائدہ نہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ یہ نہ ارشاد فرماتے: ''اگر میں وہاں ہوتا تو سرخ ریت کے ٹیلہ کے پاس راستہ کے کنارے تمہیں ان کی قبر کی زیارت کراتا۔[1]

نبی پاک ﷺ اپنی امت کو وہی چیز تعلیم فرماتے ہیں جس میں امت کی بھلائی اور ہدایت وصلاح ہو، آپ کا ارشاد: ''میں ضرور تمہیں ان کی قبر کی زیارت کراتا'' اس بات کی خبر دے رہا ہے کہ اس کا سبب زیارت ہی ہے .... گویا اس کا یہ معنی ہے میں تمہیں ان کی قبر ضرور دکھاتا تو ضرور تم اس قبر کی زیارت کرتے ورنہ اس ارشاد کا کیا سبب

(۱) بخاری (۴۴۹/۱)، مسلم (۱۸۴۲/۴) اور ابن حبان (۱۱۳/۱۴، ۱۱۶) نے اس حدیث کی تخریج کی۔

ہےاس پرغور کرنا چاہئے۔

اس مقام پرایک دوسرا فائدہ یہ بھی ہے:

کہ ارض مقدسہ اور پاکیزہ مقامات میں دفن ہونا مستحب ہے تمام نہ سہی عظیم شارحین حدیث نے یہی قول فرمایا۔

اوراس میں یہ بھی ہے کہ: گزشتہ امتیں اپنے انبیا کی قبریں چھپاتی تھیں اور واللہ اعلم اس کا سبب یا تو یہ ہے کہ وہ توحید میں کمزور تھے، یا اپنے انبیا کی توقیر وتعظیم نہ کرتے تھے۔

اور جب یہودیوں کا یہ حال تھا کہ انھوں نے بہت سارے انبیا کو شہید کیا، اوراس قتل پر وہ فخر کیا کرتے تھے تو پھران کے انبیا کی قبریں کیا ان سے محفوظ و مامون رہیں گی، ان کی سرکشی کا عالم یہ تھا کہ کبھی اپنے انبیا کو ان کی قبروں سے نکال کر جلا ڈالتے، اور ان کا مثلہ کرتے، یا ان کے ساتھ اس سے بھی زیادہ شنیع افعال وحرکات کرتے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿ وَيَقْتُلُوْنَ الأَنْبِيَآءَ ﴾ [آل عمران-۳:۱۱۲]

ترجمہ:۔''اور پیغمبروں کو ناحق شہید کرتے''

ایک نبی نہیں بلکہ بہت سارے انبیا کے ساتھ انھوں نے یہ شنیع حرکتیں کیں، یہاں تک کہ بعض یہود یہ کہتے ہیں کہ ان حضرات کی قبروں پر نازل ہونے والی رحمت ہم دیکھنا چاہتے ہیں اس لیے وہ انہیں کھود ڈالتے۔

اس کے برخلاف آپ بنظر دقیق ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ مسلمانان عالم یا اہل عرب قبروں کی حرمت کا احترام کرتے۔عرب کی طرف جو انبیا مبعوث ہوئے وہ چار رسلان عظام ہیں:

اللہ کے نبی اسماعیل علیہ السلام آپ کی قبر کعبہ میں حجر اسماعیل کے پاس ہے خود ابن تیمیہ کو بھی اس کا اقرار ہے۔

رہا ھود علیہ السلام کی قبر تو وہ معروف ہے اور علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالی عنہ نے اس قبر کی جگہ واضح فرمادی ہے جیسا کہ بخاری نے تاریخ میں، اور طبری، اور ابن عسا کر نے اس کو آپ سے روایت کیا اور عمر اور بعض

صحابہ سے بھی مروی ہے۔

اور بعض صحابہ سے یہ بھی مروی ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قبر حجر اسود کے قریب ہے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے۔

اور حضرت صالح کی قبر بھی وہاں فنائے کعبہ میں واقع ہے۔

تفسیر قرطبی (۱۳۰/۲)، تفسیر طبری (۱۹۹/۱) اور در منثور (۴۸۷/۳) مطالعہ فرمائیں۔

رہ گئی امت محمد یہ تو اللہ تعالیٰ نے اسے شرک سے محفوظ رکھا ہے۔ انھوں نے اپنے نبی کی قبر کو جانا اور پہچانا اس میں کسی دو شخص کا بھی اختلاف نہیں، اور نبی پاک ﷺ نے یہ تنبیہ اس لیے فرمائی کہ آپ کی امت پر گزشتہ امتوں کی طرح خطرات نہ تھے، اسی لیے ارض مقدسہ کے پاس اگر نبی ﷺ موجود ہوتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیائے کرام صلوات اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی قبریں انہیں دکھاتے۔

فائدہ:

حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۲۰۷/۳) میں کہا: امام بخاری نے فرمایا: "**باب من أحب الدفن في الأرض المقدسة أو نحوها**" یعنی اس باب میں ان حضرات کا بیان ہے جنھوں نے ارض مقدسہ یا اس جیسے مقامات مقدسہ میں دفن ہونا پسند کیا" زین بن منیر نے کہا: امام بخاری کے ارشاد "یا اس جیسے مقامات مقدسہ" سے مراد حرمین کے باقی مقامات ہیں جہاں کا سفر کیا جاتا ہے، اور اسی طرح حتی الامکان انبیا کے مدفن اور شہدا اور اولیا کی قبریں مراد ہیں، تاکہ موسیٰ علیہ السلام کی اقتدا میں مقامات مقدسہ کے قرب و جوار کی برکت اور وہاں پر نازل ہونے والی رحمت کا حظ وافر حاصل ہو۔

(۴۷) نبی پاک ﷺ نے صالحین کی قبروں کی معرفت کی ترغیب بخشی

ابوداوداور ابن ماجہ، اور بیہقی نے مطلب سے روایت کیا کہ: عثمان بن مظعون کے وصال کے وقت آپ کا جنازہ لاکر آپ کو دفن کیا گیا تو نبی پاک ﷺ نے ایک شخص کو ایک پتھر لانے کا حکم فرمایا تو وہ پتھر نہ اٹھا سکے، تو رسول اللہ ﷺ اس ٹھوس پتھر کے پاس تشریف لے گئے اور اپنی دونوں مبارک کلائیوں کو کھولا، کثیر بن زید فرماتے ہیں مطلب نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں جس راوی نے مجھے بتایا اس نے کہا: جس وقت رسول اللہ ﷺ نے اپنی دونوں مبارک کلائیوں کو کھولا گویا میں آپ کے دونوں کلائیوں کی سفیدی (تابش و چمک) دیکھ رہا تھا، پھر آپ نے اس پتھر کو اٹھا کر ان کے سر کے پاس رکھا اور فرمایا: "أتعلم بها قبر أخي و أدفن إليه من مات من أهلي" میں اس پتھر کے ذریعہ اپنے بھائی عثمان بن مظعون بن جسیب بن وہب قرشی کی قبر کی علامت مقرر کرتا ہوں، اور دنیا سے سفر کرنے والے اپنے اہل کو میں یہیں دفن کرتا ہوں۔"(۱)

میں کہتا ہوں:

اس حدیث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جب نبی پاک ﷺ نے ایک ٹھوس بڑا پتھر اس لیے رکھا تا کہ اس سے ایک صحابی رسول کی قبر کا علم ہو، اور آپ اس قبر کی زیارت فرمائیں، بلاشبہ یہ صحابی صالحین میں سے ہیں، تو کیا انبیائے کرام کی قبروں کی زیارت و معرفت بالکل بے فائدہ اور بے سود ہے۔

ابن تیمیہ کی رائے کے متعلق اب آپ خود ہی فیصلہ کریں۔

---

(۱) ابوداود (۲۱۲/۳)، ابن ماجہ (۴۹۸/۱) اور بیہقی نے سنن کبری میں (۴۱۲/۳) یہ حدیث تخریج کی۔ اور یہ حدیث حسن ہے تین حفاظ حدیث نے اس حدیث کو حسن کہا۔ حافظ ابن حجر نے تلخیص الحبیر (۱۳۳/۲)، کنانی نے مصباح الزجاجۃ (۴۰/۲) اور وادیاشی اندلسی نے تحفۃ المحتاج (۲۹/۲) میں اس حدیث کو حسن کہا۔

اور حافظ ابن حجر نے فرمایا: اس حدیث کی اسناد حسن ہے اس اسناد میں صرف کثیر بن زید ہیں جو مطلب سے روایت کرتے ہیں اور یہ صدوق (زیادہ راست گو) ہیں، اور مطلب نے بیان کیا کہ: ایک مخبر نے انہیں یہ خبر دی اور ان کا نام ذکر نہ کیا، اور صحابی کے نام کا مبہم ہونا مضر نہیں۔

(۴۸) مسلمانوں کا عمل اور ان کا برکت حاصل کرنا

خطیب نے تاریخ بغداد (۱/۱۲۱) میں نقل کیا:

کہ ابویعلی فرا حنبلی نے ایک ایسے شخص کے متعلق بیان کیا جو ابوبکر بن مالک کے پاس آمدورفت رکھتے تھے اس شخص سے پوچھا گیا آپ وصال کے بعد کہاں دفن ہونا پسند کرتے ہیں تو انھوں نے کہا: قطیعہ میں، اور عبداللہ بن احمد بن حنبل قطیعہ میں مدفون ہیں ___ اس سلسلے میں عبداللہ کے متعلق پوچھا گیا: تو انھوں نے کہا آپ کے متعلق میرا گمان یہ ہے کہ آپ نے وہاں دفن کیے جانے کی وصیت فرمائی تھی، اور آپ نے کہا: مجھے صحت کے ساتھ معلوم ہے کہ قطیعہ میں ایک نبی مدفون ہیں، اور اپنے والد کے جوار فیض میں رہنے کی بہ نسبت کسی نبی کے جوار رحمت میں رہنا مجھے زیادہ پسند ہے۔

معجم البلدان للحموی (۱/۱۲۱) بھی ملاحظہ فرمائیں۔

اور احمد بن عباس سے بھی منقول ہے آپ نے فرمایا: میں بغداد سے نکلا تو میرے سامنے ایک شخص آئے جن پر عبادت کے آثار نمودار تھے انھوں نے مجھ سے کہا: آپ کہاں سے آئے؟ میں نے کہا: بغداد سے، میں وہاں کے فتنہ وفساد کو دیکھ کر اس خوف سے بھاگ آیا کہ کہیں وہاں کے لوگ زمین میں دھنسا نہ دیے جائیں۔ تو انھوں نے فرمایا: آپ بغداد واپس جایئے اور کچھ بھی خوف نہ کیجئے کیوں کہ وہاں چار ایسے اولیاء اللہ کی قبریں ہیں جو وہاں والوں کے لیے تمام بلاؤں سے مضبوط قلعہ ہیں۔

اور احمد بن عباس سے بھی منقول ہے آپ نے فرمایا: میں بغداد سے نکلا تو میرے سامنے ایک شخص آئے جن پر عبادت کے آثار نمودار تھے انھوں نے مجھ سے کہا: آپ کہاں سے آئے؟ میں نے کہا: بغداد سے، میں وہاں کے فتنہ وفساد کو دیکھ کر اس خوف سے بھاگ آیا کہ کہیں وہاں کے لوگ زمین میں دھنسا نہ دیے جائیں۔ تو انھوں نے فرمایا: آپ بغداد واپس جایئے اور کچھ بھی خوف نہ کیجئے کیوں کہ وہاں چار ایسے اولیاء اللہ کی قبریں ہیں جو وہاں

والوں کے لیے تمام بلاؤں سے مضبوط قلعہ ہیں۔ میں نے کہا: وہ کون حضرات ہیں؟ فرمایا: امام احمد بن حنبل، اور معروف کرخی، اور بشر حافی، اور منصور بن عمار۔ تو میں واپس آیا اور ان حضرات کے مزارات کی زیارت کی اور میں اس سال کہیں نہ گیا۔

شیخ ابوبکر نے کہا: ''معروف کی قبر باب الدیر کے مقبرہ میں مشہور و معروف ہے۔ اور آپ کے علاوہ دیگر حضرات کی قبریں باب حرب میں ہیں''۔

اور حافظ خطیب بغدادی نے خود تین چیزوں کے لیے آب زمزم نوش جاں فرمایا ان میں سے ایک چیز یہ تھی کہ بشر حافی کے پہلو میں آپ کو دفن کیا جائے۔

حافظ ابن عساکر نے اسے ذکر کر کے کہا کہ: خطیب بغدادی نے ذکر کیا کہ: جب انھوں نے حج کیا تو آب زمزم تین بار نوش فرمایا اور اللہ عزوجل سے تین حاجتوں کا سوال کیا: بغداد میں تاریخ بغداد بیان کریں، اور جامع منصور میں حدیث املا کرائیں، اور بشر حافی کے قریب مدفون ہوں، آپ کی یہ تینوں حاجتیں پوری ہوئیں۔

مزید تفصیل کے لیے حافظ ذہبی کی **سیر أعلام النبلاء** (۲۷۹/۱۸) اور حافظ سیوطی کی **تذکرة الحفاظ** (۱۱۳۹/۳) مطالعہ کریں۔ اور حفاظ حدیث اور فقہا و اصولیین میں سے ائمہ مسلمین کی کتابیں ان مقامات مقدسہ کے اکتساب برکت سے مالا مال ہیں جہاں صالحین کی قبریں ہیں ہم عنقریب اس سلسلے میں ایک مستقل بحث کریں گے، اور ایسے ائمہ کرام کے اقوال پیش کریں گے جن کا ابن تیمیہ بے حد احترام و اکرام کرتا ہے اور اس قدر کافی ہے۔

وصل اللهم علی سیدنا محمد و آله وصحبه وسلم

(۴۹) نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس دعا کرنا

شیطان کو یقین سے معلوم ہے کہ انبیاے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں ___ جیسا کہ شب اسراو معراج میں رسول اللہ ﷺ نے ان حضرات انبیاے کرام سے ملاقات فرمائی ___ اور اسے یہ بھی خوب معلوم ہے کہ انبیاے کرام کی دعائیں مقبول و مستجاب ہیں، اس لیے کہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے:

''و کل دعاء نبي مستجاب'' (ترجمہ:۔''اور ہر نبی کی دعا مستجاب ہوتی ہے'')

شیطان کو اس بات کا خوف ہے کہ اللہ کے حبیب ﷺ کا کوئی امتی دعا کرے، تو نبی پاک ﷺ اس کی دعا پر کہیں آمین نہ فرما دیں اور اس کی دعا مقبول نہ ہو جائے۔

افسوسناک اور غم انگیز بات یہ ہے کہ بعض علما جیسا کہ امام مالک نے یہ فرمایا کہ مقبرہ اور پاک حمام میں نماز پڑھنا اور ذکر و دعا کرنا جائز ہے، پھر ابن تیمیہ آیا اور اس نے یہ دعوی کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اطہر کے پاس دعا کرنا بدعت محرمہ ہے، اس میں کیا مصلحت ہے؟ یہ ثابت شدہ ہے کہ ہر دور اور ہر زمانہ میں امت محمدیہ نے صدق دل اور خشوع کے ساتھ اپنے انبیا کی قبروں کے پاس دعائیں کیں۔ ابن تیمیہ نے اس ثابت شدہ امر کے انکار میں پوری کوشش صرف کی اور افضل الخلق ﷺ کی شان میں کھل کر دریدہ دہنی کی۔ دراصل اسے اس بات کی فکر ہے کہ نبی پاک ﷺ کے وصال کے بعد بھی مسلمانوں کا رابطہ اپنے رسول گرامی وقار ﷺ سے کیوں باقی ہے کہ انہیں خواب میں بھی اپنے نبی کا دیدار پر انوار نصیب ہوتا ہے۔ ابن تیمیہ نے امت مسلمہ کے اس خواب کی اہمیت گھٹائی، اور ان خواب دیکھنے والوں کو مولفۃ القلوب سے قرار دیا۔ نبی پاک ﷺ کے دیدار کے مسئلے میں اس امر کو ہم نے ذکر کیا، اور بہت سارے علماے امت کی روشن تصریحات گزریں کہ انھوں نے ابن تیمیہ کو سفیہ و بے وقوف اور مبتدع کہا جیسا کہ اس کے احوال کے تحت اس کا ذکر گزرا، یہاں تک کہ علامہ قسطلانی نے اس کے بارے میں فرمایا اور زرقانی نے اس کو برقرار رکھا کہ: جب آپ کو یہ خبر ملی کہ ابن تیمیہ یہ دعوی کرتا ہے کہ نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس دعا کرنا حرام ہے تو آپ نے فرمایا:''کیا اس شخص کو ایسی جھوٹی بات کہنے سے حیا

نہیں آتی جو اسے معلوم نہیں'، علامہ زرقانی نے علامہ قسطلانی کے اس قول کو برقرار رکھا۔ اور تقی الدین حصنی جو ملک شام میں نقیب الاشراف ہیں، آپ کا زمانہ ابن تیمیہ کے زمانہ کے کچھ بعد ہے، مصر کے مشہور اسلاف نے آپ کی ''کتاب الاخبار'' داخل درس فرمایا آپ نے بہت ہی واضح لفظوں میں فرمایا: ''میری آنکھوں نے ابن تیمیہ سے بڑا فاجر نہ دیکھا''۔

ابن تیمیہ نے نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر کے پاس دعا کا شدت سے انکار کیا جب کہ قبروں کے پاس دعا کرنا جائز و مستحب ہے اس کی روشن دلیل خود رسول اللہ ﷺ کا روشن عمل ہے، آپ کے اصحاب اور آپ کی امت نے آپ کے واضح عمل سے یہی سمجھا کہ قبروں کے پاس دعا کرنا جائز و مستحب ہے اسی لیے انھوں نے حضور کے روضۂ اقدس کے پاس دعائیں کیں جیسا کہ آئندہ سطور میں چھ صحابہ کرام کے بارے میں ہم ذکر کریں گے، اسی طرح سلف صالح اور ائمہ عظام نے اہل بیت اور بعض صالحین کی قبروں کے پاس دعائیں کیں جیسا کہ آ رہا ہے، حضور کا عمل، اور آپ کے اصحاب اور آپ کی امت کا آپ کے روشن عمل سے جواز و استحباب کا سمجھنا اور سلف صالح کا اس پر عمل فرمانا یہ ساری چیزیں اس بات کی روشن دلیل ہیں کہ روضۂ اقدس کے پاس دعا کرنا جائز و مستحب ہے۔

رہ گیا رسول اللہ ﷺ کا عمل تو امام مسلم وغیرہ نے بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا آپ نے فرمایا: کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ جب قبروں پر تشریف لے جاتے تو انہیں یہ تعلیم فرماتے کہ یوں کہیں **''السلام علی أهل الدارمن المومنين والمسلمين إناإن شاء الله بكم لاحقون، أنتم لنافرط، ونحن لكم تبع نسأل الله لناولكم العافية''**[1] تمام مومن اور مسلمان قبر والوں پر سلام نازل ہو اور انشاء اللہ ہم بھی آپ لوگوں کے پاس آنے والے ہیں۔ آپ ہم سے پہلے آئے اور ہم آپ کے بعد آنے والے ہیں، ہم اللہ سے اپنے لیے اور آپ لوگوں کے لیے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

اور امام مسلم وغیرہ نے روایت کیا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی پاک ﷺ سے اہل بقیع کی

(۱) بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث صحیح ہے امام احمد (۵/۳۵۳، ۳۵۹)، مسلم (۲/۶۷۱) نسائی (۱/۶۵۷، ۶/۲۶۸) ابن ماجہ (۱/۴۹۴) اور ابن حبان (۷/۴۴۵) وغیرہم نے اسے روایت کیا۔

زیارت کے بارے میں سوال کیا اور عرض کیا: یارسول اللہ میں ان لوگوں سے کیسے عرض کروں؟ آپ نے فرمایا: تم یہ کہو "**السلام علی أھل الدیار من المومنین والمسلمین ویرحم اللّٰہ المستقدمین منا والمستأخرین وإنا إن شاء اللّٰہ بکم لاحقون**"[1] تمام مومن اور مسلمان دیار والوں پر سلام نازل ہو اور ہم سے سبقت کرنے والوں اور بعد میں آنے والوں پر اللہ رحم فرمائے۔ اور انشاء اللہ ہم بھی آپ لوگوں کے پاس آنے والے ہیں۔

ترمذی وغیرہ نے سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کیا آپ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ کی قبروں کے پاس سے گزرے تو ان کی طرف رخ اقدس فرما کر ارشاد فرمایا: "**السلام علیکم یاأھل القبور یغفر اللّٰہ لنا ولکم أنتم سلفنا ونحن بالأثر**"[2] اے قبر والو! تم پر سلامتی ہو اللہ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے، تم ہم سے پہلے آئے اور ہم بعد میں آنے والے ہیں۔

میں کہتا ہوں:

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو چیزوں کی طرف راہ نمائی فرمائی:

۱۔ حضور نے اپنے لیے دعا فرمائی اور فرمایا: "ہم اللہ سے اپنے لیے سوال کرتے ہیں" اور "اللہ ہماری مغفرت فرمائے" اور سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کو یہ تعلیم فرمایا کہ اپنے لیے اور تمام امت کے لیے دعا فرمائیں جیسا کہ کلمہ "**والمستأخرین**" (بعد میں آنے والوں کے لیے) اس پر روشن دلیل ہے، قبروں کے پاس دعا کے مسئلہ میں یہ حدیث محکم اصل کا درجہ رکھتی ہے۔

۲۔ نبی پاک ﷺ نے صرف انہیں کے لیے دعا نہ فرمائی بلکہ ان سے پہلے اپنے لیے دعا فرمائی اس پر غور وفکر کرنا چاہئے اور متنبہ ہونا چاہئے۔

---

(۱) سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی حدیث صحیح ہے جسے امام احمد (۲۲۱/۶)، مسلم (۶۷۰/۲)، نسائی (۶۵۵/۱)، ابن حبان (۴۶/۱۶) اور بیہقی نے کبری میں (۷۹/۴) روایت کیا۔

(۲) ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کی حدیث حسن ہے ترمذی نے یہ حدیث تخریج کی (۳۶۹/۳) اور کہا: حسن غریب ہے۔ اور ضیاء مقدسی نے المختارۃ (۵۴۱/۹) اور طبرانی نے کبیر میں (۱۰۷/۱۲) یہ حدیث تخریج کی۔

(۲)حضور نے صرف رحمت ومغفرت ہی کی دعا نہ فرمائی بلکہ اللہ عزوجل سے سب کی عافیت کا سوال فرمایا جس سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ دعا کا جواز دعائے رحمت ومغفرت وعافیت وغیرہ سب کو عام ہے چاہے مقابر میں موجود لوگوں کی حالت یا مردوں کے لحاظ سے ہو۔

بلکہ ابومویہبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث اس امر پر دال ہے کہ صرف دعا ہی نہیں بلکہ تکلم وخطاب بھی جائز ہے چاہے یہ خطاب زندہ لوگوں سے ہو یا مردوں سے۔امام احمد نے تخریج کی کہ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ ابومویھبہ نے فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ نے مجھے آدھی رات میں بیدار کیا اور فرمایا:''اے ابومویھبہ! مجھے اہل بقیع کے استغفار کا حکم ہوا ہے اس لیے میرے ساتھ چلیے میں حضور کے ساتھ چلا جب آپ اہل بقیع کے درمیان کھڑے ہوئے تو ارشاد فرمایا:''اے قبر والو!تم سب پر سلامتی ہو تمھیں تمہاری صبح دوسروں کی صبح سے مبارک ہو۔کاش تمہیں معلوم ہوتا اللہ نے کس فتنہ سے تمہیں نجات بخشی،تاریک رات کے ٹکڑوں کی طرح فتنے نمودار ہوئے پہلے فتنہ کے پیچھے آخری فتنہ تھا،آخری فتنہ پہلے فتنہ سے بدتر تھا''ابومویھبہ نے فرمایا: پھر حضور نے میری طرف رخ انور فرما کر ارشاد فرمایا:''**یاأبامویھبة إني قدأوتیت مفاتیح خزائن الدنیاوالخلدفیھاثم الجنة وخیرت بین ذلک وبین لقاء ربي عزوجل والجنة**''اے ابومویھبہ! مجھے دنیا کے خزانوں کی کنجیاں اور دنیا میں عرصہ دراز تک رہنا پھر جنت عطا کی گئی اور مجھے ان چیزوں اور اپنے رب عزوجل کی ملاقات اور جنت کے درمیان اختیار بخشا گیا''ابومویھبہ نے عرض کیا: حضور پر میرے باپ اور میری ماں قربان آپ دنیا کی کنجیاں اور اس میں عرصہ دراز تک رہنا پھر جنت قبول فرمالیں اس پر حضور نے فرمایا:''**لاوالله یاأبامویھبة لقداخترت لقاء ربي والجنة**''۔''نہیں اے ابومویھبہ! خدا کی قسم میں نے اپنے رب کی ملاقات اور جنت کو ترجیح دی''پھر اہل بقیع کے لیے استغفار فرما کر واپس تشریف لائے اس کے بعد حضور اقدس ﷺ اس درد میں مبتلا ہوئے جس میں صبح کے وقت اللہ عزوجل نے آپ کو اپنی بارگاہ میں بلالیا۔(۱)

---

(۱) ابومویھبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث امام احمد(۴۸۹/۳)اور ابن ابی عاصم نے الاحاد والمثانی (۳۴۳/۱،۳۴۴)میں تخریج کی اور دیگر محدثین نے بھی تخریج کیا،اور ھیثمی نے مجمع الزوائد(۲۴/۹)میں کہا:اس کو احمد اور طبرانی نے دو سندوں سے روایت کیا اور ان دو سندوں میں سے ایک سند کے رجال ثقہ ہیں۔

میں کہتا ہوں:

اس حدیث سے یہ بھی انکشاف تام ہوتا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے اہل بقیع کی زیارت اوران کی دعا کا قصد فرمایاان روشن حقائق سے ابن تیمیہ کے اس جھوٹے دعوی کی حقیقت اظہر من الشمس ہوگئی کہ:''مردوں کی دعایااپنی دعاکے لیےقبروں کے پاس جاناممنوع ہے''۔

نماز جناز ہ میں چوتھی تکبیر کے بعد دعاکے سلسلے میں جوآ ثاروارد ہیں ان میں اگرکوئی غور وفکر کرے گا تواس پر یہ واضح ہوگا کہ انسان کااپنے لیےاورتمام مسلمانوں کے لیے دعا کرنا جائز ہے تمام مشہور ائمہ ابوحنیفہ، و مالک، وشافعی، واحمد وغیرہم اسی پر ہیں،اوراس دعاکےضمن میں یہ ہے کہ اے اللہ! توہمیں ان کے اجر سےمحروم نہ فرما،اوران کے بعد ہمیں فتنہ میں نہ ڈال ۔اس کے علاوہ دوسرےکلمات بھی وارد ہیں۔ ہرشخص جانتا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے مقابر میں نماز جنازہ پڑھائی جیسا کہ امام بخاری ومسلم نے اسے روایت کیا۔اور یہ جمہور ائمہ مالک اورشافعی اوراحمد وغیرہم کامذہب ہے،فقہ واحکام کی ساری کتابیں اس کے ذکر سے مالا مال ہیں۔

(۵۰) نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس کم از کم ۶ / چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دعا فرمائی

رسول اللہ ﷺ کے محبوب حضرت اسامہ بن زید، عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، اور انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور بلال بن عامر مزنی، اور عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، اور بخاری و مسلم میں وارد ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے حجرہ میں نبی پاک ﷺ کی قبر اطہر کے پاس تسبیح پڑھی اور آپ پر درود بھیجا اور دعا کی۔

رسول اللہ ﷺ کے محبوب اسامہ بن زید

عبداللہ بن عبداللہ بن عتبہ نے کہا: میں نے اسامہ بن زید کو حجرہ عائشہ کے پاس دعا کرتے دیکھا اتنے میں آپ کے پاس مروان آیا اور آپ سے ایک بات کہی تو حضرت اسامہ نے فرمایا: ''سنو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ فحش گو اور بدکلام کو ناپسند و مبغوض رکھتا ہے'' اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔ (۱)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما

عبداللہ بن دینار نے فرمایا: میں نے عبداللہ ابن عمر کو دیکھا آپ نے نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر کے پاس کھڑے ہو کر آپ پر سلام پیش کیا اور دعا کی پھر ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لیے دعا کی۔ (۲)

انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عبداللہ بن منیب بن عبداللہ بن ابو امامہ اپنے باپ سے راوی انھوں نے فرمایا: میں نے انس بن مالک

---

(۱) طبرانی نے کبیر میں اس حدیث کو روایت کیا (۱/۱۲۶) اور ضیا مقدسی نے المختارۃ (۴/۱۰۵) میں اسے صحیح کہا، اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۸/۶۴، ۶۵) میں کہا: اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۲) بیہقی نے سنن کبری (۵/۲۴۵) میں اس حدیث کو روایت کیا۔

کو دیکھا آپ نبی پاک ﷺ کی قبر کے پاس آ کر کھڑے ہوئے، اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ آپ نے نبی پاک ﷺ سے مدد طلب کی پھر واپس تشریف لائے۔(۱)

اس حدیث کے رجال پر گفتگو:

بیہقی کے شیخ ابو سعید بن عمرو (محمد بن موسیٰ بن فضل نیشاپوری) ہیں علامہ ذہبی نے ''سیر أعلام النبلاء'' (۱۷/۳۵) میں آپ کے بارے میں ذکر کیا: آپ شیخ ثقہ مامون ہیں، اور ابو عبداللہ صفار (محمد بن عبداللہ بن احمد اصفہانی): ذہبی نے سیر أعلام النبلاء (۵/۴۳۷) میں کہا: شیخ امام محدث مقتدا (پیشوا) ہیں۔ اور حاکم نے کہا: محدث مقبول الدعوہ ہیں۔ اور ابو بکر بن ابی الدنیا (عبداللہ بن محمد بن عبید) صاحب المصفات الحسان ہیں، ابن ابوحاتم نے کہا: میں نے اپنے والد کے ساتھ ان کی روایت کردہ حدیث لکھی، اور میرے والد نے کہا: وہ بغدادی صدوق ہیں۔ (الجرح والتعدیل ۵/۱۶۳) اور ابن جوزی، اور ذہبی، اور ابن کثیر، اور ابن حجر، اور سخاوی نے انہیں ثقہ کہا۔ (مقدمۃ کتاب الصمت ص ۶۱ مطالعہ کیجئے)۔ اور حسن بن صباح بن محمد بزار، احمد بن حنبل نے کہا: ثقہ صاحب سنت ہیں۔ اور ابوحاتم نے کہا: صدوق (زیادہ راست گو) ہیں (تہذیب الکمال ۶/۱۹۳، ۱۹۴) اور معن بن عیسیٰ قزاز، ابن حجر نے کہا: ثقہ ثبت ہیں (التقریب ۶۸۲۰) اور عبداللہ بن منیب بن عبداللہ بن ابوامامہ، نسائی نے کہا: ان میں کوئی حرج نہیں، اور ابن حبان نے ان کو ثقہ کہا: (تہذیب الکمال ۱۶/۱۷۷) اور ابن ابوحاتم نے الجرح والتعدیل (۵/۱۵۲) میں عبداللہ بن حسن سے نقل کیا کہ آپ نے فرمایا: ''عبداللہ بن منیب ثقہ ہیں'' اور منیب بن عبداللہ بن ابوامامہ، ابن حجر نے تقریب (۶۹۱۹) میں کہا: مقبول ہیں۔ اور ابن حبان نے ان کو ثقہ کہا۔ (الثقات ۷/۵۰۹) اور ذہبی نے الکاشف (۲/۲۹۸) میں کہا: وہ قابل وثوق اور لائق اعتماد ہیں۔

بلال بن حارث مزنی

ابن ابوشیبہ، بیہقی اور ابن عساکر کی روایت کردہ اثر صحیح میں ہے: مالک دار نے فرمایا کہ آپ حضرت

(۱) بیہقی نے شعب الایمان (۳/۴۹۱) میں اس حدیث کو روایت کیا اور اس کی اسناد حسن ہے۔

عمر کے خازن طعام (غلہ) تھے عمر کے زمانہ میں لوگ قحط میں پڑ گئے ایک شخص نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس آئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! اپنی امت کے لیے استسقا (بارش اور پانی طلب) فرمائیں کیوں کہ لوگ ہلاک ہورہے ہیں اس شخص کو خواب میں بتایا گیا ''عمر سے جا کر سلام کہنا اور انہیں یہ خبر دینا کہ تمہیں بارش سے سیراب کیا جائے گا اوران سے یہ بھی کہنا تم پر عقل ودانائی اورفہم وزیرکی اور کاموں میں سنجیدگی لازم ہے اس شخص نے آ کر عمر کو خبر دی تو حضرت عمر نے اشک آلود آنکھوں سے عرض کیا اے پروردگار! میں کوتاہی نہیں کرتا مگر جو میرے بس سے باہر ہے۔ (۱)

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ذکر کیا کہ یہ شخص بلال بن حارث مزنی ہی ہیں بالفرض اگر کوئی دوسرے شخص ہیں تو کم از کم وہ تابعین کبار سے ہیں جنھوں نے حضرت عمر کو خیر وسنت کے زمانہ میں پایا۔

عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالی عنہ

امام نووی نے عقبہ بن عامر صحابی کے احوال کے تحت (تہذیب الاسماء واللغات ۱/۳۰۸-۳۰۹) میں کہا:

عقبہ بن عامر صحابی رضی اللہ تعالی عنہ فتح دمشق میں عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ کے قاصد اور پیغام رساں تھے آپ سات دن میں مدینہ منورہ طیبہ پہنچے، اور وہاں سے ڈھائی دن میں شام واپس آئے۔ اور آپ نے مدینہ میں نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس آپ کے وسیلہ سے دعا کی کہ مجھے میرے منزل مقصود کے قریب فرمادیں۔

(۱) ابن ابی شیبہ (۶/۳۵۶نمبر۳۲۰۰۲) نے دلائل النبوۃ، اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۴۴/۳۴۵)، (۵۶/۴۸۹) میں اسے روایت کیا اور یہ حدیث صحیح ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۲/۴۹۵-۴۹۶)، ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ (۷/۹۱-۹۲) میں اور محدث غماری (الرد المحکم ص۵۲،۵۳) نے اسے ذکر کیا۔ نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر سے استسقا کے مسئلہ میں اس حدیث کی تعلیقات دیکھنی چاہئے۔

سلف اور ائمہ محدثین کے افعال

(۱) ابن ابو فدیک:

میں نے بعض ملاقات کرنے والوں سے سنا انھوں نے فرمایا: ہمیں یہ خبر ملی کہ جو شخص نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر کے پاس کھڑے ہوکر یہ آیت کریمہ تلاوت کرے:

﴿ إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴾ [الاحزاب-۳۳؍۵۶]

ترجمہ: ’’بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر اے ایمان والوان پر درود اور خوب سلام بھیجو‘‘۔

اور یہ کہے صلی اللہ علیک یا محمد (اے محمد ﷺ آپ پر اللہ رحمت فرمائے) ستر مرتبہ یہ آیت کریمہ تلاوت کرنے پر ایک فرشتہ جواب دیتا ہے اے فلاں! اللہ نے تم پر فضل وانعام فرمایا تمہاری کوئی حاجت ناکام نہ ہوئی۔[۱]

(۲) حافظ ابن ابو عاصم (۲۰۶-۲۸۷ھ):

ابن ابو عاصم جو ائمہ محدثین سے ہیں انھوں نے اپنی کتاب الاحاد والمثانی (۱؍۱۶۳) میں کہا کہ: طلحہ بن عبید اللہ کے لیے ستر ہزار درہم کے عوض ایک مکان خریدا گیا۔ یہ وہ مکان ہے جہاں دونوں ہجرت کے وقت آپ کی قبر تھی میں نے ارباب علم وفضل کی ایک جماعت کو دیکھا جب انہیں کوئی غم ومصیبت لاحق ہوتی آپ کے روضۂ اطہر پر حاضر ہوکر آپ کی بارگاہ میں ہدیۂ سلام پیش کرتے، پھر آپ کی بارگاہ میں دعا کرتے اور اجابت سے شادکام ہوتے۔ ہمارے قدیم مشائخ نے ہمیں یہ خبر دی کہ ان حضرات نے پیش روعلما وفضلا کو بھی ایسا ہی کرتے دیکھا۔

(۱) بیہقی نے شعب الایمان (۳؍۴۹۲)، اور حافظ حمزہ سہمی نے تاریخ جرجان (۱؍۲۲۰) میں اس کو روایت کیا۔ اور حافظ سیوطی نے درمنثور (۱؍۵۷۰-۵۷۱) میں اس کو ابن ابی الدنیا کی طرف منسوب کیا۔

حافظ ابونعیم نے معجم الصحابہ (۱/۳۳۴) میں ابن ابو عاصم سے اسے روایت کیا۔

(۳) امام الائمہ ابن خزیمہ (۲۲۳-۳۱۱ھ):

حاکم نے تاریخ نیشاپور میں کہا: میں نے ابوبکر محمد بن مؤمل بن حسن بن عیسی سے سنا آپ نے فرمایا: ہم لوگ امام المحدثین ابوبکر ابن خزیمہ اور آپ کے عدیل (ہمسر و ہم مرتبہ) ابوعلی ثقفی کے ساتھ اپنے مشائخ کی ایک جماعت کے ساتھ طوس میں علی بن موسی رضا کے مزار اقدس کی زیارت کے لیے وافر تعداد میں نکلے میں نے ابوبکر بن خزیمہ کو دیکھا اس خاک مقدس کی بے پناہ تعظیم فرماتے اور وہاں حیرت انگیز تواضع وتضرع فرماتے۔''

یہ ابن خزیمہ وہی ہیں جنہیں ابن تیمیہ نے ۱۶/ بار امام الائمہ کے لقب سے ذکر کیا اور یہ کہا: ابن خزیمہ رضی اللہ تعالی عنہ۔ [1]

(۴) ابن حبان (۳۵۴ھ):

ابن حبان نے اپنی کتاب الثقات (۸/۴۵۷) میں علی بن موسی رضا کاظم، بن جعفر صادق، بن محمد باقر، بن علی زین العابدین، بن حسین رضی اللہ تعالی عنہ کی قبر اطہر کا ذکر کرتے ہوئے کہا: آپ کی قبر نوقان کے باہر سناباذ میں مشہور ہے رشید کی قبر کے بغل آپ کا مزار اقدس ہے میں نے بار ہا اس کی زیارت کی ہے۔ طوس میں قیام کے دوران جب بھی مجھے کوئی مشکل درپیش ہوئی میں نے علی بن موسی رضا صلوات اللہ علی جدہ وعلیہ کی قبر کی زیارت کی اور اللہ سے اس مشکل کے ازالہ کے لیے دعا کی میری دعا مقبول ومستجاب ہوئی اور میری وہ مشکل ٹل گئی ، بار ہا میں نے اس کا تجربہ کیا تو ایسا ہی (مقبول ومستجاب) پایا اللہ عزوجل حضور اقدس ﷺ کے اہل بیت کی محبت پر ہمارا خاتمہ فرمائے۔

(۱) ابن حجر عسقلانی کی تہذیب التہذیب (۷/۳۳۹) مطالعہ کریں، ابن تیمیہ نے اپنی کتاب ''بیان تلبیس الجهمية'' (۲/۵۲۸) میں ابن خزیمہ رضی اللہ تعالی عنہ کہا: اور اپنی کتاب ''العقيدة الأصفهانية (۱/۹۷) اور درء التعارض (۶/۲۶۴) اور بیان تلبیس الجہمیۃ (۲/۴۲) اور اجتماع الجیوش الإسلامیۃ (۱/۱۱۶-۱۱۷) اور الصفدیۃ (۱/۲۶۷) اور مجموع الفتاوی (۳/۱۹۲، ۵/۵۲، ۵/۱۳۸، ۶/۵۲۲، ۷/۵۶، ۳۳/۱۷۹) اور اپنی کتاب منہاج (۱/۴۲۳) اور الفتاوی الکبری (۵/۱۵۴، ۵/۲۴۶) میں سولہ (۱۶) مرتبہ آپ کو امام الائمہ کے لقب سے ذکر کیا۔

یہ بات بھی معروف ومشہور ہے کہ بادشاہ سبکتگین والی بلخ وغزنہ وغیرہ (۳۸۷ھ) دشمنان اہل بیت کرام سے تھا جب طوس پر اس کی حکومت ہوئی تو اس نے علی بن موسی رضا کے مزار اقدس کو ویران وبرباد کیا، اور آپ کے مزار کی زیارت کرنے والوں کو شہید راہ محبت کیا جب اس کا بیٹا محمود تخت نشین ہوا تو اس نے خواب میں علی رضی اللہ تعالی عنہ کو دیکھا آپ نے فرمایا: کتنے لوگوں کے ساتھ یہ معاملہ ہوگا تو اس نے مزار کو تعمیر کرایا اور اس کی طرف اس کے اوقاف واپس کردیے جیسا کہ حافظ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں ذکر کیا۔

(۱۶/۵۰۰) ''بادشاہ محمود بن سبکتگین نے اپنے والد کی بدعت کے بعد مذہب اہل سنت وجماعت کو فروغ دیا یہاں تک کہ خود ابن تیمیہ نے بار بار آپ کی تعریف کی اور مجموع الفتاوی میں آپ کے متعلق کہا:

''بادشاہ محمود سبکتگین اپنے ہم جنس بادشاہوں میں سب سے اچھے بادشاہ گزرے ہیں، ان کی سلطنت میں اسلام وسنت کو غلبہ وفروغ حاصل ہوا، مشرکین اہل ہند سے معرکہ آرائی کی اور عدل وانصاف کا ایسا پرچم لہرایا جو اس سے پہلے نہ لہرایا، ان کے زمانہ میں سنت کا ظہور ہوا اور بدعات کے قلعے مسمار ہوئے۔''

اور درء التعارض (۲۵۳/۶) میں کہا:

''سلطان محمود بن سبکتگین نے برسر منبر اہل بدعات پر کھلم کھلا لعنت کی، اور سنت کو روشن کیا''۔

اور بیان **تلبیس الجهمية**'' (۳۳۱/۲) میں کہا:

''سلطان محمود بن سبکتگین چودہویں صدی کے آخر میں اسلام، عقل، دین، جہاد اور بادشاہت کے لحاظ سے شاہان مشرق میں سب سے اچھے بادشاہ گزرے ہیں''۔

اور اپنی منہاج (۴۲۹/۳) میں آپ کے متعلق لکھا:

''آپ اچھے بادشاہوں میں سے تھے''۔

میں کہتا ہوں:

تو کیا محمود بن سبکتگین ان مذکورہ اعمال کے سبب کافر یا مشرک تھے؟ ابن تیمیہ تو آپ کی تعریف وتوصیف کرتا ہوا یہ کہتا ہے: کہ ''اسلام، عقل، دین، جہاد اور بادشاہت کے لحاظ سے شاہان مشرق میں سب سے اچھے بادشاہ

گزرے ہیں'' آپ نے تو مزار اقدس کی عمارت تعمیر کرائی اور اس کی طرف اس کے اوقاف واپس کیے اور ان پر وقف فرمائے، سلطان محمود کے ان اعمال میں غور وفکر کریں، اور متنبہ وہوشیار رہیں۔

(۵) امام ابراہیم حربی (۱۹۸-۲۸۵ھ): (۱)

ابراہیم حربی اکابر ائمہ میں شمار کیے جاتے ہیں لوگ آپ کو شیخ الاسلام کے عظیم لقب سے یاد کرتے ہیں، امام احمد بن حنبل سے آپ کا قیاس وموازنہ کیا جاتا ہے امام احمد بن حنبل نے اپنے فرزند عبداللہ کی تعلیم وتربیت آپ ہی کی روشن شخصیت کے حوالہ فرمائی ابراہیم حربی نے فرمایا: معروف کی قبر تریاق مجرب ہے۔

(۱) ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (۱۳/۳۵۶، ۳۷۰) میں کہا: ابراہیم حربی شیخ امام، حافظ، علامہ، شیخ الاسلام ابواسحاق ابراہیم بن اسحاق بن ابراہیم بن بشیر بغدادی حربی صاحب تصانیف کثیرہ ہیں ۱۹۸ھ میں آپ کی ولادت ہوئی ابوعبدالرحمٰن سلمی نے کہا: میں نے دارقطنی سے ابراہیم حربی کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ: آپ زہد وعلم وورع کے لحاظ سے امام احمد بن حنبل کے ہم پایہ ہیں، آپ کی مجلس میں تیس ہزار دواتیں ہوتیں، اور مروی ہے کہ ابراہیم نے جب ''غریب الحدیث'' تصنیف فرمائی جو اپنے موضوع پر کامل نفیس کتاب ہے۔ تو ثعلب نے کہا: ابراہیم صاحب غریب الحدیث کے پایہ کا کوئی محدث نہیں پھر آپ کی مجلس میں حاضر ہوئے ثعلب نے مجلس میں حاضر ہو کر سر تسلیم خم کر دیا اور کہا: میرے گمان میں اس پایہ کا کوئی شخص نہیں۔ ابن بشکوال نے اخبار ابراہیم حربی میں کہا: میں نے ابن عتاب کی کتاب سے نقل کیا ابراہیم حربی نیک انسان عالم تھے، آپ کو خبر ملی کہ آپ کی مجلس میں بیٹھنے والے کچھ لوگ آپ کو احمد بن حنبل پر فضیلت وترجیح دیتے تھے، آپ نے ان لوگوں کو اس سے خبردار وآگاہ کیا تو سب نے اس کا اقرار کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ آپ لوگوں نے مجھ پر ظلم کیا اس لیے کہ مجھے ایسی شخصیت پر فضیلت دی جس کے متعلق مجھے ذرا بھی شبہ نہیں اور نہ میرا حال ان کے احوال کی طرح ہے خدا کی قسم میں کبھی بھی آپ لوگوں کو کوئی علم نہ سناؤں گا اس لیے اب میرے پاس نہ آنا۔ اور حافظ سیوطی نے تذکرۃ الحفاظ (۲/۵۸۴، ۵۸۵) میں کہا: کہ عبداللہ بن احمد بن حنبل نے کہا مجھ سے میرے والد نے کہا: ابراہیم حربی کے پاس جاؤ وہ تمہیں علم فرائض سکھائیں گے۔ اور خطیب کی تاریخ بغداد، اور طبقات الحنابلہ (۱/۳۸۲) اور صفوۃ الصفوۃ (۲/۳۲۴) اور سیر (۹/۳۴۳-۳۴۴) اور المقصد الأرشد في ذكر أصحاب الإمام أحمد (۳/۳۷) میں آپ کا یہ قول مطالعہ کیجئے۔ اور ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (۱۳/۳۵۷) میں کہا: مخلص نے اپنے والد سے روایت کیا انھوں نے کہا اسماعیل قاضی ابراہیم حربی سے ملاقات کے خواہش مند تھے ایک دن دونوں حضرات کی ملاقات ہوگئی اور دونوں میں علمی مذاکرہ ہوا

ابن تیمیہ نے اپنے مشہور طریقہ کے مطابق اپنی کتابوں میں امام ابراہیم حربی کے اس ارشاد پر اعتراض کرتے ہوئے کہا: یہ بالاتفاق بدعت ہے، عبادت وقربت نہیں۔ اور مجھے معلوم نہیں یہ شخص کہاں سے یہ اتفاق ذکر کر رہا ہے، اس سے پہلے اسی ابن تیمیہ نے صحابی جلیل عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہما کو اس لیے مبتدع کہا کہ آپ نبی پاک ﷺ کے آثار اور آپ کی نماز وعبادت گاہوں کی سخت اتباع فرماتے جیسا کہ اس خاص مسئلہ پر ہم روشنی ڈال چکے۔

ابن تیمیہ کا جب یہ حال ہے تو اس کے خوفناک اسلوب اور باطل دعوی سے شدید احتراز اور سخت اجتناب لازم ہے۔ کیوں کہ ابراہیم حربی عظیم علمائے محدثین سے ہیں اس میں کسی کا اختلاف نہیں... یہاں تک کہ قاضی اسماعیل جن کی کتاب ''المبسوط'' سے ابن تیمیہ استدلال کرتا ہے ___ ابراہیم حربی سے ملاقات کی خواہش رکھتے انھوں نے یہ کہا: ''ابراہیم حربی کا ہم پایہ ہم نے نہ دیکھا''۔

ابن تیمیہ کا حال گزشتہ اوراق سے ظاہر ہے کہ اس نے اور اس کے اصحاب نے ائمہ کرام کے بارے میں کیا کیا کہا کسی نے کافر، کسی نے مبتدع کسی نے دین سے قطبانیت کی طرف خروج کرنے والا کہا۔

حافظ محاملی (صاحب امالی المحاملی ۲۳۵-۳۳۰ھ):

ابوعبداللہ محاملی فرماتے تھے: میں معروف کرخی کی قبر ستر سال سے جانتا ہوں جو بھی غم رسیدہ آپ کے مزار اقدس پر آیا اللہ عزوجل نے اس کا غم دور فرمایا۔(۱)

جب دونوں ایک دوسرے سے رخصت وجدا ہوئے تو ابراہیم سے اسماعیل کے متعلق پوچھا گیا تو کہا: اسماعیل ایک پہاڑ ہیں جس میں روح پھونک دی گئی ہے اور اسماعیل نے کہا: ابراہیم حربی کی طرح میں نے کسی کو نہ دیکھا۔ یہ قاضی اسماعیل وہ ہیں جن کی کتاب المبسوط سے ابن تیمیہ استدلال کرتا ہے جیسا کہ ہم جلد ہی اسے بیان کریں گے۔

(۱) خطیب نے تاریخ بغداد (۱۲۳/۸) میں آپ کے بارے میں اس کو نقل کیا حافظ ذہبی نے سیر أعلام النبلاء (۲۶۰،۲۵۸/۱۵) میں امام محاملی کے احوال میں ذکر کیا جس کا مضمون یہ ہے: محاملی قاضی امام علامہ محدث، ثقہ مسند وقت ابوعبداللہ حسین بن اسماعیل بن محمد بن اسماعیل بن سعید بن ابان ضبی بغدادی محاملی مصنف سنن کی ولادت ۲۳۵ھ کے آغاز میں ہوئی آپ ساٹھ سال تک عراق میں مسند آرائے افتاوافادہ رہے۔ دعلج بن احمد، اور طبرانی، اور دارقطنی،

اورابوعبداللہ بن جمیع اورابن شاہین نے آپ سے حدیث روایت کی،ابن جمیع صیداوی نے کہا: سفیان بن عیینہ کے اصحاب میں سے ستر حضرات قاضی محاملی کے یہاں تھے۔اورابوبکر داودی نے کہا: محاملی کی مجلس میں دس ہزار افراد ہوتے۔ ۳۲۰ھ سے قبل آپ نے عہدۂ قضا سے سبکدوشی حاصل کرلی آپ کے قضا کا دور نہایت عمدہ تھا محمد بن اسکاف نے کہا: میں نے خواب دیکھا گویا کوئی یہ کہہ رہا ہے کہ اللہ عزوجل محاملی کی برکت سے اہل بغداد کی بلاضرور دفع فرمائے گا مزید تفصیل وتحقیق کے لیے تذکرۃ الحفاظ (۸۲۴/۳-۵۲۵) بھی مطالعہ کریں۔

(۵۱) نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس دعا، اور دعا کے وقت روضۂ نبوی کی طرف رخ کرنے کے متعلق امام مالک کے مذہب کی تحقیق

امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے دو روایتیں منقول ہیں جن میں کوئی تعارض نہیں۔

(۱) ابن وہب (جو امام مالک کے اجل اصحاب سے ہیں) نے کہا: امام مالک نے فرمایا: جب نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں سلام پیش کرے اور دعا کرے تو روضہ اقدس کی طرف رخ کر کے کھڑا ہو، قبلہ کی طرف رخ نہ کرے، اور قریب سے سلام پیش کرے اور روضہ اطہر ہاتھ سے نہ چھوئے۔

اس روایت میں دو نقطے خوب واضح ہیں:

۱) نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس دعا کرنا۔

۲) روضہ انور کی طرف رخ کر کے دعا کرنا اور نبی پاک ﷺ کی طرف پیٹھ نہ کرنا۔

امام مالک کے نزدیک نبی اقدس ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس دعا کرنا معروف و مشہور ہے، امام مالک کا مذہب یہی ہے کہ یہ دعا جائز بلکہ مستحب ہے۔ اس کی دلیل درج ذیل امور ہیں:

الف۔ ابن وہب کی مذکورہ بالا روایت۔ اس مقام پر یہ کہنا کہ امام مالک کے ارشاد میں کلمہ ''دعا'' کا معنی دعا کرنا نہیں بلکہ نبی پاک ﷺ پر درود بھیجنا ہے یہ امام مالک کے کلام کی تحریف معنوی ہے، ابن وہب امام مالک کے اجل اصحاب سے ہیں۔

ب۔ ابن مواز (جو ابن تیمیہ کی ولادت سے کئی صدی پیشتر ۲۸۱ھ میں پیدا ہوئے) نے یہ تصریح کی: اشہب نے کہا: امام مالک سے کہا گیا جو شخص التزام کرنا چاہے، اس کے متعلق کیا آپ کی یہ رائے ہے کہ الوداع کے وقت غلاف کعبہ سے چمٹ جائے فرمایا: نہیں لیکن کھڑے ہو کر دعا کرے، آپ سے عرض کیا گیا اور نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس کیا یہی حکم

ہے؟ فرمایا: ہاں۔

ج۔ امام نووی نے کتاب رؤوس المسائل میں حافظ ابوموسی اصفہانی سے نقل کیا کہ امام مالک بن انس رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا: جب کوئی شخص نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر کے پاس آنا چاہے تو قبلہ کی طرف پیٹھ کرے اور نبی پاک ﷺ کی طرف رخ کرکے آپ پر درود پیش کرے پھر دعا کرے۔

د۔ مالکیہ کی تمام مشہور ومعروف کتابوں میں یہی تصریح ہے۔ ابن مواز کی ''المـوازية'' مالکی مذہب کی قدیم مشہور کتابوں میں ہے اور قاضی عیاض کی کتاب الشفاء، اور ابن الحاج کی المدخل، اور ابن جزی کی القوانین الفقهية (۹۵/۱) اور ابوعبداللہ مغربی کی مواہب الجلیل (۴۰۰/۳) اور شرح زرقانی، اور عبدالحق اشبیلی، اور ابوالحسن قابسی اور ابوبکر بن عبدالرحمٰن، اور علامہ خلیل کی منسک وغیرہ میں امام مالک کے مذہب کی یہی تحقیق وتصریح موجود ہے۔

ہمارے مواخذے :

کیا فقہ مالکی کی کوئی ایسی کتاب ہے جس میں یہ مذکور ہو کہ نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس دعا کرنا مستحب نہیں، یا ممنوع ہے، یا ابن تیمیہ کی ولادت سے پہلے ابوجعفر منصور کے ساتھ امام مالک کا پیش آنے والا واقعہ ضعیف ہے، فقہ مالکی کی کسی کتاب میں کہیں بھی ایسا مذکور نہیں۔

امام مالک کے ساتھ منصور کا جو واقعہ پیش آیا اس سلسلے میں مالکیہ کی کتابیں ان کے مراجع، اور ان کی تصریحات دیکھنی چاہئے، قاضی عیاض کی شفا (۴۴۶-۵۳۲ھ) میں ہے:

''محمد بن حمید نے ہم سے بیان فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں ابوجعفر منصور اور امام مالک کے درمیان مناظرہ ہوتو امام مالک نے ان سے کہا: اے امیر المومنین! اس مسجد میں اپنی آواز بلند نہ کریں کیوں کہ اللہ تعالی نے ایک قوم کو ادب کا حکم فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا:

﴿لَا تَرْفَعُوْا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾ [الحجرات-۴۹:۲]

ترجمہ:۔’’اے ایمان والو اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اونچی نہ کرو‘‘۔

اور اپنے اس ارشاد میں ایک قوم کی مدح فرمائی:

﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ﴾ [الحجرات-۴۹:۳]

ترجمہ:۔’’بے شک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں رسول اللہ کے پاس‘‘۔

اور ایک قوم کی مذمت فرمائی جیسا کہ فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ﴾ [الحجرات-۴۹:۴]

ترجمہ:۔’’بے شک وہ جو تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں‘‘۔

حضور اقدس کے وصال کے بعد آپ کے احترام کا حکم آپ کی ظاہری حیات طیبہ ہی کی طرح ہے یہ سن کر ابوجعفر نے فروتنی اور عاجزی کے ساتھ عرض کیا: اے ابوعبداللہ! قبلہ رو ہو کر دعا کروں، یارسول اللہ ﷺ کے مواجہہ اقدس میں اس پر امام مالک نے فرمایا: حضور اقدس سے اپنا رخ کیوں کر پھیریں گے جب کہ آپ قیامت کے دن اللہ کے حضور تمہارے اور تمہارے باپ آدم علیہ السلام کے بھی وسیلہ ہیں، بلکہ آپ کی طرف رخ کر کے دعا کیجیے اور آپ کو اپنا وسیلہ اور شفیع بنایئے اللہ عزوجل آپ کی شفاعت کو قبولیت سے سرفراز فرمائے گا۔

مالکیہ اور جمہور امت نے اس قصہ کو قبول کیا۔ ابن تیمیہ سے پہلے کسی نے نہ اس قصہ کا انکار کیا، اور نہ ہی اسے ضعیف کہا، نہ یہ کہا کہ یہ خلاف شرع، یا امام مالک کے مذہب کے خلاف ہے۔ میرا چیلنج ہے کہ ابن تیمیہ سے پہلے جس نے اس کو قبول کرنے سے انکار کیا، یا اس کو ضعیف کہا ہو اسے بتایا جائے۔ اس واقعہ کی سند کتنی ہی کمزور سہی اس میں وضع اور کذب کا بالکل شائبہ نہیں۔ ابن تیمیہ نے کہا کہ: محمد بن حمید رازی نے اس قصہ کو وضع کیا جب کہ محمد بن حمید کا حال یہ ہے کہ بہت سارے ائمہ اور علما کی جماعت نے انھیں قبول کیا، بعض حضرات نے انھیں مجروح اور ضعیف کہا۔ امام احمد اور ترمذی اور ابوداود وغیرہما نے ان کی روایت قبول کی ہے۔ اور محمد بن حمید کا سن وصال ابن تیمیہ کی وفات سے بہت پہلے ہے تو کیا یہ متصور ہوسکتا ہے کہ مالکیہ اور امام مالک کے عظیم اصحاب اپنی حیات میں محمد بن حمید کی حکایت پر خاموش رہیں پھر ابن تیمیہ آپ کے وصال کے کئی صدی بعد آئے اور ایسے کذب و وضع

کا انکشاف کرے جسے مالکیہ نے نہ کیا۔(۱)

(۲) (امام مالک کی دوسری روایت) قاضی اسماعیل کی مبسوط میں ہے کہ امام مالک نے فرمایا: (قاضی اسماعیل کا امام مالک سے لقا قطعا ثابت نہیں) ''اہل مدینہ منورہ میں سے جو لوگ مسجد میں آتے جاتے ہیں ان کے لیے روضۂ اقدس کے پاس ٹھہرنا لازم نہیں یہ حکم صرف غربا (اجنبیوں اور مسافروں) کے لیے ہے اور یہ بھی فرمایا کہ: سفر سے آنے والے یا سفر پر جانے والے کے لیے اس میں کوئی حرج نہیں کہ نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس کھڑے ہو کر آپ پر درود بھیجے، اور اپنے لیے اور ابوبکر و عمر کے حق میں دعا کرے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ اہل مدینہ منورہ میں سے کچھ لوگ نہ سفر سے آتے ہیں اور نہ ہی ارادۂ سفر رکھتے ہیں یہ لوگ دن میں ایک بار یا اس سے زیادہ ایسا کرتے ہیں اور بسا اوقات جمعہ یا دیگر ایام میں ایک یا دو بار یا اس سے زیادہ روضۂ اقدس کے پاس کھڑے ہو کر سلام پیش کرتے اور تھوڑی دیر دعا کرتے ہیں، تو فرمایا: ہمارے شہر (مدینہ منورہ) میں کسی فقیہ کے متعلق مجھے ایسی خبر نہ ملی اور فقہائے مدینہ منورہ کا ایسا نہ کرنا ممکن ہے، اور اس امت کا آخر اسی وقت صالح رہے گا جب کہ اس کا آغاز صالح ہو۔ اس امت کی ابتدا اور اس کے آغاز کے متعلق مجھے

(۱) جن حضرات نے محمد بن حمید کو قبول و پسند کیا اور آپ کی تعریف و توصیف کی ان میں امام احمد بن حنبل اور یحیی بن معین وغیرہما ہیں۔ اور امام احمد بن حنبل نے فرمایا: ری میں ہمیشہ علم رہے گا جب تک وہاں محمد بن حمید رازی زندہ رہیں گے۔ اور ابن عدی نے کامل میں ذکر کیا کہ: امام احمد بن حنبل نے آپ کی اس لیے ثنائے خیر فرمائی کہ آپ سنت میں تصلب رکھتے۔ اور ابن حجر نے تقریب میں کہا: حافظ ضعیف ہیں۔ اور ابن معین آپ کے بارے میں بہتر رائے رکھتے ہیں۔ اور ذہبی نے کہا: حافظ ہیں، ایک جماعت نے آپ کو ثقہ کہا اور ان کا ترک اولی و بہتر ہے۔ اور ہیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا: وہ ثقہ ہیں اور ان کے بارے میں اختلاف ہے اور یہ بھی کہا: وہ ضعیف ہیں، اور ان کی توثیق کی گئی ہے۔
حاصل کلام یہ ہے کہ یہ واقعہ بعض علما جیسا کہ امام احمد بن حنبل اور یحیی بن معین اور ہیثمی وغیرہما کے نزدیک صحیح ہے اور بعض کے نزدیک ضعیف ہے، اور اگر یہ واقعہ موضوع یا باطل ہوتا تو جنھوں نے محمد بن حمید کی تعریف و ثنا نہ کی وہ ضرور آپ پر تشنیع کرتے، اور اس قصہ کو آپ کے مبتدع ٹھہرانے کا ذریعہ بناتے ذرا اس پر غور فرمائیں کہ ابن عدی نے کہا: احمد بن حنبل نے محمد بن حمید رازی کی اس لیے ثنائے خیر کی کہ آپ سنت میں تصلب رکھتے اور اس پر سختی سے عمل پیرا رہتے۔

ایسی خبر نہ ملی کہ ان حضرات کا عمل ایسا رہا ہو اس لیے ایسا کرنا مکروہ ہے ہاں جو شخص سفر سے آئے، یا سفر کا ارادہ کرے اس کے لیے کوئی حرج نہیں۔

امام مالک کا مذکورہ بالا کلام حد درجہ واضح اور روشن ہے۔ آپ ایک واضح مسئلہ کا جواب ارشاد فرما رہے ہیں وہ مسئلہ یہ ہے کہ کچھ لوگ نہ سفر سے آتے ہیں اور نہ ہی ارادۂ سفر رکھتے ہیں ایسے لوگ دن میں ایک یا دو بار روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر کچھ دیر دعا کرتے ہیں تو اس سوال کے متعلق آپ نے درج ذیل جوابات ارشاد فرمائے:

۱۔ کسی فقیہ کے متعلق آپ کو یہ خبر نہ ملی کہ انھوں نے ہر روز ایک یا دو مرتبہ یا اس سے زیادہ لمبے عرصہ تک دعا کی۔

۲۔ فقہائے مدینہ منورہ کا ایسا نہ کرنا ممکن ہے، یعنی روضۂ اطہر کے پاس اس کیفیت کے ساتھ اتنے لمبے وقت تک دعا کرنا لازم نہیں، اور جو ایسا نہ کرے شرع میں اس پر کوئی تنگی نہیں اور ایسا شخص نبی پاک ﷺ سے اجتناب و احتراز کرنے والا نہیں۔

۳۔ اگلی امتوں کے بارے میں آپ کو یہ خبر نہ ملی کہ انھوں نے ہفتہ میں ایک یا دو بار اس طویل وقت تک روزانہ دعا کی ہو۔

۴۔ جو لوگ نہ سفر سے آئیں اور نہ سفر پر جائیں ان کے لیے ایسا کرنا صرف مکروہ ہے، مکروہ اسے کہتے ہیں جس کے کرنے والے کی تعریف نہ کی جائے۔ ہاں جو شخص سفر سے آئے یا سفر کا ارادہ رکھے اس کے لیے حضور اقدس ﷺ کے روضۂ شریف کے پاس محض دعا کرنا جائز و مباح ہے؛

> جب کہ لمبے عرصہ تک اور سابقہ کیفیت پر نہ ہو۔

> سفر پر جانے والوں اور سفر سے آنے والوں کے لیے ایسا کرنا مباح ہے۔

اور اسی سے یہ ظاہر ہے کہ امام مالک نے نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر کے پاس دعا کرنے والوں کو مرتکب حرام یا مبتدع نہ کہا، اور آپ نے نبی پاک ﷺ کے روضۂ مبارک کے پاس کثرت سے آنا اور وہاں لمبے عرصہ تک دعا کرنا مکروہ قرار دیا مگر سفر سے آنے والوں یا سفر پر جانے والوں کے لیے مباح فرمایا اس سے یہ

حقیقت واشگاف ہوگئی کہ امام مالک سے منقول دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں۔

پھر اس مقام پر ایک اہم قابل غور نکتہ یہ ہے کہ: یہ دعا کرنے والے کون حضرات ہیں؟ جواب میں ہے بعض لوگ، یعنی ایک اور دو حضرات نہیں بلکہ کئی حضرات یعنی ایک جماعت وہ بھی اس زمانہ میں جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے یہ شہادت دی کہ تمام زمانوں سے افضل ہے، یہ حضرات کہاں کے رہنے والے تھے؟ اہل مدینہ منورہ تھے، کس کے زمانہ میں؟ مالک بن انس کے زمانہ میں (۹۳-۱۷۹ھ)

نبی پاک کے روضۂ اقدس کے پاس آپ کے مواجہہ اقدس میں دعا کے مسئلہ میں ابن تیمیہ نے کم از کم پندرہ گستاخیاں کی ہیں:

۱) اس نے مجموع الفتاوی (۱۴۵/۲۶) میں کہا:

''قبر کے پاس محض دعا کے لیے نہ کھڑا ہو کیوں کہ یہ بدعت ہے''۔

۲) اس نے مجموع الفتاوی (۱۴۶/۲۶) میں کہا:

''کسی صحابی نے حضور کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر اپنے لیے دعا نہ کی''۔

۳) اور مجموع الفتاوی (۱۱۰/۲۷) میں یہ بھی کہا:

''نبی پاک کے اصحاب میں سے کسی صحابی نے کسی نبی کی قبر کے پاس دعا کا قصد نہ کیا، نہ ہمارے نبی، اور نہ خلیل، اور نہ ان دونوں کے علاوہ کسی اور کی قبر کے پاس، اسی لیے ائمہ مثلاً امام مالک وغیرہ نے یہ ذکر کیا کہ یہ بدعت ہے''۔

اس کلام کا رد:

الف: ہم ماسبق میں ذکر کر چکے کہ چھ[۶] صحابہ کرام نے دعا کی، ابن ابوفدیک کے اثر مذکور سے ابن تیمیہ کا کلام اور اس کا دعوی ساقط ہو گیا اب اگر ابن تیمیہ کو معلوم نہیں تو یہ ایک مصیبت ہے، اور اگر معلوم ہے تو یہ اس سے بڑی مصیبت ہوئی۔ نبی پاک ﷺ نے تقریباً ایک لاکھ صحابہ کرام کو چھوڑ کر رفیق اعلی کی طرف سفر فرمایا تو کیا ابن تیمیہ کو آپ کے ان تمام اصحاب کے افعال کی خبر ہے۔

ب: ابن تیمیہ نے یہ کہا: ''نبی پاک کے اصحاب میں سے کسی صحابی نے کسی نبی کی قبر کے پاس دعا کا قصد نہ کیا نہ ہمارے نبی، اور نہ خلیل، اور نہ ان دونوں کے علاوہ کسی اور کی قبر کے پاس'' یہ اس کا مبغوض اور ناپسندیدہ دعوی ہے جس کے چند وجوہ ہیں؛

اولاً: اس کے اسباب گزر چکے۔

ثانیاً: اس لیے کہ اکثر لوگوں کے نزدیک انبیا کی قبریں یقیناً معروف ومشہور نہ تھیں، یہاں تک کہ امام مالک نے یہ ارشاد فرمایا: مکہ پر مدینہ منورہ کی فضیلت کی ایک وجہ یہ ہے کہ میرے علم میں مدینہ منورہ کے علاوہ کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں کسی نبی کی قبر معروف ہو۔

امام حافظ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب التمہید؛ ۲/۲۸۹) میں امام مالک سے اسے نقل کیا۔

ج: ابن تیمیہ سے ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ وہ کوئی نص پیش کرے جس میں یہ تصریح ہو کہ امام مالک نے یہ فرمایا: نبی پاک کے اصحاب میں سے کسی صحابی نے کسی نبی کی قبر کے پاس دعا کا قصد نہ کیا نہ ہمارے نبی، اور نہ خلیل اور نہ ان دونوں کے علاوہ کسی اور کی قبر کے پاس؟، آخر یہ نص کہاں ہے؟ مبسوط کی روایت پر جو تعلیق اور تبصرہ ہے اس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

د: ابن تیمیہ نے کہا: ''اسی لیے ائمہ مثلاً امام مالک وغیرہ نے یہ ذکر کیا کہ یہ بدعت ہے''۔

اولاً: یہ بتایا جائے کہ یہ ائمہ کون لوگ ہیں ان کا نام کیوں نہ ذکر کیا؟

ثانیاً: ہم امام مالک کا قول پیش کر چکے امام مالک کے اس کلام میں ''بدعت'' کا لفظ کہاں ہے؟ پھر امام مالک کے علاوہ دوسرے حضرات نے کہاں اسے ذکر کیا؟ ابن تیمیہ کے اس طریقہ پر نظر رکھیں، اور اگر کسی امام نے کوئی ایسا کلمہ کہا ہوتا جو ابن تیمیہ کے فہم میں کسی خطا یا کسی درست امر کا افادہ کرتا تو وہ قیامت قائم کر دیتا۔ ابن تیمیہ سے ہمارا یہ بھی مطالبہ ہے کہ وہ ان حضرات کو بتائے جنھوں نے وہ بات کہی جسے اپنے اس جملہ سے مراد لے رہا ہے ''ائمہ مثلاً مالک وغیرہ نے ذکر کیا'' ابن تیمیہ سے ہمارا یہ مطالبہ اس کی برأت و پاکدامنی کے لیے ہے اس لیے کہ اس

پر یہ الزام ہے کہ وہ قاری کو فریب و دھوکہ دینے اور ملمع سازی کے لیے ایسا کرتا رہتا ہے۔

۴) ابن تیمیہ نے مجموع الفتاوی (۲۷/۱۱۷) میں کہا:

''بلکہ ائمہ سلف نے اس پر نص کر دیا ہے کہ دعا کے لیے قبر کے پاس مطلقا کھڑا نہ ہو، جیسا کہ اسماعیل بن اسحاق نے کتاب المبسوط میں، اور قاضی عیاض نے ذکر کیا''۔

رد:

۱۔ گزشتہ اوراق میں گزر چکا کہ چھ صحابہ کرام نے نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس دعا کی۔ کیا یہ صحابہ کرام تمام سلف سے افضل نہیں۔

۲۔ یہ بڑا ہی خطرناک دعوی ہے، اس لیے کہ کلمۂ ''ائمہ سلف'' کا معنی کم از کم ایک جماعت ہے یہ کون لوگ ہیں؟ امام شافعی اور احمد بن حنبل، اور ابوحنیفہ، اور ثوری، اور اوزاعی اور زہری وغیرہم کی تصریحات، اور ان کے روشن نصوص کہاں ہیں؟ یہ مبتدعین انھیں پیش کریں اور کبھی نہ پیش کر سکیں گے اگر چہ ایک دوسرے کی مدد کرے۔ ہاں ان سے یہ تو بن پڑے گا کہ فقہیات سے ہٹ کر گالی گلوچ کریں، چیخیں اور چلائیں، خوف و دہشت کا بازار گرم کریں. الخ

۳۔ ابن تیمیہ کے کلام کی بنیاد اس پر ہے کہ مبسوط کی روایت میں یہ مذکور ہے کہ امام مالک نے فرمایا کہ: دعا کے لیے قبر کے پاس مطلقا کھڑا نہ ہو، جب کہ امام مالک سے دو روایتیں منقول ہیں جیسا کہ گزرا پہلی روایت ابن وہب کی ہے جس پر تمام مالکیہ قائم ہیں، اور دوسری مبسوط میں قاضی اسماعیل کی روایت ہے اور جب یہ بات واضح ہے کہ امام مالک سے قاضی اسماعیل کا لقا ثابت نہیں، تو ابن تیمیہ اس دوسری روایت ہی کو کیوں ترجیح دے رہا ہے، علاوہ ازیں خود مبسوط کی روایت بالکلیہ ابن تیمیہ کے فہم کے خلاف دلیل ہے جیسا کہ ہم اس کی توضیح کر چکے۔

۴۔ ابن تیمیہ کیوں کر قاضی عیاض سے استدلال کر رہا ہے؟ آپ اپنے زمانہ میں مالکیہ کے امام تھے، اور رسول اللہ ﷺ سے توسل کرتے آپ ہی نے یہ نقل فرمایا کہ امام مالک نے ابو جعفر منصور کو یہ حکم دیا کہ نبی

پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس دعا کے وقت اپنا چہرہ قبرانور کی طرف رکھیں اور آپ کو اپنا وسیلہ بنائیں جیسا کہ اللہ کے نبی آدم علیہ السلام نے توسل فرمایا، قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالی ان حضرات میں سے ہیں جنھوں نے یہ نقل فرمایا کہ: نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت مسنون ہے اوراس پر اجماع امت قائم ہے اور یہ نقل فرمایا کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ موجود تھا اوراس کے ساتھ کوئی شی نہ تھی۔ قاضی عیاض وغیرہ کا نقل فرمودہ اجماع جب ابن تیمیہ نہیں مانتا تو پھر کیوں کر قاضی عیاض کے قول سے استدلال کرتا ہے؟

۵۔ امام الائمہ ابن خزیمہ، اورابن حبان، اورامام ابراہیم حربی، اورابن ابوفدیک (جو بخاری ومسلم کے رجال سے ہیں)، اور حافظ محاملی سے یہ ثابت ہے کہ یہ حضرات اہل بیت اطہاراور صالحین کی قبروں کے پاس دعا کرتے تو کیا رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں دعا کرنا حرام وبدعت ہے؟

﴿مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ﴾ [القلم-۶۸:۳۶]

ترجمہ:۔ تمہیں کیا ہوا کیسا حکم لگاتے ہو۔

۵) اس نے مجموع الفتاوی (۲۷/۳۲۴-۳۲۵) میں کہا:

''عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی حیات میں لوگ آپ کے پاس آتے کوئی حدیث سماعت کرنے، تو کوئی حکم شرع دریافت کرنے، تو کوئی زیارت وملاقات کے لیے آتا مگر کوئی شخص درود اور دعا وغیرہ کے لیے قبر مکرم کے پاس نہ جاتا''۔

رد:

الف: کیا ابن تیمیہ رب العالمین ہے کہ سیدہ عائشہ کے حجرہ میں تمام آنے والوں (جن کی تعداد کبھی سیکڑوں یا ہزاروں ہوتی) کا حال جانتا ہے کہ کسی نے نبی پاک ﷺ کے روضۂ مکرم کے پاس دعا نہ کی جب کہ گزشتہ سطور میں ہم ذکر کر چکے کہ چھ صحابہ کرام نے دعا فرمائی۔

ب: ابن تیمیہ کے اس کلام کا کذب اس سے ظاہر ہے کہ صحیح سندوں سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ بعض صحابہ

کرام نے نبی پاک کے روضۂ اقدس کے پاس درودوسلام بھیجا،اوراسی طرح چھ صحابہ کرام نے دعا کی،اوربعض صحابہ نبی پاک کے روضۂ اقدس کے پاس اشک آلود ہوئے کیاان روشن حقائق سے ابن تیمیہ کے اس قول کا کذب واضح نہیں ہوجاتا جواس نے کہا:''کہ کوئی شخص درود اور دعاوغیرہ کے لیے قبرمکرم کے پاس نہ جاتا''

ج: مجھے بتایاجائے کہ کیاکوئی ایسامعروف الصدق امام ہے جس نے وہ روایت کیاہوجس کا ابن تیمیہ نے دعوی کیاکہ:''سیدہ عائشہ کے حجرہ میں آنے والے نبی پاک ﷺ کی قبر کے پاس دعا نہ کرتے''۔

کیاابن تیمیہ سے پہلے کوئی ایک بھی ایسامسلمان گزراہے جس نے ابن تیمیہ کا یہ دعوی ذکرکیا ہو،قارئین کرام جب آپ اس حجرہ شریفہ میں داخل ہوں گے جس میں نبی پاک ﷺ کا روضہ اطہر ہے تو آپ خود اپنے افعال واحوال مشاہدہ کریں گےآپ کے سامنے جلال کا منظر یا حیرت ودہشت کا سماں ہوگا۔

جب آپ اس مبارک وپاکیزہ سرزمین پراس ذات پاک کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے جورفیق اعلی کی طرف خلدآشیاں ہوگئے (صلی اللہ علیہ وسلم) تو کیا آپ میں قوت گویائی باقی رہے گی، یا آپ نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں ہدیہ درودسلام پیش کریں گے۔ نبی پاک ﷺ کے کمال قرب کے شدت احساس کے سبب آپ اس سے غافل وبےخبر ہوں گے کہ کیا کریں، جب اللہ عزوجل آپ کے لیے دعا کے دروازے کھول دے گا تو آپ کو خودبخود معلوم ہوجائے گا کہ اس بارگاہ جلال میں دعا کرنی چاہئے یاابن تیمیہ کی طرح گستاخی ودریدہ ذہنی،اس مکرم بارگاہ سے باہر نکلنے کے بعد جب آپ کے احساس اورشعور وادراک کا یہ حال ہے کہ آپ کی نگاہیں تابش وانوار کے حسین سلسلے سے سرشار ہورہی ہیں تو پھراس شخص کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے جوامت مسلمہ کورسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں قیام وسلام اوردعا کی برکت سے محروم رکھنا چاہتا ہے....اگرکسی کا شعوروادراک رخصت نہیں ہوگیا ہے تو وہ بلاشبہہ یہی کہے گا کہ جونبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر کے پاس دعا کرنے سے روکتا ہے وہ واقعی بے فیض اورمحروم انسان ہے اس کا رشتہ اتصال اورقلبی رابطہ اس بارگاہ اعظم سے منقطع ہے،اس کی آنکھوں کے سامنے حجابات حائل ہیں۔اے اللہ! چشم زدن کے لیے آپ کے فیوض وبرکات سے ہمیں محروم ومحجوب نہ فرما۔

اس بارگاہ مکرم میں جب تمہاری یہ حالت وکیفیت ہے تو صحابہ وتابعین اور سلف صالح جو انبیا کے بعد تمام مخلوق میں سب سے زیادہ رقیق القلب اور نرم خو ہیں کیا ان کے بارے میں یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ جب یہ حجرہ عائشہ میں داخل ہوں گے انہیں کوئی چیز نظر نہ آئے گی اور ان کا یہ اعتقاد ہوگا کہ نبی پاک ﷺ روضۂ اقدس میں موجود نہیں ہیں، کیا کسی مومن صادق کا یہ اعتقاد ہوسکتا ہے؟

ہر انسان کو متنبہ و بیدار رہنا چاہئے کہ کہیں غفلت، ظلم و جفا اور سخت دلی اسے بے روح نہ کردے اور اسے ایسا سنگ دل اور سخت جاں نہ بنادے کہ خیر و برکت اور فیض و سعادت سے محروم ہوجائے اور اللہ ہی سیدھی راہ پر قائم رکھنے والا ہے۔

۶) ابن تیمیہ نے کہا:

''ابن عمر حضور کو سلام پیش کر کے واپس ہوجاتے، وہاں کھڑے ہوکر نہ حضور کے لیے دعا کرتے، اور نہ اپنے لیے'' مجموع الفتاوی (۳۲۴/۲۷)

۷) اس نے یہ بھی کہا:

''اور اسی لیے امام مالک نے ابن عمر سے زائد افعال یعنی کھڑے ہوکر حضور کے لیے یا اپنے لیے دعا کرنا مکروہ قرار دیا''۔

رد:

الف: بیہقی نے بسند حسن روایت کیا کہ ابن عمر نے دعا فرمائی جیسا کہ ہم ذکر کر چکے کیا اس سے ابن تیمیہ کا کذب روشن نہیں ہوجاتا۔

ب: کیا کسی نے وہ بات کہی جو ابن تیمیہ نے کہی کہ ابن عمر نے نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس کھڑے ہوکر دعا نہ کی، کیا ابن تیمیہ کو غیب معلوم ہے.....اسے تو یہ کہنا تھا کہ جو روایتیں مجھ تک پہنچیں ان میں مجھے معلوم نہیں لیکن ابن تیمیہ کا اسلوب مغز شستہ ہوا کرتا ہے۔

ج: ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے کہ خود مالکیہ کے نزدیک امام مالک کا مذہب یہی ہے کہ روضۂ اقدس کے

پاس دعا کرنا مستحب نہ سہی مگر جائز ضرور ہے، کیا امام مالک نے یہ فرمایا ہے کہ: ''ابن عمر آپ کی بارگاہ میں سلام پیش کر کے واپس ہو گئے اور وہاں کھڑے ہو کر نہ حضور کے لیے دعا کی نہ اپنے لیے، یا یہ فرمایا کہ: ابن عمر نے جتنا کیا اس سے زیادہ کرنا میرے نزدیک مکروہ ہے۔

د: یہ ابن تیمیہ کی ترتیب وار مسلسل گستاخیاں اور پیہم اوہام اور خیال بندیاں ہیں یہ اس کا اپنا ذاتی اور من مانی اجتہاد ہے، امام مالک کی رائے ہرگز نہیں ورنہ ابن تیمیہ کے ریزہ خوار اپنی دلیل لائیں یہ امام مالک پر ابن تیمیہ کا کھلا ہوا افترا اور سراسر بہتان ہے۔

۸) اس نے اقتضاء الصراط (۱/۳۴۲) میں کہا:

''متاخرین مصنفین نے مناسک حج میں ذکر کیا ہے کہ جب نبی پاک ﷺ کی قبر کی زیارت کرے تو وہاں دعا کرے''۔

رد:

ابن وہب امام مالک کے اجل اصحاب علمائے متقدمین میں سے ہیں....اور ابن المواز کی ولادت (۱۸۰-۲۶۹ھ) ابن تیمیہ سے پہلے ہوئی، اور ابن وہب ابن المواز سے بہت پہلے ہیں آپ امام مالک کے اکابر اصحاب سے ہیں۔ جب ابن تیمیہ اپنی تحریروں میں ابن عقیل (متوفی ۵۱۵ھ) کو متقدمین میں شمار کرتا ہے (حالاں کہ یہ قطعا خطا ہے) تو کیوں کر اس سے یہ حقیقت پوشیدہ ہے کہ امام مالک اور آپ کے اصحاب متقدمین سے ہیں؟ ابن تیمیہ نے اپنے سابقہ کلام میں متاخرین کا لفظ ذکر کیا کہ کہیں کوئی اس سے یہ نہ کہے: سلف نے ایسا کیا اور اس بارے میں ایسا فرمایا، کیا یہ ابن تیمیہ کی ملمع سازی نہیں۔

۹) اس نے اقتضاء الصراط (۱/۳۴۲) میں کہا:

''بعض لوگوں نے یہ ذکر کیا ہے کہ: جس نے ستر مرتبہ آپ پر درود بھیجا اور دعا کی اس کی دعا مقبول ہوتی ہے''

رد:

یہ بھی ابن تیمیہ کا اپنی مخالف رائے پر حملہ کا اسلوب ہے اگر چہ اس کے خلاف رائے صحیح و درست ہی کیوں نہ ہو، اس عبارت کے قائل ابن فدیک (متوفی ۱۹۹ھ) ہیں۔ جیسا کہ ابن سعد نے کہا، اور امام بخاری نے فرمایا: آپ کا وصال ۲۰۰ھ میں ہوا جس سے معلوم ہوا کہ آپ تابعین میں سے ہیں امام بخاری و مسلم نے آپ سے حدیثیں روایت کیں، امام شافعی اور احمد و بخاری سے پہلے آپ کا وصال ہوا۔ ذرا ابن تیمیہ کا اسلوب دیکھیے کیسے کہہ رہا ہے: ''بعض لوگوں نے ذکر کیا'' نہ قائل کا نام ذکر کیا، نہ ان کا مسکن و مقام اور نہ ان کا زمانہ۔

۱۰) ابن تیمیہ نے مجموع الفتاوی (۱۱۶/۲۷) میں کہا:

''صحابہ و تابعین اور ائمہ و مشائخ متقدمین میں سے کسی نے اطلاق یا تعیین کے ساتھ یہ نہ کہا کہ انبیا اور صالحین کی قبروں کے پاس دعا مقبول ہوتی ہے، اور ان میں سے کسی نے یہ بھی نہ فرمایا کہ: انبیا اور صالحین کی قبروں کے پاس دعا کرنا اس زمین کے علاوہ کہیں اور دعا کرنے سے بہتر ہے''۔

۱۱) اور اقتضاء الصراط (۳۴۳/۱) میں کہا:

''ہم نے جس امر کی کراہت ذکر کی ہمارے علم میں اس کے استحباب کے متعلق کوئی ایسی چیز منقول نہیں جو قرون ثلاثہ سے ثابت ہو جن کی رسول اللہ ﷺ نے تعریف فرمائی ہے''۔

۱۲) اور اس نے یہ بھی کہا:

''اگر یہ فعل حسن ہوتا تو متقدمین اس کو ضرور کرتے حالاں کہ انھوں نے اسے نہ کیا''۔

۱۳) اور اس نے یہ بھی کہا:

''اور یہ چیز کسی مشہور امام اور کسی پیشوا عالم سے منقول نہیں''۔

رد:

۱۔ الحمدللہ ہم پہلی اور دوسری اور تیسری صدی کے ائمہ کرام کے اقوال وافعال ذکر کر چکے جن سے ابن تیمیہ کا کذب آفتاب نصف النہار سے بھی روشن ہو جاتا ہے،اور ابن تیمیہ کی ساتویں خطا اور گستاخی کے ضمن میں ہم نے جو کچھ ذکر کیا اس سے بھی اس کا کلام ساقط الاعتبار کالعدم ہو جاتا ہے۔اللہ عزوجل سے ہماری دعا ہے کہ ہمارے اس زمانہ میں ابن تیمیہ کے جو متبعین موجود ہیں انہیں ان یہودیوں کی طرح نہ فرمائے جنھوں نے عبداللہ ابن سلام صحابی کے معاملہ میں اس وقت تعصب وعناد ظاہر کیا جب کہ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں سے آپ (عبداللہ بن سلام) کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا: وہ ہم میں افضل اور ہم میں سے افضل کے بیٹے ہیں۔ پھر جب ان یہودیوں کو آپ کے مشرف بہ اسلام ہونے کا علم ہوا تو انھوں نے کہا: وہ ہم میں بدتر اور ہم میں سے بدتر کے بیٹے ہیں۔ مجھے دراصل یہ کہنا ہے کہ ابن تیمیہ کا یہ دعوی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جن قرون ثلاثہ کی تعریف فرمائی ان سے کہیں اس امر مکروہ کا استحباب ثابت نہیں۔اگلی تین صدیوں کے ائمہ وعلما کے عمل کی روشنی میں ہم یہ واضح کر چکے کہ ان حضرات قرون ثلاثہ اولی سے اس امر کا جواز واستحباب ہی ثابت ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ جن کے دلوں میں بیماری اور خواہش پرستی ہے اسے لایعنی اور بے کار بات کہیں گے،اور صحابہ اور تابعین کا عمل یک لخت ساقط وکالعدم قرار دیں گے ایسا لگتا ہے ان کے سر صحابہ وتابعین کے سر کے برابر ہیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ یہ لوگ نبی پاک ﷺ یا صالحین کے روضۂ اقدس کے پاس دعا کرنے والوں کو مبتدع اور متہم بالشرک ٹھہراتے ہیں، پھر جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ چند صحابہ اور ائمہ سلف میں سے ائمہ کبار سے یہ ثابت ہے کہ ان حضرات نے روضۂ اقدس کے پاس دعا فرمائی،اور یہ وہ حضرات ہیں جنھیں خود مبتدعین اعتراف واقرار کرتے،اور اکثر ان سے استشہاد بھی کرتے ہیں۔جب ان حضرات نے نبی پاک اور اہل بیت کے روضہ کے پاس دعائیں کی تو یہ مبتدعین جو محض دعوے کے چند نام رکھتے ہیں وہ امت کی تکفیر اور انھیں مبتدع ٹھہرانے سے کیوں باز نہیں آتے۔ان مدعیوں کے مذہب پر جن ائمہ کا کفر

مفروض ہے یہ لوگ دوسرے مسائل میں انہیں ائمہ کرام سے استدلال کرتے، اور انہیں بطور سند پیش کرتے ہیں''۔ ﴿سُبۡحَانَکَ هٰذَا بُهۡتَانٌ عَظِیۡمٌ﴾

۲۔ کیا چھ صحابہ کرام، اور ابن ابوفدیک، امام مالک، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، ابن ابوعاصم، ابراہیم حربی، ابن قدامہ، ماوردی، قاضی ابوطیب، علامہ نووی اور فقہائے مذاہب اربعہ، وغیرہم ائمہ نہیں ہیں؟ یہ حضرات وہ ائمہ جلیل الشان ہیں جنھوں نے اللہ کی رحمت میں اس وقت پناہ لی جب کہ ابن تیمیہ ابھی پیدا بھی نہ ہوا تھا۔

۳۔ پھر ابن تیمیہ بتائے کہ اس سے پہلے کس نے یہ دعوی کیا اور کہا کہ: متقدمین کا عمل ایسا نہ تھا، کسی نے ایسا نہ کہا۔ **و الله تعالى أعلم**

ابن تیمیہ اور اس کے کفش برداروں کے اسلوب سے ہوشیار و آگاہ رہنا چاہئے کیونکہ وہ اپنے قارئین کو یہ ذہن و شعور دینا چاہتے ہیں کہ ان کا حافظہ و علم حد درجہ وسیع و کشادہ ہے، اور اس مسئلہ میں ان کا کوئی مخالف نہیں، اور تمام علوم و احادیث پر انہیں دسترس حاصل ہے جب کہ یہ سراسر ان کا دروغ اور جھوٹ ہے۔

۱۴) صالحین کرام کی قبروں کے پاس دعا کے بارے میں اس نے کہا:

> ''بلکہ اس بارے میں جو کچھ منقول ہے قائل کی طرف جھوٹی نسبت کی گئی مثلا امام شافعی رحمہ اللہ کے بارے میں یہ روایت ذکر کی جاتی ہے کہ آپ نے فرمایا: جب مجھے کوئی سخت معاملہ پیش آتا ہے تو ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی کی قبر کے پاس آ کر دعا کرتا ہوں تو دعا مقبول ہوتی ہے یا اس کے ہم معنی کلام یہ ایسی جھوٹی بات ہے جسے نقل کی ادنی سی معرفت رکھنے والا انسان اضطراری طور پر جان لیتا ہے''

رد:

۱۔ امام شافعی سے جو کچھ بھی مروی ہے خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد (۱۲۳/۱) میں اسے روایت کیا ابن تیمیہ نے اس واقعہ کی سند اور اس کے ضعف کا سبب کیوں نہ ذکر کیا؟ کیا حافظ خطیب نے اس واقعہ کو

روایت کر کے کفر وشرک کیا ہے، یا ان لوگوں کے نزدیک یہ معاملہ خوب معروف ومشہور تھا۔

۲۔ چلیے مان لیتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ سے امام شافعی کے توسل کا واقعہ ضعیف ہے ،حالانکہ ہرگز ایسا نہیں،تو پھر موسیٰ رضا کی قبر کے پاس امام الائمہ ابن خزیمہ، یا ابن حبان کی دعا اوران کا توسل کیوں نہ ذکر کیا، اوراسی طرح امام احمد کے اجل اصحاب امام ابراہیم حربی نے یہ فرمایا کہ:''معروف کی قبر تریاق مجرب ہے'' اسے کیوں نظر انداز کیا۔ جب کہ ابن تیمیہ کو اس بات کا اقرار ہے کہ امام ابراہیم حربی سے جو کچھ منقول ہے وہ صحیح ہے....کیا ان شواہد وحقائق سے ابن تیمیہ کا کلام ساقط وکالعدم نہیں ہوجاتا۔

۱۵) ابن تیمیہ نے اپنی کتاب اقتضاء الصراط (۳۴۳/۱) میں کہا:

''قبروں کے پاس دعا کا قصد کرنا حرام یا مکروہ ہے اور قبر وغیرہ مقامات کے پاس دعا کی دو قسمیں ہیں: ایک : یہ کہ اتفاقی طور پر ایسے مقام پر دعا حاصل ہوجائے وہاں دعا کا قصد وارادہ نہ ہو جیسے کوئی شخص اپنے راستہ میں اللہ سے دعا کررہا تھا اور اتفاقاً قبروں یا ان کی زیارت کرنے والوں کے پاس سے گزر ہوگیا تو اس نے وہاں سلام پیش کیا، اوراللہ سے اپنے اور مردوں کے لیے عافیت کا سوال کیا جیسا کہ سنت میں وارد ہے تو اس طرح کی دعا میں کوئی حرج نہیں''۔

دوسرے: یہ کہ قبروں کے پاس اس لیے دعا کا قصد وارادہ کرے کہ دوسرے مقام کی بہ نسبت وہاں دعا زیادہ مقبول ہوتی ہے تو اس دوسری قسم کے متعلق نہی وارد ہے یہ نہی تحریم یا تنزیہہ کے لیے ہے اور نہی کا تحریمی ہونا زیادہ قریب ہے۔

رد:

۱۔ ابن تیمیہ کے کذب کی واضح اور روشن دلیل ابومویھبہ کی حدیث ہے جسے ہم ذکر کر چکے، جس کا حاصل یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ اہل بقیع کے پاس ان کے استغفار کے لیے قصداً تشریف لے گئے آپ کا وہاں تشریف لے جانا اتفاقانہ تھا پھر یہ بھی مشہور ومعروف ہے کہ نبی پاک ﷺ اور آپ کے وصال

کے بعد ابوبکر پھر عمر ہر سال شہدائے احد کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے اور ان حضرات کے لیے دعا فرماتے۔

۲۔ ابن تیمیہ نے ذکر کیا کہ قبروں کے پاس دعا کی دو قسمیں ہیں یہ تقسیم کس نے کی؟ اور کس نے یہ کہا کہ قبر والوں کی دعائے مغفرت، یا اپنے حق میں دعا کے لیے قبروں کی زیارت نامشروع ہے؟ اگر کوئی یہ کہے کہ بعض متاخرین حنابلہ نے نقل کیا ہے کہ ابن جوزی اور ابن عقیل نے یہ کہا کہ: قبروں کے پاس دعا کے لیے جانا مکروہ ہے۔ تو اس سے ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ یہ نقول کہاں ہیں؟ انہیں سامنے لایا جائے۔ بر تقدیر صحت ان حضرات کا مقصود یہ ہے کہ قبروں کو قبلہ بنانا مکروہ ہے کیوں کہ خود ابن جوزی نے قبروں کے پاس بہت ساری دعائیں ذکر کیں ہیں اور انہیں صالحین کی کرامتوں میں سے شمار کیا ہے، آپ کی کتابیں اس کے ذکر سے مالا مال ہیں جیسا کہ نبی پاک کی قبر کی زیارت کی مشروعیت کے باب میں ہم نے اسے ذکر کیا ہے۔ ''صفوۃ الصفوۃ'' میں ایک عابدہ خاتون کے احوال ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ: آپ حضور اقدس ﷺ کے روضۂ مبارک کے پاس مضبوطی سے قائم رہتیں، خود ابن جوزی کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ معروف کرخی کے مزار اقدس کے پاس تدریس فرماتے۔ ابن کثیر کی البدایۃ والنہایۃ وغیرہ مطالعہ کیجئے۔

اور ابوشجاع وزیر کا توسل اور دعا اور طلب استغفار ابن جوزی کی کتاب ''المنتظم'' میں منقول ہے۔ اور ابن عقیل کے بارے میں معروف و مشہور اور آپ کی کتاب میں مذکور ہے کہ آپ نبی پاک ﷺ کے روضۂ مبارک کے پاس جب دعا کرتے تو روضۂ اقدس کی طرف رخ کر کے کھڑے ہوتے اور وہاں توسل اور دعا کرتے۔

۳۔ ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ: ''ایسی دعا سے نہی وارد ہے'' ہمارا اس سے مطالبہ یہ ہے کہ یہ نہی کہاں ہے..کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا کہ میں قبروں کے پاس تمہارے یا مردوں کے لیے دعا کرنے سے تمہیں روکتا ہوں؟ پھر یہ نہی کہاں ہے؟ ابن تیمیہ کے پیدا ہونے سے پہلے مذاہب اربعہ کی کس کتاب میں کس نے

ایسا ذکر کیا؟

ابن تیمیہ نے اقتضاء الصراط (۱/۳۴۷) میں انبیا اور صالحین کی قبروں کو بتوں کے تھان سے تشبیہ دی اور یہ کہا کہ قبروں کے پاس جا کر دعا کرنا کسی بت، یا صلیب، یا کلیسا کے پاس دعا کرنے سے بھی سخت تر ہے۔

رد:

یہ ابن تیمیہ کی کتنی قبیح تشبیہ ہے کیا اس کے نزدیک انبیا، اور اہل بیت، اور صالحین کی قبریں اور بتوں کے تھان اور کلیسا برابر ہیں، یہ جب کہ اس کی مراد تشبیہ ہو لیکن جب ابن تیمیہ ان امور کا قیاس کرے تو اس کا یہ قیاس یا تو صحیح ہے، حالاں کہ صحیح نہیں، یا یہ قیاس باطل قیاس مع الفارق ہے جیسا کہ قیاس باطل کی ایک مشہور قسم قیاس حماری ہے، تو جو شخص نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر یا اہل بیت کی قبروں کے پاس کی جانے والی دعا کا قیاس بتوں اور صلیبوں کے پاس کی جانے والی دعا سے کرے، اس کا قیاس قیاس کی کون سی قسم قرار دی جائے؟

۱۶) ابن تیمیہ نے امام مالک کے نص میں کھلی ہوئی تحریف کی ہے کیوں کہ ابن وہب کی عبارت میں ایک کلمہ یہ تھا ''ودعا'' (اور دعا کرے) ابن تیمیہ نے اسے صاف اڑا دیا۔ اصل عبارت یوں ہے: قبر کی طرف رخ کر کے دعا کرے قبلہ کی طرف نہیں۔ ابن تیمیہ نے دعا کا کلمہ اس لیے حذف کر دیا کہ اس کلمہ سے اس کے مذہب کی بنیاد ہی منہدم ہو جاتی ہے علامہ نبہانی نے **شواهد الحق في الاستغاثة بسيد الخلق** (ص: ۱۹۱، ۱۹۲) میں فرمایا:

> ''ابن تیمیہ کی صحت نقل کے متعلق جن حضرات نے طعن فرمایا حنفیہ میں سے شہاب خفاجی نے شرح شفا میں اور مالکیہ میں سے امام زرقانی نے شرح مواہب لدنیہ میں (جیسا کہ ماسبق میں گزرا)، اور شافعیہ میں سے امام سبکی نے طعن فرمایا جیسا کہ آپ کی کتاب (شفاء السقام) میں مذکور ہے۔ ان مذکورہ کتابوں میں ابن تیمیہ کی خطا کی توضیح کے ساتھ اس بات کی بھی توضیح کی گئی ہے کہ یہ ان احکام شرعیہ کو صحیح طور پر نقل نہیں کرتا جن سے اپنی بدعت کی

تایید وتقویت پر دلیل لاتا ہے، اورانہیں علمائے ائمہ مذاہب اربعہ کی طرف منسوب کرتا ہے حالاں کہ وہ ان کا قول نہیں ہوتا، اسی طرح امام ابن حجر ھیتمی نے ابن تیمیہ کا رد کرتے ہوئے یہ تحریر فرمایا کہ: یہ شخص احکام شرعیہ کو صحیح طور پر نقل نہیں کرتا، اور یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ ایک عالم میں یہ بہت بڑا عیب ، اوراس کی حددرجہ شنیع وقبیح عادت ہے جس کی بناپر ثقہ انسان ضعیف، اور دوسرے سے نقل میں ساقط الاعتبار اور نالائق اعتماد شمار کیا جاتا ہے اگر چہ ایسا شخص کتنا ہی بڑا اقوی الحافظہ اور بڑا عالم ہو، ابن تیمیہ بعض نقل کے معاملہ میں ساقط الاعتبار ہے اس کی تائید وتقویت اس سے ہوتی ہے کہ حافظ عراقی کبیر نے اس کے حق میں فرمایا: ''اس کا طریقہ کار اوراس کی منطق یہ ہے کہ وہ عاشورا کے دن [1] عیال پر کشادگی کے ساتھ خرچ کرنے کی حدیث کا انکار کرتا ہے''۔

ہم استعجالاً بعض ان حضرات کا جائزہ پیش کررہے ہیں جنھوں نے نبی کریم ﷺ یا اہل بیت کی قبروں کے پاس دعائیں کیں۔

صحابہ میں:

(۱) سیدہ عائشہ، (۲) اسامہ بن زید، (۳) عبداللہ بن عمر، (۴) انس بن مالک، (۵) بلال بن عامر مزنی، (۶) اور عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین ہیں۔

---

(۱) اس مقام پر توسع کی حدیث سے مراد وہ حدیث ہے جسے عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے روایت فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا:

'' من وسع علی عیالہ في النفقة یوم عاشوراء وسع اللہ علیه سائر سنته'' (مشکاۃ المصابیح باب فضل الصدقۃ ص ۱۷۰)

ترجمہ: ''عاشورہ کے دن جس شخص نے اپنے عیال پر کشادگی کے ساتھ خرچ کیا اللہ عزوجل پورے سال اس پر کشادگی فرمائے گا''۔ (مترجم)

سلف صالح اور ائمہ حدیث میں:

ابن ابوفدیک، حافظ ابن ابوعاصم (۲۰۶-۲۸۷ھ)، امام ابراہیم حربی (۱۹۸-۲۸۵)، حافظ ابونعیم، امام الائمہ ابن خزیمہ (۲۳۳-۳۱۱ھ)، حافظ ابوعلی ثقفی، ابن حبان (۳۵۴ھ)، حافظ محاملی (صاحب امالی المحاملی (۲۳۵-۲۳۰ھ)، حاکم صاحب کتاب المستدرک، طبرانی، حافظ ابن المقری اور حافظ ابوالشیخ (صاحب کتاب العظمۃ وغیرہ)

مفسرین:

قرطبی نے اپنی تفسیر (۲۶۵/۵، ۲۶۶) اور ثعالبی (۳۸۶/۱) اور ابن کثیر (۵۲۰/۱-۵۲۱) اور نسفی (۲۳۰/۱، ۲۳۱)

حنفیہ:

کرمانی، کمال ابن الہمام نے فتح القدیر میں (۱۷۹/۳-۱۸۰-۱۸۱)، ملاعلی قاری، نورالایضاح (۱۵۵/۱) میں علامہ شرنبلالی نے اور تھانوی، اور ابن عابدین نے اپنے حاشیہ میں اور طحطاوی نے۔

مالکیہ:

ابن وہب، ابن مواز، قاضی عیاض (شفا میں)، عبدالحق اشبیلی، ابوالحسن قابسی، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، شہاب قرافی نے ذخیرہ (۳۷۵/۳، ۳۷۶) ، علامہ خلیل نے اپنی منسک، قسطلانی، ابن الحاج نے (المدخل)، زرقانی اور ابن جزی نے القوانین الفقھیۃ (۹۵/۱) میں۔

شافعیہ:

اپنے زمانہ کے شیخ الشافعیہ ابومنصور صباغ نے اپنی کتاب الشامل، امام نووی نے المجموع (۲۰۲/۸) میں ذکر کیا اور اس کو قاضی ماوردی سے نقل کیا اور قاضی ابوالطیب، اور سبکی نے شفاء السقام میں اور حافظ ذہبی، اور ابن الملقن نے غایۃ السول فی خصائص الرسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم (ص:۱۸۳) میں اور سیوطی نے درمنثور (۵۷۰/۱، ۲۳)، اور ابن حجر ھیتمی نے الجوھر المنظم في زيارة القبر المكرم اور حصنی نے دفع شبہ

(ص:۱۱۵)اور حجاوی نے نہایۃ الزین (۲۲۰/۱-۲۲۱)میں۔

حنابلہ :

ابن عقیل حنبلی نے اپنے تذکرہ،عبدالقادر جیلانی (۵۶۱/۱ھ) نے کتاب غنیۃ،ابن جوزی نے المنتظم (۲۵۷ھ)(۹۳/۹)،ابن قدامہ مقدسی نے المغنی (۲۹۷/۳-۲۹۸-۲۹۹)،ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ سمری نے المستوعب،ابن مفلح نے المبدع(۲۵۹/۳)اور بہوتی نے کشاف القناع(۵۱۶/۲)اور مرداوی حنبلی نے الإنصاف (۵۳/۴-۵۴)میں۔

مورخین:

ابن الاثیر نے الکامل(۱۹۵۰۶/۸)،ابن خلکان نے وفیات الاعیان(۱۳۶/۵)،ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ(۱۵۰/۱۲-۱۵۱)اوران حضرات کے علاوہ سیدالانام ﷺ کی امت کے بہت سے ائمہ اعلام نے نبی اکرم ﷺ کے روضۂ اقدس یا آپ کے اہل بیت اطہار کی قبروں کے پاس دعائیں کیں۔

وصل اللهم على سيدنا محمد وعلى اله وصحبه وسلم

(۵۲) نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر کی طرف رخ کر کے دعا کرنا

نماز ترک کرنے والے کی تکفیر کے بارے میں ائمہ اربعہ ابوحنیفہ و مالک وشافعی واحمد کا اختلاف ہے حالاں کہ نماز دین کا ستون اور اسلام کا دوسرا اہم واعظم رکن ہے جس پر اسلام کی بنیاد قائم ہے، تو کیا ان ائمہ کرام اور دوسرے حضرات کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کے رخ اقدس کے سامنے آپ پر سلام پیش کر کے دعا کرنا چاہے اس پر یہ لازم ہے کہ اپنے کھڑے ہونے کا طریقہ بدل کر قبلہ رو کھڑا ہو، اور نبی پاک ﷺ کی طرف رخ کر کے دعا نہ کرے۔

ابن تیمیہ کا تو یہی دعوی ہے بلکہ اس کے تین دعوے ہیں:

۱۔ پہلا دعوی: یہ سب سے بدترین اور خوفناک ہے، صحابہ نے روایت کیا ہے کہ نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں قبلہ رو ہو کر دعا کی جائے اور قبر کی طرف رخ کر کے دعا کرنا مکروہ ہے۔

۲۔ دوسرا دعوی: سارے ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ کوئی شخص قبر کی طرف رخ کر کے دعا نہ کرے۔

۳۔ تیسرا دعوی: سب سے عظیم ترین امام مالک کے نزدیک یہ مکروہ ہے۔

مجھے معلوم نہیں کیوں ابن تیمیہ لوگوں سے یہ اصرار کر رہا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اطہر کے پاس آپ کے ساتھ زندہ انسانوں جیسا معاملہ نہ کریں۔ حالاں کہ آپ اپنے روضۂ اقدس میں یقیناً زندہ ہیں جیسا کہ ائمہ اہل سنت و جماعت نے اس پر نص فرمایا۔ غور کا مقام یہ ہے کہ حضور کے رفیق اعلی کی طرف سفر فرمانے سے پہلے آپ کی بارگاہ میں کوئی شخص حاضر ہوتا اور آپ کی حیات ظاہری میں آپ کے پاس دعا کرنا چاہتا تو کیا حضور کی طرف پشت کر کے کر دعا کرتا؟

میرا اعتقاد یہ ہے کہ امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ ایسے شخص پر نفاق کی تہمت لگا کر اس کا سر قلم فرما دیتے۔

امت مسلمہ کی تربیت فرمانے والے ائمہ کرام میں سے کسی امام سے آپ پوچھیں کہ حضور اقدس سید عالم

ﷺ کے وصال کے بعد آپ کی بارگاہ کے آداب کیا ہیں؟ تو یہی جواب ارشاد فرمائیں گے کہ آپ کے وصال کے بعد وہی آداب لازم ہیں جو آپ کی حیات ظاہری میں تھے ابن تیمیہ کے کفش برداروں کو تو کافی رنج وغم ہوگا۔

پھر ابن تیمیہ کے نیاز بردار جب مسجد حرام میں شریک درس ہوتے ہیں تو ان کے اساتذہ کعبہ رونظر آتے ہیں اور اس کے کفش برداروں کی یہ جماعت کعبہ مقدسہ کی طرف اپنی پیٹھ کیے شریک درس ہوتی ہے پھر جب یہ لوگ دعا کرنا چاہتے ہیں تو اپنی اسی سابقہ وضع ہی پر رہتے ہیں، اگر اس کے یہ کفش بردار کعبہ رو ہو کر اپنے ائمہ کی طرف پیٹھ کر کے دعا کریں تو ان کی سخت خدمت کی جائے گی۔

ہم ان نیاز برداروں سے پوچھتے ہیں، **مالکم کیف تحکمون؟**

نبی پاک ﷺ کی سنت کریمہ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے افعال اس بات کی روشن دلیل ہیں کہ وفات یافتہ کی طرف رخ کر کے سلام پیش کرنا اور دعا کرنا مستحب ہے۔

میں کہتا ہوں:

رسول اللہ ﷺ کے فعل سے یہی ظاہر ہے کہ قبر کی طرف رخ کر کے دعا کرنا مشروع ومستحب ہے جیسا کہ امام مسلم وغیرہ نے بریدہ سے روایت کیا آپ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ جب قبرستان تشریف لے جاتے تو صحابہ کرام کو یہ تعلیم فرماتے کہ یوں کہیں تمام مومن اور مسلمان گھر والوں کو سلام اور انشاء اللہ ہم لوگ آپ کے پاس آنے والے ہیں آپ لوگ ہم سے پہلے آئے، اور ہم آپ کے پیچھے آنے والے ہیں ہم اللہ عزوجل سے اپنے لیے اور آپ سب لوگوں کے لیے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ اور امام ترمذی نے تخریج کی (اور اس کو حسن کہا اور طبرانی اور ضیا نے اس کو صحیح کہا) کہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ طیبہ کی قبروں کے پاس سے گزرے آپ نے اپنا رخ انور ان کی طرف فرما کر فرمایا: اے قبر والو! تمہیں سلام اللہ ہماری اور آپ سب لوگوں کی بخشش فرمائے آپ ہم سے پہلے آئے اور ہم بعد میں آنے والے ہیں۔

پہلی حدیث کی دلالت خوب واضح اور روشن ہے اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو تعلیم فرمایا کہ مردوں کو سلام کر کے اپنے اور مردوں کے حق میں ان کلمات کے ساتھ دعا کریں: ''ہم اللہ سے اپنے لیے اور آپ

سب لوگوں کے لیے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ یہ سلام اور دعا ٹھیک قبر کے سامنے ہو اس لیے کہ مسلمان نگاہیں نیچی کر کے قبر والوں کو ان کے سامنے سلام کرتا ہے قبر قبلہ کی سمت ہو یا نہیں ہم نے عقلائے مسلمین میں سے کسی عاقل مسلمان کو اپنے والد یا اپنے اصحاب کی قبر کی طرف پیٹھ کر کے سلام پیش کرتے نہ دیکھا اگر ایسا کوئی کرے گا تو مضحکہ خیز ہوگا۔ ہاں اگر کوئی انسان اس ظریف کی طرح ہو جائے جس نے یہ کہا کہ وہ ان کی طرف پیٹھ کر کے اس لیے سلام و دعا کرتا ہے کہ وہ ان کا مخاصم و مخالف ہے....اور اللہ ہی اپنی مخلوقات کے امور کا مالک و مولی ہے۔

اور دوسری حدیث کی دلالت یوں واضح ہے کہ حدیث پاک میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے قبر والوں کی طرف اپنا رخ فرما کر ارشاد فرمایا: ''اے قبر والو تم پر سلامتی ہو۔ اللہ ہمیں اور تمہیں عفو و مغفرت کے قرب خاص میں جگہ بخشے، آپ لوگ ہم سے پیشتر آئے اور ہم بعد میں آنے والے ہیں'' اس حدیث سے صاف صاف ظاہر اور عیاں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے قبروں کی طرف اپنا رخ انور فرما کر تمام قبر والوں کو سلام و دعا پیش فرمایا۔

ان دونوں حدیثوں کے سبب ابن تیمیہ کے کلام کے سارے تار و پود بکھر گئے، اور یہ روشنی ملی کہ زیارت قبر کا مستحب طریقہ یہی ہے کہ زیارت کرنے والا صاحب قبر کی طرف رخ کر کے سلام پیش کرے، اور اپنے اور صاحب قبر کے حق میں دعا کرے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

اس سے یہ حقیقت بھی عیاں ہو کر سامنے آ گئی کہ رسول اللہ ﷺ یا آپ کے اہل بیت اور تمام مسلمانوں کی قبروں کی طرف رخ کر کے دعا کرنے کا جو حکم ہے شرع شریف میں اس کی واضح اصل اور روشن بنیاد موجود ہے۔

ابن تیمیہ کے ذہن و عقل میں یہ بات کیسے نہ آئی کہ میت کی نماز جنازہ پڑھنے والے میت کی طرف رخ کر کے اس کی نماز جنازہ پڑھتے اور اس کے لیے دعا کرتے ہیں، اگر ایسی حالت میں دعا حرام یا مکروہ ہو تو میت کو نمازیوں کے پیچھے رکھ کر نماز جنازہ ادا کرنی چاہئے جیسا کہ غائب کی نماز جنازہ (غیر مقلدین زمانہ) پڑھتے ہیں۔ گزشتہ اوراق میں غور و فکر کرنے سے باذن اللہ تعالی شافی جوابات حاصل ہوتے ہیں۔

اس مقام پر ہمارا مواخذہ یہ ہے کہ: کیا نبی پاک ﷺ سے یہ وارد ہے کہ ''السلام علی فلان'' کہنے کے

بعد قبلہ رو ہو جاتے ،اور مردہ کی طرف پشت اقدس فرما کر یہ دعا کرتے:''**أستغفر الله لنا ولكم**'' میں اللہ سے اپنے لیے اور آپ لوگوں کے لیے استغفار کرتا ہوں؟ کتاب اللہ، یااللہ کے نبی ﷺ کی سنت شریفہ یا آپ کے برگزیدہ صحابہ کے افعال سے کہاں ثابت ہے؟ کیا ابن تیمیہ کے دعوی کے ثبوت میں صحابہ کرام سے کوئی نص صحیح منقول ہے، جب صحابہ کرام نے یہاں تک نقل فرمایا کہ نبی پاک ﷺ نے نماز استسقا کے دوران اپنی چادر اقدس کو پلٹ لیا تو کیا یہ حضرات یہ نہ نقل فرمائیں گے کہ نبی پاک ﷺ قبر کی طرف رخ کر کے سلام پیش فرماتے، پھر دعا کے وقت اس کی طرف پیٹھ فرماتے؟

صحابہ نے نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس دعا فرمائی جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما اور انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے وارد ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کے بارے میں امام بیہقی نے باسناد حسن روایت کیا (جس کی تخریج اس سے پہلے (نبی پاک ﷺ کے پاس دعا کے باب میں گذر چکی) کہ عبداللہ بن دینار نے فرمایا: میں نے عبداللہ بن عمر کو دیکھا آپ نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس کھڑے ہوکر آپ پر سلام پیش فرماتے اور دعا کرتے پھر ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالی عنہما کے حق میں دعا فرماتے۔

حافظ ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء (۳۰۸/۱-۳۰۹) میں باسناد حسن نافع مولی ابن عمر کی یہ روایت تخریج کی:
''عبداللہ جب مدینہ منورہ آتے تو نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس پر حاضر ہوتے آپ کے رخ اقدس کی طرف رخ کر کے آپ پر درود بھیجتے اور اپنے لیے دعا کرتے، پھر ابوبکر کے پاس آ کر آپ کی طرف رخ کر کے آپ پر درود بھیجتے، اور دعا کرتے، پھر عمر کی طرف رخ فرما کر آپ پر درود بھیج کر آپ کے لیے دعا کرتے اور کہتے اے ابا، اے ابا، اے ابا۔ حماد بن زید نے ایوب سے اسی طرح روایت کیا۔

اور انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت بھی بیہقی نے شعب الایمان میں باسناد حسن روایت کیا:
(نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس دعا کے باب میں اس کی تخریج اس سے پہلے گزر چکی) ''عبداللہ بن منیب بن عبداللہ بن ابوامامہ سے مروی ہے وہ اپنے والد سے راوی انھوں نے فرمایا میں نے انس بن مالک کو دیکھا کہ نبی

پاک ﷺ کے روضۂ مکرم کے پاس کھڑے ہوکر اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا یہاں تک کہ مجھے یہ گمان ہوا کہ آپ نبی پاک ﷺ سے فتح و مدد طلب کر کے واپس چلے گئے''۔

ذرا ملاحظہ فرمائیں کہ صحابی جلیل حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے حبیب پاک صاحب لولاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس آپ کے سامنے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔

امام قرطبی نے اپنی تفسیر (۲۰/۱۷۱) میں کہا: جب اپنی میت کی قبر کے پاس جائے اسے سلام کرے، اور اس کے پاس اس کے چہرہ کے سامنے سے آئے، اس لیے کہ اس کی زیارت اسی طرح کرنی چاہئے جس طرح اس کی زندگی میں اس سے کلام وخطاب کرتا تھا، اور میت کی حیات ظاہری میں خطاب ادب یہی ہے کہ اس کے روبرو خطاب کرے تو زیارت کے بھی آداب اسی طرح ہیں۔ ذرا امام قرطبی رحمہ اللہ تعالی کے آداب زیارت ملاحظہ فرمائیں اور اس سے درس حاصل کریں۔

وباللہ التوفیق، اب ابن تیمیہ کے گزشتہ تینوں دعووں کا رد ملاحظہ فرمائیں:

پہلا دعوی: صحابہ نے قبلہ رو ہوکر دعا کرنا مکروہ جانا جیسا کہ اس نے مجموع الفتاوی (۲۷/ ۱۶۶-۱۶۷) میں کہا:

> ''قبلہ رو ہوکر اللہ سے دعا کرے، اور حجرہ کی طرف رخ کر کے دعا نہ کرے، اور اس کے برخلاف منصور کے ساتھ مالک کی مروی حکایت باطل و بے اصل ہے، میرے علم میں ائمہ نے بلا اختلاف اس بارے میں یہ فرمایا کہ دعا کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ بوقت دعا قبلہ رو رہے، قبر نبوی کی طرف چہرہ نہ کرے، مسجد رسول اللہ میں دعا کے وقت ائمہ نے یہی حکم دیا کہ قبلہ رو ہوکر دعا کرے جیسا کہ صحابہ سے مروی ہے، حضرات صحابہ نے قبر نبوی کی طرف رخ کر کے دعا کرنا مکروہ جانا تو آپ کے علاوہ کسی دوسرے کی قبر کی طرف رخ کر کے دعا کرنے کا کیا حکم ہے''۔

میں کہتا ہوں: یہ اس کے عظیم دعووں میں سے ایک دعوی ہے، جیسا کہ آ رہا ہے:

۱۔ احادیث میں وارد ہے کہ عبداللہ بن عمر اور انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہما نے رسول اکرم نبی اعظم ﷺ کی طرف اپنا رخ کر کے دعا کی جیسا کہ گزر چکا۔

۲۔ ابن تیمیہ صرف ایک ہی صحابی کا نام کیوں نہیں پیش کرتا کہ انھوں نے ایسا فرمایا۔

ابن تیمیہ کے نیاز بردارو! بفضل اللہ تعالی ہمارا چیلنج ہے کہ تم ایک ہی دلیل ایسی لاؤ جس سے یہ افادہ ہو کہ صحابہ کرام روضۂ اقدس کی طرف رخ کر کے دعا کرنا مکروہ جانتے تھے۔

پھر تم سے ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ: تم اس خیال میں ہو کہ ابن تیمیہ کے علم میں کسی صحابی کی ایسی روایت ہے اگر ایسا ہے تو وہ ان کا نام کیوں نہیں ذکر کرتا، جب تمہارا یہی خیال ہے تو کسی صحابی سے یہ اثر کہاں مروی ہے؟ اور ان کا نام کیوں نہیں ذکر کیا جاتا؟

۳۔ ابن تیمیہ یہ کہتا ہے: ''مسجد رسول اللہ میں جب ائمہ نے یہ حکم دیا کہ قبلہ رو ہو کر دعا کی جائے'' اور اس سے اس کی یہ مراد ہے کہ مسجد نبوی شریف کے کسی حصہ میں کوئی دعا کرنا چاہے تو بحکم ائمہ اس پر قبلہ رو ہو کر دعا کرنا لازم ہے۔ تو اس سلسلہ میں ہم یہی کہیں گے کہ یہ سراسر محض تدلیس، ملمع سازی، اور دھوکہ وفریب ہے جس کے دو اسباب ہیں:

<u>پہلا سبب:</u> یہ کہ دراصل گفتگو اس شخص کے بارے میں ہے جو حضور اقدس ﷺ کی زیارت کے وقت آپ کے روضۂ اطہر کے پاس دعا کرے، مطلق دعا کی گفتگو نہیں کہ نبی ﷺ کی مسجد، یا مسلمانوں کی کسی بھی مسجد میں کی جائے جب گفتگو کا محور یہ ہے تو ابن تیمیہ کیوں خلط مبحث کر رہا ہے۔

<u>دوسرا سبب:</u> قبلہ رو ہو کر دعا کرنا صرف مستحب ہے اور وہاں اس کا حکم نہیں جیسا کہ یہ معروف ومشہور ہے۔

امام قرطبی نے اپنی تفسیر (۲۲۵/۷) میں کہا: دعا جس طرح بھی میسر ہو مستحب ہے، اس لیے کہ انسان سے یہی مطلوب ہے کہ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں کمال فقر واحتیاج اور اپنی عاجزی وفروتنی ظاہر کرے، اب اگر چاہے قبلہ رو ہو کر دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرے کہ دعا کا یہ طریقہ حسن ہے، اور اگر چاہے ایسا نہ کرے، اس لیے کہ نبی پاک

ﷺ نے ایسا فرمایا جیسا کہ احادیث میں وارد ہے نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً﴾ [الاعراف-۷:۵۵]

ترجمہ:۔''اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑاتے اور آہستہ''۔

دعا کی کوئی خاص صفت وارد نہیں کہ دونوں ہاتھ اٹھائے وغیرہ، اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا﴾ [آل عمران-۳:۱۹۱]

ترجمہ:۔''جو کھڑے اور بیٹھے اللہ کا ذکر کرتے ہیں اللہ نے ان ذاکرین کی مدح فرمائی''۔

مذکورہ امور کے علاوہ کوئی حالت وکیفیت شرط نہ فرمائی نبی پاک ﷺ نے جمعہ کے دن اپنے خطبہ میں دعا فرمائی، آپ دعا کے وقت قبلہ رو نہ تھے الخ۔ ابن تیمیہ کا دعوی کہاں ہے کہ ائمہ نے یہی حکم فرمایا۔اس کا کام یہی ہے کہ ہمیشہ مبالغہ آمیز، خوفناک باطل دعوے کرتا ہے۔

دوسرا دعوی: ابن تیمیہ نے مجموع الفتاوی (۲۷/۱۱۷) میں کہا:

''اس پر سب کا اتفاق ہے کہ قبر کی طرف رخ کر کے دعا نہ کرے، اور سلام کے بارے میں اختلاف ہے جیسا کہ مالک واحمد وغیرہما نے کہا: قبر کی طرف رخ کر کے آپ پر سلام پیش کرے، اور اصحاب شافعی نے ایسا ہی ذکر کیا۔اور میرا گمان یہ ہے کہ امام شافعی سے یہی منقول ہے، اور ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب نے کہا: بلکہ قبلہ رو ہو کر آپ پر سلام پیش کرے''۔

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ یہ کلام کس سے، اور کہاں سے نقل کر رہا ہے؟ جن حضرات نے ائمہ کا اتفاق نقل کیا۔ان میں ابن ھبیرہ حنبلی (۴۹۹-۵۶۰ھ) ہیں ابن تیمیہ کی موت سے دوسو اٹھائیس سال (۲۲۸ھ) پہلے آپ کا وصال ہوا آپ نے ائمہ کا اتفاق نقل فرمایا مگر اسے نقل نہ کیا جو ابن تیمیہ دعوی کر رہا ہے۔

اے کاش! ابن تیمیہ کے دیوانگان عشق ہمیں یہ بتاتے کہ یہ ائمہ کون ہیں؟ ہوسکتا ہے کہ ائمہ سے وہ خود مراد ہو یا ابن تیمیہ کے زمانہ میں اس کے کفش بردار و ریزہ خوار مراد ہوں، بہرحال یہ ائمہ، ائمہ اربعہ نہیں ہیں۔

ابن تیمیہ نے امام ابوحنیفہ کی طرف جو قول منقول منسوب کیا اس سلسلے میں ہمارے پاس دو توضیح ہے:

پہلی توضیح: امام ابوحنیفہ سے اس کے خلاف مروی ہے، جیسا کہ صاحب طبقات الحنفیہ (۲۸۲/۱) نے نقل کر کے کہا: ابن مبارک نے فرمایا: میں نے امام ابوحنیفہ سے سنا آپ نے فرمایا: میں جس وقت مدینہ منورہ میں تھا ایوب سختیانی آئے میں نے اپنے دل میں کہا: میں ضرور آپ کا عمل دیکھوں گا، آپ نے اپنی پیٹھ قبلہ کی طرف فرمائی اور رسول اللہ ﷺ کے مواجہ اقدس میں کھڑے ہو کر رو رہے تھے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ آپ ایک مرد فقیہ کے قائم مقام ہیں۔

اور کمال ابن ہمام نے شرح فتح القدیر (۱۸۰/۳-۱۸۱) میں فرمایا: پھر قبر انور کے پاس اس طرح آئے کہ اس کی دیوار کی طرف چہرہ، اور قبلہ کی طرف پیٹھ رہے (اور ابواللیث سے جو یہ وارد ہے کہ قبلہ رو کھڑا ہو یہ ساقط و مردود ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اپنی مسند میں عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت فرمایا کہ آپ نے فرمایا: مسنون یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر کے پاس قبلہ کی طرف سے اس طرح آئے کہ اس کی پیٹھ قبلہ کی طرف اور چہرہ روضۂ اقدس کی طرف رہے پھر سلام عرض کرے: "**السلام علیک أیھا النبي ورحمة الله وبرکاته**"، یعنی اے نبی پاک! آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں، الخ

دوسری توضیح: اگر یہ ثابت بھی ہو کہ امام ابوحنیفہ کا قول وہی ہے تو اس کا معنی یہ نہیں کہ نبی پاک ﷺ کی طرف پیٹھ کرنے کا ارادہ کرے اس لیے کہ سلام روبرو ہی مقصود ہوتا ہے۔ اگر روبرو سلام نہ کیا جائے تو پھر سلام کہاں ہوگا؟ اگر آپ کسی کے پاس آئیں اور اس کی طرف پیٹھ کر کے سلام کریں تو یہ سلام نہ ہوگا کہ مسلمانوں کے نزدیک سلام کا یہ طریقہ مشہور و متعارف نہیں، ہمارا گمان یہ نہیں کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حد ادب میں تجاوز فرما رہے ہیں، اور ہم آپ کے حد ادب کی حفاظت کر رہے ہیں۔

سیدنا امام ابوحنیفہ کے بارے میں ہمارا اعتقاد و اذعان یہی ہے کہ آپ کے اس کلام کا مقصود یہ ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں جائے حتی الامکان اسے اس طرح قبلہ رو رہنا چاہئے کہ اس کے اور قبلہ کے درمیان رسول اللہ ﷺ کا روضہ اطہر ہو جیسا کہ میت کی نماز جنازہ ادا کرنے والا نماز جنازہ میں ایسا کرتا ہے اس

طرح اسے دو نیکیاں حاصل ہوں گی ایک تو روضہ اقدس کے استقبال اور دوسرے استقبال قبلہ کی نیکی۔ گویا یہ ایک طرح کا توسل اور تشفع (سفارشی بنانا) ہے جیسا کہ دارمی کی روایت میں ہے کہ صحابہ نے روشن دان کھول کر ایسا کیا، ابن تیمیہ یا تو اس روایت کو نہیں جانتا یا اس سے غافل ہے۔ ابن تیمیہ تو سرے سے اس کا قائل ہی نہیں کیوں کہ یہ قول اس کے موافق نہیں بلکہ مخالف ہے اس پر غور کرنا چاہئے۔

اس مقام پر ایک دوسرا نقطہ یہ ہے کہ مذاہب اربعہ کے اصحاب وفقہا نے یہ نقل فرمایا کہ نبی پاک ﷺ کے رخ انور کے سامنے دعا کی جائے جیسا کہ عنقریب اس کی توضیح آ رہی ہے تو کیا ان حضرات کو نقول معلوم نہیں اور ابن تیمیہ جانتا ہے۔

ان حقائق سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ ابن تیمیہ علما اور فقہا یہاں تک کہ ائمہ حنابلہ سے بھی یکسر تجاہل کرتا ہے حالاں کہ ان کی طرف اپنی نسبت ظاہر کرتا ہے، ہم اس مقام پر حنبلی مذہب کے تین عظیم الشان بلند پایہ علما (یہ حضرات ابن تیمیہ سے پہلے کے ہیں) کے نصوص نقل کریں گے جن سے یہ انکشاف تام ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ کے مواجہہ اقدس میں دعا کرنا ایک شائع شدہ طبعی امر ہے ان حضرات علمائے کرام کے سرخیل ابن عقیل ہیں آپ نے حنبلی مذہب کی سب سے عظیم ترین کتاب ''کتاب الفنون'' آٹھ سو جلدوں پر مشتمل تصنیف فرمائی ذہبی نے آپ کی اس تصنیف کے متعلق فرمایا: ''اسلام میں ایسی کتاب تصنیف نہ ہوئی''، اور ابن قدامہ مقدسی کی کتاب ''المغنی'' حنبلی مذہب کی مشہور ترین کتاب ہے۔ ابو عبداللہ سمری کی کتاب ''المستوعب'' ہے اگر ہم تمام علما کے نصوص جمع کر دیں تو جس کے دل میں شک وشبہ ہے اللہ کی مشیت کے بغیر راہ راست نہ پائے گا۔

ابن عقیل اپنے زمانے کے امام الحنابلہ ہیں (آپ کا وصال ابن تیمیہ سے پہلے ۲۱۳ھ میں ہوا) آپ نے اپنی کتاب ''الفنون (**في التذكرة المحفوظة بظاهرية دمشق تحت رقم ۸۷ في الفقه الحنبلي**) میں کہا:

> ''قبر کے روبرو منبر سے متصل کھڑے ہوکر آپ کی بارگاہ میں یوں درود وسلام پیش کروائے نبی! آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں۔ اے اللہ محمد اور آل محمد پر رحمت

نازل فرما آخری تشہد میں پڑھا جانے والا درود مکمل پڑھ کر یہ عرض کروائے اللہ! محمد کو وسیلہ اور فضیلت اور بلند درجہ اور وہ مقام محمود عطا فرما جس کا تو نے وعدہ فرمایا، اے اللہ! تمام روحوں اور جسموں میں آپ کی پاکیزہ روح اور آپ کے جسم اقدس پر رحمت نازل فرما جس طرح آپ نے آخری دم تک تیری رسالت کی تبلیغ، اور آیتوں کی تلاوت فرمائی، اور تیرے امر دین کا کھلم کھلا اعلان فرمایا۔ اے اللہ! تو نے اپنی محکم کتاب میں اپنے نبی ﷺ کی شان شفاعت میں فرمایا:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوٓا أَنْفُسَهُمْ جَآءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾ [النساء-۴:۶۴]

ترجمہ: ''اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں، اور رسول ان کی شفاعت فرمائیں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں''۔

میں توبہ کر کے اس نبی کی بارگاہ میں طلب استغفار کے لیے حاضر آیا، میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے بخشش کا پروانہ عطا فرما جیسا کہ آپ کی ظاہری حیات طیبہ میں آپ کے پاس آنے والے طالبان بخشش کو تو نے بخشش سے شادکام فرمایا، اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں تیرے نبی، نبی رحمت ﷺ کو وسیلہ لاتا ہوں، اے اللہ کے رسول! میں اپنی بخشش کے لیے آپ کو اپنے رب کے حضور وسیلہ لاتا ہوں، اے اللہ! میں آپ کے حق کا وسیلہ لا کر تجھ سے اپنے گناہوں کی بخشش کا سوال کرتا ہوں، اے اللہ! محمد (صلی اللہ تعالی علیہ وسلم) کو سب شفاعت کرنے والوں میں پہلا شفیع، اور تمام سائلوں میں کامیاب ترین، اور اولین وآخرین میں سب سے زیادہ عزت وشرافت اور بزرگی وکرامت والا بنا، اے اللہ! بے دیکھے ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کی تصدیق کی، اور ہمیں آپ کی زیارت وملاقات کا شرف حاصل نہیں تو ہمیں آپ کے داخل ہونے کے مقام میں داخل فرما اور آپ کے زمرے میں ہمارا حشر فرما، اور آپ کے حوض پر ہمیں وارد فرما، اور آپ کے کاسۂ اقدس کے صاف وشفاف خوشگوار خوش مزہ

پانی سے سیراب فرما کہ اس کے بعد نہ کبھی تشنگی کا احساس ہو، نہ ذلت ومصیبت میں مبتلا ہوں، نہ عہد شکنی کریں، اور نہ بدعت وگمرہی کے سبب دین سے نکلیں، اور نہ ہم پر تیرا غضب ہو، اور نہ ہم گمراہ ہوں، اور ہمیں آپ کی شفاعت کا اہل بنا۔ اس کے بعد آپ کے داہنی جانب آئے اور یوں عرض کرے اے ابوبکر صدیق! آپ کو سلام، اے عمر فاروق! آپ کو سلام اے اللہ! اپنے نبی اور اسلام کی طرف سے ان دونوں حضرات کو جزائے خیر عطا فرما، اے اللہ! ہماری اور ہم سے پہلے رخصت ہونے والے ہمارے مومن بھائیوں کی بخشش فرما..... (الحشر ۱۰)

اور ابن قدامہ نے " المغنی " (۳/۲۹۷-۲۹۹) اور سمری نے "المستوعب" میں تقریبا ابن عقیل ہی کی طرح ذکر فرمایا۔

نبی پاک ﷺ کے روضۂ مبارک کی طرف رخ کر کے دعا کرنے کے متعلق شافعیہ کے بے شمار نصوص ہیں ہم صرف امام نووی کے نقل پر اکتفا کر رہے ہیں آپ کی امامت متفق اور مسلم ہے، آپ پر بدعت وفسق کی کبھی تہمت نہ لگی، اور نہ ہی آپ نے اپنے پیشتر ائمہ کے متفقہ اقوال وارشادات کے خلاف کوئی کلام فرمایا، اور نہ ہی دین سے دور رفتہ عجیب وغریب فکروں کے اسیر ہوئے، نہ ہی علی ابن ابو طالب رضی اللہ تعالی عنہ کی تنقیص شان اور عداوت اہل بیت میں متہم ہوئے، اور نہ آپ پر یہ طعن کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ سے بغض وکینہ رکھتے ہیں۔

امام نووی نے المجموع (۸/۲۰۱، ۲۰۲) میں فرمایا:

"یقین سے جاننا چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت اہم قربت وعبادت اور کامیاب ترین کوشش ہے، حج وعمرہ کرنے والے جب مکہ سے واپس ہوں تو ان کے لیے غایت درجہ مستحب یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ کا سفر کریں، اور زیارت کرنے والے کی نیت زیارت محض تقرب وطاعت، آپ کی بارگاہ کے سفر اور آپ کی مسجد میں نماز کی فضیلت کی تحصیل ہو، اور یہ نیت ہو کہ نماز کا شرف خیر الخلائق ﷺ کے سبب ہے، اور مدینہ منورہ آنے اور وہاں سے واپس جانے تک آپ کی تعظیم اور آپ کی بارگاہ کی ہیبت سے دل مالا مال رہے۔ گویا سرکار اپنی چشمان مبارک سے اسے ملاحظہ ومشاہدہ فرما رہے ہیں، جب آپ کی

مسجد کے دروازہ پر پہنچے آپ پر صلاۃ وسلام پیش کرے، پھر روضہ مکرم کے پاس اس طرح حاضر ہو کہ پشت قبلہ کی طرف اور چہرہ قبر اقدس کی دیوار کی طرف رہے، اور قبر کے سرہانے سے چار گز فاصلہ پر رہے، بہتر یہ ہے کہ وہ کلمات کہے جسے ماوردی اور قاضی ابو الطیب، اور ہمارے تمام اصحاب نے مستحسن سمجھ کر عتبی سے حکایت کیا کہ عتبی نے کہا: میں رسول اللہ کے روضۂ اقدس کے پاس بیٹھا تھا اتنے میں ایک اعرابی نے آ کر عرض کیا: ''السلام علیک یا رسول اللہ سمعت اللہ یقول'' اے اللہ کے رسول آپ پر سلام میں نے اللہ عزوجل کا یہ ارشاد سنا:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوٓا أَنْفُسَهُمْ جَآءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾ [النساء-۴:۶۴]

ترجمہ:۔''اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائیں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں''۔

اس لیے میں اپنے رب کی بارگاہ میں آپ کو شفیع لا کر آپ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرنے آیا ہوں پھر یہ محبت بھرے اشعار گنگنانے لگے:

یا خیر من دفنت بالقاع أعظمه ۔۔۔ فطاب من طیبهنّ القاع والأکم

اے ان میں افضل جن کی ہڈیاں سپرد خاک کی گئیں تو ان ہڈیوں کی پاکیزہ ومشک بار خوشبو سے زمین، پہاڑ، اور ٹیلے سبھی پاکیزہ ومشک بار ہو گئے۔

حنفیہ میں بعض حضرات نے فرمایا کہ اس طرح قبلہ رو رہے کہ رسول اللہ ﷺ کے چہرہ اقدس کی طرف پشت نہ ہونے پائے جیسا کہ ہم اس کی توضیح کر چکے واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور دوسری جماعت یعنی جمہور نے یہ فرمایا کہ: روضۂ اقدس کی طرف رخ کر کے دعا کرے جیسا کہ کمال ابن ہمام، ملا علی قاری، طحطاوی، ابن عابدین، اور تھانوی اور ان کے علاوہ بہت سے حضرات نے یہی فرمایا۔

رہا مالکیہ کا مذہب تو آنے والے نقطہ کے تحت ہم عنقریب اسے نقل کریں گے۔

تیسرا دعوی: یہ ہے کہ امام مالک جو عظیم ترین امام ہیں انھوں نے یہ فرمایا کہ نبی پاک ﷺ کے رخ انور کے سامنے کھڑے ہوکر دعا کرنا مکروہ ہے جیسا کہ ابن تیمیہ نے مجموع الفتاوی (۲۶/۱۴۵-۱۴۶-۱۴۷) میں کہا:

''اورحجرہ کی طرف رخ کر کے دعا نہ کرے کیوں کہ بہ اتفاق ائمہ اس سے نہی وارد ہے، اور مالک جو عظیم ترین امام ہیں انھوں نے اسے مکروہ کہا، اور آپ کے بارے میں جو یہ حکایت مروی ہے کہ آپ نے منصور کو دعا کے وقت حجرہ کی طرف رخ کرنے کا حکم فرمایا یہ امام مالک کی طرف جھوٹی نسبت ہے''۔

میں کہتا ہوں:

نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس دعا کے موضوع کے تحت ہم یہ ذکر کر چکے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالی سے یہ منقول ہے کہ روضۂ اقدس کی طرف رخ کر کے دعا کرے ابن وہب جو امام مالک کے اجل اصحاب متقدمین علما سے ہیں انھوں نے کہا: ''امام مالک نے فرمایا: جب نبی ﷺ کی بارگاہ میں سلام و دعا پیش کرے تو روضۂ پاک کی طرف رخ کر کے کھڑا ہو، قبلہ کی سمت نہ کھڑا ہو، اور قریب سے سلام عرض کرے، اور روضۂ اطہر کو اپنے ہاتھ سے نہ چھوئے، اور ابن مواز ابن تیمیہ سے کئی صدی پہلے (۲۸۱ھ) میں پیدا ہوئے آپ کی روشن تصریح گزر چکی!

اشہب نے کہا: مالک سے پوچھا گیا جو شخص التزام کا قصد و ارادہ کرے اس کے متعلق کیا آپ کی یہ رائے ہے کہ کعبہ سے رخصت ہونے کے وقت کعبہ کے پردوں سے چمٹ جائے ارشاد فرمایا: نہیں لیکن کھڑے ہوکر دعا کرے، آپ سے عرض کیا گیا: اور نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کا بھی یہی حکم ہے؟ فرمایا: ہاں۔

اور اسی طرح امام نووی نے کتاب رؤس المسائل میں حافظ ابوموسی اصفہانی سے یہ نقل کیا کہ امام مالک بن انس رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا: جب کوئی شخص نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس جانا چاہے تو قبلہ کی طرف پیٹھ، اور نبی کریم ﷺ کی طرف رخ کر کے آپ پر درود پیش کرے اور دعا کرے۔

اور مالکیہ کی تمام مشہور و معروف کتابوں میں جو وارد ہے وہ ایک عادل و منصف اور صائب الرائے کے لیے کافی ہے، ''الـمـوازیة'' مالکیہ کی قدیم مشہور ترین کتابوں میں ہے، اس کے علاوہ قاضی عیاض کی ''کتاب

الشفا''،اورابن الحاج کی''المدخل''اورابن جزی کی''القوانین الفقہیۃ''(۹۵/۱)اورابوعبداللہ مغربی کی''مواہب الجلیل''(۴۰۰/۳)اورشرح زرقانی ہے،عبدالحق اشبیلی اورابوالحسن قابسی ،اورابوبکر بن عبدالرحمٰن ،اورعلامہ خلیل نے اپنی منسک میں اوران کے علاوہ دوسرے حضرات نے روضۂ اطہر کے پاس دعا کے متعلق مالکی مذہب یہی نقل فرمایا،ان حضرات نے امام مالک کے ساتھ خلیفہ منصور کا واقعہ بھی نقل فرمایا۔اللہ تعالی ہمیں اورآپ سب لوگوں کو راہ راست پر قائم رکھے۔

(۵۳)ابن تیمیہ کا یہ دعوی ہے کہ نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس دعا مستجاب و مقبول نہیں

حدیث پاک میں وارد ہے:

''کسی دن سورج طلوع نہیں ہوتا مگر ستر ہزار (۷۰۰۰۰) فرشتے نازل ہوتے ہیں یہاں تک کہ اپنے پروں سے نبی پاک ﷺ کے روضۂ پاک کو گھیر لیتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ پر درود پیش کرتے ہیں، شام ہونے پر آسمان کی طرف چلے جاتے ہیں اور اسی تعداد میں دوسرے فرشتے نازل ہوتے ہیں اور انہیں فرشتوں کی طرح کرتے ہیں، یہاں تک کہ جب حضور سے زمین شق ہوگی آپ ستر ہزار فرشتوں کے جھرمٹ میں نکلیں گے جو حضور کو رب تعالی کی بارگاہ میں پہنچائیں گے۔[1]

(۱) دارمی (۵۷/۱) نے اثر کعب بسند حسن تخریج کی جیسا کہ قاضی اسماعیل نے ''فضل الصلاۃ علی النبي'' (۸۵/۱) اور ابن مبارک نے الزھد (۵۵۸/۱) اور ابونعیم نے حلیۃ (۳۹۰/۵) اور ابوالشیخ نے العظمۃ (۱۰۱۸/۳-۱۰۱۹) اور بیہقی نے شعب الإیمان (۴۹۲/۳-۴۹۳) میں تخریج کیا۔

اور نجاد نے ''الرد علی من یقول القرآن مخلوق'' (۶۳/۱) میں اس پر امام احمد کے قول سے استدلال کیا آپ نے فرمایا: ابن ابو ہلال کے پاس یہ قراءت کی گئی کہ نبیہ بن وہب نے روایت کیا کہ کعب احبار... اس کے بعد مکمل اثر ذکر کیا۔

اور دارمی کی اسناد حسن ہے اس اثر کے تمام راوی ثقہ ہیں، ہاں عبداللہ بن صالح کے راوی لیث تو وہ بھی صدوق (راست گو) ہیں ابوزرعہ نے کہا: حسن الحدیث ہیں، مگر آپ نے صرف لیث ہی سے روایت نہ کیا....اس لیے کہ لیث سے قتیبہ بن سعد نے بھی روایت کی وہ ثقات اثبات میں سے ایک، بخاری و مسلم کے رجال سے ہیں۔

اور اس مقام پر ایک دوسری سند بھی ہے جسے دارمی کے سوا سب نے تخریج کی، عبداللہ بن مبارک سے مروی ہے کہ ابن لھیعہ کے سوا اس کے تمام راوی ثقہ ہیں....اور ابن لھیعہ کی حدیث صحیح ہے جب کہ عبادلہ عبداللہ بن مبارک، وابن وہب، اور مقری سے مروی ہو، عبدالغنی بن سعید اسدی اور ساجی وغیرہما نے ایسا ہی کہا، حافظ ابن حجر نے فرمایا: صدوق ہیں اور دوسروں کی بہ نسبت ان سے ابن مبارک اور ابن وہب کی روایت زیادہ قابل اعتبار اور لائق شمار ہے۔

بہر حال بلاشبہ یہ اثر اگر صحیح نہیں تو دونوں طریق کے اعتبار سے ضرور حسن ہے۔

سیدہ عائشہ کی زیارت کے وقت کعب نے ایسا ہی کہا، اوران دونوں نے رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا اور عائشہ نے کعب سے یہ نہ فرمایا کہ آپ کی دلیل کیا ہے؟ اس لیے کہ آپ کو یہ معلوم تھا کہ اہل کتاب کی کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر موجود ہے۔

ان حضرات کے بعد ابن تیمیہ آیا اور اپنے (۲۷/۱۱۷) میں یہ کہا:

''اوراس کے باوجودان میں سے کسی نے یہ نہ کہا کہ آپ کی قبر کے پاس دعا مستجاب ہے، اور یہ نہ کہا کہ آپ کی قبر کی طرف رخ کر کے دعا کرنا مستحب ہے، بلکہ انھوں نے اس کے خلاف تصریح کی''۔

اوراس نے ''الردعلی البکری (۲/۴۶۹) میں یہ کہا:

''جب انبیاعلیہم السلام کی قبریں تریاق مجرب نہیں تو شیوخ کی قبریں کیوں کر تریاق مجرب ہوں گی''۔

اس نے الردعلی البکری (۱/۱۴۶) میں کہا:

دوسرا مرتبہ:'' یہ ہے کہ یہ گمان کیا جائے کہ آپ کی قبر کے پاس دعا مستجاب ہے، یا یہ کہ مسجدوں اور گھروں میں دعا کرنے سے بہتر ہے، اس مقصد کی خاطر، یا آپ کے پاس درود بھیجنے، یا آپ سے اپنی ضروریات طلب کرنے کے لیے آپ کی زیارت کا قصد کیا جائے، تو یہ بھی بہ اتفاق ائمہ مسلمین بدعات منکرہ اور حرام ہے، میرے علم میں ائمہ دین کا اس میں کچھ بھی اختلاف نہیں''۔

اوراس نے اپنے مجموع الفتاوی (۲۷/۱۱۶) میں کہا:

''صحابہ وتابعین، اور ائمہ ومشائخ متقدمین میں کوئی بھی اطلاق یا تعیین کے ساتھ اس کا قائل نہیں کہ انبیا اور صالحین کی قبروں کے پاس دعا مستجاب ہے''۔

ابن تیمیہ کے اس کلام کے رد میں درج ذیل امور ملاحظہ فرمائیں:

(ا) ابن تیمیہ کا یہ کہنا:''بلکہ اس کے برخلاف ان کی تصریحات موجود ہیں''اس کلام کا مقتضی دو چیزوں میں سے کوئی ایک ضرور ہے:

ا۔ ''ان حضرات نے اس کی تصریح فرمائی''اوراس جملہ سے اس کا نصف ثانی مراد لے رہا ہے وہ جملہ یہ ہے:''کسی قبر کی طرف رخ کر کے دعا کرنا مستحب نہیں ہے''گزشتہ سطور میں ہم نے اس امر کوخوب واضح کر دیا ہے کہ نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کی طرف رخ کر کے دعا کرنا مستحب ومشروع ہے۔

۲۔ ''ان لوگوں نے اس کے برخلاف تصریح کی''اس سے اس کی مراد جملہ کا نصف ثانی ہی نہیں بلکہ پورا جملہ مراد ہے وہ پورا جملہ یہ ہے''ان ائمہ میں سے کوئی اس کا قائل نہیں کہ آپ کی قبر کے پاس دعا مستجاب ہے،اورآپ کی قبر کی طرف رخ کر کے دعا کرنا مستحب نہیں۔اگر اس کی مراد پورا جملہ ہے،تو یہ عظیم تہمت و بہتان ہے۔کیا یہ متصور ہوسکتا ہے کہ ائمہ اربعہ اوران کے علاوہ ائمہ سلف یہ فرمائیں گے کہ رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس دعا مستجاب نہیں،ابن تیمیہ نے یہ کذب وافترا کہاں سے سیکھا؟

ابن تیمیہ کے اسلوب سے متنبہ اور ہوشیار رہنا چاہئے،کیوں کہ عوام الناس لاعلمی میں رسول اللہ ﷺ کے بلند مقام کے خلاف جرأت وجسارت کریں گے،اورآپ کے بارے میں یہ کہیں گے گویا،والعیاذ باللہ تعالی،آپ زندہ نہیں،اس طرح لوگوں کے دلوں سے آپ کی تعظیم وتوقیر محو ہوجائے گی...اس لیے خوب غور وفکر کی ضرورت ہے۔

(۲) نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں دعا مستجاب ہے اس کی دلیل وہ روایت ہے جسے ابن ابوشیبہ اور بیہقی،اور ابن عساکر نے مالک الدار سے روایت کیا آپ نے فرمایا:میں عمر کے دورخلافت میں خازن طعام (خزانچی) تھا۔عمر کے دور میں لوگ قحط زدہ ہوگئے ایک شخص نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر کے پاس آئے اورعرض کیا اے اللہ کے رسول!اپنی امت کے لیے بارش طلب فرمائیں کیوں کہ امت ہلاک ہوگئی

،تو اس شخص کو خواب میں بتایا گیا کہ:''عمر سے جا کر سلام کہنا اور انہیں یہ خبر دینا کہ تمہیں بارش سے سیراب کیا جائے گا،اور ان سے یہ بھی کہنا کہ آپ پر عقل وفہم،دانائی وزیر کی لازم ہے۔

اس شخص نے حضرت عمر کو آ کر خبر دی تو آپ نے اشک آلود آنکھوں سے عرض کیا:اے رب! میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتا مگر جو میرے بس میں نہیں۔

دارمی نے اپنی سنن (۵٦/۱ نمبر ۹۲) میں روایت کیا:''**باب ماأکرم الله تعالی نبیهﷺ بعدموته**''

اس باب میں اس امر کا بیان ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنے نبی پاک ﷺ کے وصال کے بعد آپ کو عزت وکرامت اور شرف وبزرگی سے سرفراز رکھا۔

ہم سے ابونعمان نے حدیث بیان کیا،ہم سے سعد بن زید نے کہا،ہم سے عمرو بن مالک نکری نے بیان کیا،ہم سے ابوالجوزاء اوس بن عبداللہ نے بیان کیا،اوس نے فرمایا:مدینہ کے لوگ سخت قحط میں پڑ گئے انھوں نے عائشہ صدیقہ سے آ کر شکایت کی،تو حضرت عائشہ نے فرمایا:نبی پاک ﷺ کے روضۂ شریف کو دیکھو اور آپ کے روضۂ اطہر سے آسمان تک روشن دان بنا دو تا کہ روضۂ اطہر اور آسمان کے درمیان کوئی چھت حائل نہ رہے،آپ کے فرمانے پر لوگوں نے ایسا کیا تو ہم پر ایسی زوردار بارش ہوئی کہ سبزے اُگ آئے،اور اونٹ اس قدر فربہ ہو گئے کہ ان کا بدن چربی سے خوب پُر ہو گیا یہاں تک کہ اس سال کا نام عام الفتق پڑ گیا۔

نبی پاک ﷺ کے روضۂ شریف سے استفسار کے متعلق ہم نے ایک مستقل باب ہی قائم کر رکھا ہے۔

(۳) ہم نے ماسبق میں چند صحابہ اور ابن ابوفدیک کی دعا نقل کی:جس میں یہ ہے کہ:''ہمیں یہ خبر ملی کہ جو شخص نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر کے پاس کھڑے ہو کر یہ آیت کریمہ تلاوت کرے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْاعَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ [الاحزاب-۵٦/۳۳]

ترجمہ:''بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر اے

ایمان والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو''۔

اور یہ کہے اے محمد! (صلی اللہ تعالی علیہ وسلم) آپ پر اللہ رحمت نازل فرمائے اور ۷۰ رستر بار یہ آیت کریمہ پڑھے تو فرشتہ اسے جواب دیتا ہے اے فلاں! تم پر اللہ کی رحمت ہوئی، تمہاری کوئی حاجت ناکام نہ ہوئی، اور اسی طرح عتبی کا واقعہ بھی ذکر کر چکے جس سے اس مسئلہ پر خاصا روشنی پڑتی ہے۔

(۴) ہم نے ابن ابو عاصم، ابراہیم حربی، ابن خزیمہ، محاملی، ابن حبان وغیرہم کی دعا اور ان کا یہ ارشاد نقل کیا کہ اہل بیت کرام اور معروف کرخی کی بارگاہ میں دعا مستجاب ہے، اور ابراہیم حربی کا یہ ارشاد بھی گذر چکا کہ: ''معروف کی قبر تریاق مجرب ہے'' اور ائمہ سلف کا ذکر ماسبق میں گزرا۔

ان تمام مذکورہ اقوال وارشادات سے ابن تیمیہ کے اس قول کا کذب اظہر من الشمس اور اوضح من الأمس ہو جاتا ہے جو اس نے مجموع الفتاوی (۱۱۶/۲۷) میں کہا:

''اور صحابہ وتابعین اور ائمہ ومشائخ متقدمین میں سے کسی نے اطلاق وتعیین کے ساتھ یہ نہ فرمایا کہ انبیا اور صالحین کی قبروں کے پاس دعا مستجاب ہے''۔

حافظ خطیب نے تاریخ بغداد (۱۲۳/۱) میں علی بن میمون سے روایت کیا انھوں نے فرمایا میں نے امام شافعی سے یہ فرماتے سنا: میں ابوحنیفہ سے اکتساب برکت کے لیے ہر روز آپ کی قبر پر آتا ہوں جب مجھے کوئی حاجت وضرورت درپیش ہوتی ہے میں آپ کی قبر پر آ کر دو رکعت نماز ادا کرتا ہوں اور آپ کی بارگاہ میں اللہ تعالی سے اپنی حاجت کا سوال کرتا ہوں تو میری حاجت مجھ سے دور نہ ہو کر پوری ہو جاتی ہے۔

ابن تیمیہ نے اس مذکورہ واقعہ کی تکذیب کی۔ اسے اس کی وجہ بتانی چاہئے کم از کم ابن تیمیہ سے پیشتر امت کے حوالہ سے یہ بتانا چاہئے کہ انھوں نے اس واقعہ کا انکار فرمایا۔ ابن تیمیہ سے پہلے اور بعد کے تمام شافعیہ اس واقعہ کو نقل کرتے آئے۔

ہم ابن تیمیہ کے اس تلمیذ کا قول نقل کر رہے ہیں جنہیں ابن تیمیہ کے سبب کافی زحمت اٹھانی پڑی وہ

حافظ ذہبی ہیں جنھوں نے سیر أعلام النبلاء (۳۴۴،۳۴۳/۹) میں ذکر کیا:

''ابراہیم حربی نے فرمایا: ''معروف کی قبر تریاق مجرب ہے'' اس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ آپ کی بارگاہ میں ہر مضطر و پریشان حال کی دعا مستجاب ہے اس لیے کہ متبرک مقامات پر دعا مستجاب ہوتی ہے، جیسا کہ سحر کے وقت، اور فرائض کے آخر اور مساجد میں دعا کی قبولیت کی امید ہوتی ہے بلکہ مضطر کو جہاں بھی دعا میسر ہو مقبول ہوتی ہے، اے اللہ! میں تیرے عفو کا طالب ہوں تو مجھے درگذر فرما۔

اے ابن تیمیہ کے کفش بردارو! بتاؤ کیا رسول اللہ ﷺ کا روضہ اقدس متبرک مقامات سے نہیں؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''مابين بيتي ومنبري روضة من رياض الجنة '' (ترجمہ:۔ ''میرے گھر اور منبر کے درمیان جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے'')۔

(۵) ابن تیمیہ نے یہ کہا: ''کوئی اس کا قائل نہیں کہ آپ کی قبر کے پاس دعا مستجاب ہے''، یہ شخص مجھے بتائے کیا ان لوگوں نے یہ کہا کہ آپ کی بارگاہ میں دعا مستجاب نہیں؟

(٦) جب نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کے وقت اصحاب مذہب سے سلام و دعا اور توسل کے صیغے منقول ہیں، تو کیا یہ معقول و متصور ہوسکتا ہے کہ ائمہ اصحاب مذاہب یہ فرمائیں گے: آپ کی بارگاہ میں دعا کرنا ناجائز ہے اور مستجاب نہیں، پھر سارے علمائے امت اپنے ائمہ کے ساتھ خیانت کریں گے اور ان کے اقوال نقل نہ کریں گے....کیا یہ عقل میں آنے والی بات ہے؟

(۷) حافظ ذہبی نے سیر أعلام النبلاء (۱٦۲/۱٦) میں نبی پاک ﷺ کا ایسا خواب نقل کیا جس سے ابن تیمیہ کے کفش بردار غیض و غضب میں جل بھن اٹھیں گے وہ خواب یہ ہے:

''امام حاکم نے کہا: میں نے ابوالحسن نیشاپوری[1] رحمہ اللہ تعالی سے اصول صحیحہ سے بیان

(۱) ابوالحسن نیشاپوری سراج شیخ الاسلام (آپ امام محدث قدوۃ (پیشوا) شیخ الاسلام، ابوالحسن محمد بن حسن بن احمد بن اسماعیل نیشاپوری مقری ہیں) ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (۱٦٦/۱٦) میں آپ کے حالات کے تحت ایسا ہی ذکر کیا اور یہ بھی کہا:

فرماتے سنا فرمایا: میں نے نبی پاک ﷺ کو خواب میں دیکھا تو میں آپ کے پیچھے ہو لیا یہاں تک کہ آپ اندر تشریف لے گئے اور یحی بن یحی کی قبر کے پاس کھڑے ہو گئے، آپ آگے تھے اور آپ کے صحابہ کی ایک جماعت آپ کے پیچھے صف بستہ کھڑی تھی آپ نے وہاں دعائے رحمت فرمائی پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا: یہ قبر اس شہر والوں کے لیے امان ہے''۔

حافظ ابن حجر نے تهذيب التهذيب (۲۶۰/۱۱) میں فرمایا:

''حاکم نے فرمایا میں نے ابوعلی نیشاپوری رحمہ اللہ تعالی [1] سے سنا: فرمایا: میں سخت غم میں تھا خواب میں نبی پاک ﷺ کی زیارت سے شرف یاب ہوا آپ مجھ سے فرما رہے تھے:

حاکم اور ابوسعد مالینی، اور ابوالحسن ابن العالی اور ان کے علاوہ بہت سے حضرات نے آپ کی حدیث بیان کی۔

حاکم نے کہا: میں نے آپ سے زیادہ کثرت اجتہاد و عبادت والا بہت کم دیکھا۔ آپ عالم قرآن تھے، اور آپ کا حال ابو یونس قوی جیسا تھا، آپ نے نماز ادا فرمائی یہاں تک کہ آپ چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے اور اتنا روئے کہ آپ کی آنکھ کی بینائی جاتی رہی، آپ کا وصال بروز عاشورا ۳۳۶ھ میں ہوا۔ میں کہتا ہوں: آپ کی عمر نوے سال تھی۔ الخ

(۱) ابوعلی نیشاپوری، آپ امام حافظ کبیر ہیں حافظ ذہبی نے سیر أعلام النبلاء (۵۱/۶-۵۹) میں آپ کے احوال میں فرمایا: حافظ امام علامہ، ثبت، ابوعلی، حسین بن علی بن یزید بن داود نیشاپوری، ناقد، دارقطنی نے آپ کے بارے میں فرمایا: امام مہذب ہیں۔ اور حاکم نے کہا: میں از راہ تعصب اس لیے نہیں کہتا کہ آپ میرے استاذ ہیں لیکن آپ جیسا مجھے کوئی نظر نہ آیا، اور ابن خزیمہ نے آپ (ابوعلی) سے اس وقت فرمایا جب آپ نے ابن خزیمہ سے عراق جانے کی اجازت چاہی: اے ابوعلی! آپ کے فراق سے ہمیں وحشت ہو گی۔ اھ مختصراً

اور ابوعلی قزوینی نے الارشاد (۸۴۲/۳-۸۴۳) میں آپ کے بارے میں فرمایا: حافظ کبیر، اپنے وقت کے متفق علیہ امام، حافظ حدیث کو آپ سے شرف تلمذ حاصل ہے تقریبا دو ہزار شیوخ سے احادیث لکھی، بچپن ہی میں آپ کا لقب حافظ ہو گیا تھا۔

''یحی بن یحی کی قبر کے پاس جایئے'' (۱) اور استغفار وسوال کیجئے تمہاری حاجت پوری ہوگی، صبح ہونے پر میں نے ایسا ہی کیا تو میری حاجت پوری ہوگئی۔

میں کہتا ہوں: اے ابن تیمیہ کے کفش بردارو! کیا امام ابوالحسن نیشا پوری، امام ابوعلی نیشا پوری، امام حاکم صاحب مستدرک، حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر مشرک تھے؟

---

(۱) یحی بن یحی (۱۴۲-۲۲۶ھ) حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب (۲۶۰/۱۱) میں یحی بن یحی کے ترجمہ میں فرمایا: صالح بن احمد بن حنبل نے اپنے والد سے فرمایا: شہر خُراسان نے ابن مبارک کے بعد آپ جیسا نہ نکالا۔ اور ابواسحٰق بن راھویہ نے فرمایا: میں نے آپ جیسا نہ دیکھا، اور نہ آپ نے اپنے جیسا دیکھا، جس دن آپ نے اس جہان فانی سے رخت سفر باندھا آپ ساری دنیا کے امام تھے۔

اور محمد بن اسلم طوسی نے کہا: میں نے نبی پاک ﷺ کو خواب میں دیکھا تو میں نے عرض کیا: کس سے کتابت حدیث کروں؟ آپ نے فرمایا: ''یحی بن یحی سے'' اور ابن حبان نے آپ کو ثقہ لوگوں میں ذکر فرمایا اور فرمایا: آپ نے احمد بن حنبل کو اپنے بدن کے لباس کی وصیت فرمائی، میں کہتا ہوں: حاکم نے اپنی تاریخ میں آپ کے حاصل سیر حالات قلمبند کیے ہیں اور اس میں احمد بن حنبل سے روایت کر کے کہا: یحی بن یحی نے اپنی طرح نہ دیکھا، اور آپ کے متعلق پوچھا گیا آپ امام تھے؟ فرمایا: ہاں، اور اگر میرے پاس زاد راہ ہوتا تو میں آپ کے پاس سفر کر کے جاتا۔

اور اثرم نے فرمایا: ابوعبداللہ یحی بن یحی کا ذکر ہوا، تو فرمایا واہ وا، واہ وا، واہ وا۔

اور محمد بن نصر مروزی نے کہا: آپ سے پوچھا گیا کن مشائخ کو نبی پاک ﷺ کی سنتوں پر پایا؟ تو آپ نے ان سے فرمایا: میں نے یحیٰی بن یحیٰی کے سوا کسی کو نہ پایا۔ اور بشر بن کلم نیشا پوری نے کہا: یحیٰی بن یحیٰی کے جنازہ میں ہمارا اندازہ وتخمینہ ہے کہ ایک لاکھ افراد تھے۔

(۵۴)ابن تیمیہ کے ایک نیاز بردار نے یہ کہا کہ: نبی پاک ﷺ مردہ ہیں، اور قائل کے ہاتھ کا عصا (والعیاذ باللہ تعالیٰ) آپ سے زیادہ نفع بخش ہے

طہارت خانہ میں اس شخص کی بری موت ہوئی، اور لوگوں کو اس کا سر طہارت خانہ میں ملا۔

ہم اخیر میں یہ کہتے ہیں: **زیارت بدعت**: یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ کی زیارت اس تصور وخیال کے ساتھ کی جائے کہ آپ مردہ ہیں، آپ کو کچھ علم نہیں، اور آپ کو یہ بھی معلوم نہیں کہ تم کون ہو، کیا عرض کر رہے ہو، اور کس سے دعا کر رہے ہو۔ اور **شرعی زیارت**: یہ ہے کہ وقار وادب اور اس اعتقاد کے ساتھ زیارت کی جائے کہ نبی پاک ﷺ اپنے روضۂ اطہر میں زندہ ہیں اور تمہیں اور تمہارا نام، اور تمہارا زمانہ اور تمہاری دعا اچھی طرح جانتے پہچانتے ہیں۔

اس خوش نصیب کی خوشیوں کا کیا کہنا جس کی دعا پر حضور اقدس ﷺ آمین فرمائیں اور اگر کسی کا یہ اعتقاد نہیں، بلکہ اس کے برخلاف اس کا یہ اعتقاد ہے کہ ابراہیم اور موسی کو ارادہ وکلام کی قوت حاصل ہے، وہ نصیحتیں فرماتے، اور سلام کا جواب دیتے ہیں، حضرت موسیٰ کو تو یہ معلوم تھا کہ امت محمدیہ پچاس نماز نہ ادا کر سکے گی، مگر رسول اللہ ﷺ کو اس کا کچھ علم نہ تھا تو بلا شبہ والعیاذ باللہ ایسا شخص زندیق ہے۔

میں اس مقام پر ایک واقعہ کا ذکر مناسب سمجھتا ہوں جسے ایک صالح رحمہ اللہ تعالی سے سنا انھوں نے مجھ سے فرمایا: میں نے (فلاں سے) پوچھا کیا رسول اللہ ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں؟ تو اس نے کہا: نہیں انہیں کچھ بھی علم نہیں۔ اور میرے ہاتھ کا عصا (والعیاذ باللہ تعالی) تمہیں ان سے زیادہ نفع دے گا، ہم اللہ سے عفو وعافیت کا سوال کرتے ہیں، اہم بات یہ ہے کہ یہ شخص جس کے نام کا پہلا حرف ''ح'' ہے اس کی بری موت ہوئی۔

(والعیاذ باللہ تعالی) طہارت خانہ میں اس کی موت ہوئی اور لوگوں کو اس کا سر طہارت خانہ کے قبضہ وتسلط میں محصور ملا، جیسے کا بدلہ تیسا، ہم اللہ سے عفو وعافیت کا سوال کرتے ہیں۔

اگر آپ کو یہ علم ویقین ہے کہ نبی پاک ﷺ آپ کا سلام سنتے، اوراس کا جواب دیتے ہیں تو آپ کی خوشیوں اورار جمندیوں کا کیا کہنا اگر حضور تمہارے سلام کے جواب میں ''وعلیک السلام'' فرمادیں، یہ بات ثابت شدہ ہے کہ حضور اقدس سلام کا جواب دیتے ہیں اور سلام کا جواب دینا دراصل اس بات کی دعا ہے کہ اللہ عزوجل تمہاری ذات، اور تمہاری عافیت اور تمہارے دین، اور تمہارے اہل ومال میں تمہیں سلامتی بخشے۔

ابن تیمیہ کو اس بات کا اقرار ہے کہ انبیا کی دعا مستجاب ہے تو حضور اقدس کی دعا پر کیوں ایمان نہیں رکھتا۔ آپ کی خوشیوں کا کیا کہنا اگر حضور آپ کی دعا کے وقت آمین ارشاد فرمادیں جیسا کہ سلف وخلف کا اس پر ایمان ہے۔ اور آپ کو بھی اس بات کا یقین ہے کہ حضور آپ کی دعا سنتے اور آپ کے لیے استغفار فرماتے ہیں اس لیے کہ اللہ کی بارگاہ میں آپ کا بہت ہی اعلی مقام ہے۔ جب آپ کا یہ اعتقاد ہوگا کہ حضور اقدس ﷺ کی قبر اطہر پر ایسی رحمتوں اور برکتوں اور انوار کا نزول ہوتا ہے جو دنیا کی کسی جگہ نہیں ہوتا تو آپ کے اعتقاد میں حضور کا مقام ومرتبہ زیادہ ہوگا یا نہیں؟ اور آپ کی محبت وعظمت اور تکریم وتعظیم میں اضافہ ہوگا یا نہیں؟

اور اگر زندیقوں اور منافقوں جیسا کسی کا یہ گمان ہے کہ حضور اقدس ﷺ زندہ نہیں، اور موسی علیہ السلام کو یہ معلوم تھا کہ محمد ﷺ کی امت رات اور دن میں پچاس نماز نہ پڑھ سکے گی جیسا کہ حدیث معراج میں اس کی تصریح ہے، اور حضور اقدس ﷺ کو خود اپنے بارے میں کچھ معلوم نہیں، اور نہ ہی سلام پیش کرنے والوں کے بارے میں کچھ علم ہے، اور حضور کسی کے لیے دعا واستغفار نہیں کرتے، آپ کی بارگاہ میں دعا کرنا بدعت ہے، آپ کے روضۂ اقدس پر دعا مستجاب ومقبول نہیں، اور آپ کی زیارت کی کوئی دلیل نہیں، اور کسی نبی کی قبر کی معرفت کوئی اہم چیز نہیں اس کے علاوہ ایسی بیہودہ باتیں جن سے رونگٹے تھرا جائیں تو ان کی جرأت وجسارت وہی لوگ کریں گے جن کا شیوہ رسول اللہ ﷺ کی تنقیص واہانت اور گستاخی ودشنام طرازی اور آپ کے مقام ومرتبہ کو گھٹانا اور خود اپنی شان اونچی کرنا ہے۔ آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ایسی گستاخانہ باتیں وہی کریں گے جن کو اللہ نے گمراہ اور ذلیل وخوار فرمایا، اور اللہ عزوجل کی مشیت نے یہی چاہا کہ ایسے گستاخ وگمراہ وذلیل وخوار لوگ اپنے نفاق کے سبب رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت نہ کرسکیں، اور آپ کی شفاعت اور دعا سے محروم رہیں، اور حضور کو ان کے

نفاق کی بو سے تکلیف وایذا نہ ہو۔

ان گستاخوں کے نفاق ہی نے ان کے لیے یہ آراستہ کیا کہ حضور کی بارگاہ میں طرح طرح کی اہانتیں کریں اور نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت اور آپ کی بارگاہ میں دعا کو حرام و ناجائز کہیں، اور یہ شان الٰہی اور اس کی خفیہ تدبیر ہی ہے جیسا کہ خود اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ [الاعراف-۷:۱۸۲]

ترجمہ:۔"قریب ہے کہ ہم انہیں آہستہ آہستہ لے جائیں گے جہاں سے انہیں خبر نہ ہوگی"۔

اور فرمایا:

﴿وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ﴾ [الانعام-۶:۹]

ترجمہ:۔"اور ان پر وہی شبہ رکھتے جس میں اب پڑے ہیں"۔

یہ ایسے لوگ ہیں جو محروم و بے فیض ہیں، جن کا رشتہ محبت اللہ و رسول سے ٹوٹا، انہیں اللہ و رسول کی لطف وعطا اور عنایت خاص حاصل نہیں۔ اللہ عزوجل ہمیں عفو و عافیت بخشے اور ایسی محرومیوں سے اپنی خاص پناہ میں رکھے۔

(۵۵) نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس نماز ادا کرنے والے ابن تیمیہ کی نظر میں اہل شرک و بدعت ہیں

یہ ابن تیمیہ کا زعم فاسد اور خیال باطل ہے اس لیے کہ روضۂ اقدس کے پاس کم از کم تین صحابہ اور تابعین کا نماز ادا کرنا ثابت ہے۔

ابن تیمیہ اپنی عادت کے مطابق ایسی چیزیں جھٹلاتا ہے جو اسے معلوم نہیں وہ نبی کریم ﷺ کو والعیاذ باللہ تعالیٰ ایک مردہ شمار کرتا ہے، اور اپنے مکتبہ فکر کے مخالف انسانوں کو نصاری اور مشرکین کی جنس سے قرار دیتا ہے، ابن تیمیہ نے مجموع الفتاوی (۲۴/۳۲۷) میں کہا:

''زیارت بدعت: یہ مشرکین کی زیارت ہے جو نصاری کی زیارت کی طرح ہے یہ لوگ میت کو پکارتے، اس سے مدد مانگتے، اس کے پاس حاجتیں طلب کرتے ہیں، اس کی قبر کے پاس نماز پڑھتے، اور دعا مانگتے ہیں ایسا نہ کسی صحابی نے کیا، اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ نے اس کا حکم فرمایا، اور نہ امت کے اسلاف اور ائمہ نے اسے مستحب ٹھہرایا''۔

اور مجموع الفتاوی (۲۷/۳۲۴) میں یہ بھی کہا:

''عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی حیات میں لوگ آپ کے پاس آپ سے حدیث سماعت کرنے، مسئلہ شرعی دریافت کرنے، اور آپ کی زیارت کرنے کے لیے آتے مگر کوئی شخص قبر مکرم کے پاس نہ جاتا نہ نماز پڑھنے اور نہ ہی دعا کرنے اور نہ کسی اور کام کے لیے''

اور اقتضاء الصراط (۱/۳۳۴) میں یہ کہا:

''انبیا یا بعض صالحین کی قبروں کے پاس جانا اور اس مقام کی برکت حاصل کرنے کے لیے وہاں نماز پڑھنا اللہ اور اس کے رسول اور اس کے دین کی مخالفت، اور ایسا نیا دین ایجاد کرنا ہے جس کا اللہ نے حکم نہ دیا رسول اللہ ﷺ کے اسی دین پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے بدیہی طور پر

انھوں نے یہ جانا کہ آپ کا دین یہ ہے کہ کسی بھی قبر کے پاس نماز ادا کرنے میں کوئی فضیلت نہیں، اور نہ ہی نماز کو اس مقام سے کوئی خاص خصوصیت حاصل ہوگی بلکہ بری خصوصیت حاصل ہوگی''۔

میں کہتا ہوں:

یہ ایسے قبیح مفروضات ہیں جن پر اللہ عزوجل نے کوئی سند اور دلیل نہ اتاری، اور بلا وجہ امت کو کافر ٹھہرانا ہے، اس لیے کہ یہ امر ثابت شدہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم روضۂ اقدس کے پاس دعا فرماتے اور استغفار کرتے، اور نبی پاک ﷺ سے توسل کرتے، جیسا کہ ہم نے اس مسئلہ پر مستقل بحث کی ہے، ہم عاشقان مصطفیٰ تو صرف وہی کہتے ہیں جسے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نے مسیلمہ کذاب نجدی کے خلاف معرکۂ یمامہ میں فرمایا: **یامحمداه، وامحمداه.** (اے محمد، ہائے محمد) سیدہ زینب نے بھی یہی کہا اور ابن تیمیہ سے کئی صدی پیشتر ائمہ اعلام نے یہی روایت فرمایا۔ اور اس کے تلامذہ جیسا کہ ابن کثیر نے بھی یہی ذکر کیا اب اس مسئلہ میں ہم یہ واضح کریں گے کہ ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ: ''نبی پاک ﷺ کی قبر کے پاس درود پیش کرنے والے اور نماز ادا کرنے والے کافر اور بدعتی ہیں'' یہ اس کا بہت بڑا جھوٹ اور دروغ ہے۔ اس سے کسی کو تعجب نہ ہونا چاہئے، اس لیے کہ کم از کم تین صحابہ کرام سے یہ ثابت ہے کہ انھوں نے نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس درود پیش کیا اور نماز ادا فرمائی۔ اس سلسلے میں تین دلیلیں ملاحظہ ہوں۔

پہلی دلیل:

ابن حبان اور طبرانی اور ضیا نے باسناد صحیح روایت کیا: عبداللہ بن عبداللہ بن عتبہ نے روایت کیا میں نے اسامہ کو رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس درود پیش کرتے دیکھا، اتنے میں مروان بن حکم نے نکل کر کہا: آپ کی قبر کے پاس نماز پڑھتے ہو؟ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا: مجھے یہ چیز پسند ہے۔ تو مروان نے آپ سے ایک قبیح بات کہی۔

پھر اسامہ نے پلٹ کر مروان سے کہا: تو نے مجھے تکلیف دی اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے

فرمایا: اللہ فحش گو اور فحش گو بننے والوں کو مبغوض و ناپسند رکھتا ہے، اور تو بلا شبہ فحش گو اور فحش گو بننے والا ہے۔ [1]

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ کے گزشتہ کلام کے متعلق اب آپ کی کیا رائے ہے!! کیا رسول اللہ ﷺ کے محبوب حضرت اسامہ بن زید ابن تیمیہ کے زعم کے اعتبار سے مشرک یا مبتدع ہیں، اور مروان بن حکم کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ صحابہ نے اس کے بارے میں یہ فرمایا: ملعون بن ملعون ہے، اس نے صحابی جلیل طلحہ بن عبداللہ (جو عشرہ مبشرہ سے ہیں) سے جنگ وقتال کیا اور ابن تیمیہ کی طرح ایک بیہودہ بات کہی۔

دوسری دلیل:

امام حاکم اور بیہقی نے ام علقمہ سے روایت کیا کہ ایک خاتون حضرت عائشہ کے گھر آئیں اور نبی پاک ﷺ کے گھر کے پاس صحت کی حالت میں نماز شروع کیا جب سجدہ میں گئیں تو سجدہ سے سر نہ اٹھایا یہاں تک کہ ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، یہ دیکھ کر حضرت عائشہ نے کہا: حمد ہے اس اللہ عزوجل کے لیے جو جلاتا اور مارتا ہے۔ یقیناً اس واقعہ سے مجھے اپنے

بھائی عبدالرحمٰن بن ابوبکر کے بارے میں عبرت حاصل ہوئی آپ اپنے آرام گاہ پر سوئے جہاں قیلولہ وآرام کرتے لوگ آپ کو بیدار کرنے لگے تو دیکھا کہ آپ اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کر چکے ہیں۔ حضرت عائشہ کے دل میں اس حادثہ سے پہلے یہ شبہ اور تردد تھا کہ عبدالرحمٰن کے ساتھ کوئی برا کام ہوا ہوگا اور جلدی سے

---

(۱) اس حدیث کو ابن حبان نے اپنی صحیح (۱۲/نمبر ۵۶۹۴) اور طبرانی نے کبیر (۱/۱۶۶ نمبر ۴۰۵) اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۵۷/۲۴۸، ۲۴۹) اور ضیا نے المختارۃ (۴/۱۰۶، ۱۰۷ نمبر ۱۳۱۷، ۱۳۱۸) میں روایت کیا اور لفظ ان کے ہیں اور ابن حبان اور حافظ مقدسی نے اس حدیث کو صحیح کہا، اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۸/۶۴، ۶۵) میں کہا: اس کو طبرانی نے روایت کیا اور اس کے رجال ثقہ ہیں اور حافظ ابن عبدالبر نے الاستیعاب (۱/۷۶، ۷۷) اور ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (۲/۵۰۲، ۴/۴۸۳) اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۱۰/۴۵۳) میں اس قصہ کو ذکر کیا۔ اور ابن حجر نے کہا: ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا۔ اور مناوی نے فیض القدیر (۲/۲۸۵) میں ذکر کیا اور ھیثمی کی توثیق نقل کی۔

انہیں زندہ دفن کر دیا گیا ہوگا جب آپ نے اس پاکباز نیک خاتون کا یہ واقعہ اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا تو آپ کے لیے عبرت خیز ثابت ہوا، اور آپ کے دل کا سارا شبہ اور تردد زائل ہو گیا۔(۱)

تیسری دلیل:

یقیناً سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا اپنے اس حجرہ میں نماز ادا فرماتی تھیں جہاں نبی پاک ﷺ کا روضہ اطہر ہے جیسا کہ احادیث میں وارد ہے صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ حدیث بیان فرماتے، اور کہتے تھے: اے حجرہ کی مالکہ! سماعت فرمائیں اے حجرہ کی مالکہ! سماعت فرمائیں اور عائشہ نماز میں مشغول ہوتیں، جب آپ نماز سے فارغ ہو چکیں تو عروہ سے کہا: کیا ان کے کلام کی طرف ابھی دھیان نہ کیا؟ نبی پاک ﷺ اس شان سے حدیث بیان فرماتے کہ اگر شمار کرنے والا اسے شمار کرتا تو شمار کر لیتا۔(۲)

احادیث کی کتابیں ایسے حضرات کے ذکر سے مالا مال ہیں جو سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے پاس اس حالت میں پہنچتے کہ آپ اپنے اسی حجرہ میں مشغول نماز ہوتیں جہاں نبی پاک ﷺ کا روضۂ اقدس ہے، اور اگر ابن تیمیہ کے زعم کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس نماز ادا کرنا شرک ہوتا تو ضرور خلفائے راشدین آپ کے لیے ایک دوسرا مکان خرید دیتے جس میں آپ نماز پڑھتیں اور رہتیں، جب ایسا نہ ہوا اور نہ ہی کسی صحابی نے اس پر اعتراض کیا تو یہ ان سب کا اجماع سکوتی ہوا اور رسول اللہ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین مہدیین کی سنتوں میں سے ایک سنت بھی ہوئی۔

(۱) اس حدیث کو حاکم نے روایت کیا (۵۴/۳ نمبر ۶۰۱۱) اور ذہبی نے اس کی موافقت کی، اور بیہقی نے شعب الایمان (۲۵۰/۷ حدیث نمبر ۱۰۲۲۲) میں روایت کیا۔

(۲) سیدہ عائشہ کی نماز اور ابو ہریرہ کا آپ کو خطاب و ندا کرنا امام بخاری (۱۳۰۷/۳)، مسلم (۲۲۹/۴)، ابوداود (۳۲۰/۳) اور ابویعلی نے (۱۳۶/۸) اس حدیث کو روایت کیا۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۵۷۸/۶) میں بخاری کی روایت ''سبحتي'' بمعنی ''صلاتي'' پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا (جیسا کہ ہم سبحة الضحیٰ کہتے ہیں جس کا معنی چاشت کی نماز ہے) ابن ابوشیبہ نے اپنی مصنف میں (۱۷۵/۲) سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی نماز کو (جسے اپنی گھر میں پڑھتیں) سبحۃ الضحیٰ ذکر کیا اس کا مطالعہ کریں۔

پھر ایک دوسری چیز یہ بھی ہے کہ جو عورتیں حضرت عائشہ کے پاس ملاقات وزیارت کے لیے آتیں وہ بھی اسی حجرہ ہی میں نماز ادا کرتیں جہاں نبی پاک ﷺ کا روضہ اطہر ہے جیسا کہ گزشتہ حدیث میں ہے جسے حاکم اور بیہقی نے روایت کیا، صحابہ کا کوئی اعتراض ہم تک منقول ہو کر نہ آیا، کوئی شخص اگر اس کے خلاف ثابت کرنا چاہے اس پر دلیل پیش کرنا لازم ہے۔

تنبیہ: قبروں کے پاس صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے نماز کا معاملہ ان وسوسہ پیدا کرنے والوں کے طریقہ سے بالکل ہی جداگانہ ہے ہم سردست براہ راست سیدنا امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب نقل کر رہے ہیں اس لیے کہ ابن تیمیہ نے آپ پر سخت افترا کیا ہے۔

ابن سحنون کی **المدونة الكبرى** (۹۰/۱) میں ہے: "**الصلاة في المواضع التي تجوز فيها**" یعنی ان مقامات کا بیان جہاں نماز پڑھنا جائز ہے۔

میں نے ابن قاسم سے کہا: کیا امام مالک اس امر میں توسع کے قائل تھے کہ نمازی کے سامنے اگر قبر ہو تو یہ قبر اس کے لیے سترہ ہے، فرمایا: امام مالک قبرستانوں کے اندر نماز ادا کرنے میں حرج نہ جانتے، آپ جب قبرستان میں نماز پڑھتے تو آپ کے آگے، پیچھے، دائیں اور بائیں قبریں ہوتیں، امام مالک نے کہا: قبرستان کے اندر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، اور یہ بھی فرمایا کہ: مجھے خبر یہ ملی کہ رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحاب قبرستان میں نماز پڑھتے۔

(۵۶) نبی پاک ﷺ نے کعبہ سے فرمایا: ’’اللہ کے نزدیک مسلمان کا خون تجھ سے بھی زیادہ محترم ہے‘‘

ابن تیمیہ کے زعم میں کعبہ نبی ﷺ سے زیادہ افضل ہے

جمہور علما یا ان کے اجماع کی مخالفت کرنا ابن تیمیہ کی قدیم عادت ہے۔

ابن تیمیہ نے حتی الامکان نبی پاک ﷺ کے خصائص وفضائل کا انکار کیا، اور لوگوں کو آپ کے روضۂ اطہر کی زیارت سے روکا، اور یہ کہا کہ روضۂ اطہر کی زیارت میں کوئی فائدہ نہیں، اس کے ایک نیاز بردار نے اس کے احترام واکرام میں یہ کہا: (العقود الدریۃ ۱/۴۷۴)

عجبت لقبر ضم جسمک تربه　　أيحوى الثرى في تربه الشمس والبحرا

نقلت من الدنيا إلى ظل روضة　　وحزت الذي أملت بالمقلة السهرا

۱۔ مجھے اس قبر پر حیرت ہے جس کی خاک سے تیرا جسم پیوستہ ہے کیا آفتاب وسمندر خاک زمین کے اندر سما گیا ہے۔

۲۔ آپ نے دنیا سے ایک باغ کی طرف سفر فرمایا اور اپنے اس مقصود کو پالیا جس کی بیدار آنکھوں کو امید تھی۔

رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس کی جسد اطہر سے پیوستہ زمین روئے زمین کی تمام زمینوں سے افضل ہے مگر ابن تیمیہ نے زور وشور سے اس روشن حقیقت کا انکار کیا اور قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالی کی سخت تکذیب کی کیوں کہ آپ نے اجماع امت کے حوالہ سے یہ نقل فرمایا کہ: آپ کے روضۂ اقدس کی زمین تمام زمینوں سے افضل ہے ابن تیمیہ نے اس حقیقت کا انکار اور اس کی تکذیب کرتے ہوئے کہا:

’’قاضی عیاض کے علاوہ کسی عالم نے خاک قبر کو کعبہ پر فضیلت نہ دی، اور ان سے پہلے کسی نے نہ ایسا قول کیا اور نہ اس بارے میں ان کی موافقت کی‘‘۔

ابن تیمیہ نے قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالی کے کلام میں تحریف کی۔اس لیے کہ آپ نے "موضع القبر" روضۂ اقدس کی زمین فرمایا۔اوراس نے اس کی جگہ "تراب القبر" (خاک قبر) کہا۔

ہم قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالی کے قول کے موافق آپ سے پیشتر ایسی شخصیتوں کے اقوال پیش کریں گے جنہیں ابن تیمیہ بطور تائید پیش کرتا ہے،اوراس موضوع کے حوالہ سے ایسے محکم دلائل ذکر کریں گے جن کی بنیاد پر قاضی عیاض وغیرہ نے یہ اجماع نقل فرمایا۔

سب سے پہلے ابن تیمیہ کے صریح اقوال ذکر کریں گے اس نے فتاوی کبری (۴/۴۶۳) میں کہا:

''اوررمضان تمام مہینوں سے افضل ہے،اورماہ رمضان کو ماہ رجب پر فضیلت دینے والا کافر ہے،اورمکہ اللہ کی ساری زمین سے افضل ہے یہی ابوحنیفہ اورشافعی کا قول ہے،اوراحمد نے دوروایتوں کی تصریح کی،ابوالعباس نے کہا:میرے علم میں قاضی عیاض کے سوا کوئی ایسا شخص نہیں جس نے نبی ﷺ کی تربت کو کعبہ پر فضیلت دی ہو،ان سے پہلے کسی نے نہ ایسا کہا اورنہ ہی کسی نے ان کی موافقت کی،اورمکہ میں نماز وغیرہ طاعات وعبادات افضل ہیں،اورایسے مقام کے قرب وجوار میں رہنا افضل ہے جہاں ایمان وتقوی کی کثرت اورفراوانی ہو''۔

اوراس نے مجموع الفتاوی (۲۷/۳۸) میں یہ بھی کہا:

''اوراس بارے میں بھی سوال ہوا کہ دوآدمیوں نے باہم اختلاف ونزاع کیا ایک نے کہا کہ: محمد نبی ﷺ کی تربت آسمان وزمین سے افضل ہے،اوردوسرے نے کہا: کعبہ افضل ہے تو حق وصواب کس کے ساتھ ہے؟ تو اس سوال کا یہ جواب دیا:الحمدللہ اللہ عزوجل نے ذات محمد ﷺ سے افضل کسی مخلوق کو پیدا نہ فرمایا،اورلیکن نفس خاک قبر تو یہ کعبہ بیت الحرام سے افضل نہیں، بلکہ کعبہ اس سے افضل ہے،اورقاضی عیاض کے سوا کسی عالم کے بارے میں یہ معلوم نہیں کہ انھوں نے خاک قبر کو کعبہ سے افضل قرار دیا ہو،ان سے پہلے کسی نے نہ ایسا قول

کیا، اور نہ ہی اس قول میں ان کی موافقت کی''۔

اور دقائق التفسیر (۴۷/۲) میں یہ بھی کہا:

''نبی پاک ﷺ کی قبر موجود ہونے سے پہلے آپ کی حیات ہی میں مسجد کو یہ خاص فضیلت حاصل تھی، تو آپ کی مسجد کو آپ کی قبر کے سبب کوئی فضیلت حاصل نہ ہوئی''۔

بتوفیقہ تعالیٰ ہم یہ کہتے ہیں: ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ: ''قاضی عیاض سے پہلے کسی نے ایسا قول نہ کیا'' خطا سے خالی نہیں۔ آپ سے پہلے ابوالولید باجی، ابن بطال، اور ایسے ہی امام حافظ ھبۃ اللہ طبری معروف بہ لالکائی صاحب کتاب ''شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ'' (متوفی ۴۱۸ھ) اور ایسے ہی اپنے زمانہ کے امام حنابلہ ابن عقیل (جن سے ابن تیمیہ اکثر استدلال کرتا ہے) نے یہی قول فرمایا۔ بلکہ ابن عقیل نے تو ابن تیمیہ کو بہت لگنے والی بات کہی کیوں کہ آپ نے فرمایا: ''کعبہ حجرہ سے افضل ہے لیکن اس حجرہ میں جو ذات جلوہ بار ہے خدا کی قسم کعبہ اس سے افضل نہیں، اور نہ ہی عرش اور حاملین عرش، اور جنت اس سے افضل ہیں، اس لیے کہ حجرہ اقدس میں ایسا جسم اطہر جلوہ نشیں ہے جس سے کسی چیز کا موازنہ کیا جائے تو حضور اقدس ﷺ کی ذات پاک زیادہ باوزن اور باعظمت ثابت ہوگی۔

اس سلسلہ میں دلائل ذکر کرنے سے پہلے بعض علما کے اقوال وارشادات پیش خدمت ہیں:

امام نووی نے اپنی کتاب المجموع (۳۸۹/۷) میں فرمایا:

''مسلمانوں کا اس امر پر مسلم اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس کی مقدس سرزمین ساری زمین سے افضل ہے، اور اختلاف روضۂ پاک کے علاوہ مقامات میں ہے''۔

اور امام نووی نے یہ بھی نقل فرمایا کہ اس قول پر شافعیہ کا کوئی اعتراض نہیں۔

اور ابن کثیر، جو ابن تیمیہ کے تلامذہ سے ہیں، نے اپنی کتاب البدایۃ والنہایۃ (۲۰۵/۳) میں کہا:

''اور جمہور کا مشہور قول یہی ہے کہ مکہ مدینہ منورہ سے افضل ہے مگر جو حصہ خاک پاک رسول اللہ ﷺ کے جسد اقدس سے پیوستہ ہے''۔

میں کہتا ہوں: اگر آپ ابن کثیر سے سوال کریں کیوں آپ نے جمہور کہا، اوراجماع ذکر نہ کیا؟ جمہور کے خلاف کس نے قول کیا؟ تو وہ ہرگز یہ جواب نہ دے سکیں گے کہ فلاں نے جمہور کے قول کے خلاف ایسا قول کیا، اور فلاں نے خرق اجماع کیا اس لیے کہ آپ کے علم میں ابن تیمیہ سے پہلے کسی نے بھی (حافظ لا لکائی، اور قاضی ابوالولید باجی، اور ابن بطال، اور ابن عقیل وغیرہ) کے قول منقول کے خلاف قول نہ کیا، اور ابن تیمیہ سے ان سب میں آخر امام قاضی عیاض اور نووی ہیں، بلکہ خود ابن کثیر نے اپنی کتاب ''**الفصول في اختصار سيرة الرسول** ﷺ (۲۶۰/۱)'' میں قاضی عیاض کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

> ''اس امر پر اتفاق منقول ہے کہ آپ کے وصال کے بعد آپ کی قبر کا جو حصہ آپ کے جسم پاک سے پیوستہ ہے تمام زمینوں سے افضل ہے، اور قاضی ابوالولید باجی، اور ابن بطال وغیرہما نے اس اجماع کی حکایت کی طرف سبقت کیا جس کی اصل وہ روایت ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ کا وصال ہوا تو یہ اختلاف ہوا کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے بعض نے بقیع اور بعض نے مکہ، اور بعض نے بیت المقدس کہا، تو ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ: اللہ عزوجل نے آپ کو اسی جگہ وصال عطا فرمایا جو اسے تمام زمینوں سے زیادہ محبوب ہے، عبدالصمد بن عسا کر نے کتاب تحفۃ الزائر میں اسے ذکر کیا اور میں نے اس کی کوئی سند نہ دیکھی''۔

ذرا غور فرمائیں کہ خود ابن کثیر نے یہ اجماع نقل کیا کہ نبی پاک ﷺ کے جسم پاک سے روضۂ اقدس کا متصل حصہ تمام زمینوں سے مطلقا افضل ہے، اور ائمہ مسلمین میں سے کم از کم تین حضرات کا یہ قول ہے، اور ابن کثیر کے اس کلمہ کو ذرا ملاحظہ کیجئے: ''وغیرہما'' (اور ان دونوں کے علاوہ) اس کلمہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ قاضی عیاض سے پہلے ان دونوں کے علاوہ اور دوسرے علما بھی ہیں جن کا ذکر ابن کثیر نے نہ کیا۔ تو الحمدللہ یہ حقیقت آشکارا ہوگئی کہ ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ: ''قاضی عیاض سے پہلے کسی نے ایسا قول نہ کیا اور کسی نے اس قول میں ان کی موافقت نہ کی'' بالکل کالعدم، ساقط الاعتبار، اجماع مسلم کے خلاف ہے، اور اس ثابت شدہ اجماع کی تکذیب ہے۔

تنبیہ: ابن کثیر کا یہ کہنا کہ: ''ان کی نظر سے یہ اسناد نہ گزری کہ ابوبکر صدیق نے یہ فرمایا کہ: اللہ عزوجل نے کسی نبی کو وصال نہ بخشا مگر جہاں ان کا دفن کیا جانا پسند تھا'' اور کتاب تحفۃ الزائر میں عبدالصمد بن عساکر کی طرف اس کی نسبت کرنا ایک عجیب معاملہ ہے جس سے ان کا قصور علم ظاہر ہوتا ہے جب کہ ان کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ وسیع الحافظہ ہیں۔

بیہقی نے اپنی سنن کبری میں تخریج کیا کہ سالم بن عبید اشجعی نے فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے آپ پر سب سے زیادہ جزع فرمایا، حدیث ذکر کر کے یہاں تک فرمایا، تو لوگوں نے ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ سے عرض کیا اے رسول اللہ کے صاحب (ساتھی) کیا رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا؟ فرمایا: ہاں رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا، تو لوگوں نے عرض کیا: اے رسول اللہ ﷺ کے صاحب (ساتھی) کون آپ کو غسل دیں گے؟ فرمایا: آپ کے اہل بیت میں قریب ترین لوگ، لوگوں نے عرض کیا: اے صاحب رسول اللہ آپ کی تدفین کہاں فرمائیں گے؟ فرمایا: آپ حضرات اسی جگہ دفن کریں جہاں اللہ عزوجل نے آپ کا وصال پسند فرمایا۔[1]

(۱) اس باب میں تین طرق وارد ہیں:

(۱) سالم بن عبید اشجعی اور یہ حدیث موقوف صحیح ہے، اور اس کے رجال ثقہ ہیں بیہقی نے سنن کبری (۳۹۵/۳) اور نسائی نے بھی کبری (۲۶۳/۴-۲۶۵) اور طبرانی نے کبیر (۶۵/۷) میں تخریج کیا جس کے الفاظ یہ ہیں ''فإن الله لم يقبضه إلافـــي بـــقـــعة طيبة'' (کیوں کہ اللہ نے صرف پاکیزہ جگہ ہی آپ کو وصال بخشا) اور حافظ ہیثمی نے مجمع الزوائد (۱۸۲/۵-۱۸۳) میں فرمایا: اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔

(۲) ام المومنین عائشہ نے علی بن ابوطالب سے روایت کیا ابن ابوشیبہ نے اپنی مصنف (۳۷۰/۶) میں اس سند سے تخریج کیا کہ ابوبکر بن عیاش نے صدقہ بن سعید سے روایت کیا کہ جمیع بن عمیر نے فرمایا: میں اور میری ماں اور میری خالہ عائشہ کے پاس پہنچے... الحدیث اور اس میں یہ ہے کہ آپ نے سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ سے پوچھا تو آپ نے نبی کریم ﷺ کے مدفن کے بارے فرمایا: ''مافي الأرض بقعة أحب إلى الله من بقعة قبض فيهانبيه'' اللہ کے نزدیک اس زمین سے بہتر کوئی جگہ نہیں جہاں اس نے اپنے نبی کو وصال بخشا۔ اور ابویعلی نے اپنی مسند (۲۷۹/۸) میں ابن ابوشیبہ کی بعینہ

اور ابن ابوشیبہ نے صدقہ بن سعید سے تخریج کیا کہ جمیع بن عمیر نے کہا: میں اور میری ماں، اور میری خالہ ام المومنین عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہم نے عائشہ سے پوچھا حضور کی بارگاہ میں علی کا کیا مقام ومرتبہ تھا؟ تو آپ نے فرمایا: آپ لوگ مجھ سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھ رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں جن کے ہاتھ کو ایسا مقام حاصل تھا کہ کسی صحابی کو یہ مقام حاصل نہ تھا اور ان کے ہاتھ میں آپ کا خون جاری ہوا (بہا) جسے اپنے چہرہ پر ملا اور جس وقت حضور نے وصال فرمایا تو یہ پوچھا گیا کہ لوگ حضور کی تدفین کہاں کریں گے؟ تو حضرت علی نے فرمایا: "**مافي الأرض بقعة أحب إلى الله من بقعة قبض فيها نبيه**" اللہ نے جس جگہ اپنے نبی کو وصال بخشا اس کے نزدیک روئے زمین پر اس سے زیادہ محبوب وپسندیدہ کوئی جگہ نہیں۔

اور ابویعلی نے ابوملیکہ سے تخریج کیا کہ سیدہ عائشہ نے فرمایا: نبی پاک ﷺ کے وصال کے وقت آپ کی تدفین کے بارے میں صحابہ کا اختلاف ہوا تو ابوبکر نے فرمایا: میں نے نبی پاک ﷺ سے یہ فرماتے سنا: "اللہ عزوجل اسی جگہ اپنے نبی کو وصال عطا فرماتا ہے جو اسے زیادہ محبوب ہوتی ہے پھر فرمایا: آپ کو آپ کے وصال

سابقہ اسنادومتن کے ساتھ اس حدیث کی تخریج کی۔ اور یہ حدیث علی بن ابوطالب کے قول سے موقوف اور حکما مرفوع ہے، ہیثمی نے مجمع الزوائد (۱۱۲/۹) میں کہا: اس میں ایک مختلف فیہ جماعت ہے، اور جمیع کی ماں اور ان کی خالہ کو میں نہیں پہچانتا۔ میں کہتا ہوں: صدقہ بن سعید کے بارے میں ذہبی نے کہا صدوق (زیادہ راست گو) ہیں (الکاشف ۵۰۱/۱) اور ابن حجر نے تقریب (۲۷۵/۱) میں کہا: مقبول ہیں۔ اور ابن حبان نے جمیع بن عمیر کو ثقہ کہا (الثقات ۱۱۵/۴) اور عجلی نے معرفۃ الثقات ۲۷۲/۱، اور ابوحاتم نے الجرح والتعدیل ۵۳۲/۲ میں ثقہ کہا، اور ابن حجر نے تقریب (۱۴۲/۱، ۹۶۸) میں کہا: جمیع بن عمیر تیمی ابوالاسود کوفی زیادہ راست گو ہیں خطا کرتے ہیں۔

(۳) ام المومنین عائشہ نے ابوبکر صدیق سے روایت کیا کہ ابویعلی نے اپنی مسند (۴۶/۱)، اور ابن عبدالبر نے تمہید (۳۹۸/۲۴) میں اس کی تخریج کی۔ ابویعلی نے کہا: ابوموسی ھروی اسحاق بن ابراہیم نے ہم سے بیان کیا، انھوں نے کہا ہم سے ابومعاویہ نے بیان کیا، ہم سے عبدالرحمٰن بن ابوبکر نے ابن ابوملیکہ اور انھوں نے عائشہ سے روایت کیا اور اس حدیث کو ذکر کیا، اور اس اسناد میں قدرے ضعف ہے جو متابعت سے زائل ہوجاتا ہے، اور سابقہ روایتیں معتبر شاہد جید ہیں، کیوں کہ ابوموسی ثقہ ہیں (الجرح والتعدیل ۲۱۰/۲) اور ابومعاویہ ضریر بھی ثقہ ہیں (تقریب ۵۸۴۱)...لیکن عبدالرحمٰن بن ابوبکر ضعیف ہیں (تقریب ۳۸۱۳)، اور عبداللہ بن عبیداللہ ثقہ فقیہ ہیں۔ (تقریب ۳۴۵۴)

کی جگہ دفن کرو۔

اب میں ایک ایسا تحفہ پیش خدمت کروں گا جس سے محبان رسول ﷺ کو دلی ٹھنڈک حاصل ہوگی میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ مدینہ منورہ مکہ سے افضل ہے آخر ایسا کیوں ہے؟ کیا آپ کو اس کی علت معلوم ہے؟ خود امام مالک نے اس کی علت واشگاف فرماتے ہوئے فرمایا: مکہ پر مدینہ منورہ کی فضیلت اس لیے ہے کہ میرے علم میں مدینہ منورہ کے علاوہ کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں کسی معروف ومشہور نبی کی قبراتنی معروف ہو۔امام حافظ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب التمهيد (۲/۲۸۹) میں اسے نقل فرمایا اور حافظ ابن عبدالبر کون ہیں ان کی کتاب کا کیا پایہ ہے اس سلسلے میں امام ذہبی کا قول ملاحظہ کیجئے جو ابن تیمیہ کے ان تلامذہ سے ہیں جنھوں نے بعض امور میں ابن تیمیہ کی موافقت اور بہت سے امور میں اس کی مخالفت کی ہے۔

ذہبی نے اپنی کتاب سير أعلام النبلاء (۱۸/۱۹۳) میں کہا:

''شیخ عزالدین ابن سلام نے کہا: وہ مجتہدین میں سے ایک مجتہد تھے میں نے اسلامی کتابوں میں ابن حزم کی ''المحلی'' اور شیخ موفق الدین کی ''المغنی'' کی طرح کوئی علمی کتاب نہ دیکھی۔میں کہتا ہوں: (یعنی علامہ ذہبی کا کلام ہے) شیخ عزالدین نے سچ کہا، اور ان اسلامی کتابوں میں ایک تیسری کتاب بیہقی کی سنن کبری، اور چوتھی کتاب التمہید لابن عبدالبر ہے۔ جو روشن دماغ علوم کے ان علمی دفتروں کا دائمی مطالعہ کرے وہ عالم برحق ہوگا''۔(ذہبی کا کلام حرف بحرف ختم ہوا)

حافظ سخاوی نے اپنی کتاب التحفة اللطيفة في تاريخ المدينة الشريفة (۱/۲۰) میں امام مالک کا قول ایسا ہی نقل کیا ہے۔

تو اب ابن تیمیہ کو امام مالک کے اس قول سے کہاں مفر ہے آپ تو یہ ارشاد فرمار ہے ہیں کہ: مدینہ منورہ مکہ سے اس لیے افضل ہے کہ وہاں نبی پاک ﷺ کا روضہ اقدس موجود ہے۔

اس واضح حقیقت کے روشن ہوجانے کے بعد جب ابن تیمیہ کے تہور، اور بے دلیل انکار اجماع کی

حقیقت بھی ظاہر ہوگئی تو اس کے ساتھ ایک دوسری چیز بھی ملاحظہ فرماتے چلیں ممکن ہے وہ آپ پر پوشیدہ ہو۔

وہ یہ ہے کہ امام قاضی عیاض اور باقی ائمہ مسلمین کی گفتگو اس حصہ زمین کے متعلق ہے جو نبی اکرم ﷺ کے جسد اطہر سے پیوستہ ہے، وہ خاک نہیں جو اس کے نیچے ہے کیونکہ دراصل نبی پاک ﷺ اپنے وصال کے بعد بھی اسی طرح ہیں جیسا کہ آپ اپنے جسد اقدس کے ساتھ اپنی حیات ظاہری میں تھے جیسا کہ خود احضور اقدس ﷺ نے یہ خبر دی: ''**إن اللّٰــه حــرم عـلـى الأرض أن تـاكل أجسادالأنبياء**'' کہ اللہ نے زمین پر انبیا کے جسموں کا کھانا حرام فرمادیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کا جسد اقدس نہ کبھی خاک ہوا، اور نہ ہوگا جب آپ کی یہ شان اقدس ہے تو ابن تیمیہ کی یہ ملمع سازیاں کس لیے ہیں؟ ذرا اس پر بھی غور کرنا چاہئے۔

ان حضرات کے اسمائے گرامی جنھوں نے یہ فرمایا کہ نبی پاک ﷺ کا جسد اقدس جس حصہ زمین سے پیوستہ ہے وہ جگہ تمام زمینوں یہاں تک کہ خود کعبہ سے بھی افضل ہے۔

(۱) امام مالک جیسا کہ ابن عبد البر نے التمہید میں نقل کیا جیسا کہ گذر چکا۔

(۲) حافظ لا لکائی ھبۃ اللہ طبری نے اپنی کتاب ''**توثيق عرى الإيمان**'' میں۔

(۳) ابن بطال (متوفی ۴۴۹ھ)

(۴) ابوالولید باجی (۴۰۳-۴۷۴) نے ذکر کیا۔

(۵) ابن عقیل نے کہا کہ: ''**إن هـذا البـقـعـه أفـضل من العرش**'' (یہ خاک اقدس عرش سے بھی افضل ہے)۔

(۶) امام تقی الدین سبکی۔

(۷) ابن کثیر۔

(۸) حافظ سخاوی۔

(۹) تقی الدین حصنی۔

(۱۰) ابوالحسن مالکی نے کتاب کفایۃ الطالب (۵۳۴/۲) میں۔

(۱۱) زرقانی (۷/۲)

(۱۲) امام قرانی نے ذخیرہ (۳۷۸/۳، ۳۸۱) میں۔

(۱۳) سمہودی نے تاریخ مدینہ منورہ میں۔

(۱۴) تاج فاکہی۔

(۱۵) شیخ زروق۔

(۱۶) ابوعبداللہ مغربی نے مواہب الجلیل (۳۴۴/۳-۳۴۵) میں۔

(۱۷) صاحب کتاب السیرۃ الجلیلۃ (۴۹۵/۳)

(۱۸) آلوسی نے روح المعانی میں (۱۱۲/۲۵)

(۱۹) علامہ ابن عابدین نے (حاشیہ ۲۲۶/۲)

(۲۰) مرغینانی صاحب کتاب درمختار۔

(۲۱) مصنف کتاب "اللباب"

(۲۲) شارح کتاب "اللباب".

(۲۳) ابن مفلح حنبلی (۸۱۶-۸۸۴ھ نے المبدع (۷۰/۳) میں۔

(۲۴) محمد خطیب شربینی نے مغنی المحتاج (۴۸۲/۱) میں۔

(۲۵) حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۶۸/۳) میں قاضی عیاض کا قول ذکر کیا، اور اس پر کوئی تعقب نہ کیا۔

(۲۶) حافظ مناوی نے فیض القدیر (۲۶۴/۶) میں۔

(۲۷) حافظ سیوطی نے خصائص کبری (۳۵۱/۲) میں۔

(۲۸) قسطلانی نے شرح سنن ابن ماجہ میں۔

(۲۹) سندی شارح سنن ابن ماجہ۔

(۳۰) بیجرمی.

(۳۱) شروانی۔

(۳۲) طحطاوی نے اپنے حاشیہ مراقی الفلاح (۱/۷۰) میں۔

(۳۳) شیخ نفراوی مالکی نے الفواکہ الاوانی (۱/۴۵) میں۔

(۳۴) مصنف کتاب کشف الاسرار۔

(۳۵) شیخ ازھر شیخ عدوی نے۔

(۵۷)ابن تیمیہ نے رسول اللہ ﷺ کے آغوش جوار اقدس میں رہنے کا انکار کیا اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے وارفتگان شوق ومحبت کے خلاف بہت سی نازیبا جسارتیں کیں

جس وقت سیدنا عمر بن عبدالعزیز مدینہ منورہ طیبہ سے باہر نکلے آپ نے مدینہ منورہ کی طرف ملتفت ہوکر اشک آلود آنکھوں سے فرمایا: اے مزاحمت کرنے والے کیا تمہیں یہ خوف ہے کہ ہم ان لوگوں میں سے ہوں جنھیں مدینہ منورہ نے شہر بدر کر دیا (موطا امام مالک ۸۸۹/۲)

امام بخاری نے فرمایا: میں نے نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس تاریخ مدینہ منورہ تصنیف کی، اور چاندنی راتوں میں اسے لکھتا تھا۔[1]

ابن تیمیہ نے اپنے نیاز برداروں پر نبی اکرم ﷺ کے روضۂ اقدس کے زیارت کو حرام کر دیا ہے اس لیے اس کے یہ نیاز بردار حضور اقدس کے روضۂ اطہر کی زیارت اور اس کی تعریف کے بجائے دل کھول کر ابن تیمیہ کی قبر کی تعریف کرتے ہیں!!

اس کے ایک نیاز بردار نے اس کی حمایت ودفاع میں العقو دالدریۃ (۴۷/۱) میں کہا:

قدأودع القبر الشريف علومه	عجبا لوسع القبر بحرا سائلا
ومجاور قبر الإمام مؤملا يارب	وارحمناوكل مشيع صلى عليه أوأتاه مقبلا
من كان مسرورا به وبعلمه	من بعده فالحزن أضحى عاجلا

(۱) ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (۴۰۰/۱۲) اور ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری (۴۷۸/۱) اور حاجی خلیفہ نے کشف الظنون (۲۸۷/۱) میں امام بخاری کا یہ قول نقل کیا، میں کہتا ہوں: رہ گئے ابواب، جامع صحیح کے تراجم، تو نبی کریم ﷺ کے روضۂ اطہر اور آپ کے منبر مبارک کے درمیان تصنیف فرمایا۔ آپ ہر ترجمۂ باب کے وقت دو رکعت نفل ادا فرماتے۔ ابوالولید باجی کی الجرح والتعدیل (۳۱۰/۱) اور مزی کی تہذیب الکمال (۴۴۳/۲۴) مطالعہ کیجئے۔

۱۔ اس کے علوم قبر شریف میں ودیعت کر دیے گئے کس قدر حیرت انگیز ہے کہ ایک بحر سائل قبر کی وسعتوں میں سما گیا۔

۲۔ اے پروردگار! امام کے جوار قبر میں فروکش انسانوں، اور اس کی نماز جنازہ ادا کر کے اسے رخصت کرنے والوں یا اس کے پاس آنے والوں، اور ہم پر رحم فرما۔

۳۔ جو شخص اس سے اور اس کے علم سے خوش رہا رنج و غم نے اس کی طرف پیش رفت کی۔

میں کہتا ہوں: لاحول ولا قوۃ الا باللہ ابن تیمیہ کی قبر، قبر شریف ہے، اور نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت حرام ہے، اور نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے جوار اقدس میں رہنے کے بجائے لوگ ابن تیمیہ کے جوار قبر میں فروکش ہوں ایسا کس نے نقل کیا؟ یہ ابن عبد الہادی ہے جس نے شیخ الاسلام سبکی کے رد میں مغالطات پر مشتمل ایک مکمل کتاب اس لیے لکھی کہ آپ نے ابن تیمیہ کا سخت رد فرمایا!

ابن تیمیہ نے دقائق التفسیر (۴۷/۲) میں کہا: ''نبی ﷺ اور آپ کے کسی صحابی، اور آپ کی امت کے کسی عالم نے یہ نہ کہا کہ کسی قبر کے قرب و جوار میں رہنا مستحب ہے، آپ اور آپ کی قبر مکرم، اور کسی دوسری قبر کی طرف متوجہ اور مشغول نہ ہو، اور نہ ہی کسی قبر کے قریب رہائش کا قصد و ارادہ کرے''۔

ابن تیمیہ کے اشتعال انگیز اسلوب و الفاظ پر تنبیہ کے بعد اس کا رد بھی ملاحظہ فرمائیں.... اس نے یہ کہا: ''**ولا یعکف علیه**'' (آپ کی بارگاہ میں اعتکاف نہ کیا جائے) کیوں کہ اعتکاف سے کبھی مسجد حرام، یا ستون کا اعتکاف مقصود ہوتا ہے اور ہم بعون اللہ تعالی کہتے ہیں:

(۱) عثمان بن عفان رضی اللہ تعالی عنہ کے مناقب میں ابو موسی اشعری کی یہ حدیث مروی ہے: ''**وبشره بالجنة مع بلوی تصیبه**' اور انہیں پیش آنے والی مصیبت و بلا کے ساتھ جنت کی بشارت دے دو''[۱]

(۱) ''**بشره بالجنة**'' (ان کو جنت کی بشارت دے دو) یہ حدیث بخاری (۱۳۴۳/۳) نے تخریج کی اور لفظ بخاری کے ہیں، اور مسلم نے بھی تخریج کی (۱۸۶۸/۴)۔

سعید بن مسیّب نے ''پیش آنے والی مصیبت'' کی شرح میں فرمایا: ''میرے نزدیک اس کی تاویل یہ ہے کہ ان تین حضرات کی قبریں تو ایک جگہ ہیں، مگر حضرت عثمان کی قبر سب سے الگ تھلگ ہے''۔ علامہ نووی نے اپنی شرح صحیح مسلم (۱۷۳/۱۵) میں فرمایا: ''سعید بن مسیّب نے فرمایا: میرے نزدیک اس کی تاویل ان تینوں حضرات کی قبریں ہیں یعنی وہ حضرات ثلاثہ ایک جگہ مدفون اور آرام فرما ہیں، اور حضرت عثمان ان حضرات سے الگ مقام پر مدفون ہیں، اور یہ سچی فراست کے باب سے ہے''۔

(۲) مغیرہ بن شعبہ نے فرمایا کہ: آپ عثمان کے محاصرہ کے وقت آپ کے پاس حاضر ہوئے اور مشورۃً کہا کہ: آپ عام لوگوں کے امام ہیں، اور آپ پر جو مصیبت اتری اسے مشاہدہ فرما رہے ہیں، میں آپ کے سامنے تین خصلتیں پیش کرتا ہوں آپ ان میں سے جسے چاہیں اختیار فرمائیں، یا تو آپ خروج فرما کر ان سے قتال کریں کیوں کہ آپ کے ساتھ لشکر کی تعداد اور طاقت وقوت ہے، اور آپ حق پر ہیں اور وہ باطل پر، یا جس دروازہ پر وہ لوگ ہیں اس کے علاوہ کوئی دروازہ نکالیں، اور اپنی سواری پر سوار ہو کر مکہ چلے جائیں کیوں کہ جب تک آپ وہاں رہیں گے وہ لوگ آپ کو حلال نہ سمجھیں گے (آپ سے تعرض نہ کریں گے)، اور یا تو آپ شام چلے جائیں کیوں کہ معاویہ شامیوں میں سے ہیں، تو حضرت عثمان نے جواباً فرمایا: میں خروج کر کے ان سے قتال کرنا پسند نہیں کرتا کیوں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی امت کا سب سے پہلا وہ خلیفہ نہیں بننا چاہتا جس نے آپ کی امت کی خون ریزی کی ہو، اور رہا مکہ جانا تو بلا شبہ یہ لوگ وہاں مجھے حلال نہ سمجھیں گے مگر میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا: ''**یلحد رجل من قریش بمكة يكون عليه نصف عذاب العالم**'' یعنی مکہ میں قریش کا ایک ایسا شخص مدفون ہوگا جس پر عالم کا نصف عذاب ہوگا'' تو میں ہرگز وہ شخص بننا نہیں چاہتا، اور رہا ملک شام چلے جانا کہ وہاں اہل شام ہیں، اوران شامیوں میں معاویہ ہیں، تو مجھے اپنا دار الہجرت، اور رسول اللہ ﷺ کا جوار اقدس چھوڑنا پسند نہیں۔[1]

(۱) امام احمد نے عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے اثر کی تخریج کی (۶۷/۱) اور حارث (زوائد ھیثمی) (۸۹۸/۲)، اور خطیب نے

(۳) عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا:"من استطاع منکم أن یموت بالمدینة فلیمت المدینة فإني أشفع لمن مات بها" یعنی تم میں سے جو شخص مدینہ منورہ میں مرنے کی استطاعت رکھے تو مدینہ منورہ میں مرے کیوں کہ میں مدینہ منورہ میں مرنے والوں کی شفاعت کروں گا" کیا اس حدیث کی شہادت کافی نہیں۔

(۴) علی سے کہا گیا اے ابوالحسن! آپ کا کیا معاملہ ہے کہ مقبرہ (قبرستان) کے قرب وجوار میں رہتے ہیں، فرمایا: میں انہیں بہترین ہمسایہ پاتا ہوں جو برائی و بدگوئی سے اپنی زبانیں بند رکھتے ہیں اور آخرت کی یاد دلاتے ہیں۔[1]

اور بیہقی نے شعب الایمان میں بطریق عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی بن ابوطالب ان کے والد سے تخریج کی کہ علی بن ابوطالب سے کہا گیا آپ کا کیا معاملہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس کے جوار فیض میں رہنا چھوڑ دیا اور قبر والوں کے قرب وجوار میں رہنے لگے، فرمایا: میں نے انہیں بہترین ہمسایہ پایا وہ

تاریخ بغداد (۲۷۲/۱۴) اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۳۸۰/۳۹) میں تخریج کی اور ضیا نے المختارۃ (۵۲۰/۱) میں اس کو صحیح کہا۔ ھیثمی نے مجمع الزوائد (۲۹۹/۷، ۲۳۰) میں کہا: امام احمد نے اسے روایت کیا، اور اس کے رجال ثقہ ہیں مگر محمد بن عبدالملک بن مروان کا مغیرہ سے سماع میں نے نہ پایا۔

"فضل مکة في الحج" میں اس حدیث کے کئی طرق ہیں" میں کہتا ہوں: تاریخ طبری (۶۵۰/۲) اور "مقتل الشهيد عثمان" (۱۰۲/۱، ۱۰۳) میں ہے کہ عثمان رضی اللہ تعالی عنہ نے ارشاد فرمایا:"أنا لا أبيع جوار رسول الله ﷺ و ان كان فيه قطع خيط عنقي" (میں رسول اللہ ﷺ کا جوار اقدس کسی چیز کے عوض نہ بیچوں گا اگر چہ میری گردن کا مغز کٹ جائے)۔

(۱) "قيل لعلي ماشأنک یاأباحسن جاورت المقبرة" یعنی علی سے عرض کیا گیا اے ابوالحسن! آپ کا کیا معاملہ ہے کہ قبرستان کے قرب وجوار میں رہتے ہیں"اس اثر مذکور کو ابن ابوشیبہ (۱۰۲/۷) اور بیہقی نے شعب الایمان (۲۰/۷) میں تخریج کیا، اور اس کی اسناد جید ہے ابواسامہ حماد بن اسامہ ثقہ ثبت ہیں (تقریب ۱۴۸۷) اور عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی بن ابوطالب: مقبول ہیں، حافظ ذہبی نے ان کے والد کو ثقہ کہا، اور ابن حجر نے صدوق یعنی زیادہ راست گو کہا۔

اپنی زبانیں بند رکھتے ہیں اور آخرت کی یاد تازہ کرتے ہیں۔[1]

(۵) امام بخاری کا قول ابھی ہم نے نقل کیا، اور خطیب نے تاریخ بغداد (۱/۱۲۱) میں فرمایا کہ: ابویعلی فراء حنبلی نے فرمایا کہ: ایک شخص ابوبکر بن مالک کی خدمت میں آمدورفت رکھتا تھا اس شخص سے کہا گیا مرنے کے وقت کہاں دفن ہونا پسند کرتے ہو تو اس نے کہا: قطیعہ میں، اور عبداللہ بن احمد بن حنبل قطیعہ میں مدفون ہیں اور عبداللہ بن احمد بن حنبل کے متعلق اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: میرا گمان یہ ہے کہ آپ نے وہاں دفن ہونے کی وصیت فرمائی تھی آپ نے فرمایا کہ: مجھے صحت سے یہ معلوم ہے کہ قطیعہ میں نبی مدفون ہیں، اور اپنے والد کے جوار پاک میں دفن ہونے کی بہ نسبت کسی نبی کے جوار فیض میں دفن ہونا مجھے زیادہ پسند ہے (حموی کی معجم البلدان ۱/۱۲۱ ملاحظہ فرمائیں۔ اور حافظ ابن عبدالبر نے التمہید ۲۲/۲۲۶) میں فرمایا: حضور نے ارشاد فرمایا: "والمدينة خير لهم لو كانوا يعلمون" "اور مدینہ منورہ ان کے لیے بہتر ہے کاش یہ لوگ جانتے" اس حدیث کی تشریح کے متعلق کئی قول ہیں ایک قول یہ ہے: کہ مدینہ منورہ ان کے لیے اس لیے بہتر ہے کہ وہاں نہ طاعون، نہ دجال آئے گا، اور ایک قول یہ ہے کہ: مدینہ منورہ اس لیے بہتر ہے کہ وہاں دوسرے شہروں کی بہ نسبت فتنہ کم ہیں، اور ایک قول یہ ہے کہ: مدینہ منورہ کو یہ فضیلت اس لیے حاصل ہے کہ وہاں رسول اللہ ﷺ کی مسجد ہے جس میں نماز ادا کی جاتی ہے اور آپ کے روضۂ اقدس کے جوار فیض و رحمت میں سکونت و رہائش حاصل کی جاتی ہے۔

(۱) "علی بن ابوطالب سے کہا گیا کہ آپ کا کیا معاملہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس کے جوار میں رہنا چھوڑ دیا" اس اثر مذکور کو بیہقی نے شعب الایمان (۷/۲۰) میں تخریج کیا، اور ایک راوی کے علاوہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں، ابوعبدالرحمٰن سلمی امام الصوفیہ ہیں، خطیب نے تاریخ بغداد (۲/۲۴۸) میں ان کو ثقہ کہا، اور محمد بن عبداللہ بن محمد بن صبیح: ان کا حال مجھے معلوم نہیں، اور عبداللہ: وہ ابن محمد بن شیرویہ ہیں: حاکم نے ان کو ثقہ کہا (السیر ۱۴/۱۶۶) اور اسامہ حماد بن اسامہ: ثقہ ثبت ہیں (التقریب ۱۴۸۷) اور عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی بن ابوطالب: مقبول ہیں، حافظ ذہبی نے ان کے والد کو ثقہ، اور ابن حجر نے زیادہ راست گو کہا۔ (تقریب ۳۵۹۵)

میں کہتا ہوں: مختلف طبقات کے علماے امت کے حالات پر نظر ڈالیے ان کے حالات وواقعات سے فرح وسرور حاصل ہوگا اس لیے کہ یہ علماے امت خیر الخلق ﷺ کے جوار اقدس میں فروکش ہوئے۔

(۵۸) کیا ابن تیمیہ نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس پر مکمل پابندی عائد کرنا چاہتا ہے؟

ابن تیمیہ کا یہ خیال ہے کہ روضۂ اقدس اور حجرہ شریفہ کے بوسہ کی ممانعت تمام ائمہ مسلمین کی طرف منسوب کردینے سے اس کے بیہودہ افکار وخواہشات کو فروغ حاصل ہوگا۔

اس نے یہ دعوی کیا کہ بہ اتفاق ائمہ نبی ﷺ کے روضۂ اطہر اور حجرہ اقدس کو چھونا اور اس کا بوسہ لینا ممنوع ہے، جیسا کہ فتاوی کبری (۴/۳۷۳) میں کہا:

''اوراسی طرح ہمارے نبی اور خلیل کا حجرہ اوران کے علاوہ کسی نبی اور مرد صالح کے مدفن کا بوسہ لینا اوراسے چھونا مستحب نہیں بلکہ اس سے نہی وممانعت وارد ہے''۔

اور مجموع الفتاوی (۲۷/۲۲۳) میں یہ کہا:

''سارے ائمہ اس پر متفق ہیں کہ نبی ﷺ کی قبر کا نہ بوسہ لے، اور نہ اسے چھوئے، یہ سارے احکام توحید کی محافظت کے لیے ہیں''۔

اور زیارۃ القبور (۱/۵۴) میں یہ کہا:

''**قبر کو چھونے، اوراس کا بوسہ لینے اوراس پر رخسار رکھنے کا بیان:** کسی بھی قبر کو چھونا، اوراس کا بوسہ لینا، اوراس پر رخسار رکھنا بہ اتفاق مسلمین ممنوع ہے، وہ انبیا ہی کی قبریں کیوں نہ ہوں، امت کے سلف اوران کے ائمہ نے ایسا نہ کیا، بلکہ یہ شرک ہے''۔

میں کہتا ہوں: اس مقام پر بہت سے احتمالات ہیں:

(۱) ابن تیمیہ کو یہ معلوم ہی نہیں کہ بعض ائمہ کرام نے یہ فتوی دیا کہ نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کا بوسہ لینا جائز ہے، اوران ائمہ میں امام احمد بن حنبل ہیں، اور یہ مفروض ہے کہ ابن تیمیہ حنبلی ہے۔ اگر ایسا ہی

ہے کہ ابن تیمیہ کو جواز کا یہ فتوی معلوم نہ تھا تو یہ مسئلہ ان کثیر مسائل میں سے ایک مسئلہ ہوگا جن میں مطلق دعوی کے لیے تمام الفاظ کا ایک سیل رواں ہوگا، مثلا ابن تیمیہ مطلق دعوی کرتا ہے اور یہ کہتا ہے: تمام ائمہ، تمام سلف، اور سارے علما کا اجماع ہے، اس پر اجماع امت ہے، اس میں کسی کا کوئی اختلاف معلوم نہیں، سارے سلف کا اتفاق ہے، کسی نے کبھی ایسا قول نہ کیا۔ اس کے علاوہ اس کے بہت سے ایسے الفاظ ہیں جن سے اس کا مقصود اپنے کلام کو قوت دینا ہوتا ہے۔

اور براہ راست یہ نقطہ، یعنی مشہور مسائل میں بکثرت غلط دعوی کرنا، اسے محققین کے دائرہ ہی سے خارج کر دیتا ہے تو پھر یہ کیسے شیخ الاسلام ہوسکتا ہے۔

(۲) دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس نے دانستہ اسے ذکر نہ کیا.. اگر ایسا ثابت ہے تو یہ بھی ایک عظیم حادثہ ہے۔

(۳) اسے معلوم تھا لیکن اسے تبدیلی رائے کی مہلت نہ مل سکی۔

(۴) اور کچھ دوسرے احتمالات بھی ہیں جن کے ذکر کی چنداں ضرورت نہیں۔

ہم اللہ ہی کی توفیق سے کہہ رہے ہیں:

ہر دور میں صحابہ وتابعین اور سلف صالح سے یہی ثابت ہے کہ ان حضرات نے نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کا بوسہ لیا، اور اسے چھوا، رہ گئی توحید کی محافظت تو اس کا اس میں ذرا بھی دخل نہیں۔

ابن تیمیہ کے کفش برداروں پر لازم ہے کہ اگر ان میں ذرا بھی صداقت ہے تو اس کی دلیل لائیں جسے ان کے نام نہاد پیشوا ابن تیمیہ نے سارے ائمہ کے حوالہ سے نقل کیا، یا اس نے خود ہی بلاشرکت غیر ایسا سمجھا اس لیے کہ اس کا یہ کلام باطل ہے۔

اولا: سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالی عنہ کا واقعہ:

امام احمد اور حاکم نے تخریج کیا کہ داود بن ابوصالح نے کہا: ایک دن مروان آیا اس نے ایک شخص کو روضۂ اقدس پر اپنا چہرہ رکھے ہوئے پایا تو اس نے کہا: کچھ خبر ہے کیا کر رہے ہو؟ جب قریب آکر دیکھا تو آپ حضرت

ابوایوب انصاری تھے،آپ نے فورافرمایا:ہاں میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں آیاہوں اورسنگ قبر کے پاس نہیں آیاہوں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا:''لاتبکوا علی الدین إذاولیه أهله ،ولکن ابکوا علیه إذا ولیه غیر أهله'' جب دین کے حاکم لائق اوراہل لوگ ہوں تو دین پرنہیں رونا چاہئے ،ہاں جب زمام ولایت نااہلوں کے ہاتھوں میں ہوتو دین پررونا چاہئے''۔(۱)

(۱) امام احمد نے اپنی مسند(۴۲۲/۵نمبر۲۳۶۳۳)،حاکم نے مستدرک(۵۶۰/۴نمبر۸۵۷۱)اورابن عساکر نے تاریخ دمشق (۲۴۹/۵۷)میں داود بن صالح سے روایت کیا۔

اورطبرانی نے معجم کبیر(۱۵۸/۴نمبر۳۹۹۹)اورمعجم اوسط(۹۴/۱نمبر۲۸۴)اور(۱۴۴/۹نمبر۹۳۶۶)میں اورابن عساکر نے (۲۵۰/۵۷)مطلب بن عبداللہ سے روایت کیا۔

بہرحال یہ حدیث کم ازکم حسن ہے حاکم اورسیوطی نے جامع صغیر میں اسے صحیح کہا،اورھیثمی نے مجمع الزوائد(۲۴۵/۵)میں کہا:اس کوامام احمداورطبرانی نے کبیراوراوسط میں روایت کیا،اوراس میں کثیر بن زید ہیں جنہیں امام احمدوغیرہ نے ثقہ، اورنسائی وغیرہ نے ضعیف کہا،اورامام احمد کی ان کی توثیق کافی ہے،اوریہ ہرشخص جانتاہے کہ نسائی توثیق کے معاملہ میں شدت پسند ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کثیر کی حدیث حسن قراردیا،انھوں نے تلخیص الجبیر(۱۳۳/۲)میں یہ حدیث اس طرح تخریج کی کہ:''حضوراقدس ﷺ نے عثمان بن مظعون کی قبر کے پاس ایک پتھر رکھا،اورفرمایا''أعلم بهاقبر أخي وأدفن إلیهامن مات من أهلي''(ترجمہ:۔''میں یہاں پراپنے بھائی کی قبر جانتاہوں اوراپنے وفات یافتہ اہل کویہیں سپرد خاک کرتاہوں'')ابن حجر نے یہ حدیث تخریج کرنے کے بعد فرمایا:اس کی اسنادحسن ہے اس میں صرف کثیر بن زید ہیں جو مطلب سے راوی ہیں اوروہ صدوق(زیادہ سچے)ہیں۔امام بخاری نے ان کی اس حدیث کوصحیح کہاجوانھوں نے ابوہریرہ سے روایت کیاکہ نبی ﷺ نے فرمایا:''إن المرأة لتأخذ للقوم''

اس کوامام ترمذی نے روایت کیااوریہ نقل کیاکہ بخاری نے اس کوصحیح کہا(نصب الرایۃ۳۹۵/۳مطالعہ کریں)

تنبیہ: مناوی کوفیض القدیر(۳۸۶/۶-۳۸۷)میں وہم ہواکیوں کہ انھوں نے یہ گمان کیاکہ داودبن ابوصالح نے اس واقعہ کودیکھاان کے بارے میں ابن حبان نے یہ کہا:موضوع روایتیں کرتے ہیں،اوربخاری کی''التاریخ الکبیر''اورابن ابوحاتم کی ''الجرح والتعدیل'' (۴۱۶/۳)کی طرف مراجعت کرنے سے معلوم ہوتاہے کہ داودبن ابوصالح حجازی ہی ابوایوب انصاری سے راوی ہیں،اورلیکن داوداین ابوصالح لیثی جن کے بارے میں ابن حبان نے کہا:موضوع

کیا صحابی جلیل سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالی عنہ کو اللہ عز وجل کی توحید کا علم نہ تھا، یا وہ ابن تیمیہ کی تعلیم وتربیت کے محتاج تھے، یا آپ ابن تیمیہ کے نزدیک معتبر امام نہیں؟

سبحان اللہ! سیدنا ابوایوب انصاری پر صرف مروان بن حکم، اور ابن تیمیہ ہی نے اعتراض کیا۔

ان میں مروان بن حکم وہ شخص ہے جس نے طلحہ بن عبید اللہ کو شہید راہ محبت کیا جو عشرہ مبشرہ سے ہیں جن کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے یہ خبر دی کہ:"أنـه شهيـد يـمشي على وجه الأرض "(وہ روئے زمین پر چلتے ہوئے شہید ہیں)۔

صحیح سندوں سے مروی روایتیں دیکھنے سے یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ مروان بن حکم نے طلحہ بن عبید اللہ کو شہید کیا جو عشرۂ مبشرہ سے ہیں، ابن حجر نے الاصابۃ (۵۳۲/۳) اور ھیثمی وغیرہما نے مجمع الزوائد (۱۵۰/۹) وغیرہ میں ان صحیح روایتوں کو ذکر کیا۔

اور ابن تیمیہ کے حالات کے تحت ہم نے ذکر کیا کہ اس کے معاملہ میں لوگوں کا اختلاف ہے۔

ثانیا: عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما اپنا داہنا ہاتھ نبی ﷺ کی قبر پر رکھے ہوئے تھے۔(۱)

روایتیں کرتے ہیں، یہ ایک دوسرے شخص ہیں۔

اور حافظ مزی نے تہذیب الکمال (۴۰۵/۸) میں کہا: داود بن ابوصالح حجازی ابوایوب انصاری سے روایت کرتے ہیں۔

ابن حجر نے تقریب التہذیب (۱۹۹/۱) میں ایسا ہی کہا۔

اور اس بنا پر انشاء اللہ حدیث کم از کم حسن ہے چاہے بطریق داود بن ابوصالح یا مطلب بن عبداللہ مروی ہو۔

(۱) نافع نے ابن عمر سے روایت کیا کہ نبی پاک ﷺ کی قبر کو چھونا مکروہ ہے ذہبی کی سیر أعلام النبلاء (۳۷۸/۲) اور جزء الأصفهاني (۱۰۶/۱ نمبر ۲۷) وغیرہ میں یہ اثر مذکور ہے۔اور ابن قیسرانی نے تذکرۃ الحفاظ (۱۶۱/۱) میں اس کی تخریج کر کے کہا: عبیداللہ کی حدیث ثقفیات، اور جزء بن فرات، اور ابن عیینہ، اور جزء بن عاصم میں علو حال کے ساتھ ہمیں دستیاب ہوئی، اور بطریق طبرانی یوں وارد ہے، ابراہیم بن احمد حاسب نے ہمیں خبر دی، اسماعیل بن ظفر نے ہمیں خبر دی، احمد بن محمد تیمی نے ہمیں خبر دی، ابن ابوالخیر نے ہمیں تیمی سے خبر دی، ہم کو ابونعیم نے خبر دی، ہم سے عبداللہ بن جعفر نے بیان کیا، محمد بن عاصم نے ہمیں خبر دی، ہم کو ابواسامہ نے عبیداللہ سے بروایت نافع خبر دی کہ ابن عمر نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کو کثرت سے چھونا مکروہ جانتے تھے۔

عبداللہ بن عمر کے بارے میں جو یہ وارد ہے کہ آپ نبی ﷺ کی قبر کو چھونا مکروہ جانتے تھے تو عبیداللہ نے اس کی توضیح کی ہے، یہ عبیداللہ وہ ہیں جو امام احمد بن حنبل کے نزدیک امام مالک سے زیادہ قوی اور ثابت ہیں جب نافع سے بروایت ابن عمر روایت کریں، عبیداللہ نے نافع سے روایت کیا کہ ابن عمر نبی ﷺ کی قبر کو کثرت سے چھونا ناپسند فرماتے تھے۔(۱)

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کے نزدیک قبر کا چھونا مطلقا مکروہ نہیں ــــ آپ خود اپنا دست راست قبر شریف پر رکھتے تھے جیسا کہ گزرا ہاں بکثرت چھونا مکروہ ہے۔

اور اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ قبر شریف کے چھونے یا بوسہ لینے میں امر توحید کا مطلقا کوئی دخل نہیں جیسا کہ خوارج کا یہ دعوی ہے زیادہ سے زیادہ یہ مکروہ ہے اور مکروہ وہ ہے جس کے نہ کرنے پر ثواب اور اس کے کرنے پر مذمت وعقاب نہ ہو ــــ جو حضرات نبی اکرم ﷺ کے روضۂ پاک کا بوسہ لیتے یا اسے چھوتے ہیں محض تبرک کی غرض ونیت سے ایسا کرتے ہیں۔ اور بار بار قبر شریف چھونے والا کبھی حد ادب سے تجاوز کر جاتا ہے اسی لیے صحابی

(۱) ابن عمر نے اپنا ہاتھ قبر شریف پر رکھا اس اثر کو قاضی نے فضل الصلاة علی النبي (۱/۸۴ نمبر ۱۰۰) میں ذکر کر کے کہا: مجھ سے اسحاق بن احمد نے بیان کیا، انھوں نے کہا ہم سے عبداللہ بن عمر نے بروایت نافع بیان کیا کہ ابن عمر جب سفر سے آتے مسجد میں دو رکعت نماز ادا فرماتے، پھر نبی ﷺ کی بارگاہ میں آتے اور آپ کے روضۂ اقدس پر اپنا دست راست رکھ کر قبلہ کو پیٹھ کر کے نبی پاک ﷺ پھر ابو بکر وعمر رضی اللہ تعالی عنہما کی بارگاہ میں سلام پیش کرتے۔

اس اثر کی اسناد حسن ہے، بخاری نے اپنی صحیح میں اسحاق بن محمد کی روایت ذکر کی ہے اور یہ زیادہ سچے ہیں جیسا کہ ابن حجر اور ذہبی نے کہا، اور عمری کو ذہبی نے ان لوگوں میں ذکر کیا جن کے بارے میں محدثین نے کلام فرمایا اور وہ قابل وثوق ہیں (۱/۱۱۲) اور کہا: مسلم نے عبداللہ بن عمر کی روایت متابعت میں ذکر کی ہے. احمد نے کہا: صالح الحدیث ہیں اور ابن معین نے کہا: صویلح آپ کی حدیث لکھتے ہیں اور ابن عدی نے کہا: ان میں کوئی حرج نہیں، اور نسائی نے کہا: وہ قوی نہیں۔

ابن عدی نے الکامل (۴/۱۴۱ انمبر ۱۷۶) میں کہا: احمد بن سعد نے ہم سے بیان کیا میں نے یحیی سے سنا آپ نے فرمایا عبداللہ بن عمر بن حفص: میں کوئی حرج نہیں ان کی حدیث لکھی جاتی ہے، ہم سے محمد بن علی نے بیان کیا: ہم سے عثمان بن سعید نے بیان کیا میں نے یحیی بن معین سے کہا عبداللہ عمری جب نافع سے روایت کریں تو اس روایت کا کیا حال ہے؟ فرمایا صالح ثقہ ہیں۔ اور انھوں نے یہاں نافع سے روایت کیا ہے۔ فالحمد للہ۔

جلیل سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما نے اس کو مکروہ فرمایا۔

ثالثاً: رسول اللہ ﷺ کے موذن بلال نے ایسا کیا کیوں کہ آپ نے روضۂ اقدس سے اپنے چہرہ کو مس فرمایا۔

ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۱۳۷/۷) اور غسانی نے اپنے اخبار (۴۵/۱-۴۶ نمبر ۵۷) میں ذکر کیا:

''کہ بلال نے نبی پاک ﷺ کو خواب میں دیکھا آپ نے ان سے ارشاد فرمایا:''**ماهذه الجفوة يا بلال أما اٰن لک اٰن تزورني يابلال**'' '' اے بلال! یہ کیا ظلم ہے، کیا تمہارے لیے ابھی میری زیارت کا وقت نہ آیا'' آپ خوف ودہشت کے ساتھ رنجیدہ ہو کر بیدار ہوئے اور اپنی سواری پر سوار ہو کر مدینہ منورہ طیبہ کی طرف جادہ پیما ہو گئے، جب نبی پاک ﷺ کی قبر شریف پر حاضر ہوئے اپنا چہرہ روضۂ پاک پر رکھ کر رونے لگے اتنے میں حسنین کریمین آئے اور آپ کو اپنے سینہ سے لگایا اور بوسہ لیا، اور عرض کیا: اے بلال! ہم آپ کی وہ اذان سننا چاہتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی حیات ظاہری میں سحر کے وقت دیا کرتے تھے تو آپ مسجد کی چھت پر تشریف لے گئے اور وہاں کھڑے ہوئے جہاں کھڑے ہو کر اذان دیا کرتے تھے جب اللہ اکبر اللہ اکبر کہا مدینہ منورہ میں کہرام برپا ہو گیا پھر جب **اشهد أن لا إله إلا الله** کہا: خوب چیخ وپکار بلند ہوتی پھر جب **أشهد أن محمد رسول الله** کہا: دوشیزائیں اپنے پردوں سے باہر نکلیں اور کہا: کیا رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے ہیں، تو رسول اللہ ﷺ کے بعد اس دن سے زیادہ رونے والے اور رونے والیاں دیکھی نہ گئیں۔

شوکانی نے نیل الاوطار (۱۸۰/۵) میں اس واقعہ کے بارے میں کہا: صحابہ کی ایک جماعت نے حضور ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کی ہے جن میں حضرت بلال ہیں جیسا کہ ابن عساکر نے بسند جید ذکر کیا۔ اور بہت سے علما نے اسے حسن کہا، اگرچہ ذہبی نے **سیر أعلام النبلاء** (۳۵۸/۱) میں اس کے متعلق یہ کہا: اس کی اسناد لیّن ہے اور حافظ مزی صاحب ابن تیمیہ نے اپنی کتاب تہذیب الکمال، اور امام نووی نے تہذیب الاسماء میں یہ واقعہ بلا کسی نکیر کے ذکر کیا اور ان دونوں کے علاوہ دوسرے حضرات نے بھی یہ واقعہ ذکر کیا۔

رابعا: محمد بن منکدر رسادات تابعین سے ہیں۔

حافظ ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۵۶/۵۰،۵۱) اور حافظ ذہبی نے سیر أعلام النبلاء (۳۵۸/۵،۳۵۹) میں ذکر کیا: ''کہ محمد بن منکدر جب اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھتے آپ پر سکوت طاری رہتا آپ اسی حالت میں اٹھتے اور اپنا رخسار نبی ﷺ کے روضۂ اقدس پر رکھتے پھر واپس آتے، اس بارے میں آپ کو عتاب کیا جاتا تو فرماتے مجھے ایک خطرہ درپیش ہوا جب میں نے اسے محسوس کیا تو نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس پر استغاثہ پیش کیا۔ آپ سحر کے وقت مسجد کے ایک حصہ میں آتے اور وہاں کی خاک میں لوٹ کر چت لیٹ جاتے اس بارے میں آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس جگہ (خواب میں) دیکھا ہے۔

یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ محمد بن منکدر ساداتِ تابعین کے سردار ہیں، اگر یہ اثر ضعیف، یا دین کے کسی امر کے مخالف ومزاحم ہوتی تو ذہبی محمد بن منکدر کے مناقب میں اسے ذکر نہ کرتے۔

خامسا: حسین بن عبداللہ بن عبداللہ بن حسین

حافظ سخاوی نے التحفة اللطيفة في تاريخ المدينة الشريفة (۲۹۲/۱) میں آپ کے حالات کے تحت ذکر کیا: یحی بن حسن بن جعفر نے اپنی کتاب ''أخبار المدينة'' میں کہا: ہم نے اپنے مابین آپ سے افضل انسان نہ دیکھا، آپ کے جسم میں جب کوئی شکایت وتکلیف ہوتی تو حضور کے روضۂ اقدس کی مقدس دیوار سے متصل سیدہ فاطمۃ الزہراء کے گھر میں جو پتھر تھا اسے کھولتے اور اس سے اپنا جسم مس کرتے۔

سیدنا امام احمد بن حنبل اپنا ہاتھ روضۂ اقدس پر رکھتے۔

سادسا: امام احمد بن حنبل

طبقات الحنابلہ (۲۹۳/۱-۲۹۴) میں ہے کہ محمد بن بزار نے فرمایا: میں اپنے والد عبداللہ بن احمد کے ساتھ ایک جنازہ میں شریک ہوا آپ میرا ہاتھ پکڑ کر ایک گوشہ میں کھڑے ہو گئے جب لوگ دفن سے فارغ ہوئے اور دفن کا سارا معاملہ ختم ہو گیا تو آپ روضۂ اقدس کے پاس آئے اور میرا دونوں ہاتھ پکڑ کر بیٹھ گئے، اور اپنا ہاتھ روضۂ اطہر پر رکھ کر یہ عرض کیا: اے اللہ تو نے اپنی سچی کتاب میں فرمایا:

﴿ فَأَمَّآ إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ٥ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ وَّجَنَّةُ نَعِيمٍ ٥ وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنْ

أَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ٥ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ أَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ٥ وَأَمَّآ إِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ٥ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ٥ وَتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ٥ ﴾ [الواقعہ-۵۶:۸۸ تا۹۴]

ترجمہ:''پھر وہ مرنے والا اگر مقربوں میں سے ہے تو راحت اور پھول اور چین کے باغ۔اور اگر دہنی طرف والوں سے ہوتو اے محبوب تم پر سلام ہے دہنی طرف والوں سے اور اگر جھٹلانے والوں گمراہوں میں سے ہوتو اس کی مہمانی کھولتا پانی اور بھڑکتی آگ میں دھنسانا''۔

آخری سورت تک یہ آیت تلاوت فرمائی اور یہ دعا کی اے اللہ! میں شہادت دیتا ہوں کہ اس فلاں بن فلاں نے تجھے جھٹلایا،اور تجھ پر اور تیرے رسول علیہ السلام پر ایمان رکھتا تھا۔اے اللہ اس کے حق میں ہماری شہادت قبول فرما،آپ دعا فرمانے کے بعد واپس تشریف لائے''۔

اس سے واضح ہے کہ یہ چیز امام احمد بن حنبل کے فعل سے ثابت ہے۔

امام احمد نے روضۂ نبوی شریف کا بوسہ لینا جائز قرار دیا ہے:

حافظ عراقی نے فرمایا: حافظ ابوسعید علائی نے مجھ سے فرمایا: میں نے امام احمد بن حنبل کے فرزند کے کلام کا ایک قدیم جز دیکھا جس میں ابن ناصر وغیرہ حفاظ کی یہ تحریر تھی کہ امام احمد سے نبی ﷺ اور دوسرے حضرات کی قبروں کے بوسہ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں۔ہم نے ابن تیمیہ کو یہ تحریر دکھائی تو اس سے تعجب کر کے کہنے لگا: میرے نزدیک امام احمد بن جلیل ہیں وہ یہ کہہ رہے ہیں؟

اس نے کہا اور اس میں کون سا تعجب ہے!

اور عبداللہ بن امام احمد بن حنبل کی کتاب العلل ومعرفۃ الرجال (۴۹۲/۲) میں ہے: میں نے اپنے والد امام احمد بن حنبل سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا جو نبی کریم ﷺ کا منبر مبارک تحصیل برکت کے لیے چھوئے اور اسے بوسہ لے،اور آپ کے روضۂ اطہر کے ساتھ ایسا ہی کرے یا اس طرح اور کوئی چیز صرف تقرب الی اللہ کے لیے کرے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں۔

اور حافظ ذہبی نے **سیر أعلام النبلاء** (۲۱۲/۱۱) میں اس امر کو تاکید کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے کہا:

''عبداللہ بن امام احمد بن حنبل نے فرمایا: میں نے اپنے والد (امام احمد بن حنبل) کو دیکھا آپ نبی پاک ﷺ کا موئے مبارک اپنے دہن سے لگاتے، اوراسے بوسہ دیتے، اور میرا گمان ہے کہ میں نے آپ کو اسے اپنی آنکھوں سے لگاتے، اور پانی میں ڈال کر اس کا دھوون پیتے اور اس سے شفا حاصل کرتے دیکھا۔

اور میں نے دیکھا کہ آپ نبی کریم ﷺ کا کاسہ شریف لے کر پانی کے ایک بڑے گھڑے میں اسے دھوتے پھر اس کا دھوون پیتے، اور میں نے آپ کو بغرض شفا آب زمزم شریف نوش کرتے، اور اسے اپنے ہاتھوں اور چہروں پر ملتے دیکھا۔

میں (علامہ ذہبی) کہتا ہوں: امام احمد کی شان میں غلو اور اس روشن حقیقت کا انکار کرنے والے کہاں ہیں؟ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ عبداللہ نے اپنے والد امام احمد بن حنبل سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو نبی پاک ﷺ کے منبر شریف کی لکڑی اور حجرہ نبویہ کو (بطور برکت) چھوتا اور چومتا ہے؟ تو فرمایا: میں اس میں کوئی حرج نہیں دیکھتا، اللہ عزوجل ہمیں اور آپ کو خوارج کی رائے اور اہل بدعات سے پناہ بخشے''۔ (ذہبی کا کلام ختم ہوا)

میں کہتا ہوں: اللہ آپ کو ہدایت پر قائم رکھے ذرا حافظ ذہبی کا یہ قول ملاحظہ فرمائیں: ''امام احمد کی شان میں غلو اور اس روشن حقیقت کا انکار کرنے والے کہاں ہیں؟'' اور ابن تیمیہ کا وہ کلام بھی ملاحظہ کیجئے جسے علائی نے نقل کیا: ''میرے نزدیک احمد جلیل ہیں یہ فرمارہے ہیں؟

اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ابن عبدالہادی مقدسی ابن تیمیہ کے تلمیذ نے العقود الدریۃ (۳۳۷/۱-۳۳۸) میں ابن تیمیہ کی بعض ایسی اختراعی باتیں ذکر کیں جو مذاہب اربعہ کے مخالف ہیں ان میں سے یہ ہے: کہ متمتع کو صفا اور مروہ کے درمیان سعی کافی ہے جیسا کہ قارن اور مفرد کے حق میں کافی ہے اور یہ امام احمد بن حنبل کی ایک روایت ہے۔

ابن عبدالہادی نے کہا: امام ابن حنبل سے آپ کے بیٹے عبداللہ نے اسے روایت کیا، اور امام احمد کے

بہت سے اصحاب یہ روایت نہیں جانتے۔

میں کہتا ہوں: سبحان اللہ! امام احمد کی ایک روایت آپ کے عظیم اصحاب حنابلہ پر کئی صدی تک پوشیدہ رہی، ابن تیمیہ نے آ کر اسے واضح و روشن کیا؟ اور امام احمد کے ثابت شدہ قول و فعل پر ابن تیمیہ کو سخت حیرت واستعجاب ہوا، اور یہ دعوی کیا کہ سارے ائمہ اس پر متفق ہیں کہ نبی پاک کے روضۂ اطہر کو نہ چھوا جائے۔ **لاحول ولاقوۃ إلاباللہ العلی العظیم.**

سابعا: ابراہیم حربی

آپ امام احمد کے اکابر اصحاب سے ہیں، اور تمام حنابلہ یہی نقل کرتے آئے کہ آپ کے نزدیک نبی ﷺ کے روضۂ اقدس کا بوسہ لینا مستحب ہے۔ (کشف القناع ۲/۱۵۰-۱۵۱)

ابن تیمیہ حافظ عبدالغنی کی بہت تعریف کرتا ہے۔

ثامنا: حافظ عبدالغنی مقدسی حنبلی

علامہ کوثری نے **السیف الصقیل** (ص۱۸۵) میں کہا:

> میں نے حافظ ضیاء مقدسی حنبلی کی کتاب ''الحکایات المنثورۃ'' (جو ظاہر یہ دمشق کی لائبریری میں نمبر ۹۸ کے تحت محفوظ ہے) میں آپ کی یہ تحریر دیکھی کہ: آپ نے حافظ عبدالغنی مقدسی حنبلی سے یہ فرماتے سنا کہ: آپ کے بازو میں پھوڑے کے مشابہ کوئی چیز نکل آئی جس کے علاج سے عاجز و پریشان رہے بالآخر امام احمد بن حنبل کی قبر پر تشریف لے گئے، اور آپ کی خاک قبر اس پر ملی تو شفایاب ہو گئے اور دوبارہ مرض عود نہ کیا۔

توضیح:

بعض علمائے اہل سنت نے یہ فتوی دیا کہ نبی ﷺ کے روضۂ اقدس کو چھونا مکروہ ہے مگر جس پر شدت حال کا غلبہ ہے اس کے لیے یہ کراہت نہیں، یہ افتا نبی کریم ﷺ کی بارگاہ کے ادب کے پیش نظر ہے۔ اس خوف کے سبب نہیں کہ یہ مفضی الی الشرک ہے، اس لیے کہ ابن تیمیہ سے پہلے سارے علما کا کلام رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ کے

آداب کی اتباع میں ظاہر وروشن ہے،اور ہماری ذکر کردہ دلیلوں سے استحباب نہ سہی مگر اتنا ضرور واضح ہے کہ نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر کا بوسہ لینا جائز ہے،اوراس بارگاہ کے آداب بجالانا بھی لازم ہے۔

لیکن والعیاذ باللہ تعالی جن لوگوں کا مقصد صرف یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ کے روضۂ مبارک ،اورآپ کی امت کے افعال وافہام پر بالکلیہ پابندی عائد کردی جائے تاکہ ہر شخص انہیں کی فہم کے مطابق امت کوکافر ومشرک کہےتو ایسےلوگوں کے بارے میں اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿وَ قَالُوْا مَهْمَا تَأْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾

[الاعراف-۷:۱۳۲]

ترجمہ:۔’’اور بولےتم کیسی بھی نشانی لے کر ہمارے پاس آؤ کہ ہم پراس سے جادو کرو،ہم کسی طرح تم پر ایمان لانے والےنہیں‘‘۔

اورفرمایا:

﴿وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ﴾ [التوبہ-۹:۴۸]

ترجمہ:۔’’اوراےمحبوب تمہارے لیےتدبیریں الٹی پلٹیں‘‘۔

﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ [آل عمران-۳:۱۷۳]

اوراللہ ہم کوبس ہےاور کیا اچھا کارساز۔

تنبیہ: صحابہ کرام نے روضۂ اقدس کے چھونے،اور چومنے سے متعلق جو کچھ جانا اور عمل کیا ان وسوسہ پیدا کرنے والوں کا طریقۂ عمل اس سے بالکل ہی الگ تھلگ ہے۔

امام بخاری نے اپنی صحیح (۱/۴۵۷) میں روایت کیا کہ عثمان بن حکم نے کہا: خارجہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ایک قبر پر بیٹھایا،اور مجھے اپنے چچا یزید بن ثابت کے بارے میں خبر دی کہ انھوں نے فرمایا کہ ’’إنما کره ذلک لمن أحدث علیه‘‘ ’’(قبر پر بیٹھنا صرف اس کے لیے مکروہ ہے جو قبر پر حدث یعنی پاخانہ وپیشاب کرے)۔

اورنافع نے فرمایا:عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما قبروں پر بیٹھتے تھے۔

اورامام مالک نے مؤطا (۲۳۳/۱) میں روایت کیا کہ ”أن علی بن طالب کان یتوسل القبور و یضطجع علیھا“ (علی بن ابوطالب قبروں پر ٹیک لیتے، اوران پر لیٹتے)۔

امام مالک نے فرمایا: ہماری رائے میں صرف قضائے حاجت کی خاطر قبروں پر بیٹھنے سے منع کیا گیا، اور اسی لیے امام مالک اورامام ابوحنیفہ نے یہ فتوی دیا کہ قبروں پر بیٹھناممنوع ہے، اوراس سے ان کی مراد یہ ہے کہ پیشاب اور پاخانہ کے لیے بیٹھنا[1] ہے، لیکن اگراس کے علاوہ اورکسی مقصد کے لیے بیٹھا جائے تواس باب میں ممانعت وارد نہیں۔

ان حضرات نے زید بن ثابت کی درج ذیل مرفوع روایت سے استدلال واستفادہ کیا:

”نبی پاک ﷺ نے صرف پاخانہ یا پیشاب کے لیے قبروں پر بیٹھنے سے منع فرمایا“ اس حدیث کی اسناد

(۱) أقول وباللّٰہ التوفیق: فقیہ اعظم ہندحضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

”صحیح یہ ہے کہ قبر پر بیٹھنا مکروہ تحریمی ہے کہ احادیث میں اس پر وعید آئی ہے۔ البتہ بعض علما نے قرأت قرآن کے لیے بیٹھنے کی اجازت دی ہے“۔ (فتاوی امجدیہ ۳۶۱/۱ و۳۶۲)

فقیہ فقید المثال مجدد اعظم سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

”نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

لأن یجلس أحدکم علی جمرة فتحرق ثیابه حتی تخلص إلی جلده خیر له من أن یجلس علی قبر. رواہ مسلم وأبوداود والنسائي وابن ماجة عن سیدناأبي هریرة رضي الله تعالی عنه. (سنن أبي داود کتاب الجنائز ۲ /۱۰۴) (آفتاب عالم پریس)

ترجمہ: ”بے شک آدمی کوآگ کی چنگاری پر بیٹھا رہنا یہاں تک کہ وہ اس کے کپڑے جلا کر جلد تک توڑ جائے اس کے لیے اس سے بہتر ہے کہ قبر پر بیٹھے۔ اسے مسلم وابوداود ونسائی وابن ماجہ نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا“۔

عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں:

رانی رسول الله ﷺ جالساعلی قبرفقال یاصاحب القبرانزل من علی القبر لاتؤذ صاحب القبرولایؤذیک“.

میں تمام راوی ثقہ ہیں۔

ترجمہ:۔ ''مجھے رسول اللہ ﷺ نے ایک قبر پر بیٹھے دیکھا تو فرمایا: اے قبر پر بیٹھنے والے قبر سے اتر اور قبر والے کو تکلیف نہ دے اور وہ تجھے تکلیف نہ دے''۔

(شرح معانی الآثار باب الجلوس علی القبور ۱/۳۴۶ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی)

اور امام محمد رحمہ اللہ تعالی نے اپنی مسند میں یوں روایت کیا: عمرو بن حزم کو نبی ﷺ نے ایک قبر سے تکیہ لگاتے دیکھا فرمایا:

'' لاتؤذصاحب القبر كمافي المشكاة'' ترجمہ:۔ ''صاحب قبر کو ایذا نہ دے جیسا کہ مشکاۃ میں ہے''

(مشكاة المصابيح باب دفن الميت فصل ثالث ۱/۱۴۹ مطبع مجتبائی دہلی)

مزید احادیث وابحاث پیش فرما کر ارشاد فرماتے ہیں:

انھیں احادیث سے ہمارے علما رحمۃ اللہ تعالی علیہم نے بےضرورت قبر پر چلنے اور اس پر بیٹھنے اور پاؤں رکھنے سے منع فرمایا کہ یہ سب حرمت مومن کے خلاف، ترک ادب وگستاخی ہے۔

ففي النوادروالتحفة والبدائع والمحيط وغيرهما أن أباحنيفة كره وطيء القبر والقعودأوالنوم أوقضاء الحاجة عليه كذا نقل العلامة ابن أمير الحاج في الحلية.

ترجمہ:۔ ''تو نوادر، تحفہ، بدائع اور محیط وغیرہ میں ہے کہ ابوحنیفہ نے قبر کا روندنا، بیٹھنا، سونا اس پر قضاے حاجت کرنا مکروہ کہا ایسا ہی ابن امیر الحاج نے حلیہ میں نقل کیا''۔

أقول والكراهة عندالإطلاق كراهة التحريم كما صرحوا به مع مايفيده من النهي الواردفي الأحاديث معللا بالإيذاء حرام فهذا ماندين الله تعالى به وإن قيل وقيل.

ترجمہ:۔ ''میں کہتا ہوں جب کراہت مطلق ہو تو کراہت تحریم مراد ہوتی ہے جیسا کہ فقہا نے تصریح کی ہے پھر اس نہی سے بھی تائید ہوتی ہے جو احادیث میں ایذا کی علت سے متعلق وارد ہے اور ایذا حرام ہے پس دیانت داری کی بات یہی ہے اب خواہ کوئی کچھ کہتا رہے''۔

مزید تحقیقات کے بعد فرمایا:

''فقد قال في الفتح يكره الجلوس على القبرووطوء ه فمايضعه الناس ممن دفنت أقاربه ثم دفن حواليهم خلق من وطاء ة تلك القبورإلى أن يصل إلى قبر قريبه مكروه''.

ترجمہ:۔ ''چنانچہ فتح میں کہا: قبر پر بیٹھنا اور اس کو روندنا مکروہ ہے تو وہ لوگ جن کے رشتہ داروں کے گرد دوسروں

کی قبریں ہوں ان کا ان قبروں کو روندنا اپنے قریبی رشتہ داروں کی قبر تک پہنچنے کے لیے مکروہ ہے۔(القدیر فصل في الدفن ۱۰۲/۲ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

امام محدث حافظ الحدیث ابوبکر بن ابی الدنیا حضرت ابوقلابہ رضی اللہ تعالی عنہ سے راوی:

" أقبلت من الشام إلى البصرة فنزلت الخندق فتطهرت وصليت ركعتين بالليل ثم وضعت رأسي على قبر فنمت ثم انتبهتُ فإذابصاحب القبريشتكي ويقول اذيتني منذ الليلة".

ترجمہ:۔"یعنی میں ملک شام سے بصرہ کو آتا تھا۔رات کو خندق میں اترا،وضو کیا اور دو رکعت نماز پڑھی، پھر ایک قبر پر سر رکھ کر سو رہا جب جاگا تو ناگاہ سنا کہ صاحب قبر شکایت کرتا اور فرماتا ہے کہ تو نے رات بھر مجھے ایذا پہنچائی"۔الخ

(شرح الصدور بحوالہ ابن أبي الدنيا باب ماينفع الميت في قبره ص۱۲۸۔خلافت اکیڈمی منگورہ سوات)

ابن ابی الدنیا اور امام بیہقی دلائل النبوۃ میں حضرت عثمان نہدی سے وہ مینا تابعی سے راوی:

"میں مقبرے میں گیا دو رکعت پڑھ کر لیٹ رہا،خدا کی قسم!میں خوب جاگ رہا تھا کہ سنا صاحب قبر کہتا ہے: "قم فقداذيتني"(اٹھ کہ تو نے مجھے ایذا دی)

(دلائل النبوة للبيهقي باب ماجاء في الرجل الخ ۴۰/۷ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

امام حافظ ابن مندہ قاسم بن مخیمرہ سے راوی:

"کسی شخص نے ایک قبر پر پاؤں رکھا،قبر سے آواز آئی:"إليك عني ولاتؤذني"اے شخص میرے پاس سے جا مجھے تکلیف نہ دے"(شرح الصدور باب تاذیۃ بسائر الوجوہ ص۱۲۶)

ذكرهما العلامة السيوطي في شرح الصدور أقول وفيهما تاييد لما عليه عامة علماء نا خلافا للإمام أبي جعفر ومن تابعه من بعض المتأخرين

ترجمہ:۔علامہ سیوطی علیہ الرحمہ نے ان دونوں روایتوں کو شرح الصدور میں ذکر فرمایا اُقول:ان دونوں روایتوں سے اسی کی تائید ہوتی ہے جس پر عامہ علما ہیں برخلاف ابوجعفر اوران کے تابع بعض متاخرین کے۔

ان ساری شہادتوں سے صاف ظاہر ہے کہ اکثر علما اس پر ہیں کہ بے ضرورت قبر پر بیٹھنا مطلقاً حرام ہے اس لیے کہ اس

حافظ ابن حجر کی فتح الباری (۳/۲۲۴)اورحافظ طحاوی کی شرح معانی الآثار(۱/۵۱۶، ۵۱۷) مطالعہ کریں۔

ابن تیمیہ اپنے دل ودماغ میں نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے متعلق ایسا تصور وخیال رکھتا ہے جس سے رونگٹے تھرا جائیں،

اس نے اپنے مجموع الفتاوی (۲۷/۳۲۴-۳۲۵) میں کہا:

''عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی حیات میں بہت سے لوگ آپ سے حدیث سننے،اور حکم شرع پوچھنے، اورآپ کی زیارت وملاقات کے لیے جاتے،مگرکوئی شخص قبرمکرم کے پاس نماز ودعاوغیرہ کے لیے نہ جاتا بلکہ بسااوقات بعض لوگ آپ سے یہ درخواست کرتے کہ آپ انہیں قبروں کی زیارت کرادیں،تو آپ بعض حضرات کوقبروں کی زیارت کراتیں''۔

میں کہتا ہوں:

﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ صحابہ وتابعین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے یہ درخواست کرتے کہ آپ انہیں روضۂ رسول ﷺ کی زیارت کرادیں تاکہ قبر شریف کے نورانی جلووں سے اپنی نگاہوں کولطف اندوز کریں،اورآپ سے برکت حاصل کریں،اور نبی پاک ﷺ کے روضۂ کے مماثل چیزوں کودیکھ کراپنی قبروں کے ساتھ بھی ویساہی کریں،مگرابن تیمیہ ان حضرات پر یہ تہمت لگاتا اوران کا یہ تصور دلاتا ہے کہ افضل الخلق ﷺ سیدہ

میں ایذ اواہانت مومن ہےاورایذ اواہانت مومن حرام ہےاس لیے عامہ علما کے قول کوترجیح ہوئی اس لیے کہ فقہاے کرام نے ارشادفرمایا:

'' العمل بماعليه الأكثر، وأنه لا يعدل عن رواية ماوافقها دراية فكيف إذا كان هو الأشهر والأظهر الأكثر الأزهر وبهذا يضعف مازعم العلامة البدرفي العمدة فتبصر''

ترجمہ:''کہ عمل اس پر ہوگا جس پر اکثر ہیں اور یہ کہ درایت کے موافق روایت سے عدول نہ کیا جائے گا تو پھر اس سے عدول کیوں کر جائز ہوگا جو اشہر،اظہر،اکثر اوراَوضح ہے،اوراسی سے ''عمدہ'' میں علامہ بدر کا زعم ضعیف قرار پاتا ہے،تو غور کیجئے۔''(ملخصاً فتاوی رضویہ ۹/۴۴۴ تا ۴۵۲ رضافاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ)

(مترجم)

عائشہ کے جس حجرہ میں آرام فرما ہیں اس حجرہ میں والعیاذ باللہ تعالی یہ لوگ صرف اور صرف زیارت کے لیے جاتے ''**أستغفر الله العظيم**'' گویا آپ کا روضۂ اقدس آثار وسیاحت گاہ ہے۔ ﴿**أَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ**﴾ [ہود-۱۱:۱۸] ''سنو ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے''۔

ذرا دیکھیں ابن تیمیہ کہہ رہا ہے:

''نماز ودعا وغیرہ کے لیے نہ جاتے''

ہم ماسبق میں ذکر کر چکے کہ صحابہ وتابعین روضۂ پاک پر جا کر وہاں کی مقدس خاک اپنے چہروں پر ملتے۔

ابونعیم نے حلیہ (۲۶۲/۹) میں تخریج کیا کہ ابوسلیمان دارانی نے کہا: جب اویس حج کے لیے گئے تو مدینہ میں داخل ہوئے، جب مسجد نبوی کے دروازہ پر کھڑے ہوئے تو آپ سے بتایا گیا: یہ نبی ﷺ کا روضۂ پاک ہے، یہ سن کر آپ پر غشی طاری ہوگئی، جب ہوش آیا تو فرمایا: مجھے یہاں سے لے چلیں اس لیے کہ میرے شہر اس شہر اقدس کی طرح نہیں جہاں محمد ﷺ اپنے روضۂ اقدس کے اندر جلوہ آرا ہیں۔

﴿**إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ**﴾ ......﴿**إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ**﴾ ......﴿**إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ**﴾

(۵۹) جو شخص نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں سلام پیش کرتا ہے آپ اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں

مگر ابن تیمیہ کی نظر میں اس جواب کی کوئی اہمیت نہیں

اس نے مجموع الفتاوی (۳۹۶،۳۹۵/۲۷) میں کہا:

''جب مسلمان اپنی نماز میں حضور پر درود بھیجتا ہے تو اگرچہ حضور اس سلام کا جواب نہ دیں لیکن اللہ اس پر دس سلامتی نازل فرماتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ حضور نے فرمایا: ''جو ایک بار مجھ پر سلام بھیجے گا اللہ اس پر دس سلامتی نازل فرماتا ہے'' تو اللہ سلام کی اس سے بہتر جزا عطا فرماتا ہے جو سلام کے جواب سے حاصل ہوتی ہے، جس طرح کوئی شخص حضور پر ایک بار درود بھیجے اللہ اس پر اس درود کے عوض دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، ابن عمر آپ پر سلام پیش کر کے واپس چلے آتے، وہاں کھڑے ہو کر نہ اپنے لیے دعا کرتے اور نہ ہی حضور کے لیے''۔

میں کہتا ہوں:

رسول اللہ ﷺ کے خلاف یہ کیا جنگ وجدال ہے، میں تو کہتا ہوں:

(۱) یہ کیسی تلبیس ہے، کیا اللہ عزوجل نے یہ شرط رکھی ہے کہ وہ دس سلامتی اس وقت نازل نہ فرمائے گا جب کوئی نبی ﷺ پر سلام پیش کرے اور آپ اس کے سلام کا جواب عنایت فرمائیں، اور کس شخص نے یہ کہہ دیا کہ رسول اللہ ﷺ اگر سلام کا جواب عنایت فرمائیں گے تو اللہ دس سلامتی نازل نہ فرمائے گا۔

(۲) بندہ پر اللہ عزوجل کا دس سلامتی نازل فرمانا، دراصل حضور اقدس ﷺ کی اولاً تکریم شان ہے، پھر ثانیاً آپ کے وسیلہ سے اس شخص کی بھی تکریم شان ہے جو آپ سے محبت رکھے۔ ایسا اس لیے ہے تا کہ اس محبّ صادق کے محبت رسول میں خوب خوب اضافہ ہو۔

جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزا ناز دوا اٹھائے کیوں (امام احمد رضا قدس سرہ)

(۳) نبی پاک ﷺ اپنی امت کے سلام کا جواب دیتے ہیں اس میں کچھ ایسی خصوصیتیں اور فضیلتیں ہیں جنہیں صرف اللہ ہی جانتا ہے ان میں سے ایک خصوصیت وفضیلت یہ ہے کہ آپ پر سلام پیش کرنے والا غلام آپ کے پیش نظر رہے، اور آپ کی خاص توجہ وعنایت اس پر سایہ فگن رہے، اس لیے کہ آپ کا عاشق آپ کی بارگاہ میں (۱) سلام (۲) رحمت (۳) اللہ عزوجل کی برکتیں پیش کرتا ہے کیوں کہ وہ عرض کرتا ہے: ''**السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته**''

حضور اقدس ﷺ اس سلام کے جواب میں ''وعلیک السلام'' فرماتے ہیں آپ کی بارگاہ سے دائمی سلامتی کی دعا صرف اس خوش عقیدہ کو حاصل ہوتی ہے جس کا سینہ آپ کی محبت سے سرشار اور عشق سے مالا مال ہوتا ہے۔

(۴) جب کوئی شخص رسول پاک ﷺ پر سلام پیش کرتا ہے تو اللہ عزوجل اس پر دس سلامتی نازل فرماتا ہے، تو اللہ عزوجل کے اس سلام اور ملائکہ، اور رسول اللہ ﷺ کے سلام کے درمیان خلط نہ کیا جائے۔ مجھے بتایا جائے کہ کیا کسی شخص کا یہ کہنا صحیح ہے کہ میرا مقصود اللہ کی رضا وخوشنودی ہے، اور یہ رسول پاک ﷺ کی رضا سے افضل ہے ایسا شخص اللہ عزوجل کے ان روشن ارشادات کا مصداق ہے:

﴿وَيُرِيدُونَ أَنْ يُّفَرِّقُوا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ﴾ [النساء-۴:۱۵۰]

ترجمہ: ''اور چاہتے ہیں کہ اللہ سے اس کے رسولوں کو جدا کردیں''۔

﴿ إِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ﴾
[المنافقون-۶۳: ۵]

ترجمہ: ''اور جب ان سے کہا جائے کہ آؤ رسول اللہ تمہارے لیے معافی چاہیں تو اپنے سر گھماتے ہیں''۔

﴿فَإِنَّ اللّٰـهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصٰلِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ﴾
[التحریم-٦٦:٤]

ترجمہ:۔''تو بے شک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک ایمان والے اور اس کے بعد فرشتے مدد پر ہیں''۔

ابن تیمیہ کا مقصد صاف صاف ظاہر ہے کہ آپ کی بارگاہ میں دعا کرنا مستجاب ہونے کی دلیل نہیں، اگر نبی پاک ﷺ سلام کا جواب نہ دیں تو اللہ کی دس سلامتی تم پر نازل ہوگی، اور یہ نبی ﷺ کے جواب سے افضل ہے۔اس لیے آپ کی بارگاہ میں جانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ یہاں بیٹھے رہنا زیادہ اچھا ہے کہ اللہ کی دس سلامتی تم پر نازل ہورہی ہے، پھر نبی پاک ﷺ کی بارگاہ سے سلام کا جواب، کسی مسلمان یا مومن کی قبر کے سلام کے جواب جیسا ہے اس میں نبی پاک کی کوئی فضیلت وخصوصیت نہیں۔مسلمانوں انصاف سے بتاؤ ایسے شخص کا کیا حکم ہے جو شہد میں زہر چھپا کر ایسی بیہودہ باتیں کرتا، اور ایسے ناپاک معانی پیش کرتا ہے۔

(۵) ابن تیمیہ کے کلام کا مقصد صاف ظاہر ہے کہ نبی ﷺ کی امت آپ کی بارگاہ میں درود نہ بھیجے، اور نہ وہاں ذکر وتسبیح کرے، صرف قرآن تلاوت کرے، تو پھر صحابیِ رسول کے اس عرض کا کیا معنی ہے: ''كم أجعل لک من صلاتي'' اے اللہ کے رسول میں آپ کی بارگاہ میں کس قدر درود پیش کروں''. حضور اقدس نے اس کا جواب ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا:''إذا تكفي همک يغفر ذنبک'' اس وقت تمہارے اس درود کی برکت تمہارا غم کافور کر کے تمہارا مقصد برلائے گی، اور تمہارا گناہ بخش دیا جائے گا۔

(٦) صاف واضح ہے کہ ابن تیمیہ اس آیت کریمہ کے پس منظر سے بالکل غافل وجاہل ہے:

''يـأيها الذين اٰمنوا استجيبوا لله وللرسول إذا دعاكم لما يحييكم واعلموا أن الله يحول بين المرء وقلبه'' (الأنفال ۲۴پ۹ع۱۷)

ترجمہ:۔''اے ایمان والو! اللہ ورسول کے بلانے پر حاضر ہو جب رسول تمہیں اس چیز کے

لیے بلائیں جو تمہیں زندگی بخشے گی اور جان لو کہ اللہ کا حکم آدمی اور اس کے دلی ارادوں میں حائل ہو جاتا ہے''۔

یہ آیت کریمہ ایک صحابی رسول ﷺ کی شان میں وارد ہے جنھیں نبی ﷺ نے پکارا اور آپ نماز میں مشغول تھے، آپ نماز چھوڑ کر بارگاہ رسالت میں حاضر نہ ہوئے، اس پر نبی پاک ﷺ نے فرمایا دعوت و پکار پر کیوں نہ آئے؟ تو آیت مذکورہ بالا اتری۔ کیا نبی پاک ﷺ نے اپنے اس صحابی سے یہ فرمایا، تمہارے رب کے ساتھ تمہاری نماز افضل ہے، یا خود اللہ عزوجل نے ابن تیمیہ کے ناپاک مقصد کی تکذیب فرما کر اس کی ساری جڑیں کاٹ دیں۔

(۷) ابن تیمیہ کا یہ کلام ابھی گزرا: ''جب کوئی مسلمان اپنی نماز میں آپ پر دورد بھیجتا ہے تو اگر چہ آپ اسے جواب نہ دیں'' آخر ابن تیمیہ کے پاس اس کی کیا دلیل ہے کہ نبی پاک ﷺ سلام پیش کرنے والے کے سلام کا جواب نہیں دیتے نبی معصوم ﷺ نے تو یہ ارشاد فرمایا:

'' مامن أحد يسلم علي إلا وقد رد الله علي روحي حتى أسلم عليه. ''(رواہ ابوداود کذا فی الترغیب)

ترجمہ:۔''جب بھی کوئی مجھ پر سلام پیش کرتا ہے اللہ عزوجل میری روح مجھ پر پیش فرماتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں''۔(مشکاۃ المصابیح ۲/۴۹۹)

یہ ایک نص قطعی ہے جس میں تاویل کا احتمال نہیں، ابن تیمیہ اس نص قطعی کے ہوتے ہوئے کس جرأت و بے باکی سے کہہ رہا ہے: ''اگر چہ آپ اسے جواب نہ دیں اللہ اس پر دس سلامتی نازل فرماتا ہے اور اس کے لیے اللہ کا سلام نبی ﷺ کے سلام سے افضل ہے''۔

کیا نبی پاک ﷺ نے اس حدیث پاک کے اندر اندرون نماز، یا بیرون نماز فرمایا....صحابہ رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین اور ان کے ساتھ جو حضرات رسول اللہ ﷺ کی حیات میں تھے خواہ وہ مدینہ منورہ میں، یمن، اطراف شام یا اور کسی گوشہ عالم میں رہے ہوں، اور رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد سے اب تک تمام اہل ایمان، اور ہم

تمام مومنین نماز میں ایک ہی صیغہ سے، واضح خطاب کے ساتھ یوں سلام پیش کرتے ہیں: **السلام علیک أیها النبي ورحمة اللّٰه وبرکاته** اے نبی آپ پر اللہ کی سلامتی اور اس کی رحمت، اور اس کی برکتیں ہوں۔

(٦٠)ابن تیمیہ رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں کی تحریف کرتا ہے،اورآپ کی بارگاہ میں عرض سلام،اوراس سلام کے جواب کی کوئی اہمیت نہیں دیتا

میں تقی الدین حصنی کی کتاب ''**دفع شبه من تشبه وتمرد ونسب ذالک للامام أحمد**'' مطالعہ کررہا تھا جس میں آپ نے ان سرکش لوگوں کے غلط شبہات کا ازالہ فرمایا جنھوں نے اپنے باطل شبہات امام احمد کی طرف منسوب کیے۔ آپ نے ابن تیمیہ کے بعض کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا: ''یہ شخص نبی پاک،اور آپ کے دونوں ساتھی،اوراسی طرح آپ کی امت سے اس لیے دلی کینہ رکھتا ہے تاکہ آپ کی امت آپ کے روضۂ اقدس کی زیارت کے سبب حاصل ہونے والے خیروبرکت سے محروم رہے،ایسے شخص اوراس کے اس آراستہ کلام سے بھی پرہیز لازم ہے جس کے پس پردہ بدترین قباحتیں پوشیدہ ہیں''۔

اورآپ نے یہ بھی فرمایا:

''اس شخص کا معاملہ یہ ہے کہ اگرکوئی چیز اپنی خواہش،اورخبث باطن کے مطابق پاتا ہے اسے ذکرکرتا ہے۔ اوراسے خوب مزین وآراستہ کرکے کشادہ کلام کرتا ہے، اوراگراپنے خلاف کوئی چیز پاتا ہے اسے چھوڑ دیتا ہے،یااسے ایسے محمل پرمحمول کرتا ہے جس سے اہل نقل پراس کی جہالت وتدلیس کا حال روشن ہوجاتا ہے،بعض مقامات پرتامل اوربعض جگہ بلاتامل ہی یہ معلوم ہوجاتا ہے''۔

رسول اکرم ﷺ کی شان اقدس میں ابن تیمیہ کی کچھ گستاخیاں مجھے معلوم ہوئیں جن میں سے اس کی ایک گستاخی وہ ہے جسے مجموع الفتاوی (۲۷/۴۱۳) میں افترا کرتے ہوئے لکھا:

> ''صحابہ رضوان اللہ علیہم کو یہ بخوبی معلوم تھا کہ حضورکی قبرکے پاس آپ پر جوسلام پیش کیا جاتا ہے،جس کے بارے میں حضور نے فرمایا:''جب بھی کوئی مسلمان مجھ پرسلام پیش کرتا ہے اللہ عزوجل میری روح مجھے واپس فرمادیتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اس کے سلام

کا جواب دیتا ہوں'' یہ حضور ہی کی خصوصیت اور فضیلت نہیں، بلکہ ہر زندہ و مردہ مسلمان کے حق میں یہ سلام مشروع ہے۔ اور اللہ عزوجل سلام پیش کرنے والے پر دس سلامتی نازل فرماتا ہے جیسا کہ آپ پر کوئی درود پیش کرے تو اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے اس امر مشروع کا حکم بھی آیا ہے یہ افضل، بے حد نفع بخش، کامل ترین ہے جس میں کسی طرح کا کوئی فساد نہیں یہ جہد عبادت حضور ہی کے ساتھ خاص نہیں، اور نہ ہی اس بات کا حکم ہے کہ صرف آپ کی خاطر مسافت سفر طے کی جائے بلکہ آپ پر صلاۃ وسلام اور آپ کی قبر کے پاس دعا کی نیت کا قصد وارادہ ہی درحقیقت آپ کی قبر کو عید بنانا ہے''۔

میں کہتا ہوں: ابن تیمیہ نے کس زندیق سے یہ افترا پردازی سیکھی ہے:

اولاً: اس نے نبی پاک ﷺ کو فضائل وخصائص سے خالی قرار دیا اور **ثانیاً**: اپنے ظالمانہ فہم کی نسبت اور اس کا تعلق صحابہ سے کر رہا ہے (کہ صحابہ بھی یہی جانتے تھے) اور **ثالثاً**: اپنی گفتگو کا آغاز اس جملہ سے کیا: (صحابہ یہ جانتے تھے) تاکہ زیرک وصاحب فہم سامع یا قاری کہیں یہ نہ سمجھ لے کہ یہ ابن تیمیہ کا زہر افشاں باطل کلام ہے اور اس پر عمل پیرانہ ہو اسی ناپاک مقصد کے لیے صحابہ کی طرف اپنے سوئے فہم کی نسبت کر رہا ہے۔ اور عوام کا حال تو یہ ہے کہ وہ بر سر منبر حدیث وسنت بیان کرنے والے کے بارے میں حسن ظن رکھتی ہے۔

اللہ عزوجل کی عطا کردہ طاقت وقدرت سے اس باطل کلام کا رد سنیں اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿وَيۡلَكُمۡ لَا تَفۡتَرُوۡا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسۡحِتَكُمۡ بِعَذَابٍ وَقَدۡ خَابَ مَنِ افۡتَرٰى﴾

[طٰہٰ-۲۰:۶۱]

ترجمہ:۔''تمہیں خرابی ہو اللہ پر جھوٹ نہ باندھو کہ وہ تمہیں عذاب سے ہلاک کر دے اور بے شک نامراد رہا جس نے جھوٹ باندھا''۔

أقول: ابن تیمیہ نے کہا کہ: ''صحابہ خوب جانتے تھے کہ یہ سلام حضور کی خصوصیت وفضیلت نہیں'' یہ کلام دو حادثوں پر مشتمل ہے:

پہلا: یہ کہ ابن تیمیہ نے رسول اللہ ﷺ کے تقریبا ایک لاکھ صحابہ عظام پر افترا کیا، بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداود، نسائی، ابن ماجہ، مالک، احمد، ابن ابوشیبہ، ابن حبان، حاکم، طبرانی، ابن ابوعاصم اور بیہقی وغیرہم، کی تصریحات میں کسی ایک صحابی کے بارے میں وہ یہ دکھلا دے کہ انھوں نے یہ فرمایا ہو کہ: جب کوئی شخص نبی ﷺ پر سلام پیش کرتا ہے تو رفیق اعلی کی بارگاہ سے آپ کی روح آپ پر اس سلام کا جواب دینے کے لیے پیش کی جاتی ہے اس میں حضور کی کوئی خصوصیت وفضیلت نہیں۔

دوسرا: یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو ایسے عظیم ووافر آداب سے مالا مال فرمایا جن کی خود فاجروں نے شہادت دی پھر ابن تیمیہ اپنے افترا کے ذریعہ سارے صحابہ کو مجروح کر رہا ہے، اوران پر یہ حکم لگا رہا ہے کہ صحابہ کو یہ معلوم تھا کہ جو حضور پر سلام پیش کرتا ہے تو رفیق اعلی کی بارگاہ سے آپ کی روح آپ پر سلام کا جواب دینے کے لیے پیش کی جاتی ہے۔ یہ حضور کی خصوصیت وفضیلت نہیں۔

ایسا لگ رہا ہے کہ یہ ایسے شخص کے بارے میں کلام کر رہا ہے جو اس کے ہاتھ میں قید وگرفتار ہے، اور گویا والعیاذ باللہ تعالیٰ اسے اس لیے بھیجا گیا ہے تا کہ اپنی خواہش کے مطابق نبی کریم ﷺ کے فضائل وخصائص محدود کرے۔

ہم کہتے ہیں:

بخدا کبھی کوئی صحابی ابن تیمیہ کی ان تاریکیوں اور گستاخیوں میں نہ پڑے، اگر ابن تیمیہ کے زمانہ کے قاضیوں کے سامنے اس کا یہ کلام پیش کیا جاتا تو اسے عرصہ دراز تک قید رکھتے، اگرچہ قید کے دوران ہی اس کی قضا آجاتی صحابہ کرام نے ہرگز ایسا نہ فرمایا بلکہ ان حضرات نے تو یہی فرمایا: ”**واللّٰہ مافرغنامن دفن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالی علیه وسلم حتی وجدنا في أنفسنا النقص**“ کہ بخدا جب ہم رسول اللہ ﷺ کے دفن سے فارغ ہوئے تو اپنے اندر کمی اور خلا محسوس کیا، اور یہ دیکھا کہ رسول پاک کی آمد آمد کے وقت مدینہ منورہ کے جو ذرے روشن تھے آپ کے وصال کے وقت تاریک ہو گئے۔

کیا یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ صحابہ رضوان اللہ تعالی علیہم کسی کو نبی کریم ﷺ کے مقابل ٹھہرائیں گے لاحول

ولاقوۃ إلاباللہ العلي العظیم۔

یہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم وہ ہیں جنھوں نے عبداللہ بن ابی کو اس وقت دندان شکن جواب دیا جب اس نے نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں یہ گستاخانہ جملہ کہا: " **إلیک عني واللہ لقدآذاني نتن حمارک** " میرے پاس سے چلے جایئے خدا کی قسم آپ کے دراز گوش کی بدبو سے مجھے اذیت وتکلیف ہورہی ہے۔ یہ سن کر ایک انصاری صحابی نے جوش غیظ وغضب میں اس گستاخ رسول کو یہ کفر شکن، ایمان افروز اور باطل سوز جواب دیا " **واللہ لحمار رسول اللہ ﷺ أطیب ریحامنک** " خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ کے دراز گوش (گدھا) کی خوشبو تجھ سے کہیں زیادہ اچھی ہے۔(۱)

یہ حضرات صحابہ کرام وہ ہیں جنھوں نے حضور اقدس کی بارگاہ میں ہرقل بادشاہ کا یہ حقیقت وعقیدت اور محبت کشا کلام نقل فرمایا۔ جب ہرقل کے پاس رسول اللہ ﷺ کا خطاب پہنچا تو اس نے آپ کا بلیغ خطاب سن کر یہ کہا: بلاشبہ آپ ایک نبی ہیں، مجھے یقین سے معلوم ہے کہ آپ خروج فرمائیں گے اور میرا گمان یہ نہیں کہ وہ آپ حضرات میں سے ہیں، اور اگر میں یقین سے جانتا کہ آپ کی بارگاہ تک پہونچ سکوں گا تو ضرور آپ کی زیارت وملاقات کو پسند کرتا، اور اگر آپ کی خدمت میں ہوتا تو آپ کے پائے اقدس دھوتا، اے لوگو! یقین جانو آپ کی حکومت وبادشاہت میرے زیر قدم زمین تک ضرور پہونچے گی۔(۲)

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالی عنہ نے سچ فرمایا، گویا آپ ابن تیمیہ کا کلام سماعت فرمارہے تھے، عبادابن از ہرابورواع فرماتے ہیں: میں نے عثمان سے دوران خطاب یہ فرماتے سنا: ہم صحابہ سفر وحضر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتے، آپ ہم میں سے بیماروں کی تیمارداری، اور مزاج پرسی فرماتے، اور ہمارے جنازوں میں تشریف لے جاتے، اور کم وبیش کے ذریعہ ہماری مالی ہمدردی فرماتے، اور بے شک کچھ لوگ مجھے آپ کے بارے میں اس طرح بتاتے ہیں جس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان میں سے کسی نے حضور کو کبھی دیکھا

---

(۱) بخاری نے صحابی کے اس قول کی تخریج انس سے کی (۹۵۸/۲)

(۲) بخاری (۱۶۵۸/۴) ومسلم (۱۳۹۵/۳) نے ہرقل کے قول کی تخریج کی۔

ہی نہیں۔(۱)

ہم کہتے ہیں: کیا ابن تیمیہ نے یہ نہ کہا کہ:''آپ کی قبر کے پاس جا کر آپ پر سلام پیش کرنا جس کے بارے میں خود حضور نے فرمایا جب بھی کوئی مسلمان مجھے سلام پیش کرتا ہے اللہ عزوجل اس کے سلام کا جواب دینے کے لیے مجھ پر میری روح پیش فرماتا ہے، یہ حضور ہی کی خصوصیت وفضیلت نہیں''ابن تیمیہ نے اس کلام کے اندر نبی کریم ﷺ کے حق نبوت ورسالت میں حد ادب سے تجاوز کیا ہے، اور زندیقوں، اوباشوں، بدباطنوں اور منافقوں کے لیے عام دروازہ کھول دیا ہے کہ رسول پاک کی شان میں جو گستاخ بدباطن دریدہ دہن جس طرح چاہے گستاخی اور دریدہ دہنی کرے، اور خود ابن تیمیہ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ زندیق ومنافق اور جن کے دلوں میں کوئی بیماری ہے انہیں نام پاک محمد (ﷺ) کس درجہ سخت ناگوار وناپسند ہے، یہ لوگ حضور کے خصائص وفضائل وکمالات کا ذکر سخت ناگوار وناپسند کرتے ہیں جسے ہر مسلمان وکافر اور نزدیک ودور والا اچھی طرح جانتا ہے۔

ہمارے تین تعقب (تین گرفتیں):

پہلا تعقب: جس وقت نبی پاک ﷺ نے فرمایا:''**مامن أحد يسلم علي إلارد الله علي روحي**''
جب کوئی بھی مسلمان مجھ پر سلام پیش کرتا ہے اللہ عزوجل مجھ پر میری روح پیش فرماتا ہے، کیا آپ نے بے ضرورت، یا زائد، یا ایسا کلام فرمایا جس کے بارے میں اس سے پہلے کسی قائل نے یہ کہا:''آپ مجھ سے مختصر کلام فرمائیں'' یا اس کلام سے حضور کا مقصود یہ تھا کہ آپ عام امتی کی طرح ہیں جب کہ اللہ عزوجل نے حضور اقدس کی ازواج مطہرات کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا:

﴿لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ [الاحزاب-۳۳:۳۲]

ترجمہ:''تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو''۔

(۱) عثمان بن عفان کے اثر کی تخریج امام احمد (۱/۶۹) اور ضیاء نے المختارۃ (۱/۴۸۰، ۴۸۱) میں کی۔ ھیثمی نے مجمع الزوائد (۷/۲۲۸) میں کہا: اس کو امام احمد اور ابو یعلی نے کبیر میں روایت کیا، اور ان دونوں کے رجال (راوی) صحیح کے راوی ہیں مگر عباد بن ازھر اور یہ ثقہ ہیں۔

جب نبی پاک کی ازواج طاہرات کی یہ شان ہے تو کیا رسول اللہ ﷺ عام امتی کی طرح ہوں گے جن کے بارے میں اللہ کے سوا کوئی یہ نہیں جانتا کہ ان کا انجام جنت ہے یا جہنم، یا نبی پاک ﷺ کا اس ارشاد سے یہ مقصود ہے کہ تم مجھ پر کثرت سے سلام بھیجو تا کہ بکثرت جواب سے تم سرفراز کیے جاؤ۔ حضور اقدس ﷺ کو یقین سے یہ معلوم ہے کہ کوئی شخص آپ کے اعلیٰ مقام تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا ہے اس لیے آپ ﷺ اپنی قبر انور میں جلوہ بار رہ کر رفیق اعلیٰ کی بارگاہ میں ٹھیک اسی وقت امت کے سلام کا جواب اس طرح ارشاد فرماتے ہیں کہ اس کی کیفیت صرف اللہ ہی جانتا ہے۔

أنت الذي من نورک البدر اکتسی والشمس مشرقة بنور بهاکا

أنت الذي لما رفعت إلى السما بک قد سَمَتْ وتزينت لسراکا

أنت الذي ناداک ربک مرحبا ولقد دعاک لقربه وحباکا

أنت الذي فينا سألت شفاعة ناداک ربک لم يکن لسواکا

۱۔ آپ کی وہ روشن ذات ہے جس کے فیض نور سے ماہ کامل کو نور کا لبادہ ملا، اور آپ کے حسن عالمتاب کے حسین انوار اور پر نور ضیاؤں سے خورشید فلک کو روشنی ملی۔

۲۔ آپ کی وہ بلند ذات ہے جسے آسمان کی سیر کرائی گئی تو آپ کے سفر معراج کے سبب آسمان کو رفعت و بلندی اور زیب و زینت حاصل ہوئی۔

۳۔ آپ کی وہ محبوب و مقبول اور مکرم و مقرب ذات ہے جسے آپ کے رب نے مرحبا (خوش آمدید) فرما کر پکارا، اور آپ کو اپنے قرب خاص میں بلا کر اپنی خاص عطاؤں سے نوازا۔

۴۔ آپ کی وہ ذات رحمت ہے جس نے اپنے رب سے ہماری بخشش و شفاعت کا سوال فرمایا تو آپ کو آپ کے رب نے "یا محمد ارفع رأسک" (اے محمد! ﷺ اپنا سر سجدے سے اٹھائیے) فرما کر ندا فرمائی اور فتح باب شفاعت کے تاج رفعت سے سرفراز فرمایا جو آپ کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔

دوسرا تعقب: ابن تیمیہ کے نزدیک رفیق اعلی کی طرف حضور کا سفر عام انسان کی موت کے مساوی ہے اس کا یہ زعم ہے کہ نبی ﷺ کا کوئی امتی جب آپ کی امت کے کسی مردہ انسان کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے اورا سے پہچان کر سلام کرتا ہے تو وہ مردہ بھی اس کے سلام کا جواب دیتا ہے' ابن تیمیہ کے اس کلام سے صاف ظاہر ہے کہ اس کے نزدیک نبی ﷺ اور آپ کی امت برابر ہیں ان میں کوئی فرق نہیں.....اس کے اس فہم میں نہ صرف سوئے ظن بلکہ مقام نبوت کی سخت توہین ہے کیوں کہ یہ امر ثابت شدہ ہے کہ انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اوران حضرات کی حیات قبران شہدا کی حیات سے بھی کامل ہے جنہیں ان کے رب کی بارگاہ سے رزق ملتا ہے۔

تیسرا تعقب: رسول اللہ ﷺ جس وقت بندہ کے سلام کا جواب دیتے ہیں آپ جسم وروح اور اپنی حقیقی حیات کے ساتھ جواب دیتے ہیں اس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے' آپ یقیناً زندہ ہیں آپ کی حقیقی زندگی شہدا، اور شب معراج واسرا میں ملاقات کرنے والے انبیائے کرام کی حیات سے کم نہیں۔ چاہے یہ وہ انبیاے کرام ہوں جو اپنی قبروں میں مشغول نماز تھے، یا بیت المقدس، یا آسمان بالا میں حضور نے جن کی امامت فرمائی ہے۔

عام مردہ انسان کا حال یہ ہے کہ اس کا جسم بوسیدہ اور خاک آلود ہوجاتا ہے صرف اس کی روح سلام کا جواب دیتی ہے مگر نبی رحمت ﷺ جسم وروح کے ساتھ دہن نبوت ورسالت سے سلام کا جواب دیتے ہیں تو پھر عام انسانوں سے آپ کی ذات کا تقابل کیسا؟ عام انسان کا حال تو یہ ہے کہ اس کا جسم قبر میں ایسا بوسیدہ ہوجاتا ہے کہ کوئی اس کی بوئے قبر نہیں پاسکتا، اللہ عزوجل ہمیں عفو وعافیت بخشے، اوران حضرات کے کرم سے مالا مال فرمائے جن کا جسم کھانا زمین کے لیے حرام فرمادیا گیا ہے جب نبی پاک ﷺ اور آپ کے سلام کی یہ شان ہے تو پھر آپ کی خصوصیت وفضیلت کا انکار کیوں کر ممکن ہے، پھر کہاں اس رسول مکرم کا سلام جن کی قبر پر رحمت وانوار کی ایسی پیہم بارش ہوتی رہتی ہے جسے صرف اللہ ہی جانتا ہے، اور کہاں اس عام مردہ کے سلام کا جواب جو اپنے رب کی رحمت کا محتاج ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ اللہ کی مخلوق میں سب سے افضل اپنے روضۂ اطہر میں زندہ ہیں، رفیق اعلی کی طرف حضور کے سفر فرمانے کے بعد بھی کسی زندہ انسان کا آپ سے تقابل ممکن نہیں چہ جائیکہ کسی مردہ مسلمان سے۔

مگر افسوس ابن تیمیہ کا حال یہ ہے کہ اس مسئلہ میں حضور کا ایک مردہ مسلمان سے تقابل کر رہا ہے۔ **سبحانک هذا بهتان عظيم۔**

ابن تیمیہ اور اس کے کفش برداروں پر ہم یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ مسلمان کا بارگاہ رسالت میں سلام پیش کرنا، اور اس سلام کے جواب کے لیے آپ پر آپ کی روح کا پیش کیا جانا، آپ کی ایسی اہم خصوصیت وفضیلت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ آپ کی خصوصیت کے اسباب حسب ذیل ہیں:

الف: آپ کے روضۂ پاک میں آپ کے زندہ جسم کی طرف آپ کی روح رفیق اعلی کی بارگاہ سے پیش کی جاتی ہے، کیا رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی اور کے لیے بھی یہ خصوصیت ثابت ہے؟

ب: نبی پاک کی بارگاہ میں آپ کا کوئی جاں نثار جب سلام محبت پیش کرتا ہے آپ اسے سماعت فرماتے ہیں۔ کیا آپ کے علاوہ کسی اور کے لیے بھی یہ خصوصیت ثابت ہے؟

ج: آپ اپنے عاشقوں کے سلام کا جواب دیتے ہیں، اور اس کے لیے رحمت و برکت اور سلامتی کی دعا فرماتے ہیں اگر چہ ہزاروں یا کروڑوں ہوں۔

آپ کی فضیلت (1) یہ ہے کہ رفیق اعلی کی بارگاہ سے آپ پر خاص انعام واکرام کی بارش ہوتی ہے، آپ

---

(۱) آپ کا مقام یہ ہے کہ رب عزوجل نے ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّآ أَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ﴾ [الکوثر-۱۰۸:۱]

اے محبوب بے شک ہم نے تمہیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں (پ۳۰ رع ۳۳ رآیت ا رالکوثر)

فرمایا: ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى﴾ [الضحیٰ-۹۳:۵]

اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے (پ۳۰ رع ۱۸ رآیت ۵ رالضحیٰ)

فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيْهِمْ﴾ [الفتح-۴۸:۱۰]

وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں تو وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

فرمایا: ﴿وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾ [الانفال-۸:۱۷]

اور اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی۔

اپنے رب سے اذن شفاعت طلب فرمائیں گے، رفیق اعلی کی بارگاہ قدس میں آپ کو ایسا خاص قرب، اور ایسی خاص محبوبیت حاصل ہے کہ عاشقوں کے سلام کا جواب دینے کے لیے آپ پر آپ کی روح پیش کی جاتی ہے۔ آپ کی فضیلت وکمال یہ بھی ہے کہ آپ اپنی امت کے بے حد حریص اور بے پناہ چاہنے والے ہیں، یہاں

فرمایا: ﴿وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ﴾ [الشرح-۹۴:۴]

اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔

فرمایا: ﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی o فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ أَوْ أَدْنٰی﴾ [النجم-۵۳:۹،۸]

پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا پھر خوب اتر آیا تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم

فرمایا: ﴿قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِکَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا﴾ [البقرہ-۲:۴۴]

ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا۔ تو ضرور تمہیں پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی ہو۔

فرمایا: ﴿تَبَّتْ یَدَآ أَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ o مَآ أَغْنٰی عَنْهُ مَالُهُ وَمَا کَسَبَ﴾ [المسد-۱۱۱:۲،۱]

تباہ ہو جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ ہو ہی گیا اسے کچھ کام نہ آیا اس کا مال اور نہ جو کمایا۔

فرمایا: ﴿لَا أُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ o وَأَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ﴾ [البلد-۹۰:۲،۱]

مجھے اس شہر کی قسم کہ اے محبوب تم اس شہر میں تشریف فرما ہو۔

فرمایا: ﴿وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَ أَنْتَ فِیْهِمْ﴾ [الانفال-۸:۳۳]

اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو۔

فرمایا: کل یطلب رضائي وأنا أطلب رضاءک. (حدیث قدسی)

ہر شخص میری رضا چاہتا ہے، اور میں تیری رضا چاہتا ہوں۔

امام عشق ومحبت مجدد اعظم سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

زہے عزت و اعتلائے محمد | کہ ہے عرش حق زیر پائے محمد
عصائے کلیم ازدہائے غضب تھا | گروں کا سہارا عصائے محمد
خدا کی رضا چاہتے ہیں دوعالم | خدا چاہتا ہے رضائے محمد

تک کہ شب اسرا میں کمال عبودیت سے سرشار ہو کر اپنی امت کی شفاعت و بخشش کے لیے اپنے رب سے یہ عرض کیا" أمتـــي أمتـــي" (میری امت کو بخش دے، میری امت کو بخش دے)، اور قیامت کے دن زیر عرش رب العالمین کی بارگاہ میں سر بسجود ہو کر اس کی حمد وثنا فرما کر اللہ عزوجل سے اپنی امت کی بخشش وشفاعت کے لیے "أمتي أمتي" عرض کریں گے (اے میرے رب! میری امت کو بخش دے، اے میرے رب! میری امت کو بخش دے)

ایک اہم گزارش: نبی پاک ﷺ کا یہ ارشاد بھی گزرا کہ آپ نے فرمایا:" **مامن أحد يسلم علي إلا رد اللــه علـي روحي حتى أرد عليـه السلام**" یعنی جب کوئی بھی مسلمان مجھ پر سلام پیش کرتا ہے، اللہ عزوجل اس سلام کا جواب دینے کے لیے مجھ پر میری روح پیش فرماتا ہے" ابن تیمیہ نے اس حدیث کو ایک خاص مقصد کے تحت نقل کیا ہے جس کے پس پردہ ایسے ناپاک مقاصد پوشیدہ ہیں جنہیں عام انسان آسانی نہیں جان سکتا ہم آئندہ سطور میں انہیں واضح کریں گے۔

رب ہے معطی یہ ہیں قاسم — رزق اس کا ہے کھلاتے یہ ہیں
قصر دنا تک کس کی رسائی — جاتے یہ ہیں آتے یہ ہیں
إنـا أعـطينـاك الـكـوثـر — ساری کثرت پاتے یہ ہیں
میرے مولی کی ہے بس شان عظیم
جانور بھی کریں جن کی تعظیم
سنگ کرتے ہیں ادب سے تسلیم
پیڑ سجدے میں گرا کرتے ہیں
(مترجم)

(٦١) ابن تیمیہ نے ایک حدیث میں کھلی ہوئی تحریف کی اور ناپاک امید واصرار کے ساتھ اس تحریف کردہ حدیث کو گیارہ مرتبہ ذکر کیا

ابن عباس نے فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**مامن أحد مر بقبر أخيه المومن كان يعرفه في الدنيا فسلم عليه إلاعرفه ورد عليه السلام**".

جو شخص بھی اپنے مومن بھائی کی قبر سے گزرتا ہے جسے وہ دنیا میں پہچانتا تھا، اور اسے وہ سلام کرتا ہے تو قبر میں اس کا مومن بھائی اسے پہچان لیتا ہے، اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے"۔(١)

صرف حافظ ابن عبدالبر (٣٦٨-٤٦٣ھ) نے "الاستذکار" میں اس حدیث کو روایت کیا جس کے الفاظ یہ ہیں:

"آپ نے کہا ابوعبداللہ عبید بن محمد نے قرأت علی الشیخ کے طریقے پر ماہ ربیع الاول ٣٩٠ھ میں ہمیں یہ خبر دی کہ فاطمہ بنت ریان مستملی نے مصر میں اپنے گھر پر ماہ شوال ٣٤٢ھ میں اس حدیث کا املا کرایا اور فرمایا کہ ربیع بن سلیمان موذن تلمیذ امام شافعی نے کہا، ہم سے بشر بن بکیر نے اوزاعی سے روایت کر کے کہا کہ عطا نے عبید بن عمر سے یہ روایت کی کہ ابن عباس نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**مامن أحد مر بقبر أخيه المومن كان يعرفه في الدنيا فسلم عليه إلاعرفه ورد عليه السلام**"

جو شخص بھی اپنے مومن بھائی کی قبر سے گزرتا ہے جسے وہ دنیا میں پہچانتا تھا، اور اسے وہ سلام کرتا ہے تو قبر میں اس کا مومن بھائی اسے پہچان کر اس کے سلام کا جواب دیتا ہے"۔

اور عبدالحق اشبیلی کی **الأحكام** میں ہے کہ: ابوعمر بن عبدالبر نے الاستذکار میں روایت کیا اور اسی

(١) اس حدیث "جو شخص بھی اپنے مومن بھائی کی قبر سے گزرتا ہے" کو ابن عبدالبر نے الاستذکار (١٦٥/٢) (مؤسسة الرسالة) میں ذکر کیا، اور اس کی تصحیح (جس سے ابن تیمیہ اور ابن قیم نے استدلال کیا) عبدالحق اشبیلی کی الأحکام (٥٦٤/٢) (مکتبة الرشید ریاض) میں مذکور ہے۔

سندکوذکرکرکے کہا کہ:ابن عباس نے فرمایا کہ:رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"**مامن أحد مر بقبر أخيه المومن كان يعرفه في الدنيا فسلم عليه إلاعرفه ورد عليه السلام**".

جوشخص بھی اپنے مومن بھائی کی قبر سے گزرتا ہے جسے وہ دنیا میں پہچانتا تھا،اوراسے وہ سلام کرتا ہے تو قبر میں اس کا مومن بھائی اسے پہچان کراس کے سلام کا جواب دیتا ہے"۔الخ

ابن تیمیہ نے یہ حدیث گیارہ مرتبہ نقل کی اوراس میں کھلی ہوئی تحریف کی ،اوراپنی طرف سے تحریف کرتے ہوئے اس حدیث کو یوں روایت کیا:**مامن رجل يمر بقبر الرجل الذي كان يعرفه في الدنيا فيسلم عليه إلارد الله عليه روحه**".

"جوشخص بھی ایسے آدمی کی قبر سے گزرتا ہے جسے وہ دنیا میں پہچانتا تھااوراسے سلام کرتا ہے،

تواللہ اس کی روح اس پرلوٹا دیتا ہے"۔

ابن تیمیہ نے حافظ ابن عبدالبر کے حوالہ سے اس حدیث کی تصحیح نقل کی، اوراپنی درج ذیل کتابوں میں آٹھ مرتبہ اسے درج بالاعبارت کے ساتھ ذکرکیا:

"(الردعلی البکری ۱/۲۴۷،۴۵۴)،اقتضاء الصراط ۱/۳۲۶،مجموع الفتاوی ۱/۳۵۱،۴/۲۹۵،

۲۴/۱۷۳،۳۶۴،اوراپنی کتاب منہاج ۲/۴۴۲)"

اورتین مرتبہ ان کتابوں میں ذکرکیا:

"زیارۃ القبور ۱/۱۶،اورمجموعۂ فتاوی ۲۴/۳۰۳، ۲۷/۲۷"

مقام افسوس یہ ہے کہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر (۳/۴۳۹) میں ابن تیمیہ کی اتباع کی،اورایسا ہی ابن قیم کے حاشیہ(۱۱/۹۱)،اوربدائع الفوائد (۲/۴۰۰)اورالروح (۱/۵) میں ہے۔ابن کثیراورابن قیم نے حافظ ابن عبدالبر،یاعبدالحق اشبیلی کی تصحیح حدیث نقل کی۔

آفتاب روزروشن کی طرح واضح ہے کہ یہ جملہ: "**إلارد الله عليه روحه**" (ترجمہ:۔"مگراللہ اس کی روح اس پرلوٹا دیتا ہے") حافظ ابن عبدالبر کی صریح حدیث میں نہیں،اورنہ ہی

دیگر محدثین نے اسے روایت کیا، ابن تیمیہ اوراس کے تلامذہ نے ایک جھوٹی حدیث وضع کی، اوراسے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیا۔ناظرین کرام واضعین حدیث کے وضع حدیث کا یہ کارنامہ ملاحظہ کریں:

آخرابن تیمیہ اوراس کے تلامذہ نے کیوں وضع کیا؟

اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ حضوراقدس ﷺ کا ابھی یہ ارشادگزرا:"**مامن أحد یسلم علي إلارد الله علي روحي حتی أرد علیه السلام**".

"کوئی شخص جب مجھ پرسلام پیش کرتا ہےتو اللہ عزوجل اس کے سلام کا جواب دینے کے لیے مجھ پر میری روح پیش فرماتا ہے"۔

دراصل ابن تیمیہ یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ اس حدیث میں نبی پاک ﷺ کی کوئی خصوصیت نہیں کیوں کہ جس طرح حضور پرآپ کی روح پیش کی جاتی ہے عام مردہ کی روح بھی اس پر پیش کی جاتی ہے،تو روح لوٹانے میں صرف حضور ہی کی کوئی خصوصیت نہیں۔

ابن تیمیہ اوراس کے کفش برداروں کے کذب کاراز، اوران کامنظّم ناپاک منصوبہ آپ پر واضح ہوگیا ہوگا۔

ابن تیمیہ کے کذب وافترااوروضع واختراع کو جاننے کے لیے گزشتہ اوراق کا مطالعہ کریں، جہاں اس نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کومبتدع قراردینے کے دوران حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ پر یہ ناپاک افترا کیا کہ آپ نے کعب احبار سے یہ جملہ کہا:"**یاابن الیھودیة**"(اے یہودیہ کے بیٹے)۔

إناللّٰه وإناإلیه راجعون ولاحول ولا قوة إلا باللّٰه العلي العظیم.

(٦٢) ابن تیمیہ نے اپنی کتابوں میں ایک بار بھی سرکار کا ارشاد: ''بل الرفیق الأعلی ''(بلکہ رفیق اعلی) ذکر نہ کیا، ہاں آپ کے سلام سماعت فرمانے کی ایک خاص حد مقرر کی

ابن تیمیہ نے اپنے مجموعۂ فتاوی (۲۷/۳۲۴) میں کہا:

''یہ سلام اس شخص کے لیے مشروع ہے جو حجرہ کے اندر سلام پیش کرے، اور نبی جس سلام کا جواب دیتے ہیں وہ یہی قریب کا سلام ہے، لیکن مطلق سلام جو حجرہ کے باہر یا اور کسی جگہ سے پیش کیا جائے وہ اس سلام کی طرح ہے جو نماز میں آپ پر پیش کیا جاتا ہے، اور یہ آپ پر درود پیش کرنے کی طرح ہے، اور اللہ ہی اس شخص پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے جو آپ پر ایک بار درود پیش کرے، اور جو ایک بار آپ پر سلام پیش کرے اس پر سلامتی نازل فرماتا ہے ''مابین بیتي ومنبري روضة من ریاض الجنة'' (میرے گھر اور منبر کے درمیان جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے) یہ صحیحین کا لفظ ہے، اور ''قبري'' (میری قبر) کا لفظ صحیح میں نہیں کیوں کہ اس وقت کوئی قبر نہ تھی''۔

ابن تیمیہ نے اس بات پر کافی زور دیا کہ اگر کوئی شخص حجرہ شریفہ کے باہر سے آپ پر سلام پیش کرے تو آپ اس سلام کو سماعت نہیں فرماتے جیسا کہ مجموعۂ فتاوی (۲۷/۳۸۳،۳۸۴) میں کہا:

''اور اب یہ گفتگو باقی ہے، کیا یہ قبر کے پاس پیش کیا جانے والا سلام ہے، جیسا کہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے حجرہ میں داخل ہونے والے حضور پر سلام پیش کرتے، یا یہ حکم حجرہ کے اندر اور باہر دونوں کو شامل ہے، جن لوگوں نے اس (حدیث) سے استدلال کیا دونوں کو شامل مانا، جب کہ آپ قریب ہی کا سلام سنتے ہیں، اور دور کا صلاۃ وسلام ملائکہ آپ کے پاس

پہنچاتے ہیں جیسا کہ نسائی کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: "**إن للّٰه ملائكة سياحين يبلغوني عن أمتي السلام**" بیشک اللہ کے کچھ سیر وسیاحت کرنے والے ملائکہ ہیں جو میری امت کا سلام میرے پاس پہنچاتے ہیں"۔

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ کی مسلسل یہی کوشش رہتی ہے کہ لوگ نبی پاک ﷺ کی شرف زیارت سے محروم و بے فیض رہیں، ابن تیمیہ کے لیے پیچیدہ اور پریشان کن مسئلہ یہ ہے کہ وہ اس بات کی تصدیق نہیں کرنا چاہتا کہ انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں حقیقی حیات کے ساتھ زندہ ہیں، اوراس سے بھی پیچیدہ اور دشوار گزار امر یہ ہے کہ اس کا اس بات پر ایمان ہی نہیں کہ دورونزدیک سے آپ کی بارگاہ بیکس پناہ میں نذرعقیدت اور گلہائے محبت پیش کرنا اورآپ سے رابطہ وتعلق رکھنا جائز ہے۔

ہم کہتے ہیں:

(ا) کس دلیل سے یہ معلوم ہوا کہ صرف حجرہ شریفہ کے اندر ہی سلام پیش کرنا مشروع ہے اور حجرہ اقدس کے باہر سے نہیں۔

ابن تیمیہ کا کلام ابھی گزرا کہ اس نے کہا: نبی پاک جس سلام کا جواب دیتے ہیں اس سے مراد قریب کا سلام ہے' اس کے اس کلام کا معنی اچھی طرح ظاہر ہے وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ نبی پاک صرف حجرہ کے اندر ہی سلام سنتے ہیں اسی لیے اس سلام کا جواب دیتے ہیں...لیکن حجرہ کے باہر کا سلام تو نہیں سنتے۔ابن تیمیہ کا یہ کلام باطل محض ہے، اسی کے کلام کے مطابق ہم اس سے کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص آپ کی حیات ظاہری میں حجرہ کے باہر سے اتنی بلند آواز سے آپ کو پکارتا، اور سلام پیش کرتا کہ آپ سن لیں تو کیا وصال فرمانے کے بعد اب ایسے سلام کی آواز نہ سنیں گے، پھر فرض کیجئے کسی نے لاؤڈ اسپیکر استعمال کیا اور حجرہ سے کافی فاصلہ پر درود وسلام پیش کیا تو کیا نبی ﷺ اس سلام کی آواز نہ سنیں گے بلکہ حجرہ کے اندر ہی سے سنیں گے۔ "**نستغفر اللّٰه من هذه العبارات**"۔

جب حجرہ نبوی شریف مثلاً ۳×۵ میٹر ہو، اورآپ خود کو ایسے کمرہ میں تصور کریں جس کی مساحت و پیمائش

اسی حجرہ نبوی کی مقدار ہو، تو کیا آپ کے لیے یہ تخیل جائز ہوگا جو ابن تیمیہ کی مراد ہے کہ رسول اللہ ﷺ صرف حجرہ کے اندر ہی سے سلام سنتے ہیں۔

(۲) ابن تیمیہ بالکلیہ اس سے غافل ہے کہ دنیا میں نبی پاک ﷺ کا سننا، اور دیکھنا دوسروں کے دیکھنے اور سننے سے بالکل مختلف اور جداگانہ ہے، خود رسول اللہ ﷺ نے اس فرق سماعت اور اختلاف رویت کو روشن فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

" إني أرى مالا ترون وأسمع مالا تسمعون".

ترجمہ:۔''میں اسے دیکھتا ہوں جسے تمہاری آنکھیں نہیں دیکھتیں اور میں اسے سنتا ہوں جسے تمہارے کان نہیں سنتے''۔

اور اپنے صحابہ سے مخاطب ہوکر فرمایا:

"هل تسمعون ماأسمع،هل تسمعون ما أسمع"

ترجمہ:۔''کیا تم اسے سنتے ہو جسے میں سنتا ہوں، کیا تم اسے سنتے ہو جسے میں سنتا ہوں''۔

جب نبی پاک کی ظاہری حیات طیبہ میں آپ کے سماع کا یہ حال تھا کہ آپ ایسی چیزیں سماعت فرماتے جنہیں عام مخلوق کے کان سننے سے عاجز ودرماندہ رہتے تو کیا رفیق اعلی کی بارگاہ میں جانے کے بعد آپ کی سماعت قلیل اور کمزور[1] ہو گئی کہ ابن تیمیہ اس سماع کی حد چند میٹر مقرر کررہا ہے۔

کیا اسے نہیں معلوم کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک حدیث میں مقرب بارگاہ بندہ کے سماع کا حال ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

(۱) مجدد اعظم سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

دور ونزدیک کے سننے والے وہ کان — کان لعل کرامت پہ لاکھوں سلام

ابن تیمیہ کو معلوم ہونا چاہئے کہ نبی اکرم سید عالم ﷺ کا یہ سننا اور دیکھنا صرف ظاہری حیات طیبہ ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ وصال شریف کے بعد بھی آپ کا سننا اور دیکھنا آپ کی ظاہری حیات طیبہ ہی کی طرح ہے اس لیے کہ یہ امر صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ انبیائے کرام اپنی قبروں اور آرام گاہوں میں زندہ ہیں جیسا کہ شب معراج میں اس کی تحقیق گزری کہ

صحیح حدیث میں وارد ہے کہ حضور ﷺ قدس سید عالم انے فرمایا:''مررت بموسى ليلة أسري بي وهو قائم يصلي في قبره ''یعنی میں شب معراج موسی (علیہ السلام) کے پاس سے گزرا وہ اپنی قبر میں کھڑے ہوکر نماز پڑھ رہے تھے (صحیح ابن حبان ۱/۲۴۲)

امام مسلم نے روایت کیا:

" عن جابر أن رسول الله ﷺ قال عرض علي الأنبياء فإذا موسى ضرب من الرجال كأنه من رجال شنوءة ورأيت عيسى ابن مريم فإذا أقرب من رأيت به شبها عروة بن مسعود ورأيت إبراهيم فإذا أقرب من رأيت به شبها صاحبكم"(صحيح مسلم كتاب الإيمان: باب الاسراء برسول الله ﷺ إلى السماوات)

ترجمہ:۔''حضرت جابر نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھ پر انبیا پیش کیے گئے میں نے موسی کو دیکھا وہ قبیلہ شنوءۃ کے لوگوں کی طرح تھے، اور میں نے عیسی ابن مریم کو دیکھا جن سے عروہ بن مسعود بہت زیادہ مشابہ ہیں، اور میں نے ابراہیم کو دیکھا تمہارے پیغمبران سے بہت زیادہ مشابہ ہیں''۔

امام مسلم نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کیا:

" سرنا مع رسول الله ﷺ بين مكة والمدينة فمررنا بواد فقال أي واد فقالوا وادي الأزرق قال فقال كأني أنظر إلى موسى عليه السلام فذكر من لونه وشعره شيئا لم يحفظه داؤد واضعا أصبعيه في أذنيه جوار إلى الله بالتلبية مارًا بهذا الوادي "(صحیح مسلم کتاب الإیمان: باب الاسراء برسول اللہ ا إلی السماوات)

ترجمہ:۔''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک وادی سے گزرے آپ نے پوچھا یہ کون سی وادی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: یہ وادی ازرق ہے، آپ نے فرمایا: گویا کہ میں موسی علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں، پھر آپ نے ان کا رنگ اور بالوں کی کیفیت بیان فرمائی جو راوی حدیث داود کو یاد نہ رہی اور پھر فرمایا: حضرت موسی اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں رکھ کر اللہم لبیک کی صدا لگاتے ہوئے اس وادی سے گزر رہے ہیں''۔

تو پھر جب نبی پاک ﷺ اپنے وصال کے بعد بھی زندہ ہیں تو آپ کا دیکھنا اور سننا آپ کی حیات ظاہری کی طرح حدیث

" كنت سمعه الذي يسمع به وبصره الذى يبصر به" (اشعۃ اللمعات ج۲ ص۱۹۴،۱۹۵)

ترجمہ:۔"میں اس بندہ کا کان ہوجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اوراس کی آنکھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے"۔

ہم پوچھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی شان رفیع کے متعلق ابن تیمیہ کے دل میں کیا ہے،ابن تیمیہ کے کلام کے بموجب،اس کا معنی یہ ہے کہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں گلہائے سلام پیش کرنے کی خاطر جانے کا کوئی فائدہ نہیں،اس لیے کہ آپ حجرہ کے اندر ہیں،اورسیدہ عائشہ کے روز وصال سے کوئی اس حجرہ میں داخل نہ ہوا یہاں تک کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالی عنہ کے دورخلافت میں یہ حجرہ (مسجد نبوی کی) توسیع میں شامل ہوگیا،جب ایسا معاملہ ہے تو رسول اللہ ﷺ کی زیارت اورسلام کی خاطر اس بارگاہ کی جادہ پیمائی اور مشقت سفر کیوں؟ابن تیمیہ کے نزدیک آپ سلام کا جواب نہ دیں گے البتہ آپ کے پاس سلام پہنچے گا۔

(۴) حدیث میں ہے:

" إن لله ملائكة سياحين يبلغوني عن أمتي السلام "قال المنذري رواه

پاک "إني أرى مالا ترون وأسمع مالا تسمعون" سے ثابت ہے تو پھر آپ کے سلام سننے کی ایک حد مقرر کرنا کیوں کر روا ہوگا آخر ابن تیمیہ اس حدیث کو کیوں نظر انداز کر رہا ہے اوراس کی کیوں تقیید وتخصیص کر رہا ہے کیا حدیث کے اس روشن اطلاق کی تخصیص وتقیید پر کوئی روشن قرینہ یا واضح دلیل ہے اگر آپ کا دیکھنا اورسننا صرف چند گز ہی تک محدود ہے تو پھر حضور اقدس کے اس ارشاد کا کیا معنی ہے؟

اس حدیث کا صاف اورواضح معنی یہی ہے کہ میرا دیکھنا اورسننا تمہارے دیکھنے اور سننے کی طرح نہیں کہ مخصوص مسافت تک محدود ہو صحابہ کرام نے حضور کے اس ارشاد پاک کا یہی معنی سمجھا انھوں نے آپ کے سماع وادراک کی کوئی حد متعین ومقرر نہ کی ہاں ابن تیمیہ اوراس کے کفش بردار بے دلیل حدیث کے واضح اطلاق کو مخصوص ومقید کر رہے ہیں جس سے ان کا حال دل ہر سچا مسلمان جان لیتا ہے اللہ عزوجل مسلمانوں کو راہ راست پر قائم رکھے اوران خرافات آمیز گستاخانہ بحثوں سے دور رکھے۔ (مترجم)

النسائي وابن حبان في صحيحه من الترغيب والترهيب. (مشکاۃ المصابیح ۴۹۸/۲)

ترجمہ: ''بے شک (اطراف عالم میں) اللہ کے سیر وسیاحت فرمانے والے کچھ فرشتے ہیں جو میری امت کا سلام میرے پاس پہنچاتے ہیں''۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل نہیں کہ نبی پاک ﷺ دور والوں کا سلام نہیں سنتے، یا سلام سننے کی ایک حد مقرر ہے، ہاں اتنا ضرور ہے کہ ملائکہ کو یہ شرف بخشا گیا کہ رسول پاک کی بارگاہ میں آپ کی امت کے احوال وکوائف پیش کریں، جیسا کہ بعض ملائکہ نے اللہ عزوجل سے بارگاہ رسالت کی شرف زیارت کی اجازت چاہی... پھر سلام پہنچانے والے فرشتوں کی ایک عظیم الشان تعداد ہے، اس کام پر کوئی ایک فرشتہ نہیں، بلکہ فرشتوں کی ایک جماعت مامور ہے، اس حدیث میں ایسا اسلوب بھی نہیں جس سے یہ انکشاف ہو کہ آپ کے سلام سننے کی ایک حد مقرر ہے کہ اسی خاص حد (اندرون حجرہ) ہی کے اندر حضور سلام سنتے ہیں ہاں اس حدیث کے اسلوب سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ کو یہ شرف بخشا گیا کہ آپ کی امت کی محبت اور شوق ووارفتگی اور ان کا درود وسلام آپ کی بارگاہ میں آ کر پیش کریں۔

ممکن ہے ابن تیمیہ کے کفش بردار اس حدیث سے استدلال کریں:

''من صلى على نائيا أبلغته'' (رواہ الدارقطني، مشکوۃ المصابیح ص ۸۷ رواہ البیہقي في شعب الإیمان)

ترجمہ: ''جو شخص دور سے مجھ پر سلام پیش کرتا ہے فرشتے اس کا سلام میرے پاس پہنچاتے ہیں''۔

اگر یہ حدیث صحیح ہے تو محدثین کی ایک جماعت نے اسے ضعیف، اور دوسرے محدثین نے صحیح کہا، بہر حال اس حدیث کی کئی توجیہیں ہیں:

(۱) اس کا معنی یہ ہے کہ جو شخص میری سنت سے دور رہ کر مجھ پر سلام پیش کرتا ہے اس کا سلام میری بارگاہ میں پیش کیا جاتا ہے۔

(۲) جوشخص بعید الذہن اور غیر متنبہ ہوکر مجھ پر درود پیش کرتا ہے اس کا سلام میری بارگاہ میں پیش کیا جاتا ہے ،اور جوشخص نزدیک سے مجھ پر سلام پیش کرتا ہے میں اس کا سلام سنتا ہوں، کبھی اس کا یہ معنی ہوتا ہے، جو شخص قریب یعنی حضور قلب وفہم ومکان کے ساتھ سلام پیش کرتا ہے فرشتے اس کا سلام میری بارگاہ میں پیش کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا ۝ وَنَرَاهُ قَرِيبًا﴾ [المعارج-۷،۶]

ترجمہ:۔''وہ اسے دور سمجھ رہے ہیں اور ہم اسے نزدیک دیکھ رہے ہیں''۔

(۵) ابن تیمیہ کا یہ کہنا:''اور''قبـــري''(میری قبر) کا لفظ صحیح میں وارد نہیں کیوں کہ اس وقت کوئی قبر نہ تھی'' دس اجلہ صحابہ کرام سے مروی روایت کو ساقط وکالعدم ٹھہرانا ہے، کیوں کہ ''قبري'' کا لفظ ابوہریرہ ،ابن عمر، عمر بن خطاب، عبداللہ بن زید، ام سلمہ، علی بن ابوطالب، ابوسعید خدری، زبیر بن عوام، عبداللہ بن لبید، اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے مروی ہے جیسا کہ خود بخاری میں یہ لفظ (قبري) ابن عساکر کی روایت میں موجود ہے....اور بخاری ومسلم نے ایک باب ہی قائم فرمایا جس میں ''قبري'' کا لفظ موجود ہے۔(۱)

(۱) ''مابين قبري ومنبري''(میری قبر اور میرے منبر کے درمیان) یہ حدیث ابن ابوشیبہ (۳۰۵/۶) اور ابن ابوعاصم نے السنۃ (۳۳۹/۲-۳۴۰) اور بزار ۱-۳ (۱۴۸/۲-۱۴۹) اور بیہقی نے سنن کبری (۲۴۶/۵) میں ابوہریرہ سے روایت کی۔

اور ابن عمر کی حدیث بخاری نے تاریخ کبیر (۳۹۲/۱) اور طبرانی نے معجم کبیر (۲۹۴/۱۲) اور اوسط (۱۹۲/۱، ۲۲۳) میں، اور ابویعلی (۴۹۶/۲) اور خطیب نے تاریخ بغداد (۱۶۰/۱۲) اور تمام نے فوائد (۹۷/۱) اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۱۱۸/۴۹) میں تخریج کی۔

اور عمر بن خطاب کی حدیث اسماعیلی نے مسند عمر میں تخریج کی، اور بزار ۴-۹ (۴۴/۴) نے سعد بن وقاص کی تخریج کی، اور خطیب نے تاریخ بغداد (۲۹۰/۱۱)، اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۳۷/۴۰) اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۱۰۰/۴) میں تخریج کیا۔ حافظ ابن حجر نے کہا:''اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں''۔

اور عبداللہ بن زید کی حدیث رویانی نے روایت کیا (۱۷۹/۲)

اور ام سلمہ کی حدیث نسائی نے سنن کبری (۴۸۹/۲)، اور ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء (۲۴۸/۷) میں روایت کیا۔

پھر حضرت معاذ بن جبل کی حدیث کہاں گئی، معاذ بن جبل نے فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے یمن بھیجا، آپ وصیت فرماتے ہوئے ازراہ محبت وعنایت میرے ساتھ نکلے، میں سوار تھا، اور رسول اقدس ﷺ سواری کے ساتھ پیدل چل رہے تھے، وصیت سے فارغ ہونے کے بعد محبت آمیز لہجہ میں فرمایا: "**يامعاذ إنك عسى أن لا تلقاني بعد عامي هذا، ولعلك أن تمر بمسجدي هذا وقبري**" اے معاذ! امید کہ اس سال کے بعد تم مجھ سے ملاقات نہ کرو، اور میری اس مسجد اور میری قبر کے پاس سے گزرو، تو معاذ رسول اللہ ﷺ کے فراق کی تاب نہ لاکر رو پڑے۔(۱)

اور بزار ۱-۳ (۱۴۸/۲-۱۴۹) نے علی بن ابوطالب کی حدیث روایت کی۔

اور ابوسعید خدری سے مروی حدیث امام احمد (۶۴/۳) اور ابویعلی (۴۹۶/۲) نے تخریج کی، اور انھوں نے "**طبقات المحدثين بأصبهان**' (۳۶۱/۲) اور خطیب کی تاریخ بغداد (۴۰۲/۴) میں، اور زبیر بن عوام کی مسند الحارث (زوائد الهیثمی) (۴۷/۱/۱) میں۔ اور عبداللہ بن لبید کی الفردوس (۵۳۸/۳ نمبر ۵۶۷۶) میں۔

اور جابر سے مروی حدیث خطیب نے تاریخ بغداد (۲۲۸/۱۱)، بیہقی نے شعب الایمان (۴۹۱/۳)، اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۱۷۷/۲۲) میں روایت کیا ہے۔

اور بخاری نے اسی لفظ مذکور سے اس کا باب ہی قائم فرمایا (۳۹۹/۱) جیسا کہ فرمایا: "باب فضل مابين القبر والمنبر" اور مسلم (۱۰۱۰/۲) نے فرمایا: "باب مابين القبر والمنبر روضة من رياض الجنة" اور ابن حبان (۶۵/۹) نے فرمایا: "ذكر رجاء نوال المرء المسلم بالطاعة روضة من رياض الجنة إذا أتى بها بين القبر والمنبر" اور ان کے علاوہ اور بہت سے حضرات نے اس لفظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(۱) "ولعلك أن تمر بمسجدي هذا وقبري" (اور شاید تم میری اس مسجد اور میری قبر سے گزرو) یہ حدیث امام احمد (۲۳۵/۵) ابن حبان (۴۱۴/۲-۴۱۵)، ابن ابوعاصم نے السنة (۴۸۶/۲)، اور طبرانی نے کبیر (۸۹/۲۰، ۱۲۱) اور بیہقی نے سنن کبری (۸۶/۱۰) میں روایت کیا، ہیثمی نے مجمع الزوائد (۲۲/۹) میں کہا: اس حدیث کو امام احمد نے دو سندوں سے روایت کیا..... اور دونوں سندوں کے راوی صحیح کے راوی ہیں مگر راشد[۱] بن سعد اور عاصم بن حمید۔ اور یہ دونوں بھی ثقہ ہیں۔

---

[۱] راشد بن سعد تابعی متوفی ۱۰۸ھ وثقہ ابن المعین وابوحاتم وابن سعد (خلاصۃ تہذیب الکمال ۱/ص ۳۴۱)
عاصم بن حميد السكوتي شهد الجابية، عن عمرو معاذ وعائشه، وثقه الدارقطني (۲۰/۲) (مترجم)

یہ ایک ناقابل تاویل نص ہے جس سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ نبی پاک ﷺ کو یہ معلوم تھا کہ آپ اپنی مسجد شریف کے بغل میں مدفون ہوں گے،

اورابوموبھبہ کی گزشتہ حدیث بھی یادرہے۔اس لیے کہ اس میں بھی اس امر کی دلیل ہے کہ نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کرنا جائز ہے۔

اور جزء نافع (۵۱/۱) میں ہے: طاؤس نے روایت کیا کہ عبداللہ بن عمر نے فرمایا کہ: نبی پاک ﷺ نے فرمایا:''**المدينة مهاجري، فيها قبري، وقال صلاة الليل مثنى مثنى فإذا خشيت الصبح فواحدة**'' ''مدینہ منورہ میری ہجرت کی جگہ ہے،اور وہاں میری قبر ہے،اور فرمایا رات کی نماز دو دو رکعت ہے، جب تمہیں صبح ہونے کا اندیشہ ہو تو ایک رکعت ملا کر وتر کر لیا کرو''۔(1)

ابن حزم نے المحلی (۱۳۳/۵) میں کہا: حضور علیہ السلام نے فرمایا''**مابين قبري ومنبري روضة من رياض الجنة**'' (میری قبر اور میرے منبر کے درمیان جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے) آپ نے یہ فرما کر اپنی قبر کی جگہ کا انذار و خوف دلایا اور یہ بتایا کہ آپ کی قبر آپ کے گھر میں ہے۔

(۶) ابن مفلح حنبلی ابن تیمیہ کے تلمیذ نے الفروع (۳۸۵/۳) میں کہا: نبی پاک ﷺ پر درود بھیجنا، اور آپ اور آپ کے صاحبین (ابوبکر وعمر) رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبروں کی زیارت کرنا مستحب ہے، آپ کی طرف رخ کر کے سلام پیش کرے، نہ کہ قبلہ رو ہو کر، پھر قبلہ رو ہو کر حجرہ کو اپنے بائیں کر کے دعا کرے، امام احمد نے اسے ذکر کیا، اور حنابلہ کے کلام سے یہ ظاہر ہے کہ حجرہ سے قریب ہو کر ایسا کرے، یا اس سے دور رہ کر، ابن مفلح حنبلی کا کلام ابن تیمیہ کا کھلا ہوا رد ہے۔

---

(1) مشکاۃ المصابیح میں ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:
"**المدينة بها قبري، وبها بيتي، وتربتي وحق على كل مسلم زيارتها**"(مشکاۃ المصابیح ص ۵۴۷)
ترجمہ:۔''مدینہ منورہ میں میرا گھر ہے، اس میں میری قبر شریف بھی ہوگی لہٰذا ہر مسلمان پر حق ہے کہ وہ اس کی زیارت کرے''۔ (مترجم)

(٦٣) ابن کثیر کو اس بات کا اعتراف ہے کہ جو شخص نبی پاک ﷺ کی زیارت اقدس کو حرام کہے وہ جاہل ہے۔

اب ہم ابن تیمیہ کی کھلی ہوئی تصریح پیش کریں گے کہ اس کے نزدیک روضۂ رسول ﷺ کی زیارت حرام ہے، یہاں تک کہ اہل مدینہ منورہ پر بھی، اگر چہ شدرحال کے بغیر ہو۔

ابن تیمیہ نے اپنے مجموعۂ فتاوی (۲۷/۲۴۳) میں کہا:

''اور اگر یہ گمان کیا جائے کہ ہمارے نبی کی زیارت کا سفر دیگر انبیا اور صالحین کے سفر زیارت کی طرح ہے تو یہ چند وجوہ سے غلط ہے:

ا۔ آپ کی مسجد آپ کی قبر کے پاس ہے، اور اس مسجد کا سفر نص واجماع سے مشروع ہے، جہاں مسجد نہیں وہاں کا سفر اس کے برخلاف غیر مشروع ہے۔

۲۔ آپ کی زیارت دوسروں کی زیارت کی طرح ممتنع ہے، انسان مسجد جا کر وہاں وہی کام کرتا ہے جو اس کے لیے مشروع ہے۔

۳۔ اگر ہمارے نبی کی قبر کی زیارت دوسری قبروں کی زیارت جیسی ہوتی تو اہل مدینہ منورہ کو اس کا سب سے زیادہ حق تھا، جیسا کہ ہر شہر والوں کو اپنے شہروں کے صلحا کی زیارت کا زیادہ حق ہے، جب کہ سلف وائمہ دین اس پر متفق ہیں کہ اہل مدینہ منورہ آپ کی قبر کی زیارت نہ کرتے، بلکہ جب یہ لوگ مسجد جاتے اور وہاں سے آتے تو بھی آپ کی قبر کے پاس سلام کے لیے کھڑے نہ ہوتے، اگر چہ اس کا نام زیارت نہیں، بلکہ بغیر سفر کے بھی ان کے لیے ایسا (زیارت) کرنا مکروہ ہے جیسا کہ مالک نے ذکر کیا، اور یہ کہا: ''کہ یہ ان بدعات سے ہے جنھیں اس امت کے پیش رو حضرات (صحابہ) نے نہ فرمایا، اس سے یہ معلوم ہوا کہ جس نے دوسری قبروں کی زیارت کی طرح آپ کی زیارت قبر کو مشروع کہا اس نے اجماع

مسلمین کے خلاف کیا''۔

میں کہتا ہوں:

گزشتہ سطور میں اس کا رد گزر چکا لیکن پھر بھی ابن تیمیہ کی یہ روشن تصریح اس لیے ذکر کر دی تا کہ رسول اللہ ﷺ سے اس کی عداوت کا حال اچھی طرح روشن ہو جائے۔ بہت سے علما نے یہ سمجھا کہ بغیر شد رحال (بلاسفر) زیارت حرام نہیں، ابن تیمیہ کا واضح کلام آپ کے سامنے ہے کہ اس کے نزدیک سفر زیارت حرام ہے چاہے اس کے لیے حاجت سفر ہو یا نہ ہو، یہاں تک کہ اہل مدینہ منورہ پر بھی حرام ہے جنہیں زیارت کے لیے سفر کی حاجت نہیں، اہل مدینہ منورہ پر یہ ابن تیمیہ کا کھلا ہوا جھوٹ ہے، اور اس کے افترا کے لیے اس کا یہی کلام کافی ہے کہ اس نے یہ کہا: ''دوسروں کی زیارت کی طرح آپ کی زیارت حرام ہے'' اور یہ کہا: ''سلف اور ائمہ دین کا اس پر اتفاق ہے کہ اہل مدینہ منورہ آپ کی قبر کی زیارت نہ کرتے، بلکہ جب یہ لوگ مسجد جاتے اور وہاں سے آتے تو بھی آپ کی قبر کے پاس سلام کے لیے کھڑے نہ ہوتے''۔

ہم سب سے پہلے ابن کثیر کا کلام اس کے رد میں پیش کر رہے ہیں:

ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ (۱۲۴/۱۴) میں کہا: ابن خطیری حاجب، شیخ تقی الدین (ابن تیمیہ) کے پاس اس دن کے پہلے پہنچے، تو ان سے ان کی ملاقات ہوگئی، اور نائب سلطنت کے حکم پر کچھ چیزوں کے متعلق ان سے دریافت کیا، پھر جمعرات کے روز قاضی جمال الدین بن جملۃ، اور ناصر الدین مہتمم اوقاف پہنچے، اور ان دونوں نے تقی الدین ابن تیمیہ سے مسئلہ زیارت کے متعلق اس کے کلام کا مضمون پوچھا تو اس نے ایک کاغذ پر دستی حکم تحریر کیا، اور اس تحریر کے نیچے دمشق کے قاضی شافعیہ نے لکھا: میں نے ابن تیمیہ کی تحریر سے متعلق اس نوشتہ سوال کا جواب مقابلہ اور ملاحظہ کیا یہاں تک کہ انھوں نے لکھتے ہوئے کہا: ''کہ اس کے نزدیک نبی ﷺ اور انبیا صلوات اللہ وسلامہ علیہم کی قبروں کی زیارت بالاجماع یقیناً معصیت ہے''۔ تو شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے خلاف یہ تحریف ملاحظہ کیجئے کیوں کہ اس مسئلہ زیارت کے متعلق انھوں نے جو جواب تحریر کیا اس میں یہ کہیں نہیں ہے کہ: ''صالحین کی قبروں کی زیارت ممنوع ہے''۔ صرف اس جواب میں محض زیارت قبور کی خاطر سفر اور شد رحال کے متعلق دو قول

ذکر کیا ہے: ا۔قبروں کی طرف سفراور شدرحال کیے بغیران کی زیارت کرناایک الگ مسئلہ ہے اور ۲۔محض زیارت کے لیے سفراور شدرحال ایک دوسرا مسئلہ ہے، اور شیخ (ابن تیمیہ) نے شدرحال کے بغیر زیارت کوممنوع نہ کہا بلکہ اسے مستحب اور مندوب کہا، ان کی کتابیں، اوران کے مناسک اس پر شاہد ہیں انھوں نے اپنے فتوی میں اس زیارت سے تعرض نہ کیا، اور نہ ہی اسے معصیت کہا، اور نہ اس زیارت کے ممنوع ہونے پر اجماع نقل کیا، وہ رسول پاک کے اس ارشاد:

"زوروا القبور فإنها تذكركم الآخرة"(مشكاة المصابيح ص ۱۵۴ أيضارواه مسلم)

ترجمہ:۔"قبروں کی زیارت کرو کیوں کہ وہ تمھیں آخرت کی یاد دلائے گی"۔

سے جاہل بھی نہیں، اور اللہ سبحانہ پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں، اور نہ ہی کوئی پوشیدہ رہنے والی حقیقت اس پر پوشیدہ ہے۔

﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوٓا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ﴾ [الشعراء-۲۶:۲۲۷]

ترجمہ:۔"اور ظالم جلد ہی اپنا ٹھکانہ جان لیں گے"۔

ابن کثیر کا کلام ختم ہوا۔

ابن کثیر کا یہ کلام دیدۂ حیرت سے پڑھتے۔ابن کثیر کی گذارشات اور نوٹ سے صرف نظر کرتے ہوئے کم ازکم اتنی بات تو خوب واضح ہے کہ قاضی شافعیہ کے بارے میں ابن کثیر کا حسن ظن نہیں، حالاں کہ اس کے بعد حنفی اور مالکی اور یہاں تک کہ حنبلی قاضیوں نے قاضی شافعیہ کے فیصلہ کی موافقت وحمایت کی.....اہم بات یہ ہے کہ ابن کثیر نے ابن تیمیہ کی تہمت کے ازالہ میں جو کلام تحریر کیا ہمارے نزدیک اس کی دووجہوں میں سے ایک وجہ ضرور ہے...... یا تو ابن کثیر ابن تیمیہ کے راز سربستہ پرآ گاہ نہ ہوسکے۔یا ابن تیمیہ کا ایک اشاعتی منظّم پروپیگنڈہ ادارہ تھا جس نے لوگوں کے سامنے اس کی خوشنما صورت پیش کی اور اصل حقیقت کی پردہ پوشی کی۔

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ کی دروغ گوئی کا حال گزرا کیوں کہ اس نے یہ کہا: ''جو دوسری قبروں کی زیارت کی طرح آپ کی قبر کی زیارت کو مشروع جانے وہ اجماع مسلمین کا مخالف ہے'' ابن تیمیہ کے اس کذب پر تنبیہ کے بعد اس کے تمام کفش برداروں کو میرا چیلنج ہے کہ کس نے اس اجماع کا دعوی کیا؟ اسے پیش کریں اگر چہ وہ ابن تیمیہ کی پیدائش کے ایک دن پہلے کا ہو، اس لیے کہ ابن تیمیہ بہت بڑا جھوٹا ہے، ہم نقل کر چکے کہ تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت مشروع ہے بلکہ بعض علما نے اس کو واجب تک کہا۔

ذرا صاحب کتاب ''الشهادة الزكية'' (۱/۸۹،۹۰) کا یہ قول بھی دیدۂ حیرت سے ملاحظہ کیجئے: ''اور یہ جو کہا گیا کہ شیخ (ابن تیمیہ) نے قبروں کی زیارت سے منع کیا تو حاشا للہ اور معاذ اللہ یہ ان کی کتابیں، اور ان کے فتاوی، اور ان کے مناسک ہیں ان میں کھلی ہوئی تصریح ہے کہ مسلمانوں کی قبروں کی زیارت مستحب ہے، چہ جائیکہ انبیا علیہم السلام، بلکہ اس نے کافروں کی قبروں کی زیارت بھی جائز قرار دی ہے، ہاں جب محض قبروں کی زیارت کے لیے سفر کیا جائے تو اس بارے میں انھوں نے علما کا اختلاف ذکر کیا کہ بعض علما نے جائز کہا، اور یہ جمہور کا مذہب ہے، اور بعض نے مکروہ کہا، اور کچھ لوگوں نے حرام کہا، اور اس قول کو حنبلیہ کے دو امام ابن بطہ، اور ابن عقیل نے اختیار کیا، اور امام ابو محمد جوینی امام شافعیہ، اور امام مالکیہ قاضی عیاض نے اپنی کتاب اکمال میں یہی اختیار کیا، اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ اسی قول کی طرف مائل ہیں''۔

آپ کو بخوبی معلوم ہے کہ ابن تیمیہ سے لے کر اب تک ابن تیمیہ اور اس کے کفش برداروں کا یہ طریقہ چلا آ رہا ہے کہ وہ بے بنیاد اور باطل پروپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں۔

آخر ابن تیمیہ کی کھلی تصریح کے خلاف انھوں نے کیوں باطل پروپیگنڈہ کیا؟ دراصل اس کی وجہ یہ ہے کہ خاص و عام، عالم و جاہل سب پر ابن تیمیہ کے قول کی قباحت ظاہر ہے اس لیے اس کے کفش برداروں نے اس کی تصریحات کے خلاف تصریح کی کہ کہیں یہ لوگ اس سے اور ان کفش برداروں سے منحرف نہ ہو جائیں، ابن تیمیہ اور اس کے کفش برداروں کا کذب اظہر من الشمس اور اوضح من الأمس ہے اس لیے کہ ابن عقیل ان حضرات میں سے ہیں جنھوں نے یہ روشن تصریح فرمائی کہ نبی پاک ﷺ کا جسم اقدس جس حصہ زمین سے متصل ہے وہ عرش

سے بھی افضل ہے،اور آپ نبی پاک ﷺ سے توسل فرماتے،اور حضور اقدس کے روضۂ انور کی طرف رخ کر کے دعا فرماتے،اور آپ کے روضۂ اطہر کی زیارت کے وقت آپ کی بارگاہ میں یوں عرض استغفار کرتے ''استغفر لنا'' ''آپ ہماری بخشش ومغفرت طلب فرمائیں''اور آپ ان حضرات میں سے ہیں جو لوگ نبی پاک کی جانب رخ کر کے یوں عرض حاجت کرتے:'' إني أتوجه بك إلى ربي'' ''میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی بارگاہ میں متوجہ ہوا''۔ ذرا ان کفش برداروں کی چالبازی دیکھیں کیا ان کے پاس ابن عقیل کے حوالہ سے کوئی واضح نص ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ ابن عقیل نے یہ کہا کہ نبی ﷺ کے روضۂ پاک کی طرف سفر کرنے والا اپنی نماز میں قصر نہ کرے؟ اگر یہ لوگ اس سلسلے میں کوئی نص پاتے تو ضرور اسے طبع کرا کر گھر گھر شہر شہر مفت تقسیم کرتے۔ ہر مسلمان کو اپنے دین کے بارے میں ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

یہ ابن عقیل کا معاملہ تھا اور قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالی کا حال یہ ہے کہ آپ نے یہ نقل فرمایا کہ مسلمانوں کا اس امر پر اجماع ہے کہ نبی ﷺ کے روضۂ اقدس کا جو حصہ آپ کے جسم مبارک سے متصل ہے کعبہ سے افضل ہے،اور آپ نے یہ بھی نقل فرمایا کہ منصور سے امام مالک نے فرمایا:''نبی پاک سے اپنا چہرہ کیوں پھیریں گے حالاں کہ آپ ہمارے اور تمہارے باپ آدم کے بھی وسیلہ ہیں''اور آپ سے یہ بھی منقول ہے کہ نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس ٹھیک آپ کے مواجہہ اقدس میں دعا فرماتے،اور اس کے علاوہ اور بھی بہت ساری چیزیں منقول ہیں۔

قاضی عیاض نے شفا(۶۸/۲،۶۹) میں فرمایا:حضور اقدس ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت مسلمانوں کی ایسی سنت ہے جس پر ساری امت کا اجماع ہے،اور یہ ایسی فضیلت ہے جس کی ترغیب آئی ہوئی ہے،حضور کے روضۂ اطہر کی طرف سفر اور اس بارگاہ کا شد رحال واجب ہے،اس مقام پر آپ نے وجوب سے وجوب ندب وترغیب وتاکید مراد لیا ہے وجوب فرض نہیں''۔

آپ خود مطالعہ فرمائیں اور ابن تیمیہ اور اس کے نیاز برداروں کے عظیم فریب پر ماتم کریں۔ وحسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل۔

بعض مسائل کے تحت ہم نے نقل کیا ہے کہ ابن ابوشیبہ نے (۱۰۲/۶) بسند صحیح تخریج کیا کہ ہم سے عبدہ بن سلیمان نے بیان کیا کہ سعید بن سعید نے بیان کیا کہ مغرب سے میری واپسی پر نافع بن جبیر سے میری ملاقات ہوگئی، میں نے کہا: آپ کا کیا حال ہے، (فرمایا: جب نبی ﷺ کے روضۂ سے گزرو تو یوں عرض کرو) ''السلام علی النبي صلی الله تعالی علیه وسلم ورحمةالله'' (اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام اور اللہ کی رحمت نازل ہو) کیوں کہ شیطان صحبت ورفاقت کا انکار کرتے ہوئے کہتا ہے کوئی صحبت نہیں (میرا ساتھ چھوٹ گیا)، پھر جب اپنے اہل کے پاس داخل ہو تو ''السلام علیکم'' کہو کیوں کہ شیطان کہتا ہے کوئی شب باشی نہیں (ساتھ میں شب باشی بھی گئی) پھر جب تمہارا شام کا کھانا حاضر ہو تو ''بسم اللہ'' پڑھو کیوں کہ شیطان ذلیل وخوار ورسوا ہو کر اپنے دوستوں سے کہتا ہے: ''نہ شب باشی نہ شام کا کھانا'' (شب باشی اور شام کا کھانا سب گیا)''

گزشتہ مسائل کے تحت امام مالک کا مذہب خوب واضح ہو چکا اس لیے ازسرنو اس کے اعادہ کی حاجت نہیں، اس وقت سلام کے مسئلہ میں امام مالک کا ارشاد مجھے یاد آ رہا ہے، بعض اجلہ علمائے مالکیہ مثلاً ابوالولید محمد بن رشد مالکی نے شرح العینیه مسمی بہ کتاب (البیان والتحصیل) میں کتاب الجامع کے اندر ذکر فرمایا کہ: امام مالک سے پوچھا گیا کہ: جو شخص نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر سے گزرے، اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے، کیا وہ جب جب گزرے سلام پیش کرے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں، میرے نزدیک اس پر لازم ہے کہ جب آپ کے پاس سے گزرے سلام پیش کرے، اورلوگوں نے اس سے بھی زیادہ کیا ہے، لیکن جب آپ کے پاس سے نہ گزرے تو میری رائے یہ نہیں (شفاء السّقام في زیارۃ خیر الأنام ۲۷، ۳۷ دیکھیے)

(٦٤) نبی پاک ﷺ کے صحابہ کبھی بھی آپ کے روضۂ اقدس کے پاس آپ پر سلام پیش کرنے سے غافل و بے پرواہ نہ رہے۔

ابن تیمیہ نے مجموع الفتاوی (۲۷/۴۱۷) میں کہا:

''اور رہا آپ کی قبر پر آ کر آپ پر سلام پیش کرنا تو صحابہ اس سے بے پرواہ رہے، اس لیے کہ نماز میں آپ پر سلام پیش کیا جاتا ہے، اور مسجد میں آنے اور جانے کے وقت، اور نماز کے بعد بار بار قبر پر آنا اسے عید اور بت بنانے کا موجب ہے''۔

میں کہتا ہوں:

کون شخص نبی ﷺ کی زیارت سے مستغنی ہے؟ کیا یہ زندیق، یا مبتدع، یا خارجی لوگ ہیں؟! یہ کلمہ (''استغنوا''، یعنی صحابہ مستغنی و بے نیاز رہے) کس قدر قبیح و بدترین ہے، اور یہ کوئی عجب نہیں اس لیے کہ یہ کلمہ اس شخص کی زبان سے جاری ہوا جس کے بارے میں یہ کہا گیا کہ: ''وہ نبی ﷺ سے کینہ رکھتا ہے''۔

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ اور اس کے کفش بردار کان کھول کر اچھی طرح سن لیں ہم عاشقان رسالت نبی دو جہاں رحمت عالم و عالمیاں ہادی انس و جاں ﷺ سے کبھی بھی مستغنی[1] نہیں، اور نہ ہی آپ کے روضۂ پاک کے پاس آپ پر سلام پیش کرنے سے بے نیاز ہیں، بلکہ ہم کہیں بھی رہیں آپ پر سلام محبت پیش کرنے سے بے نیاز نہیں، اور انشاء اللہ تعالی ہم غلامان مصطفیٰ ﷺ کبھی بھی پتھر کی طرح سنگ دل ہونے والے نہیں خواہ کتنے ہی وسوسے ڈالے

(۱) وہ جہنم میں گیا جوان سے مستغنی ہوا — ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی
لا وَرَبِّ العرش جس کو جو ملا ان سے ملا — بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی
ہوتے کہاں خلیل و بنا کعبہ و منیٰ — لولاک والے صاحبی سب تیرے در کی ہے

(از سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ)---(مترجم)

جائیں۔

ہم کہتے ہیں: اے مسلمان! ابن تیمیہ کے پرفریب اور خطرناک اسلوب سے ہوشیار رہنا، ورنہ اس خاردار وادی، اور ہلاکت خیز گرداب میں پھنس جاؤ گے جس میں بعض زندیق پھنسے اس لیے کہ ان زندیقوں نے یہ فتوی دیا کہ نبی پاک ﷺ کی قبر جزیرۂ عرب میں سب سے آخری بت ہے۔

اور ایک دوسرے بے عقل نے یہ کہا: ہم ضرور قبر کو مسجد سے باہر کر دیں گے، ہم مکمل تفصیل کے ساتھ اسے بیان کریں گے، اور بعض ہلاک ہونے والوں نے یہ ناپاک مطالبہ کیا کہ: ''نبی پاک کا سبز گنبد زمین بوس کر دیا جائے''۔[1] اے امت محمد ﷺ ہوش میں آ۔

---

(۱) سید ابوالحسین عبداللہ حسینی مالکی ہاشمی کے تلامذہ نے کتاب **الاحتفال بالمولد النبوي** ص۶ پر اپنی تعلیق میں کہا: ''ہم بعض گستاخوں کی نہایت گستاخانہ عبارت پر آگاہ ہوئے جسے عبدالعزیز برعی نے اپنی کتاب: **قوارع الأسنة في الرد على أعداء السنة** میں لکھا؟؟؟ اس کتاب کے مؤلف نے (ص۲۸ پر) زیر عنوان (''**عباد الأصنام**'' بتوں کے پجاری) کہا: ہمارے زمانہ میں بتوں کی پرستش بہت زیادہ ہے... اور ان بتوں میں سے رسول اللہ ﷺ کی قبر ہے۔ علما نے کہا: سید المرسلین کی شان میں یہ صریح توہین اور قبیح گالی و گستاخی ہے، کیوں کہ آپ نے اپنے رب سے یہ دعا کی اور یقیناً آپ کی یہ دعا اجابت سے سرفراز ہوئی: ''**اللّٰهم لاتجعل قبري وثنا يعبد**'''' اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنا جس کی پوجا ہو'' اور یہ مولف '' مقبل بن ھادی'' کے تلامذہ سے ہے جس نے مدینہ منورہ کے اندر حماد انصاری کے زیر نگرانی الجامعۃ الاسلامیہ سے شائع ہونے والے رسالہ میں زیر عنوان (**ظلال الجنة في الرد على أعداء السنة**) اس بات کی طرف دعوت دی کہ نبی ﷺ کے روضۂ اقدس پر بنے ہوئے سبز گنبد کو زمین بوس کر دیا جائے، اس کے اس غلو اور حد درجہ سرکشی کے سبب اسے سلطنت سے دور کر دیا گیا۔

میں کہتا ہوں: یہ ان لوگوں کا انجام کار ہے جو رسول اکرم ﷺ کے مقابلہ میں ابن تیمیہ کے رجحانات کے پیچھے چلتے ہیں۔ اور ان جیسے لوگ ایسے صریح قبیح و شنیع قول کی جرأت کرتے ہیں، اگر چہ وہ کفر ہی سہی، اور یہ لوگ اپنے استاذ ابن تیمیہ سے بھی آگے بڑھے ہوئے ہیں کیوں کہ ابن تیمیہ دکھاوے کے لیے اس بات کی ظاہری کوشش کرتا تھا کہ اس کا عیب ظاہر نہ ہونے پائے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ کی شان میں اس کی گستاخی، اور دریدہ دہنی پر جو حضرات آگاہ نہ ہوئے انھوں نے اس کے بارے میں توقف کیا، اور حسن ظن رکھا۔

میں کہتا ہوں: جو شخص بارگاہ رسالت میں ایسے اسلوب کی جرأت وجسارت کرے اس کا کیا حکم ہے؟ نبی پاک سے امت محمدیہ کا قلبی تعلق ورابطہ دیکھ کر ابن تیمیہ کا دل کیوں دکھ رہا ہے۔ بخدا مجھے نہیں معلوم میں اس کے سوا کیا کہوں: اے اللہ کے رسول! جو شخص امت کو اس کے نبی سے محروم کرے، اور مقام نبوت کی شان گھٹائے، اور نوجوانوں کے آداب اوران کے ایمان کی حلاوت کو پامال کرے۔ ایسے شخص سے آپ کو، اور ہمیں اللہ کافی ہے، اور وہ اچھا کارساز ہے۔

بعض متدین لوگوں کے ابتدائی طور وطریقہ پر نظر ڈالا جائے تو ان پر بظاہر ہدایت کے آداب و انوار روشن نظر آتے ہیں پھر جب ابن تیمیہ اوراس کے پیروکاروں کے متعلق ان سے کچھ کہا جاتا ہے تو ہدایت کے انوار وآداب معدوم نظر آتے ہیں، اوران سے اختلاف کے سوا کچھ بھی سننے میں نہیں آتا، اے کاش! آداب مخالفت ہی ان کے یہاں ہوتی۔

ابن تیمیہ کے کفش بردارو! تمہیں کچھ خبر بھی ہے کہ کون لوگ نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس سلام پیش کرنے سے بے نیاز اور مستغنی ہیں؟ لو ہم سے سنو تمہاری ساری تشنگی بجھ جائے گی۔

ابن ابوشیبہ نے (۱۰۲/۶) بسند صحیح تخریج کرکے فرمایا: عبدہ بن سلیمان نے ہم سے بیان کیا کہ سعید بن سعید نے فرمایا: جب میں مغرب سے واپس ہوا تو نافع بن جبیر سے میری ملاقات ہوگئی میں نے کہا آپ کا کیا معاملہ ہے نافع نے فرمایا: جب نبی ﷺ کی قبر کے پاس سے گزرو تو یوں سلام عرض کرو ''السلام علی النبي صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ورحمۃ اللہ'' (اللہ کے نبی ﷺ پر سلام اور اللہ کی رحمت ہو)، کیوں کہ شیطان یہ سن کر کہتا ہے اس کا ساتھ چھوٹا، پھر اپنے اہل کے پاس پہنچ کر یوں سلام پیش کرو ''السلام علیکم'' کیوں کہ شیطان یہ سن کر کہتا ہے: اس کے ساتھ رات گزارنا گیا، پھر جب تمہارا شام کا کھانا تمہارے سامنے آئے تو ''بسم اللہ'' پڑھو کیونکہ شیطان ذلیل وخوار ورسوا ہوکر اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے رات گزارنا اور شام کا کھانا دونوں گیا۔[1]

(۱) اثر ابن ابوشیبہ صحیح ہے اوراس کے راوی ثقہ ہیں، کیوں کہ عبدہ بن سلیمان کلابی (متوفی ۱۸۷ھ) ثقہ ہیں ثقہ ہیں جیسا کہ امام احمد بن حنبل نے آپ کے بارے میں فرمایا، اور آپ مسلم کے رجال سے ہیں (تہذیب الکمال ۵۳۰/۱۸)، اور ذہبی

نافع بن جبیر کا کلام ابھی گزرا آپ ائمہ تابعین سے ہیں، اور صحابی رسول جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالی عنہ کے فرزندار جمند ہیں، آپ نے نبی پاک ﷺ کے چچا عباس، اور ان کے بیٹے عبداللہ، علی بن ابوطالب، سیدہ عائشہ، سیدہ ام سلمہ، زبیر بن عوام، عبداللہ بن مسعود، ابوہریرہ اور دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم سے حدیث روایت کی آپ کا وصال مدینہ منورہ میں ۹۹ھ میں ہوا، آپ کا یہ ارشاد مذکور آپ کی رائے نہیں، ہاں اتنا ضرور ہے کہ تابعین کے نزدیک اس کا مشروع ہونا معلوم ومتعارف ہے، اور تابعین نے صحابہ سے سیکھ کر ہی اسے حاصل کیا۔

تنبیہ: اگر ابن تیمیہ کے علم میں ایک شخص بھی ایسا ہوتا جس سے یہ منقول ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اطہر پر حاضر ہوکر سلام عرض کرنے کی حاجت نہیں تو اپنی عادت کے مطابق اپنی کتابوں میں بار بار اس کا ذکر ضرور کرتا، اگر کسی سے ایسا منقول ہے تو ابن تیمیہ اور اس کے پیروکاروں نے کیوں ذکر نہ کیا؟

میں کہتا ہوں:

کچھ سمجھا کون رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس پر عرض سلام سے بے نیاز اور مستغنی ہے، اور کسے فرشتہ، اور کسے شیطان کی صحبت حاصل ہے، اپنے، اور امت کے بارے میں اللہ کا خوف کرو اور یاد رکھو اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

" فكفروا وتولوا واستغنى الله والله غني حميد "(التغابن ٦ پ ٢٨ ع ١٥)

ترجمہ:۔"تو کافر ہوئے، اور پھر گئے، اور اللہ نے بے نیازی کو کام فرمایا، اور اللہ بے نیاز ہے سب خوبیوں سراہا"۔

نے کہا: حافظ حجت قدوہ (پیشوا) ہیں، لیکن سعید بن سعید، تو صحیح و درست نام یہ ہے: سعید بن ابوسعید مقری' وہ ثقہ ہیں، علی بن مدینی، اور ابن سعد، اور ابوزرعہ، اور نسائی وغیرہ نے ان کو ثقہ کہا، بخاری و مسلم اور باقی اصحاب ستہ نے ان سے روایت کیا (تہذیب الکمال ۱۰/۴۶۶) (التقریب ۲۳۲۱) لیکن نافع بن جبیر تو وہ تابعی ثقہ ہیں بخاری و مسلم اور باقی اصحاب صحاح ستہ نے ان کی روایت لی (تہذیب الکمال ۲۹/۲۷۲) اور ابن حجر نے کہا: ثقہ فاضل ہیں اور ذہبی نے کہا: شریف مفتی ہیں۔

(٦٥)ابن تیمیہ کو یہ گوارا نہیں کہ کوئی شخص نبی پاک ﷺ کی زیارت کرے اس نے کھل کر یہ تصریح کی کہ آپ کی زیارت کا کوئی فائدہ نہیں

رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں عرض سلام کی اہمیت کا انکار کرتے ہوئے ابن تیمیہ نے مجموعۂ فتاوی (٢٧/ ٤١٦) میں کہا:

''قبر کی حاضری میں نہ تو زائرین کا کوئی فائدہ ہے اور نہ ہی حضور کا، برخلاف مسجد قبا کی حاضری، کیوں کہ صحابہ ہر ہفتہ کے روز مسجد قبا حاضر ہوتے، اور نبی ﷺ کی اتباع میں وہاں نماز ادا کرتے کیوں کہ وہاں نماز پڑھنا عمرہ ادا کرنے کے برابر ہے، اور صحابہ مسجد قبا کی نماز کے ساتھ جمعہ کے دن آپ کی مسجد میں نماز ادا کرتے کیوں کہ ان دونوں میں کوئی بھی دوسرے سے بے نیاز کرنے والی نہیں، بلکہ اس کے سبب اجر بڑھ جاتا ہے، اور ایسا ہی بقیع اور اہل اُحد کی طرف نکلتے جیسا کہ نبی ﷺ ان کے پاس تشریف لے جا کر ان کے حق میں دعا کرتے، یہ بھی حسن ہے اس لیے کہ یہ ایسا کار خیر اور نیک عمل ہے جس میں کوئی برائی نہیں، اور صحابہ ہر نماز میں ان لوگوں (اہل بقیع واحد) کے لیے دعا نہ کرتے کہ یہ کہا جائے کہ یہ (نماز کی) دعا اس دعا (بقیع واحد کی دعا) سے بے نیاز کر دیتی ہے''

(جیسا کہ ابن تیمیہ کے نزدیک نماز میں نبی پاک پر سلام آپ کی قبر پر عرض سلام سے بے نیاز کر دیتا ہے)

میں کہتا ہوں:

إنا لله و إنا إليه راجعون ، نبی پاک سے کسی کا قرب ابن تیمیہ کو اس درجہ نا گوار و ناپسند ہے...عوام پر چونکہ ابن تیمیہ کی اس تلبیس کا خوف ہے اس لیے چند تنبیہات پیش خدمت ہیں:

١۔ نبی ﷺ کے احباب اور آپ کی بارگاہ کے زائرین کا عظیم طبقہ آپ کی زیارت صرف اس شوق ومحبت میں کرتا ہے کہ سنگ درجاناں پر حاضری اور جبیں سائی کی سعادت نصیب ہو جائے ان کا مطمح نظر کوئی فائدہ حاصل کرنا نہیں۔

۲۔ کن علمانے یہ کہا کہ روضۂ اقدس کی حاضری کا کوئی فائدہ نہیں؟ نبی پاک ﷺ اس شخص پر نظر رحمت فرماتے ہیں جو آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہوتا ہے، اور آپ کے در اقدس پر اس مبارک و پاکیزہ مقام میں کھڑے ہو کر آپ پر سلام پیش کرتا ہے، آپ اپنے اس عاشق صادق کے سلام کا جواب دیتے ہیں، کیا یہ چیزیں خانۂ شمار میں نہیں؟

۳۔ ابن تیمیہ ہمیشہ اس امر کو فراموش کر دیتا ہے کہ نبی پاک ﷺ اپنے روضۂ اقدس میں زندہ ہیں۔

۴۔ ابن تیمیہ کا یہ کہنا: ''قبر کی حاضری میں زائرین اور حضور کا کوئی فائدہ نہیں'' حضور اقدس کی بلند بارگاہ میں سخت ترین بے ادبی ہے۔

۵۔ بلا شبہ نبی پاک ﷺ کو کسی کی حاجت نہیں، اور نہ ہی آپ کسی سے فائدہ حاصل کرتے ہیں، کیوں کہ آپ کو اللہ کافی، اور اچھا کارساز ہے، مگر امت خیر الخلق ﷺ سے ضرور مستفید و مستفیض ہوتی ہے اور میرا اعتقاد و ایمان اور کامل اذعان یہ ہے کہ ہر ہر امر میں اپنا فائدہ ڈھونڈنا مادہ پرستوں کا نظریہ ہے۔[1]

۶۔ اے کاش ابن تیمیہ یہ کہتا: نبی پاک ﷺ کی زیارت جائز ہے اگر چہ زندگی میں ایک ہی بار سہی، لیکن اس نے تو بالکلیہ اسے ممنوع کہا، اس سے اس کے دل کا حال خوب خوب آشکارا ہے۔

۷۔ ابن تیمیہ نے قبا اور شہدائے احد کی زیارت کی یہ علت ذکر کی ''اس لیے کہ یہ کار خیر اور نیک عمل ہے جس میں کوئی برائی نہیں'' اس کے اس کلام کے پس پردہ یہ گستاخی و بے ادبی پوشیدہ ہے کہ نبی پاک ﷺ کی زیارت کار خیر اور نیک عمل نہیں بلکہ اس میں فساد اور برائی ہے۔

☆......☆......☆

(۱) اور پھر عاشقوں کے لیے یہی کیا کم فائدہ ہے کہ وہ جلوۂ جاناں کی زیارت کر کے دل شکستہ و رنجیدہ کو سکون پہنچاتے ہیں۔ (مترجم)

(٦٦) صحابہ کرام نے نبی پاک ﷺ، اور آپ کے روضۂ اقدس کے وسیلہ سے استسقا کیا، ابن تیمیہ نے اس حقیقت کو جھٹلانا چاہا، اور ایسا وہم وگمان کیا جسے کوئی عاقل نہیں کرسکتا وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد کی چھت آپ کے روضۂ اقدس پر نزول رحمت سے مانع ہے!

ابن تیمیہ نے الرد علی البکری (۴۶۹/۲) میں کہا:

''اوراسی طرح جب یہ کہا جائے کہ مردہ شیخ کی قبر کے پاس استسقا کیا جائے، اوراللہ پران کی قسم کھائی جائے، تو ایسے شخص کا جواب یہ ہے کہ: نبی ﷺ سیدالخلق تھے صحابہ رضوان اللہ علیہم نے آپ کی قبر کے پاس نہ استسقا کیا، اور نہ ہی اللہ پر آپ کی قسم کھائی، اور نہ ہی آپ کی قبر کے پاس استسقا کرنا ان کا عقیدہ تھا تو پھر دوسروں کی قبروں سے استسقا کیوں کر جائز ہوگا''۔

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ کا اسلوب دیکھیے اس نے یہ نہ کہا کہ: ''مجھے اس بارے میں کوئی دلیل معلوم نہیں'' بلکہ یہ کہنے کے بجائے ایسا اسلوب استعمال کیا جس سے ایک ساتھ دو چیزوں کا انکار کیا، اور یہ کہا: ''کہ نبی ﷺ سیدالخلق تھے، صحابہ رضوان اللہ علیہم نے آپ کی قبر کے پاس نہ تو استسقا کیا، اور نہ ہی اللہ پر آپ کی قسم کھائی، اور نہ ہی آپ کی قبر کے پاس استسقا ان کا عقیدہ تھا تو پھر دوسروں کی قبروں کے پاس استسقا کیوں کر جائز ہوگا''...اس شخص نے ایسا اسلوب انکار اس لیے استعمال کیا کہ عام انسان، اور بے علم جب اس ناپاک اسلوب میں غور وفکر کریں تو انہیں یہ گمان ہو کہ صحابۂ کرام نے نبی پاک ﷺ اور آپ کے روضۂ اقدس کے وسیلہ سے استسقا نہ کیا، گویا یہ ایک ثابت شدہ حقیقت

اور مسلم امر ہے۔

ہم ابن تیمیہ کے پیروکاروں پر یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ صحابہ نے نبی ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس آپ کے روضۂ اقدس کے وسیلہ سے استسقا فرمایا، اس کے بعد امت نے بعض صالحین کی قبروں سے بھی استسقا کیا، اور یہ ثابت شدہ حقیقت محض مفروض نہیں بلکہ عظیم ائمہ اعلام سے منقول ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس آپ کے وسیلہ سے استسقا

اثر صحیح میں وارد ہے جسے ابن ابوشیبہ، اور بیہقی اور ابن عساکر نے روایت کیا: مالک دار نے فرمایا: (آپ عمر کے خازن طعام (خزانچی) تھے) عمر کے دور خلافت میں لوگ قحط میں مبتلا ہوئے ایک شخص نے نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس عرض کیا: یارسول اللہ! اپنی امت کے لیے استسقا (باران رحمت کا نزول طلب) فرمائیں کیوں کہ لوگ ہلاک ہو گئے، حضور اقدس ﷺ نے خواب میں اس شخص سے فرمایا: ''عمر کے پاس جا کر انہیں سلام سنانا، اور یہ خبر دینا کہ تمہیں باران کرم سے سیراب کیا جائے گا، اور ان سے یہ بھی کہنا کہ تم پر عقل وفہم وزیرکی اور کاموں میں متانت وسنجیدگی لازم ہے۔'' اس شخص نے آکر حضرت عمر کو خبر دی، تو آپ نے اشک ریز آنکھوں سے عرض کیا: اے پروردگار! میں کوتاہی نہیں کرتا مگر جو میرے بس سے باہر ہے''۔(۱)

(۱) اس کو ابن ابوشیبہ (۳۵۶/۶ نمبر ۳۲۰۰۲)، اور بیہقی نے دلائل النبوۃ، اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۳۴۵/۴۴)، (۴۸۹/۵۶) میں روایت کیا، اور یہ حدیث صحیح ہے، حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۴۹۵/۲- ۴۹۶)، اور ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ (۹۱/۷-۹۲) اور حافظ غماری نے (الرد المحکم ص۵۲، ۵۳) میں اسے روایت کیا۔

اور ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ (۵۰۹/۲) میں بغیر کسی انکار کے یہ واقعہ ذکر کیا ___ لیکن دوسری سند سے ___ اور حافظ ابن عبد البر نے الاستیعاب (۱۱۴۹/۳)، اور ابو یعلی قزوینی نے الارشاد (۳۱۴/۱) میں ذکر کیا۔

اور رسول اللہ ﷺ نے جن تین قرنوں کے خیر القرون ہونے کی شہادت بخشی ان قرون ثلاثہ کے علمائے صالحین، اور اسلاف کرام نے اس حدیث پر اعتراض نہ فرمایا۔ اور آپ کے لیے یہ سند کافی ہے کہ علمائے سابقین میں سے حافظ ابن حجر، اور ابن کثیر نے اس حدیث کو صحیح کہا، اور اس حدیث پر جسے اعتراض ہے اسے دلیل پیش کرنا لازم ہے، اور معترض ہرگز دلیل نہ لا سکے گا۔

اے امت مسلمہ! خوارج، مبتدعین اور نیم ملاؤں سے ایسے بھاگو جیسا کہ شیر سے بھاگتے ہو۔

یہ ایک واضح صحیح اثر ہے جس سے ابن تیمیہ کے کلام کی بنیاد منہدم ہو جاتی ہے اور اس کے خوابوں کا شیش محل تاراج ہو جاتا ہے، اس سے پہلے کسی امام نے یہ نہ کہا کہ یہ حدیث ضعیف ہے، یا ایسا کرنا شرک و بدعت ہے۔

بفضلہ تعالی ہمارا چیلنج ہے کہ معاندین میں اگر ذرا بھی صداقت ہے تو ابن تیمیہ سے پیشتر علما کے اقوال پیش کریں جنھوں نے ابن تیمیہ کی سی بات کہی۔

اگر یہ امر بدعت یا شرک ہوتو ائمہ حدیث میں سے ابن ابوشیبہ (جن کا امام احمد بن حنبل سے چھ سال قبل وصال ہوا) پھر اس کے بعد امام بیہقی، اور ابن عساکر کیا اسے روایت کرتے؟

نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس سے استسقا مسند امام دارمی (ابن تیمیہ امام دارمی کی بہت تعریف کرتا ہے) میں مذکور ہے، اسے یہ خبر نہیں کہ امام دارمی نے اس اثر کی تخریج کی، بلکہ اس نے یہ کہا کہ جو یہ گمان کرے کہ امام دارمی نے اسے روایت کیا وہ سفیہ و بے وقوف ہے۔

نبی پاک ا کے روضۂ اقدس سے استسقا:

دارمی نے اپنی سنن (۱/۵۶ نمبر ۹۲) میں روایت کیا: (جس کا مضمون یہ ہے: " **باب ما أكرم الله تعالى نبيه ﷺ بعد موته** " "یعنی ان کرامتوں کا باب جنہیں اللہ تعالی نے اپنے نبی کو آپ کے وصال کے بعد بخشا")

ہم سے ابونعمان نے بیان کیا کہ ہم سے سعید بن زید نے بیان کیا، ہم سے عمرو بن مالک نکری نے بیان کیا، ہم سے ابوالجوزاء اوس بن عبداللہ نے بیان کیا، کہ مدینہ منورہ کے لوگ سخت قحط میں پڑ گئے انھوں نے حضرت عائشہ سے شکایت کی اس پر آپ نے فرمایا: نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کو دیکھو اور آپ کی قبر سے آسمان کی طرف ایک روشن دان کر دو تا کہ قبر اور آسمان کے درمیان کوئی چھت حائل نہ رہے، چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا، تو اتنی زوردار بارش ہوئی کہ ہری گھاس اگ آئی اور اونٹ اس قدر فربہ ہو گئے کہ ان کے بدن پر خوب خوب چربیاں چڑھ گئیں، اس وجہ سے اس سال کا نام عام الفتق (اونٹ کے فربہ ہونے کا سال)

پڑا۔(1) (مشکاۃ المصابیح باب الکرامات ص۵۴۵)

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب الرد علی البکری (۱/۸۹، ۹۰، ۹۱) میں اس اثر کا جائزہ لیتے ہوئے کہا:

''اہل مدینہ منورہ کے متعلق یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ انھوں نے عائشہ سے شکایت کی تو انھوں نے یہ حکم دیا کہ آپ ﷺ کی قبر سے چھت کی طرف ایک روشن دان بنادو، تاکہ قبر اور آسمان کے درمیان کوئی چھت حائل نہ رہے، اہل مدینہ منورہ کے ایسا کرنے پر ایسی زور کی بارش ہوئی کہ سبز گھاس اگ آئی، اور اونٹ فربہ ہوگئے، اور ان کے بدن پر خوب چربی آگئی جس کے سبب اس سال کا نام عام الفتق پڑا۔

میرے گمان میں محمد بن حسن بن زبالہ نے اپنی تصنیف اخبار مدینہ منورہ میں اسے ذکر کیا اور اس کے دو جواب ہیں:

۱۔ محمد بن زبالہ ضعیف ہیں، ان سے استدلال جائز نہیں، اور بہ اتفاق علمائے صحابہ یہ ثابت ہے کہ وہ حضرات جب بارش طلب کرتے تو اللہ تعالیٰ سے مسجد، یا صحرا میں دعا کرتے، اور بہ اتفاق اہل علم یہ استسقا مشروع

---

(1) میں کہتا ہوں: حافظ غمازی نے کہا: اس اثر کے راویوں میں کوئی حرج نہیں (الرد المحکم ص۷۰۹)

اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کہا، کیوں کہ سعید بن زید کی روایت مسلم نے اپنی صحیح میں ذکر کی، اور یحیٰ بن معین نے ان کو ثقہ کہا، اور ابن معین کی توثیق سند کے لیے کافی ہے۔ مزی نے کہا: عبداللہ بن احمد بن حنبل نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے کہا: ان (سعید بن زید) میں کوئی حرج نہیں، اور بخاری نے کہا: ہم سے مسلم نے بیان کیا، مسلم نے کہا: ہم سے سعید بن زید ابوالحسن نے بیان کیا وہ زیادہ راست گو، حافظ ہیں۔ ابن حجر نے کہا: زیادہ راست گو ہیں، ان کے پاس اوھام ہیں، رہے عمرو بن مالک نکری تو حافظ ذہبی نے ان کے بارے میں فرمایا: ان کی توثیق کی گئی ہے، اور حافظ ذہبی کے نزدیک ان کی حدیث از قبیل حسن ہے۔ (ذہبی کی کتاب ملاحظہ ہو)۔ اور ابن حجر نے کہا: زیادہ راست گو ہیں، ان کے پاس اوہام ہیں، مزی نے کہا: ابن حبان نے ثقات میں انہیں ذکر کیا اور بخاری نے ''افعال العباد'' میں ذکر کیا۔ اور محدثین اربعہ یعنی امام نسائی، ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے ان کی روایت ذکر کی۔

ہے، صحابہ نے آپ کی قبر نہ کھولی۔ اگر یہ مشروع ہوتا تو صحابۂ کرام اس سے عدول وانحراف نہ کرتے، یہ بات اس قدر مشہور ومتفق علیہ ہے کہ اس کا معارضہ ان روایتوں سے نہیں ہوسکتا جنہیں ابن زبالہ وغیرہ ایسے لوگوں نے روایت کیا جن سے استدلال جائز نہیں''۔

اگر کوئی عالم یہ کہے کہ استسقا وغیرہ کے وقت نبی ﷺ، یا دوسرے انبیا اور صالحین کی قبریں کھولنا مستحب ہے تو وہ مبتدع ہے اس نے رسول اللہ ﷺ، اور آپ کے خلفا سے مشروع سنت کے خلاف ایک بدعت ایجاد کیا''۔

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ کا اس حدیث کی نسبت ابن زبالہ کی طرف کرنا ___ جو علمائے محدثین کے نزدیک متروک ہیں ___ دو وجہوں سے خالی نہیں:

۱ - ابن تیمیہ (جیسا کہ اس کے بارے میں اس کے اصحاب کہتے ہیں) کو اطلاع تام اور کامل دسترس ہے گویا تمام کتب احادیث اس کے پیش نظر ہیں، اسے یہ پتہ نہیں کہ دارمی نے یہ حدیث روایت کی، اس لیے اس واقعہ کی تضعیف کی خاطر ابن زبالہ ضعیف متروک کی طرف اس حدیث کی نسبت کی۔

۲ - ابن تیمیہ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ دارمی نے اسے روایت کیا، مگر اسے ان کا حوالہ دینا اس لیے پسند نہیں کہ کہیں ان کی طرف لوگوں کی نظریں مبذول نہ ہوجائیں، اور اگر یہ صحیح ہے تو یہ ایک شیریں چیز ہے جو زبان سے نہیں کہی جاتی۔

جب آپ پر حقیقت روشن ہوگئی، اور دو وجہوں میں سے کسی ایک کو منتخب کرلیا: تو ابن تیمیہ حافظ دارمی کے بارے میں اب کیا کہتا ہے؟

اس نے مجموع الفتاوی (۴/۲) میں کہا:

''بخاری نے اپنی صحیح کا آغاز وحی اور نزول وحی کی ابتدا سے کیا، اور اولاً رسول پر علم وایمان کے نزول کی صفت بتائی، پھر اس کے بعد کتاب الایمان قائم کیا، ایمان نبی پاک کی لائی ہوئی تمام چیزوں کا اقرار کرنا ہے، پھر اس کے بعد آپ نے کتاب العلم قائم کیا، جس میں نبی پاک کی

لائی ہوئی تمام چیزوں کی معرفت ہے، تو امام بخاری نے صحیح بخاری کی ترتیب میں حقیقی ترتیب کا لحاظ رکھا، اور ایسا ہی امام ابو محمد دارمی صاحب مسند نے اپنی کتاب کا آغاز دلائل نبوت سے کیا۔ اور اس باب میں کتاب کا ایک بڑا حصہ صرف کیا، یہ دونوں حضرات مسلم وترمذی وغیرہما سے بہت زیادہ افضل ہیں، اسی لیے امام احمد بن حنبل ان دونوں اور ان کے ہم پایہ محدثین کی تعظیم کرتے ہیں، اس لیے کہ یہ حضرات حدیث کے اصول وفروع پر گہری نظر، اور ان میں کامل دست گاہ رکھتے تھے''۔

یہی امام دارمی اس اثر کو روایت فرمارہے ہیں، بلکہ آپ نے اپنی احادیث مسند کے ابواب میں اسے ایک باب قرار دیا، اور یہ فرمایا: ''**باب ماأكرم الله نبيه بعد موته**'' ''یعنی ان کرامتوں کا باب جن سے اللہ نے اپنے نبی کو آپ کے وصال کے بعد سرفراز فرمایا''۔

اور توسل کے باب میں بھی یہ دلیل وحجت ہے رسول اللہ ﷺ کے کینہ پروروں کی ناک خاک آلود ہو۔

اور یہی امام دارمی اس دور میں اکابر علمائے سنت اور سلف صالح سے تھے جس دور کے متعلق ابن تیمیہ نے یہ کہا کہ: ''اس میں شرک کا وجود نہ تھا'' اور ابن تیمیہ نے انہیں امام بخاری کے درجہ میں رکھا، اور ان کی مدح شان میں یہ کہا کہ: آپ امام مسلم وترمذی سے بہت زیادہ افضل ہیں، ابن تیمیہ کے نزدیک جس امام دارمی کا مقام ومرتبہ یہ ہے، اور جن کی اعلی شان یہ ہے وہی نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس سے استسقا، اور باران رحمت کا نزول نبی ﷺ، اور آپ کی آل کی کرامت شمار فرمارہے ہیں، ابن تیمیہ کی طرح اسے شرک وبدعت نہیں کہہ رہے ہیں۔

ہم یہ بھی کہتے ہیں: اگر کوئی صحیح یا ضعیف حدیث مروی ہوتی جس سے اللہ کے دین میں شرک یا بدعت کا شبہ ہوتا تو یہ ائمہ اعلام حدیث مذکور روایت نہ کرتے۔ خاص کر قرون ثلاثہ اولی میں جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے یہ شہادت بخشی کہ اس زمانہ کے لوگ سارے زمانے کے لوگوں سے افضل ہیں۔

اب جب کہ ابن تیمیہ کے کلام کی حقیقت واضح ہوگئی، اور اس کے قول کا فساد وبطلان ظاہر ہوگیا تو آٹھویں صدی ہجری میں دنیا سے کھسکنے والے ابن تیمیہ کی مدح وتعریف میں اسے ''شریعت اسلام'' کہنے والوں سے ہم کیا شکوہ کریں۔ **حسبنا الله ونعم الوكيل**

(٦٧)ارباب عقل ودانش خوب جانتے ہیں کہ روضۂ اطہر کی دیوار وچھت نزول رحمت سے مانع نہیں

ابن تیمیہ نے الردعلی البکری (١٦٤/١) میں کہا:

''یہ کھلا ہوا جھوٹ ہے کہ عائشہ کی حیات میں نبی پاک کی قبر کے سامنے ایک روشن دان تھا،اوراگر یہ صحیح بھی ہوتو یہ اس بات کی دلیل وحجت ہے کہ لوگ اللہ کوکسی مخلوق کی قسم نہ دیتے تھے،اوراپنی دعامیں کسی مردہ سے توسل نہ کرتے،اوراس کے وسیلہ سے اللہ سے سوال نہ کرتے،انھوں نے قبرانور کے سامنے اس لیے روشن دان کھولاتا کہ رحمت خداوندی نازل ہو،(معاذ اللہ)وہاں کوئی ایسی دعانہ کی جس میں خداکوکسی مخلوق کی قسم دی ہو۔تو دونوں میں کتناواضح فرق ہے''۔

میں کہتاہوں:

ابن تیمیہ کا یہ جملہ:''اوراپنی دعامیں کسی مردہ سے توسل نہ کرتے''رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں ایک گستاخانہ تعبیر ہے،اللہ عزوجل اپنے رسول اللہ ﷺ کے لیے کافی اور آپ کے معاملہ کا حاکم ووالی ہے،اسی نے اپنے رسول معظم نورمجسم ﷺ کی شان اقدس میں فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾

[الاحزاب-٣٣:٥٧]

ترجمہ:۔''بے شک جوایذادیتے ہیں اللہ اوراس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیااورآخرت میں''۔

نبی پاک ﷺ اپنے روضۂ اطہر میں زندہ ہیں جیسا کہ فرمایا:

" الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون" (۱)

ترجمہ:۔''انبیا اپنی قبروں میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں''۔

رسول اللہ ﷺ کا مقام ومرتبہ شہیدان راہ حق کے مقام ومرتبہ سے کم نہیں، اور نہ ہی آپ اللہ کے نبی موسی علیہ السلام سے کم رتبہ ہیں جو اپنی قبر میں کھڑے ہوکر نماز پڑھ رہے تھے، جیسا کہ خود نبی اکرم ﷺ نے معراج کی شب اپنی آنکھوں سے انہیں ایسا کرتے دیکھا اور ہمیں خبر دی۔(۲)

(۱) مسند ابی یعلی:۶/۱۴۷ ادار المامون للتراث، دمشق ۱۹۸۴ء (مترجم)

(۲) أقول: ابن تیمیہ بہت بڑا جھوٹا ہے اسے فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالی عنہا کی حدیث نہیں معلوم جس میں خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''بحق نبيک والأنبياء الذين من قبلي'' تیرے نبی، اور مجھ سے پہلے انبیا کے وسیلہ سے۔

ابن حبان اور حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا۔طبرانی نے''کبیر''اور''اوسط''میں یہ حدیث روایت کی۔اس کی سند میں روح ابن صلاح ہیں جنھیں حاکم اور ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے۔ان کے علاوہ تمام راوی صحیح بخاری کے رواۃ سے ہیں جیسا کہ حافظ ھیثمی نے مجمع الزوائد میں فرمایا۔

اس حدیث صحیح میں وفات پانے والے انبیاے سابقین علیہم السلام کا وسیلہ کھلے الفاظ میں موجود ہے۔

علاوہ ازیں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث میں یہ الفاظ موجود ہیں جسے ابن ماجہ نے اپنی سنن کے''باب المشي إلى الصلاة''میں روایت کیا:''اللهم إني أسألک بحق السائلين عليک''

(ترجمہ:۔''اے اللہ! سوال کرنے والوں کا تیرے اوپر جو حق ہے اس کے وسیلہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں'')

ابن تیمیہ سنے اس میں تمام مسلمانوں کا وسیلہ ہے خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ، اس حدیث کے ایک راوی ابن موفق ابن مرزوق سے روایت کرنے میں اپنی سند کے اندر منفرد نہیں۔ساتھ ہی ابن مرزوق صحیح مسلم کے راویوں میں سے ایک ہیں۔ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں فضیل بن مرزوق کے واسطہ سے حدیث روایت کی ہے تو ان کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے۔ابن رزین نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔ابن منیع نے بھی اپنی''مسند''میں اس طرح یہ حدیث بیان کی ہے:

''حدثنافضيل بن مرزوق علاء الدين مغلطائی''الاعلام شرح ابن ماجہ''میں فرماتے ہیں یہ حدیث ابونعیم فضل ابن دکین نے''کتاب الصلاۃ''میں فضیل بن مرزوق سے، انھوں نے عطیہ سے، عطیہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ سے موقوفا روایت کی ہے، عطیہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرنے میں تنہا نہیں بلکہ

رسول اللہ ﷺ کو اللہ کی راہ میں اس سے بھی زیادہ تکلیف وایذادی گئی، ہمیں ان گستاخوں کے بارے میں اللہ کافی اور اچھا کارساز ہے۔ کیوں کہ یہ لوگ نوجوانان اسلام کو اپنی نت نئی گمراہ فکروں کا اسیر بنانا، اور انہیں تباہ وبرباد کرنا چاہتے ہیں۔ اور ان میں رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں نازیبا و ناشائستہ کلام کی جرأت پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

ابن تیمیہ نے کہا: ''اور انھوں نے قبر پر صرف اس لیے روشن دان کھولا تاکہ رحمت خداوندی نازل ہو'' (معاذ اللہ) یہ بے عقلوں کی بولی ہے عاقل کی شان ایسے کلام سے بلند و بالا ہے بھلا کوئی عاقل یہ گمان کرسکتا ہے کہ چھت نزول رحمت سے مانع ہے؟

ابوالصدیق بھی عبدالحکم بن ذکوان کی روایت میں ان کے ساتھ ہیں اور وہ ابن حبان کے نزدیک ثقہ ہیں۔ اگرچہ ابوالفرج نے اپنی علل میں ان پر تنقید کی ہے۔ اور ابن السنی نے ''عمل الیوم واللیلۃ'' میں ایک ایسی سند کے ساتھ روایت کی ہے جس میں وازع نے بلال سے اس طرح روایت کی ہے: ''اللھم بحق السائلین علیک'' اس سند میں نہ عطیہ ہیں، نہ ابن مرزوق، اور نہ ہی ابن موفق جس سے ظاہر ہو گیا کہ عطیہ، ابن مرزوق، اور ابن موفق کو اگر ضعیف تسلیم بھی کر لیا جائے تو مذکورہ سندوں سے یہ واضح ہو گیا کہ وہ تینوں حضرات اس روایت میں منفرد نہیں، بلکہ اس کی دوسری بھی تائیدات موجود ہیں۔ علاوہ ازیں احمد بن منیع کے شیخ یزید بن ہارون بھی ابن مرزوق سے روایت کرنے میں ابن موفق کے شریک ہیں۔ اسی طرح فضل بن دکین، ابن فضیل، اور سلیمان بن حبان وغیرہم نے بھی ابن مرزوق سے روایت کی ہے۔ عطیہ پر تشیع کا الزام ہے لیکن امام ترمذی نے ان کی کئی روایتوں کو حسن قرار دیا ہے۔ ابن معین سے منقول ہے کہ وہ صالح ہیں، ابن سعد سے مروی ہے کہ ثقہ ہیں۔ ابن عدی نے فرمایا ہے کہ ان کی روایتیں صالح ہیں۔ اور حضرت ابوسعید خدری کے نام کی صراحت کے بعد تدلیس کا احتمال نہیں خصوصاً جب کہ اس روایت میں متابعت بھی ہے۔ اور امام مسلم کے نزدیک ابن مرزوق کی توثیق کا پلہ بھاری ہے کیوں کہ انھوں نے اپنی صحیح میں ان سے روایت کی ہے۔ اس کے ساتھ ہی مذکورہ حدیث بلال رضی اللہ تعالی عنہ کے واسطہ سے بھی وارد ہے۔ اس لیے یہ حدیث تمام تر تنقیدات کے باوجود پایۂ اعتبار اور درجۂ استدلال سے فروتر ہرگز نہیں ہوسکتی بلکہ اس کا معاملہ صحیح اور حسن کے درمیان ہوگا کیوں کہ یہاں متابعات اور شواہد کثرت سے پائے جارہے ہیں''۔ (مترجم)

کیا نبی پاک ﷺ اپنے وصال کے چھ سال بعد اس کے منتظر تھے کہ جب قحط پڑے تو صحابہ چھت میں ایک روشن دان اس لیے کھولیں تا کہ آپ پر رحمت نازل ہو۔

بھلا سوچو تو سہی کیا صحابہ چند سالوں تک روضۂ رسول میں روشن دان نہ بنانے کے سبب گناہ کے سزاوار ہیں کہ انھوں نے روضۂ رسول ﷺ کو اللہ کی رحمت سے محروم رکھا؟ یا گناہ گار نہیں ہوئے؟ یہ کیسی خواہش پرستی ہے؟

جب آپ یہ کلام پڑھیں گے تو ابن کثیر کے تلمیذ صلاح صفدی کے کلام کی یاد تازہ ہو جائے گی جنھوں نے خلیل ابن احمد اور عبداللہ بن مقفع کے اس تقابل پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ: خلیل سے کہا گیا: آپ نے اسے کیسا پایا؟ تو کہا: میں نے اس کا علم اس کی عقل سے زیادہ دیکھا۔

صلاح صفدی نے ابن تیمیہ کے بارے میں اس گزشتہ کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ: اس کا علم حد درجہ وسیع ہے، اور اس کی عقل اسے ہلاکت گاہوں، اور تنگ وادیوں میں لاگراتی ہے'' (منقول از شواہد الحق از علامہ نبہانی ۱۸۸-۱۸۹)

میں کہتا ہوں:

اس کی عقل نے اسے ایسے گرداب بلا میں ڈالا کہ رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں کسی عالم کے لیے اس میں پھنسنا مناسب نہیں۔

ابن تیمیہ کا گزشتہ کلام آپ کو معلوم ہو چکا اس نے اقتضاء الصراط (۱/۳۳۸) میں کہا:

''بلکہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی ہے کہ آپ نے بارش کے لیے نبی ﷺ کی قبر کھولنے کا حکم دیا کیوں کہ بارش ایسی رحمت ہے جو آپ کی قبر پر نازل ہوگی، عائشہ نے آپ کی قبر کے پاس نہ تو استسقا کیا، اور نہ ہی استغاثہ وفریاد کیا''۔

ابن تیمیہ کا یہ کلام حیرت انگیز اور تعجب خیز ہے

۱۔ ابن تیمیہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی تصریحات ہمارے سامنے پیش کرے، گزشتہ اوراق میں جس اثر کی تکذیب کی وہ کن کتب احادیث میں وارد ہے؟ اگر اس کے کفش برداروں میں ذرا بھی ہمت

ہے تو سامنے آئیں اور اس اثر کی کھلم کھلا تکذیب کریں جیسے گزشتہ سطور میں دارمی کے حوالہ سے ہم نے ذکر کیا کہ امام دارمی نے اسے روایت کیا ان سے کبھی بھی نہ بن پڑے گا، ورنہ محبوبۂ محبوب رب العالمین سیدہ عائشہ کو بدعتی قرار دینے پر مجبور ہوں گے، اور اللہ امت مسلمہ پر ان کی فضیحت و ذلت روشن فرما دیگا۔

۲۔ ابن تیمیہ کو کس نے بتایا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کا روشن دان صرف اس لیے کھولنے کا حکم دیا تاکہ بارش نازل ہو کیوں کہ یہ ایسی رحمت ہے جو آپ کی قبر پر نازل ہوتی ہے، یہ کس کتاب، اور کس نص میں ہے؟ ابن تیمیہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے حوالہ سے جو چیزیں ذکر کیں ہیں اس کے کفش برداران کا ثبوت پیش کریں۔

۳۔ ابن تیمیہ کو کس نے یہ فتوی دیا، اور یہ تعلیم دی کہ نبی پاک ﷺ رحمت کے محتاج ہیں، اور چھت کھولنے سے آپ کو یہ رحمت حاصل ہوگی، اور چھت کھولنے کے وقت قبر پر بارش نازل ہوگی تو اللہ کے نبی ﷺ رحم فرمائیں گے۔

ہم ابن تیمیہ کے کفش برداروں سے کہتے ہیں: کیا امت کو یہی تعلیم دینا چاہتے ہو؟ کیا یہ فکریں نبی دوجہاں ﷺ کی امت کی ہیں یا مادہ پرست یہودیوں کی؟

۴۔ ابن تیمیہ سے کس نے یہ بتایا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے آپ کی قبر کے پاس استسقانہ کیا، اور آپ نے وہاں استغاثہ وفریاد نہ کی..... میرا چیلنج ہے کہ ابن تیمیہ کا کوئی کفش بردار ابن تیمیہ سے پیشتر اہل سنت و جماعت کے کسی موقر عالم کی سند پیش کرے کہ انھوں نے ابن تیمیہ کے دعوی جیسا دعوی کیا، اور یہ کہا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے نبی پاک ﷺ کے پاس استسقانہ کیا؟

۵۔ اے کاش! ابن تیمیہ اپنے تبصرہ میں یہ کہتا: ہم تک جو علوم پہنچے ان میں مجھے یہ معلوم نہیں...واللہ تعالی أعلم، بلکہ وہ تو بڑے طمطراق سے اس طرح کلام کر رہا ہے جیسے تمام احادیث وآثار اس کے پیش نظر ہیں، اور اس سے کئی صدی پیشتر جو کچھ ہوا وہ ان سب کا عالم اور حاکم مطلق ہے۔

ابن تیمیہ اور اس کے کفش برداروں کے اس جھوٹے طور طریقہ سے آگاہ رہنے، اور ان سے سخت احتراز

واجتناب کی ضرورت ہے، وہ اپنے اس تلبیس آمیز اسلوب سے عوام کو اپنے دام تزویر میں لانا چاہتے ہیں کہ انہیں کہیں یہ وہم وگمان نہ ہو کہ ان کا یہ کلام، اوران کے یہ اطلاقات حقیقی نہیں، بلکہ انہیں اس بات کا اذعان ہو کہ یہ ائمہ سلف کی تصریحات جیسی ہیں جن پر تمام علما کا اتفاق ہے اس لیے کہ ایک عالم سے یہ مستبعد ہے کہ وہ ایسے جھوٹ اور خوفناک امر میں گرفتار ہوگا۔

(٦٨) صالحین کی قبروں سے استسقا اور امت کا عمل

حافظ ذہبی، جو ابن تیمیہ کے تلامذہ سے ہیں، نے سیر أعلام النبلاء (۲۱/۲۵۱-۲۵۳) میں حافظ رعینی کے حالات میں ذکر کیا:

''حجری، شیخ، امام، علامہ، معمر، مقری، مجود، محدث، حافظ، حجت، شیخ الاسلام ابو محمد عبداللہ بن محمد رعینی حجری اندلسی مربی مالکی۔

میں نے ابوربیع بن سالم سے یہ فرماتے سنا کہ: آپ کے وصال کے وقت قحط پڑا، جب آپ کا جنازہ رکھا گیا لوگوں نے آپ کے وسیلہ سے اللہ عزوجل سے استسقا کیا تو اس قدر بارش ہوئی کہ ہفتہ بھر لوگ آپ کی قبر پر کیچڑ ہی میں آتے جاتے رہے۔ ذہبی نے فرمایا: آپ سید الصالحین، اور سچائی پر ثابت قدم رہنے والوں کے رئیس وسردار ہیں''۔ (مختصراً ذہبی کا کلام ختم ہوا)

ابن الانبار نے **کتاب الصلة** (۲/۲۸۱) کے تکملہ، اور حافظ سیوطی نے تذکرۃ الحفاظ (۴/۱۳۷) میں بھی اس واقعہ کو ذکر کیا ہے۔

اور قاضی ابن خلکان نے وفیات الاعیان (۵/۲۳۲) اور ابن العماد نے شذرات الذہب (۱/۳۶۰) میں معروف کرخی کے احوال میں لکھا:

> '' دعا کی قبولیت میں آپ مشہور تھے، اہل بغداد آپ کی قبر سے استسقا کرتے اور کہتے: معروف کی قبر تریاق مجرب ہے''۔

اور ذہبی نے استاذ ابن فورک کے حالات میں سیر أعلام النبلاء (۱۷/۲۱۵) میں لکھا:

> ''حسن بن فورک اصفہانی: ابوبکر بیہقی، اور ابوالقاسم قشیری، اور ابوبکر بن خلف اور دوسرے حضرات نے آپ سے حدیث روایت کی، آپ صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔ عبدالغافر نے سیاق التاریخ میں کہا: ''استاذ ابوبکر کی قبر حیرہ کی سرزمین پر واقع ہے، آپ کی قبر سے استسقا کیا

جاتا ہے''۔اور یاقوت حموی نے معجم البلدان (۱۳۹/۲) میں کہا:'' فقیہ محمد بن عبدویہ شیخ، ابواسحاق شیرازی کے تلمیذ ہیں آپ کی قبر سے وہاں استسقا کیا جاتا ہے''۔

اور ابن تیمیہ کے تلمیذ حافظ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (۴۶۹/۱۲) میں مزید یہ بھی کہا:

''ابوعلی غسانی نے کہا: ابوالفتح نصر بن حسن سکتی سمرقندی نے ہمیں خبر دی آپ ۴۶۴ھ میں ہمارے پاس بلنسیہ آئے فرمایا: ایک سال سمرقند میں ہم پر بارش نہ ہونے کے سبب قحط پڑ گیا، لوگوں نے بار بار استسقا کیا پھر بھی بارش نہ ہوئی، تو خیر وصلاح میں معروف ایک مرد صالح قاضی سمرقند کے پاس آئے، اور آپ سے کہا: آپ کی خدمت میں ایک رائے لے کر آیا ہوں، قاضی نے کہا وہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ آپ، اور آپ کے ساتھ سارے لوگ امام محمد بن اسماعیل بخاری کی قبر پر چلیں، آپ کی قبر ''خرتنک'' میں ہے، وہاں ہم سب مل کر استسقا کریں، امید ہے کہ اللہ ہمیں باران کرم سے سیراب فرمائے، قاضی نے جواب دیا: آپ کی رائے اچھی ہے۔ قاضی سمرقند، اور ان کے ساتھ سارے لوگ نکلے، قاضی نے سب کو نماز استسقا پڑھائی، اور تمام لوگوں نے آپ کی قبر کے پاس خوب گریہ وزاری کی، اور صاحب قبر کے وسیلہ سے بارش طلب کی تو اللہ عزوجل نے آسمان سے ایسی موسلادھار بارش نازل فرمائی جس کے سبب لوگ خرتنک میں سات دن یا اسی طرح مقیم رہے، بارش کی کثرت وفراوانی کے سبب کوئی شخص سمرقند نہ آسکا جب کہ خرتنک اور سمرقند میں صرف تین میل کا فاصلہ ہے۔

میں کہتا ہوں: کیا یہ سارے علمائے کرام کافر، یا بدعتی، یا ناسمجھ تھے، اور تنہا ابن تیمیہ صاحب فہم تھا، اگر یہ ساری چیزیں شرک و بدعت تھیں تو ابن تیمیہ کے تلمیذ حافظ ذہبی نے انہیں کیوں ذکر کیا کیوں کہ کسی نہ کسی پر حکم شرک ضرور[1] عائد ہوگا۔

---

(۱) امام مالک، امام احمد، امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداود اور امام ترمذی نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا:

" أیماامرئ قال لأخیه کافرفقد باء بها أحدهماإن کان کماقال وإلارجعت إلیه"
(مسلم، باب بیان حال الایمان الخ ۱/۵۷کراچی)
ترجمہ:۔"یعنی جوشخص کسی کلمہ گوکوکافر کہےتو ان دونوں میں ایک پر یہ بلاضرور پڑے گی اگر جسے کہاوہ حقیقۃً کافر تھاجب تو خیر ورنہ یہ کلمہ اسی کہنے والے پر پلٹے گا"۔
صحیح بخاری شریف میں سیدناابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ حضوراقدس سیدعالم ﷺ نے فرمایا:
" إذا قال لأخیه یاکافر فقد باء أحدهما" (صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب من اکفر أخاه الخ ۲/۹۰۱کراچی)
ترجمہ:"جب کوئی شخص اپنے بھائی مسلمان کو"یا کافر" کہےتو ان دونوں میں ایک کا رجوع اس طرف بے شک ہو"۔
امام بخاری ومسلم سیدناابوذر رضی اللہ تعالی عنہ سے راوی کہ حضوراقدس سیدعالم ﷺ نے فرمایا:
" لیس من دعا بالکفر، أو قال عدوت الله ولیس کذلک إلا حارعلیه، ولایرمي رجلابالفسق ولایرمیه بالکفرإلا ارتدت علیه إن لم یکن صاحبه کذلک. هذا مختصرا "(صحیح البخاری، کتاب الادب، باب ماینھی عن السباب واللعن ۲/۸۹۳کراچی)
ترجمہ:۔"جوشخص کسی کوکافر یادشمن خدا کہےاوروہ ایسانہ ہو یہ کہنااسی پر پلٹ آئے گااورکوئی شخص کسی کوفسق یاکفر کا طعن نہ کرے گامگر یہ کہ وہ اسی پر الٹا پھرے گااگر جس پرطعن کیا تھاایسانہ ہوا۔یہ اختصاراہے"۔
امام حبان اپنی صحیح التقاسیم والانواع میں بسند صحیح حضرت ابوسعید خدری سے راوی کہ حضوراقدس سیدعالم ﷺ نے فرمایا:
" ماأکفررجلا أصلا إلا باء ها أحدهما إن کان کافرا وإلا کفر بتکفیره"(الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان من اکفرانساناالخ، حدیث ۲۴۸، ۱/۴۱۰بیروت)
ترجمہ:۔یعنی کبھی ایسانہ ہوا کہ ایک شخص دوسرے کی تکفیر کرےاوروہ دنوں اس سےنجات پاجائیں بلکہ ان میں ایک پرضرور گرے گی اگروہ کافرتو یہ بچ گیاورنہ اسے کافرقرار دینے سے یہ خود کافر ہوا۔
ان تمام احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمان کوکافراعتقاد کرکے کافر کہنے والاخود کافر ہے۔علمائے کرام نے اس کی یہ علت ارشادفرمائی کہ جب اس نے مسلمان کوکافراعتقاد کرکے کافرکہاتو اس نے دین اسلام کوکفرٹھہرایا اور جوایسا کرے وہ بلاشبہ کافر ہےفتاوی عالمگیری میں ہے:

ماسبق میں ابن ابوشیبہ کی حدیث صحیح ،اوراثر دارمی (جس میں کوئی ضعف نہیں)،اورعلامہ ذہبی وغیرہ کا کلام گزرا یہ ساری چیزیں اس امر کی روشن دلیل ہیں کہ ابن تیمیہ ہی مسلمانان اہل سنت کی جماعت کا مخالف ہے۔

اس لیے اس کی ریشہ دوانی سے ہوشیار رہیں،اورحق پر ثابت قدم رہیں،اورسواد اعظم اہل سنت و جماعت کے ساتھ رہیں،اوراپنے کوابن تیمیہ کے ان عجائب وغرائب سے دور رکھیں،اور ہمیشہ ایسے لوگوں سے چوکنا رہیں جو یہ کہہ کرلوگوں کو ہلاک کریں کہ: لوگ ہلاک ہوگئے ۔جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ یا یہ کہہ کرلوگوں کوگمراہ کرے کہ: مسلمان گمراہ ہوگئے ۔مسلمانان اہل سنت ایسے لوگوں سے ہوشیار رہیں جولوگوں کی عقلوں کی برین واشنگ(Brain washing) کرتے ہیں۔

وصل اللهم على سيدنا محمد وعلى اٰله وصحبه وسلم

☆☆☆

" المختار للفتوى في جنس هذه المسائل أن القائل بمثل هذه المقالات إن كان أراد الشتم ولايعتقده كافرا لايكفر، وإن كان يعتقده كافرا فخاطبه بهذابناء على اعتقاده أنه كافريكفر كذا في الذخيرة" (۲/۲۷۸)

ترجمہ:۔''اس طرح کے مسائل میں فتوی کے لیے مذہب مختار یہ ہے کہ قائل کے کلام کی بنیاد پراس کی اس وقت تکفیرنہ کی جائے گی جب کہ اس کلام سے قائل کا مقصود گالی ودشنام ہواورقائل کفرکا اعتقاد نہ رکھے ہاں اگرقائل کافراعتقادکر کے اسے کافر کہے تو ضرور اس کی تکفیر کی جائے گی ایسا ہی ذخیرہ میں ہے''۔

علامہ شامی علیہ الرحمہ نے ردالمحتار میں صاحب ذخیرہ کی مذکورہ عبارت پر یہ اضافہ فرمایا:

" لأنه لمااعتقدالمسلم كافرا فقد اعتقد دين الإسلام كفرا"(۱۱۲/۶)

ترجمہ:۔''اس لیے کہ جب قائل نے مسلمان کو کافراعتقاد کیا تو دین اسلام کوکفراعتقاد کیا''۔

ابن تیمیہ اوراس کے کفش بردار بات بات پرامت مسلمہ کوکافرومشرک کہتے ہیں وہ ان احادیث مبارکہ کو پڑھیں اورخود فیصلہ کریں کہ وہ کیا ہیں الحمدللہ رب العالمین ہم اہل سنت کا اعتقاد وعمل کفروشرک کی آلائشوں سے حد درجہ دوررفتہ ہے۔ (مترجم)

(٦٩) رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کے وقت آپ سے بخشش کا سوال، توسل واستغاثہ اور مدد طلب کرنا ابن تیمیہ کے نزدیک ممنوع ہے

اس کے اس باطل وہم کے رد پر بے شمار دلائل قائم ہیں کیوں کہ قرآن وسنت، اور صحابہ کرام، حفاظ عظام ومحدثین اعلام وفقہائے مسلمین ومتکلمین، اور مختلف دور میں نبی پاک ﷺ کی امت کے عمل سے یہی ثابت ہے کہ روضۂ اقدس کی زیارت کے وقت آپ سے بخشش کا سوال، توسل واستغاثہ اور مدد طلب کرنا جائز ہے۔

روضۂ اطہر کی زیارت کے دلائل

جب نبی پاک ﷺ اپنے روضۂ اطہر میں زندہ ہیں تو آپ کی زیارت کسی دلیل کی محتاج نہیں، اور اگر آپ کسی فلسفی سے کہیں کہ: اس کی کیا دلیل ہے کہ اللہ ہی پر بھروسہ کرنا ضروری ہے تو ہرگز اس سے یہ نہ بن پڑے گا کہ قرآن وسنت سے کوئی صریح قول پیش کرے جس میں یہ وارد ہو کہ: اللہ ہی پر بھروسہ کرنا ضروری ہے، یا صرف اللہ ہی پر بھروسہ کرو۔

جولوگ رسول اللہ ﷺ کے فیضان کرم سے محروم نہیں، یا محروم رہ کر آپ کے فیض کے طالب، اور اپنی بلا سے نجات کے خواستگار ہیں ایسے لوگوں کو ہم کچھ دلیلیں ضرور گوش گزار کریں گے جن سے یہ انکشاف ہوگا کہ خود نبی پاک ﷺ نے شب معراج براق پر سوار ہو کر سفر فرمایا، اور اللہ کے نبی موسی علیہ السلام کی قبر کی زیارت کی، یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ: صادق امین ﷺ، یا اللہ کے امین جبریل علیہ السلام نے اس مبارک ومسعود وقت میں پاکیزہ سواری پر سوار ہو کر موسی علیہ السلام کی قبر کی زیارت کے لیے سفر فرمایا۔

اولاً: قرآن کریم کے دلائل

اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوٓا أَنفُسَهُمْ جَآءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ

لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا﴾ [النساء-۴:۶۴]

ترجمہ:۔’’اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں، اور پھر اللہ سے معافی چاہیں، اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں‘‘۔

اس آیت سے ہمارا مطمح استدلال یہ ہے کہ ابن تیمیہ سے پہلے کسی مسلمان عالم نے یہ نہ کہا کہ یہ حکم صرف نبی پاک ﷺ کی ظاہری حیات کے ساتھ خاص ومقید ہے، اور آپ کے وصال کے بعد اب یہ حکم باقی نہ رہا، بلکہ صحابہ وتابعین اور اگلی تین صدیوں کے علما سے لے کر اب تک یہی روشن تصریحات قائم ہیں کہ نبی ﷺ کے روضۂ اطہر پر مسلمان کا جانا، اور آپ سے بخشش طلب کرنا مشروع وجائز ہے، ان حضرات کی دلیل یہی آیت کریمہ ہے، یہاں تک کہ ابن تیمیہ آیا، اور اس نے ایسی بات کہی جو اس سے پہلے کسی نے نہ کہی، اس شخص کی یہ بات بے دلیل ہے، جس پر کسی صحابی، یا تابعی یا سلف صالح کا قول نص جلی نہیں، بلکہ علمائے مسلمین میں سے کسی ایک عالم کا بھی ایسا قول نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد اس آیت پر عمل کرنا صحیح ودرست نہیں۔

ہم اس مقام پر ان صحابہ وتابعین کے اقوال پیش کر رہے ہیں جنھوں نے مذکورہ آیت کریمہ سے ان چیزوں کے جواز پر استدلال کیا:

۱۔صحابی جلیل عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ

سعید بن منصور، اور حاکم وطبرانی وغیرہم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے تخریج کی کہ آپ نے فرمایا کہ سورۂ نساء میں پانچ آیتیں ایسی ہیں جن کیعوض دنیا وما فیہا کا حاصل ہونا مجھے پسند نہیں ــــ اور مجھے معلوم ہے کہ علما جب ان آیتوں سے گزرتے ہیں انہیں جان لیتے ہیں وہ پانچ آیتیں یہ ہیں:

(۱) ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَايَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَإِنْ تَكُ حَسَنَةً يُضٰعِفْهَاوَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ أَجْرًا عَظِيْمًا﴾ [النساء-۴:۴۰]

ترجمہ:۔’’اللہ ایک ذرہ بھر ظلم نہیں فرماتا، اور اگر کوئی نیکی ہو تو اسے دونی کرتا، اور اپنے پاس

سے بڑا ثواب دیتا ہے۔“

اور

(۲) ﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا کَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّئَاتِکُمْ وَنُدْخِلْکُمْ مُّدْخَلًا کَرِیْمًا﴾ [النساء-۴:۳۱]

ترجمہ:۔”اگر بچتے رہو کبیرہ گناہوں سے جن کی تمہیں ممانعت ہے تو تمہارے اور گناہ ہم بخش دیں گے اور تمہیں عزت کی جگہ داخل کریں گے“۔

اور

(۳) ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ [النساء-۴:۴۸]

ترجمہ:۔”اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے اور اس سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے“۔

اور

(۴) ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَاِنْ تَکُ حَسَنَةً یُّضٰعِفْهَا وَیُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴾ [النساء-۴:۴۰]

ترجمہ:۔”اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں“۔

اور

(۵) ﴿وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴾ [النساء-۴:۱۱۰]

ترجمہ:۔”اور جو کوئی برائی یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے بخشش چاہے تو اللہ کو بخشنے والا مہربان پائے گا“۔

عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ ان آیتوں کے عوض دنیا و مافیہا کا حاصل ہونا مجھے پسند نہیں۔

میں کہتا ہوں:

اس ارشاد کا معنی اچھی طرح واضح اور روشن ہے، خاص کر یہ جملہ: ''مجھے معلوم ہے کہ علما جب ان آیتوں سے گزرتے ہیں انہیں جان لیتے ہیں''، اور ایک دوسری روایت میں ایک دوسری سند سے وارد ہے جسے بیہقی نے شعب الایمان (۳۷۶/۲) میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا آپ نے فرمایا: مجھے یقیناً یہ امید ہے کہ جو شخص ان آیتوں کو (ان کے معانی میں غور کرکے) تلاوت کرے گا اللہ اسے بخش دے گا:

﴿ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَحِيْمًا﴾ [النساء-۴:۱۱۰]

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوٓا أَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ﴾ [النساء-۴:۶۴]

﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ﴾ [النساء-۴:۱۱۰]

ترجمہ: ''پھر اللہ سے بخشش چاہے تو اللہ کو بخشنے والا مہربان پائے گا، اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں، اور جو کوئی برائی یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے بخشش چاہے''۔

﴿وَالَّذِيْنَ إِذَا فَعَلُوْا فٰحِشَةً أَوْ ظَلَمُوْٓا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ﴾ [آل عمران-۳:۱۳۵]

ترجمہ: ''اور وہ کہ جب کوئی بے حیائی یا اپنی جانوں پر ظلم کریں اللہ کو یاد کرکے اپنے گناہوں کی معافی چاہیں''۔

آپ کا صریح کلام اس بات کی روشن دلیل ہے کہ آپ کے نزدیک یہ آیت ساری امت کے لیے عام ہے، صرف صحابہ ہی کے ساتھ خاص نہیں۔

۲۔ سعید بن جبیر رضی اللہ تعالی عنہ جو سادات تابعین سے ہیں:

آپ نے فرمایا: ''استغفار کی دو قسمیں ہیں قولی اور عملی، استغفار قولی کے متعلق اللہ عزوجل نے ارشاد

فرمایا:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوْٓا أَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَحِيْمًا﴾ [النساء-۴:۶۴]

ترجمہ:۔''اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں، اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائیں''۔

اور استغفار عملی کے بارے میں فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ [الانفال-۸:۳۳]

ترجمہ:۔''اور اللہ انہیں عذاب کرنے والا نہیں جب تک کہ وہ بخشش مانگ رہے ہیں''۔

اس سے اللہ عزوجل کی مراد یہ ہے کہ وہ لوگ بخشش کے اعمال میں مشغول ہیں، اور مجھے بخوبی معلوم ہے کہ کچھ مدعیان اسلام، اور اہل مذاہب اپنی زبانوں سے استغفار کے باوجود جہنم میں جائیں گے''(۵۸)

اب ہم ان حضرات کے اقوال پیش کررہے ہیں جنھوں نے یہ فرمایا کہ نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر پر حاضر ہوکر آپ سے بخشش طلب کرنا اگر مستحب نہیں تو کم از کم جائز ضرور ہے۔

اس سلسلے میں عتبی کا واقعہ بہت ہی مشہور ہے آپ نے فرمایا: میں نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس بیٹھا ہوا تھا اتنے میں ایک اعرابی آئے، انھوں نے بارگاہ رسالت میں سلام عرض کیا: ''السلام علیک یارسول اللہ'' اور یہ عرض کیا کہ: میں نے اللہ عزوجل کا یہ ارشاد سنا:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوْٓا أَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَحِيْمًا﴾ [النساء-۴:۶۴]

ترجمہ:۔''اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں، اور پھر اللہ سے معافی چاہیں، اور رسول ان کی شفاعت فرمائیں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے

والا مہربان پائیں“۔

اے اللہ کے حبیب میں اپنے رب کی بارگاہ میں آپ کو شفیع بنا کر اپنے گناہ کی بخشش طلب کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں آیا ہوں، پھر وہ اعرابی محبت آمیز لہجہ میں یہ اشعار گنگنانے لگے:

۱) یاخیر من دفنت بالقاع أعظمه فطاب من طيبهن القاع والأكم

۲) نفسي الفداء لقبر أنت ساكنه فيه العفاف وفيه الجود والكرم

(۱) اے ان میں افضل ذات جن کی ہڈیاں پست ہموار زمین میں سپرد خاک کردی گئیں تو وہاں کی زمین، پہاڑ اور ٹیلے ان کی پاکیزگی کے سبب پاکیزہ ومشک بار ہوگئے۔

(۲) میں اس تربت اطہر پر نثار جس میں آپ سراپا عفت وجودوکرم بن کر جلوہ بار ہیں اس میں پاکیزگی اور جودوکرم ہے۔

پھر اعرابی واپس چلے گئے، اتنے میں میری آنکھ لگ گئی، میں خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا، آپ نے فرمایا: ”اے عتبی! اعرابی کو جا کر خوش خبری دے دو کہ اللہ نے اسے بخش دیا ہے“۔

میں کہتا ہوں:

عتبی امام شافعی کے معتبر شیوخ، اور سلف صالح سے ہیں انھوں نے اور قدیم وجدید زمانہ کے جمہور امت نے اس آیت پاک سے یہ استدلال فرمایا کہ: روضۂ اقدس پر حاضر ہوکر بخشش طلب کرنا جائز ومستحب ہے۔

اب ہم ان علمائے امت کے اسمائے گرامی ذکر کر رہے ہیں جنھوں نے اس آیت سے استدلال فرمایا۔

مفسرین

(۱) قرطبی نے اپنی تفسیر (۲۶۵/۵، ۲۶۶)،

(۲) اور ثعالبی (۳۸۶/۱)،

(۳) اور ابن کثیر (۵۲۰/۱-۵۲۱)،

(۴) اور نسفی نے (۲۳۰/۱-۲۳۱)

فقہاء

حنفیہ :

(۱) کمال ابن ہمام نے فتح القدیر میں (۱۷۹/۳-۱۸۰-۱۸۱)،

(۲) اور شرنبلالی نے نور الایضاح میں (۱۵۵/۱)

حنابلہ :

(۱) ابن عقیل حنبلی نے اپنے تذکرہ،

(۲) اور سیدنا الشیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی (۵۶۱ھ) نے کتاب غنیۃ،

(۳) اور ابن الجوزی نے المنتظم (۲۵۷ھ) (۹۳/۹)،

(۴) اور ابن قدامہ مقدسی نے المغنی (۲۹۷/۳-۲۹۹)

(۵) اور ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ سمری نے المستوعب،

(۶) اور ابن مفلح نے المبدع (۲۵۹/۳)

(۷) اور بہوتی نے کشف القناع (۵۱۶/۲)

شافعیہ :

(۱) اپنے زمانہ کے شیخ الشافعیہ ابومنصور صباغ نے اپنی کتاب الشامل،

(۲) اور بیہقی نے شعب الایمان (۴۹۵/۳)،

(۳) اور امام نووی نے المجموع میں (۲۰۲/۸) انھوں نے قاضی ماوردی اور قاضی ابوطیب سے نقل کیا،

(۴) اور سبکی نے شفاء السقام،

(۵) اور ابن ملقن نے غایۃ السول في خصائص الرسول ﷺ (ص ۱۸۳)،

(۶) اور سیوطی نے الدر المنثور (۵۷۰/۱، ۲۳)،

(۷) اور ابن حجر ہیتمی نے الجوہر المنظم،

(۸) اور حصنی نے ''دفع شبہ''،

(۹) اور جاوی نے نہایۃ الزین (۲۲۰/۱-۲۲۱) میں۔

مالکیہ :

(۱) امام قاضی عیاض نے شفا شریف،

(۲) شہاب قرافی نے ذخیرہ (۳۷۵/۳، ۳۷۶)، ۳ و ۴)

زرقانی وقسطلانی نے المواہب اللدنیہ میں

مورخین :

(۱) ابن اثیر نے الکامل (۵۰۶/۸)،

(۲) اور ابن خلکان نے وفیات الاعیان (۱۳۶/۵)،

(۳) اور ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ (۱۵۰/۱۲-۱۵۱) میں۔

یہ ذہن نشین کر لینے کے بعد ابن تیمیہ کی بے باکی وگستاخی کا حال روشن ہو گیا جو اس نے مجموع الفتاوی (۱۵۹/۱) میں کہا:

''بعض لوگ اللہ تعالی کے اس قول کی تاویل کرتے ہیں ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوٓا أَنفُسَهُمْ جَآءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾ [النساء-۴: ۶۴] اور یہ کہتے ہیں کہ آپ کے وصال کے بعد آپ سے استغفار، صحابہ کے استغفار جیسا ہے، ان لوگوں نے اپنی اس تاویل میں صحابہ، اور بھلائی کے ساتھ ان کی اتباع کرنے والوں (تابعین)، اور تمام مسلمانوں کی مخالفت کی ہے کیوں کہ ان میں سے کسی نے بھی آپ کے وصال کے بعد آپ سے شفاعت کی درخواست نہ کی، اور نہ ہی آپ سے کوئی

چیز مانگی، اور نہ ہی ائمہ مسلمین میں سے کسی نے اپنی کتابوں میں اسے ذکر کیا''۔

اور اس نے یہ بھی کہا:

''ملائکہ، اور انبیا، وصالحین کے وصال کے بعد ان کی قبروں کے پاس اور ان سے دور، اور ان کے مجسموں سے خطاب یہ ساری نوعیں ان اقسام شرک سے ہیں جو اہل کتاب کے علاوہ مشرکین میں موجود تھیں، اور مبتدعین اہل کتاب اور مسلمانوں کے اندر بھی یہ چیزیں موجود ہیں اس لیے کہ انھوں نے ایسے شرک اور ایسی عبادتیں ایجاد کیں جن کا اللہ نے حکم نہ دیا''۔

اور اس نے ''الرد علی البکری'' (۱/۱۴۶) میں یہ بھی کہا:

''تیسرا درجہ:

یہ ہے کہ صاحب قبر سے یہ سوال کرے کہ اللہ سے اس کے لیے سوال و دعا کریں، یہ ایسی بدعت ہے جس پر تمام ائمہ مسلمین متفق ہیں، اور اللہ نے برادران یوسف کے بارے میں یہ خبر دی کہ وہ سب آپ کے لیے سجدہ میں گر گئے، اور ایسے ہی آپ کے والدین نے بھی آپ کو سجدہ کیا، یہ سجدہ ہمارے لیے مشروع نہیں (اس لیے کہ کسی کو کسی کا سجدہ کرنا جائز نہیں)''۔

اور اس نے مجموع الفتاوی (۲۴/۳۲۷) میں کہا:

''اور زیارت بدعت اہل شرک کی زیارت ہے، یہ زیارت نصاری کی زیارت کی طرح ہے جن کا مقصود مردہ کو پکارنا، اس سے مدد طلب کرنا اور حاجتیں چاہنا ہے، یہ لوگ مردہ کی قبر کے پاس نماز پڑھتے، اور وہاں دعا کرتے ہیں، اس طرح کی چیزیں نہ صحابہ نے کیں، اور نہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا حکم دیا، اور نہ ہی امت کے اسلاف وائمہ نے اسے مستحب کہا''۔

میں کہتا ہوں:

یہ ابن تیمیہ کی فتنہ انگیز باتیں ہیں، ما سبق میں ان کا رد گزر چکا، اور باقی رد بھی پورا کریں گے، اب ہم قارئین کرام کی خدمت میں ایسے آثار پیش کریں گے جن سے ابن تیمیہ کی فتنہ انگیز باتوں کا کذب روشن ہو جاتا

ہےاس لیے کہ بہت سے حضرات نے انبیائے کرام کے وصال کے بعدان سے خطاب وندا کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے جب رفیق اعلی کی طرف سفر فرمایا تو سیدہ فاطمہ نے عرض کیا: ہائے ابا جان! آپ نے اپنے رب کا بلاوا قبول کرلیا، ہائے ابا جان! آپ کا مقام جنت الفردوس بنا، ہائے ابا جان! ہم جبریل کو آپ کے وصال کی خبر دیں گے۔(۱)

جب صحابہ کرام آپ کے دفن سے فارغ ہوئے تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا نے کہا: اے انس! کیا رسول اللہ ﷺ کو سپرد خاک کرنا تمہارے دلوں نے گوارہ کیا؟

اور حضرت ابوبکر نے آ کر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ زیبا کھولا، اور اسے بوسہ لے کر عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ کا دنیا میں رہنا، اور اس سے سفر فرمانا پاکیزہ ومشک بار رہے، اور اس ذات پاک کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، اللہ عزوجل آپ کو کبھی بھی دوموتوں کا ذائقہ نہ بخشے گا۔(۲)

اور قیس بن ابوحازم سے مروی ہے کہ: عمر بن خطاب نے ایک روز مدینہ منورہ طیبہ کے منبر پر لوگوں کو خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: عدن کے باغات میں ایک محل ہے جس کے پانچ سو (۵۰۰) دروازے ہیں، ہر دروازہ پر پانچ ہزار (۵۰۰۰) حورعین ہیں، اس دروازہ سے صرف نبی ہی داخل ہوں گے، پھر رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اطہر کی طرف رخ کر کے فرمایا: اے اس قبر میں جلوہ نشیں! آپ کو مبارک ہو، پھر فرمایا: یاصدیق (اس دروازے سے داخل ہوں گے) پھر ابوبکر کی قبر کی طرف رخ کر کے فرمایا: اے ابوبکر! آپ کو مبارک ہو پھر فرمایا: یاشہید (اس دروازے سے داخل ہوں گے) پھر اپنی طرف متوجہ ہوکر فرمایا: اے عمر! تمہارے نصیب میں شہادت کہاں پھر فرمایا کہ: جس خدائے پاک نے مجھے مکہ سے مدینہ منورہ کی ہجرت کا شرف بخشا وہ اس پر قادر ہے

(۱) حدیث (یا أبتاہ) بخاری (۱۶۱۹/۴) وابن حبان (۵۹۱/۱۴) اور حاکم (۵۳۷/۱) نے تخریج کی۔

(۲) حدیث (طبت حیا ومیتا) بخاری (۱۳۴۱/۳) نے عائشہ، اور بزار (۱۸۲/۱) نے عبداللہ ابن عمر سے تخریج کی۔ اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۳۸/۹) میں کہا: اس حدیث کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ علی بن منذر ثقہ ہیں اور بیہقی نے بھی کبری (۱۴۲/۸) میں یہ حدیث تخریج کی۔

کہ مجھے شہادت سے سرفراز فرمائے۔عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا: اللہ عزوجل نے آپ کو ایسے شخص کے ہاتھ شہادت عطا فرمائی جو اللہ کی مخلوق میں سب سے بدتر مغیرہ کا غلام(۱) تھا۔(۲)

(۱) حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد عرض کیا:

ألا یا رسول اللہ کنت رجاء نا ... وکنت بنا برا ولم تک جافیا
وکنت رحیما ھادیا ومعلما ... لیبک علیک الیوم من کان باکیا
علیک مني السلام تحیة ... ودخلت جنات من العدن راضیا

ترجمہ: اے اللہ کے رسول! آپ ہماری امید ہیں، ہمارے اوپر انعام واحسان فرمانے والے ہیں، خشک مزاج نہیں، آپ رحم فرمانے والے رہنما اور معلم ہیں۔ آپ کے غم فراق میں رونے والے آج جتنا چاہیں رولیں، میں آپ کی بارگاہ میں گلہائے درود وسلام پیش کر رہی ہوں، آپ جنات عدن میں خوشی بخوشی داخل ہو گئے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

ودعنا الوحي إذ ولیت عنا ... فودعنا من اللہ الکلام
سوی ماقد ترکت لنا رھینا ... تضمنہ القراطیس الکلام

ترجمہ: آپ کے وصال کے بعد سلسلۂ وحی ہم سے منقطع ہو گیا، اس طرح آپ کے واسطہ سے اللہ عزوجل کے شرف ہم کلامی سے ہم محروم ہو گئے، صرف قرآن کے اثاثہ کے علاوہ بظاہر ہمارے پاس کچھ نہیں جو پاکیزہ دفتروں میں محفوظ ہے۔

حضرت حسان ابن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

کنت السواد لنا ظري ... فعمی علیک الناظر
من شاء بعدک فلیمت ... فعلیک أنت أحاذر

ترجمہ: آپ میری آنکھوں کے نور تھے، آپ کے پردہ فرمانے کے بعد یہ آنکھیں بے نور ہو گئیں، آپ کے وصال کے بعد اب جو چاہے رخت سفر باندھے، میں ہمیشہ آپ کی تائید وحمایت میں سینہ سپر رہا۔

ابن تیمیہ اور اس کے ہم نوا بتائیں کہ حضور اقدس ﷺ کے وصال جانکاہ کے بعد آپ سے یہ خطاب وندا اقسام شرک سے ہے؟ کیا صحابہ سے یہ خطاب وندا ثابت نہیں؟۔ (مترجم)

(۲) اثر عمر بن خطاب طبرانی نے اوسط میں (۹/۱۶۳-۱۶۴) روایت کیا، اور حارث نے اپنی مسند (زوائد ھیثمی) (۲/۸۹۱) میں روایت کیا۔ ھیثمی نے مجمع الزوائد (۹/۵۴-۵۵) میں کہا: شریک نخعی کے علاوہ اس کے تمام رجال صحیح کے رجال ہیں، اور شریک ثقہ ہیں اور ان کے بارے میں اختلاف ہے۔

ان روشن حقائق سے صاف ظاہر ہے کہ موت کے بعد یا حالت غیبت میں خطاب وندا جائز ہے۔

ماسبق میں گزر چکا کہ امت مسلمہ اپنے تشہد میں یہ عرض کرتی ہے ''السلام علیک أیھا النبي ورحمة الله وبركاته'' اے نبی! آپ پر سلام، اور اللہ کی رحمت، اور اس کی برکتیں ہوں' اور نبی پاک ﷺ کی سنت کے حوالہ سے آئندہ جو کچھ ذکر کریں گے اس سے بھی یہ امر بخوبی واضح وروشن ہے۔

جن لوگوں کو خواب میں نبی پاک ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی ابن تیمیہ کے نزدیک یہ حضرات اپنے دین میں کمزور ہیں، ان کے اندر نفاق پایا جاتا ہے، اور یہ لوگ مؤلفۃ القلوب سے ہیں۔

عتبی کا مشہور واقعہ گزرا جس میں یہ ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک اعرابی آئے انھوں نے روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر عرض کیا: ''السلام علیک یا رسول اللہ'' میں نے اللہ عزوجل کا یہ ارشاد سنا:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوٓا أَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَحِيْمًا﴾ [النساء-۴:۶۴]

ترجمہ:۔''اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں، اور پھر اللہ سے معافی چاہیں، اور رسول ان کی شفاعت فرمائیں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں''۔

میں اپنے رب کے حضور آپ کو آپ اپنا شفیع لاکر اپنے گناہوں کی بخشش کے لیے آپ کی خدمت میں آیا ہوں، پھر یہ اشعار پڑھنے لگے:

(۱) یاخیر من دفنت بالقاع أعظمه فطاب من طیبهن القاع والأكم

(۲) نفسي الفداء لقبر أنت ساكنه فیه العفاف وفیه الجود والكرم

(۱) اے ان میں افضل ذات جن کی ہڈیاں پست ہموار زمین میں سپرد خاک کردی گئیں تو وہاں کی زمین، پہاڑ اور ٹیلے ان کی پاکیزگی کے سبب پاکیزہ ومشک بار ہوگئے۔

(۲) میں اس تربت اطہر پر نثار جس میں آپ سراپا عفت وجودوکرم بن کر جلوہ بار ہیں۔اس میں پاکیزگی جودوسخا اور لطف وکرم ہے۔

پھر اعرابی واپس چلے گئے، اتنے میں میری آنکھ لگ گئی، مجھے خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی، آپ نے فرمایا: ''اے عتبی !اعرابی کے پاس جا کر اسے خوش خبری دے دو کہ اللہ نے اسے بخش دیا''۔

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب ''**قاعدة في المحبة**''(۱/۱۹۱/۱۹۲) میں عتبی کی اس مشہور حکایت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

''بعض فقہا نے اعرابی کے متعلق عتبی کی حکایت ذکر کی جس میں یہ ہے کہ اس نے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قبر پر حاضر ہو کر عرض کیا اے افضل الخلق ! بے شک اللہ فرماتا ہے ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوٓا أَنْفُسَهُمْ﴾ [النساء-۴:۶۴] اور میں آپ کی خدمت میں آیا ہوں، اور عتبی نے خواب دیکھا کہ نبی پاک نے انہیں یہ حکم دیا کہ اعرابی کو خوش خبری دیں، نبی اور دوسرے صالحین کی قبر کے بارے میں اس طرح کی حکایتیں ایسے لوگ بیان کرتے ہیں جن کے ایمان میں کمزوری ہے، اور رسول کے مقام ومرتبہ اور آپ کے حکم سے جاہل ہیں، اگر ایسے شخص کو اس کی حاجت کے سبب اس طرح کے امور سے روکا نہ گیا تو اس کا ایمان اضطراب میں پڑ جائے گا، اور اس کا نفاق عظیم ہو جائے گا، ایسا شخص ان لوگوں کی طرح ہے جنھیں نبی کی حیات میں تالیف قلب کے لیے کچھ دیا جاتا تھا جیسا کہ آپ نے فرمایا: ''میں کچھ لوگوں کے دلوں کی کمزوری اور بے صبری کے سبب ان کی تالیف قلب کرتا ہوں، اور کچھ لوگوں کو ان کی اس مالداری اور خیر کے حوالہ کر دیتا ہوں جو اللہ نے ان کے دلوں میں قائم فرما دی ہے' ان مؤلفۃ القلوب کے لیے یہ مال لینا مکروہ ہے، تو پھر ان لوگوں کی حاجتیں بھی انہیں (مؤلفۃ القلوب) کی حاجتوں کی طرح ہیں''۔

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ بڑا جھوٹا شخص ہے اس لیے کہ اس کے نزدیک خواب میں نبی پاک ﷺ کی زیارت کرنے والا منافق ہے، اسے کس نے یہ بتایا کہ اس کے ایمان میں کمزوری ہے، یا ایسا شخص رسول اللہ ﷺ کے مقام ومرتبہ اور آپ کے احکام وآداب سے جاہل ہے؟ اور کس نے یہ کہا کہ ایسا شخص عظیم نفاق رکھتا ہے، یہ سب ابن تیمیہ کے قبیح مفروضات ہیں جن کا مقصود نبی پاک ﷺ کی زیارت شریفہ کی اہمیت گھٹانا ہے وبس؟

کیا آپ جانتے ہیں کہ ابن تیمیہ نبی پاک ﷺ کی زیارت شریفہ کی اہمیت کیوں گھٹا رہا ہے؟ دراصل اس کا سبب یہ ہے کہ اس کی اور اس کے ریزہ خواروں کی کتابوں میں یہ کہیں نہیں ملتا کہ انہیں نبی پاک ﷺ کی زیارت شریفہ کا حظ وافر حاصل ہوا، اور اسی طرح اگر کوئی اس سے یہ پوچھے: کیا تو نے نبی پاک ﷺ کی زیارت کی ہے؟ تو اس کا وہی جواب ہوگا جو ابھی گزرا، اگر کوئی اس سے یہ کہے کہ: فلاں عالم یا صالح کو خواب میں نبی پاک ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی اس لیے میں ان کی اتباع کرتا ہوں تو ابن تیمیہ کا کھلم کھلا رد ہوگا۔

اب تک ابن تیمیہ کے حامیوں کا یہی طریقہ چلا آ رہا ہے، افسوس کا مقام یہ ہے کہ امسال (۱۴۲۳ھ) بعض حضرات ۲۵؍رمضان المبارک کی شب میں نبی پاک ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے سرکار نے خواب میں انہیں یہ خبر دی کہ یہ شب قدر ہے، تو بعض جہلا جنہیں صرف پوست کا علم ہے، اور کسی مسجد میں مدرس ہیں انھوں نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا: اس کا کیا معنی ہے ''**كويس علشان تجتهدي في العبادة، ولكن ده مش دليل**''.

بلاشبہ یہ تبصرہ کرنے والا شخص نبی کریم ﷺ کی زیارت سے محروم ہے، اگر یہ خود زیارت کرتا تو اپنے تمام اصحاب ورفقا اور پیروکاروں کو یہی خبر دیتا، اور اگر اکثر صالحین سے دریافت کرتا تو وہ یہی کہتے کہ یہ پچیسویں کی شب ہے، یہ شخص سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی اس حدیث سے غافل ہے جس میں یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

'' **أرى رويا كم قد تواطأت في السبع الأواخر فمن كان متحريها فليتحرها**

في السبع الأواخر" (۱)

ترجمہ:۔" مجھے معلوم ہے کہ تم لوگوں کا دیکھنا اخیر کے سات دنوں میں ایک دوسرے کے مطابق ہے تو جو شخص اسے تلاش کرنا چاہے تو وہ اخیر کی سات راتوں میں تلاش کرے"۔

اور اگر صرف مسلمانان اہل سنت کی کتابوں کا احاطہ کریں تو آپ پر یہ روشن ہوگا کہ یہ حضرات خواب میں نبی پاک ﷺ کی زیارت کرنے والے شخص سے خوش ہوتے، اور اس کی بے پناہ تعظیم وتکریم کرتے، اور اسے عمدہ اوصاف ومناقب اور کمالات وفضائل کا حامل جانتے، بہر کیف خواب میں نبی پاک ﷺ کی زیارت سے مشرف ہونے والے حضرات امت کے نیک وبہتر افراد واشخاص ہیں۔

بعض علما کا یہ حال تھا کہ خواب میں نبی پاک ﷺ کی زیارت کم ہونے پر" **أعوذ بالله من الشيطان الرجيم**" پڑھا کرتے تھے۔

میں نے گزشتہ سطور ہی میں ذکر کر دیا کہ ابن تیمیہ کا کوئی عاشق زار اور ریزہ خوار ایسا نہیں جو نبی پاک ﷺ کی زیارت شریفہ کی تعظیم کرے، اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ یہ لوگ اس سعادت سے بالکل محروم ہیں، اور اسی لیے شاذ ونادران میں سے کسی سے یہ کہتے سنیں گے کہ میں نے نبی پاک ﷺ کی زیارت کی ہے۔

اور یہ شاذ ونادر یا تو ابن تیمیہ، اور اس کے پیروکاروں اور ان کی روش پر چلنے والوں کی فکر سے دور رفتہ ہے، یا آپ کی زیارت ہی شاذ ونادر کے باب سے ہے والعیاذ باللہ تعالیٰ یہ کوئی خوش خبری نہیں۔

ان مسکینوں سے آپ پوچھیں گے تو وہ کبھی بھی اس کا جواب نہ دیں گے، بلکہ نبی پاک ﷺ کی زیارت شریفہ کی اہمیت ہی گھٹائیں گے۔

نبی پاک ﷺ کی حیات ظاہری، اور آپ کے وصال کے بعد آپ کی زیارت عارفوں کے درد دل اور سوز دروں کا تریاق ہے جیسا کہ درج ذیل احادیث وآثار اس پر شاہد ہیں:

---

(۱) حدیث (أری رؤیاکم) امام بخاری نے روایت کی (۲/۷۰۹) اور مسلم (۸۲۲) وغیرہ نے بھی **مشکاة المصابیح** ص ۱۸۱ **باب ليلة القدر**، ابوداود رمضان، ترمذی صوم، مؤطا امام مالک اعتکاف، مسند امام احمد ۲/ص ۸۹۶ وغیرہ

(۱) امام مسلم وغیرہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تخریج کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''من أشد أمتي لي حبا ناس يكونون بعدي يود أحدهم لو رآني بأهله وماله''. (۱)

ترجمہ: ''مجھ سے بے پناہ محبت کرنے والے وہ لوگ ہیں جو میرے بعد ہوں گے، ان میں سے بعض کی یہ خواہش وتمنا ہوگی کہ اپنے اہل ومال کے ساتھ میری زیارت کریں''۔

(۲) طبرانی نے سمرہ بن جندب سے تخریج کی کہ رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں سے فرماتے تھے:

'' ألا أحدكم سيوشك أن يحب أن ينظر إليّ نظرة بماله من أهل ومال''.

ترجمہ: ''بے شک عنقریب تم میں سے بعض کو یہ پسند ہوگا کہ اپنے اہل ومال کے ساتھ ایک نظر میرا دیدار کریں''۔

(۳) انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے:

'' قل ليلة تاتي علي إلا وأنا أرى فيها خليلي صلى الله تعالى عليه وسلم ،وأنس يقول ذلك وتدمع عيناه'' (۲)

ترجمہ: ''بہت ہی کم ایسی راتیں آتیں جن میں مجھے اپنے محبوب کی زیارت ہوتی ، اور جس وقت انس یہ کہتے ان کی آنکھیں اشکبار ہوجاتیں۔''

ثانیا: سنت اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم

(۱) '' یامحمد إني أتوجه بك إلى ربي''

امام احمد نے اپنی مسند، اور بخاری نے اپنی تاریخ میں، اور ترمذی وغیرہم نے تخریج کیا کہ: عثمان بن حنیف سے مروی ہے کہ ایک نابینا شخص نبی پاک ﷺ کی خدمت میں آئے ، اور عرض کیا اللہ عزوجل سے دعا

(۱) حدیث (أشد أمتي لي حُبًّا) امام احمد (۲/۴۱۷)، مسلم (۴/۲۱۷۸)، ابن حبان (۱۶/۲۱۴)، طبرانی نے اوسط (۷/۸۹) اور حاکم نے مستدرک میں (۴/۹۵) یہ حدیث تخریج کی۔

(۲) (انس کی حدیث) احمد نے روایت کیا (۳/۲۱۶) اور ھیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا: اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔

فرمائیں کہ مجھے عافیت بخشے، آپ نے فرمایا: ''اگر چاہو تو میں تمہارے لیے دعا کروں، اور اگر چاہو تو اس کو موخر رکھوں، اور یہی بہتر ہے، نابینا نے عرض کیا، حضور دعا فرمائیں، سرکار نے انہیں یہ حکم دیا کہ اچھی طرح وضو کریں اور دو رکعت نماز ادا کر کے یہ دعا مانگیں:

'' **ألـلهم إني أسألک و أتوجه إليک بنبيک محمد نبي الرحمة يامحمد إني توجهت بک إلى ربي في حاجتي هذه فتقضى لي اللهم شفعه في**''[1]

ترجمہ: ''اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، اور تیرے نبی محمد نبی رحمت کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، اے محمد (ﷺ) میں آپ کے وسیلہ سے اپنی اس حاجت میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا کہ آپ میری حاجت روائی فرمائیں، اے اللہ! آپ کو میرے حق میں شفیع بنا''

اور زیادت صحیحہ میں جسے طبرانی نے اپنی کتاب الدعا میں صحیح قرار دیا، اور کتاب الدعا اور معجم کبیر وصغیر میں تخریج کیا (حافظ منذری نے ''الترغیب والترہیب'' اور حافظ ھیثمی نے مجمع الزوائد وغیرہما میں طبرانی کی اس تصحیح کو برقرار رکھا) یہ ہے: **بـاب القول عندالدخول على السلطان**: (اس باب میں اس بات کا ذکر ہے کہ بادشاہ کے پاس جانے کے وقت کیا کہا جائے)

(۱) حدیث: **یـامـحـمد إنی أتوجه بک** ۔امام احمد نے تخریج کی (۱۳۸/۴) اور بخاری نے تاریخ کبیر میں (۲۰۹/۶) اور ترمذی (۵۶۹/۵) اور نسائی (۱۶۸/۶، ۱۶۹) اور ابن ماجہ (۴۴۱/۱) اور ابن خزیمہ (۲۲۵/۲) اور حاکم (۴۵۸/۱، ۷۰۰، ۷۰۷) اور طبرانی نے معجم کبیر (۳۰/۹، ۳۱)، اور معجم صغیر (۳۰۶/۱)، اور دعا میں (۳۲۰/۱، ۳۲۱) اور عبد بن حمید (۱۴۷/۱) اور ابن قانع نے معجم الصحابہ میں (۲۵۷/۲، ۲۵۸) اور ابن عساکر نے الأربعون حدیثا (چہل حدیث)، (۵۳/۱، ۵۴، ۵۵) اور تاریخ دمشق میں (۲۴/۶) تخریج کیا، اور کم از کم سترہ علمائے محدثین نے اس حدیث کو صحیح کہا جن میں یہ حضرات ہیں: ۱۔ترمذی، ۲۔ابن ماجہ، ۳۔ابن خزیمہ، ۴۔طبرانی، ۵۔حاکم، ۶۔بیہقی، اور ۷۔علامہ نووی نے الأذکار میں اس کی تصحیح برقرار رکھی، اور ۸۔حافظ منذری، ۹۔ذہبی، ۱۰۔ھیثمی، اور ۱۱۔ابن حجر نے **أمـانـي الأذكـار** میں، اور ۱۲۔سیوطی، اور ۱۳۔مناوی وغیرہم نے ۱۴۔ابن ابوحاتم، ۱۵۔ابوزرعہ، ۱۶۔ابن حبان، اور ۱۷۔ابن عساکر نے تخریج کی۔

عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص عثمان بن عفان رضی اللہ تعالی عنہ کی خدمت میں اپنی حاجت کے لیے آتے جاتے تھے، آپ ان کی طرف نہ توجہ فرماتے، اور نہ ان کی حاجت میں نظر کرتے، ایک روز عثمان بن حنیف سے ان کی ملاقات ہوگئی، آپ سے انھوں نے اس بات کا شکوہ کیا، عثمان بن حنیف نے ان سے فرمایا آپ وضو کا پانی لاکر وضو کیجئے پھر مسجد جا کر دو رکعت نماز ادا کیجئے اور یہ دعا کیجئے:

"ألـلهم إني أسألک وأتوجه إليک بنبيک نبي الرحمة يامحمد إني أتوجه بک إلی ربک فيقضي لي حاجتي"

ترجمہ:۔"اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، اور تیرے نبی نبی رحمت کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، اے محمد! (ﷺ) میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا تا کہ وہ میری حاجت روائی فرمائے"۔

اور اپنی حاجت ذکر کیجئے پھر میں آپ کے ساتھ چلوں گا، انھوں نے جا کر ایسا ہی کیا پھر عثمان بن عفان رضی اللہ تعالی عنہ کے دولت سرا پر آئے، تو دربان نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو عثمان بن عفان کی خدمت میں پہنچا دیا، اور وہاں انہیں آپ کے ساتھ ایک چٹائی پر بیٹھا دیا آپ نے فرمایا: کیا حاجت ہے؟ انھوں نے اپنی حاجت پیش کی، آپ نے ان کی حاجت روائی فرمائی، اور ان سے فرمایا: تم نے اتنے زمانہ تک اپنی حاجت ذکر نہ کی، پھر ان سے فرمایا آپ کی جو کچھ حاجت رہے پیش کر دیا کریں، پھر وہ آدمی حضرت عثمان کے پاس سے نکلے، اور عثمان بن حنیف سے آکر ملاقات کی، اور کہا اللہ عزوجل آپ کو جزائے خیر دے، وہ میری حاجت کی طرف نظر ہی نہ فرماتے تھے اور نہ ہی میری طرف ملتفت ہوتے تھے یہاں تک کہ آپ نے ان سے میری حاجت کے بارے میں سفارش کیا، تو عثمان بن حنیف نے ان سے فرمایا: میں نے آپ کے بارے میں ان سے کچھ نہ کہا، لیکن میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا دیکھا کہ ایک نابینا شخص آپ کی خدمت میں آئے اور آپ سے اپنی کور چشمی کی شکایت کی تو نبی پاک ﷺ نے ان سے صبر کے لیے فرمایا انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ میرا کوئی قائد وراہ نما نہیں، اور مجھے مشقت و پریشانی ہوتی ہے، اس پر نبی پاک ﷺ نے ان سے فرمایا: "وضو کا پانی

لا کر وضو کیجئے پھر دو رکعت نماز ادا کر کے یہ دعا کیجئے' ابن حنیف نے کہا: خدا کی قسم بارگاہ رسالت سے ابھی ہم نہ نکلے تھے کہ وہ نابینا شخص ہم لوگوں کے پاس آئے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ کبھی ان کی بینائی گئی ہی نہیں تھی''۔

میں کہتا ہوں:

یہ اثر درج ذیل امور کے بارے میں نص قطعی ہے:

(۱) نبی پاک ﷺ کے وصال کے بعد آپ کو پکارنا، اور آپ سے استعانت واستغاثہ کرنا جائز ہے کیوں کہ خود نبی پاک ﷺ نے نابینا کو یہ دعا تعلیم فرمائی:۔

'' یامحمد إني توجهت بک إلی ربي''

ترجمہ:۔''اے محمد (ﷺ) میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا''۔

نابینا کی دعا کے وقت حضور اقدس ان کے پیش نظر نہ تھے، جیسا کہ اس قصہ کے راوی عثمان بن حنیف کا یہ جملہ اس پر شاہد عدل ہے:''خدا کی قسم بارگاہ رسالت سے ابھی ہم نہ نکلے تھے کہ وہ نابینا شخص ہم لوگوں کے پاس آئے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ کبھی ان کی بینائی گئی ہی نہیں تھی''۔

عثمان ابن حنیف نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں تھے، اور نابینا شخص نے وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی پھر یہ کلمات دعا عرض کیے، اور یہ کوئی بعید نہیں کیوں کہ یمن، شام، مکہ، مدینہ منورہ، یا کسی خطۂ زمین پر نماز پڑھنے والا انسان نماز کے اندر بحالت تشہد آپ پر یہ سلام پیش کرتا ہے:'' **السلام علیک أیهاالنبي ورحمة الله وبرکاته**'' حضور اقدس سید عالم ﷺ تو مدینہ منورہ طیبہ میں جلوہ بار ہیں اور نمازی خطاب کے صیغہ سے دور سے یوں سلام عرض کرتا ہے ''السلام علیک'' آپ پر سلام نازل ہو یہ نہیں کہتا ''**السلام علی النبي**'' نبی پر سلام نازل ہو، اب اسی سلام پر ساری امت کا اجماع ہے، سب سے اہم بات یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ نے نابینا شخص کو یوں دعا کرنے کی تعلیم فرمائی ''یامحمد'' (دور رہ کر بھی یہی دعا کریں) ''**إني أتوجه بک إلی ربي**'' میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی بارگاہ میں متوجہ ہوا۔

(۲) نبی پاک ﷺ سے توسل کرنا جائز ہے اگر چہ جلنے والے جلیں، اس نص میں تاویل کا بھی احتمال نہیں۔

(۳) نبی پاک نے نابینا صحابی سے ارشاد فرمایا کہ یوں دعا کریں:
"أتوجه إليک بنبیک" اے اللہ! میں تیرے نبی کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوا۔
اللہ عزوجل کی بارگاہ میں حضور اقدس کو عظیم محبوبیت، اور اعلی مقام حاصل ہے اس لیے اللہ عزوجل نے آپ کو اس کرامت سے سرفراز فرمایا کہ آپ سے امت کا توسل کرنا جائز ہے، جو لوگ رسول پاک کی اس عظیم کرامت کا انکار کرتے ہیں اگر ان کے زعم کے مطابق یہ مراد ہو کہ نابینا صحابی صرف اپنے رب عزوجل ہی سے دعا کریں، تو خود نبی پاک ﷺ ابتداءً ان کے لیے دعا فرما دیتے یا انہیں یہ تعلیم فرماتے کہ مثلا یوں دعا کریں" یاحي یاقیوم اشفني" اے حی وقیوم مجھے شفا عطا فرما، لیکن انہیں یہ کلمہ تعلیم فرمایا:"أتوجه" میں متوجہ ہوا، اور صحابہ کے سامنے یہ ندا بھی تعلیم فرمائی"یامحمد إني أتوجه بک إلی ربي" اے نبی! میں آپ کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا، ظاہر ہے نابینا صحابی کی دعا کے وقت حضور اقدس نابینا صحابی کے سامنے موجود نہ تھے، بلکہ اپنے صحابہ کے جھرمٹ میں تھے۔ اگر دور سے ندا کرنا جائز نہ ہوتا، تو حضور نابینا صحابی کو یہ دعا تعلیم نہ فرماتے اس لیے کہ وہ آپ سے دور تھے۔

(۴) عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالی عنہ جلیل الشان صحابی ہیں، اور تمام صحابہ رضوان اللہ تعالی علیہم عادل ہیں، اور سارے صحابہ ابن تیمیہ سے کروڑ ہا درجے افضل ہیں، اور خود عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالی عنہ نے یہی سمجھا کہ اس حدیث کا حکم نبی پاک کی ظاہری حیات ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ آپ کے وصال کے بعد بھی اس کا حکم باقی ہے اسی لیے عثمان بن عفان رضی اللہ تعالی عنہ سے جس شخص کو حاجت تھی انہیں یہی دعا تعلیم فرمائی گئی، اور صحابی اور تابعی جنہیں یہ واقعہ پیش آیا ان حضرات کا فہم وعمل ہم مسلمانوں کے لیے ابن تیمیہ کے فتنہ سے زیادہ بہتر ہے، طبرانی نے اس واقعہ کو صحیح قرار دیا، اور ان کی تصحیح ہمارے لیے کافی ہے، اور منذری نے بھی ان کی موافقت کی، اور ان کی تصحیح برقرار رکھی، اور ان کا زمانہ ابن تیمیہ سے پہلے ہے، اور ھیثمی نے بھی امام طبرانی کی موافقت کی ہے جو ابن تیمیہ کے بعد کے ہیں۔

(۵) راویان حدیث اورائمہ اعلام نے اس حدیث سے یہی سمجھا کہ اس حدیث میں وارد دعا صرف مخصوص زمانہ ہی کے ساتھ خاص نہیں کہ جب نبی پاک ﷺ اپنے صحابہ کے درمیان اپنی حیات ظاہری کے ساتھ موجود تھے اسی وقت یہ حکم تھا، بلکہ ان حضرات نے یہی سمجھا کہ حضوراقدس کے وصال کے بعد بھی اس کلمہ خاص "**یامحمد إني أتوجه بك إلى ربي**" کے ساتھ دعا کا حکم مسلسل باقی ہے جب کبھی کسی مسلمان کو کوئی حاجت وضرورت درپیش ہو یہ دعا کرسکتا[1] ہے۔

امام نسائی کو دیکھیں آپ نے کتاب "**عمل الیوم واللیلة**" میں ایک باب میں اسے ذکر کیا جس کا عنوان یہ ہے: "**باب مایقال عندالکرب إذانزل به**" اس باب میں ان چیزوں کا ذکر ہے جنہیں غم نازل ہونے کے وقت کہا جائے" (۱/۴۴۰) آپ نے استمرار کا صیغہ ذکر فرمایا: "**یقال**" "کہا جائے" یہ نہ کہا "**باب ما قیل عندالکرب**" اس باب میں ان چیزوں کا ذکر ہے جنہیں غم وکرب کے وقت کہا گیا۔اورآپ نے "**باب ما یقوله إذا راعه شيء**" (۱/۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸) میں ذکر فرمایا یعنی اس باب میں ان چیزوں کا بیان ہے جنہیں خوف ودہشت لاحق ہونے کے وقت کہے، یہاں بھی "یقول" فرمایا یعنی "کہے" یہ بھی استمرار کا صیغہ ہے، اوراسی طرح حافظ ابن السنی نے "**عمل الیوم واللیلة**" (ص۲۹۶) میں فرمایا: "**باب مایقول من ذهب بصره**" یعنی اس باب میں ان چیزوں کا ذکر ہے جنہیں نابینا شخص کہے"۔

کیا نسائی اورابن السنی سے کفرسرزدہوا، اوراسی طرح ابن ماجہ، طبرانی، نووی، منذری، اورہیثمی وغیرہم نے صلاۃ الحاجۃ کے باب میں اسے ذکر فرما کر کفر کیا، اوراسی طرح ابن خزیمہ جنھوں نے "**باب صلاة**

(۱) حافظ ابن حجر ہیثمی الجوہر المنظم میں ارشاد فرماتے ہیں:

"**وهذالمعنى حاصل في حياته وبعد موته ومن ثم استعمل السلف هذا لدعاء في حاجاتهم بعد موته صلى الله تعالى عليه وسلم**" (الجوہر المنظم ص۱۵ دار جوامع الکلم قاہرہ ۱۹۲۲ء)

ترجمہ:۔" یہ معنی حضوراقدس سیدعالم ﷺ کی حیات اوروفات دونوں حالتوں میں حاصل ہے اسی لیے سلف صالحین نے حضور کے وصال کے بعد اپنی حاجتوں میں اس دعا کا استعمال فرمایا ہے"۔ (مترجم)

الترغیب والترهیب" میں اس روایت کوذکر کیا، کیا یہ تمام حضرات خطا کار اور قصوروار ہیں، اور آٹھویں صدی ہجری میں ابن تیمیہ صرف ایک ایسا شخص ہے جو راہ راست پر قائم ہے۔ **مالکم کیف تحکمون؟** بتاؤ مسلمانوں تمہارا فیصلہ کیا ہے؟

اور تعجب تو یہ ہے کہ بعض کو چھوڑ کر سارے شیعوں نے صحابہ کی فضیلت کو ساقط وکالعدم قرار دیا، مگر ابن تیمیہ کے پیروکاروں کا حال یہ ہے کہ انھوں نے ابن تیمیہ کے اقوال کی اتباع میں مسلمانوں کی سات سو سالہ تاریخ کو ساقط وکالعدم قرار دیا، کیا ابن تیمیہ سے پیشتر کوئی ایسا عالم گزرا ہے جس نے ابن تیمیہ جیسا کارنامہ انجام دیا ہو؟

(۶) کتاب مجابی الدعا میں ابن ابوالدنیا کی روایت کے متعلق ابن تیمیہ نے مجموع الفتاوی (۲۶۴/۱) میں جو جائزہ پیش کیا ہے وہ مضحکہ خیز بھی ہے اور گریہ انگیز بھی:

> "ایک شخص عبدالملک بن سعید بن ابجر کے پاس آئے انھوں نے ان کا شکم چھوکر کہا آپ کو ایک لاعلاج بیماری ہے، انھوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ کہا "دوبیلہ(۱)" یعنی پیٹ میں پھوڑا ہوگیا، جب وہ شخص واپس چلے گئے تو آپ نے کہا اللہ اللہ اللہ ہی میرا رب ہے میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا، اے اللہ! میں تیرے نبی محمد نبی رحمت پر سلام پیش کر کے آپ کے وسیلے سے تیری بارگاہ میں متوجہ ہوا اے محمد! ﷺ میں آپ کے وسیلہ سے آپ اور اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا تا کہ مجھے لاعلاج پھوڑے سے شفاعطا فرمائیں، یہ عرض کرنے کے بعد جب ان کے پیٹ پر ہاتھ پھیرا تو بتایا کہ آپ کی وہ بیماری دور ہوگئی"

میں کہتا ہوں (ابن تیمیہ)، (اس طرح کی دعا کے متعلق یہ مروی ہے کہ سلف نے یہ دعا کی، اور امام احمد بن حنبل سے منسک المروذی میں منقول ہے کہ آپ نے دعا میں نبی پاک سے توسل کیا، اور بعض لوگوں نے اس

(۱) دُوَبَیْلہ ایک ایسی لاعلاج بیماری ہے جس میں مریض کے پیٹ میں پھوڑا پھنسی نکل آتی ہے اور طبیبوں کو مجبوراً دفع شر کے لیے اسے قتل کرنا پڑتا ہے۔ (المعجم الوسیط) (مترجم)

سے منع کیا ہے، تو اگر توسل کرنے والوں کا مقصود یہ ہے کہ آپ پر ایمان اور آپ کی محبت وموالات اور آپ کی اطاعت سے توسل کیا جائے تو فریقین کا اس میں کوئی نزاع نہیں، اور اگر ان کا مقصود یہ ہے کہ آپ کی ذات کو وسیلہ بنایا جائے تو یہ محل نزاع ہے اور اس بارے میں ان کا نزاع اللہ ورسول کے حوالہ ہے) الخ

میں کہتا ہوں:

سبحان اللہ! خود ابن تیمیہ نے اپنے اس جائزہ میں چند امور پر مہر لگادی ہے:

۱۔ ابن ابجر کے اس کلام: "**یامحمد إني أتوجه بک إلی ربک**" (اے محمد! میں آپ کے وسیلہ سے آپ کے رب کی طرف متوجہ ہوا) نے حضور کے وصال کے بعد آپ سے استغاثہ وندا کے شک کا دروازہ بند کردیا، ائمہ سلف سے یہی چیز مروی ہے، انھوں نے اسے پسند فرمایا، اور اسے ابن ابجر کے عمدہ اوصاف ومناقب سے شمار کیا۔

۲۔ ابن تیمیہ کو خود اس بات کا اعتراف ہے کہ سلف نے اس طرح کی دعا فرمائی تو کیا ابن ابجر جو تبع تابعین سے ہیں وہ کافر ومشرک ہیں؟ حافظ لالکائی نے اعتقاد اہل السنۃ (۱/۲۹) میں آپ کا ذکر ان لوگوں میں فرمایا جو رسول اللہ ﷺ کے بعد راہ استقامت کی طرف دعوت وہدایت اور سنت پر استقامت میں امامت کے عظیم منصب پر فائز تھے۔

مزی نے تہذیب الکمال میں ابن ابجر کی شان میں کہا: سفیان ثوری نے فرمایا: ہم سے اس شخص نے حدیث بیان کی جس کے پایہ کا تمہاری آنکھوں نے نہ دیکھا یعنی ابن ابجر نے۔

اور حافظ عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں کہا: عجلی نے کہا: وہ حدیث میں ثقہ ثبت صاحب سنت تھے۔

سفیان ثوری نے اپنے وصال کے وقت یہ وصیت فرمائی: کہ ابن ابجر آپ کی نماز جنازہ پڑھائیں۔

کیا سلف کافر وغافل تھے، اور ساری امت خواب غفلت میں تھی؟ پھر آٹھویں صدی ہجری میں ابن تیمیہ کو امت کی غفلت کا علم وشعور ہوا۔

۳۔ خود ابن تیمیہ کی نقل گزری کہ امام احمد نے دعا میں نبی پاک سے توسل کو جائز فرمایا... تو کیا امام احمد سنت پر

قائم نہ تھے، جب کہ تمام لوگ آپ کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ وہ ائمہ کبار سے ہیں تو کیا ان کا امام کافر ومشرک ہے؟

۴۔ ابن تیمیہ کا یہ جملہ: (''ونهى عنه آخرون'' اور بعض لوگوں نے اس سے منع کیا) اس کا ایک عجوبہ ہے...آخران مانعین میں سے کسی کا نام کیوں نہ ذکر کیا، کیا اس سے خود وہی مراد ہے؟

۵۔ ابن تیمیہ نے یہ کہا:

''اگر توسل کرنے والوں کا توسل سے مقصود یہ ہے کہ آپ پر ایمان اور آپ کی محبت وموالات اور آپ کی اطاعت سے توسل کیا جائے تو یہ محل نزاع ہے''

ہم کہتے ہیں: ان دو فرقوں کی اصل کیا ہے؟ کس نے ایسی تفصیل کی؟ اور یہ نزاع کہاں ہے؟ اور یہ تفصیل وفرق اس نے کہاں دیکھا، اور پڑھا، اور کہاں سے نقل کیا؟

ہم یہ بھی کہتے ہیں: کیا ابن ابجر، اور سلف نے یہ کہا ''نتوسل إليك بالإيمان بالنبي ﷺ و بمحبته'' ہم نبی ﷺ پر ایمان، اور آپ کی محبت کو تیری بارگاہ میں وسیلہ لاتے ہیں، یا یہ کہا کہ توسل کے بارے میں چند واضح دعا اوراذکار وارد ہیں، ان حضرات نے تو یہی فرمایا:

'' الله الله الله ربي لاأشرك به شيئاً''.

ترجمہ:۔''اللہ اللہ اللہ میرا رب ہے میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا''۔

''اللهم إني أتوجه إليك بنبيك محمد نبي الرحمة تسليما''

ترجمہ:۔''اے اللہ میں تیرے نبی محمد نبی رحمت پر سلام بھیج کر آپ کے وسیلہ سے تیری بارگاہ میں متوجہ ہوا''۔

'' يا محمد إني أتوجه بك إلى ربك و ربي يرحمني مما بي''

ترجمہ:۔''اے محمد (ﷺ) میں آپ کے وسیلہ سے آپ کے اور اپنے رب کی بارگاہ میں متوجہ ہوا کہ وہ مجھ پر لاعلاج پھوڑے سے رحم فرمائے''۔

جب ابن تیمیہ نے سمجھ بوجھ کر از راہ تعنت وتشدد جملہ " أتوجه إليك بنبيك محمد" کو یہ جملہ بنادیا " أتوجه إليك بحبي له" (میں ان کی محبت کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوا) تو نبی پاک ﷺ کے وصال کے بعد آپ کی ذات شریفہ سے ابن ابجر کے اس استغاثہ کے بارے میں کیا کیا جائے جو انھوں نے اس طرح استغاثہ فرمایا: یا محمد إني أتوجه بك إلى ربك" یعنی وہی تعبیر اختیار کی جائے جو ابن تیمیہ کر رہا ہے جیسا کہ مردہ یا غائب کو پکارا جاتا ہے؟

۶۔ ابن تیمیہ ہرگز حوالہ نہ پیش کر سکے گا۔

ظاہر نصوص بھی ہمارے موافق ہے، اور ہم یہی دعا کرتے ہیں کہ "اے اللہ! ہم تیرے نبی محمد نبی رحمت علیہ الصلاۃ والسلام کے وسیلے سے تیری بارگاہ میں متوجہ ہیں۔ اور اے محمد ﷺ! ہم آپ کے وسیلے سے آپ کے رب کی طرف متوجہ ہیں کہ ہمارا رب ہمیں پریشانیوں سے نجات بخشے"۔

اگر کوئی شخص توسل کا انکار کرتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ صحابہ، یا سلف، یا ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک سے ایسا منقول قول پیش کرے جس میں صراحۃ اس کی حرمت مذکور ہو۔

۷۔ اور یہ بھی مضحکہ خیز اور گریہ انگیز ہے کہ ابن تیمیہ اس سے بھی غافل ہے کہ حنبلی مذہب کے ائمہ اعلام نبی پاک ﷺ سے توسل کے قائل ہیں، اور بقیہ ائمہ مذاہب کا بھی یہی حال ہے، اس لیے کہ ان حضرات کا اذعان واعتقاد یہی ہے کہ نبی پاک کی حیات طیبہ میں نابینا صحابی کی دعا، اور ان کے توسل کا حکم آپ کے وصال کے بعد بھی مسلسل باقی ہے، یہ ساری چیزیں ابن تیمیہ کی منشا کے بالکل خلاف ہیں، اس لیے کہ وہ تو یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ نابینا صحابی کی دعا، اور ان کے توسل کا حکم صرف نبی پاک ﷺ کی ظاہری حیات طیبہ ہی کے ساتھ خاص ہے۔

اب ہم حنبلی مذہب کے بعض ائمہ اعلام کا ذکر کریں گے جو نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت طیبہ کے وقت آپ سے خطاب، اور طلب حاجات اور توسل اس طرح کرتے:" اللهم إني أتوجه إليك بنبيك، يا رسول الله إني أتوجه بك إلى ربي" اے اللہ میں تیرے نبی کے وسیلہ سے تیری بارگاہ

میں متوجہ ہوا، اے اللہ کے رسول! میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی بارگاہ میں متوجہ ہوا۔

امام ابن عقیل اپنے زمانے میں حنبلی مذہب کے شیخ تھے، (**التذکرۃ المحفوظۃ بظاھریۃ دمشق تحت رقم ۸۷ في الفقه الحنبلي**) ابن تیمیہ نے نبی پاک ﷺ کے روضۂ انور کی زیارت کی تحریم کے سلسلے میں آپ سے استدلال میں خطا اور تحریف کی ہے اور آپ کی طرف غلط اور بے اصل باتیں منسوب کیں ہیں۔

اسی طرح امام عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالی عنہ (۵۶۱ھ) نے کتاب غنیۃ میں صیغہ خطاب سے ندا فرمایا۔

ابن تیمیہ نے سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں ''رضی اللہ عنہ'' (فتاوی کبری ۳۶۷/۴) اور ''قدس اللہ روحہ'' (درء التعارض ۵/۵) اور ''عارف'' (مجموع الفتاوی ۲۶۴/۳) اور ''امام'' (مجموع الفتاوی ۸۵/۵) لکھا، اور یہ کہا کہ: آپ سب سے زیادہ امر و نہی کا سخت التزام فرماتے، اور دوسروں کو اس کی اتباع کی وصیت بھی فرماتے مجموع الفتاوی (۳۶۹/۸)

ابن تیمیہ کے تلمیذ ابن القیم نے بھی الصواعق المرسلۃ (۱۲۷۹/۴) میں لکھا:

''شیخ عبدالقادر جیلانی کے کرامات وآیات، اور آپ کی ولایت متفق علیہ ہے، آپ تمام فرقوں کے نزدیک مقبول ومسلم ہیں''۔

اور اجتماع **الجیوش الإسلامیۃ** (۱۷۵/۱) میں یہ لکھا:

''شیخ، امام، عارف، قدوۃ العارفین، شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ روحہ''۔

اور اسی طرح ائمہ حنابلہ میں سے ابوعبداللہ سامری نے "**المستوعب**" میں صیغہ خطاب ذکر کیا۔

اور یہ تینوں شخصیتیں ابن تیمیہ سے پیشتر کی ہیں، یہ حضرات نبی پاک کے وصال کے بعد آپ سے خطاب وندا اور طلب حاجات کرتے، ہم نے درج ذیل آیت کریمہ:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوٓا أَنْفُسَهُمْ جَآءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَحِيْمًا﴾ [النساء-۴:۶۴]

ترجمہ:۔''اوراگر جب وہ اپنی جانوں پرظلم کریں تواے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں، اور اللہ سے معافی چاہیں،اوررسول ان کی شفاعت فرمائیں توضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والامہربان پائیں''۔

کے ضمن میں یہ ذکر کیا ہے کہ ۲۵/پچیس سے زائد اکابر علمائے اسلام نے اس آیت شریفہ سے استدلال فرمایا جن میں سات حضرات ائمہ حنابلہ سے ہیں،ان سات میں یہ تینوں حضرات بھی ہیں، یہ تمام حضرات اس آیت پاک سے یہی استدلال فرماتے ہیں کہ توسل کا حکم نبی پاک ﷺ کی ظاہری حیات طیبہ ہی کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ اس کا حکم آپ کے وصال کے بعد بھی باقی ہے۔

ہم ابن تیمیہ کے حامیوں سے کہتے ہیں: ہم نے حافظ ابن ابجر،نسائی،ابن ماجہ،ابن السنی ،ابن خزیمہ، طبرانی،ابن عقیل،عبدالقادر جیلانی،نووی،منذری،سامری،ہیثمی ،اورابن حجر کے حوالہ سے یہ واضح اور ثابت کردیا ہے کہ ان حضرات نے یہی سمجھا کہ نابینا صحابی رسول کی حدیث،اوراس حدیث میں مذکور دعا''یامحمد إني أتوجه بک إلی ربي'' سے یہ ثابت ہے کہ نبی پاک ﷺ سے خطاب وندا آپ کے وصال کے بعد بھی جائز ہے اسی پر ساری امت قائم ہے،امت اپنے اذکار اور نماز حاجت میں اسی طرح نداوخطاب کرتی رہی ہے،اور یہ کوئی تعجب خیز نہیں کیوں کہ ہمارے پاس گزشتہ حضرات کے ایسے روشن نصوص ہیں جن سے یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہوجاتی ہے کہ آپ کی ذات پاک،اورآپ کے بلند مقام ومرتبہ کووسیلہ بنانا جائز ہے جیسا کہ توسل کے مسئلہ میں ہم آئندہ ذکر کریں گے۔

''فهل عندكم من علم فتخرجوه لنا'' تو کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے کہ اسے ہمارے سامنے پیش کرسکو۔

۲۔حضوراقدس انے یہ فرمایا کہ:''اگرعیسی میری قبر کے پاس کھڑے ہوکر مجھے''یا محمد'' کہہ کر پکاریں گے میں انہیں جواب دوں گا''۔

ابویعلی ،اورابن عساکر نے بسند صحیح ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے تخریج کی آپ نے فرمایا: میں نے

رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا:''**والذی نفس أبي القاسم بیده لینزلن عیسی ابن مریم إماما مقسطا، وحكما عدلا فليكسرن الصليب، ويقتلن الخنزير، وليصلحن ذات البين، وليذهبن الشحناء، وليعرضن المال فلا يقبله أحد، ثم لئن قام على قبري فقال يامحمد لأجبته، وفي رواية ''لأجِيْبَنّه''**

یعنی قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں ابوالقاسم کی جان ہے، ضرور عیسیٰ بن مریم امام منصف اور حاکم عادل بن کر اتریں گے، وہ صلیب توڑیں گے، اور خنزیر کو قتل کریں گے، اور اصلاح ذات البین کریں گے (جدا لوگوں کو ملائیں گے)، اور بغض وکینہ کا خاتمہ فرمائیں گے، اور مال پیش کریں گے جسے قبول کرنے والا کوئی نہ ہوگا، پھر اگر وہ میری قبر کے پاس کھڑے ہوکر ''یا محمد'' کہہ کر مجھے خطاب وندا کریں گے میں انہیں جواب دوں گا اور ایک روایت میں ہے ''لأجِيْبَنّه'' میں انہیں ضرور ضرور جواب دوں گا۔(1)

حضور اقدس سید عالم ﷺ نے یہ نہ فرمایا: ''اگر عیسیٰ مجھے سلام کریں گے میں انہیں ان کے سلام کا جواب دوں گا''، جس سے معلوم ہوا کہ اس کا صاف اور واضح معنی یہ ہے کہ اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نبی پاک ﷺ سے سوال کریں گے اور نبی پاک ﷺ اپنی قبر میں جلوہ بار رہ کر ان کے خطاب وندا کا جواب دیں گے۔

ابن منظور نے لسان العرب (۱/۲۸۳) میں کہا و الإجابة: کا معنی ہے کلام کا جواب دینا، آپ بولتے ہیں ''**أجابه عن سؤاله وقدأجابه إجابة وإجابا وجوابا وجابة واستجوبه واستجابه واستجاب له**

سب کے معنی کا حاصل ہے کسی کے کلام کا جواب دینا۔

اور مختار الصحاح (۱/۴۹) میں ہے (ج۔و۔ب) **أجابه وأجاب عن سؤاله** اور اس کا مصدر الإجابة ہے اس کا بھی وہی معنی ہے کسی کے سوال کا جواب دینا۔

---

(1) حدیث ''لینزلن عیسی ابن مریم'' ابویعلی نے بسند صحیح تخریج کی (۱/۴۶۲) اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۴۷/۴۹۴، ۴۹۶) میں تخریج کی، اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۸/۲۱۱) میں تخریج کرکے اس کو صحیح کہا، اور یہ کہا: میں کہتا ہوں: یہ حدیث صحیح میں مختصرا مذکور ہے جسے ابویعلی نے روایت کیا اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

اورالمصباح المنیر (۱۱۳/۱) میں ہے" ولا یسمی جوابا إلا بعد طلب" یعنی جواب سوال وطلب کے بعد ہوا کرتا ہے اور "أجابه إجابة و أجاب قوله و استجاب له" کا معنی یہ ہے جب کوئی کسی کو کسی چیز کی دعوت دے تو اس کی اطاعت کرے یعنی اس کی دعوت قبول کرے اور "أجاب الله دعاءه" کا معنی ہے اللہ نے اس کی دعا قبول فرمالی اور "استجاب له" کا بھی یہی معنی ہے۔

اور التوقیف علی مهمات التعاریف (۳۴/۱) میں ہے " الإجابة": کا معنی یہ ہے کہ دعوت سے جوشئ مطلوب ہے اس میں دعوت دینے والے کی موافقت کرنا تا کہ دونوں میں موافقت رہے، اور بعض علما نے اس مسئلہ کے بارے میں فرمایا کہ مسیح عیسی ابن مریم آخری زمانہ میں نازل ہونے کے بعد کتاب وسنت کے مطابق فیصلہ کریں گے، اس پر لوگوں نے باہم یہ سوال کیا کہ آپ کو قرآن کے احکام کا علم تو ہے، مگر نبی پاک ﷺ کی سنت کے خاص احکام کے متعلق آپ کیا فرمائیں گے؟

تو علما نے اس کے جواب میں فرمایا کہ: آپ حضور اقدس سید عالم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر آپ سے آپ کی سنت کے احکام پوچھیں گے، اور ائمہ اربعہ ابوحنیفہ، و مالک، وشافعی، واحمد میں سے کسی امام کے قول کی پیروی نہ کریں گے۔

میں کہتا ہوں: گزشتہ حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

ثالثاً: صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عمل

"آپ اپنی امت کے لیے اپنے رب سے بارش کی دعا فرمائیں"

۱۔ رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس استسقا کرنا، اور آپ سے استسقا (طلب بارش) کی درخواست کرنا، یہ ساری چیزیں صحیح اثر میں وارد ہیں جسے ابن ابوشیبہ، بیہقی، اور ابن عسا کر نے مالک الدار سے روایت کیا: (آپ حضرت عمر کے مولی اور خازن تھے) کہ عمر کے زمانہ میں لوگ قحط کے شکار ہو گئے، ایک شخص نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے، اور عرض کیا یا رسول اللہ! اپنی امت کے لیے رب تعالیٰ سے بارش کی دعا فرمائیں، لوگ تباہ ہو رہے ہیں، سرکار نے خواب میں اس شخص کو اپنا جلوہ زیبا دکھایا، اور فرمایا: تم عمر کے پاس

جا کر ان سے میرا اسلام کہو،اور یہ خبر دو کہ اب بارش ہوگی، اوران سے یہ بھی کہنا: تم پرفہم وفراست اوردانائی وہوشیاری لازم ہے،اس شخص نے عمر کے پاس آ کر ساری سرگزشت سنائی تو آپ نے اشک آلود آنکھوں سے عرض کیا: اے پروردگار! میں کوتاہی نہیں کرتا مگر جو میرے بس سے باہر ہے۔ (۱)

یہ اثر صحیح حد درجہ واضح ہے جس سے ابن تیمیہ کے کلام کی ساری بنیادیں زمین بوس ہو جاتی ہیں،ابن تیمیہ سے پہلے کسی عالم نے یہ نہ کہا کہ یہ اثر ضعیف، یا یہ شرک ہے، یا ایسا کرنا بدعت ہے اگر آٹھویں صدی ہجری کے ابن تیمیہ سے پہلے کسی عالم نے ایسا کہا ہو تو ان کے نام واقوال پیش کریں، بفضلہ تعالی ہمارا چیلنج ہے کہ ان خواہش پرستوں سے کبھی نہ بن پڑے گا۔ اگر یہ چیز شرک وبدعت ہوتی تو کیا ائمہ حدیث میں سے امام ابن ابوشیبہ اسے روایت کرتے جن کا امام احمد ابن حنبل سے چھ سال پیشتر وصال ہوا،اور پھر امام بیہقی،اور ابن عساکر بھی اسی روش پر قائم رہتے؟

۲۔عثمان بن حنیف کے توسل کا حال گزر چکا۔

۳۔سیدہ عائشہ کی بہن (ام کلثوم بنت ابوبکر)۔

استیعاب (۴/۱۸۰۷،۱۸۰۸)اور ابن عساکر کی تاریخ دمشق (۲۵/۹۶) میں ہے:

(۱) ابن ابوشیبہ (۶/۳۵۶ حدیث نمبر۳۲۰۰۲)،اور بیہقی نے دلائل النبوۃ،اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۴۴/۳۴۵) اور (۵۶/۴۸۹) میں اسے روایت کیا،اور یہ حدیث صحیح ہے۔حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۲/۴۹۵-۴۹۶) میں اسے صحیح کہا،اور ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ (۷/۹۱-۹۲)،اور حافظ غماری نے (الرد المحکم ص۵۲،۵۳)،اور ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ (۲/۵۰۹) میں یہی قصہ بلا کسی انکار کے ذکر کیا (لیکن ابن کثیر نے دوسری سند سے)،اور حافظ ابن عبدالبر نے الاستیعاب (۳/۱۱۴۹)،اور ابویعلی قزوینی نے الارشاد (۱/۳۱۴) میں ذکر کیا۔اور رسول اللہ ﷺ نے جن تین صدیوں کے بارے میں یہ شہادت دی کہ اس زمانہ کے لوگ بہتر ہیں ان صدیوں کے علمائے صالحین اور سلف میں سے کسی کو ہم نے نہ دیکھا کہ اس حدیث پر اعتراض کیا ہو،اور آپ کے لیے بس اتنا کافی ہے کہ حافظ ابن حجر،اور ابن کثیر،اور بہت سے علمائے سابقین نے اسے صحیح قرار دیا اور معترض پر لازم ہے کہ کوئی دلیل لائے،اور وہ ہرگز نہ لا سکے گا۔مسلمانو! خارجیوں، بدعتیوں اور نیم فقیہوں سے ایسے ہی بھاگو جیسا کہ شیر سے بھاگتے ہو۔

ابن عیینہ نے اسماعیل بن ابو خالد سے روایت کیا کہ: عمر بن خطاب نے حضرت عائشہ کے پاس آپ کی بہن ام کلثوم بنت ابوبکر کے نکاح کا پیغام بھیجا، تو حضرت عائشہ نے آپ کو امید دلائی اور کہا: وہ آپ کے علاوہ کہاں جائیں گی آپ کی بہن ام کلثوم نے یہ سن کر حضرت عائشہ سے کہا: عمر سے آپ میرا نکاح کردیں گی حالاں کہ ان کی غیرت اور درشتی عیش آپ کو خوب معلوم ہے، خدا کی قسم اگر آپ نے ایسا کیا میں رسول اللہ ﷺ کے روضۂ پاک پر جا کر آپ کے پاس چیخ و پکار اور فریاد کروں گی، مجھے قریش کا صرف ایسا جوان چاہئے جو میرے پاس دنیا کو انڈیل دے، ام کلثوم کی یہ بات سن کر عائشہ نے حضرت عمرو بن عاص کے پاس پیغام بھیجا، اور معاملہ کی خبر دی، اس پر عمرو بن عاص نے کہا میں آپ کی کفایت کروں گا، عمرو بن عاص نے کہا: اے امیر المومنین! اگر آپ کی خدمت میں کسی عورت کو پیش کیا جائے تو آپ نے فرمایا: آپ کے انہیں ایام میں اس کی امید ہوسکتی ہے، عمرو بن عاص نے کہا امیر المومنین نے کس عورت کا ارادہ فرمایا؟ عمر نے کہا: ام کلثوم بنت ابوبکر کا، عمرو بن عاص نے کہا آپ کا اور اس لڑکی کا کیا معاملہ ہے جو صبح و شام آپ کی طرف اپنے والد کی موت کی خبر دیتی رہتی ہے، عمر نے فرمایا: کیا عائشہ نے آپ کو اس کام کا حکم دیا ہے؟ فرمایا: ہاں، تو حضرت عمر نے ام کلثوم کے نکاح کا ارادہ ترک فرما دیا، اس کے بعد ام کلثوم کا نکاح طلحہ بن عبداللہ سے ہوا۔ علی نے فرمایا: آپ کا نکاح محمد ﷺ کے اصحاب میں سب سے عظیم مفتی سے ہوا۔ ابن قدامہ حنبلی نے المغنی (۳۴۳/۷) میں اس واقعہ سے استدلال فرمایا'' کہ لڑکی کا اپنے بلوغ سے قبل نکاح کرنا صحیح ہے اور فرمایا: حضرت عمر نے سیدنا ابوبکر صدیق کے وصال کے بعد حضرت عائشہ کے پاس ام کلثوم بنت ابوبکر کے نکاح کا پیغام دیا تو عائشہ نے اسے قبول فرمایا جب کہ آپ کی عمر دس سال سے کم تھی اس لیے کہ آپ اپنے والد کے وصال کے بعد پیدا ہوئیں، اور حضرت عمر کے دور خلافت کو صرف دس ہی سال ہوئے تھے۔ ام کلثوم بنت ابوبکر نے اس رشتہ کو پسند نہ فرمایا اس لیے طلحہ بن عبیداللہ سے آپ کا عقد ہوا، اور کسی منکر نے اس کا انکار نہ کیا، جس سے صاف واضح ہوا کہ یہ حضرات اس پر متفق تھے کہ لڑکی کا اپنے بلوغ سے قبل نکاح کرنا صحیح ہے' الریاض النضرۃ (۲۵۸/۲) دیکھیں۔

۴۔ سیدہ زینب:

طبری نے اپنی تاریخ (۳۳۶/۳)، اور ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ (۱۹۳/۸) میں کہا: '' قرہ بن قیس تمیمی سے مروی ہے کہ مجھ سے زینب بنت فاطمہ کا وہ کلام بھلایا نہ جائے گا جب آپ خاک وخون میں غلطاں اپنے بھائی حسین کے پاس سے گزریں، اور فریاد کررہی تھیں: ''یامحمداہ یامحمداہ'' ہائے محمد! ہائے محمد! آسمان کے فرشتے آپ پر رحمت بھیجیں، یہ حسین کھلے میدان میں خون آلودہ ہیں، ان کے اعضا ٹکڑے ٹکڑے کردیے گئے ہیں یامحمداہ (ہائے محمد) آپ کی شہزادیوں کو قید وگرفتار کرلیا گیا ہے، اور آپ کی ذریت شہید کردی گئی ہے، بادصبا ان کی نعشوں سے گزر رہی ہے''۔

راوی کہتے ہیں'' **فأبكت والله كل عدو وصديق**'' زینب بنت فاطمہ کے اس کلام نے ہر دوست ودشمن کو اشک آلود کردیا۔

میں کہتا ہوں: اس سے یہ معلوم ہوا کہ ''المدد یارسول اللہ'' کہنا جائز ہے۔

۵۔خالد بن ولید:

طبری نے اپنی تاریخ (۲۸۱/۲)، اور ابن الاثیر نے الکامل (۲۲۱/۲)، اور ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ (۳۲۴/۶) میں کہا: پھر خالد ظاہر ہوئے یہاں تک کہ جب دشمنان اسلام کی صف کے سامنے آئے تو انہیں مقابلہ جنگ کی دعوت دی اور میدان کارزار میں بلند آواز سے کہا:

أنا ابن الوليد العود　　　أنا ابن عامر و زيد

میں ولید کا طاقتور فرزند ہوں　　　میں قبیلۂ عامر وزید کا فرزند ہوں

اس روز مسلمانوں نے اپنے خاص شعار کے ذریعہ ندا فرمائی، اس روز ان کا شعار یہ تھا کہ وہ: **یامحمداہ:** کہتے جس کا اثر یہ ہوا کہ ان کے سامنے جو بھی دشمن آتا اس کا صفایا فرمادیتے''۔

میں کہتا ہوں:

اس واقعہ سے یہ بھی انکشاف ہوتا ہے کہ ''المدد یارسول اللہ'' کہنا جائز ہے، اور صحابہ کا اجماع معتبر ہے چاہے یہ حضرات میدان کارزار میں موجود رہے ہوں، یا حاضر وموجود نہ رہے ہوں کیوں کہ یہ محال ہے کہ صحابہ کو ان

مجاہدین اسلام کے اس شعار کا علم ہی نہ ہوا ہو۔

٦۔عبداللہ بن مسعود نے سورہ نساء کی آیت سے یہی معنیٰ سمجھا۔

رابعا: قرون ثلاثہ اولیٰ کا عمل

(۱) ابن ابوابجر تابعین سے ہیں۔

"یامحمد إني أتوجه بك إلى ربي" (اے محمد! ﷺ میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا) کے تحت آپ کا عمل ذکر کر چکے ہیں۔

(۲) طبری نے اپنی تاریخ (۳/۶۴۷، ۶۴۸) اور ابن الاثیر نے الکامل (۴/۲۰۰) میں ذکر کیا:

''اور دور تابعین کے اہل بصرہ کو بھی دیکھیں جنہیں صحابہ کی رفاقت وصحبت حاصل رہی، جن سے ہزار ہا ہزار تشنگان علم نے اکتساب علم کیا، جب ابن الاشعث کا فتنہ نمودار ہوا تو حجاج کے عاملوں نے اس کے پاس مکتوب بھیجے کہ بے شک خراج کا معاملہ ختم ہو گیا، اور ذمیوں نے اسلام قبول کر لیا، اور شہر والوں سے جا ملے، تو بصرہ وغیرہ یہ مکتوب لکھا گیا کہ جس بستی میں جس شخص کی کوئی اصل موجود ہے وہ وہاں چلا جائے، تو فوج در فوج لوگ نکل کر رونے اور یہ پکارنے لگے: یا محمداہ یا محمداہ، ذی الحجہ (۸۲ھ) کے آخری مہینہ میں عبدالرحمٰن بصرہ میں داخل ہوئے''۔

(۳) ابن الاثیر نے الکامل (۵/۱۱۴) میں ۱۳۷ھ کے حوادث کے بارے میں کہا:

سنباذ کی قیادت میں مجوسیوں کے ساتھ مسلمانوں کی جنگ میں مسلمان قیدی عورتیں پکار رہی تھیں: وامحمداہ، (ہائے محمد) تو ایک ہوا چلی جس سے مجوسیوں کے اونٹ بدک گئے اور مجوسی لشکر کا شیرازہ منتشر ہو گیا جیسا کہ ابن الاثیر نے کہا۔

ابن الجوزی نے المنتظم (۸/۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱) میں ۴۷۱ھ کے حوادث کے بارے میں ذکر کیا:

''علی ابن البربری نے اپنی اسناد کے ساتھ ان سے ذکر کیا کہ میرے والد نے کہا ابوسلیم نے

جس وقت طوس کو آباد کیا سب سے پہلے میں نے وہاں سکونت اختیار کی میرے والد ایک ضعیف العمر بوڑھے آدمی تھے انھوں نے بیان کیا: شام کے تین بھائی شہسوار، اور بہادر ودلیر تھے، یہ لوگ دشمنوں کے لشکر سے میل ملاپ نہ کرتے، جب یہ لوگ دشمن کو دیکھتے اوران کی تعداد کافی ہوتی توان سے اس وقت تک قتال نہ کرتے جب تک کہ وہ خود پہلے سے حملہ آور نہ ہوں۔ ایک مرتبہ انھوں نے جنگ کی تو انہیں سرکش لوگوں کی ایک عظیم جماعت نے پالیا جنھوں نے مسلمانوں سے ڈٹ کر مقابلہ کیا، اورانہیں قتل وگرفتار کیا، ان تینوں بھائیوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا آپ لوگ ہماری حالت دیکھ رہے ہیں اب ہم پرلازم ہے کہ اپنی جانیں قربان کردیں، اوردشمنوں سے ڈٹ کر مقابلہ کریں یہ لوگ آگے بڑھے، اور باقی لوگوں سے کہا آپ لوگ ہمارے پیچھے رہئے اورہمیں جنگ کرنے دیجئے ان شاءاللہ تعالی ہم آپ لوگوں کے لیے کافی ثابت ہوں گے، یہ لوگ رومیوں پر غالب آ گئے۔ تو روم کے بادشاہ نے اپنے کمانڈروں سے کہا: کون شخص میرے پاس ان لوگوں کے ایک شخص اوراس کے کمانڈر کولے کرآئے گا؟ تو رومیوں نے ان پراپنی جان کی بازی لگادی، اورایک ایک کو گرفتار کرکے بادشاہ روم کے پاس لائے ان میں سے کوئی شخص باقی نہ بچا، یہ دیکھ کر رومیوں نے کہاان لوگوں کی گرفتاری سے بڑھ کر نہ کوئی فتح ہوسکتی ہے نہ مال غنیمت ان قیدیوں کولے کر شہر قسطنطنیہ پہنچے، اوران کے سامنے دین نصرانیت پیش کیا اورکہا: میں تمہیں اپنی بادشاہت اوراپنی بیٹیاں تمہارے عقد میں دے دوں گا، انھوں نے قبول کرنے سے انکارکیا اوریہ فریاد اوردہائی کی: یامحمداہ توبادشاہ نے کہا: یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟ انھوں نے بتایا: اپنے نبی کوپکاررہے ہیں۔ بادشاہ نے ان قیدیوں سے کہا: اگرتم لوگوں نے دین نصرانیت قبول کرلیا جب تو ٹھیک ہے، ورنہ یہ تین دیگ ہیں جن کے اندرتیل ڈال کرتمہیں ان میں ڈال دیا جائے گا۔ جب ان قیدیوں کا انکار بڑھا توان میں سے ہرایک کو

ایک ایک دیگ میں ڈال دیا گیا، انھوں نے دیگوں کے اندر جا کر بھی انکار کیا، پھر جب دیگ نصب کر کے ان میں تیل ڈالا گیا، اور حکم دیا گیا کہ ان دیگوں کے نیچے تین دن تک آگ روشن کی جائے، ہر دن انہیں ان گرم کھولتے ہوئے دیگوں کے سامنے پیش کیا جائے، اور انہیں دین نصرانیت اور اپنی بیٹیوں کے نکاح کی دعوت دی جائے اور بادشاہت کی پیش کش کی جائے، انھوں نے ان چیزوں کو قبول کرنے سے انکار کیا، اور دین اسلام پر ثابت قدم رہے۔ اس کے بعد روم کے بادشاہ نے ان تینوں بھائیوں کو بلایا، اور انھیں اپنے دین نصرانیت کی دعوت دی مگر انھوں نے قبول کرنے سے انکار کیا، تو ان سے یہ کہا تمہیں اس دیگ میں ڈال دوں گا پھر بھی انھوں نے انکار کیا، بالآخر اس کے بڑے بھائی کو اس کھولتے ہوئے دیگ میں ڈال دیا گیا، جیسے ہی اس دیگ میں ڈالا اس کی ہڈیاں دیگ کے اوپر چمکنے لگیں، پھر دوسرے بھائی کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا گیا جب بادشاہ نے ان دونوں کا صبر واستقامت، اور اپنے دین کی حفاظت دیکھی تو اسے ندامت ہوئی اور کہا: میں نے یہ کام ایسی قوم کے ساتھ کیا جن سے زیادہ دلیر و باہمت نہ دیکھا، پھر بادشاہ نے یہ حکم دیا کہ ان کے اس چھوٹے بھائی کو اس کے دین کے بارے میں ہر طرح آزمایا جائے تو یہ بچہ بھی پیہم انکار کرتا رہا تو ایک تجربہ کار آدمی نے بادشاہ سے کہا مجھے مہلت دیں میں اسے آزماتا ہوں، بادشاہ نے کہا ٹھیک ہے مگر کس طرح آزماؤ گے؟ اس نے کہا اہل عرب عورتوں کی طرف جلد مائل ہوتے ہیں، اور رومیوں کو معلوم ہے کہ ان میں میری فلاں بیٹی سے زیادہ خوبصورت کوئی نہیں، اس لڑکے کو میرے حوالے کیجئے تاکہ میں اسے اپنی خوبرو لڑکی کے ساتھ تنہا کر دوں، وہ اسے فتنہ وآزمائش میں ڈال دے گی، بادشاہ نے اس شخص کو چالیس روز کی مہلت دی، اور اس لڑکے کو اس شخص کے حوالہ کر دیا، یہ شخص اس نوجوان کو لے کر آیا، اور اسے اپنی خوبرو بیٹی کے ساتھ تنہا کر دیا اور اس لڑکے کے ساتھ جو کچھ کرنا تھا سب بیٹی کو بتا دیا، اور بادشاہ کی دی ہوئی مہلت

بھی بتادی،اس پر اس بیٹی نے کہا: آپ اسے چھوڑ دیں میں اس کے لیے تنہا کافی ہوں،وہ چھوٹا بھائی اس بیٹی کے ساتھ شب وروزمصروف عبادت رہتا،اوراپنے شبانہ روز معمول میں ذرا کوتاہی نہ کرتا یہاں تک کہ مقررہ میعاد کا عظیم حصہ گزر گیا تو بادشاہ نے اس شخص سے پوچھا:اس لڑکے کا کیا حال ہے؟وہ اپنی بیٹی کے پاس گیا اور اس سے پوچھا کہ تم نے اس لڑکے کے ساتھ کیا کیا؟اس نے جواب دیا میں اب تک کچھ نہ کرسکی،دراصل اس شہر میں اس کے دو بھائی اس کی آنکھوں کے سامنے جاں بحق ہوئے ہیں مجھے اندیشہ ہے کہ وہ اپنے ان دونوں بھائیوں کے آثار واحوال دیکھ کر دین نصرانیت سے باز رہتا ہے،آپ بادشاہ سے مزید مہلت لے لیں، بادشاہ نے کچھ دنوں کی مزید مہلت دے دی،اوراسے یہ اجازت بھی دے دی کہ وہ دونوں کسی دوسرے شہر چلے جائیں،اس شخص نے ان دونوں کوایک دوسری بستی میں لاکر کردیا،اس لڑکے نے وہاں بھی کچھ ایام اس طرح گزارے کہ دن میں یہ نوجوان روزہ رکھتا،اوررات میں عبادت کرتا،جب تھوڑی میعاد باقی رہ گئی تو ایک رات اس رومی لڑکی نے اس لڑکے سے کہا میں آپ کو دیکھ رہی ہوں کہ آپ ہمہ وقت اپنے عظمت والے رب کی تسبیح وتقدیس میں مصروف رہتے ہیں،میں بھی آپ کے ساتھ آپ کے دین میں داخل ہوگئی اوراپنا دین چھوڑ دیا۔اس لڑکے کواس لڑکی کی اس بات پراعتماد نہ ہوا،جب اس لڑکی نے بار بار اس سے یہی کہا تو لڑکے نے اس لڑکی سے کہا اس فتنہ سے بھاگنے کی کیا تدبیر کی جائے؟تو لڑکی نے کہا: میں آپ کوایک تدبیر بتاتی ہوں، پھراس نے کچھ سواری کے جانور فراہم کیے اوراس لڑکے سے کہا: ہم دونوں اس پر سوار ہوکر دوسری جگہ چلے چلیں وہ دونوں اس پر سوار ہوکراس طرح سفر کرتے کہ رات میں سفر کرتے،اوردن میں چھپے رہتے،ادھران دونوں کی تلاش جاری ہوگئی،ایک روز دونوں چل رہے تھے کہ ان کے کانوں سے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز ٹکرائی تو لڑکی نے اس سے کہا:اے شخص!اپنے اس رب سے دعا کیجئے جس کی

میں نے تصدیق کی، اور جس پر ایمان لائی کہ وہ ہمارے دشمن سے ہماری حفاظت فرمائے، دیکھا تو اچانک اس کے دونوں بھائی (جو کھولتے دیگ میں جاں بحق ہو گئے تھے) اوران کے ساتھ ملائکہ رسل تھے، اس نوجوان نے ان دونوں بھائیوں سے سلام کیا، اوران کا حال پوچھا تو انھوں نے اس سے کہا: کھولتے ہوئے تیل کے دیگ میں میرے غوطہ لگانے کا جو عظیم منظر آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا وہی میرے لیے جنت الفردوس کا سبب بن گیا، اوراللہ عز وجل نے ہمیں آپ کے پاس اس لیے بھیجا ہے تا کہ اس رومی دوشیزہ کے ساتھ آپ کے نکاح کے ہم گواہ بن جائیں، ان دونوں نے اس رومی دوشیزہ سے اس لڑکے کا نکاح کردیا، اور واپس چلے گئے، اور یہ لڑکا اس لڑکی کو لے کر ملک شام رواں دواں ہو گیا، اگلے زمانہ میں ملک شام کے اندر یہ دونوں کافی معروف ومشہور تھے''۔

(۵) عتبی کا واقعہ جسے ہم نے ماسبق میں ذکر کیا اس پر سیر حاصل گفتگو ہو چکی۔

خامساً: مسلسل گزشتہ صدیوں میں امت مسلمہ کے اعمال وافعال

تین حفاظ حدیث وعلمائے محدثین ابوالقاسم طبرانی، حافظ ابوعبداللہ ابن المقری، اور حافظ ابوالشیخ اصفہانی صاحب کتاب العظمۃ وغیرہ نے نبی پاک ﷺ سے آپ کے وصال کے بعد استغاثہ واستعانت کی۔

قیسرانی نے تذکرۃ الحفاظ (۳/۳-۹۷۳-۹۷۴)، اورذہبی نے سیراعلام النبلاء (۱۶/۴۰۰،۴۰۱) میں ذکر کیا:

''ابن المقری (۲۸۵-۳۸۱ھ) فرماتے تھے میں اورطبرانی، اورابوالشیخ اصفہانی مدینہ منورہ میں تھے ایک دن وہاں ہم پر وقت تنگ ہو گیا اوراس روز مسلسل وقت کی تنگی دامن گیر رہی، عشا کے وقت میں قبر اطہر پر حاضر ہوا اورعرض کیا یارسول اللہ! بھوک دامن گیر ہے، تو طبرانی نے مجھ سے کہا بیٹھیں یا تو رزق آئے گا، یا موت آئے گی، تو میں اورابوالشیخ اصفہانی دونوں وہاں سے اٹھے پھر دروازہ پر ایک علوی نمودار ہوئے ہم نے ان کے لیے دروازہ کھولا، تو

اچانک ان کے ساتھ دو بچے دوٹو کریاں لیے کھڑے تھے ان دونوں میں بہت کچھ تھا، انھوں نے کہا: آپ لوگوں نے نبی پاک ﷺ سے میری شکایت کی ہے، میں نے خواب میں سرکار کو دیکھا کہ مجھے حکم فرمارہے ہیں کہ آپ حضرات کی خدمت میں کچھ پیش کریں''۔

میں کہتا ہوں:

اس حافظ حدیث کے قول: ''یارسول اللہ الجوع'' (اے اللہ کے رسول بھوک دامن گیر ہے) سے استغاثہ واستعانت کی حقیقت خوب واضح ہوجاتی ہے، اور اللہ آپ کی راہ نمائی فرمائے ذرا آپ اس پر غور فرمائیں کہ کس قدر جلد نبی پاک ﷺ نے علوی کو تینوں حفاظ حدیث کی فریادرسی اور خدمت نوازی کا حکم فرمایا۔ اور قیسرانی اور ذہبی نے کس طرح اسے ان کی کرامتوں میں شمار فرمایا۔

۲۔ابوجعفر کتانی

حافظ ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء (۱۰/۳۴۳) میں ابوجعفر کتانی (جنھوں نے تقریباً آٹھ سومرتبہ نبی پاک ﷺ کی زیارت کی) کے احوال میں ذکر کرتے ہوئے کہا:

''آپ کا پیر ٹوٹ گیا، جس کے سبب اس سال روضۂ رسول اللہ ﷺ کی زیارت کو نہ جاسکے، آپ کے بعض اصحاب زیارت کے لیے جارہے تھے آپ نے انہیں ایک رقعہ دیا اور یہ حکم فرمایا کہ اسے روضۂ اطہر میں ڈال دیں گے، آپ کے ساتھی کے جیب سے آپ کا رقعہ غائب ہوگیا، آپ نے اسی رات خواب میں نبی پاک ﷺ کا دیدار پرانوار کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوجعفر! تمہارا رقعہ ملا، اور ہم نے تمہارا عذر قبول کیا''۔

۳۔ابوالخیر تیناتی

ابن عساکر کی تاریخ دمشق (۶۶/۱۶۱)، اور ابن الجوزی کی صفوۃ الصفوۃ (۴/۲۸۲، ۲۸۳) میں ہے:

''ابوالخیر تیناتی نے فرمایا: میں فاقہ کی حالت میں مدینۃ الرسول پہنچا، اور وہاں پانچ دن بے کھائے رہا میں روضۂ پاک پر حاضر ہوا، نبی پاک، اور ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالی عنہما کی بارگاہ

میں سلام پیش کرنے کے بعد عرض کیا یا رسول اللہ! آج رات میں آپ کا مہمان ہوں، اس کے بعد میں ایک گوشہ میں جا کر منبر شریف کے پیچھے سو گیا، میں نے خواب میں نبی پاک کو اس حال میں دیکھا کہ ابو بکر آپ کے داہنے اور عمر آپ کے بائیں اور علی بن ابو طالب آپ کے سامنے تھے، علی نے مجھے جنبش دے کر فرمایا: اٹھیے رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہیں، میں آپ کی خدمت میں باادب کھڑا ہو گیا، اور آپ کی جبین اقدس کا بوسہ لیا، آپ نے مجھے ایک روٹی عطا فرمائی، میں نے آدھی روٹی کھا لی، اور جب بیدار ہوا تو دیکھا میرے ہاتھ میں آدھی روٹی باقی تھی"۔

۴۔ ابن الجوزی نے المنتظم (۹/۴۷-۷۵) میں کہا:

"ہبۃ اللہ بن عبد الوارث حافظ، متقن، ثقہ، صالح، خیر، صاحب ورع، نیک سیرت، کثرت سے عبادت کرنے والے تھے، اپنا کام خود سے فرماتے آپ نے کافی احادیث کی تخریج کی، اور گراں قدر تصنیف فرمائی، طالبان حدیث کی ایک جماعت نے آپ کی صحبت سے استفادہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ: میری والدہ فاطمہ بنت علی نے بیان فرمایا: میں نے ابو عبد اللہ محمد بن احمد معروف بہ ابن ابوزرعہ طبری سے سنا انھوں نے فرمایا: میں نے اپنے والد کے ہمراہ مکہ کا سفر کیا، مجھے سخت فاقہ لاحق ہوا، جب ہم مدینۃ الرسول ﷺ پہنچے تو وہاں فاقہ سے رات گزاری، میں ابھی سن بلوغ کو نہ پہنچا تھا، میں اپنے والد کے پاس آ کر کہتا: مجھے بھوک لگی ہے میرے والد مجھے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں لائے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں آج رات آپ کا مہمان ہوں، اور بیٹھ گئے، کچھ دیر کے بعد آپ سر اٹھاتے تو کبھی رونے اور کبھی مسکرانے لگتے، آپ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے ہاتھ میں کچھ درہم رکھتے دیکھا، ہاتھ کھول کر دیکھا تو اس میں کچھ درہم تھے ان دراہم میں اتنی برکت ہوئی کہ شیراز واپس ہونے تک ہم انہیں درہم سے خرچ کرتے رہے"۔

اس سال ہبۃ اللہ کا ''مرو'' میں وصال ہوگیا، ان کے شکم میں کوئی بیماری تھی، آپ نے اپنے وصال کی شب ستر مرتبہ یا اسی کی مثل اس طرح قیام لیل فرمایا کہ ہر مرتبہ نہر میں غسل فرماتے، یہاں تک کہ ۴۸۵ھ میں بحالت طہارت آپ نے اپنی جان جاں آفریں کے سپرد فرمادی''۔

میں کہتا ہوں: کیا ابن جوزی صاحب کتاب ''المنتظم'' اور اس قصہ کے راوی کافر ہیں؟ اور کیا حافظ ہبۃ اللہ بن عبدالوارث، اور ابوزرعہ طبری کافر ہیں؟

۵۔ سلطان نورالدین محمود اور برنس: برنس نبی پاک ﷺ سے توسل کرنے والوں کا مذاق اڑاتا تھا۔

یہ بات معلوم ہے کہ بعض امرا (جن کا نام برنس ارناط ہے) نے مسلمانوں کے ساتھ غدر کیا، اور ان سے کہا: اپنے محمد سے کہو وہ تمہیں بچائیں گے، یہ خبر سلطان نورالدین محمود تک پہنچی آپ پر دین کی حمیت غالب آئی اور یہ نذر مانی کہ اگر برنس ارناط آپ کو مل گیا تو اسے قتل کردیں گے، جب اللہ نے نصرت وظفریابی کے ذریعہ آپ کو اس پر فتح بخشی تو خیمہ کی دہلیز میں بیٹھ گئے اور برنس ارناط کو حاضر کرایا اور اسے اس کی گستاخانہ باتوں سے آگاہ فرمایا، اور اس سے کہا: سنو محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی بارگاہ کی گستاخی کا انتقام میں تم سے لوں گا، پھر اس کے سامنے اسلام پیش کیا جب اس نے اسلام لانے سے انکار کیا اسے قتل فرمادیا اور فرمایا: بادشاہوں کا یہ طریقہ نہیں کہ بادشاہوں کو قتل کریں لیکن اس نے رسول اکرم ﷺ کی شان اقدس میں حد سے تجاوز کیا۔ اس رات لوگوں نے بڑی شادمانی کی حالت میں گزاری ہر طرف اللہ کی حمد وشکر اور تکبیر وتہلیل سے لوگوں کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ (کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین النوریۃ ۳/۲۹۶-۲۹۷ مطالعہ کریں)

میں کہتا ہوں:

سلطان نورالدین محمود مسلمانوں کے ایک عظیم قائد ہیں انھوں نے یہ نہ فرمایا: اللہ ہی بچائے گا، بلکہ برنس ارناط کی اس گستاخی رسالت کے جرم میں اسے قتل فرمادیا اور یہ فرمایا محمد ﷺ کا انتقام میں لوں گا، یہ بات بہت ہی معروف ومشہور ہے کہ تمام مسلمان بادشاہوں میں سب سے زیادہ سلطان نورالدین محمود نے صلیبیوں کے خلاف جنگ فرمائی، آپ رسول اللہ ﷺ سے بے پناہ عشق ومحبت رکھتے، اسی لیے آپ کو حضور کی کثرت سے زیارت

نصیب ہوئی۔

آپ کا ایک عجیب وغریب واقعہ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے نبی پاک ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ اپنی مسجد میں پیش آنے والے پرخطر معاملات سے آپ کو خوف دلا رہے ہیں، نورالدین محمود نے معاملہ کی تحقیق وتفتیش کے دوران مدینہ منورہ طیبہ میں دو مغربی یہودیوں کو پایا جو اسلام کا جھوٹا دعوی کرتے تھے، انھوں نے نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر کے قریب ایک مکان خرید رکھا تھا، اور زمین کے نیچے ایک سرنگ کھود رکھی تھی تاکہ نبی پاک ﷺ کے جسد اطہر تک پہنچ کر اسے حاصل کرلیں، سلطان نورالدین محمود نے ان دونوں یہودیوں کو گرفتار فرما کر سخت ترین عبرتناک سزا دی۔

٦۔**ابوشجاع وزیر:** نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس پر آپ کی حاضری آپ کے اعلی مناقب میں شمار کی جاتی ہے، ابن جوزی نے المنتظم (۹۳/۹)، ابن الاثیر نے الکامل (۵۰۶/۸)، ابن خلکان نے وفیات الاعیان (۱۳۶/۵)، اور ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ (۱۵۰/۱۲-۱۵۱) میں اسے ذکر کیا۔

مدینہ طیبہ میں آپ نے سکونت اختیار فرمائی، آپ وہاں بیمار ہوئے، اور مرض شدید ہوتا گیا تو حجرہ نبوی شریف کے پاس آ کر عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوٓا أَنْفُسَهُمْ جَآءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَحِيْمًا﴾ [النساء-۴:۶۴]

ترجمہ: ''اور جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں، اور رسول ان کی شفاعت فرمائیں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پائیں''۔

میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ سے اپنے گناہوں کی بخشش چاہتا ہوں، اور قیامت کے دن آپ کی شفاعت کی امید رکھتا ہوں، پھر اسی روز آپ کا وصال ہو گیا اور بقیع میں مدفون ہوئے اللہ آپ پر اپنی باران رحمت نازل فرمائے''۔

حافظ ابن سمعانی نے بھی ''الذیل'' میں اسے ذکر فرمایا۔

اور ذرا اسے بھی ملاحظہ فرمائیں جسے ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ (۱۵۰/۱۲-۱۵۱) میں آپ کے حالات کے تحت ذکر فرمایا: ''آپ اچھے وزیروں میں سے تھے، علما وفقہا کے ساتھ خوب بخشش واحسان فرماتے، شیخ ابواسحاق شیرازی وغیرہ سے حدیث سماعت کی، اور بعض کتابیں تصنیف کیں، جن میں سے آپ کی کتاب ''ذیلہ علی تجارب الأمم'' آپ کا اہم علمی شاہکار ہے، آپ خلیفہ مقتدی کے وزیر تھے، آپ کے پاس چھ لاکھ دینار تھے جنہیں صدقہ وخیرات فرمادیا اور بہترین وقف فرمائے، مشاہد تعمیر فرمائے، اور بیواوں اور یتیموں پر خوب انعام فرمایا، ایک شخص نے آپ سے کہا: ہمارے پڑوس میں ایک بیوہ خاتون کے چار بچے ہیں وہ برہنہ اور بھوکے رہتے ہیں، آپ نے اپنے ایک خاص آدمی کے ذریعہ ان بچوں کے پاس کچھ اخراجات، لباس اور غلہ روانہ فرمایا، اور سخت ٹھنڈک میں اپنے جسم سے لباس اتار کر فرمایا: خدا کی قسم میں انہیں اس وقت تک نہ پہنوں گا جب تک تم واپس آکر مجھے ان کے حالات نہ بتادو''۔

۷۔ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ (۱۸۸/۱۳-۱۹۲) میں کہا:

''ابوشامہ نے کہا: جمادی الآخرہ ۶۵۴ھ کے پہلے جمعہ کے دن مدینہ منورہ مشرفہ کے مشرقی جانب میں ایک عظیم آگ نمودار ہوئی پھر ہمارے پاس مقام حرہ میں قریظہ کے پیچھے سوارقیہ کے راستہ پر صبح سے ظہر تک زمین سے نکلنے والی ایک عظیم آگ نمودار رہی جسے دیکھ کر ہمارے آس پاس کے لوگ کافی خوف زدہ ہوگئے، پھر اس آگ میں سفید بادل کی طرح آسمان میں بڑا سا دھواں اٹھا، سورج ڈوبنے سے پیشتر تک جمعہ کے دن یہی حالت رہی پھر زبان نما آگ اٹھی جو فضا میں سرخ آسمان کی طرف بلند ہو رہی تھی، ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ قلعہ ہے، آگ کا یہ سلسلہ بڑھتا رہا، لوگ خوف ودہشت کے مارے مسجد نبوی شریف، اور حجرہ اقدس کے پاس پناہ لینے آئے، سارے لوگ حجرہ اقدس کو گھیرے ہوئے برہنہ سر اپنے گناہوں کا اقرار، اللہ عزوجل کی بارگاہ میں دعا ومناجات، اور اللہ کے نبی علیہ الصلاۃ والسلام

سے استغاثہ وفریاد کررہے تھے''۔

اس توضیح کے بعد مزید گفتگو اور تبصرہ کی ضرورت نہیں، ابن تیمیہ سے پیشتر ساری امت مسلمہ کا عمل یہی تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے توسل کرتی، ایک عادل ومنصف اور عاقل وذی فہم کے لیے اتنا کافی ہے۔

(۷۰) توسل کا مسئلہ

گزشتہ باب میں منکرین توسل کی دشنام طرازیاں گزر چکیں، اور توسل واستمداد کی حقانیت بھی واضح ہوگئی ہم یہ چاہتے ہیں کہ توسل کے حوالہ سے ایک مستقل کتاب پیش کریں ان شاء اللہ الرحمٰن یہ کتاب جلد ہی منظر عام پر آئے گی اس وقت ہم کچھ سوالات اور تبصرے پیش کریں گے:

۱۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ توسل کی اکثر یا کثیر حدیثیں ضعیف ہیں، تو کیا ائمہ دین کفر وشرک کی روایت فرمارہے ہیں اور خاص کر قرون ثلاثہ اولی کے ائمہ عظام؟

۲۔ کیا آٹھویں صدی تک علمائے امت نے ایک شرک پر سکوت فرمایا؟

۳۔ شیعہ اور ان میں خاص کر غلو پسند شیعوں نے سخت خطائیں کیں، کیوں کہ انھوں نے یہ گمان کیا کہ جادۂ راہ پر قائم رہنے والے صحابہ کی تعداد صرف چھ یا اس کے قریب ہے۔ اس باطل اعتقاد میں امت پر بہت بڑا خطرہ ہے اور اس کا ایک عظیم سبب یہ ہے، ''**نستغفر اللہ من ھذا اللفظ**'' کہ نبی ﷺ نے اپنے اصحاب کی تربیت پر کما حقہ توجہ نہ فرمائی۔

ابن تیمیہ اور اس کے کفش بردار بھی ٹھیک اسی مغالطہ میں پڑے، انھوں نے یہ اعتقاد کیا کہ خود یہی لوگ امت ہیں، پھر اس کے بعد کمینہ ورذیل اور حقیر وکمتر لوگ آئے، جنھوں نے یہ گمان کیا کہ ابن تیمیہ ہی حق مبین ہے''۔

۴۔ کیا کوئی ایسی آیت یا حدیث ہے جس میں یہ صاف اور کھلی تصریح ہو کہ توسل حرام ہے؟

۵۔ ابن تیمیہ سے پیشتر کتنے علمانے توسل کا انکار کیا؟ اور ان کی کتابیں کہاں ہیں؟ اور کتنے علمانے امام احمد بن حنبل کو کافر کہا؟

۶۔ جو لوگ مختلف رایوں میں تطبیق کرنا چاہتے ہیں ان سے ہماری گزارش ہے کہ:

اپنے رب کی قسم کھا کر ہمیں بتائیے کہ ابن تیمیہ سے پیشتر کس نے یہ کہا کہ توسل ممنوع ہے، یا اس سلسلے

میں ائمہ پر کس نے اعتراض کیا؟ کیا یہ کہنا علمی امانت ہے کہ اس مسئلہ میں دو قول ہیں، اور سیکڑوں سالوں کے بعد آٹھویں صدی ہجری تک دوسرا قول ایک قول رہے گا؟ آٹھویں صدی ہجری تک جب امت نے سکوت فرمایا تو دوسرے قول کو شاذ و خارج از دین قول کیوں نہیں شمار کرتے؟

اگر تم پر ابن تیمیہ کے کفش برداروں کا دباؤ نہیں ہے تو پھر یہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ پہلا قول ہی ساری امت کا قول ہے، اور دوسرا قول صرف ابن تیمیہ سے نکلا؟ کیا تمہیں اس کے کفش برداروں کا خوف ہے؟ نبی پاک ﷺ نے کیا یہی امانت تمہیں بخشی تھی؟ آپ نے تو تم سب کے لیے اللہ عز و جل کا یہ ارشاد پیش فرمایا:

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَاتَكْتُمُوْنَهُ﴾ [آل عمران-۳:۱۸۷]

ترجمہ:۔''اور یاد کرو جب اللہ نے عہد لیا ان سے جنہیں کتاب عطا ہوئی کہ تم ضرور اسے لوگوں سے بیان کر دینا اور نہ چھپانا''۔

یا تمہیں ابن تیمیہ کے جھوٹے کفش برداروں ہی کی گستاخانہ گفتگو بھا رہی ہے کہ کہیں امت کا شیرازہ نہ منتشر ہو جائے جب کہ یہ سراسر جھوٹ ہے، اگر انہیں امت کے انتشار و افتراق کا ذرا بھی خوف ہوتا تو جمہور علماے امت سے خروج و انحراف نہ کرتے۔

بعض لوگوں نے مجھ سے انتہائی نرم لب ولہجہ میں کہا:''علمائے مسلمین کہاں ہیں''اور کچھ لوگوں نے سخت عامی لب ولہجہ میں کہا:''کیا ابن تیمیہ کے دو طرز ہو گئے ہیں''اور ابن تیمیہ سے پیشتر اور اس کے بعد کے سارے علما بیوقوف ہیں۔

۷۔ ابن تیمیہ نے اس حدیث کو ضعیف کہا جس میں یہ ہے کہ آدم علیہ السلام نے نبی پاک ﷺ سے توسل کیا، اور ضعف کی وجہ یہ بتائی کہ وہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے مروی ہے....ہم کہتے ہیں: ابن تیمیہ نے اپنے مجموع الفتاوی (۱۵/۶۷) میں عبدالرحمٰن بن زید کے بارے میں جو کچھ کہا اسے خود ملاحظہ

فرمائیے اس نے کہا:

''عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ایک امام گزرے ہیں، آپ نے اپنے والد زید سے علم تفسیر اخذ کیا، اور زید علم تفسیر کے امام تھے، مالک وغیرہ نے ان سے تفسیر کے علوم اخذ کیے، اور عبداللہ نے ان سے علم تفسیر حاصل کیا''۔

میں کہتا ہوں: اور انجیل برناباس کی اکتالیسویں فصل: ۲۶-۳۴ میں ہے: ''اس وقت اللہ نے کہا: اے لعین! میری بارگاہ سے جا، تو شیطان وہاں سے بھاگا، پھر اللہ نے آدم وحوا سے فرمایا جب کہ وہ دونوں پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے: تم دونوں جنت سے باہر جاؤ، اور جسمانی محنت وکوشش کرو، اور تم دونوں کی امید کمزور نہ ہو اس لیے کہ میں تمہارے بیٹے کو اسی کیفیت پر بھیجوں گا جس کے ذریعہ تمہاری ذریت کے لیے نوع انسانی سے شیطان کا قبضہ وتسلط اٹھانا ممکن ہو، اس لیے کہ میں اپنے عنقریب آنے والے رسول کو ہر چیز بخشوں گا، پھر اللہ نے حجاب فرمالیا، اور فرشتہ میکائیل نے ان دونوں کو فردوس سے باہر کر دیا، جب آدم نے نظر التفات فرمایا، تو دروازہ کے اوپر '' **لا إلـه إلا الله محمد رسول الله** '' لکھا ہوا دیکھا، اس وقت آپ نے اشک ریز ہو کر کہا: اے میرے بیٹے! تو جلدی آ، اور ہمیں اس مشکل سے نجات ورستگاری دلا''۔

اور بیالیسویں فصل میں: ۱۲-۱۷ کہا: اور انجیل برناباس فصل ۴۲ آیت نمبر ۱۲-۱۷ میں کہا:

''انھوں نے کہا: اگر تو مسیح نہیں، نہ الیاس، نہ کوئی نبی، تو تو نئی تعلیم کی بشارت کیوں دیتا اور مسیح سے زیادہ اپنا چرچا کراتا ہے؟ یسوع نے جواب دیا: جو معجزے خدا میرے ہاتھ سے کراتا ہے، ان سے ظاہر ہے کہ میں وہی کہتا ہوں جو خدا کی مرضی ہے، میں اپنے بارے میں وہ نہیں کہلواتا، جس کا تم ذکر کر رہے ہو، کیوں کہ میں اس لائق نہیں کہ خدا کے اس رسول کی جرابوں کی بند، یا جوتیوں کے تسمے کھول سکوں جسے تم '' مسیح '' کہتے ہو جو مجھ سے پہلے بنایا گیا، اور میرے بعد آئے گا، اور سچائی کا کلام لائے گا کہ اس کے دین کی انتہا نہ ہوگی، اور اس کے

پاس کوئی حد ونہایت نہ ہوگی''۔

۸۔ ہم امت پر یہ روشن کریں گے کہ وہ اس وقت ابن تیمیہ اوراس کے حامیوں کی فکروں میں غائب و پوشیدہ ہے،ابن تیمیہ کی حمایت کرنے والے اللہ عزوجل کی مخلوق کورسول اللہ ﷺ کے توسل کا خوف دلاتے ہیں خاص کرنئی نسلوں کوڈراتے اور دھمکاتے ہیں۔

میں کہتا ہوں:

ہم امت کی خدمت میں ان علماوفقہاومحدثین وغیرہم کے اسمائے گرامی پیش کریں گے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ سے توسل کیا،اورکن صیغوں سے کیا،چاہے انھوں نے یہ کہہ کرتوسل کیا:''**أسألک بمحمد**'' یا ''**بجاهه**'' یا ''**بحقه**''(اے اللہ میں محمد،یا آپ کے مرتبہ،یا آپ کے حق کے وسیلہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں)یا اس کے علاوہ اورکسی صیغہ سے توسل فرمایا۔

ابن تیمیہ کے کفش بردارو بتاؤ کیا یہ سارے حفاظ ومحدثین کافرومشرک ہیں؟

جن حفاظ ومحدثین نے توسل کے مسئلہ میں صریح نص فرمایا اجمالاان میں سے بعض حضرات کے اسمائے گرامی پیش خدمت ہیں:

امام احمد،محمد بن منکدر،دارمی،ابن ابجر،مروزی،ابراہیم حربی،محاملی،ابوزرعہ رازی،کلاباذی،ابن اسلم طوسی،ابوعلی خلال،ابن حبان،طبرانی،ابن مقری اصفہانی،ابوالشیخ اصفہانی،لالکائی،ابوعبداللہ صفار اسفرائنی،ابن ابوالدنیا،حاکم،خطیب بغدادی،بیہقی،ابن القیسر انی،ابن عساکر،ابن جوزی،نووی،ابوزرعہ عراقی،سلفی،ابن الآبار،ابوالربیع بن سالم،عبدالحق اشبیلی،منذری،عبدالغنی مقدسی،قضاعی،کلائی،محمد بن موسی تلمسانی،ابن کثیر، ابوالمحاسن ابن حمزہ حسینی دمشقی،علائی،ابوالطیب،مکی فاسی،ولی الدین عراقی،ھیثمی،ابن حجرعسقلانی،سخاوی،ابن جزری،سیوطی،ابن فہد،ابن طولون،مناوی،عجلونی،عابدسندی،محمد مرتضٰی زبیدی،اورابوالحسنات عبدالحئ لکھنوی رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین۔

جن حفاظ ومحدثین نے نبی پاک ﷺ اورصالحین سے توسل کیاان کے اسمائے گرامی حروف ابجد کی ترتیب کے لحاظ

سے ذکر کر رہے ہیں:

(۱) حافظ ابراہیم حربی: آپ نے توسل کیا اور یہ فرمایا: ''معروف کرخی کی قبر تریاق آزمودہ ہے''۔ (تاریخ بغداد (۱۲۲/۱)

(۲) حافظ ابوالربیع بن سالم: آپ نے محمد بن عبیداللہ حجری کی قبر سے توسل کیا۔ (**التکملة لکتاب الصلة، الذهبي في سير أعلام النبلاء**)

(۳) حافظ ابوالشیخ اصفہانی نے عرض کیا: ''رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں بھوک کی شکایت پیش ہے'' (**سیر أعلام النبلاء (۴۰۰/۱۶)**)

(۴) حافظ ابوالطیب مکی فاسی: آپ نے اس طرح توسل کیا: ''محمد رسولوں کے سردار کے وسیلہ سے''۔ (**ذیل التقیید (۶۹/۱)**)

(۵) حافظ ابوالمحاسن بن حمزہ حسینی دمشقی: آپ نے یہ عرض کر کے توسل کیا ''مصطفیٰ کے مرتبہ کے وسیلہ سے''۔ (**ذيل تذكرة الحفاظ (۳۱۵/۱)**)

(۶) حافظ ابوزرعہ رازی: آپ سیدنا حضرت علی رضا سے عرض کر رہے تھے: ''آپ کے آبائے کرام کے حق کا وسیلہ آپ ہمیں حدیث سنائیں'' کتاب کے درمیان آیت کا ذکر آچکا۔

(۷) حافظ ابوعبداللہ صفار اسفرائنی: حاکم نے آپ سے اخذ کیا، اکثر صالحین نے آپ سے توسل کیا، درمیان کتاب آپ کا ذکر گزر چکا۔

(۸) محدث ابوعلی خلال: آپ نے فرمایا: میں موسیٰ بن جعفر کی قبر پر حاضر ہوا اور آپ سے توسل کیا۔'' (تاریخ بغداد (۱۲۰/۱)

(۹) حافظ ابوزرعہ عراقی: آپ نبی پاک کی بارگاہ میں آپ کے روضۂ اقدس کے سامنے آئے اور عرض کیا: ''میں بھوکا ہوں''۔ (**المنتظم لابن الجوزی (۷۴/۹، ۷۵)**)

(۱۰) حافظ ابن ابوالدنیا: آپ نے توسل کرتے ہوئے فرمایا: ''نبی پاک کے حق کے وسیلہ سے''۔ (قری

الضیف (۵/۲۲۵)

(۱۱) حافظ ابن اسلم طوسی: آپ سیدنا حضرت علی رضا سے عرض کررہے تھے: ''آپ کے آبائے کرام کے حق کا وسیلہ آپ ہمیں حدیث سنائیں'' اس سے پہلے کتاب میں آپ کا ذکر گزر چکا۔

(۱۲) حافظ ابن الآبار: آپ نے یوں توسل فرمایا: ''اے مخلوق کی شفاعت فرمانے والے! آپ تمام روحوں کے خالق، اور سارے عالم کے پروردگار کی بارگاہ میں ہماری شفاعت فرمائیں''۔ (الحلہ السیراء (۲/۲۸۴)

(۱۳) حافظ ابن الجزری: آپ نے اپنی کتاب ''عدہ الحصن الحصین باب فضل اٰداب الدعا'' میں توسل کا قول فرمایا۔

(۱۴) حافظ ابن الجوزی: آپ نے اس طرح توسل فرمایا: ''محمد ﷺ کے حق کے وسیلہ سے''۔ (زاد المسیر (۴/۲۵۳)

(۱۵) حافظ ابن قیسرانی: لوگوں نے اللہ کی بارگاہ میں آپ کو وسیلہ بنایا''۔ (تذکرۃ الحفاظ (۴/۱۳۷۱)

(۱۶) حافظ ابن مقری اصفہانی: آپ نے روضۂ اطہر کے پاس توسل کیا اور رسول پاک سے بھوک کی شکایت کی''۔ (سیر اعلام النبلاء (۱۶/۴۰۰)

(۱۷) حافظ ابن حبان: جب کبھی آپ کو غم لاحق ہوتا حضرت علی رضا کی قبر پر تشریف لے جاتے آپ کا سارا غم کافور ہو جاتا، آپ نے فرمایا یہ میرا بار ہا کا آزمودہ ہے، اس سے پہلے اس کی طرف اشارہ گزر چکا۔ (الثقات (۸/۴۵۷)

(۱۸) حافظ ابن حجر عسقلانی: آپ نے فتح الباری میں توسل کے مسئلہ پر خاصا روشنی ڈالی ہے۔

(۱۹) حافظ ابن طولون: آپ نے حافظ عراقی کے شیخ حافظ علائی کے کلام سے ان مسائل اصول وفروع میں استدلال فرمایا جن میں ابن تیمیہ نے جمہور کی مخالفت کی ہے، ذخائر القصر۔ (قارہ میں خزانہ تیموریہ میں اس کا مخطوطہ محفوظ ہے)

(۲۰) حافظ ابن عساکر: آپ نے چہل حدیث لکھی جس میں یہ ہے: "**یا محمد إني أتوجه بک إلی ربي**" آپ کی کتابیں مسئلہ توسل کے ذکر سے مالا مال ہیں، آپ نے جعفر صادق کے مناقب ذکر فرمائے اس لیے کہ ان کی شان میں یہ فرمایا: "اور نبی سے توسل کرتے ہوئے" اور بعض صالحین سے منقول ہے کہ آپ کے مزار پاک سے برکت حاصل کی جاتی ہے۔ (تاریخ دمشق (۶/۴۴۳))

(۲۱) حافظ ابن فہد: آپ نے حافظ عراقی سے توسل وزیارت کے باب میں وہ مسائل پوچھے جن میں ابن تیمیہ نے جمہور کی مخالفت کی، اوران سے انحراف کر کے ایک نئی راہ مقرر کی ہے۔ (**کتاب الأجوبة المرضية عن الأسئلة المكية**)

(۲۲) حافظ ابن کثیر: آپ نے اس طرح توسل کیا "محمد اور آپ کی آل پاک کے وسیلہ سے"۔ (**البداية والنهاية (۱۳/۱۹۲)**)

(۲۳) حافظ امام احمد: آپ نے اپنی منسک میں فرمایا: نبی پاک ﷺ کے وسیلہ سے دعا کی جائے۔ حد یہ ہے کہ ابن تیمیہ نے بھی اسے نقل کیا ہے۔

(۲۴) حافظ بیہقی: ابن جوزی نے المنتظم (۱۱/۲۱۱) میں آپ سے روایت کیا کہ احمد بن حرب کے مناقب میں سے یہ ہے کہ دعا کرنے والا جب آپ کے مزار اقدس کو وسیلہ بنا کر دعا کرتا ہے تو دعا مقبول ہوتی ہے۔

(۲۵) حافظ حاکم: آپ نے روایت کیا کہ: امام ابن خزیمہ سیدنا حضرت علی رضا کی قبر کی تعظیم کرتے، اور آپ کے شیوخ یحیي بن یحیي کی قبر سے توسل کرتے، اس کا ذکر گزر چکا۔

(۲۶) حافظ خطیب بغدادی: آپ نے اس طرح توسل کیا "محمد کے حق کے وسیلہ سے"۔ (**الجامع لأخلاق الراوي والسامع (۲/۲۶۱)**)

(۲۷) حافظ دارمی: "**باب ما أكرم الله به نبيه**" [۱] اس باب میں ان کرامتوں کا بیان ہے جن سے اللہ

(۱) اس باب کے تحت انھوں نے مالک الدار کی حدیث روایت کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک مالک الدار کی حدیث صحیح ومعتبر ہے۔

عزوجل نے اپنے نبی کو سرفراز فرمایا۔(سنن دارمی)

(۲۸) حافظ سخاوی: ''اور ہمارے وسیلہ اور ہماری سند''، فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث للعراقی (۴۱۰/۴)

(۲۹) حافظ سلفی: معجم السفر میں آپ کا توسل مذکور ہے۔

(۳۰) حافظ سیوطی: آپ نے اس طرح توسل فرمایا: ''محمد اور آپ کی آل کے وسیلہ سے'' الإتقان (۵۰۲/۲)

(۳۱) حافظ طبرانی: سیر أعلام النبلاء (۴۰۰/۱۶) میں مذکور ہے کہ آپ نے رسول پاک ﷺ کے روضۂ اطہر پر جاکر آپ سے بھوک کی شکایت کی، اور وہاں توسل کیا، آپ نے نبی پاک ﷺ کے وصال کے بعد آپ سے توسل کی حدیث کو صحیح قرار دیا۔

(۳۲) حافظ عجلونی: آپ نے اس طرح توسل کیا: ''اور خیر الخلق سے میں توسل کرتا رہا''۔(کشف الخفاء (۵۵/۲)

(۳۳) حافظ علائی: توسل وزیارت کے موضوع پر ابن تیمیہ کے رد میں آپ نے ایک کتاب ہی تالیف فرمائی

(۳۴) حافظ قضاعی: ''لوگوں نے اللہ کے حضور آپ کو وسیلہ بنایا''۔(التكملة لكتاب الصلة (۲۸۱/۲)

(۳۵) محدث کلاباذی: آپ نے اس طرح توسل کیا: ''اور اللہ کے نبی سے میں توسل کرتا ہوں'' (التعرف لمذهب أهل التصوف (۲۱/۱)

(۳۶) حافظ کلاعی: صاحب کتاب مصباح الظلام في المستغيثين بخير الأنام في اليقظة والمنام كشف الظنون (۱۷۰۶/۲)

(۳۷) حافظ ابوالحسنات لکھنوی: آپ نے یوں توسل کیا: ''اپنے نبی سے توسل کرکے'' (الرفع والتكميل في الجرح والتعديل (ص ۲۷)

(۳۸) حافظ لالکائی: حمزہ ہاشمی نے ذکر کیا کہ: آپ بار بار اس کلام کے ذریعہ توسل فرماتے ''میں ان میں سے ہوں جن کی درازی عمر کے وسیلہ سے عمر نے استسقا کیا''۔

(۳۹) حافظ محاملی: آپ معروف کرخی کی قبر پر آتے۔(تاریخ بغداد (۱۲۳/۱)

(۴۰) حافظ مروذی: آپ امام احمد کے شاگرد ہیں، منسک امام احمد بن حنبل میں نبی پاک سے توسل کے باب میں آپ کا ذکر گزر چکا۔

(۴۱) حافظ مناوی: آپ نے ذکر فرمایا کہ: ابن تیمیہ تمام اہل اسلام کے درمیان آفت وعذاب ہے اس لیے کہ اس نے توسل واستغاثہ کا انکار کیا۔

(۴۲) حافظ منذری: آپ کا ایک رسالہ ہے جس کا نام یہ ہے" **زوال الظلماء في ذكر من استغاث برسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم من الشدة والعمى**" (اس رسالہ میں ان لوگوں کا ذکر ہے جنھوں نے سختی اور نابینائی کے سبب رسول اللہ ﷺ سے استغاثہ وفریاد کیا تو ان کی پریشانی دور ہوئی) صاحب ہدیۃ العارفین نے اسے ذکر کیا (۵۸۶/۵)

(۴۳) حافظ ھیثمی: آپ نے اس طرح توسل فرمایا: ''محمد اور آپ کے وسیلہ سے''، مجمع الزوائد (۴۲۰/۹)

(۴۴) محدث عابد سندی: آپ کے ایک رسالہ کا نام ہے" **الرد على ابن تيمية في التوسل**".

(۴۵) حافظ عبدالحق اشبیلی: آپ کی کتاب **العاقبة في علم التذكير** میں ہے: ''اور ان کے جوار میں رہ کر، صالحین کی قبروں سے برکت حاصل کرے اور توسل کرے''۔ **فيض القدير للمناوي** (۲۳۰/۱)

(۴۶) حافظ عبدالغنی مقدسی: ہم ذکر کر چکے کہ ضیاء مقدسی نے ذکر کیا جب آپ کے شکم میں کوئی پھوڑا نکل آیا اور آپ کو کسی دوا سے شفا نہ ملی تو امام احمد بن حنبل کے خاک مزار کو اپنے شکم پر ملا اس کی برکت سے آپ شفایاب ہوئے اور آپ کے شکم کا پھوڑا جاتا رہا، اور ان سے توسل کی ایک دوسری روایت بھی ہے۔

(۴۷) حافظ محمد بن منکدر: اپنا رخسار نبی پاک ﷺ کی قبر پر رکھ کر فرماتے: ''میں روضۂ نبی سے استعانت کرتا ہوں''، ابن عساکر کی روایت کے حوالہ سے ماسبق میں آپ کا ذکر آ چکا، اور ذہبی نے ''سیر أعلام النبلاء'' میں اسے آپ کے مناقب سے شمار کیا۔

(۴۸) حافظ محمد بن موسیٰ تلمسانی: صاحب کتاب مصباح الظلام في المستغيثين بخير الأنام (كشف الظنون (۱۷۰۶/۲)

(۴۹) محدث محمد مرتضی زبیدی: آپ نے اس طرح توسل کیا: ''ہمارے سردار محمد اور آپ کی آل کے مرتبہ کے وسیلہ سے''۔(التجريدالصريح لأحاديث الجامع الصحيح ص(۹)

(۵۰) حافظ ابن ماکولا: آپ نے بعض صالح کی قبر کے متعلق فرمایا: ''آپ کی قبر سے برکت حاصل کی جاتی ہے، میں نے آپ کے مزار پاک کی زیارت کی ہے''۔الإكمال (۲٦۷/۱)

(۵۱) حافظ ابن نقطہ: بعض صالح نے ذکر کرتے ہوئے کہا: آپ کا مزار پاک قرافہ میں سرچشمہ فیض و برکت ہے۔(التقييد(۳۷۰/۱)

(۵۲) حافظ ذہبی: بعض صالح نے ذکر کرتے ہوئے کہا: آپ صاحب ورع وتقوی وحیا تھے، آپ کی قبر سے برکت حاصل کی جاتی ہے۔(سير اعلام النبلاء(۱۰۱/۱۸)

ابن تیمیہ کے کفش بردارو! کیا یہ سارے فقہائے اسلام، ائمہ اعلام اور علمائے کرام کافر ومشرک ہیں؟

ائمہ اربعہ اعلام

۱۔امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ:

آپ نے ایسی چیز ذکر فرمائی جو طعن سے پاک ہے، اور ابن تیمیہ کو بھی اس کی صحت کا اقرار ہے، وہ یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل نے اپنے منسک میں یہ فرمایا کہ: استسقا میں نبی پاک ﷺ سے توسل کیا جائے۔

تمام علمائے حنابلہ باب الاستسقاء میں امام احمد بن حنبل کا یہ کلام ذکر کرتے ہیں۔

۲۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ:

باب توسل میں آپ سے مروی کوئی نص صریح میرے ذہن میں نہیں ہے، لیکن آپ سے یہ مروی ہے کہ یہ کہنا مکروہ ہے: "**وأسألک بمقاعدالعزمن عرشک**" یعنی اے رب! میں تیرے عرش کے باعظمت منازل کے وسیلے سے تجھ سے سوال کرتا ہوں" مگر آپ نے امام ابو یوسف کو نصیحت فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا: "قبروں، مشائخ عظام اور مقامات مقدسہ کی خوب زیارت کرو اور جو لوگ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کو بحالت نیند مسجد یا قبرستان میں دیکھنے کا دعویٰ کریں ان کی تصدیق کرو۔ **الطبقات السنية في تراجم الحنفية**.

۳۔امام مالک بن انس رحمہ اللہ تعالیٰ:

ابوجعفر منصور اور سیدنا امام مالک کے درمیان مسجد نبوی شریف میں جو مباحثہ ہوا اس میں یہ ہے کہ امام مالک نے ابوجعفر منصور سے فرمایا: آپ حضور اقدس سے اپنا چہرہ کیوں پھیریئے گا جب کہ حضور اللہ تعالی کے حضور بروز حشر آپ، اور آپ کے باپ سیدنا آدم علیہ السلام کے بھی وسیلہ ہیں بلکہ سرکار ہی کی طرف رخ کر کے دعا کیجئے __ **كتاب الشفاء بتعريف حقوق المصطفىٰ صلى الله تعالى عليه وسلم (۴۱/۲)**

اس مقام پر ابن تیمیہ کا یہ دعویٰ کرنا کہ یہ واقعہ باطل ہے یہ خود ہی باطل ہے جس کا ہم دندان شکن جواب دے چکے، اس کے اس دعویٰ کے بطلان کی روشن دلیل یہ ہے کہ اس کے پیدا ہونے تک امام مالک کے اصحاب

میں سے کسی شخص نے یہ نہ کہا کہ یہ واقعہ ضعیف ہے۔

ابن تیمیہ نے اس واقعہ کے راوی پر یہ تہمت لگائی کہ امام مالک کی طرف یہ جھوٹی نسبت ہے جب کہ سیدنا امام احمد ابن حنبل آپ کی اس لیے تعریف فرماتے کہ وہ سنت میں تصلب رکھتے، کاش ابن تیمیہ اس شخصیت کے بارے میں امام احمد بن حنبل کے ارشادات ملاحظہ کرتا.... خاص اور اہم بات یہ ہے کہ اس شخصیت کے وصال اور ابن تیمیہ کے انتقال کے درمیان تقریبا ۵۰۰ پانچ سو سال کا فاصلہ ہے۔ اور یہ ایک نامعقول بات ہے کہ مالکیہ اس درجہ غبی اور جاہل تھے کہ انھوں نے یہ واقعہ ذکر کیا، اور کامل سکوت اختیار کیا، اور یہ حضرات آٹھویں صدی ہجری میں پیدا ہونے والے ابن تیمیہ کے سراپا منتظر تھے ایسا لگ رہا ہے کہ ابن تیمیہ امام مہدی ہے جن کا انتظار کیا جا رہا تھا، اب وہ آنے کے بعد ان سے یہ کہہ رہا ہے کہ یہ جھوٹا واقعہ ہے، ابن تیمیہ کے عاشق زاروں پر لازم ہے کہ اگر ان کے اندر ذرا بھی حیا ہے تو ابن تیمیہ سے پہلے کسی ایک عالم کا قول دکھا دیں جس نے یہ کہا ہو کہ یہ واقعہ ضعیف ہے؟ ان سے یہ کبھی نہ ہو سکے گا۔

۴۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ:

آپ نے فرمایا: ''میں امام ابوحنیفہ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور جب مجھے کوئی حاجت درپیش ہوتی ہے دو رکعت نماز ادا کر کے آپ کے مزار اقدس پر حاضر ہوتا ہوں، اور وہاں اللہ تعالی سے اپنی حاجت کا سوال کرتا ہوں میری حاجت برآتی[1] ہے''۔ (تاریخ بغداد (۱۲۳/۱))

(۱) امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی نے کتاب مستطاب ''لواقح الأنوار في طبقات الأخيار'' میں حضرت سیدی محمد بن احمد فرغل رضی اللہ تعالی عنہ کے احوال شریفہ میں لکھا:

'' كان رضي الله تعالى عنه يقول أنا من المتصرفين قبورهم فمن كانت له حاجة فليأت إلى قبالة وجهي ويذكرها لي أقضها''

ترجمہ:۔ ''فرمایا کرتے تھے میں ان میں ہوں جو اپنی قبور میں تصرف فرماتے ہیں جسے کوئی حاجت ہو میرے پاس میرے چہرۂ مبارک کے سامنے حاضر ہو کر مجھ سے اپنی حاجت کہے میں روا فرمادوں گا''۔

(لواقح الانوار في طبقات الأخيار ۱۰۵/۲ مصطفی البابی مصر) (مترجم)

ابن تیمیہ نے اس واقعہ کے بارے میں طعن کیا، لیکن طعن کی وجہ نہ بتائی، انسان کچھ بھی دعوے کر سکتا ہے آخر ابن تیمیہ کی کیا دلیل ہے؟ پھر ابن تیمیہ سے سیکڑوں سال پہلے شافعیہ اور حنفیہ اس توسل کی رائے رکھتے تھے ان میں سے کسی نے اس توسل کا انکار نہ کیا بلکہ وہ لوگ اسے امام شافعی، اور امام ابوحنیفہ کے عمدہ مناقب سے شمار کرتے ہیں، بعض اہل بدعات امام ابوحنیفہ کو ''ابوجیفہ'' کہتے ہیں۔ **والعیاذ باللّٰہ تعالی.**

بعض توسل کرنے والے مشہور فقہا کے اسمائے گرامی کا بطور دلیل اجماعی ذکر، ان حضرات نے توسل کی کھلی ہوئی تصریح فرمائی

شافعیہ:

قاضی ماوردی، قاضی ابوالطیب، ابوحامد غزالی، عزبن عبدالسلام، تقی الدین بن دقیق العید، محبّ طبری، ابن الرفعۃ، رافعی، قزوینی، تونوی، ابن الزملکانی، تقی الدین سبکی، بارزی، ابن الملقن، ابن قاضی شھبہ، عزبن جماعۃ، جلال قزوینی، تقی الدین حصنی، تفتازانی، شریف جرجانی، زکریا انصاری اور ابن حجر ھیتمی۔

مالکیہ:

قاضی عیاض، ابن ابوحمزہ، ابن عطاء اللہ سکندری، ابن الحاج، علامہ خلیل، ابن خطیب، ابوالحسن مالکی، ابن جزری، ابن عاشر مالکی، اور ابن میارہ مالکی۔

حنفیہ:

ابواسحاق خجندی کارونی، ابومنصور کرمانی حنفی، کمال ابن ھمام، ابن ابوالوفا قرشی حنفی، خرشی، ابن عابدین شامی، ابوالاخلاص شرنبلالی، ملاعلی قاری، عبدالغنی دہلوی، طحطاوی، اور محمد عمیم الاحسان مجددی۔

حنابلہ:

ابن عقیل، عبدالقادر جیلانی، ابن قدامہ مقدسی حنبلی، ابوعبداللہ سامری حنبلی، ابن مفلح حنبلی، بہوتی، شوکانی، اور صدیق حسن خاں۔[1]

---

(۱) اس نے فقہ کو جعل سازی اور مکاری اور فقہا و مقلدین کو مشرک و بدعتی و دغاباز لکھا ہے، جیسا کہ صفحہ ۳۵ و ۳۶ ترجمان وہابیہ مطبوعہ مفید عام آگرہ میں یہ عبارت موجود ہے کہ: ''سرچشمہ سارے جھوٹے حیلوں اور مکروں کا اور کان تمام فریبوں اور دغابازیوں کی علم فقہ ورائے ہے اور مہاجال ان سب خرابیوں کا فقہا اور مقلدین کی بول چال ہے اور ساری خرابی ڈالی ہوئی

ان ملاؤں کی ہے جو دام تقلید میں گرفتار ہیں اور نشئہ شرک و بدعت میں سرشار اور تمام عالم کا فساد اور ساری خرابیوں کی بنیاد گروہ مقلدین سے ہے" اور اسی کتاب کے صفحہ ۹۲ میں لکھا ہے کہ: "کثرت نوافل نماز و وظائف اور صدقات طعام وغیرہ واسطے ثواب رسانی اموات کے موافق طریقئہ ہنود کے ہے" اور **نصب الذریعه إلی تعدید علوم الشریعة** مطبوعہ مفید عام آگرہ ۱۳۰۴ھ کے صفحہ ۸۸ میں لکھا ہے کہ: "علم شرعی عبارت ہے تفسیر و حدیث و فقہ و سنت و فرائض سے رہی فقہ مصطلح سو یہ علوم دنیا سے ہے نہ علوم آخرت سے"۔ نیز رسالہ **الأحتواء علی مسائلة الإستواء** میں لکھا ہے کہ: "خدا عرش پر بیٹھا ہے اور عرش اس کا مکان ہے اور دونوں قدم اپنی کرسی پر رکھے ہیں اور کرسی اس کے قدم رکھنے کی جگہ ہے اور ذات خدا کی جہت فوق اور طرف علو میں ہے اور اس کو فوقیت جہت کی ہے نہ فوقیت رتبے کی اور وہ عرش پر رہتا ہے اور اترتا ہے ہر شب کو طرف آسمان دنیا کے اور اس کے لیے داہنا بایاں ہاتھ اور قدم اور ہتھیلی اور انگلیاں اور دو آنکھیں اور منھ اور پنڈلی وغیرہ سب چیزیں بلا کیف ثابت ہیں اور جو آیتیں اس بارے میں ہیں سب محکمات ہیں آیات متشابہات نہیں اور ان آیات و احادیث میں تاویل نہ کرنا چاہیے سب آیتیں اور حدیثیں اپنی ظاہر معنی پر محمول ہوں گی اور اسی ظاہر معنی پر عمل اور اعتقاد رکھنا چاہیے۔

(مترجم)

نبی ﷺ سے توسل کرنے والے بعض فقہا کے اسما کا ذکر حروف ابجد کی ترتیب کے لحاظ سے

۱۔ ابواسحاق خجندی کارونی (حنفی): آپ کا یہ شعر ہے:

”خــافــت الــنــار إلٰهــا فانتحت تتشفع لائذة بالرسول“

التحفة اللطيفة (۸۳/۱)

۱۔ آگ کو خدائے واحد کا خوف ہوا تو اس نے کنارہ کش ہو کر رسول اقدس کی بارگاہ کی پناہ حاصل کی اور آپ کو اپنا شفیع بنایا۔

۲۔ ابوالاخلاص شرنبلالی (حنفی): آپ نے اس طرح توسل فرمایا: ”ہم آپ دونوں کے پاس اس لیے آئے تا کہ اپنے سردار اللہ کے رسول کے حضور آپ دونوں کو وسیلہ بنائیں“۔ (نور الإیضاح (۱۵۶/۱)

۳۔ ابوالحسن مالکی: آپ نے اس طرح توسل کیا: ”محمد اور آپ کی آل واصحاب کے وسیلہ سے“۔ (کفایة الطالب (۶۷۸/۲)

۴۔ ابوحامد غزالی (شافعی): آپ نے اس طرح توسل فرمایا: ”اور ہم تیرے نبی کی بارگاہ میں آئے انہیں اور ان کے اس حق کو وسیلہ و شفیع بنا کر جو تیرے ذمۂ کرم پر ہے۔ (إحیاء علوم الدین (۲۶۰/۱)

۵۔ ابوعبداللہ سامری حنبلی: آپ کا ذکر ان لوگوں میں کیا گیا جو یہ کہتے ہیں کہ زیارت کرنے والا زیارت کے وقت رسول اللہ ﷺ سے عرض کرے: ”یامحمد إني أتوجه بک إلی ربي“ اے محمد! ﷺ میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا۔

۶۔ ابومنصور کرمانی حنفی: آپ نے ادب الزیارۃ میں کہا: انسان رسول اللہ ﷺ سے مخاطب ہو کر یوں عرض کرے: اے اللہ کے رسول! فلاں اور فلاں آپ کی شفاعت کے طالب ہیں۔ (المکتوبات (ص ۳)

۷۔ ابن ابوالوفاء قرشی حنفی: آپ نے بایں طور توسل فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ کے مرتبہ کے وسیلہ سے''۔ طبقات الحنفیۃ (۳۵۴/۱)

۸۔ ابن ابوحمزہ: آپ نے انبیائے کرام کی زیارت کا ذکر کیا، پھر اپنی حاجتوں کی تحصیل، اور اپنے گناہوں کی بخشش کی خاطر اللہ تعالی کے حضور ان حضرات انبیائے کرام کو وسیلہ بنایا۔ (مختصر بخاری)

۹۔ ابن الحاج (مالکی): آپ نے توسل کا قول فرمایا۔ الشواھد (ص۸۵)

۱۰۔ ابن الخطیب: آپ نے یہ فرما کر توسل کیا: ''اور جس نے محمد کو اللہ تعالی کی بارگاہ میں وسیلہ بنایا اسے نجات ملی اور نفع حاصل ہوا''۔ (وسیلۃ الإسلام (۳۱/۱)

۱۱۔ ابن الرفعہ (شافعی): آپ نے ابن تیمیہ کا رد فرمایا، اور توسل وزیارت کے مسئلہ میں اس سے مناظرہ فرمایا، اور اس کے قید ہونے کا ایک سبب بنے۔

۱۲۔ ابن زملکانی (شافعی): آپ نے اس قول کے ذریعہ توسل فرمایا: ''اے جاہ ومرتبہ والے''۔ (شواھد الحق (ص۳۸۳)

۱۳۔ ابن الملقن (شافعی): آپ کے توسل کا کلام یہ ہے: ''محمد اور آپ کی آل کے وسیلہ سے''۔ (خلاصۃ البدر المنیر (۵/۱)

۱۴۔ ابن جزی: آپ کے الفاظ توسل یہ ہیں: ''آپ کو شفیع بنایا جائے۔ (القوانین الفقھیۃ (۹۵/۱)

۱۵۔ ابن حجر ھیتمی (شافعی): آپ نے اپنے حاشیہ ''الایضاح'' اور اپنی کتاب " الجوھر المنظم في زیارۃ القبر الشریف النبوي المکرم'' میں توسل کا قول فرمایا۔

۱۶۔ علامہ ابن عابدین شامی حنفی کے توسل کے کلمات یہ ہیں: ''سید الانبیاء والمرسلین کے مرتبہ کے وسیلہ سے''۔ حاشیۃ ابن عابدین شامی (۵۱۱/۸)

۱۷۔ ابن عاشر مالکی: آپ کے توسل کے الفاظ یہ ہیں: ''سید الانام کے مرتبہ کے وسیلہ سے''۔ (المرشد المعین علی الضروري من علوم الدین (۳۰۰/۲)

۱۸۔ ابن عجیبہ حسنی: آپ نے اس طرح توسل فرمایا: ''ہمارے نبی مصطفیٰ کے مرتبہ کے وسیلہ سے''۔(**إيقاظ الهمم شرح الحكم** (ص۴)

۱۹۔ ابن عطاء اللہ سکندری: آپ نے اس طرح توسل فرمایا: ''محمد کے مرتبہ کے وسیلہ سے''۔(**لطائف المنن** (ص۱۱،۱۲)

۲۰۔ ابن عقیل (حنبلی): آپ نبی پاک ﷺ کی زیارت شریفہ کے وقت یہ عرض کرتے تھے: ''**يامحمد إني أتوجه بك إلى ربي**'' اے محمد میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا۔(**التذكرة** ص۸۷) مکتبہ ظاہریہ دمشق

۲۱۔ ابن علان: آپ نے اس طرح توسل فرمایا: ''تیرے نبی سیدالمرسلین کے مرتبہ کے وسیلہ سے''۔(**شرح الأذكار** (۲/۲۹)

۲۲۔ ابن قاضی شھبہ (شافعی): احمد بن علی ہمدانی کے حالات کے تحت کہا: آپ کی قبر کے پاس دعا مستجاب ہے''۔(**طبقات الشافعية** (۲/۱۵۵)

۲۳۔ ابن قدامہ مقدسی حنبلی: آپ نے کہا: ''اور روضۂ رسول کی زیارت مستحب ہے'' پھر عتبی کا واقعہ ذکر کیا۔(**المغني** (۳/۲۹۸)

۲۴۔ ابن مفلح حنبلی: آپ نے عتبی کا واقعہ ذکر کرکے اسے برقرار رکھا۔ (المبدع (۳/۲۵۹)

۲۵۔ ابن میارہ مالکی: آپ نے یہ کہہ کر توسل کیا: ''اے اللہ! ہم تیری مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بناتے ہیں''۔(**الدر الثمين والمورد المعين** (۲/۳۰۲)

۲۶۔ امام قشیری۔

۲۷۔ البارزی: آپ کی کتاب توثیق عری الایمان ہے (اس کے تیسرے باب کا عنوان یہ ہے: ''**إغاثته صلى الله تعالى عليه وسلم لمن استغاث به**'' یعنی حضور اقدس ﷺ کا اس شخص کی مدد فرمانا جو آپ سے فریاد کرے۔

۲۸۔ البجیرمی (شافعی): آپ نے فرمایا: اس کے باوجود کہ آپ اپنی حیات ووصال میں سب سے بڑے وسیلہ ہیں'' (حاشیة البجيرمي)

۲۹۔ بہوتی (حنبلی): عتبی کا واقعہ ذکر کر کے اسے برقرار رکھا۔ کشف القناع (۵۱۶/۲)

۳۰۔ جاوی: انھوں نے اس طرح توسل کیا: ''نبی مختار کے مرتبہ کے وسیلہ سے'' ۔نهاية الزين (۷۷/۱)

۳۱۔ میر سید شریف جرجانی: آپ نے اپنے حاشیۂ مطالع کے شروعات میں توسل کا قول فرمایا۔

۳۲۔ رافعی قزوینی (شافعی): آپ نے اس طرح توسل کیا ''اس ذات پاک کی شفاعت کو وسیلہ بنا کر جن کی شان رفعت ومحبوبیت کے لیے یوم الجزاء ہے''۔ (التدوين في أخبار قزوين (۷۶/۲)

۳۳۔ الخطاب: آپ نے فرمایا: ''ہمیں وسیلہ کے سوال کرنے کا حکم دیا گیا''۔مواهب الجليل (۵۴۵/۲)

۳۴۔ خرشی: آپ نے توسل کی اجازت دی، اور اللہ عز وجل پر نبی پاک ﷺ کی قسم کھانا خاص فرمایا۔ (شرح الكبير على متن خليل (الجزء الثالث)

۳۵۔ رملی (شافعی): آپ نے اس طرح عرض توسل کیا: ''اور اللہ کے نبی کو وسیلہ بناتا ہوں''۔ (شرح زيدبن رسلان)

۳۶۔ زرقانی: آپ نے اس طرح توسل فرمایا: ''افضل الانام کے مرتبہ کے وسیلہ سے''۔ (شرح الزرقاني (۲۹۷/۲)

۳۷۔ زینی مراغی۔: آپ نے ابن تیمیہ کا شدید رد کیا، اور اس کو مبتدع کہا۔

۳۸۔ سمہودی: آپ نے نبی پاک ﷺ، آپ کے مرتبہ، اور آپ کی برکت کو وسیلہ وشفیع بنایا۔ (خلاصة الوفا (۴۱۹/۲)

۳۹۔ سید بکری (شافعی): آپ نے اس طرح توسل کیا: ''ہمارے سردار محمد کے مرتبہ کے وسیلہ سے''۔ (إعانة الطالبين (۳۴۴/۴)

۴۰۔ شربینی (شافعی): آپ نے فرمایا: ''اور آپ کو اپنے حق میں وسیلہ بنایا جائے''۔ (الاتناع للشربيني

(۲۵۸/۱)

۴۱۔ شروانی (شافعی): آپ نے اس طرح توسل کیا: ''محمد سید الانام کے مرتبہ کے وسیلہ سے''۔ (**حواشي الشرواني (۳۸٦/٦)**)

۴۲۔ شہاب خفاجی: نبی ﷺ کی زیارت اور فضیلت کا بیان۔ **نسیم الریاض شرح الشفا للقاضی عیاض**

۴۳۔ شوکانی: اس نے اس طرح توسل کیا: ''مصطفیٰ کے مرتبہ کے وسیلہ سے''۔ **البدر الطالع (۴۲۲/۱)**

۴۴۔ طحطاوی (حنفی): آپ نے یہ کہہ کر توسل کیا: ''ہمارے سردار محمد کے مرتبہ کے وسیلہ سے'' (**حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح (۳۵۷/۱)**)

۴۵۔ عز بن جماعۃ (شافعی)۔

۴٦۔ عز بن عبدالسلام: آپ نے نبی پاک سے توسل کو جائز کہا اگر حدیث صحیح ہے، اور ابن تیمیہ کے اقرار کے مطابق حدیث صحیح ہے۔ (**تحفة الأحوذي (۲۵/۱۰)**)

۴۷۔ علامہ خلیل (مالکی): آپ نے اس طرح توسل کا حکم دیا: ''اور حضور اقدس ﷺ کو وسیلہ بنایا جائے''، زرقانی نے اپنی شرح **المواهب اللدنية** میں اسے ذکر کیا۔

۴۸۔ غزی: انھوں نے اس طرح توسل کیا: ''سید المرسلین کے مرتبہ کے وسیلہ سے''۔ (**فتح القريب في شرح ألفاظ التقريب (ص۱۷)**)

۴۹۔ قاضی ابوالطیب (شافعی): آپ نے عتبی کا قصہ ذکر کر کے اسے برقرار رکھا۔ (**المجمع شرح المهذب (۲۵٦/۸)**)

۵۰۔ قاضی تاج الدین ابن بنت الاعز (شافعی): آپ ابن تیمیہ کے رد کرنے والوں میں سے ہیں۔

۵۱۔ قاضی عیاض (مالکی): ابوجعفر منصور کے ساتھ امام مالک کا واقعہ ذکر کیا، اور اسے برقرار رکھا۔ (**الشفاء في تعريف حقوق المصطفىٰ ﷺ**)

۵۲۔ علامہ قسطلانی: آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالی سے آپ کے مرتبہ کے وسیلہ سے سوال کیا جائے'' (المواھب اللدنیة (۳۰۸/۸)

۵۳۔ قونوی: آپ ابن تیمیہ کے قید مسلسل کا ایک سبب تھے اس وجہ سے کہ آپ توسل کے قائل تھے۔ (الدرر الکامنة)

۵۴۔ کمال ابن ہمام (حنفی): آپ نے اس طرح توسل فرمایا: ''تیرے نبی کی بارگاہ کے وسیلہ سے'' (شرح فتح القدیر (۱۸۱/۳)

۵۵۔ ماوردی (شافعی): آپ نے عتبی کا واقعہ ذکر کر کے اسے برقرار رکھا جیسا کہ ابوطیب نے اسے برقرار رکھا۔ (المجموع شرح المھذب (۲۵۶/۸)

۵۶۔ محبّ طبری: آپ نے اس طرح توسل کیا: ''محمد اور آپ کی آل واصحاب کے وسیلہ سے'' (ذخائر العقبی في مناقب ذوي القربی (۲۶۱/۱)

۵۷۔ یافعی: آپ نے یہ کہہ کر توسل کیا: ''اور اس کے رسول کے وسیلہ سے''۔ مراٰۃ الجنان (۳۶۲/۴)

۵۸۔ تقی الدین ابوالفتح: آپ نے اس طرح توسل کیا: ''اور نبی مصطفیٰ کے وسیلہ سے اس کی طرف راغب ہو'' (طبقات الشافعیةالکبری (۱۸۱/۹)

۵۹۔ تقی الدین حصنی (شافعی): توسل وزیارت کے موضوع پر ابن تیمیہ کے مبتدع قرار دینے کے سلسلے میں آپ کی ایک گراں قدر کتاب ہے۔

۶۰۔ تقی الدین سبکی (شافعی): توسل کے مسئلہ میں ابن تیمیہ کے رد میں آپ کی ایک اہم کتاب ہے۔

۶۱۔ تقی الدین ابن دقیق العید (شافعی) آپ نے اس طرح توسل کیا: ''میں اس کے لیے نبی شفیع مشفع کے مرتبہ کو وسیلہ بناتا ہوں''۔ (طبقات الشافعیة الکبری (۲۲۱/۹)

۶۲۔ زکریا انصاری (شافعی): آپ نے فرمایا: ''اپنے حق میں آپ کو وسیلہ بنایا جائے، اور اپنے رب کے حضور آپ کو شفیع لایا جائے''۔ (فتح الوھاب (۲۵۷/۱)

۶۳۔ علامہ سعد الدین تفتازانی: آپ نے کہا: ''اوراسی لیے قبروں کی زیارت اور نیک مردوں کی استعانت سے نفع اٹھایا جاتا ہے''۔ (شرح مقاصد (۲/۴۳)

۶۴۔ صدیق حسن خاں: اس نے اس طرح توسل کیا ''خیر البریۃ کے مرتبہ کے وسیلہ سے''۔ (**ابجد العلوم** (۳/۲۸۰)

۶۵۔ صفی الدین بن منصور۔

۶۶۔ عبدالغنی دہلوی (حنفی): آپ نے توسل کے مسئلہ میں ابن تیمیہ کا جم کر رد کیا۔

۶۷۔ سیدنا الشیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی (حنبلی): آپ کی کتاب ''غنیۃ'' میں ہے: ''**یارسول اللہ إني أتوجه بک إلی ربي لیغفرلي**'' (اے اللہ کے رسول میں اپنی بخشش کے لیے آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کے حضور متوجہ ہوا) بحوالہ شواہد الحق ص ۹۸۔ از علامہ نبہانی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۶۸۔ عبدالوہاب سبکی (شافعی): آپ نے توسل کے مسئلہ میں ابن تیمیہ کے رد میں ایک وقیع کتاب تحریر فرمائی۔

۶۹۔ عمادالدین بن عطار (نووی کے تلمیذ رحمہما اللہ تعالی) (شافعی): آپ نے فرمایا: ''اور ہمیں یہ حکم دیا گیا کہ وسیلہ طلب کروں، اور آپ کے مرتبہ کے وسیلہ سے سوال کروں''۔ (**مواھب الجلیل** (۲/۵۴۴،۵۴۵)

۷۰۔ محمد عمیم احسان مجددی برکتی: ''ہمارے سردار محمد کی حرمت کے وسیلہ سے''۔ (**قواعد الفقه** (۱/۲۵۶)

۷۱۔ ملا علی قاری (حنفی): آپ نے فرمایا: خشک سالی کے وقت حضور اقدس ﷺ کی شفاعت طلب کی جائے۔ مرقاۃ المفاتیح (۳/۱۶۷۶) اور آپ نے ابن تیمیہ کو مسئلہ توسل کے انکار کے سبب مبتدع قرار دیا۔

۷۲۔ ابو منصور صباغ: آپ نے توسل کا قول کیا، اور اپنی کتاب ''الشامل'' میں عتبی کے واقعہ سے استشہاد کیا۔

۷۳۔ قرافی: آپ نے توسل کا قول کیا، اور عتبی کا واقعہ برقرار رکھا۔ ذخیرہ (۳/۳۷۵،۳۷۶)

۷۴۔ سھیلی: آپ نے کہا کہ عمر نے اللہ پر عباس رضی اللہ تعالی عنہ کی قسم کھائی۔ الروض الأنف (۱/۲۰۸)

۷۵۔ ابن نجیم حنفی: آپ نے رحمت وبرکت کی تحصیل کے لیے صالحین کی قبروں کی زیارت کی رخصت دی(البحر الرائق شرح کنز الدقائق)

۷۶۔ علامہ بیضاوی: آپ نے فرمایا: تبرک کے لیے صالحین کی قبروں کے قرب وجوار میں مسجد بنانے کی رخصت ہے۔(فتح الباری (۱/۲۲۶)

۷۷۔ ابن عماد حنبلی: آپ نے سید احمد بخاری شریف کے حالات میں فرمایا: ''اور آپ کی قبر زیارت گاہ، اور سرچشمۂ فیض وبرکت ہے''۔(شذرات الذھب (۱۰/۱۵۴)

۷۸۔ فخر تبریزی: جب آپ کو مشکل مسائل پیش آتے، اپنے شیخ تاج تبریزی کی قبر پر حاضر ہوتے اور وہاں ان مسائل میں غور وفکر فرماتے تو وہ مسائل بہت جلد روشن ہو جاتے۔(فیض القدیر للمناوي (۵/۴۸۷)

۷۹۔ احمد دردیر: آپ نے توسل کا قول کیا اور خاتمۃ الکتاب میں بھی آپ کا قول مذکور ہے۔(أقرب المسالک (۶/۵۵۹)

۸۰۔ ابراہیم لقانی (صاحب جوھرۃ التوحید): آپ نے فرمایا: سختیوں کے وقت حضور اقدس ﷺ کے توسل کی طرح کوئی چیز نفع بخش اور کارآمد نہیں''۔(خلاصۃ الأثر للمحبي (۱/۸)

۸۱۔ احمد زروق (مالکی): آپ نے توسل واستغاثہ کے مسائل کے انکار میں ابن تیمیہ کا رد فرمایا، اور آپ کی شرح حزب البحر کے مقدمہ میں بھی مذکور ہے۔(شواھد الحق (ص۴۵۲)

ابن تیمیہ کے کفش بردارو! مجھے بتاؤ کیا یہ تمام مفسرین کرام کافر و مشرک ہیں؟

۱۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم: آپ نے وہ حدیث روایت کی جس میں یہ ہے کہ آدم علیہ السلام نے لغزش کے وقت نبی پاک ﷺ کو وسیلہ بنایا، کتاب میں اس کا ذکر گزر چکا۔

۲۔ ثعالبی: آپ نے اس طرح توسل فرمایا: ''سراپا رحمت (ﷺ) کے مرتبہ کے وسیلہ سے''۔ (تفسیر ثعالبی ۴۵۸/۴)

۳۔ قرطبی: آپ نے اس طرح توسل فرمایا: ''محمد اور آپ کی آل کے حق کے وسیلہ سے''۔ (تفسیر قرطبی ۲۴۰/۸)

۴۔ نسفی: آپ نے (آیت کریمہ ''**وابتغوا إليه الوسيلة**'' کی تفسیر میں) عتبی کے واقعہ سے توسل کا اثبات فرمایا۔

۵۔ آلوسی: آپ نے اس طرح توسل کیا ''سید الثقلین کی حرمت کے وسیلہ سے''۔ (روح المعانی ۸۲/۱)

۶۔ رازی: آپ نے قبروں کی زیارت کو برقرار رکھا اور اس کے فائدہ کی تفسیر بیان فرمائی۔ ''**المطالب العالية عن سر زيارة القبور**'' میں فرمایا: ''اور میت کے نفس میں جب بھی روشن علوم حاصل ہوتے ہیں تو ان کا نورانی عکس اس زندہ زیارت کرنے والے کی روح پر پڑتا ہے''۔ (**فيض القدير للمناوي** ۴۸۷/۵)

ابن تیمیہ کے کفش بردارو! کیا توسل کرنے والے قرآن کے تمام علمائے لغت کافر ومشرک ہیں؟

اصحاب معاجم، اور علمائے لغت میں سے بعض حضرات یہ ہیں:

(۱) ابن منظور: صاحب کتاب لسان العرب (۱۱/۷۸۷)، نے اس طرح توسل کیا: ''محمد اور آپ کی آل کے وسیلہ سے''

(۲) فیروزآبادی: صاحب کتاب **القاموس المحیط**، آپ نے اپنی کتاب ''**الصلات والبشر في الصلاۃ علی خیر البشر**'' میں توسل کا قول فرمایا۔

(۳) فیومی: صاحب کتاب ''**المصباح المنیر**'' (ص۷۱۲)، نے اس طرح توسل کیا ''محمد اور آپ کی آل کے وسیلہ سے''۔

(۴) ھورینی: صاحب کتاب اصطلاحات القاموس علی کتاب ترتیب القاموس المحیط (ص:۲۷) آپ کے توسل کے یہ الفاظ ہیں: ''نبی کے مرتبہ کے وسیلہ سے''۔

(۵) اصفہانی: صاحب کتاب **الأغاني** (۱۰/۳۷۵)، نے اس طرح توسل فرمایا: ''اللہ اور اپنے رسول کے حق کا واسطہ و وسیلہ دے کر آپ سے سوال کر رہے ہیں۔

(۶) ابشیھی: صاحب کتاب'' **المستطرف في کل فن مستطرف**'' (۲/۵۰۸)، نے اس طرح توسل کیا: ''محمد کے حق کے وسیلہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں''

(۷) ابن حجہ حموی: صاحب کتاب خزانۃ الادب'' (۱/۲۷۷)، نے یہ کہہ کر توسل کیا: ''محمد اور آپ کی آل کے وسیلہ سے''

(۸) قلقشندی: صاحب کتاب '' **صبح الأعشی في صناعة الإنشاء**'' (۱۱/۳۰۲)، نے اس طرح توسل کیا: ''محمد اور آپ کی آل کے وسیلہ سے''۔

(۹) نابغہ جعدی: ابن عبدالبر نے ان کا ایک شعر روایت کیا جو نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس سے استغاثہ کے متعلق ہے۔

(۱۰) مقری تلمسانی: صاحب کتاب نفح الطیب (۳۴۲/۱)، نے اس طرح توسل کیا: ''ہمارے نبی کے مرتبہ کے وسیلہ سے''

(۱۱) بوصیری شرف الدین صاحب قصیدہ بردہ شریف۔

(۱۲) صرصری: علامہ نبہانی کی کتاب ''شواہد الحق'' میں توسل و استغاثہ کے باب میں آپ کے یہ اشعار مذکور ہیں۔ (ص: ۳۶۰)..... مثلا

وسل اللّٰہ عندہ وتوسل فبذاک الضریح تمحی الذنوب

اور آپ کی بارگاہ میں آپ کو وسیلہ بنا کر اللہ سے مانگو اس لیے کہ اس تربت اطہر کی برکت سے گنہگاروں کے گناہ مٹا دیے جاتے ہیں۔

ابن تیمیہ کے ریزہ خوارو! کیا نبی رحمت محمد مصطفیٰ ﷺ کی امت میں توسل کرنے والے یہ تمام مورخین علما کافر و مشرک ہیں؟

(۱) ابن خلکان: آپ کے توسل کے کلمات یہ ہیں'' محمد نبی اور آپ کے اصحاب وآل کے وسیلہ سے''۔(وفیات الاعیان (۱۳۲/۶)

(۲) ابن الاثیر نے اس طرح توسل کیا: ''محمد اور آپ کی آل کے وسیلہ سے''۔(الکامل (۴۳۳/۱)

(۳) طاشکبری زادہ: آپ نے اس طرح توسل کیا: ''تیرے نبی کی حرمت کے وسیلہ سے''۔(الشقائق النعمانية (۲۳۳/۱)

(۴) یاقوت حموی: آپ نے یہ کہہ کر توسل کیا: ''اور محمد اور آپ کی آل کے حق کے وسیلہ سے''۔(معجم البلدان (۸۷/۵)

(۵) ابن تغریدی: آپ نے محمد (ﷺ) اور آپ کی آل سے توسل کیا۔ النجوم الظاهرة (۱۰۳/۱۱)

(۶) عیدروس: آپ نے یہ کہہ کر توسل کیا: ''بے شک میں مصطفےٰ کو وسیلہ بناتا ہوں''۔النور السافر (۱۵/۱)

(۷) ابن العدیم: نے اس طرح توسل کیا: ''سید المرسلین (ﷺ)، اور آپ کے اہل بیت کی برکت کے وسیلہ سے''۔ (بغية الطلب في تاريخ حلب (۳۲۴۲/۷)

(۸) بصروی نے اس طرح توسل کیا: ''محمد اور آپ کے اصحاب کے وسیلہ سے''۔تاریخ بصری (۱۵۷/۱)

(۹) ابن جبیر نے اس طرح توسل کیا: ''نبی کریم اور آپ کے شہر مکرم کی حرمت کے وسیلہ سے''۔(رحلۃ ابن جبیر (۹۸/۱)

(۱۰) ناصر خسرو نے اس طرح توسل کیا: '' محمد اور آپ کی پاکیزہ آل کے حق کے وسیلہ سے''۔(سفر نامہ (۶۰/۱)

(۱۱) نظام الملک طوسی: نے اس طرح توسل کیا: ''محمد اور آپ کی آل کے وسیلہ سے''۔(سیاست نامہ (۴۴/۱)

(۱۲) بریھی: آپ نے اس طرح توسل کیا: ''محمد اور آپ کی آل کے وسیلہ سے قبول فرما''۔(**طبقات صلحاء الیمن (۲۴۸/۱)**)

(۱۳) جبرتی نے اس طرح توسل کیا: ''اور اس امر میں اللہ کی طرف محمد ﷺ کو وسیلہ لایا جائے''۔(**عجائب الآثار (۳۴۴/۱)**)

(۱۴) واقدی نے اس طرح توسل کیا: ''میں اللہ سے دعا کرتا ہوں، اور محمد (ﷺ) کو اس کی بارگاہ میں وسیلہ لاتا ہوں''۔(**فتوح الشام (۹۱/۲)**)

(۱۵) ابوالعباس ناصری نے اس طرح توسل کیا: ''آپ کے جد (کریم) رسول پاک کے مرتبہ کے وسیلہ سے''۔(**کتاب الاستقصاء لأخبار دول المغرب الأقصی (۲۹/۳)**)

(۱۶) عبدالرحمٰن بن خلدون: صاحب ''التاریخ المشہور'' نے اپنے شعر میں کہا: ''آپ کے مرتبہ کی فضیلت کے وسیلہ سے''۔

(۱۷) صالحی شامی نے اپنی کتاب ''**سبل الهدی والرشاد في سيرة خير العباد**'' میں حضور اقدس ﷺ سے توسل کے تمام ابواب جمع فرمادیے۔

(۱۸) حاجی حنفیہ نے اس طرح توسل کیا: ''اللہ کی وحی کے امین کی حرمت کا وسیلہ وواسطہ''۔(**کشف الظنون (۲۰۵۶/۲)**)

(۱۹) مرادی نے اس طرح توسل کیا: ''اے اللہ نبی ﷺ کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بنا کر تیری طرف متوجہ ہوا کیوں کہ وہی عظیم ترین وسیلہ ہیں''۔(**سلک الدرر في أعيان القرن الثاني عشر (۲/۱)**)

المستطرف في كل فن مستظرف (۴۹۱/۱-۴۹۳) میں ابشیھی کے مذکورہ کلام پر ہم اس باب کو ختم کررہے ہیں آپ نے فرمایا: ''جب میں حج وزیارت کے لیے گیا تو آپ کی بارگاہ پرعظمت میں طفلانہ کلام عرض کیا، اور آپ کی نعت میں طویل اشعار کہے اور برہنہ سر اشک بار آنکھوں سے صندوق شریف کے مقابل حجرہ شریفہ کے اندر آپ کے سامنے انہیں پیش کیے وہ نعتیہ اشعار یہ ہیں:

يـا سيـد السـادات جـئتک قـاصـــــدا	أرجـو رضـاک وأحتـمـي بـحـمـاکـا
والـلـه يـاخيـر الـخـلائق إن لي قلبـــا	مشـوقـا لا يــروم سـواکــــــــا
ووحــق جـــاهک إنــنـي بک مـغــرم	واللّـه يعلـم إنني أهـــــــواک
أنـت الـذي لـولاک مـاخـلـق امــــرؤ	کـلا ولا خـلـق الــــــورى لـولاکـا
أنــت الـذي مــن نـورک البـدر اکتسـى	والشـمــس مشـرقة بـنــــور بهـاکـا
أنـت الـذي لـمـارفـعـت إلى السمـــــا	بک قـد سـمـت وتـزينـت لسـراکـا
أنـت الـذي نـاداک ربک مـرحبـــــا	ولـقـد دعـاک لـقـربـه وحبـــــاکـا
أنـت الـذي فيـنـا سـألـت شـفـاعـــــة	نـاداک ربک لـم يـکـن لسـواکـا
أنـت الـذي لـمـاتـوسـل آدم مــــــن	ذنبــــه بک فـــاز وهـــو أبـــاک
وبک الـخـليـل دعـا فـعـادت نـــاره	بـردا وقـد خـمـدت بـنـور سنـــاکـا
ودعـــاک أيـوب لـضـر مســــــه	فـأزيـل عـنـه الـضـر حين دعـــاکـا
وبک الـمسيـح أتـي بشيـرا مخبــــرا	بـصـفـــات حسنک مادحا لعـــلاکا
وکـذاک مـوسـى لـم يـزل متوســــلا	بک في الـقيـامـــة مـرتـج لـنــداکـا
والأنبيــاء وکـل خـلـق في الــــورى	والـرسـل والأمـلاک تـحـت لـــواکـا
لک مـعـجـزات أعـجـزت کـل الـورى	وفـضـائـل جلـت فليـس تحــــاکى
نـطـق الـذراع بسـمـة لک مـعـلـنـــا	والـضـب قـد لبـاک حين أتـــــاک
والـذئـب جـاءک والـغــزالـــة قد أتـت	بک تسـتـجيـر وتـحـتـمـي بـحـمـــاکـا
وکـذا الـوحـوش أتـت إليک وسـلـمـت	وشـــکـــا الـبــعـيـر إليک حيـن رآکـا
ودعــوت أشـجــارا أتتک مـطيـعـــة	وسـعــت إليک مـجيبة لـنــداکـا
والـمـــاء فـاض بـراحتيک وسبحــــت	صـم الـحـصـى بـالـفـضـل في يـمنـــاکا

وعليک ظلت الغمامة في الورى — والجذع حن إلى كريم لقاكا
وكذاک لا اثر لمشيک في الثرى — والصخر قد غاصت به قدماكا
وشفيت ذا العاهات من أمراضه — وملأت كل الأرض من جدواكا
ورددت عين قتادة بعد العمى — وابن الحصين شفيته بشفاكا
وكذا حبيب وابن عفرا عندما — جرحا شفيتهما بلمس يداكا
وعلي من رمد به داويته في — خيبر فشفي بطيب لماكا
وسألت ربک في ابن جابر بعدما — قد مات أحياه وقد أرضاكا
ومسست شاة لأم معبد بعدما — نشفت فدرت من شفا رقياكا
ودعوت عام المحل ربک معلنا — فانهل قطر السحب عند دعاكا
ودعوت كل الخلق فانقادوا إلى — دعواک طوعا سامعين نداكا
وخفضت دين الكفر يا علم الهدى — ورفعت دينک فاستقام هناكا
أعداک عادوا في القليب بجهلهم — صرعى وقد حرموا الرضا بجفاكا
في يوم بدر قد أتتک ملائک من — عند ربک قاتلت أعداكا
والفتح جاءک يوم فتحک مكة — والنصر في الأحزاب قد وافاكا
هود ويونس من بهاک تجملا — وجمال يوسف من ضياء سناكا
قد فقت يا طٰهٰ جميع الأنبياء — نورا فسبحان الذي سواكا
واللّٰه يا ياسين مثلک لم يكن — في العالمين وحق من نباكا
عن وصفک الشعراء يا مدثر عجزوا — وكلوا عن صفات علاكا
إنجيل عيسى قد أتى بک مخبرا — وأتى الكتاب لنا بمدح حلاكا
ماذا يقول المادحون وما عسى — أن يجمع الكتاب من معناكا

واللّٰہ لو إن البحار مدادهم	والعشب أقلام جعلن لذاكا
لم تقدر الثقلان تجمع ذره	أبدا وما استطاعوا له إدراكا
لي فيك قلب مغرم يا سيدي	وحشاشة محشوة بهواكا
فإذا سكت ففيك صمتي كله	وإذا نطقت فمادح علياكا
وإذا سمعت فعنك قولا طيبا	وإذا نظرت فلا أرى إلاكا
يا مالكي كن شافعي من فاقتي	إني فقير في الورى لغناكا
ياأكرم الثقلين يا كنز الورى	جد لي بجودك وارضني برضاكا
أنا طامع في الجواد منك ولم يكن	لابن الخطيب من الأنام سواكا
فعساك تشفع فيه عند حسابه	فلقد غدا مستمسكا بعراكا
ولأنت أكرم شافع ومشفع	ومن التجا لحماك نال وفاكا
فاجعل قراي شفاعة لي في غد	فعسى أرى في الحشر تحت لواكا
صلى عليك اللّٰہ يا خير الورى	ما حن مشتاق إلى مثواكا
وعلى صحابتك الكرام جميعهم	والتابعين وكل من والاك

ترجمہ:

(۱) اے تمام سرداروں کے سردار! میں آپ کی خدمت میں آپ کا قصد کر کے آیا ہوں۔ مجھے آپ کی رضا کی امید وابستہ ہے اور مجھے آپ کے حریم ناز میں پناہ ملے گی۔

(۲) اے تمام مخلوقات میں افضل! خدا کی قسم میرا دل آپ کا مشتاق ہے، آپ کے سوا میرا کوئی مقصود نہیں۔

(۳) اور آپ کے مقام و مرتبہ کے حق کی قسم میں آپ کا عاشق و گرویدہ ہوں، اور اللہ خوب جانتا ہے۔ کہ مجھے آپ سے عشق و محبت اور شوق و وارفتگی ہے۔

(۴) آپ کی ذات وہ ہے کہ اگر آپ جلوہ گر نہ ہوتے تو کوئی انسان پیدا نہ ہوتا یقیناً اگر آپ ضو فگن نہ ہوتے

تو مخلوق کا وجود نہ[1] ہوتا۔

(۵) آپ وہ نور تاباں ہیں کہ بدر کامل نے جن کے نور کا لبادہ اوڑھا اور خورشید فلک جن کے نور جمال سے فروزاں ہے۔

(۶) آپ وہ بلند ذات ہیں کہ جب آسمان پر جلوہ نشیں ہوئے تو آسمان کو آپ کی بدولت بلندی، اور آپ کے سیر آسمانی کے سبب زینت حاصل ہوئی۔

(۷) آپ وہ مبارک ومحبوب ذات ہیں جسے آپ کے رب نے مرحبا کہہ کر اپنے قرب خاص میں بلایا، اور خاص کمالات سے نوازا۔

(۸) آپ وہ غمگسار امت ہیں جنھوں نے رب تعالی سے ہماری شفاعت کا سوال فرمایا تو آپ کو آپ کے رب نے ندا فرمائی کہ مقام شفاعت کبری آپ کے سوا کسی دوسرے کو حاصل نہیں۔

(۹) آپ ہی وہ عظیم وسیلہ ہیں جنھیں آدم علیہ السلام نے اپنی لغزش کے وقت وسیلہ بنایا تو کامیابیوں سے سرفراز ہوئے، حالاں کہ وہ آپ کے باپ ہیں۔

(۱۰) اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے آپ کے وسیلہ سے دعا کی تو ان پر آتش نمرود گل زار بن گئی، اور آپ کے نور ضوفشاں کے سبب بجھ گئی۔

(۱۱) اور حضرت ایوب علیہ السلام نے آپ کو اس تکلیف (بیماری) میں پکارا جو انہیں لاحق ہوئی، جب انھوں نے آپ کو پکارا اُن کی تکلیف (بیماری) دور ہوگئی۔

---

(۱) مجدد اعظم سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے
ہوتے کہاں خلیل و بنا کعبہ و منی
لولاک والے صاحبی سب تیرے در کی ہے

(مترجم)

(۱۲) اور حضرت مسیح علیہ السلام آپ ہی کے اوصاف حسن کی بشارت وخوش خبری دیتے، اور آپ کے بلند مقام ومرتبہ کی تعریف کرتے ہوئے آتے۔

(۱۳) اور اسی طرح حضرت موسیٰ بروز قیامت آپ کو وسیلہ بنائیں گے، اور آپ کی ندا کے وقت وہ پر امید ہوں گے۔

(۱۴) اور تمام انبیا، اور ساری خلقت، اور ملائکہ و رسل آپ کے لواء الحمد تلے ہوں گے۔

(۱۵) آپ کے ایسے روشن معجزات ہیں جن سے ساری خلقت عاجز ہے، اور آپ کے ایسے وافر فضائل ہیں جن کی کوئی مثال نہیں۔

(۱۶) دست بُزْ (بکری) آپ کی روشن آیت وعلامت کا اعلان کرتے ہوئے گویا ہوئی، اور گوہ نے آپ کے پاس آ کر آپ سے لبیک کہا۔

(۱۷) اور خوں خوار بھیڑیا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور ہرنی آپ سے فریاد کرنے اور آپ کی پناہ لینے آپ کے پاس آئی۔

(۱۸) اور اسی طرح وحشی جانور آپ کی خدمت میں آئے، اور سلام کیا، اور اونٹ نے آپ کو دیکھ کر آپ سے اپنے مالک کی شکایت کی۔

(۱۹) آپ نے درختوں کو بلایا تو وہ آپ کی اطاعت کرتے ہوئے آپ کے پاس آئے، اور آپ کی ندا پر لبیک کہتے ہوئے آپ کے پاس دوڑے آئے۔

(۲۰) اور آپ کی بافیض ہتھیلیوں سے پانی کے چشمے رواں ہوئے، اور بے زبان کنکریوں نے آپ کے دست راست میں آپ کے فضائل بیان کیے۔

(۲۱) اور بادل تمام مخلوق کے درمیان آپ پر سایہ فگن ہوا، اور درخت کا تنہ (استن حنانہ) آپ کی پاکیزہ زیارت کا مشتاق ہوا۔

(۲۲) اور اسی طرح نمناک زمین پر آپ کے چلنے کا کوئی نشان نہ ہوتا اور سخت چٹان میں آپ کے کف پا کے

واضح نشان بن جاتے۔

(۲۳) آپ نے بیماروں کوان کی آفت وبیماری سے شفا بخشی،اورساری روئے زمین کواپنی بخشش وعطا سے مالا مال فرمادیا۔

(۲۴) اورقتادہ کی آنکھوں کی بینائی جانے کے بعدواپس فرمادی،اورابن حصین کواپنی خاص شفا بخشی۔

(۲۵) اوراسی طرح حبیب اورابن عفرا کے زخمی ہونے کے وقت ان کے زخم پر دست شفا پھیر کر انہیں شفا بخشی۔

(۲۶) اورخیبر کے موقعہ پرعلی کے آشوب چشم کاعلاج فرمایا،اوراپناپا کیزہ لعاب دہن لگا کرشفا بخشی۔

(۲۷) اورآپ نے جابر کے بیٹے کی موت کے بعدان کے بارے میں اپنے رب سے سوال کیاتو رب قدیر نے اس مردہ بیٹے کونئی زندگی بخشی،اورآپ کوراضی وخوش فرمایا۔

(۲۸) اورام معبد کی بکری کاتھن خشک ہوجانے کے بعداس پراپنادست فیض وشفا پھیراتو آپ کی شفابخش دعا کی برکت سےاس کےتھن نے وافر دودھ دیا۔

(۲۹) اورآپ نے قحط کے سال (عام المحل)اپنے رب سے علانیہ دعافرمائی تو آپ کی دعاکے وقت بادل امنڈ پڑےاورموسلا دھار بارش ہوئی۔

(۳۰) اورآپ نے تمام مخلوق کودعوت حق دی توانھوں نے خوشی سے آپ کی دعوت پرلبیک کہا،اورآپ کا پیغام حق سنا۔

(۳۱) اے ہدایت کے پرچم !آپ نے دین کفرکوپست وپامال کرکے اپنادین حق بلندفرمایاتواسےاستقامت حاصل ہوئی۔

(۳۲) آپ کے دشمن اپنی جہالت کے سبب ہلاکت خیز کنویں میں گرے،اوراپنی جفاکے سبب اللہ کی رضا سے محروم ونامرادرہے۔

(۳۳) بدر کے دن آپ کے رب کی بارگاہ سے رحمت کے فرشتے آپ کے پاس آئے اورانھوں نے آپ کے

دشمن کافروں سے قتال کیا۔

(۳۴) اور فتح مکہ کے دن آپ کے پاس فتح وکامرانی آئی، اور غزوۂ احزاب (خندق) میں آپ کے پاس اللہ کی مدد آئی۔

(۳۵) حضرت ھود، اور یونس علیہما السلام آپ کے حسن و جمال سے پُر جمال ہوئے، اور جمال یوسف آپ کے نور جمال کا ایک حصہ ہے۔

(۳۶) اے طٰہٰ! (علیہ السلام) آپ کا نور تاباں سارے انبیا پر بلند وفائق ہے، تو پاک ہے وہ ذات پاک جس نے آپ کو درست وخوش قامت بنایا۔

(۳۷) خدا کی قسم اے یاسین! (علیہ السلام) سارے عالم میں آپ جیسا کوئی نہیں، اور حق ہے وہ ذات پاک جس نے آپ کو تاج نبوت سے سرفراز فرمایا۔

(۳۸) اے مدثر! (نعت گو) شعرا آپ کی نعت پاک سے عاجز ہیں، اور آپ کے بلند اوصاف کے احاطہ سے درماند(۱)ہ ہیں۔

(۳۹) حضرت عیسیٰ کی انجیل آپ کی رسالت کی خبر دیتے ہوئے آئی، اور کتاب اللہ (قرآن) نے آپ کی ایسی مدح سرائی کی جس سے اللہ نے آپ کو مزین وآراستہ کیا۔

(۴۰) نعت گو شعرا آپکی نعت پاک میں کیا کہیں جب کہ اللہ کی روشن کتاب. آپ کے محاسن وکمالات کی جامع ہے۔

مجدد اعظم سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

تیرے تو وصف عیب تناہی سے ہیں بری
حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے

اے رضا خود صاحب قرآں ہے مداح حضور
تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحت رسول اللہ کی

(مترجم)

(۴۱) خدا کی قسم اگر دنیا کے سارے سمندر خامہ نگاروں کی روشنائی ہو جائیں اور اس روشنائی کے لیے تمام درختوں کو قلم بنا دیا جائے۔

(۴۲) جب بھی جن وانس آپ کے محاسن و کمالات کا ایک ذرہ نہ جمع کر سکیں گے، اور نہ ان کا ادراک کر سکیں گے۔

(۴۳) اے میرے سردار! میرا دل آپ کا عاشق ووارفتہ اور میرا جگر آپ کی محبت سے لبریز پرشار ہے۔

(۴۴) اگر میں خاموش رہوں تو میرا کامل سکوت آپ ہی کی خاطر ہوتا ہے، اور اگر لب کشا ہوتا ہوں تو وہ بھی آپ کے اعلی اوصاف بیان کرنے ہی کے لیے ہوتا ہے۔

(۴۵) اگر میں سنتا ہوں تو آپ ہی کا پاکیزہ کلام ہوتا ہے، اور اگر میں دیکھتا ہوں تو میری نظروں میں آپ کے سوا کوئی جلوہ نظر نہیں آتا۔

(۴۶) اے میرے مالک! آپ میرے فاقہ کے شفیع بن جائیں، میں مخلوق میں آپ کی دولت وغنا کا محتاج ہوں۔

(۴۷) اے جن وانس میں محترم! اے مخلوق کے سرمایہ وخزانہ! آپ مجھے اپنی سخاوت سے نوازیں، اور اپنی رضا سے شادکام فرمائیں۔

(۴۸) آپ ہی میرے منبع سخا اور چشمۂ عطا ہیں، اور خطیب کے بیٹے کا مخلوق میں آپ کے سوا کوئی (مرکز سخا) نہیں۔

(۴۹) آپ ہی سے اپنے حساب محشر کے وقت اپنی شفاعت کی امید ہے، اس لیے کہ اس ناتواں بندہ نے آپ ہی کی رسی کو (آپ کا دامن) مضبوطی سے تھاما ہے۔

(۵۰) آپ ہی محترم شفاعت کرنے والے، اور مقبول شفاعت ہیں، اور جس نے آپ کے حرم ناز کی پناہ حاصل کی اس نے آپ کی وفا کو پالیا۔

(۵۱) آپ کل قیامت کے دن میری ضیافت میری شفاعت فرمائیں، اس لیے کہ مجھے امید ہے کہ

بروزحشر آپ ہی کے لوا(لواء الحمد) تلے رہوں گا۔

(۵۲) اے خیرالوریٰ! آپ پر اللہ کی بے پایاں رحمت ہو، جب تک کوئی مشتاق شوق ومحبت آپ کے قصر بلند کا مشتاق زیارت رہے۔

(۵۳) اور آپ کے تمام معزز اصحاب وتابعین اور آپ کے محبین پر اللہ کی بے پایاں رحمت ہو۔

أقول (مترجم) :

شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی **أطيب النغم في مدح سيدالعرب والعجم** میں لکھتے ہیں:

وصلى عليک الله ياخير خلقه ‏ ‏ ‏ ‏ ويا خير ما مول ويا خير واهب

ويا خير من يرجي لكشف رزية ‏ ‏ ‏ ‏ ومن جوده قد فاق جود السحائب

وأنت محيري من هجوم ملمة ‏ ‏ ‏ ‏ إذا أنشبت في القلب شر المخالب

(**أطيب النغم في مدح سيدالعرب والعجم** فصل یازدہم مجتبائی دہلی ص۲۲) (مترجم)

(۱۷) صحابہ کرام نے توسل سے بھی سخت تر الفاظ کہے ہیں اس لیے کہ صحابہ رسول اللہ ﷺ کی پناہ لیتے تھے۔ اور سیدہ عائشہ نے کہا: ''میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف توجہ کرتی ہوں'' اور کہا: میں اللہ کے رسول کی پناہ لیتی ہوں''

تو کیا ام المومنین اور صحابہ نے کفر کیا؟

اگر ابن تیمیہ نبی پاک ﷺ کے ساتھ توسل کے کلمات میں تاویل کرے، تو اس کی کیا تاویل کرے گا کہ صحابہ نے نبی پاک ﷺ کی طرف توبہ کیا اور آپ کی پناہ لی؟ توبہ و استعاذہ کے بعض کلمات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) رسول اللہ ﷺ کی پناہ لینا:

۱۔ امام مسلم نے ابو مسعود بدری سے تخریج کیا کہ وہ اپنے غلام کو مار رہے تھے تو غلام کہنے لگا: میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں، پھر وہ اسے مارنے لگے تو اس غلام نے کہنا شروع کیا: میں رسول اللہ ﷺ کی پناہ لیتا ہوں۔ تو ابو مسعود نے اسے مارنا بند کر دیا، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''واللّٰہ اللّٰہ أقدر علیک منک علیہ قال فأعتقہ'' یعنی خدا کی قسم اللہ تجھ پر اس سے زیادہ قادر ہے جتنی تمہیں اس غلام پر قدرت ہے، ابو مسعود کہتے ہیں تو میں نے اس غلام کو آزاد کر دیا۔[1]

۲۔ اور عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی ہے آپ نے فرمایا: صفیہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کھانا بنا کر بھیجا، سرکار میرے پاس تشریف فرما تھے اور میں بھی آپ کے لیے کھانا بنا چکی تھی، جب میں نے لونڈی کو دیکھا مجھ پر لرزہ طاری ہو گیا وہ لونڈی میرے سامنے آئی اور پیالہ پیش کیا، تو میں نے اسے پھینک دیا، عائشہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف نظر کیا تو آپ کے رخ زیبا میں غضب کے آثار محسوس ہوئے فوراً میں نے عرض کیا: میں اللہ کے رسول ﷺ کی اس سے پناہ لیتی ہوں کہ آج آپ

(۱) ابو مسعود کی حدیث ''أعوذ برسول اللّٰہ'' (اللہ کے رسول کی دہائی) مسلم نے تخریج کی (۱۲۸۱/۳)۔

مجھ پر لعنت فرمائیں۔[1]

۳۔ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالی کے شاگرد امام ابو یوسف کی کتاب الآثار (۲۶/۱) میں ہے: حماد بن ابراہیم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ، اور آپ کے اصحاب سلام کرنے والوں کے سلام کا جواب دیتے، ایک شخص نبی پاک ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے سلام کیا چوں کہ آپ نماز میں مصروف تھے اس لیے ان کے سلام کا جواب نہ دیا انھوں نے اپنے دل میں کچھ (خدشہ) محسوس کیا، جب نبی پاک ﷺ نماز سے فارغ ہوئے آپ کی خدمت میں آ کر عرض کیا: میں اللہ اور اللہ کے رسول کی ان کے غضب سے پناہ لیتا ہوں آپ سلام کرنے والوں کے سلام کا جواب دیتے تھے، اور میں نے آج آپ سے سلام کیا آپ نے میرے سلام کا جواب نہ دیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**إن في الصلاة لشغلا عن رد السلام**''، یعنی ''میں نماز میں مشغول تھا اس لیے تمہارے سلام کا جواب نہ دیا''۔

۴۔ اور حرث بن یزید بکری کی طویل حدیث میں ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: میں اللہ اور اس کے رسول کی اس سے پناہ لیتا ہوں کہ عاد کے وفد کی طرح بنوں، آپ نے فرمایا: ''اور عاد کے وفد کا کیا معاملہ ہے؟'' حالاں کہ سرکار کو ان سے زیادہ یہ واقعہ معلوم تھا لیکن آپ ان سے پوری بات کہلانا چاہتے تھے۔[2]

میں کہتا ہوں:

میں ایسے لوگوں سے کیا کہوں جو نبی پاک ﷺ کی بارگاہ کا اکرام واحترام نہیں کرتے، ذرا اسے دیکھیں جسے حنابلہ کے عظیم الشان امام خلال نے اپنی کتاب ''السنۃ'' (۲۳۷/۱) میں فرمایا کہ: ابو العباس ہارون بن عباس ہاشمی نے فرمایا: جو مجاہد کی حدیث نہ مانے، وہ میرے نزدیک جہمی ہے، اور جو نبی پاک ﷺ کے فضائل کا انکار کرے

---

(۱) سیدہ عائشہ کی حدیث ''أعوذ برسول اللّٰہ'' (اللہ کے رسول کی دہائی) احمد نے تخریج کی (۲۷۷/۶) اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۳۲۱/۴) میں کہا: اور اس کو احمد نے روایت کیا اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۲) وفد عاد کی حدیث اس لفظ کے ساتھ امام احمد نے تخریج کی (۴۸۲/۳)، اور طبرانی نے معجم کبیر (۲۵۴/۳) میں تخریج کی، اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا: (اس کی اسناد حسن ہے)۔

وہ میرے نزدیک زندیق ہے،اس کی توبہ قبول نہ کی جائے اور اسے قتل کر دیا جائے،اس لیے کہ اللہ عزوجل نے آپ کو تمام انبیا پر فضیلت بخشی ہے،اور حدیث قدسی میں اللہ عزوجل نے فرمایا:''ولاأذكر إلاذكرت معي'' ''اے محبوب! جب بھی میرا ذکر ہو میرے ساتھ تمہارا ذکر بھی ہو''اور اللہ عزوجل نے فرمایا:''لعمرک''''تمہاری زندگی کی قسم'' اور فرمایا:''یامحمد لولاک ماخلقت آدم'' اے محمد! اگر تم نہ ہوتے تو میں آدم کو پیدا نہ کرتا۔

میں کہتا ہوں: اے شریف ہاشمی! اللہ عزوجل آپ،اور خلال پر اپنی بے پایاں رحمت وعنایت کے دروازے کھولے۔

(۲) اللہ عزوجل اور نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا تقرب:

سیدنا ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ ایک روز صبح کی نماز سے فارغ ہو کر مسجد میں عورتوں کے پاس تشریف لائے،اور ان کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا:'' **یامعشر النساء مارأيت من نواقص عقول قط ودين أذهب بقلوب ذوي الألباب منكن، وإني قدرأيت إنكن أكثرأهل الناريوم القيامة، فتقربن إلى الله بمااستطعتن**''. ''اے عورتوں کی جماعت! میں نے تم سے زیادہ عقل ودین میں کمی والی،عقلا کے قلوب (عقلوں) کو سلب کرنے والی کسی کو کبھی نہ دیکھا،اور بے شک میں نے دیکھا کہ قیامت کے دن تم سب سے زیادہ جہنم میں جانے والی ہو،اس لیے اپنی طاقت بھر اللہ کا تقرب کرو''۔ان عورتوں میں عبداللہ بن مسعود کی بیوی تھیں وہ عبداللہ بن مسعود کے پاس واپس آئیں انھوں نے آپ کو وہ سارا معاملہ بتایا جو رسول اللہ ﷺ سے سنا اور اپنے زیورات لیے ابن مسعود نے کہا: یہ زیورات کہاں لے جارہی ہو؟ انھوں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول کے تقرب کے لیے فرمایا: اللہ تم پر رحم کرے لاؤ مجھ پر اور میری اولاد پر اسے صدقہ کر دو، کیوں کہ میں اس کا محل ومصرف ہوں،اس پر آپ نے کہا: نہیں، میں رسول اللہ ﷺ کے پاس ہی جاؤں گی،ابو ہریرہ فرماتے ہیں: وہ رسول اللہ ﷺ سے اجازت لینے کے لیے چلی گئیں تو صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ یہ زینب ہیں،آپ سے سوال کی اجازت مانگ رہی ہیں،آپ نے فرمایا:''کون زینب ہیں؟ عرض کیا: ابن مسعود کی بیوی،فرمایا: انہیں ''اجازت دے دو''تو وہ نبی پاک ﷺ کے پاس آئیں،اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں آپ کا ارشاد سن کر اپنے

شوہر ابن مسعود کے پاس گئی ،اور انہیں آپ کا ارشاد سنایا،اور میں نے اپنے زیورات اللہ عزوجل اور آپ کے تقرب کی خاطر اس امید پر لیے کہ اللہ مجھے جہنمیوں میں سے نہ رکھے،تو ابن مسعود نے مجھ سے فرمایا: تم اسے مجھ پر اور میری اولاد پر صدقہ کردو کیوں کہ میں اس کا مصرف ہوں،تو میں نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے لوں،تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''تم اسے ان پر اوران کی اولاد پر صدقہ کردو کیوں کہ وہ اس کے مصرف ہیں''۔(۱)

(۳) رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی بارگاہ میں توبہ کرنا:

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی ہے: انھوں نے ایک قالین خریدا جس میں کچھ تصویریں بنی ہوئی تھیں، جب رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھا دروازہ پر کھڑے ہوگئے اور گھر کے اندر داخل نہ ہوئے ،آپ نے حضور اقدس کے چہرۂ زیبا میں ناپسندیدگی کے آثار دیکھ کر عرض کیا: یارسول اللہ! میں اللہ اوراس کے رسول کی طرف توبہ کرتی ہوں، مجھ سے کیا خطا سرزد ہوئی ؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''اس تصویر دار قالین کا کیا معاملہ ہے؟'' آپ نے عرض کیا: میں نے آپ کے لیے اسے خریدا ہے تا کہ آپ اس پر ٹیک لگا کر بیٹھیں،اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''إن أصحاب هذه الصور يعذبون ويقال لهم أحيوا ما خلقتم'' یعنی''ان تصویر بنانے والوں پر عذاب نازل کیا جائے گا،اوران سے یہ فرمایا جائے گا تم اپنی بنائی ہوئی تصویریں زندہ کرو''۔ پھر فرمایا:''إن البيت الذى فيه الصور لا تدخله الملائكة'' بے شک جس گھر میں (جان دار کی) تصویریں ہوتی ہیں اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے'' (۲)

(۱) حدیث '' أتقرب به إلى الله وإليک''امام احمد نے تخریج کی (۳۷۳/۲)اور ابن خزیمہ (۱۰۶/۴، ۱۰۷)،اور ابونعیم نے حلیہ (۶۹/۲) میں تخریج کی،اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۱۱۷/۳، ۱۱۸) میں تخریج کرکے کہا: میں کہتا ہوں: صحیح میں کہا اس حدیث کا ایک حصہ ہے جسے امام احمد،اور ابویعلی نے روایت کیا،اور امام احمد کے رجال ثقہ ہیں۔

(۲) حدیث'' أتوب إلى الله وإلى رسوله'' میں اللہ اوراس کے رسول کی طرف توبہ کرتی ہوں، بخاری (۷۴۲/۲) اور مسلم (۱۶۶۹/۳) نے تخریج کی۔

(۴) صحابہ(۱) فرماتے تھے: ''الأمر إلی الله وإلی رسوله معاملہ اللہ اور اس کے رسول کے سپرد ہے''

عکرمہ نے فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ نے اہل مکہ کو الوداع کہا، اور خزاعہ دور جاہلیت میں رسول اللہ ﷺ کے حلیف تھے اور بنو بکر قریش کے حلیف تھے، تو خزاعہ رسول اللہ ﷺ کی صلح میں داخل ہو گئے، اور بنو بکر قریش کی صلح

(۱) مجدد اعظم سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:
''چالیس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بیٹھے مسئلہ قدر و جبر میں بحث کرنے لگے ان میں صدیق و فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی تھے روح امین جبریل علیہ الصلاۃ والتسلیم نے خدمت اقدس حضور سید المرسلین ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ! اپنی امت کے پاس تشریف لے جائیں کہ انھوں نے نئی راہ نکالی حضور پر نور ﷺ اسی وقت باہر تشریف لائے جب کہ وہ وقت حضور کی تشریف آوری کا نہ تھا صحابہ سمجھے کہ کوئی نئی بات ہے آگے حدیث کے پیارے الفاظ دل کش و دل نوازیوں ہیں: ''وخرج عليهم ملتمعا لونه متوردة وجنتاه كأنما تفقأ بحب الرمان الحامض فنهضوا إلى رسول الله ﷺ حاسرين أذرعهم ترعد أكفهم وأذرعهم فقالوا تبنا إلى الله ورسوله'' یعنی حضور پر نور صلوات اللہ تعالیٰ علیہ ان پر اس حالت میں برآمد ہوئے کہ رنگ چہرۂ اقدس کا (شدت جلال سے) دہک رہا ہے دونوں رخسارۂ مبارک گلاب کی طرح سرخ ہیں گویا انار ترش کے دانے پھوٹ نکلے ہیں صحابہ کرام یہ دیکھتے ہی حضور کی طرف (عاجزی کے ساتھ) کلائیاں کھولے، ہاتھ تھرتھراتے کانپتے کھڑے ہوئے اور عرض کی ہم اللہ ورسول کی طرف توبہ کرتے ہیں جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ الطبرانی في الكبير عن ثوبان رضي اللہ تعالیٰ عنہ مولی رسول اللہ ﷺ۔
ان احادیث سے یہ ثابت کہ صدیقہ وصدیق وفاروق وغیرہم اکتالیس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے توبہ کرنے میں اللہ قابل التواب جل جلالہ کے نام پاک کے ساتھ اس کے نائب اکبر نبی التوبہ ﷺ کا نام ملایا اور حضور پر نور خلیفۃ اللہ الاعظم ﷺ نے قبول فرمایا حالاں کہ توبہ بھی اصل حق حضرت عز جلالہ کا ہے ولہٰذا حدیث میں ہے کہ ایک قیدی گرفتار کر کے خدمت اقدس حضور سید عالم ﷺ میں لایا گیا وہ بولا ''اللهم إني أتوب إليك ولا أتوب إلى محمد'' الٰہی میری توبہ تیری طرف ہے نہ محمد ﷺ کی طرف حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا: ''عرف الحق لأهله'' حق کو حق والے کے لیے پہچان لیا۔ أحمد والحاكم وصححه عن الأسود بن سريع رضي اللہ تعالیٰ عنه. الأمن والعلی ص ۱۱۹ و ۱۲۰ (قادری بک ڈپو محلہ مسجد بریلی شریف) (مترجم)

میں آ گئے، اور خزاعہ اور بنو بکر کے درمیان جنگ ہوئی، تو قریش نے خزاعہ کے خلاف ہتھیاروں سے بنو بکر کی امداد کی جس سے بنو بکر کو خزاعہ پر غلبہ حاصل ہوا، اور ان کے بعض افراد کو قتل کیا، اور قریش کو ان کی عہد شکنی کا اندیشہ ہوا تو انھوں نے ابوسفیان سے کہا: محمد کے پاس جا کر حلف جاری کرو، اور لوگوں کے درمیان صلح کرادو، جب ابوسفیان مدینہ منورہ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: "**قد جاء كم أبو سفيان وسيرجع راضيا بغير حاجته**" تمہارے پاس ابوسفیان آئے ہیں، اور اپنی حاجت میں ناکام ہو کر واپس جائیں گے"۔

تو ابوسفیان ابوبکر کے پاس آئے اور کہا: اے ابوبکر! "حلف جاری کریں، اور لوگوں کے درمیان، یا اپنی قوم کے درمیان صلح کرادیں" ابوبکر نے کہا: اس معاملہ کا حق مجھے نہیں یہ اللہ اور اس کے رسول کا حق ہے، ابوسفیان نے ابوبکر سے دوران کلام کہا: جس قوم نے اپنے ہتھیار اور طعام کے ذریعہ مجھ پر سایہ کیا وہ مجھ سے عہد شکنی نہ کرے گی، تو ابوبکر نے کہا: یہ معاملہ اللہ اور اس کے رسول کے حوالہ ہے، پھر وہ عمر ابن خطاب کے پاس آئے اور عمر سے ویسا ہی کہا جیسا کہ ابوبکر سے کہا، تو عمر نے کہا: کیا آپ لوگوں نے عہد شکنی کی ہے؟ اگر یہ ان کی طرف سے نئی چیز ہے تو اللہ اس کا امتحان فرمائے گا، اور اگر اس کی طرف سے سخت یا مضبوط ہے تو اللہ اسے قطع فرمادے گا، تو ابوسفیان نے کہا: میں نے آج کی طرح کسی کنبہ وقبیلہ کا شاہد نہ دیکھا، پھر وہ فاطمہ کے پاس آئے اور کہا: اے فاطمہ! کیا آپ کے لیے وہ معاملہ مناسب ہے جس میں آپ اپنی قوم کی عورتوں کی سردار ہیں پھر فاطمہ سے ذکر کیا جیسا کہ ابوبکر سے ذکر کیا تو فاطمہ نے بھی یہی جواب دیا کہ: اس معاملہ کا حق مجھے نہیں **الأمر إلى الله وإلى رسوله** " یہ معاملہ اللہ اور اس کے رسول کے حوالے ہے، پھر وہ علی کے پاس آئے اور آپ سے ویسا ہی کہا جیسا کہ ابوبکر سے کہا... إلی آخر الحدیث (1)

(۵) اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم جائے پناہ ہیں:

عمرو بن العاص نے فرمایا: مدینہ منورہ میں ایک خوف انگیز معاملہ پیش آیا، تو میں سالم اور ابوحذیفہ کے آزاد کردہ کے پاس آیا، وہ اپنی تلوار کے پرتلہ سے خود کو چھپائے ہوئے تھے، میں نے اپنی تلوار لی، اور ان کے

(۱) ابن ابوشیبہ (۷/۴۰۰-۴۰۱) اور طحاوی نے شرح معانی الآثار (۳/۳۱۲) میں تخریج کیا۔

پرتلہ سے چھپالیا،تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا"یأیھا الناس ألا کان مفزعکم إلی اللہ وإلی رسولہ" اے لوگو! کیا اللہ اور اس کے رسول تمہاری جائے پناہ نہیں ___ پھر فرمایا:" ألا فعلتم کما فعل ھذان الرجلان المومنان" ___ تم نے کیوں ایسا نہ کیا جیسا کہ ان دونوں مومنوں نے کیا"۔(۱)

(۶) صحابہ کرام اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے غضب سے اللہ عزوجل کی پناہ لیتے تھے :

نصر بن عاصم لیثی نے اپنے باپ سے روایت کیا کہ ان کے والد نے فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں داخل ہوا، اور دیکھا آپ کے اصحاب یہ کہہ رہے تھے ہم اللہ اور اس کے رسول کے غضب سے اللہ عزوجل کی پناہ لیتے ہیں، میں نے عرض کیا: آپ لوگوں کا کیا معاملہ ہے؟ انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"لعن اللہ القائد والمقود بہ" اللہ قائد پر لعنت فرماتا ہے اور اس پر جس کی قائد قیادت کرے"۔(۲)

ابوالقموص زید بن علی سے تحریم خمر کے واقعہ کے متعلق مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کی تادیب کا ارادہ فرمایا تو اس نے عرض کیا:"میں اللہ اور اس کے رسول کے غضب سے خدا کی پناہ لیتا ہوں خدا کی قسم میں کبھی بھی شراب نہ پیوں گا"تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿یٰٓأَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ﴾ إلی قولہ ﴿فَھَلْ أَنْتُمْ مُّنْتَھُوْنَ﴾ [المائدہ-۵:۹۱،۹۰]

ترجمہ:"اے ایمان والو شراب اور جوا اور بت اور پانسے ناپاک ہی ہیں شیطانی کام،اس کے قول،تو کیا تم باز آئے،تک"

تو عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:انتھینا انتھینا، ہم باز آئے ہم باز آئے۔(۳)

---

(۱) امام احمد (۲۰۳/۴) اور نسائی نے سنن کبری (۸۱/۵) میں، اور ابن حبان نے (۵۶۶/۱۵) تخریج کی، اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۳۰۰/۹) میں تخریج کرکے کہا:"اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں"۔

(۲) عاصم لیثی کی حدیث ابن ابوعاصم نے "الآحاد والمثانی" (۱۹۴/۲) میں تخریج کیا۔

(۳) تحریم خمر کا واقعہ طبری نے اپنی تفسیر (۳۶۲/۲) میں تخریج کی۔

(۷) اے ابن تیمیہ کے پیروکارو! ہر تعظیم شرک نہیں ہے:

۱۔ ہشام بن عروہ نے فرمایا: میرے والد نے مجھے خبر دی کہ عائشہ نے ان سے کہا: اے میرے بھانجے! میں نے رسول اللہ ﷺ کی اپنے چچا کی تعظیم کا عجیب معاملہ دیکھا۔(۱)

۲۔ خلافت کی حدیث میں ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان.....تو علی نے ابوبکر سے فرمایا: آپ کے وعدہ کا وقت بیعت کی شام ہے، جب ابوبکر نماز ظہر سے فارغ ہوئے تو منبر پر رونق افروز ہوئے اور کلمہ شہادت پڑھ کر علی کا معاملہ ذکر فرمایا کہ وہ بیعت سے باز رہے، اور عذر پیش کیا، تو حضرت علی بن ابو طالب نے استغفار وتشہد پڑھ کر ابوبکر کے حق کی عظمت بیان کی، اور یہ بیان فرمایا کہ ایسا کرنے پر وہ اس لیے آمادہ نہ ہوئے کہ آپ ابوبکر سے بلند وبرتر ہیں، اور نہ ہی آپ کو ابوبکر کی اس فضیلت کا انکار ہے جو اللہ عزوجل نے آپ کو بخشی ہے، لیکن ہمارے رائے یہ تھی کہ امر خلافت میں ہمارا حصہ ہے آپ ہم لوگوں کو چھوڑ کر اس معاملہ میں مستقل اور خود مختار رہے اس معاملہ میں مسلمانوں نے ہمیں درستگی پر پایا، اور یہ کہا کہ: آپ درستگی پر ہیں، تو مسلمان اس وقت علی کے قریب رہے جب آپ نے نیک معاملہ میں مراجعت فرمائی۔(۲)

۸۔ ایک منکر، مضطرب، ضعیف حدیث میں ہے کہ نبی پاک ﷺ سے استغاثہ حرام ہے، اس سلسلے میں خود مبتدعین کی مستند کتاب اللہ عزوجل کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

یہ حدیث معجم طبرانی کے حوالہ سے مروی ہے (تنہا طبرانی نے یہ حدیث تخریج کی)

امام احمد نے زید حباب سے تخریج کی کہ ہم سے ابن لہیعہ نے بیان کیا کہ ہم سے حارث بن یزید حضرمی نے علی بن رباح لخمی سے روایت کیا کہ مجھ سے اس شخص نے بیان کیا جو عبادہ بن صامت کے پاس حاضر تھے کہ: ہم لوگ مسجد میں تھے، اور ہمارے ساتھ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن کا کوئی جز تلاوت فرمارہے تھے، عبداللہ

---

(۱) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اپنے چچا کی تعظیم کی حدیث امام احمد (۱۱۸/۶) اور ابویعلی (۳۵۳/۸) نے تخریج کی۔

(۲) ابوبکر کی تعظیم کی حدیث بخاری (۱۵۴۹/۴)، مسلم (۱۳۸۰/۳) اور ان کے علاوہ محدثین نے تخریج کیا۔

بن ابی بن سلول آیا،اوراس کے ساتھ ایک چھوٹا تکیہ،اورایک مسند تھا،اس نے اسے رکھ کراس پر ٹیک لگایا، وہ خوبرو، فصیح اللسان اور بہت جھگڑالو شخص تھا،اس نے کہا: اے ابوبکر! محمد سے کہیے ہمارے پاس کوئی آیت ونشانی لائیں جیسا کہ اگلے انبیاورسول لائے ،موسیٰ توریت کی تختیاں، داودزبور، صالح اونٹنی، اورعیسی انجیل اور دسترخوان لائے، یہ سن کر ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ اشک آلودہوئے ، جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو ابوبکر نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے لیے کھڑے ہوجائیں،ہم اس منافق کے خلاف آپ سے فریادومدد چاہتے ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:'' **إنه لايقام لي،إنمايقام لله عزوجل**'' ''میرے لیے قیام نہ کیا جائے ،صرف اللہ عزوجل کے لیے قیام کیا جائے''۔

یہ حدیث ضعیف منکر ہے،امام احمد(۵/۳۱۷)اورابن سعد نے طبقات(۱/۳۸۷)میں اسے تخریج کیا، جس میں دوعلتیں ہیں:

پہلی علت: اس حدیث میں ایک نامعلوم راوی ہے جس کا نام مذکورنہیں،اوردوسری **علت**: اس حدیث کا راوی ابن لہیعہ ہے،تنہااسی نے یہ حدیث روایت کی۔

ابن کثیر نے اپنی تفسیر(۳/۱۷۴)میں فرمایا: یہ حدیث نہایت غریب ہے۔

اوراس حدیث میں ایک **تیسری علت** یہ بھی ہے،جس سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ اس حدیث کے الفاظ مضطرب ہیں، وہ علت یہ ہے: یہ حدیث دوسرے لفظ سے وارد ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابن لہیعہ نے اس حدیث کی روایت میں خلط کیا ہے۔ ھیثمی نے مجمع الزوائد(۱۰/۱۵۹)میں اسی حدیث کو طبرانی کی طرف منسوب کرکے عبادہ بن صامت سے اس طرح روایت کیا کہ: ابوبکر نے فرمایا: آپ لوگ کھڑے ہوجائیں ہم رسول اللہ ﷺ سے اس منافق کے خلاف فریادومدد طلب کریں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

'' **إنه لا يستغاث بي إنما يستغاث بالله عزوجل** ''

ترجمہ:۔''مجھ سے مدد نہ طلب کی جائے ،صرف اللہ عزوجل سے مدد طلب کی جائے''۔

میں کہتا ہوں:

اس وقت طبرانی (مبتدعین کی مستند کتاب) کے موجودہ نسخوں میں سے کسی نسخے میں یہ حدیث موجود نہیں، گویا طبرانی کے یہ موجودہ نسخے اللہ عزوجل کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں۔

میں کہتا ہوں: اس وقت حدیث کا معنی پورے طور پر مختلف ہے، امام احمد کی روایت میں ہے کہ نبی پاک ﷺ نے ابوبکر کے اس قول کو برقرار رکھا کہ: رسول اللہ ﷺ کے لیے کھڑے ہو جائیں ہم آپ سے فریاد و استغاثہ کریں' اس لیے کہ حضور اقدس نے ابوبکر سے ان کے اس قول پر یہ فرمایا:

" **إنه لايقام لي إنمايقام لله عزوجل** "

ترجمہ:۔"میرے لیے قیام نہ کیا جائے صرف اللہ عزوجل کے لیے قیام کیا جائے"۔

اور دوسری روایت یوں ہے:

" **إنه لا يستغاث بي إنما يستغاث بالله** "

ترجمہ:۔"مجھ سے استغاثہ نہ کیا جائے، صرف اللہ عزوجل سے استغاثہ کیا جائے"۔

دونوں روایتوں کی طرف نظر کرنے سے یہ ظاہر ہے کہ ایک کلمہ دوسرے کلمہ کے قائم مقام ہے۔

اور میں کہتا ہوں:

بعض اہل علم نے کہا اس حدیث کو اگر صحیح مان لیا جائے تو اس کا یہ معنی ہے کہ نبی پاک ﷺ ان صحابہ سے یہ فرمارہے ہیں جب تم لوگ مجھ سے استعانت، یا میرے لیے قیام کرتے ہو تو درحقیقت تم اللہ عزوجل کے لیے قیام، اور اسی سے استعانت کرتے ہو جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿وَمَارَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾ [الانفال-۸:۱۷]

ترجمہ:۔"اور اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی"۔

اور اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ إِنَّمَايُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ﴾ [الفتح-۴۸:۱۰]

ترجمہ:۔"وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں"۔

اور حضور اقدس سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" ما أنا قلته وإنما الله قاله".

ترجمہ:۔"میں نے اسے نہ کہا، اور صرف اللہ ہی نے اسے فرمایا"۔

میں کہتا ہوں:

اور یہ ایک اچھی توجیہ ہے، لیکن یہ حدیث سرے سے منکر، مضطرب اور حد درجہ ضعیف ہے، استدلال کے لائق نہیں.....اور کیا کفر وایمان اور شرک وتوحید کے معاملہ میں ایک حدیث ضعیف، منکر، مفقود الحال لائق استدلال ہے؟ اللہ عزوجل کی تقدیر پر متنبہ رہنا چاہئے۔

یہ حدیث سند اور معنی دونوں اعتبار سے باطل ہے، اس پر دلیل قائم کرنے کے لیے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے راوی ابن لہیعہ کے بارے میں ائمہ جرح وتعدیل کا کلام پیش کردیں، اور یحیی بن حسان کے کلام کی طرف بھی قاری کی توجہ مبذول رہنی چاہئے۔

حافظ عسقلانی نے تہذیب التہذیب (۵/۳۷۷) میں کہا: امام بخاری نے کہا: یحیی بن سعید نے اس کو متروک قرار دیا، اور ابن مہدی نے کہا: میں اس سے کوئی چیز حاصل نہیں کرتا، اور امام الائمہ ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں کہا: ابن لہیعہ ان راویوں میں سے نہیں جن کی حدیث اس کے انفراد کے وقت اس کتاب میں تخریج کروں، میں نے اس کی حدیث صرف اس لیے تخریج کی کہ اس کے ساتھ جابر بن اسماعیل ہیں۔

اور عبدالغنی بن سعید ازدی نے کہا: جب عبادلہ ابن لہیعہ سے روایت کریں تو وہ ابن مبارک، اور ابن وہب، اور مقری کی صحیح ہے، اور ساجی وغیرہ نے اسی طرح ذکر کیا۔

اور یحیی بن حسان نے کہا: میں نے ایک قوم کے ساتھ ایک جزو حدیث دیکھا جسے انھوں نے ابن لہیعہ سے سنا، میں نے دیکھا تو وہ ابن لہیعہ کی حدیث نہ تھی میں ابن لہیعہ کے پاس آیا تو اس نے کہا: میں کیا کروں؟ وہ لوگ میرے پاس کوئی کتاب لاتے ہیں تو کہتے ہیں: یہ آپ کی حدیث ہے تو میں اسے ان سے بیان کردیتا ہوں۔

اور ابن قتیبہ نے کہا: ابن لہیعہ کے پاس وہ حدیث پڑھی جاتی جو اس کی نہ ہوتی ___ یعنی اسی وجہ سے اسے

ضعیف کہا گیا۔

اورابن المدینی نے کہا: مجھ سے بشر بن سری نے کہا: اگر آپ ابن لھیعہ کو دیکھتے تو اس سے حدیث اخذ نہ کرتے۔اور عبدالکریم بن عبدالرحمٰن نسائی نے کہا: ان کے والد نے روایت کیا: وہ ثقہ نہیں،اور ابن معین نے کہا: وہ ضعیف ہے،اس کی حدیث لائق حجت نہیں، جو چاہتا اس سے یہ کہہ دیتا ''حدثنا'' اس نے ہم سے حدیث بیان کی،اورابن خراش نے کہا: وہ اپنی حدیث لکھتا تھا،تو اس کی کتابیں جل گئیں،تو جو بھی شخص کوئی چیز لاتا اسے اس کے پاس پڑھ دیتا، یہاں تک کہ اگر کوئی شخص کوئی حدیث وضع کر کے اس کے پاس لے آتا تو اسے بھی اس کے پاس پڑھ دیتا۔

خطیب نے کہا: اس کی اسی تساہلی کے سبب اس کی منکر روایتیں بہت زیادہ ہیں۔

اورابن شاہین نے کہا: احمد بن صالح نے کہا: ابن لہیعہ ثقہ ہیں،اوران سے جو حدیثیں مروی ہیں ان میں خلط وآمیزش ہے،اس کی خلط کردہ حدیث ترک کردی جائے۔

اور مسعود نے حاکم سے روایت کر کے کہا: اس نے جھوٹ کا قصد نہ کیا،اپنی کتابوں کے جلنے کے بعد انھوں نے اپنے حافظہ سے حدیث بیان کی تو خطا کی۔

اور جوزجانی نے کہا: اس کی حدیث پر موقوف نہ رکھا جائے،اوراس سے استدلال نہ کیا جائے،اور نہ اس کی روایت سے دھوکہ میں پڑنا چاہیئے۔

اورابن ابوحاتم نے کہا: میں نے اپنے والداور ابوزرعہ سے افریقی،اورابن لہیعہ کے بارے میں پوچھا ان دونوں میں کون آپ کو زیادہ محبوب ہیں؟ توان دونوں حضرات نے فرمایا: یہ دونوں ضعیف ہیں،اورابن لہیعہ کا معاملہ مضطرب ہے،اس کی حدیث اعتبار پر لکھ لی جاتی۔عبدالرحمٰن نے کہا: میں نے اپنے والد سے کہا: جب ابن لہیعہ سے روایت کرنے والا ابن مبارک کی طرح ہو تو کیا ابن لہیعہ سے استدلال کیا جائے؟ فرمایا: نہیں،ابوزرعہ نے کہا: انہیں ضبط حدیث حاصل نہ تھا۔اورابن عدی نے کہا: اس کی حدیث گویا نسیان پر قائم ہے،اور وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کی حدیث لکھی جاتی ہے۔

اور محمد بن سعد نے کہا: وہ ضعیف تھا، اور جس نے اس سے ابتدا میں حدیث سنی اس کی روایت کا حال اس سے بہتر ہے جس نے اس سے آخری دور میں حدیث سنی''۔

اور مسلم نے ''الکنی'' میں کہا: مہدی، یحیٰ بن سعد، اور وکیع نے اس کو متروک کہا ہے، اور حاکم ابواحمد نے کہا: وہ ذاہب الحدیث ہے۔ اور ابن حبان نے کہا: میں نے اس کے حالات کا جائزہ لیا تو پایا کہ وہ اپنے زمانے کے ثقہ لوگوں کے ساتھ ضعیف راویوں کو ملا کر تدلیس کرتا تھا، پھر اسے اس کی پرواہ نہ تھی جو اس کی طرف پیش کی گئی، اور پڑھی گئی خواہ وہ اس کی حدیث ہو یا نہ ہو، ان کی کتابیں جلنے سے پہلے ان کے متقدمین راویوں کی روایت سے بچنا لازم ہے اس لیے کہ ان میں متروک راویوں سے تدلیس کردہ حدیثیں ہیں، اور ان کی کتابیں جلنے کے بعد متاخرین راویوں کی روایت سے استدلال ترک کرنا واجب ہے اس وجہ سے کہ ان روایتوں میں ایسی حدیثیں ہیں جو ان کی حدیث نہیں۔

ابوجعفر طبری نے ''تہذیب الآثار'' میں کہا: ابن لہیعہ کی عمر کے آخری دور میں ان کی عقل میں اختلاط ہو گیا تھا۔ اور ابن لہیعہ کی سب سے شنیع روایت وہ ہے جسے حاکم نے ''مستدرک'' میں بطریق ابن لہیعہ ابوالاسود سے تخریج کی، کہ عروہ نے عائشہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال مرض ذات الجنب (نمونیہ) میں ہوا، انتھی

یہ روایت قطعی طور پر باطل ہے اس لیے کہ صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے کہ جب لوگوں نے آپ سے دوا پینے پر اصرار کیا تو آپ نے فرمایا ''لما فعلتم هذا'' آپ لوگوں نے ایسا کیوں کیا؟ صحابہ نے عرض کیا: ہمیں یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں آپ کو نمونیہ نہ ہو جائے، تو آپ نے فرمایا: ''ما كان الله ليسلطها علي'' اللہ عزوجل اس مرض کو مجھ پر مسلط نہ فرمائے گا، اور ابن لہیعہ کی طرف حاکم کی اسناد صحیح ہے، اور اس حدیث میں آفت و مصیبت ابن لہیعہ کے سبب ہے، تو گویا ابن لہیعہ پر ایک حدیث کا دوسری حدیث سے خلط روایت ہو گیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کا کلام ختم ہوا۔

ابن ابوحاتم نے ''الجرح والتعدیل'' (۱۴۶/۵) میں کہا: عبدالرحمٰن نے کہا، میں نے اپنے والد سے سنا

آپ حمیدی کے حوالہ سے بیان کر رہے تھے کہ حمیدی نے کہا: یحیٰ بن سعید ابن لہیعہ کے بارے میں کوئی رائے نہ رکھتے۔ہم سے عبدالرحمٰن نے بیان کیا، کہ ہم سے صالح بن احمد بن حنبل نے بیان کیا کہ ہم سے علی ابن مدینی نے بیان کیا کہ میں نے عبدالرحمٰن بن مہدی سے سنا کہ آپ سے کہا گیا آپ ابن لہیعہ سے حدیث اخذ کرتے ہیں آپ نے فرمایا: نہیں، ان سے تھوڑا یا زیادہ کچھ نہ لو، پھر فرمایا؛ ہم سے عبدالرحمٰن نے بیان کیا: میں نے اپنے والد سے فرماتے سنا: میں نے ابن مریم سے کہتے سنا میں اپنے چچا ابن لہیعہ کے پاس ان کی آخری عمر میں حاضر ہوا اور اہل بربر کی ایک قوم ان کے پاس منصور، اعمش اور عراقیوں کی حدیث قراءت کر رہی تھی، تو میں نے ان سے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن ! یہ آپ کی حدیث کا جز نہیں، توانھوں نے کہا: کیوں نہیں یہ حدیثیں میری نظر سے گزر چکی ہیں، اس کے بعد میں نے ان کی روایت کردہ حدیث نہ لکھی۔

میں کہتا ہوں:

طبرانی کی اس حدیث کا مدار صرف ابن لہیعہ ہیں اس وجہ سے یہ حدیث سخت منکر وضعیف ومضطرب ہے، اور یہ اس حدیث کے مخالف ہے جو صحیح بخاری ومسلم وغیرہما میں ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ہمارے درمیان کھڑے ہو کر غنیمت میں چوری کا ذکر فرمایا، اور اسے بڑا گناہ قرار دیا، اور اس کے معاملہ کی شناعت بیان فرمائی، پھر فرمایا: ''میں تم لوگوں میں سے کوئی ایسا شخص نہ پاؤں جو قیامت کے دن اس حال میں آئے کہ اس کی گردن پر ایک اونٹ سوار ہو کر بلبلا رہا ہو وہ شخص عرض کرے: ''یارسول الله أغثني'' یارسول اللہ! آپ ہماری مدد فرمائیں، اور میں یہ فرماؤں کہ میں خود سے تمہاری کسی چیز کا مالک نہیں۔ میں نے تم تک پہنچا دیا تھا، میں تم میں سے کسی ایسے شخص کو نہ پاؤں جو قیامت کے دن آئے اور اس کی گردن پر ایک گھوڑا سوار ہو کر ہنہنائے تو وہ شخص عرض کرے: یارسول اللہ! میری امداد فرمایئے، تو میں کہوں میں خود سے تمہارے نفع کی کسی چیز کا مالک نہیں، میں نے تم تک پہنچا دیا تھا۔ میں تم میں کسی شخص کو نہ پاؤں جو قیامت کے دن آئے اور اس کی گردن پر ایک بکری سوار ہو کر ممیائے، وہ شخص عرض کرے: یارسول اللہ! میری امداد فرمائیں، تو میں کہوں: میں خود سے تمہارے نفع کی کسی چیز کا مالک نہیں، میں نے تم تک پہنچا دیا تھا، میں تم میں سے کسی شخص کو نہ پاؤں جو قیامت کے دن آئے

اوراس کی گردن پر ایک مملوک غلام یا ناحق قتل کردہ جان چیخ پکار رہی ہو تو وہ شخص کہے: یارسول اللہ! میری امداد فرمائیں، تو میں کہوں: میں از خود تمہارے نفع کا کچھ بھی مالک نہیں، میں نے تم تک پہنچا دیا تھا، میں تم میں سے کسی کو نہ پاؤں جو قیامت کے دن اس طرح آئے کہ اس کی گردن پر کچھ کپڑے لدے ہوئے ہوں تو وہ شخص عرض کرے: یارسول اللہ! میری امداد فرمائیں، تو میں کہوں: میں اپنے سے تمہارے نفع کا کچھ بھی مالک نہیں(۱)، میں نے تم تک پہنچا دیا تھا، میں تم میں سے کسی شخص کو نہ پاؤں جو قیامت کے دن اس حال میں آئے کہ اس کی

---

(۱) بخاری کے تمام شارحین نے بالاتفاق فرمایا کہ: یہ ارشاد "لا أملک لک" زجر وتوبیخ کے لیے ہے ورنہ رسول اکرم سید عالم ﷺ اپنی گناہ گار امت کی شفاعت فرمائیں گے جیسا کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا: **شفاعتي لأهل الكبائر من أمتي** (ترمذی باب في الشفاعة) میری شفاعت میری امت میں گناہ کبیرہ کرنے والوں کے لیے ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی احادیث ہیں۔

روزمرہ ایسا ہوتا رہتا ہے کہ بیٹا کوئی غلط کام کرتا ہے باپ بیٹے کو اس غلط کام سے منع کرتا ہے مگر وہ نہیں مانتا بیٹا باپ سے مدد کے لیے کہتا ہے باپ بیٹے سے کہتا ہے میری نگاہ کے سامنے سے ہٹ جاؤ میں کچھ نہ کروں گا یا میں کیا کرسکتا ہوں رحم دل باپ کو نافرمان بیٹے پر ترس آتا ہے وہ اسے اس مشکل سے چھڑانے کی پوری کوشش کرتا، اور اس کی مدد کرتا ہے۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ "لا أملک لک" یہ ارشاد خاص مال غنیمت میں خیانت کرنے والے یا زکات نہ دینے والے کے بارے میں ہو کہ ان کی شفاعت نہیں فرمائیں گے جیسا کہ اس پر خاص لفظ "لک" دلالت کر رہا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ کسی مخصوص جرم کے مرتکب حضور کی شفاعت سے محروم رہیں۔

یا "لا أملک لک" کا یہ معنی ہے کہ میں خود سے تمہارا کچھ نہیں کرسکتا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد پاک ہے۔ ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ إِلَّا بِإِذْنِهٖ﴾ [البقرہ-۲:۲۵۵] کہ اللہ کے اذن کے بغیر اس کے حضور کوئی شفاعت نہ کرے گا اور اللہ عزوجل نے آپ کو اذن شفاعت بخشا ہے جیسا کہ خود حضور اقدس نے ارشاد فرمایا: "**أعطيت الشفاعة**" مجھے شفاعت کا اختیار بخشا گیا اس کے علاوہ کثیر آیات واحادیث اس پر شاہد ہیں جیسا کہ اس کے مقام پر مذکور ہیں تو حدیث کا معنی بالکل بے غبار ہے قرآن پاک میں متعدد مقامات پر مفسرین کرام نے اس طرح کے معانی میں ذاتی کی نفی مراد لی ہے نہ کہ عطائی کی جیسا کہ آیت کریمہ: ﴿قُلْ لَّاۤ أَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ﴾ [الاعراف-۷:۱۸۸] میں ذاتی کی نفی مراد ہے۔ (مترجم)

گردن پر درہم ودینار اور مال ودولت لدا ہوتو وہ شخص عرض کرے: یارسول اللہ! میری امداد فرمائیں، تو میں کہوں کہ: میں خود سے تمہارے نفع کا کچھ بھی مالک نہیں میں نے تم تک پہنچادیا تھا''۔(۱) (مشکاۃ المصابیح ص ۳۴۹ باب قسمۃ الغنائم)

میں کہتا ہوں:

اس حدیث کا معنی اچھی طرح واضح ہے، جس سے دعوی شرک کی حقیقت بے نقاب ہوجاتی ہے، اونٹ، بکریوں اور گھوڑوں کی زکات ادانہ کرنے والوں کے ''أغثني''(میری امداد فرمائیں) کہنے پر حضور اقدس نے اعتراض نہ فرمایا بلکہ اس کو برقرار رکھا، ہاں سرکار نے یہ فرمایا''**لا أملک لک شیئا**'' کہ میں خود سے تمہارے نفع کا کچھ بھی مالک نہیں، سرکار نے اس وجہ سے ایسا فرمایا کہ زکات کے اونٹ، بکریاں اور گھوڑے جنہیں بیت المال کے لیے جمع کیا جاتا ہے ان کی زکات ادانہ کرکے انھوں نے خیانت اور چوری کی۔

میں کہتا ہوں:

اس سے یہ بات روشن ہوگئی کہ جن روایتوں میں یہ آیا ہے کہ نبی پاک ﷺ سے استغاثہ نہ کیا جائے یہ روایت سرے سے باطل(۲) ہے، اور بخاری ومسلم وغیرہما میں مروی روایتوں کے خلاف ہے۔

---

(۱) ''یارسول الله أغثني''(اے اللہ کے رسول میری امداد فرمائیں) یہ حدیث امام احمد (۴۲۶/۲)، بخاری (۱۱۸/۳)، مسلم (۱۴۶۱/۳)، ابن حبان (۱۸۴/۱۱)، اور ابوعوانہ (۳۹۶/۴) وغیرہم نے تخریج کی۔

(۲) **أقول**: جس روایت میں ''لا یستغاث بي'' کالفظ ہے اس میں ایک راوی ابن لہیعہ ہیں جن کا حال اس کتاب میں تفصیل سے گزر چکا اس کے پیش نظر یہ روایت صحیح حدیث کے مقابل ہرگز نہیں ہوسکتی اگر نبی پاک ﷺ سے استغاثہ مطلقا شرک ہے تو بخاری شریف میں ہے:

'**استغاثوا بآدم ثم بموسی ثم بمحمد ﷺ**''

ترجمہ:۔''محشر کے دن لوگ حضرت آدم سے مدد مانگیں گے پھر حضرموسی سے پھر محمد ﷺ سے فریاد کریں گے''۔

آخر بخاری شریف کی اس حدیث کا کیا معنی ہے؟ حدیث پاک میں ہے کہ جب وفد ہوازن حضور اقدس سید عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے اموال واہل وعیال کہ مسلمان مال غنیمت میں لائے تھے حضور سے مانگے اور طالب

احسان والا ہوئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

" إذاصليتم الظهر فقولوا إنا نستعين برسول الله على المومنين والمسلمين في نسائنا وأبنائنا"

ترجمہ:۔''جب ظہر کی نماز پڑھ چکو تو کھڑے ہونا اور یوں کہنا ہم رسول اللہ ﷺ سے استعانت کرتے ہیں مومنین پر اپنی اپنی عورتوں اور بچوں کے باب میں''۔

النسأى عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده عبدالله بن عمر رضى الله تعالى عنهما

(الامن والعلی ص ۱۳۸ و ۱۳۹ قادری بک ڈپو محلہ مسجد بریلی)

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ نے بنفس نفیس تعلیم فرمائی کہ ہم سے مدد چاہنا نماز کے بعد یوں کہنا کہ ہم رسول اللہ ﷺ سے استعانت کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں حضور اقدس سید عالم ﷺ نے سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالی عنہ کو یہ تعلیم فرمائی کہ بعد نماز یوں عرض کریں:

" اللهم إني أسألک وأتوجه إليک بنبيک محمد نبي الرحمة يا محمد إني أتوجه بک إلى ربي في حاجتي هذه ليقضى لي اللهم فشفعه في".

ترجمہ:۔''الٰہی میں تجھ سے مدد مانگتا اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں تیرے نبی محمد ﷺ کے وسیلے سے جو مہربانی کے نبی ہیں یارسول اللہ! میں حضور کے وسیلے سے اپنی اس حاجت میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا تاکہ میری حاجت روائی ہو الٰہی! انہیں میرا شفیع کر ان کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما''۔

نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، طبرانی، حاکم وبیہقی نے سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالی عنہ سے یہ حدیث روایت کی اور امام ترمذی نے بشرط بخاری ومسلم صحیح کہا اور امام حافظ زکی الدین عبدالعظیم منذری وغیرہ ائمہ نقد وتنقیح نے اس کی تصحیح کو مسلم وبرقرار رکھا۔

حصن حصین شریف کی بعض روایت میں بصیغۂ معروف یوں ہے:

" لتقضي لي ". (ترجمہ:۔''یارسول اللہ میری حاجت روائی فرمادیں'')

مولانا فاضل علی قاری علیہ رحمۃ الباری حرز ثمین شرح حصن حصین میں فرماتے ہیں:

" وفي نسخة بصيغة الفاعل أي لتقضي الحاجة لي والمعنى تكون سببا لحصول حاجتي

ووصول مرادي فبالإسناد مجازي".

ترجمہ: ''ایک نسخہ میں بصیغہ فاعل ہے جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ آپ میری حصول حاجت اور حصول مراد کے سبب ہیں یہ اسناد مجازی ہے''۔ (ماخوذ از الامن والعلی ص ۱۵۳ قادری بک ڈپو نو محلہ مسجد بریلی شریف)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضور اقدس کا نام پاک لے کر حضور سے استمد ادو التجا جائز ہے اور زمانۂ حیات وبعد وفات یا قرب وبعد اور غیبت وحضور کا فرق باطل ومردود ہے۔

معجم کبیر طبرانی میں یہ حدیث یوں ہے کہ ایک شخص امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کی بارگاہ میں اپنی کسی حاجت کے لیے حاضر ہوا کرتے امیر المومنین ان کی طرف التفات نہ فرماتے نہ ان کی حاجت پر غور فرماتے ایک دن عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالی عنہ سے ملے ان سے شکایت کی عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا:

''ايت الميضاة فتوضأ ثم ائت المسجد فصل فيه ركعتين ثم قل اللهم إني أسألك وأتوجه إليك بنبينامحمد صلى الله تعالى عليه وسلم نبي الرحمة يا محمد إني أتوجه بك إلى ربي فيقضي حاجتي وتذكر حاجتك ورح إلي حتى أروح معك''

ترجمہ: ''وضو کی جگہ جا کر وضو کرو پھر مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھو پھر یوں دعا کرو الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا اور تیرے نبی محمد ﷺ نبی رحمت کے ذریعہ سے متوجہ ہوتا ہوں یا رسول اللہ میں حضور کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف توجہ کرتا ہوں کہ میری حاجت روائی فرمائیے اور اپنی حاجت کا ذکر کرو کہ شام کو پھر میرے پاس آنا کہ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں''۔

صاحب حاجت نے جا کر ایسا ہی کیا پھر امیر المومنین رضی اللہ تعالی عنہ کے دروازے پر حاضر ہوئے دربان آیا ہاتھ پکڑ کر امیر المومنین کے حضور لے گیا امیر المومنین نے اپنے ساتھ مسند پر بٹھالیا اور فرمایا کیسے آئے انھوں نے اپنی حاجت عرض کی امیر المومنین نے فوراً روا فرمائی پھر ارشاد کیا اتنے دنوں میں تم نے اس وقت ہم سے اپنی حاجت کہی، اور فرمایا جب کبھی تمھیں کوئی حاجت پیش آئے ہمارے پاس آنا۔ اب یہ صاحب امیر المومنین کے پاس سے نکل کر حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالی عنہ سے ملے ان سے کہا اللہ تعالی آپ کو جزائے خیر دے امیر المومنین نہ میری حاجت میں غور فرماتے تھے نہ میری طرف التفات لاتے یہاں تک کہ آپ نے میری سفارش ان سے کی عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا:

'' والله ماكلمته ولكن شهدت رسول الله ا وأتاه رجل ضرير فشكى إليه ذهاب بصره فقال

له النبي ا ايت الميضاة فتوضأ ثم صل ركعتين ثم ادع بهذه الدعوات فقال عثمان بن حنيف فوالله ما تفرقنا وطال بنا الحديث حتى دخل علينا الرجل كأنه لم يكن به ضرقط". (الامن والعلی ص۱۵۵تا۱۵۷ قادری بک ڈپو نومحلہ مسجد بریلی شریف)

ترجمہ:''خدا کی قسم میں نے تمہارے بارے میں امیر المومنین سے کچھ بھی نہ کہا مگر ہے یہ کہ میں نے سید عالم ﷺ کو دیکھا حضور کی خدمت اقدس میں ایک نابینا حاضر ہوا اور نابینائی کی شکایت حضور سے عرض کی حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا موضع وضو پر جا کر وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھو پھر یہ دعائیں پڑھو عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں خدا کی قسم ہم اٹھنے بھی نہ پائے تھے باتیں ہی کر رہے تھے کہ وہ نابینا ہمارے پاس انکھیارے ہو کر آئے گویا کبھی ان کی آنکھوں میں کچھ نقصان نہ تھا''۔

امام طبرانی اس حدیث کی متعدد اسنادیں ذکر کر کے فرماتے ہیں:''الحدیث صحیح'' یہ حدیث صحیح ہے۔

ابن تیمیہ بتائے اگر حضور اقدس سے استعانت واستغاثہ شرک ہے تو اس حدیث کا کیا معنی ہے کیا اس حدیث سے موت وحیات، قرب وبعد اور غیبت وحضور کا فرق باطل ومردود نہیں ہو جاتا حافظ ابن حجر ہیتمی نے الجوهر المنظم میں فرمایا:

''وهذاالمعنى حاصل في حياته وبعد موته ومن ثم استعمل السلف هذاالدعاء في حاجاتهم بعدموته ﷺ ''(الجوهرالمنظم ص۱۵۱،دارجوامع الكلم قاهره۱۹۹۲ء)

ترجمہ:''یہ معنی حضور اقدس ﷺ کی حیات اور وفات دونوں حالتوں میں حاصل ہے اسی وجہ سے سلف صالحین نے حضور اقدس کے وصال کے بعد اپنی حاجتوں میں یہ دعا فرمائی''۔

اسی سے اس حدیث کا حال بھی آشکارا ہو گیا جس میں حضور اقدس سید عالم ﷺ نے یہ فرمایا:

''إذا استعنت فاستعن بالله'' (ترجمہ:''جب تم مدد مانگو تو اللہ سے مانگو'')

اولاً تو اس حدیث کی سندوں میں کچھ ضعف پایا جاتا ہے ثانیاً اس کا معنی یہ ہے کہ کسی سے بھی استعانت کی جائے تو مستعان حقیقی کو فراموش نہیں کرنا چاہئے اور صاحب ایمان کی شان یہی ہوتی ہے کہ وہ اسباب سے مدد لینے کے وقت مسبب الاسباب کو نہیں بھولتا اگر مطلقا استعانت شرک ہو تو سارے بندگان خدا کو مشرک قرار دینا اور اسباب دنیا کو معطل وبے کار کرنا لازم آئے گا کہ ہر شخص ہزار ہا دنیاوی معاملات میں برابر کسی نہ کسی سے مدد لیا کرتا ہے خود حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا:''إنا لانستعين بمشرك'' (ترجمہ:''ہم کسی مشرک سے استعانت نہیں کرتے'')

(امام احمد وابوداود وابن ماجہ نے بسند صحیح ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت کیا)

اگر مسلمان سے بھی استعانت ناجائز ہوتی تو مشرک کی تخصیص کیوں فرمائی جاتی ولہذا امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ اپنے ایک نصرانی غلام وثیق نامی سے کہ دنیاوی طور کا امانت دار تھا ارشاد فرماتے:

"أسلم أستعن بک علی أمانة المسلمین"

ترجمہ:۔"تو مسلمان ہو جا کہ میں مسلمانوں کی امانت پر تجھ سے استعانت کروں"۔

وہ نہ مانتا،تو فرماتے:

"ہم کافر سے استعانت نہ کریں گے"۔

امام بخاری تاریخ میں حبیب بن یساف رضی اللہ تعالی عنہ سے راوی حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

"إنا لانستعین بمشرکین علی المشرکین ورواه الإمام أحمد أیضا".

ترجمہ:۔"ہم مشرکوں سے مشرکوں پر استعانت نہیں کرتے"۔

صحیح بخاری وصحیح مسلم وسنن نسائی میں ہے کہ چند قبائل عرب نے حضور اقدس ﷺ سے استعانت کی حضور والا ﷺ نے مدد عطا فرمائی۔

"عن أنس رضي الله تعالی عنه أن النبي ﷺ أتاه رعل وذکوان وعصیة وبنو لحمان فزعموا أنهم أسلموا واستمدوه علی قومهم فأمدهم النبي ﷺ "الحدیث"

ترجمہ:۔"انس رضی اللہ تعالی عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ کی خدمت میں رعل،ذکوان،عصیہ اور بنولحیان آئے اور اسلام کا دعوی کرتے ہوئے حضور ﷺ سے اپنی قوم پر مدد چاہی آپ نے ان کی مدد کی"۔(**برکات الإمداد لأهل الاستمداد** از سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ)

مجدد اعظم سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے رسالہ مبارکہ "**برکات الإمداد لأهل الاستمداد**" میں محققانہ بحث فرما کر ارشاد فرمایا:

> "جو شرک ہے وہ جس کے ساتھ کیا جائے شرک ہی ہوگا،اور ایک کے لیے شرک نہیں تو کسی کے لیے بھی شرک نہیں ہوسکتا،کیا اللہ کے شریک مردے نہیں ہوسکتے زندے ہوسکتے،دور کے نہیں ہوسکتے،پاس کے ہوسکتے ہیں،انبیا نہیں ہوسکتے حکیم ہوسکتے ہیں،انسان نہیں ہوسکتے،فرشتے ہوسکتے ہیں۔حاشاللہ اللہ تبارک وتعالی کا

میں اخیر میں اس مسئلہ کو بخاری ومسلم کی اس حدیث پر ختم کرتا ہوں جو انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"**ثلاث من كن فيه وجدطعم الإيمان، من كان يحب المرء لايحبه إلالله، ومن كان الله ورسوله أحب إليه مماسواهما،ومن كان أن يلقى في النار أحب إليه من أن يرجع بعد أن أنقذه الله منه**"۔ "جس شخص کے اندر تین خصلتیں موجود ہوں گی وہ ایمان کا ذائقہ پائے گا، جو شخص کسی انسان

کوئی شریک نہیں ہوسکتا تو مثلا جو بات ندا خواہ کوئی شی جس اعتقاد کے ساتھ کسی پاس بیٹھے ہوئے زندہ آدمی سے شرک نہیں وہ اسی اعتقاد کے ساتھ کسی پاس بیٹھے ہوئے زندہ آدمی سے شرک نہیں وہ اسی اعتقاد سے کسی دوروالے، یا مردے بلکہ اینٹ پتھر سے بھی شرک نہیں ہوسکتی۔اور جو ان میں سے کسی سے شرک ٹھہرے وہ قطعا یقیناً تمام عالم سے شرک ہوگی۔اس استعانت ہی کو دیکھیے کہ جس معنی پر غیر خدا سے شرک ہے یعنی اسے قادر بالذات و مالک مستقل جان کر مدد مانگنا بہ ایں معنی اگر دفع مرض میں طبیب یا دوا سے استمداد کرے، یا حاجت فقر میں امیر یا بادشاہ کے پاس جائے، یا انصاف کرانے کو کسی کچہری میں مقدمہ لڑے، بلکہ کسی سے روزمرہ کے معمولی کاموں ہی میں مدد لے جو بالیقین تمام مخالفین روزانہ اپنی عورتوں، بچوں، نوکروں سے کرتے کراتے ہیں مثلاً یہ کہنا کہ: فلاں چیز اٹھادے، یا کھانا پکادے، یا پانی پلادے سب شرک قطعی ہے کہ جب یہ جانا کہ اس کام کے کردینے پر انھیں خود اپنی ذات سے بے عطائے الٰہی قدرت ہے تو صریح کفر اور شرک میں کیا شبہ رہا اور جس معنی پر ان سب سے استعانت شرک نہیں یعنی مظہر عون الٰہی وواسطہ وسیلہ وسبب سمجھنا اسی معنی پر حضرات انبیا واولیا علیہم أفضل الصلاۃ والثنا سے کیوں شرک ہونے لگی مگر حکیم، امیر، جج، اولاد، نوکر جوروان (بیویاں) سب کو مظہر عون وسبب ووسیلہ جاننا جائز ہے۔اوران حضرات عالیہ کو کہ وہ اعلی مظہر و اعظم سبب وافضل وسائل بلکہ منتہی الاسباب وغایۃ الوسائط ونہایۃ الوسائل ہیں ایسا سمجھنا شرک ہوگیا۔ہزار تف بریں بے عقلی وناانصافی۔غرض پانی وہیں مرتا ہے کہ جو کچھ غصہ ہے وہ حضرات محبوبان خدا کے بارے میں ہے جورو، یار، بچے مددگار نوکر کارگزار مگر انبیا واولیا کا نام آیا اور سر پر شرک کا بھوت سوار یہ کیا دین ہے؟ کیسا ایمان ہے ولاحول ولاقوۃ إلا باللہ العلی العظیم" (برکات الإمداد لأهل الاستمداد، ص۴۴تا۴۶)

ناظرین کرام بنظر انصاف ان سطور کا مطالعہ کریں اور فیصلہ کریں کہ حق کس کے ساتھ ہے۔ (مترجم)

سے صرف اللہ ہی کے لیے محبت کرے، اور جسے اللہ و رسول سب سے زیادہ محبوب ہوں، اور جسے اللہ نے کفر سے بچایا اسے آگ میں ڈالا جانا کفر کی طرف پلٹنے سے زیادہ پسند ہو"۔[1]

(۱) اس حدیث کو امام احمد (۱۰۳/۳، ۲۷۵)، بخاری (۱۴/۱)، مسلم (۶۶/۱)، ترمذی (۱۵/۵)، نسائی نے مجتبی میں (۹۶/۸)، ابن ماجہ (۱۳۳۸/۲)، اور ابن حبان (۴۷۳/۳) وغیرہم نے تخریج کی۔

(۷۲)ابن تیمیہ کے اصحاب کا یہ دعوی ہے کہ نبی ﷺ اپنی قبر میں اپنا کوئی معاملہ نہیں جانتے، اور نہ کچھ سنتے ہیں، آپ کا عمل منقطع ہو چکا ہے

اس وقت اللہ عزوجل امت مسلمہ کا ان لوگوں سے امتحان لے رہا ہے، جو افضل الخلق ﷺ کی زیارت نہیں کرتے، اور لوگوں سے یہ کہتے ہیں کہ آپ کی زیارت شریفہ نہ کی جائے، یہ لوگ جرأت وجسارت اور نہایت بے باکی سے یہ کہتے ہیں کہ نبی رحمت ﷺ کو اپنے معاملہ کی خبر نہیں، تو بھلا اپنی امت کا معاملہ کیسے جانیں گے؟ **نستغفر الله تعالى من هذاالقول.**

میں تو کہتا ہوں:

خدا کی قسم یہ بولی یا تو کسی زندیق، یا ایسے منافق کی ہے جو رسول اللہ ﷺ سے باطنی عداوت رکھتا ہے، اور آپ کو کمزور عاجز انسان کی صورت میں دیکھنے کی خواہش رکھتا ہے، ایسی باتیں وہی کرے گا جو اسرا اور معراج کی حدیث دل میں جھٹلاتا ہے، اور کھلے لفظوں میں کہنے کی ہمت وطاقت نہیں رکھتا ہے، ایسی بے سروپا باتیں کرنے والے مسلمانوں کی کتابوں میں اس لیے کھود کرید کرتے ہیں تا کہ انھیں کوئی دلیل حاصل ہو اگرچہ کمزور ہی سہی۔

بالآخر اس زمانہ کے مبتدعین ایک ایسی چیز پا گئے جسے وہ دلیل گمان کرتے ہیں، وہ یہ حدیث ہے جس میں نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" أصحابي أصحابي ، فيقال إنک لاتدري ما أحد ثوا بعدک ".

ترجمہ:۔"میرے اصحاب میرے اصحاب آپ سے یہ کہا جائے گا کہ آپ کو ان کی وہ بدعتیں معلوم نہیں جنھیں آپ کے بعد انھوں نے ایجاد کیا"۔

علمائے امت میں سے کسی عالم کو ہم نے نہ دیکھا جس نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہو کہ نبی پاک ﷺ اپنی قبر میں کچھ علم نہیں رکھتے، ہاں اس دور جدید میں کچھ لوگ ایسا استدلال کرتے ہیں، **نعوذ بالله تعالى من مثل هذاالاستدلال.**

اس حدیث کی سند بلا شبہ بے غبار ہے، مگر پھر بھی اس کا معنی مشکل ہے جیسا کہ بہت سارے ائمہ وحفاظ نے اس کی تصریح فرمائی کہ یہ حدیث ایسی کثیر دلیلوں کے معارض ہے جو اس حدیث سے زیادہ باقوت اور مستحکم ہیں، بعض دلیلیں پیش خدمت ہیں:

(۱) قرآن کریم کی آیتوں سے یہ حقیقت روشن ہے کہ سارے صحابہ عادل ہیں قرآن عظیم کا ارشاد ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ [الفتح ۲۹:۴۸-]

محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل۔

اور اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

"رضي الله عنهم ورضوا عنه" (بینہ۸ پ۳۰ ع۲۳)

ترجمہ:۔"اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی"۔

اور اس طرح کی بہت سی آیتیں اس باب میں وارد ہیں۔

قرآن کریم کی اس نص قطعی کی روشنی میں ساری امت نے اس بات پر اجماع کیا کہ سارے صحابہ عادل ہیں۔

(۲) بزار نے بسند صحیح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے تخریج کی کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

"إن لله ملائكة سياحين يبلغون عن أمتي السلام".

ترجمہ:۔"بے شک اللہ عزوجل کے کچھ ایسے فرشتے ہیں جو سیر وسیاحت کرتے، اور میری امت کا سلام میرے پاس پہنچاتے ہیں"۔

رسول اللہ ﷺ نے مزید فرمایا:

"حياتي خيرلكم تحدثون وتحدث لكم، ووفاتي خيرلكم تعرض علي أعمالكم فما رأيت من خير حمدت الله عليه ومارأيت من شر استغفرت

الله لكم''[1]

ترجمہ:۔''میری حیات تمہارے لیے بہتر ہے،تم لوگ دین کی باتیں پوچھتے ہواور اس کا جواب دیا جاتا ہے،اور میرا وصال تمہارے لیے بہتر ہے،تمہارے اعمال میرے پاس پیش ہوتے ہیں،تو اگر میں کوئی بھلائی دیکھوں گا اس پر اللہ کی حمد کروں گا،اور اگر کوئی برائی دیکھوں گا تو اللہ سے تمہارے لیے استغفار کروں گا''۔

اس حدیث کی صحت،اور اس کا اس باب کے تحت دخول اس روایت سے معلوم ہوتا ہے جسے امام احمد، ابوداؤد،نسائی،اور ابن ماجہ وغیرہم نے چند طرق سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

'' إن من أفضل أيامكم يوم الجمعة فيه خلق آدم، وفيه قبض، وفيه النفخة، وفيه الصعقة فأكثروا علي من الصلاة فيه فإن صلاتكم معروضة علي''.

ترجمہ:۔''بے شک تمہارا سب سے بہتر دن جمعہ کا دن ہے،اسی دن آدم پیدا ہوئے،اسی روز ان کی روح قبض ہوئی،اور اسی دن صور پھونکا جائے گا،اور اسی روز ایک خوفناک آواز پیدا ہوگی جس سے زمین وآسمان کے سارے لوگ مرجائیں گے تو اس روز (جمعہ) مجھ پر کثرت سے درود بھیجو کیوں کہ تمہارا درود وسلام مجھ پر پیش کیا جاتا ہے''۔

صحابہ نے عرض کیا ہمارا درود وسلام آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا حالاں کہ آپ اس ظاہری دنیا سے سفر فرماجائیں گے تو آپ نے فرمایا:

(۱) میں کہتا ہوں: یہ حدیث چند طرق سے وارد ہے ان میں سے بعض صحیح ہیں جسے بزار (۳۰۸/۵،۳۰۹) نے تخریج کی،اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۲۴/۹) میں ان کی اسناد کو صحیح کہا،اور کہا: ان کے رجال صحیح کے رجال ہیں،اور ایسا ہی حافظ عراقی نے تخریج کیا،اور اسے سیوطی نے صحیح کہا،ایسا ہی خصائص کبری (۴۹۱/۲) میں ہے،بزار نے ابن مسعود سے یہ حدیث روایت کی ہے۔اور زرقانی نے اپنی شرح (۹۷/۱) میں کہا: اس کو بزار نے باسناد جید روایت کیا،اور اس حدیث کے دوسرے بھی طرق ہیں جو انس بن مالک اور بکر بن عبداللہ مزنی سے مروی ہیں،ہم صحیح طریق،اور چار ائمہ اعلام کی تصحیح حدیث کے ذکر پر اکتفا کررہے ہیں۔

" إن الله عزوجل حرم علی الأرض أن تاکل أجسادالأنبیاء". [1]

ترجمہ:۔"بے شک اللہ عزوجل نے زمین پرحرام فرمادیا ہے کہ وہ انبیا کے جسموں کو کھائے"۔

(۴) امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں یہ معاملہ صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالی عنہم کے نزدیک اس قدر مشہور ومتعارف ہے کہ خود صحابہ کرام لوگوں کو یہ تعلیم فرماتے [2] تھے کہ ان کے اعمال ان کے مردوں اوران کے اقارب پر پیش کیے جاتے ہیں،اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں اس لیے کہ خود ابن کثیر نے اپنی تفسیر (۴۴۰/۳) میں مردوں پرزندہ انسانوں کے اعمال پیش کیے جانے کے متعلق تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

اس باب میں صحابہ سے بہت سارے آثار مروی ہیں اور عبداللہ بن رواحہ کے اقارب میں سے بعض انصار کہتے تھے:

---

(۱) اس حدیث کو امام احمد (۸/۴)،ابوداؤد (۲۷۵/۱)،نسائی (۵۱۹/۱)،ابن ماجہ (۳۴۵/۱)،ابن خزیمہ (۱۱۸/۳)، ابن حبان (۱۹۱،۱۹۰/۳)، حاکم (۴۱۳/۱)اوران کے علاوہ (ابن ابوشیبہ،اوردارمی،اورطبرانی،اوربیہقی نے) تخریج کی، اورابن خزیمہ،ابن حبان،حاکم،دارقطنی اورنووی نے الاذکار میں اس کی اسناد کو صحیح کہا،اورحافظ منذری نے "الترغیب والترھیب" (۳۲۸/۲) میں اس کی بعض سندوں کو جید کہا،اوربیہقی کے نزدیک ابوامامہ کے طریق کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری (۱۶۷/۱۱) میں کہا:اس کی سند میں کوئی حرج نہیں"۔

(۲) امام احمد نے انس بن مالک سے روایت کیا کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا:

" إن أعمالکم تعرض علی أقاربکم وعشائرکم من الأموات فإن کان خیرا استبشروا به وإن کان غیر ذلک قالوا اللهم لاتمتهم حتی لاتهدیهم کماهدیتنا"(مسنداحمدبن حنبل ۱۶۴/۳ موسسه قرطبه قاهره)

ترجمہ:۔"تمہارے اعمال تمہارے مردہ رشتہ داروں پر پیش کیے جاتے ہیں اگر وہ اچھے ہوتے ہیں تو وہ خوش ہوتے ہیں اوراگر اعمال برے ہوتے ہیں تو وہ یہ دعا کرتے ہیں اے اللہ! تو انھیں اس وقت تک موت نہ دے جب تک انھیں ہدایت نہ عطافرمادے"۔ (مترجم)

" اللهم إني أعوذبک من عمل أخزى به عند عبدالله بن رواحة".

ترجمہ:۔"اے اللہ! میں ایسے عمل سے تیری پناہ لیتا ہوں جس کے سبب عبداللہ بن رواحہ کے پاس میری رسوائی ہو"۔

یہاں تک کہ خود ابن تیمیہ اس بات کا قائل ہے کہ زندوں کے اعمال مردوں کے پاس پیش کیے جاتے ہیں جیسا کہ اس نے مجموع الفتاوی (۳۶۸/۲۴) میں کہا:

(اور جب زندہ لوگوں کے اعمال مردوں کے پاس پیش ہوتے ہیں، اسی وجہ سے ابودرداء یہ کہتے تھے: اے اللہ! میں اس بات سے تیری پناہ لیتا ہوں کہ ایسا عمل کروں جس کے سبب عبداللہ بن رواحہ کے پاس رسوا کیا جاؤں)

میں کہتا ہوں:

سبحان اللہ! ابن تیمیہ کے ماننے والے، اوراس کے طریقہ پر چلنے والے یہ تو مانتے ہیں کہ زندوں کے اعمال مردوں کے پاس پیش کیے جاتے ہیں، مگر یہ نہیں مانتے کہ نبی پاک کی بارگاہ میں اس امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں،

یہ امر واضح رہے کہ احادیث وآ ثار اس باب میں متعدد طرق سے وارد ہیں کہ زندوں کے اعمال مردوں کے پاس پیش کیے جاتے ہیں، ان میں سے بعض احادیث وآ ثار یہ ہیں:

قیلہ بنت مخرمہ کی حدیث:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" أيغلب أحدكم أن يصاحب صويحبه في الدنيا معروفا، وإذامات استرجع، فوالذي نفس محمد بيده إن أحدكم ليبكي فيستعبر إليه صويحبه، فياعباد الله لاتعذبوا موتاكم"

ترجمہ:۔"کیا تم میں کوئی شخص اس میں غالب ہوگا کہ دنیا میں اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ

بھلائی کرے،

اور جب وہ دنیا سے رخت سفر باندھے تو ''إنا لله وإنا إليه راجعون '' پڑھے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے تم میں سے کوئی شخص روتا ہے تو اپنے چھوٹے بھائی پر اپنے غم کے آنسو بہاتا ہے، تو اے اللہ کے بندو! اپنے مردوں کو تکلیف و عذاب میں نہ ڈالو''۔(۱)

نعمان بن بشیر کی حدیث:

آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا:

'' ألا إنه لم يبق من الدنيا إلا مثل الذباب تمور في جوها فالله الله في إخوانكم من أهل القبور فإن أعمالكم تعرض عليهم'' (۲)

ترجمہ:۔''سنو دنیا کے حصوں میں سے صرف مکھی کے مثل باقی ہے جو اپنی فضا میں گشت کرتی ہے، تو اللہ اللہ اپنے قبر والے بھائیوں کے بارے میں اللہ کا خوف رکھو کیوں کہ تمہارے اعمال ان پر پیش کیے جاتے ہیں''۔

ابوایوب انصاری کی حدیث:

ابوایوب(۳) انصاری رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا:

(۱) قیلہ بنت مخرمہ کی حدیث کے بارے میں حافظ عسقلانی نے فتح الباری (۳/۱۵۵) میں کہا: اس کی اسناد حسن ہے، ابن ابوخیثمہ، ابن ابوشیبہ اور طبرانی وغیرہم نے اس حدیث کی تخریج کی، اور ابوداؤد اور ترمذی نے اس کے کچھ اجزا تخریج کیے۔ میں کہتا ہوں: اور ہیثمی نے مجمع الزوائد (۹۶-۱۲) میں کہا: اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۲) حاکم نے نعمان کی حدیث روایت کی (۴/۳۴۲) اور کہا: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، اور ذہبی نے اس پر تعقب کیا، اور بیہقی نے شعب الایمان (۷/۲۶۱) میں اس کو روایت کیا۔

(۳) امام احمد انس ابن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے راوی کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا:
''إن أعمالكم تعرض على أقاربكم وعشائركم من الأموات فإن كان خيرا استبشروا به

" وإن أعمالكم تعرض على أقاربكم وعشائركم ، فإن كان خيرًا فرحوا واستبشروا وقالوا اللهم فضلك ورحمتك فأتمم نعمتك عليه، وأمِتهُ عليها، ويعرض عليهم عمل المسيئ فيقولون اللهم ألهمه عملا صالحا ترضى به عنه وتقربه إليك" .

ترجمہ:۔ ''بے شک تمہارے اعمال تمہارے اقارب، اور تمہارے کنبہ وقبیلہ کے لوگوں پر پیش کیے جاتے ہیں، اگر اعمال اچھے ہوتے ہیں تو انہیں خوشی ہوتی ہے، اور وہ یہ دعا کرتے ہیں، اے اللہ! یہ تیرا فضل اور تیری رحمت ہے تو اپنی نعمت اس پر مکمل فرما، اور اسی نعمت پر اس کا خاتمہ فرما، اور اگر اعمال برے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں: اے اللہ! تو اسے ایسا عمل صالح، الہام (تعلیم) فرما، جس سے تو راضی ہو اور تو اسے اپنا مقرب بنالے''۔(1)

وإن كان غير ذلک قالوا اللهم لاتمتهم حتى لا تهديهم كماهديتنا'' (مسند احمد بن حنبل ۱۶۴/۳ موسسہ قرطبہ قاہرہ)

ترجمہ:۔ ''تمہارے اعمال تمہارے مردہ رشتہ داروں پر پیش کیے جاتے ہیں اگر وہ اچھے ہوتے ہیں تو وہ خوش ہوتے ہیں اور اگر اعمال برے ہوتے ہیں تو وہ یہ دعا کرتے ہیں اے اللہ! تو انھیں اس وقت تک موت نہ دے جب تک انھیں ہدایت نہ عطا فرمادے۔ (مترجم)

(1) ابوایوب انصاری کی حدیث طبرانی نے معجم کبیر (۱۲۹/۴)، اور اوسط (۵۴/۱) میں روایت کیا، اور ہیثمی نے مجمع الزوائد (۳۲۷/۲) میں کہا: اس میں مسلم بن علی ہیں اور وہ ضعیف ہیں۔

میں کہتا ہوں: اور انس نے مسند امام احمد (۱۶۴/۳) میں ذکر کیا کہ اس میں ایک ایسا راوی ہے جس کا نام معلوم نہیں جیسا کہ ھیثمی نے مجمع الزوائد (۳۲۸/۲، ۳۲۹) میں کہا۔

اور جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ اس کو طیالسی نے روایت کیا (۲۴۸/۱) تفسیر ابن کثیر (۳۸۸/۲) دیکھیں، اور ابو ہریرہ سے (موقوفا) مروی ہے، جسے حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری (۱۵۵/۳) میں نقل کیا، اور اس کو صحیح کہا، اور اس کو طبری کی طرف منسوب کیا، اور ابودرداء سے (موقوفا) مروی ہے الزہد لابن المبارک (۴۲/۱) آپ فرماتے تھے کہ: تمہارے اعمال تمہارے مردوں پر پیش ہوتے ہیں تو انہیں خوشی ہوتی ہے اور رنج بھی ہوتا ہے، فرمایا: ابودرداء عرض کرتے اے اللہ! میں اس سے تیری پناہ لیتا ہوں کہ ایسا عمل کروں جس کے سبب عبداللہ بن رواحہ کے پاس میری رسوائی ہو۔

(۵) طبرانی وغیرہ نے محمد بن فضالہ ظفری سے تخریج کی (آپ ان صحابہ میں سے ہیں جو نبی پاک ﷺ کی بافیض صحبت میں رہے) کہ رسول اللہ ﷺ بنوظفر کی مسجد میں ان کے پاس تشریف لائے، (بنوظفر کی مسجد میں موجود چٹان پر جو آثار ونشانات قائم ہیں آج بھی موجود ہیں) اور حضور کے ہمراہ عبداللہ بن مسعود اور معاذ بن جبل اور آپ کے بعض اصحاب کرام تھے، نبی پاک ﷺ نے ایک قاری کو قراءت کا حکم فرمایا تو انھوں نے تلاوت کی یہاں تک کہ اس آیت کریمہ پر پہنچے:

﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَآءِ شَهِيْدًا﴾ [النساء ۴:۴۱]

ترجمہ:۔ ''تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب! تمہیں ان سب پر گواہ اور نگہبان بنا کر لائیں''۔

تو رسول اللہ ﷺ اس قدر اشک بار ہوئے کہ آپ کی دونوں داڑھیاں تر ہوگئیں پھر عرض کیا:

''أي رب شهدت على من أنا بين ظهرانيه ،فكيف بمن لم أر''

اے پروردگار! میں ان لوگوں پر گواہ ہوں جن کے درمیان موجود ہوں، تو کیسے ان لوگوں کا گواہ نہ ہوں گا جنہیں میں نے نہ دیکھا''۔[1]

میں کہتا ہوں: اور یہ مدد مانگنے سے بھی زیادہ واضح ہے کہ حضور ان لوگوں کی شہادت دے رہے ہیں جنہیں آپ نے اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا۔

اور اس کی دلیل وہ بھی ہے جسے امام بغوی نے اپنی تفسیر (۱/۴۲۹) میں فرمایا:

'' (وجئنابک) يامحمد (على هؤلاء شهيدا) شاهدا يشهدعلى جميع الأمة

(۱) طبرانی نے معجم کبیر (۱۹/۲۴۳) میں اس حدیث کی تخریج کی، اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۷/۴) میں کہا: اس کے رجال ثقہ ہیں، اور سیوطی نے درمنثور (۲/۵۴۱) میں اس کی اسناد کو حسن کہا، اور اس کو ابن ابوحاتم کی طرف منسوب کیا اور بغوی نے بھی اس کو اپنی معجم میں ذکر کیا۔

علی من رأہ ومن لم یرہ''.

ترجمہ:۔''اوراے محمد! (ہم نے تمہیں ان لوگوں پر گواہ بنایا) یعنی ایسا گواہ بنایا جوساری امت کا گواہ ہے جنہیں دیکھا،اور جنہیں نہ دیکھا سب کا''۔

اورطبری (۹۲/۵)اورنسفی نے اپنی تفسیر (۲۲۳/۱) میں اسی معنی کا قول کیا،اورابن الجوزی نے **زاد المسیر** (۸۵/۲-۸۶) میں کہا:

﴿ **فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَآءِ شَهِيدًا** ﴾

[النساء-۴:۴۱]

ترجمہ:۔''تو کیسی ہوگی جب ہم ہرامت سے ایک گواہ لائیں اوراے محبوب تمہیں ان سب پر گواہ اورنگہبان بنا کر لائیں''۔

حضوراقدس ﷺ کس چیز کی گواہی دیں گے؟اس بارے میں چار[۴] قول ہیں: **ایک قول** یہ ہے کہ: حضوراس بات کی گواہی دیں گے کہ آپ نے اپنی امت کی تبلیغ فرمادی،اس کے قائل ابن مسعود،ابن جریج،سدی،اورمقاتل ہیں۔اوردوسرا **قول** یہ ہے کہ:حضوران کے ایمان کی گواہی دیں گے،اس کے قائل ابوالعالیہ ہیں،اورتیسرا **قول** یہ ہے کہ:ان کے اعمال کی گواہی دیں گے،اس کے قائل مجاہداورقتادہ ہیں،اور چوتھا **قول** یہ ہے کہ:حضوران کے موافق (ثواب) اورمخالف (عقاب وعذاب) کی شہادت دیں گے،اس کے قائل زجاج ہیں۔اللہ تعالی کے ارشاد:'' **وجئنا بک**''میں کاف خطاب سے حضوراقدس ﷺ مراد ہیں اور''**ھٰؤلاء**'' کے بارے میں تین اقوال ہیں:ایک قول یہ ہے کہ:اس سے آپ کی ساری امت مراد ہے،پھراس میں بھی دوقول ہیں:ایک [۱]قول یہ ہے کہ:ان کے خلاف شہادت دیں گے،اوردوسراقول یہ ہے: کہ ان کے موافق شہادت دیں گے۔تو''علی حرف جار''''لام'' کے معنی میں ہے،اوردوسراقول یہ ہے کہ:''**ھٰؤلاء**'' سے کفارمراد ہیں،حضوران پر یہ گواہی دیں گے کہ ان تک پیغام پہنچادیا،اس کے قائل مقاتل ہیں،اورتیسر[۳]اقول یہ ہے کہ: یہودونصاری مراد ہیں اس کو ماوردی

نے ذکر کیا۔

﴿یَوْمَئِذٍ یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْتُسَوّٰی بِهِمُ الْأَرْضُ وَلَایَکْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِیْثًا﴾ [النساء-۴: ۴۲]

ترجمہ:۔''اس دن تمنا کریں گے وہ جنھوں نے کفر کیا اور رسول کی نافرمانی کی کاش انہیں مٹی میں دبا کر زمین برابر کردی جائے، اور کوئی بات اللہ سے نہ چھپا سکیں گے''۔(انتہی قول ابن الجوزي)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری (۱۴۹/۸) میں فرمایا: خطابی نے کہا: بعض لوگوں نے (جن کا اہل علم میں شمار نہیں) یہ خیال کیا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے ارشاد:

''لاکرب علی أبیک بعدالیوم (ترجمہ:۔''آج کے بعد تمہارے والد کو کوئی تکلیف نہ ہوگی'') سے یہ مراد ہے کہ آپ کا کرب اپنی امت پر شفقت کے لیے تھا، اس لیے کہ آپ کو معلوم تھا کہ فتنے اور اختلافات رونما ہوں گے''۔

اس قول کی کوئی حقیقت نہیں اس لیے کہ اس قول پر یہ لازم آرہا ہے کہ اپنی امت پر آپ کی شفقت آپ کے وصال کے بعد باقی نہ رہے حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی شفقت روز قیامت تک باقی رہے گی، اس لیے کہ آپ کی بعثت ان لوگوں کی طرف بھی ہوئی ہے جو آپ کے بعد آئیں گے اور ان کے اعمال آپ پر پیش کیے جائیں گے۔اھ

أحکام القرآن للجصاص (۳۰۵-۳۷۰ھ)(۱۱۰/۱) میں ہے: اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّآ أَرْسَلْنٰکَ شٰهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا إِلَی اللّٰهِ بِإِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا﴾ [الاحزاب۳۳:۴۶،۴۵]

ترجمہ:۔''بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر وناظر اور خوش خبری دیتا اور ڈر سناتا، اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب''۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَـٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَـٰلَمِينَ﴾ [الانبیاء-۲۱:۱۰۷]

ترجمہ: ''اور ہم نے تمھیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے''۔

کسی مسلمان کے بارے میں میرا یہ گمان نہیں کہ وہ مطلقا اس قول کو جائز رکھے گا کہ نبی پاک ﷺ ساری امت اول وآخر کی طرف مبعوث نہ ہوئے، اور آپ ان پر حجت وشاہد اور ساری امت کے لیے رحمت نہیں، انتھی

میں کہتا ہوں:

جب اللہ عزوجل کے رسول تم سب پر شاہد وگواہ ہوں گے تو جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ حضور کے وصال ظاہری کے بعد حضور پر امت کے اعمال پیش نہیں کیے جاتے اس معترض کا کون شاہد وگواہ ہوگا؟

ابن عباس، حسن بن علی، عکرمہ، ضحاک اور عبد العزیز بن یحیی نے اللہ تعالی کے ارشاد: ''وشاھد ومشھود'' کے بارے میں فرمایا: شاہد محمد ﷺ ہی کی ذات اقدس ہے۔(۱)

(۶) امام مسلم نے (۱/۳۹۰) ابوذر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: **''عرضت علي أعمال أمتي حسنها وسيئها فوجدت في أعمالها الأذى يماط عن الطريق، و وجدت في مساوي أعمالها النخاعة تكون في المسجد لاتدفن''** مجھے میری امت کے اچھے اور برے اعمال دکھائے گئے تو میں نے اس کے اچھے اعمال میں یہ پایا کہ راستہ سے تکلیف دہ چیز کو دور کر دیا جائے، اور اس کے برے اعمال میں یہ پایا کہ کھنکھار اور بلغم مسجد میں

(۱) نسائی نے سنن کبری (۶/۵۱۲) میں اثر ابن عباس کی تخریج کی، اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۷/۱۳۶) میں کہا: اس کو بزار نے روایت کیا، اور اس کے رجال ثقہ ہیں، زاد المسیر (۹/۷۱،۷۲)، تفسیر ابن کثیر (۴/۴۹۳)، تفسیر طبری (۵/۹۲) اور در منثور (۸/۴۶۴) دیکھیں، اور اثر حسن بن علی تفسیر طبری (۵/۹۲)، زاد المسیر (۹/۷۱،۷۲)، تفسیر ابن کثیر (۴/۴۹۳)، اور در منثور (۸/۴۶۴) میں مذکور ہے، اور اثر عکرمہ طبری (۵/۹۲)، اور تفسیر ابن کثیر (۴/۴۹۳) میں مروی ہے اور اثر ضحاک اور عبد العزیز بن یحیی کو ابن الجوزی نے زاد المسیر (۹/۷۱،۷۲) میں نقل کیا۔

کرے تو اسے نہ چھپایئے‘‘۔

اگر کوئی یہ کہے کہ یہ حدیث مقدم ہے تو ہم کہیں گے یہ تمہارے خلاف حجت ہے نہ کہ تمہارے موافق، اور اگر کوئی یہ کہے کہ یہ حدیث: ’’**إنک لاتدري ماأحدثوا بعدک**‘‘ (یعنی آپ کو ان بدعات کا علم نہیں جو انھوں نے آپ کے بعد ایجاد کیا) مقدم ہے، ہم کہیں گے وہ بھی تمہارے خلاف حجت ہے نہ کہ تمہارے موافق، اور اس کی ایک بسیط وجہ یہ ہے کہ حدیث میں یہ ہے: ’’**لاتدري ماأحدثوا بعدک**‘‘ اس ارشاد میں قیامت تک علم کی نفی ثابت کرنا ہے، اور دوسری حدیث میں اس حدیث مذکور کے مضمون کی نفی موجود ہے اس لیے کہ حضور نے فرمایا: ’’**عرضت علي أعمال أمتي حسنها وسيئها**‘‘ ’’میری امت کے اچھے اور برے اعمال مجھے دکھائے گئے‘‘۔

(۷) طبرانی نے بسند حسن ابودرداء سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’**لألفين ما نوزعت أحدا منكم عندالحوض فأقول هذا من أصحابي فيقول إنک لاتدري ماأحدثوا بعدک**‘‘ ضرور ضرور میں تمہیں حوض کے پاس نزاع کرتے پاؤں گا تو میں کہوں گا یہ میرے اصحاب سے ہے، تو وہ کہے گا آپ وہ بدعتیں نہیں جانتے جو انھوں نے آپ کے بعد ایجاد کیں‘ ابودرداء نے کہا اے اللہ کے رسول! اللہ سے دعا کیجئے کہ مجھے ان لوگوں میں سے نہ رکھے تو آپ نے فرمایا: ’’**لست منهم**‘‘ ’’تم ان میں سے نہیں‘‘۔(۱)

اور ابودرداء نے فرمایا: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے خبر ملی ہے کہ آپ نے یہ فرمایا ہے کہ میری امت کے کچھ لوگ اپنے ایمان کے بعد عنقریب کفر کریں گے، تو آپ نے فرمایا: ’’ہاں اے ابودرداء! اور تم ان

(۱) حوض سے متعلق ابودرداء کی حدیث طبرانی نے معجم اوسط (۱/۱۲۵)، اور مسند الشامیین (۲/۳۱۱) میں اور ابن عبدالبر نے التمہید (۲/۳۰۴) میں روایت کیا، اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۹/۳۶۷) میں کہا: اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا، اور بزار نے اسی طرح روایت کیا، اور ان دونوں کے رجال ثقہ ہیں، اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری (۱۱/۳۸۵) میں اس کی اسناد کو حسن کہا۔

میں سے نہیں''۔(۱)

میں کہتا ہوں: اس حدیث سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ اللہ عزوجل نے آپ کو آپ کے ان اصحاب کا علم عطا فرما دیا جنہیں حوض سے دور کر دیا جائے گا تو اس روشن دلالت کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کیوں کر درست ہوگا: ''آپ ان بدعتوں کو نہیں(۲) جانتے جنہیں آپ کے بعد انھوں نے ایجاد کیا''۔

---

(۱) **إن نـاسـا مـن أمتي سيـكفـرون** ،اس حدیث کو ابن ابوعاصم نے الآحاد والمثانی (۱/۱۲۹) اور طبرانی نے معجم کبیر (۱/۸۹) میں تخریج کیا، اور ھیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا: اس کو طبرانی نے دوسندوں سے روایت کیا، اور ان دونوں میں ایک کے راوی ابوعبداللہ اشعری صحیح کے راوی ہیں، وہ ثقہ ہیں۔

(۲) **أقول** :مبتدعین کا حدیث پاک: ''**إنک لاتـدري مـاأحدثوا بعدک**'' کہ آپ نہیں جانتے کہ انھوں نے آپ کے بعد کیا نئے کام کیے'' سے حضور اقدس کی نفی علم پر استدلال کسی طرح تام نہیں معاندین خود کو عامل بالحدیث کہتے ہیں اور احادیث پر پختہ ایمان کا دعوی کرتے ہیں مگر ان کا حال یہ ہے کہ اگر ان کی خواہش نفس کے مطابق کوئی حدیث ہے تو اسے قبول کرتے ہیں اور اگر اس حدیث سے ان کے اختراعی مذہب کی ساری بنیادیں منہدم ہوتی ہیں تو اس کا سرے سے انکار کرتے ہیں یہی حال یہاں بھی ہے دراصل باب الحوض والشفاعۃ میں مذکور اصل حدیث یوں ہے:

" ليـردنّ عـلـي أقوام أعرفهم ويعرفونني ثم يحال بيني وبينهم فأقول إنهم مني فيقال إنک لاتدري ماأحدثوا بعدک فأقول سحقاسحقالمن غيّر بعدي''.

ترجمہ:۔''حوض پر ہمارے پاس کچھ قومیں آئیں گی جنھیں ہم پہچانتے ہیں اور وہ ہم کو پہچانتے ہیں۔ پھر ہمارے اور ان کے درمیان آڑ کر دی جائے گی، ہم کہیں گے کہ یہ تو ہمارے لوگ ہیں تو کہا جائے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ انھوں نے آپ کے بعد کیا نئے کام کیے تو ہم فرمائیں گے دوری ہو دوری ہو اس کو جو میرے بعد دین بدلے''۔

ذرا غور فرمائیں خود حضور سارا واقعہ بیان فرما رہے ہیں اور یہ فرما رہے ہیں میں انہیں پہچانتا ہوں تو کیا قیامت کے دن بھول جائیں گے حضور اقدس قیامت کے دن اپنے عاشقوں کو کیوں کر نہ پہچانیں گے جب کہ قرآن کا ارشاد ہے:

﴿يَوۡمَ تَبۡيَضُّ وُجُوۡهٌ وَتَسۡوَدُّ وُجُوۡهٌ﴾[آل عمران-۳:۱۰۶]

(۸) ابوبکرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"**لیردن علی الحوض رجال ممن صحبني، ورآني حتی إذا رفعوا إلي ورأيتهم اختلجوا دوني فلأقولن رب أصحابي أصحابي فيقال إنک لاتدري ما أحدثوا بعدک**" حوض کوثر کے پاس ایسے لوگ آئیں گے جنہیں میری صحبت نصیب ہوئی، اور مجھے دیکھا، یہاں تک کہ جب وہ میرے سامنے پیش ہوں گے، اور میں انہیں

ترجمہ:۔"جس دن کچھ منہ اجالے ہوں گے اور کچھ منہ کالے"۔

نیز اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللّٰهِ﴾ [آل عمران-۳:۱۰۷]

ترجمہ:۔"اور وہ جن کے منہ اجالے ہوئے وہ اللہ کی رحمت میں ہیں"۔

فرمایا:﴿يُعْرَفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمٰهُمْ﴾ [الرحمٰن-۵۵:۴۱]

ترجمہ:۔"مجرم اپنے چہرے سے پہچانے جائیں گے"۔

فرمایا:﴿سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ﴾ [الفتح-۴۸:۲۹]

ترجمہ:۔"ان کی علامت ان کے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے"۔

مشکوۃ باب الحوض میں ہے کہ جنتی مسلمان جہنمی مسلمانوں کو نکالنے کے لیے جہنم میں جائیں گے اور ان کی پیشانی کے داغ سجدہ کو دیکھ کر ان کو جل چکنے کے بعد نکالیں گے اور ان سے فرمایا جائے گا:

"**فمن وجدتم في قلبه مثقال ذرة من خير فأخرجوه**"

ترجمہ:۔"جس کے دل میں رائی کے برابر ایمان پاؤ اس کو جہنم سے باہر نکالو"۔

ناظرین کرام ان مبتدعین کی سفاہت وحماقت ملاحظہ فرمائیں رب العالمین مومنوں اور کافروں کے بارے میں ارشاد فرما رہا ہے کہ وہ اپنی علامتوں سے پہچان لیے جائیں گے اور حدیث پاک اس پر شاہد ہے کہ جنتی مسلمان جہنمی مسلمان کو پہچان کر باہر نکال لیں گے تو کیا مالک جنت شفیع روز محشر ﷺ مومن وکافر کو نہ جانیں گے۔

پھر ذرا غور فرمائیں کہ حدیث کس باب سے متعلق ہے اور اسے کہاں سے جوڑ کر ایک غلط معنی نکالا....جا رہا ہے جس سے صاف صاف ان احادیث کا انکار لازم آتا ہے جن میں صاف تصریح ہے کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ اپنی امت کے احوال جانتے ہیں اپنی ظاہری حیات طیبہ میں بھی اور پردہ فرمانے کے بعد بھی کیوں کہ صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ اپنی قبر انور میں زندہ ہیں جس کی تحقیق وتفصیل گزر چکی المواهب اللدنية میں ہے:

اپنے سامنے خلجان میں دیکھوں گا تو میں ضرور ضرور کہوں گا اے رب! یہ میرے اصحاب، میرے اصحاب ہیں، تو کہا جائے گا کہ آپ وہ بدعتیں نہیں جانتے جنہیں آپ کے بعد انھوں نے ایجاد کیا''۔(۱)
اس حدیث سے صحبت و دیدار دونوں چیزیں ثابت ہیں، اور اس میں ان لوگوں کا رد بھی ہے جنھوں نے حدیث کو امت کے کچھ خاص اشخاص کی طرف پھیر دیا ہے۔

(۹) امام شافعی نے امام مالک پر یہ اعتراض فرمایا کہ انھوں نے حدیث حوض تخریج فرمائی، اور امام مالک کو اس حدیث کی تخریج پر ندامت ہوئی جیسا کہ شرح زرقانی (۹۸/۱) میں فرمایا:
ابن شاکر نے کتاب مناقب الشافعی میں یونس بن عبدالاعلی سے روایت کیا انھوں نے فرمایا کہ: امام شافعی نے موطا کا ذکر کر کے فرمایا کہ ہمیں نہیں معلوم کہ متقدمین میں سے کسی نے کوئی ایسی کتاب تالیف کی جو امام مالک کی موطا اور اس کے مذکورہ اخبار واحادیث سے بہتر ہو۔ آپ نے ایسی روایت ذکر نہ کی جس سے اعراض کیا جائے جیسا کہ دوسرے محدثین نے ایسی روایتوں کو اپنی کتابوں میں جگہ دی، مجھے آپ کے بارے میں نہیں معلوم کہ آپ نے کوئی ایسی حدیث ذکر فرمائی جس میں کسی صحابی کا ذکر کیا گیا ہو ہاں آپ نے یہ حدیث ذکر فرمائی:
''لیذادنّ رجال عن حوضي'' میرے حوض سے کچھ لوگوں کو دور کر دیا جائے گا۔

'' ولاشک أن حیاۃ الأنبیاء علیہم الصلاۃ والسلام ثابتۃ معلومۃ مستمرۃ نبیناصلی اللہ تعالی علیہ وسلم أفضلہم وإذاکان کذلک فینبغي أن تکون حیاتہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم أکمل وأتم من حیاۃ سائرھم''
ترجمہ:۔''بلاشبہ انبیاعلیہم الصلاۃ والسلام کی حیات دائمی طور پر ثابت ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم تمام انبیا سے افضل ہیں تو ضروری ہے کہ آپ کی حیات مبارکہ سب سے افضل، اکمل اور اتم ہو''۔(المواہب اللدنیۃ ۵۸۶/۴ مطبوعہ پوربندر گجرات ۲۰۰۱ء)

(۱) امام احمد نے ابوبکرہ کی حدیث ''أصحابي فیقال إنک لاتدري ما أحدثوا بعدک'' تخریج کی، (۴۸/۵) اور ابن ابوشیبہ (۳۰۷/۶) اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری (۳۸۵/۱۱) میں اس کی اسناد کو حسن کہا۔

مجھے ایک ایسے شخص نے خبر دی جس نے امام مالک سے یہ سنا کہ آپ نے یہ حدیث ذکر کی کہ امام شافعی کی یہ خواہش تھی کہ آپ موطا میں یہ حدیث تخریج نہ کرتے۔

''نہایہ'' میں ہے: ہم کہیں گے کہ: کہ: یہ مبتدعین، دانستہ یا نادانستہ طور پر، ایسی چیز کی تلاش میں رہتے ہیں جس میں نبی پاک ﷺ کی کسر شان ہو، اور جس سے یہ ظاہر ہو کہ آپ ایک عام مردہ محتاج انسان کی طرح ہیں جو اپنی حاجت کے لیے کسی کو پکارتا ہے، اور جو شخص آپ کی زیارت کرتا ہے وہ آپ کو فائدہ پہنچاتا ہے، جس طرح ایک زندیق نے رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں یہ ہرزہ سرائی کی کہ: ''آپ مردہ ہیں، نہ کلام کرتے ہیں، اور نہ استغفار کرتے ہیں، آپ کی وفات کے سبب آپ کا عمل منقطع ہو گیا، آپ اپنی رحلت کے سبب کسی کا کلام نہیں سنتے، اگر کوئی شخص آپ کو پکارتا ہے تو آپ اس کی پکار نہیں سنتے کہ اسے جواب دیں''۔ میں اس زندیق کا نام لینا نہیں چاہتا کیوں کہ اس زندیق کا نام ومقام مشہور ومعروف ہے۔

مجھے اس پر حیرت ہے کہ میں نے بعض ایسے احباب کی تحریریں دیکھیں جو علم حدیث سے اشتغال رکھتے ہیں، اور ابن تیمیہ کا ردان کا محبوب مشغلہ ہے، مگر ان احباب نے ان شنیع کلمات مذکورہ کے قائل کا ذکر کر کے رسول اللہ ﷺ کا صرف دفاع کیا، اور اس قائل کی سفاہت ظاہر نہ کی جب کہ یہ احباب اس قائل کو مبتدع اور مشرک قرار دینے سے احتراز نہیں کرتے۔ ہوسکتا ہے اس گستاخ رسول کی تحریر ان تک نہ پہنچی ہو، ہم ان احباب سے یہ ذکر کریں گے کہ آپ حضرات اسرا اور معراج کی حدیث اپنا نصب العین بنائیں اس لیے کہ اس حدیث میں ایسے سربستہ راز ہیں جنہیں صرف اللہ ہی جانتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس بات کی گواہی دی کہ انبیائے کرام زندہ ہیں، وہ اپنی قبروں کے اندر، مسجد اقصیٰ اور بلند آسمانوں میں طاعات وعبادات کرتے ہیں، ان حضرات نے حضور سے سلام وکلام کیا، اور آپ کے لیے دعا کی ___ جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں مذکور ہے، یہ حضرات اپنی امت کو نصیحت فرماتے ہیں۔ سیدنا ابو بکر صدیق نے ثابت کے وصال کے بعد آپ کو خواب میں دیکھا اور آپ کی وصیت پوری فرمائی۔ اسی طرح عثمان بن عفان نے بیس ۲۰ مملوک غلام آزاد کیے، اور کچھ پائجامے منگا کر انہیں زیب تن

فرمایا جب کہ دور جاہلیت واسلام میں انہیں نہ پہنا ،اور آپ نے فرمایا: بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ، ابوبکر، اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو گزشتہ رات خواب میں دیکھا وہ حضرات مجھ سے فرمارہے تھے: صبر کیجئے کیوں کہ آئندہ سال تم ہمارے پاس افطار کروگے۔ پھر مصحف شریف منگایا اور اسے اپنے سامنے کھولا تو آپ اس حالت میں شہید کردیے گئے کہ قرآن مقدس آپ کے روبرو تھا۔

ہیثمی نے کہا: عبداللہ، اور ابویعلی نے کبیر میں اسے روایت کیا، اور ان دونوں کے رجال ثقہ ہیں۔

جولوگ مسلمانوں کی ذلت وزوال کے اسباب ہیں ان سے بس ہم یہی کہہ سکتے ہیں: ﴿حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾

(۷۳)اس زمانہ میں ابن تیمیہ کے بہت سے اعوان وانصار نے تشہد کا صیغہ ہی بدل ڈالا

نبی پاک ﷺ سے شدید بغض رکھنے والے مبتدعین ہمیشہ ایسی دلیلیں تلاش کرتے رہتے ہیں جن سے یہ معلوم ہو کہ نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس آپ سے خطاب جائز نہیں، ان مبتدعین نے تشہد کا صیغہ ہی بدل ڈالا، یہاں تک کہ یہ لوگ "**السلام علیک أیهاالنبي**" (اے نبی آپ پر سلام نازل ہو) نہیں کہتے، ان مبتدعین نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ایک شاذ روایت سے استدلال کیا، جس میں یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ نے جب رفیق اعلی کی طرف سفر فرمایا تو صحابہ یہ کہتے تھے:" **السلام علی النبي**" (نبی پر سلام نازل ہو) حالاں کہ یہ صحیح نہیں اس لیے کہ خلیفہ ثانی سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے برسر منبر سارے لوگوں کو صحابہ کرام کے عظیم الشان جھرمٹ میں جس تشہد کی تعلیم فرمائی اس کے الفاظ یہ ہیں:"**السلام علیک أیهاالنبي**" اس سے یہ معلوم ہوا کہ تشہد کے اس صیغہ پر سارے صحابہ کا اجماع ہے۔

اورامام مالک نے موطا (۹۰/۱، ۹۱) میں روایت فرمایا: **باب التشهد في الصلاة** (نماز میں تشہد کا باب)

عروہ بن زبیر نے عبدالرحمٰن بن قاری سے روایت کیا کہ آپ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ سے برسر منبر سارے لوگوں کو اس تشہد کی تعلیم دیتے ہوئے سنا:

> **التحيات لله، الزاكيات لله، الطيبات الصلوات لله، السلام عليک أيهاالنبي ورحمة الله وبركاته، السلام علينا وعلى عبادالله الصالحين أشهد أن لاإله إلاالله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله. الخ**

ترجمہ:۔" تمام تحیتیں اللہ ہی کے لیے خاص ہیں، تمام ستھری چیزیں اللہ ہی کے لیے

زیبا ہیں، تمام پاکیزہ چیزیں تمام صلاۃ اللہ ہی کے لیے ہیں، اے نبی! آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں، ہم پر اور اللہ کے تمام نیک بندوں پر سلام نازل ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں''۔ الخ

بہت سے صحابہ کرام سے منقول ہے کہ تشہد میں نبی پاک ﷺ پر جب سلام بھیجا جائے تو ''السلام علیک'' کا لفظ کہا جائے ان حضرات صحابہ میں سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا عمر بن خطاب، سیدہ عائشہ، سیدنا ابوموسی اشعری، عبداللہ بن عمر، ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں، اور صحابہ وتابعین جب مسجد میں داخل ہوتے تو یوں عرض کرتے: ''**السلام عليک أيها النبي ورحمة الله، وبركاته، صلى الله وملائكته على محمد**'' جیسا کہ کثیر صحابہ وتابعین سے یہی [1] مروی ہے۔

(۱) امام قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الشفا میں فرمایا:

'' قال أبو إسحاق بن شعبان وينبغي من دخل المسجد أن يصلي عن النبي صلى الله تعالى عليه وعلى اٰله''

ترجمہ:۔''ابواسحاق بن شعبان نے فرمایا کہ: جو شخص مسجد میں داخل ہو اس کے لیے مناسب ہے کہ نبی ﷺ پر درود وسلام پیش کرے''۔(شفا ۲/۴۴ فصل في مواطن التي يستحب فيها الصلاة والسلام مطبوعہ: پوربندر گجرات)

نیز فرمایا:

''واحتج ابن شعبان لماذكره بحديث فاطمة بنت رسول الله ﷺ أن النبي ﷺ كان يفعله إذادخل المسجد''(شفا ۲/۶۷ مطبوعہ پوربندر گجرات)

ترجمہ:۔''اور ابواسحاق ابن شعبان نے اس کی دلیل فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث پیش کی کہ حضور اقدس مسجد میں داخل ہوتے وقت ایسا ہی فرماتے تھے''۔

امام قاضی عیاض نے مزید فرمایا:

'' عن علقمة إذا دخلت المسجد أقول السلام عليک أيها النبي ورحمة الله وبركاته صلى الله وملائكته على محمد''(شفا ۲/۶۷ مطبوعہ پوربندر گجرات)

ساری امت اور تمام مذاہب اربعہ کا اس پر اجماع ہے کہ نماز کے اندر تشہد میں "السلام علیک أیھاالنبي" پڑھا جائے۔

اب ہم مزید تحقیق وتوضیح کے لیے ائمہ اربعہ کے اقوال پیش کریں گے:

ابومحاسن حنفی نے معتصر المختصر (۱/۵۳،۵۴) میں فرمایا: ابن مسعود نے فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے ایسے ہی تشہد سکھایا جیسا کہ آپ مجھے قرآن کی سورت تعلیم فرماتے تھے:

التحیات لله والصلوات والطیبات السلام علیک أیھاالنبي ورحمة الله وبرکاته، السلام علیناوعلی عبادالله الصالحین أشھدأن لا إله إلاالله وأن محمداً عبده ورسوله.

عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا: یہ کلمات تشہد اس وقت تھے جب آپ ہمارے درمیان جلوہ بار تھے، جب آپ کا وصال ہو گیا تو ہم نے "السلام علی النبي" کہنا شروع کیا عبداللہ ابن مسعود کا یہ فرمانا کہ: "یہ اس وقت

ترجمہ:۔"اور حضرت علقمہ نے فرمایا جب میں مسجد میں داخل ہوتا ہوں تو کہتا ہوں: السلام علیک أیھاالنبي ورحمة الله وبرکاته صلی الله وملائکته علی محمدوآله"۔

اوراسی کتاب الشفا میں یہ بھی ہے:

" عن عائشة وابن عمر أنھما کانایقولان عندسلامھماالسلام علیک أیھاالنبي ورحمة الله وبرکاته السلام علیناوعلی عبادالله الصالحین"(مرجع سابق)

ترجمہ:۔"حضرت عائشہ اور ابن عمر نماز میں سلام کے وقت یہ کہا کرتے تھے: السلام علیک أیھاالنبي ورحمة الله وبرکاته السلام علیناوعلی عبادالله الصالحین".

اوراسی شفا میں یہ ہے:

" استحب أھل العلم أن ینوي الانسان حین سلامه کل عبدصالح في السماء والأرض من الملائکة وبني آدم والجن"(مرجع سابق)

ترجمہ:۔"اہل علم نے اس بات کو مستحب فرمایا کہ نماز میں سلام کے وقت نمازی آسمان وزمین کے تمام بندگان نیک ملائکہ وانسان وجنات کی نیت کرے"۔ (مترجم)

تھا جب آپ جلوہ بار تھے جب آپ کا وصال ہوگیا تو ہم نے ''السلام علی النبي'' کہنا شروع کیا___ یہ منکر ہے صحیح نہیں، اس لیے کہ اس ارشاد کا مقتضی یہ ہے کہ حضور اقدس کے وصال کے بعد تشہد کا صیغہ آپ کی حیات طیبہ کے برخلاف ہے اور یہ اس کے برخلاف ہے جس پر عامہ صحابہ وتابعین وغیرہم کا عمل ہے نیز آثار مرویہ صحیحہ کے بھی خلاف ہے، حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالی عنہما حضور اقدس کے وصال کے بعد لوگوں کو اپنے عہد خلافت میں وہی تشہد تعلیم فرماتے جو حضور اقدس سید عالم ﷺ کی حیات طیبہ میں تھا یعنی ''السلام علیک أیھاالنبي'' اور مجاہد وغیرہ سے غلطی [1] ہوئی۔ اور ابوعبید نے فرمایا کہ: اللہ عزوجل نے اپنے رسول کی اس طرح تکریم فرمائی کہ آپ کے وصال کے بعد آپ پر اسی طرح سلام پیش کیا جاتا ہے جس طرح آپ کی حیات میں آپ پر سلام پیش کیا جاتا، یہ حضور اقدس سید عالم ﷺ کے جملہ خصائص وکمالات سے ہے، اس کا جواز اس سے مستنبط فرمایا کہ نبی پاک ﷺ

(۱) ملا علی قاری نے شرح مشکات میں فرمایا:

''وأما قول ابن مسعود کنانقول في حیاۃ رسول اللہ ﷺ السلام علیک أیھاالنبي فلما قبض علیه السلام قلناالسلام علی النبي فھورواية أبي عوانة ورواية البخاري الأصح منها بينت أن ذلک ليسمن قول ابن مسعود بل من فھم الراوی عنه ولفظھافلماقبض قلناسلام يعني علی النبي فقوله قلناسلام يحتمل أنه أرادبه استمررنابه علی ماکناعليه في حياته، ويحتمل أنه أراد عرضناعن الخطاب وإذا احتمل اللفظ لم يبق فيه دلالة کذا ذکره ابن حجر'' (مرقات شرح مشکات ۵۸۱/۲ کتاب الصلاۃ باب التشھد فیصل پریس دیوبند)

ترجمہ:۔''ابن مسعود نے فرمایا ہم رسول اللہ ﷺ کی ظاہری حیات مبارکہ میں ''السلام علیک أیھاالنبي'' کہا کرتے تھے جب حضور کا وصال ہوگیا تو ہم نے کہا ''السلام علی النبي''، یہ ابوعوانہ کی روایت ہے جو سنن ابوعوانہ میں مروی ہے، اس سلسلے میں اصح روایت امام بخاری کی ہے جس سے ظاہر ہے کہ ''السلام علی النبي'' ابن مسعود کا قول نہیں بلکہ راوی نے ایسا سمجھا ہے اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''فلماقبض قلناسلام يعني علی النبي'' اس میں یہ احتمال ہے کہ آپ کی ظاہری حیات مبارکہ میں جس طرح سلام پیش کرتے تھے اسی طرح بعد میں بھی عمل جاری رہا، اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان کی یہ مراد ہو کہ ہم نے صیغۂ خطاب سے اعراض کیا جب احتمال موجود ہے تو پھر معنی معین پر دلالت باقی نہ رہی، حافظ ابن حجر عسقلانی نے ایسا ہی ذکر کیا''۔ (مترجم)

کے بارے میں مروی ہے کہ آپ قبرستان تشریف لے جاتے تو یہ فرماتے ''السلام علیک دارقوم مومنین'' (اے مومنوں کے گھر تم پرسلام ہو) جب قبرستان کے عامہ مومنین کے بارے میں صیغہ خطاب کے ساتھ سلام پیش کرنا جائز ہے تو نبی اکرم ﷺ کے بارے میں بدرجہ اولی جائز ہوگا، اور یہ قول حسن ہے۔ قاضی عیاض نے فرمایا: لیکن ابوعبید کا قول احسن ہے اس لیے حضور اقدس علیہ الصلاۃ والسلام نے صحابہ کرام کے سامنے قبروالوں پرسلام پیش فرمایا، اور یہ وارد ہے کہ روحیں قبروں کے صحن میں رہتی ہیں''.اھ بحروفه

تشہد کے بارے میں ائمہ کے اقوال وارشادات

حنفیہ:

حنفیہ نے تشہد کا ایسا صیغہ نقل فرمایا جسے مسلمان کے لیے اپنے تشہد میں پڑھنا مناسب ہے، محمد بن حسن تلمیذ امام ابوحنیفہ نے جامع صغیر (۸۳/۱) میں فرمایا: امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ: میں اس میں کوئی حرج نہیں جانتا کہ موذن یہ کہے: ''السلام علیک أیهاالنبي ورحمة الله وبرکاته حيٌّ'' (اے نبی آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں آپ زندہ ہیں''۔

اور محمد بن حسن شیبانی کی مبسوط (۹/۱) میں ہے: میں نے امام ابوحنیفہ سے عرض کیا کہ آپ اس شخص کے بارے میں بتائیں جو نماز میں دوسری اور چوتھی رکعت میں بیٹھے کہ وہ کس طرح تشہد پڑھے آپ نے فرمایا اس طرح پڑھے:

''التحیات لله، والصلوات، والطیبات، السلام علیک أیهاالنبي ورحمة الله وبرکاته، السلام علیناوعلی عبادالله الصالحین أشهدأن لا إله إلاالله وأشهدأن محمداعبده ورسوله''.

اور امام سرخسی کی مبسوط (۲۷/۱) میں ہے: آپ نے فرمایا: تشہد یہ ہے: التحیات لله، والصلوات، والطیبات، السلام علیک أیهاالنبي ورحمة الله وبرکاته، السلام علیناوعلی عبادالله الصالحین أشهد أن لا إله إلاالله وأشهدأن محمدا عبده ورسوله ۔ یہی عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کا تشہد ہے، اور امام شافعی رضی اللہ تعالی عنہ کے نزدیک سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ کا تشہد مختار ہے۔

امام اجل حافظ طحاوی کی شرح معانی الآثار (۲۶۱/۱)، اور ملک العلماء علامہ کاسانی کی بدائع الصنائع (۲۱۱/۱) مطالعہ فرمائیں۔

مالکیہ:

موطاامام مالک (۹۰/۱، ۹۱)

نماز میں تشہد کا باب: عروہ بن زبیر نے عبدالرحمٰن بن عبدالقاری سے روایت کیا کہ آپ نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے برسر منبر لوگوں کو اس تشہد کی تعلیم دیتے ہوئے سنا: **التحيات لله، الزاكيات لله الطيبات الصلوات لله، السلام عليك أيهاالنبي ورحمة الله وبركاته، السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين ، أشهدأن لاإله إلاالله وأشهدأن محمداعبده ورسوله۔**

اور مجھ سے بیان کیا کہ مالک نے عبدالرحمٰن بن قاسم سے روایت کیا کہ ان کے والد قاسم نے عائشہ نبی پاک ﷺ کی زوجہ طیبہ سے روایت کیا کہ عائشہ صدیقہ یہ تشہد پڑھتیں: **التحيات الطيبات، الصلوات الزاكيات لله، أشهد أن لاإله إلاالله وحده لاشريك، وأن محمداعبده ورسوله، السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته، السلام علينا وعلى عبادالله الصالحين،السلام عليكم.**

قاسم بن محمد سے مروی ہے کہ انھوں نے آپ کو یہ خبر دی کہ عائشہ نبی پاک کی زوجہ طاہرہ یہ تشہد پڑھتیں: **التحيات الطيبات، الصلوات الزاكيات لله، أشهد أن لاإله إلاالله وحده لاشريك له، و أشهد أن محمدا عبده ورسوله، السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته، السلام علينا وعلى عبادالله الصالحين،السلام عليكم.**

اور ابن سحنون نے المدونۃالکبری (۱۴۳/۱) میں فرمایا: **ماجاء في التشهد والسلام**'' اس باب میں ان چیزوں کا بیان ہے جو تشہد اور سلام کے بارے میں وارد ہیں۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا: امام مالک نے فرمایا: میرے نزدیک تشہد میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں، ہاں التحیات للہ سے شروع کرے، آپ سیدنا عمر بن خطاب کا تشہد پسند فرماتے، میں نے ابن قاسم سے کہا: جب نمازی بیٹھے تو امام مالک کے قول کے مطابق تشہد اور دعا ان دونوں میں سے کون پہلے پڑھے تو آپ نے فرمایا:

دعا سے پہلے تشہد پڑھے، اور حضرت عمر کا تشہد یہ ہے:

التحيات لله، الزاكيات لله الطيبات الصلوات لله، السلام عليك أيهاالنبي، السلام علينا وعلى عبادالله الصالحين ، أشهدأن لاإله إلاالله وأشهدأن محمداعبده ورسوله.

اورقرطبی نے اپنی تفسیر (۳۶۳/۱) میں کہا: امام مالک نے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تشہد اختیار فرمایا، اوروہ یہ ہے: **التحيات لله ،الزاكيات لله الطيبات الصلوات لله، السلام عليك أيهاالنبي ورحمة الله وبركاته، السلام علينا وعلى عبادالله الصالحين ، أشهدأن لاإله إلاالله وأشهدأن محمداعبده ورسوله** ۔امام شافعی،اور آپ کے اصحاب،اورلیث بن سعد نے ابن عباس کا تشہد اختیار فرمایا آپ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ ہمیں اسی طرح تشہد تعلیم فرماتے جس طرح قرآن کی سورت کی تعلیم دیتے آپ یہ تشہد پڑھتے تھے: **التحيات المباركات،الصلوات الطيبات.**

اورعلامہ شاطبی کی الموافقات (۲۵۶/۲) میں ہے: اور پچیسواں یہ ہے کہ نماز میں حضور اقدس پر سلام پیش کرنا مشروع فرمایا گیا، اس لیے کہ تشہد میں یہ پڑھا جاتا ہے: "**السلام عليك أيهاالنبي ورحمة الله وبركاته السلام عليناوعلى عبادالله الصالحين**".

شافعیہ:

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الام (۱۱۸/۱) میں فرمایا: کوئی شخص تشہد میں اس سے زیادہ نہ پڑھے: **التحيات لله، أشهدأن لاإله إلاالله ، وأشهدأن محمدارسول الله، السلام عليك أيهاالنبي ورحمةالله وبركاته،السلام عليناوعلى عبادالله الصالحين، وصلى على رسول الله،** میرے نزدیک اس تشہد سے زیادہ مکروہ ہے، اورمیری رائے یہ نہیں کہ وہ دوبارہ پڑھے اس لیے کہ اس نے کلمہ شہادت ذکر کیا، نبی پاک ﷺ پر درود بھیجا، اوررسول اللہ ﷺ اوراللہ کے بندوں پر سلام پیش کیا ہے۔

اورآپ نے الرسالۃ (۲۶۸/۱) میں فرمایا: میں نے کہا: ہم کو مالک نے ابن شہاب سے روایت کرکے خبر دی، ابن شہاب نے عروہ سے عروہ نے عبدالرحمٰن بن عبدالقاری سے روایت کی کہ انھوں نے عمر بن خطاب سے

برسرِ منبر یہ فرماتے سنا: آپ لوگوں کو تشہد کی تعلیم دیتے ہوئے فرماتے: پڑھو: **التحيات لله، الزاكيات لله، الطيبات الصلوات لله، السلام عليك أيهاالنبي ورحمة الله وبركاته، السلام علينا وعلى عبادالله الصالحين، أشهدأن لاإله إلاالله وأشهدأن محمداعبده ورسوله.**

امام شافعی نے فرمایا: ہمارے فقہائے صغار میں جو حضرات علم میں ہم سے فائق تھے انھوں نے ہمیں یہی تشہد تعلیم فرمایا پھر ہم نے ان سے ایک اسناد سنی، اور اس کے خلاف ایک دوسری اسناد سنی، تو ہم نے تشہد کے باب میں کوئی مخالف اور موافق ایسی اسناد نہ سنی جو ہمارے نزدیک اس اسناد سے زیادہ مضبوط و مستحکم ہوا گرچہ اس کے علاوہ اسناد بھی ثابت و مستحکم ہے۔

اور شیرازی نے المهذب (۷۸/۱) میں فرمایا: بہتر تشہد یہ ہے کہ اس طرح پڑھے: **التحيات المباركات الصلوات الطيبات لله، سلام عليك أيهاالنبي ورحمة الله وبركاته، سلام عليناوعلى عبادالله الصالحين أشهدأن لاإله إلاالله وأشهدأن محمدارسول الله.**

حنابلہ:

حنابلہ نے تشہد کے بارے میں سیدنا امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالی کے اقوال اس طرح نقل کیے مختصر الخرقی (۲۶/۱) میں ہے:

تشہد میں کلمہ شہادت کے وقت انگشت شہادت کے ذریعہ اشارہ کرے، اور تشہد پڑھے تو یہ کہے: **"التحيات لله والصلوات، والطيبات، السلام عليك أيهاالنبي ورحمة الله وبركاته، السلام علينا وعلى عبادالله الصالحين أشهدأن لا إله إلاالله وأشهدأن محمداعبده ورسوله".** نبی پاک ﷺ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کو یہی تشہد سکھایا''۔

اور ابن تیمیہ کے دادا نے " **المحرر في الفقه** (۶۵/۱) میں کہا: تشہد پڑھے تو یہ کہے: **"التحيات لله، والصلوات، والطيبات، السلام عليك أيهاالنبي ورحمة الله وبركاته، السلام علينا وعلى عبادالله الصالحين أشهدأن لا إله إلاالله وأشهدأن محمداعبده**

ورسوله''. اور انگشت تسبیح کے ذریعہ اپنے تشہد میں بار بار اشارہ کرے۔

اور ابن قدامہ نے المغنی (۳۱۴/۱) میں کہا: مسئلہ: جب تشہد پڑھے تو یہ کہے: ''التحیات لله، والصلوات، والطیبات، السلام علیک أیھاالنبي ورحمة الله وبرکاته، السلام علیناوعلی عبادالله الصالحین أشھدأن لا إله إلاالله وأشھدأن محمداعبده ورسوله'' ۔ نبی پاک ﷺ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہی تشہد تعلیم فرمایا، ہمارے امام کا تشہد مختار یہی ہے۔ اور نبی پاک ﷺ کے اصحاب، اور ان کے بعد کے اکثر اہل علم بھی اسی پر ہیں۔

اور المبدع لابن المفلح (۴۶۳/۱) میں ہے: جب تشہد پڑھے تو یہ کہے: التحیات لله، والصلوات، والطیبات، السلام علیک أیھاالنبي ورحمة الله وبرکاته، السلام علیناوعلی عبادالله الصالحین أشھدأن لا إله إلاالله وأشھدأن محمداعبده ورسوله.''

اور الفروع (۳۸۴/۱) میں ہے: تشہد آہستہ پڑھے، ابن مسعود کی حدیث[1] میں یہ تشہد ہے:

(۱) تشہد ابن مسعود کے بارے میں بخاری شریف میں بطریق شقیق ابن سلمہ اور صحیح مسلم میں بطریق ابووائل ابن مسعود سے مروی ہے:

''کناإذاصلیناخلف النبيا قلناالسلام علی جبریل ومیکائیل السلام علی فلان و فلان فالتفَتَ إلینارسول الله فقال إن الله ھوالسلام فإذاصلی أحدکم فلیقل التحیات لله والصلوات والطیبات السلام علیک أیھاالنبي ورحمة الله وبرکاته السلام علیناوعلی عبادالله الصالحین فإنکم إذاقلتموھاأصابت کل عبدلله في السماء والأرض، أشھدأن لاإله إلا الله وأشھدأن محمدا عبده ورسوله'' (صحیح بخاری کتاب الأذان: باب التشھد في الأخرة. صحیح مسلم کتاب الصلاة: باب التشھد في الصلاة)

ہم نبی پاک ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھتے تو یہ کہتے تھے جبریل ومیکائیل پر سلام ہو، فلاں اور فلاں پر سلام ہو یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا بے شک خود اللہ سلام ہے اس لیے جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھے تو یہ کہے: ''التحیات لله والصلوات والطیبات السلام علیک أیھاالنبي ورحمة الله وبرکاته السلام علیناوعلی عبادالله الصالحین '' جب تم یہ کہو گے تو زمین وآسمان

”التحيات لله، والصلوات، والطيبات، السلام عليک أيهاالنبي ورحمة الله وبركاته، السلام علیناوعلى عبادالله الصالحين أشهدأن لا إله إلاالله وأشهدأن محمداعبده ورسوله.“

اورابن حزم نے المحلی (۴/۶، ۷) میں کہا: ابوسعید بن معلیٰ نے فرمایا: میں نماز پڑھ رہا تھا تو نبی پاک ﷺ نے مجھے دیکھ کر بلایا، میں نماز سے فارغ ہوکر آپ کی خدمت میں آیا آپ نے فرمایا: میرے پاس آنے سے کیا چیز مانع رہی؟ میں نے عرض کیا: میں نماز پڑھ رہا تھا، آپ نے فرمایا: کیا اللہ تعالی نے یہ نہ فرمایا:

﴿ يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ إِذَا دَعَاكُمْ ﴾ [الانفال-۸:۲۴]

ترجمہ:۔”اے ایمان والواللہ ورسول کے بلانے پرحاضر ہو جب رسول تمہیں بلائیں“۔

پھرباقی حدیث ذکرفرمائی توضیح یہ ہے کہ یہ حکم اس وقت کا ہے جب نماز کے اندرکلام کرناحرام فرمادیا گیا، اس لیے کہ ابوسعید نے اس وقت تک جواب نہ دیاجب تک نماز پوری نہ فرمائی، اورصحیح یہ ہے کہ نماز میں نبی پاک ﷺ سے کلام کرنا مباح ہے۔ یہ حکم صرف آپ کے ساتھ خاص ہے، اوراس میں لفظ عموم پرمحمول ہے، اوراہل اسلام کااس پریقینی اجماع ہے کہ نمازی اپنی نماز میں ”السلام عليک أيهاالنبي“ کہے۔

میں اللہ کے تمام نیک بندوں کوسلام پہنچے گا، اورمیں گواہی دیتاہوں کہ عبادت کے لائق صرف اللہ ہی ہے اورمحمد مصطفیٰ ﷺ اللہ عزوجل کے محبوب بندہ اوراس کے برگزیدہ رسول ہیں۔

یہی تشہد مذکورتشہد ابن مسعود ہے جس پرتمام احناف وحنابلہ کاعمل ہے اکثرصحابہ وتابعین کاعمل اسی تشہد پررہااوراس کی تعلیم کا بھی حکم دیا گیاجیسا کہ مسندامام احمد بن حنبل میں مروی ہے:

” عن ابن مسعودقال علمه رسول الله ﷺ التشهدوأمره أن يعلم الناس التحيات لله الخ“

(مسندامام احمدبن حنبل ۱/ ۳۷۶ موسسه قرطبه قاهره مصر)

ابن مسعودرضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں یہ تشہد سکھایااور یہ حکم فرمایا کہ لوگوں کو یہ تشہد سکھائیں۔ (مترجم)

میں کہتا ہوں:

صحابہ اپنے سفر میں رسول اللہ ﷺ سے جسمانی اعتبار سے دور رہتے اور یہ کہتے: **السلام علیک أیها النبي ورحمة الله وبركاته** ۔ اور یہ حضرات اپنے اصحاب کو بھی اس کی تعلیم دیتے، یہ حضرات صحابہ حضور اقدس سید عالم ﷺ کے وصال کے بعد بھی اسی پر قائم رہے کہ دور دراز مقامات سے غائب کو ندا کرتے لیکن افسوس کا مقام یہ ہے کہ دور جدید کے اکثر مبتدعین یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ پردہ فرمانے کے بعد اپنی قبر میں شہدا کی طرح زندہ نہیں ہیں، جو لوگ روضۂ اقدس میں رسول پاک ﷺ کی حیات کو ناپسند کرتے ہیں انہیں اللہ قبیح و ذلیل فرمائے۔

(۷۴) ابن تیمیہ کا یہ دعوی ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس آپ پر سلام پیش کرتا ہے، اور آپ اس کا سلام سن کر جواب دیتے ہیں تو اسے در حقیقت شیطان جواب دیتا ہے، نبی پاک ﷺ جواب نہیں دیتے۔

ابن تیمیہ اس شخص کے بارے میں کیا کہے گا جس نے اسے (خود ابن تیمیہ کو) خواب میں دیکھا، اور اس کے بارے میں کیا کہے گا جسے خواب میں نبی پاک ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔

عتبی ایک جلیل الشان امام ہیں، جن کا واقعہ گزر چکا کہ انھوں نے خواب میں نبی پاک ﷺ کا جلوہ زیبا اور جمال جہاں آرا دیکھا، اس زیارت خواب کے بارے میں ابن تیمیہ کا یہ خیال ہے کہ ایسی چیزیں اس شخص کو پیش آتی ہیں جو اپنے دین میں کمزور ہوتا، اور اس کے اندر نفاق موجود ہوتا ہے، ایسا شخص مؤلفۃ القلوب سے ہے۔

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب **قاعدة في المحبة** (۱/۱۹۱، ۱۹۲) میں کہا:

بعض فقہا نے اعرابی کے متعلق عتبی کی حکایت ذکر کی کہ اس نے نبی پاک ﷺ کی قبر پر حاضر ہو کر عرض کیا: اے خیر البریہ! بے شک اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوٓا أَنْفُسَهُمْ﴾ [النساء-۴:۶۴]

ترجمہ: ''اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں''۔

اور بے شک میں حاضر آیا ہوں، عتبی نے نبی پاک کو خواب میں دیکھا کہ آپ نے انہیں یہ حکم فرمایا کہ اعرابی کے پاس جا کر اسے بخشش کی خوش خبری دے دیں، اس طرح کے واقعات جو نبی پاک اور دیگر صالحین کی قبر کے متعلق ذکر کیے جاتے ہیں، اس شخص کو پیش آتے ہیں جس کے ایمان میں کمزوری ہوتی ہے اور وہ رسول کے مقام و مرتبہ اور آپ کے حکم سے جاہل ہوتا ہے، اگر اس کی حاجت کے سبب اس طرح کی چیزوں سے اسے روکا نہ

کیا گیا تو اس کا ایمان مضطرب ہو جائے گا، اور اس کا نفاق عظیم ہوگا، یہ شخص اس مؤلفۃ القلوب کی طرح ہے جسے نبی کی حیات میں صدقہ وغیرہ دیا جاتا''۔

اس کے برخلاف اگر کوئی شخص ابن تیمیہ کو خواب میں دیکھے تو وہ صالحین میں سے ہے جیسا کہ خود ابن تیمیہ نے اپنے فتاوی (۲/۶۴،۶۵) میں کہا:

''اور اسی لیے ہمارے اصحاب میں سے شیخ صالح یوسف نے مجھ سے بیان کیا کہ انھوں نے مجھے خواب کی حالت میں دیکھا کہ میں ان سے مخاطب ہوں''۔

میں کہتا ہوں: ماشاء اللہ، اس خواب پر کوئی تبصرہ نہیں۔

ابن تیمیہ نے اپنے فتاوی (۲۷/۳۸۸) میں کہا:

''لوگ صحابہ کے زمانہ میں حجرہ کے اندر دروازہ سے داخل ہوتے اس لیے کہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا حجرہ میں ہوتیں، اور اس کے بعد بھی یہی حال رہا یہاں تک کہ دوسری دیوار بنادی گئی اور یہ حضرات آپ کی قبر تک پہنچنے کی قدرت رکھتے ہوئے بھی آپ کے پاس نہ جاتے، نہ آپ پر درود وسلام کے لیے، نہ اپنی خاطر دعا کے لیے، نہ کوئی حدیث یا علم دریافت کرنے کے لیے، اور نہ ہی شیطان نے ان کے ساتھ یہ خواہش کی کہ انہیں کوئی کلام یا سلام سنائے جس سے انہیں یہ گمان ہو کہ سرکار (علیہ الصلاۃ والسلام) نے ان سے کلام کیا، انہیں حکم شرع بتایا، اور ان سے حدیثیں بیان کیں، یا ان کے سلام کا جواب ایسی آواز سے دیا جو حجرہ کے باہر سننے میں آئی جیسا کہ شیطان نے دوسرے لوگوں کے ساتھ ایسا کیا، اور آپ کی قبر، اور دوسروں کی قبروں کے پاس انہیں گمراہ کیا اس لیے کہ انہیں بظاہر یہ گمان ہوا کہ صاحب قبر انہیں حدیث، اور حکم شرع بتاتے، کسی چیز کا حکم دیتے، کسی چیز سے منع کرتے، اور قبر سے باہر آکر اپنا دیدار کراتے ہیں''۔

ابن تیمیہ نے اپنے فتاوی (۲۷/۳۹۱،۳۹۲) میں کہا:

''شیطان نے ان (صحابہ) کے ساتھ یہ خواہش وطمع نہ کی کہ ان کے پاس آ کر یہ کہے: میں اللہ کا رسول ہوں، یا قبر کے پاس ان سے مخاطب ہو، جیسا کہ ان حضرات کے بعد حضور اقدس، اور دوسروں کی قبروں کے پاس بعض لوگوں کو ایسے حالات پیش آئے، جس طرح اکثر وبیشتر مشرکین ومبتدعین کو ان کے ان شیوخ کی موت کے بعد یہ حالات پیش آتے ہیں جن کی وہ تعظیم کرتے ہیں، پھر اس کے ذرا بعد کہا، کچھ لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ حجرہ شق ہوا، نبی پاک (ﷺ) حجرہ سے باہر تشریف لائے، اور آپ اور آپ کے صاحبین نے ان سے معانقہ کیا، اور کچھ لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ حضور نے بآواز بلند ان سے سلام کیا یہاں تک کہ آپ کے سلام کی آواز چند دنوں کی مسافت اور دور دراز مقام تک سنائی دی، اور اس طرح کی باتیں، پھر اس کے ذرا بعد کہا، ابن عمر جب سفر سے آتے روضۂ اقدس پر سلام عرض کرتے مگر آپ نے کبھی یہ نہ کہا کہ آپ نے سلام کا جواب سنا، اور یہی حال تابعین اور تبع تابعین کا تھا، اس طرح (سلام سننے) کی باتیں صرف بعض متأخرین کی طرف سے رونما ہوئیں''۔

اور اپنی کتاب **الجواب الصحیح** (۳۴۸/۳) میں کہا:

''کبھی بیداری میں بعض لوگ کسی شخص کو دیکھتے ہیں جو ان سے یہ کہتا ہے: میں ہی خلیل، یا میں ہی موسی یا میں ہی مسیح، یا میں ہی محمد یا میں ہی فلاں صحابی یا فلاں حواری ہوں، وہ اسے فضا میں پرواز کرتے دیکھتے ہیں، ایسی چیزیں صرف شیاطین کی طرف سے ہوتی ہیں، اور یہ صورت ان مقدس ہستیوں کی صورت جیسی نہیں ہوتی، نبی نے فرمایا: ''**من رآني في المنام فقد رآني حقا فإن الشيطان لايتمثل في صورتي**''، جس شخص نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے واقعی دیکھا کیوں کہ شیطان میری صورت میں نہیں آ سکتا، اس سے یہ معلوم ہوا کہ خواب میں آپ کا دیدار حق ہے، لیکن بیداری میں چشم سر سے نہ تو آپ کا دیدار ہوسکتا ہے اور نہ ہی اور کسی مردہ کا، حالاں کہ بہت سے لوگ بیداری میں ایک شخص کو دیکھتے

ہیں جسے نبی گمان کرتے ہیں، انہیں یہ دیدار یا تو آپ کی قبر یا کسی اور کی قبر کے پاس ہوتا ہے، اور کبھی یہ دیکھتے ہیں کہ قبر شق ہوگئی اور اس سے ایک انسان کی صورت نمودار ہوئی، جسے یہ گمان کر لیتے ہیں کہ خود مردہ اپنی قبر سے ظاہر ہوا ہے یا اس کی روح جسم بن کر قبر سے باہر آتی ہے، حالاں کہ یہ صرف ایک جن ہے جو اس مردہ کی صورت میں اس لیے آیا تا کہ دیکھنے والے کو گمراہ کردے''۔

میں کہتا ہوں:

ہم اولا ابن تیمیہ کے اس کلام سے بیزار ہیں کہ جب کوئی رسول اللہ ﷺ سے سلام کرتا ہے تو شیطان ہی اس سلام کا جواب دیتا ہے، اور زیارت کرنے والا شیطان کے سلام کا جواب سنتا ہے۔

اسی طرح اس کے اس کلام سے بھی بیزار ہیں: ''اور بیداری میں چشم سر سے نہ حضور کا دیدار ہوسکتا ہے اور نہ ہی کسی مردہ کا''، ہم اس کے الفاظ وافکار اور ان گستاخیوں سے بیزار ہیں جن کی طرف وہ اشارہ کر رہا ہے۔

اے کاش! ہمارے جلیل الشان علمائے کرام اس گستاخ ودریدہ دہن کا حکم بے نقاب فرماتے!

یہ کہنا کہ ابن تیمیہ کو اس بات کا علم نہیں کہ اللہ اپنے نبی ﷺ کا حافظ ہے، اور اس کا یہ گمان ہے کہ نبی ﷺ اپنی قبر میں مقید ومحبوس ہیں (مجھے اس کے اس لفظ پر بھی افسوس ہے) یہ ایسا گستاخانہ کلام اور ایسی بے ادبی ہے جو عفو ودرگزر کے لائق نہیں۔

ہم کہتے ہیں:

بحالت بیداری نبی پاک ﷺ کی زیارت کے انکار کی کیا وجہ ہے، کیا ابن تیمیہ کے اس انکار پر کوئی نص ہے جو اس دیدار سے مانع ہے؟

کیا کسی صحابی یا ائمہ اربعہ میں سے کسی امام نے یہ فرمایا ہے کہ بحالت بیداری آپ کا دیدار ممکن نہیں؟

آخر ابن تیمیہ حضور اقدس سید عالم ﷺ کی اس حدیث سے کیوں تجاہل کر رہا ہے جس میں آپ نے فرمایا:

'' من رآني في المنام فسيراني في اليقظة''.

ترجمہ:۔''جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ عنقریب بیداری میں مجھے دیکھے گا''۔

یہ حدیث صحیح ہے جسے بخاری (۲۵۶۷/۶) ومسلم (۱۷۷۵/۴) نے روایت کیا۔

یہ حدیث اس موضوع پر نص جلی ہے، ائمہ کی ایک عظیم جماعت نے اسی پر افتا فرمایا، ان شاء اللہ تعالیٰ ہم عنقریب ان حضرات کے اسمائے گرامی ذکر کریں گے۔

پھر ابن تیمیہ اس سے کیوں تجاہل کر رہا ہے جسے امام احمد وغیرہ نے زہد میں بہت سے صالحین کے متعلق ذکر فرمایا کہ وہ حضرات اپنے وصال کے بعد اپنی قبروں میں قرآن کریم تلاوت فرماتے، اور نمازیں ادا کرتے، ان صالحین میں ثابت بنانی بھی ہیں، جیسا کہ مزی نے تہذیب الکمال میں ان کے حالات ذکر کرتے ہوئے لکھا، جو شخص ان صالحین کی زیارت کرتا ان سے ان کا کلام بھی سماعت کرتا۔ بلکہ ابن عباس کی بھی ایک حدیث ہے (جسے ترمذی ۱۶۴/۵ نے روایت کیا، اور فرمایا: حسن غریب ہے) کہ: نبی پاک ﷺ کے ایک صحابی نے ایک قبر پر اپنا خیمہ لگایا، اور ان کے گمان میں نہ تھا کہ یہاں کوئی قبر ہے، اچانک ایک انسان اس قبر میں سورہ ''تبارک الذي بيده الملک'' تلاوت کر رہے تھے، انھوں نے پوری سورت تلاوت کی، آپ نے نبی پاک ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کیا یا رسول اللہ: ایک قبر پر میں نے اپنا خیمہ لگایا اور میرا گمان نہ تھا کہ وہاں کوئی قبر ہے، اچانک اس میں ایک انسان نے پوری سورہ ''**تبارک الذي بيده الملک**'' تلاوت کی اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''**هي المانعة هي المنجية تنجيه من عذاب القبر**''.

ترجمہ:۔''یہ سورت مانع عذاب اور نجات دلانے والی ہے، اس انسان کو قبر کے عذاب سے نجات دلاتی ہے''۔

یہ حدیث اگرچہ لیّن (غریب) ہے لیکن اس کی بہت سی شاہد حدیثیں ہیں، بہر حال یہ حدیث ابن تیمیہ کی بکواس سے بہتر ہے۔

کیا امام احمد دجال اور شعبدہ باز تھے کہ انھوں نے ایک ایسے شخص کے مناقب کا ذکر فرمایا جس نے اپنی رحلت کے بعد اپنی قبر میں قرآن کی سورت تلاوت کی، اور زیارت کرنے والوں نے اس کی تلاوت سنی؟

مقام حیرت یہ ہے کہ ابن تیمیہ نے سعید بن مسیّب کے اس واقعہ کا اقرار کیا جس میں یہ ہے کہ انھوں نے جنگ حرہ کے ایام میں رسول اللہ ﷺ کی قبر سے اذان کی آواز[1] سنی۔

ابن تیمیہ نے اپنے مجموعۂ فتاوی (۲۸۰/۱۱، ۲۸۱) میں کہا:

''اورسعید بن مسیّب حرہ کے ایام میں نماز کے اوقات میں رسول اللہ ﷺ کی قبر سے اذان کی آواز سنتے، حالاں کہ مسجد نمازیوں سے خالی ہوتی، اس میں آپ کے سوا کوئی دوسرا شخص نہ ہوتا''۔

ذرا ابن تیمیہ کے اس تناقض پر نظر رکھیں۔

ابن تیمیہ نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ بعض امور غیبیہ یا معانی لطیفہ خفیہ کی معرفت جائز ہے، جیسا کہ اس

(۱) امام دارمی نے اپنی سنن میں سعید بن عبد العزیز سے نقل کیا کہ حرہ کے ایام میں مسجد نبوی شریف میں تین روز تک اذان موقوف رہی، سب لوگ مسجد کے باہر تھے حضرت سعید بن مسیّب مسجد کے اندر تھے حضرت سعید فرماتے ہیں کہ: جب ظہر کا وقت آیا تو میں نے قبر انور سے اذان سنی پھر تو ہر نماز کے وقت قبر انور سے اذان و اقامت کی آواز آنے لگی یہاں تک کہ لوگ واپس آ گئے اور موذن لوٹ آئے۔(سنن دارمی باب ما أكرم الله تعالى به نبيه بعد موته ۵۶/۱ دار الکتب العربي بیروت ۱۴۰۷ھ)

ابن سعد نے طبقات میں ذکر کیا کہ ابن مبارک نے سعید بن مسیّب سے روایت کیا:

" ليس يوم إلا يعرض على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أعمال أمته غدوة وعشية فيعرف بسيماهم وأعمالهم فلذلك يشهدلهم"

ترجمہ:۔''ہر دن صبح و شام نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی بارگاہ میں آپ کی امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں تو ان کے اعمال اور نشانیوں سے آپ انھیں پہچان لیتے ہیں اسی لیے آپ اپنی امت کے شاہد و گواہ ہیں''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" مامن أحديسلم علي إلا ردالله روحي حتى أرد عليه السلام " (سنن ابوداؤد ۲۱۸/۲ باب زیارۃ القبور دار الفکر بیروت)

ترجمہ:۔''جو شخص بھی مجھ پر سلام پیش کرتا ہے تو اللہ میری روح لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں''۔ (مترجم)

نے اپنے مجموعۂ فتاوی (۲۸۶/۲۵) میں لیلۃ القدر پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

''حدیث میں کچھ مشہور علامتیں مذکور ہیں، اور لیلۃ القدر کی علامتوں کے بارے میں مروی ہے کہ وہ سپیدۂ صبح کی طرح روشن رات ہے، نہ بہت گرم اور نہ بہت سرد، کبھی اللہ تعالی خواب ، یا بیداری میں بعض شخصیتوں کو اس کا کشف عطا فرما دیتا ہے، جس سے وہ اس رات کے انوار مشاہدہ فرماتے ہیں، یا ایسے شخص کا دیدار کرتے ہیں جو ان سے یہ کہتے ہیں کہ یہ شب قدر ہے، اور کبھی اس کے قلب پر ایسا مشاہدہ کھول دیتا ہے جس سے معاملہ خوب روشن ہوجاتا ہے۔ واللہ تعالی اعلم''

میں کہتا ہوں: کیا انسان بیداری میں لیلۃ القدر دیکھ لیتا ہے، اور نبی پاک ﷺ کا دیدار پر انوار نہیں کرسکتا۔

(۷۵) بحالت بیداری نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دیدار یا آپ کے کلام سننے کی دلیل

ہم ابن تیمیہ کے رد میں کہتے ہیں:

(۱) تمام مخلوق کی موت محض عدم نہیں، بلکہ ان کی موت خلق و وجود کی قسموں میں سے ایک قسم ہے، اللہ عز وجل نے سورۂ تبارک میں فرمایا:

﴿الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ﴾ [الملک-۶۷:۲]

ترجمہ:۔''وہ جس نے موت اور زندگی پیدا کی''۔

جب عام مخلوق کا یہ حال ہے تو شہدا اور انبیا کی حیات کی کیا شان ہوگی، اسرا اور معراج کا واقعہ بھی فراموش نہ کرنا چاہئے کہ خدائے رحمٰن کے خلیل ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور کی طرف اپنی پشت اقدس کو ٹیک لگائے ہوئے ہیں، آدم وموسیٰ علیہما السلام اشک بار ہیں، اور موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں مصروف نماز ہیں، اور مسلم کی روایتوں میں ہے، ہر آسمان پر پوچھنے والے پوچھتے یہ کون ہیں؟ تو کہا جاتا: جبریل، تو پوچھا جاتا: اور ان کے ہمراہ کون ہیں؟ تو کہا جاتا: محمد (ﷺ) ہیں، تو پوچھا جاتا: کیا ان کے پاس بھیجے گئے ہیں، پھر ہر نبی اپنے آسمان پر نبی پاک ﷺ کے لیے دعا کرتا، اور ان میں سے کچھ حضرات امت کو نصیحت کرتے جیسا کہ خلیل علیہ السلام کہ آپ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ ساری جنت پست ہموار ہے، اور اس کی شجرکاری سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله أكبر۔

نبی پاک ﷺ ان انبیا، فرشتوں، جنوں، مردوں کا کلام اور وہ کلام بھی سنتے ہیں جسے زندہ انسان اپنے جی میں کہتے ہیں، صحابہ کرام کبھی کڑی آواز کی طرح سنتے نبی پاک ﷺ نے صحابہ سے فرمایا:

" ما وصل قعر جهنم إلا الأن " ترجمہ:۔''وہ جہنم کی گہرائی میں اب جا پہنچا۔''

(۲) بخاری (۲۵۶۷/۶) ومسلم (۱۷۷۵/۴) نے ابو ہریرہ سے تخریج کی کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

" من رائني في المنام فسيراني في اليقظة"

ترجمہ:۔"جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ مجھے عنقریب بیداری میں دیکھے گا"۔

ابن تیمیہ نے قرآن وسنت کے حوالہ سے کوئی ایسی دلیل ذکر نہ کی جس سے اس نص یا اس کے روشن معنی کا رد ہو۔

ہم عنقریب ان حضرات کے اقوال ذکر کریں گے جنھوں نے اس حدیث وغیرہ سے یہ استدلال فرمایا کہ بحالت بیداری نبی پاک ﷺ کا دیدار جائز ہے۔

(۳) ضمرہ بن ثعلبہ سے مروی ہے کہ آپ نے نبی پاک ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کیا: میرے لیے شہادت کی دعا فرمائیں تو نبی پاک انے یہ دعا فرمائی:

" اللهم حرم دم ابن ثعلبة على المشركين والكفار"

ترجمہ:۔"اے اللہ! کفار ومشرکین پر ابن ثعلبہ کا خون حرام فرما"۔

ضمرہ کہتے ہیں: میں قوم پر حملہ کرتا تو ان کے پیچھے مجھے نبی پاک ﷺ نظر آتے، تو ان سے کہا گیا اے ابن ثعلبہ! تمہیں دھوکہ دیا جاتا ہے، اور تم دشمنوں پر حملہ کر دیتے ہو، تو فرمایا کہ: نبی پاک ﷺ مجھے ان کے پیچھے نظر آتے ہیں تو میں ان پر حملہ کرتا ہوں یہاں تک کہ آپ (ﷺ) کے پاس پہنچ جاتا ہوں، پھر میرے اصحاب مجھے نظر آتے ہیں تو میں چلتا ہوں یہاں تک کہ اپنے اصحاب کے ساتھ ہو جاتا ہوں، راوی نے کہا: آپ اپنے زمانہ میں ایک عرصہ دراز تک زندہ رہے۔[1]

میں کہتا ہوں: یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بحالت بیداری نبی پاک ﷺ کا دیدار جائز ہے، صحابی جلیل ضمرہ بن ثعلبہ کے کلام سے یہ واضح ہے کہ نبی پاک ﷺ دشمن کے پیچھے انہیں نظر آتے تھے۔ **فافهم**

(۱) ضمرہ کی حدیث طبرانی نے معجم کبیر (۳۰۸/۸) میں تخریج کی، اور مسند الشامیین (۲۹۸/۲) میں بھی اس کی تخریج موجود ہے، ھیثمی نے مجمع الزوائد (۳۷۹/۹) میں کہا: طبرانی نے اس کو روایت کیا، اس حدیث کی اسناد حسن ہے۔ اور ان کی حدیث ابن حبان نے **الثقات** (۲۰۰/۳) میں ذکر کیا، اور ابن حجر نے **الإصابة** (۴۸۸/۳) میں اس قصہ کو ذکر کیا اور **تعجیل المنفعة** (۱۹۷/۱) میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے۔

(۴) سیدہ عائشہ نے فرمایا: جب لوگوں نے نبی پاک ﷺ کے غسل کا ارادہ کیا تو صحابہ نے باہم ایک دوسرے سے کہا خدا کی قسم ہمیں نہیں معلوم کہ ہم رسول اکرم ﷺ کے جسم اطہر سے آپ کے لباس کو اتار کر غسل دیں، جیسا کہ ہم اپنے مردوں کو نہلاتے ہیں یا آپ کو آپ کے لباس کے اندر ہی غسل دیں، جب صحابہ میں اختلاف ہوا تو اللہ نے ان پر نیند کو مسلط فرمادیا یہاں تک کہ کوئی شخص نہ تھا مگر اس کی ٹھوڑی اس کے سینہ پر تھی، پھر گھر کے ایک گوشہ سے ایک نامعلوم اجنبی نے انہیں بتایا کہ: نبی ﷺ کو آپ کے لباس کے ساتھ غسل دیں، تو صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کو اس طرح غسل دیا کہ آپ کی قمیص آپ کے جسم اقدس پر تھی، لوگ قمیص کے اوپر سے پانی ڈالتے اور اپنے ہاتھوں کے بجائے قمیص سے بدن اقدس کو ملتے۔ عائشہ صدیقہ نے فرمایا: اگر میں پہلے سے اپنا وہ معاملہ کرلیتی جو بعد میں کیا تو آپ کی ازواج ہی آپ کو غسل دیتیں۔[1]

میں کہتا ہوں:

ذرا دیکھیں ان صحابہ کبار نے ایک ایسے شخص کی آواز سنی جس کے بارے میں انہیں یہ نہیں معلوم کہ وہ کون صاحب ہیں، اس شخص نے نبی پاک ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرام کو اپنے نبی کی تعظیم بتائی، اور یہ ایک خاص مسئلہ ہے کہ نبی پاک کے جسد اقدس کے ساتھ کیسا معاملہ کیا جائے، اور آپ کے جسم اطہر سے آپ کے لباس اقدس کو نہ اتارا جائے۔

ہم اہل سنت و جماعت میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتے جنھوں نے یہ کہا ہو کہ شیطان نے ان صحابہ کبار کو دھوکا وفریب دیا، یا ان سے تضحیک کی، یا شیطان نے انہیں مضحکہ بنایا جیسا کہ گزشتہ سطور میں ابن تیمیہ کی ناپاک جسارت گزری۔

(۱) نبی پاک ﷺ کے غسل کی حدیث ابوداؤد (۱۹۶/۳)، اسحاق بن راھویہ (۳۷/۲)، ابن سعد نے الطبقات (۲۷۶/۲)، ابن الجارود نے المنتقی (۱۳۶/۱) میں، ابن حبان (۵۹۵/۱۴، ۵۹۶)، حاکم (۶۱/۴)، بیہقی نے سنن کبری (۳۸۷/۳)، اور ابن عبدالبر نے تمہید (۴۰۰/۲۴، ۴۰۱) میں ذکر کیا جیسا کہ امام مالک نے (۲۳۱/۱) اسے مرفوعا روایت کیا۔

(۵) صحابہ ملائکہ کی روحانیت دیکھتے تھے۔

حدیث پاک میں وارد ہے کہ صحابہ نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا کہ نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں تعلیم امت کے لیے انسانی پیکر میں حاضر ہوئے، عمر بن خطاب نے فرمایا: اسی درمیان ہم صحابہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں ایک روز حاضر تھے کہ اچانک ہمارے سامنے ایک شخص نمودار ہوئے جن کا لباس خوب سفید، اور بال سخت سیاہ تھے، ان پر سفر کے آثار دکھائی نہ دیتے، وہ نبی پاک ﷺ کے پاس اس طرح بیٹھے کہ اپنے دونوں گھٹنے حضور اقدس کے دونوں گھٹنوں کی طرف ٹیک دیے اور اپنی دونوں ہتھیلیاں اپنے دونوں رانوں پر رکھ کر عرض کیا: اے محمد! (صلی اللہ تعالی علیہ وسلم) مجھے اسلام کے بارے میں بتایئے........(آخری حدیث تک)

سیدہ ام سلمہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے بھی آپ کو دیکھا۔

اور سورہ مریم میں ہے:

﴿فَأَرْسَلْنَآ إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا﴾ [مریم-۱۹:۱۷]

ترجمہ:۔''تو اس کی طرف ہم نے اپنا روحانی (جبریل علیہ السلام) بھیجا''۔

(۶) امام مسلم نے مطرف سے روایت کیا، آپ نے فرمایا: مجھ سے عمران بن حصین نے فرمایا میں آپ کو ایک حدیث سناتا ہوں امید کہ اللہ آپ کو اس سے نفع بخشے، اور آپ مجھ سے سلام کیا کرتے تھے یہاں تک کہ میں نے اپنے آپ کو داغ دیا تو انھوں نے مجھے سلام کرنا چھوڑ دیا۔ پھر میں نے داغنا چھوڑ دیا تو آپ پھر سلام کرنے لگے۔[۱]

میں کہتا ہوں: کسی صحابی، اور تابعی اور اہل سنت و جماعت کے کسی شخص نے کیا یہ کہا کہ عمران بن حصین مضحکہ خیز تھے، ان پر ہنسا گیا، یا یہ کہ شیطان نے آپ سے یہ خواہش و طمع کی، جیسا کہ ابن تیمیہ نے کہا۔

(۷) نبی پاک ﷺ نے اس امر کی طرف اشارہ فرمایا کہ ملائکہ کو آسانی دیکھنا ممکن ہے، بشرطیکہ وہ ہمیشہ

(۱) اس حدیث کو امام احمد (۴/۴۲۷) امام مسلم (۲/۸۹۹) اور ابن حبان (۹/۲۴۵) نے روایت کیا۔

ذکر الٰہی اور اسی حال پر رہیں جس حال میں نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں رہتے ہیں۔

امام مسلم نے حنظلہ اسیدی سے تخریج کی، آپ نے فرمایا: (یہ رسول اللہ ﷺ کے کاتبوں میں سے تھے) مجھ سے ابوبکر نے ملاقات کی تو فرمایا: اے حنظلہ! آپ کیسے ہیں؟ میں نے کہا: حنظلہ نے نفاق کیا، آپ نے فرمایا: سبحان اللہ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں نے کہا: ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہتے ہیں، آپ ہم سے جنت وجہنم کا اس طرح ذکر فرماتے کہ معلوم ہوتا کہ وہ دونوں ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں، پھر جب ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ سے نکل کر باہر آئے تو ازواج، واولاد، اور جائدادوں نے ہمیں ایسا گھیر لیا کہ ہم بہت کچھ بھول گئے، ابوبکر نے فرمایا: خدا کی قسم بے شک ہمارے ساتھ بھی ایسا ہوتا ہے، اس کے بعد ہم اور ابوبکر دونوں چلے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! حنظلہ نے نفاق کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**وما ذاک**" اور وہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم آپ کی خدمت میں رہ کر آپ سے جنت وجہنم کا ایسا ذکر سنتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں پھر جب ہم آپ کی خدمت سے جاتے ہیں تو ازواج واولاد وجائداد ہمیں ایسا گھیر لیتے ہیں کہ بہت کچھ بھول جاتے ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**والذی نفسي بيده لوتدومون على ماتكونون عندي وفي الذكر لصافحتكم الملائكة على فرشكم وفي طرقكم ولكن ياحنظلة ساعة وساعة ثلاث مرات**" قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر تم ہمیشہ اسی حال پر رہو جس حال پر میرے پاس رہتے ہو اور ہمیشہ ذکر میں رہو تو ضرور ملائکہ تمہارے بستروں، اور تمہارے راستوں پر تم سے ملاقات کریں گے اور لیکن اے حنظلہ! تھوڑی دیر اور تھوڑی دیر سرکار نے تین مرتبہ (فرمایا)۔(۱)

---

(۱) امام احمد (۳۰۴/۲)، مسلم (۲۱۰۶/۴)، ترمذی (۶۶۶/۴)، ابن ماجہ (۱۴۱۶/۲)، ابن حبان (۵۵/۲) اور ضیا مقدسی (۱۴/۵) نے اس کی تخریج کی۔

میں کہتا ہوں:

بعض صالحین نے اس سے یہ استدلال فرمایا کہ سالک ، عابد، ناسک، یا مرید کو جو بھی نیکی اور بھلائی حاصل ہوتی ہے وہ نبی پاک ﷺ کے باب کرم سے ہی ملتی ہے، اس لیے کہ اللہ عزوجل کی بارگاہ تک رسائی آپ ہی کے وسیلہ سے ہوتی ہے۔

اوران حضرات نے حضوراقدس ﷺ کے ارشاد: ''**لو تدومون علی ماتکونون عندي**''(ترجمہ:۔''اگرتم لوگ ہمیشہ اسی حال پر رہو جس حال میں ہمارے پاس رہتے ہو'') سے یہی سمجھا۔

(۸) امام مسلم نے ابو ہریرہ سے تخریج کی کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ''ہمارے درمیان کے ایک بیابان میں ایک شخص تھے، انھوں نے ایک بادل کے اندر سے یہ آواز سنی ''فلاں کا باغ سیراب کرو'' پھر اس بادل نے دور جا کر اپنا سارا پانی سیاہ پتھروں والی زمین پر انڈیل دیا اور اچانک ان کشادہ وادیوں میں سے ایک کشادہ وادی نے وہ سارا پانی گھیر لیا، پھر اس شخص نے اس پانی کو تلاش کیا تو اچانک ایک شخص اپنے باغ میں کھڑے ہوکر وہ پانی کدال کے ذریعہ باغ میں منتقل کر رہا تھا، تو اس شخص نے اس سے کہا: اے اللہ کے بندے! آپ کا نام کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا فلاں جو نام اس نے بادل کی آواز سے سنا تھا تو اس نے اس سے کہا: اے بندۂ خدا آپ مجھ سے میرا نام کیوں پوچھ رہے ہیں تو اس نے کہا: جس بادل کا یہ پانی ہے اس بادل سے میں نے ایک آواز سنی اس نے تمہارا نام لے کر کہا فلاں کا باغ سیراب کرو، اس باغ میں آپ کیا کرتے ہیں؟ انھوں نے کہا: جب آپ نے پوچھ لیا تو سن ہی لیجئے میں باغ کی پیداوار کا حساب لگا کر اس میں سے ایک تہائی حصہ راہ خدا میں صدقہ کرتا ہوں، میں اور میرے بچے ایک تہائی کھاتے ہیں اور ایک تہائی پیداوار باغ میں چھوڑ دیتا ہوں۔[۱]

میں کہتا ہوں: رسول اللہ ﷺ نے ان سے یہ نہ فرمایا کہ جس آدمی نے بادل سے ایسی آواز سنی اس سے

---

(۱) امام احمد (۲۹۶/۲)، مسلم (۲۲۸۸/۴)، طیالسی (۳۳۷/۱) اور ابن حبان (۱۴۲/۸) نے اس کی تخریج کی، اور بیہقی نے شعب الایمان (۲۳۱/۳) میں اسے روایت کیا۔

مذاق واستہزا اور ٹھٹھا کیا گیا، یا یہ کہ شیطان نے اس کے ساتھ ایسی خواہش وطمع کی، جیسا کہ ابن تیمیہ نے کہا۔

(۹) عبداللہ ابن عمر نے فرمایا: عمر نے ایک لشکر روانہ فرمایا، اور اس لشکر کا سالار ایک ایسے شخص کو بنایا جسے ساریہ کہا جاتا، عمر نے اپنے خطبہ کے دوران تین بار یا سارية الجبل (اے ساریہ! پہاڑ سے ہوشیار) کہہ کر پکارا، پھر لشکر کا قاصد آیا، اور عمر نے اس سے حالات پوچھے تو اس نے کہا: اے امیر المومنین! ہماری شکست ہو رہی تھی کہ اس درمیان ہم نے ایک منادی کی آواز: ''یا سارية الجبل'' تین بار سنی تو ہم نے اپنی پیٹھ پہاڑ کی طرف ٹیک دی اور اللہ نے مشرکین کو شکست دی، راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمر سے لوگوں نے کہا کہ وہ آواز آپ ہی کی تھی۔(۱)

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ اور اس کے اعوان وانصار پر افسوس ہے کہ وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ کی آواز چند دنوں اور ہفتوں کی مسافت تک ایک لحظہ میں پہنچ رہی ہے اور ہزار کیلومیٹر کی دوری سے سنائی دیتی ہے لیکن نبی پاک ﷺ کو والعیاذ باللہ تعالیٰ اس بات سے عاجز گمان کرتے ہیں کہ آپ اپنا سلام اپنے اس عاشق کو سنائیں جو آپ کی بارگاہ میں آ کر آپ کو سلام کرتا ہے (**نستغفر الله تعالى من هذا القول**)

(۱۰) ائمہ کرام نے غیبی آوازوں کی سماعت، صالحین کرام کی کرامت، اور ملائکہ وجن کا کلام سننے کے بارے میں کتابیں تالیف فرمائیں، یہاں تک کہ حافظ ابن ابوالدنیا کی مشہور زمانہ کتاب کا نام ''**الهواتف**''

---

(۱) بیہقی نے الاعتقاد (۳۱۴/۱)، اور لالکائی نے کرامات الاولیاء (۱۲۰/۱) میں اس کی تخریج کی، اور حافظ ابن حجر نے الاصابة (۶،۵/۳) میں فرمایا: اس کی اسناد حسن ہے۔ اور عجلونی نے کشف الخفاء (۵۱۵/۲) میں اس کو برقرار رکھا، اور کہا: اس کی اسناد حسن ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے حسن فرمایا۔ اور خود ابن تیمیہ کو اس واقعہ کا اقرار ہے کہ کم از کم اس نے آٹھ مرتبہ اسے ذکر کیا جیسا کہ اس کی ان کتابوں سے واضح ہے (دقائق التفسیر ۱۴۰/۲، الرد علی البکری ۹۶/۱، النبوات ۲۹۱/۱، منہاج ۶۴/۶، ۱۹۷/۸، ۲۰۴)۔

اسی باب میں ہے۔

(۱۱) امت کے جن افراد نے نبی پاک ﷺ کا جواب سنا ان کی تعداد کا کوئی شمار نہیں، اور امت محمدیہ گمراہی پر متفق نہیں ہوسکتی۔

(۱۲) اب ہم ماخذ و مراجع کے ساتھ ان عظیم الشان ائمہ اعلام کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جنھوں نے یہ فرمایا کہ بحالت بیداری نبی اکرم ﷺ کا دیدار جائز ہے۔

ابن ابو جمرہ: مختصر صحیح البخاری

قرطبی: تذکرہ، حديث الصعقة اور حاوی (۲/۲۶۳-۲۶۴)

ابو حامد غزالی: المنقذ من الضلال، اور سیوطی نے الحاوی (۲/۲۵۸) میں ذکر کیا

ابن عربی مالکی: قانون التاویل، اور حاوی میں (۲/۲۵۸)

عز بن عبد السلام: القواعد الکبری، اور حاوی (۲/۲۵۸)

ابن الحاج مالکی: المدخل، اور حاوی (۲/۲۵۸)

بارزی: توثيق عرى الإيمان، اور حاوی (۲/۲۵۸)

اکمل الدین جبرتی حنفی: شرح المشارق، اور حاوی (۲/۲۵۸)

یافعی: روض الریاحین، اور حاوی (۲/۲۵۸)

ابو عبد اللہ قرشی: روض الریاحین، اور حاوی (۲/۲۵۹)

ابن الملقن: طبقات الأولیاء، اور حاوی (۲/۲۵۹)

عبد القادر جیلانی: طبقات الاولیاء، اور عوارف المعارف، اور جمع الوسائل (۲/۲۹۹)

کال ادفوی: الطالع السعيد في ترجمة أبي عبد الله محمد بن يحيى الاسوانی، اور حاوی (۲/۲۶۰)

برہان الدین بقاعی: معجم الشیوخ، اور حاوی (۲/۲۶۱)

نور الدین ایجی: معجم الشیوخ للبقاعی، اور حاوی (۲/۲۶۱)

ابن النجار:	اپنی تاریخ میں (اس کتاب میں ابونصر عبدالواحد بن عبدالملک بن محمد بن ابوسعد صوفی کرخی کی حکایت، اور رسول اللہ ﷺ سے ان کے سلام اور حضور کے ان کے سلام کے جواب کا واقعہ مذکور ہے) اور حاوی (۲/۲۶۱)
ابن باطیش:	مزيل الشبهات في إثبات الكرامات، اور حاوی (۲/۲۶۱)
بدرالدین بن صاحب:	تذکرۃ، اور حاوی (۲/۲۶۴، ۲۶۵)
قاضی عیاض:	حاوی (۲/۲۶۵) آپ نے انبیا کے وصال کے بعد ان کے حج کے متعلق گفتگو فرمائی۔
سیوطی:	حاوی (۲/۲۶۵)، اور الدیباج شرح صحیح مسلم من الحاوی (۲/۲۸۶)
مازری:	جمع الوسائل (۲۰/۲۹۰)
باقلانی:	جمع الوسائل (۲/۲۹۰)
صدرالدین قونوی:	جمع الوسائل (۲/۲۹۲)
قسطلانی:	المواہب اللدنیہ، جمع الوسائل (۲/۲۹۹)
شرف الدین مناوی:	فیض القدیر (۶/۳۲) اور ان کے حاشیۂ جمع الوسائل
ملاعلی قاری:	جمع الوسائل فی شرح الشمائل (۲/۲۹۹)
ابن عماد حنبلی:	شذرات الذہب (۱۰/۱۰۲)، سیرت عبدالقادر بن محمد بن عمر صفدی۔

اب میں قارئین کی خدمت میں اسے پیش کرنا چاہتا ہوں جسے ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ (۱۱/۳۲۳) میں ابن سمعون واعظ کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا:

محمد بن احمد بن اسماعیل ابوالحسین بن سمعون واعظ، علما اور صلحا میں سے ایک ہیں، انہیں ناطق حکمت کہا جاتا ہے، ابوبکر بن داؤد، اور ان کے طبقہ سے روایت کیا، وعظ اور معاملات کی دقیقہ سنجی میں یدطولی رکھتے، ان کے بہت سے کرامات ومکاشفات ہیں، ایک روز منبر پر وعظ فرمارہے تھے، منبر کے نیچے مشہور صالح ابوالفتح ابن

القواس تھے،ابن القواس کو اونگھ آئی تو ابن سمعون نے ان کے بیدار ہونے تک وعظ روک دیا، جب آپ بیدار ہوئے تو ابن سمعون نے کہا: آپ نے اس خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی ہے؟ آپ نے کہا: ہاں، آپ نے فرمایا: اسی لیے میں نے اپنا وعظ روک دیا تا کہ آپ کو کسی طرح کا کوئی خلل نہ ہو۔

میں کہتا ہوں: اس سے صاف ظاہر ہے کہ ابن سمعون واعظ نے بحالت بیداری نبی پاک ﷺ کا دیدار پر جمال کیا اسی لیے آپ نے وعظ بند فرما دیا۔

نہایہ میں ہے کہ میں مجوبین ومقطوعین سے ایک روشن بات کہتا ہوں: جب آپ لوگ خواب میں نبی پاک ﷺ کی زیارت کرتے ہیں تو آپ کو یہ کہنے کا حق پہنچتا ہے کہ بحالت بیداری نبی پاک ﷺ کا دیدار کیا جا سکتا ہے۔

قارئین کو یہ جان لینا چاہئے کہ یہ لوگ نبی پاک ﷺ کی زیارت شریف کو کوئی اہمیت نہیں دیتے....آپ ان حضرات سے پوچھیں گے تو کوئی جواب نہ دیں گے، ہاں جب آپ ان کے پیچھے لگ جائیں تو باتیں بنائیں گے۔

وصل اللهم علی سیدنا محمد وعلی اٰله وصحبه وسلم

(۷۶) اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

﴿وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَأْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ﴾ [الصّف-۶:۶۱]

ترجمہ:۔''اوران رسولوں کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام احمد ہے''۔

اورابن تیمیہ یہ کہتا ہے کہ اہل کتاب کی کتابوں میں محمد، یا احمد نام مذکور نہیں، اوران کے پاس جو کتابیں موجود ہیں وہ تحریف سے خالی ہیں جیسا کہ اس کی هداية الحیاری (۴۲/۱) میں ہے:

''فصل: سائل نے کہا: آپ لوگوں کے یہاں کتاب وسنت میں یہ مشہور ہے کہ ان کی توریت وانجیل میں آپ کے نبی کا نام لکھا ہوا تھا، لیکن انھوں نے اپنی ریاست اور ثروت واقتدار اور مال وطعام کی لالچ میں توریت وانجیل سے آپ کا نام مٹا دیا جب کہ عقل سے یہ چیز بالاتر ہے، کیا شرق وغرب، اور جنوب وشمال کے سارے لوگ اس پر متفق تھے کہ اپنے رب کی نازل فرمودہ کتابوں سے آپ کا نام مٹا دیا جائے ؟ یہ اس سے بھی بعید وبالاتر ہے کہ وہ اپنی زبانوں سے انکار کریں، اس لیے کہ یہ تو ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی زبان سے کہی ہوئی باتوں سے رجوع کرلیں، مگر اپنے مٹائے ہوئے سے رجوع کرنا بعید تر ہے، جواب: اس سوال کی بنیاد ایک فاسد وہم وخیال پر ہے، وہ یہ کہ مسلمانوں کا یہ اعتقاد ہے کہ نبی پاک ﷺ کا اسم صریح (عربی زبان میں محمد ہے) توریت وانجیل میں مذکور ہے، جو دو شریعتوں کو متضمن اور شامل ہیں، اوران مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ یہود ونصاری نے زمین کے تمام اطراف میں آپ کے اس صریح نام کو مٹا ڈالا، اوران دونوں کتابوں سے بالکلیہ اسے ساقط کردیا، اوردور ونزدیک، اور شرق وغرب ہرجگہ اس کے ساقط کرنے کا حکم دے دیا، علمائے مسلمین میں سے کوئی بھی عالم اس فاسد وہم وخیال کا قائل نہیں، اور نہ ہی اللہ سبحانہ نے اہل

کتاب کے متعلق اپنی کتاب میں ایسی خبر دی، اوراس کے رسول[1] نے نہ ایسا فرمایا اور نہ ہی کسی دن اس معاملہ پر ان کی زجر وسرزنش فرمائی، اور نہ ہی صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اور ان کے بعد کے ائمہ وعلمائے مفسرین، اور کسی مورخ اور سیرت وتذکرہ نگار نے ایسا قول کیا۔ اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ بعض جاہل مسلمانوں نے ایسا کہا، جس سے ان کا مقصود رسول کی عظمت بڑھانا ہے، تو بعض لوگوں نے کہا ہے کہ نادان دوست، دانا دشمن سے زیادہ ضرر رساں ہوتا ہے"۔

---

(۱) ناظرین پر واضح رہے کہ یہ ابن تیمیہ کی بالا خانیاں اور محض زبانی دعوے ہیں اس لیے کہ حضرت کعب احبار سے حضور کی صفات میں توریت شریف کا یہ مضمون بھی منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی صفت میں فرمایا کہ: میں انھیں ہر خوبی کے قابل کروں گا، اور ہر خلق کریم عطا فرماؤں گا، اور اطمینان قلب ووقار کو ان کا لباس بناؤں گا اور طاعات واحسان کو ان کا شعار کروں گا، اور تقوی کو ان کا ضمیر اور حکمت کو ان کا راز اور صدق ووفا کو ان کی طبیعت اور عفو وکرم کو ان کی عادت اور عدل کو ان کی سیرت، اور اظہار حق کو ان کی شریعت، اور ہدایت کو ان کا امام، اور اسلام کو ان کی ملت بناؤں گا، احمد ان کا نام ہے۔ خلق کو ان کی صدقے میں گمراہی کے بعد ہدایت اور جہالت کے بعد علم ومعرفت، اور گمنامی کے بعد رفعت ومنزلت عطا کروں گا، اور انہیں ان کی برکت سے قلت کے بعد کثرت، اور فقر کے بعد دولت، اور تفرقے کے بعد محبت عنایت کروں گا، انہیں کی بدولت مختلف قبائل غیر مجتمع خواہشوں اور اختلاف رکھنے والے دلوں میں الفت پیدا کروں گا، اور ان کی امت کو تمام امتوں سے بہتر کروں گا۔

اور ایک حدیث میں توریت شریف سے حضور کے یہ اوصاف منقول ہیں: میرے بندے احمد مختار ان کی جائے ولادت مکہ مکرمہ، اور جائے ہجرت مدینہ منورہ طیبہ ہے۔ ان کی امت ہر حال میں اللہ کی کثیر حمد کرنے والی ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان پ۹ الاعراف ع۹ آیت ۱۵۸)

حضرت کعب احبار سے مروی ہے کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا: یا روح اللہ! کیا ہمارے بعد اور کوئی امت بھی ہے؟ فرمایا: ہاں احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت وہ لوگ حکما، علما، ابرار واتقیا ہیں اور فقہ میں نائب انبیا ہیں، اللہ تعالیٰ سے تھوڑے رزق پر راضی، اور اللہ تعالیٰ ان سے تھوڑے عمل پر راضی۔ (تفسیر خزائن العرفان پ۲۸ الصٰفٰت ع۹ آیت ۶)

پھراس کے بعداس شخص نے یہ بھی کہا:

''رب سبحانہ نے تو صرف یہ خبر دی کہ ان کی کتابوں میں اس رسول کا ذکر لکھا ہوا ہے، یعنی اللہ نے رسول، اوران کے اوصاف ونعت، اوران کے ظہور کے وقت کی خبر دی، یہ خبر نہ دی کہ اس کے رسول کا صریح عربی نام ان کی توریت وانجیل میں مذکور ہے، البتہ یہ چیزیں دونوں کتابوں میں موجود ہیں جیسا کہ عنقریب انشاء اللہ ہم ان دونوں کتابوں کے الفاظ ذکر کریں گے۔اوران چیزوں (نعت وصفت کا ذکر) کا ذکر محض آپ کے نام کے ذکر سے زیادہ بلیغ ہے(!!!) کیوں کہ کبھی نام مشترک ہوتا ہے،تو محض نام سے مسمی کی تعریف وتمیز حاصل نہیں ہوسکتی، اور جس کسی کا یہ نام رکھا جاتا ہے اس کا مطمح نظر اپنے اوصاف واعمال کے بغیر صرف یہ دعوی نہیں ہوا کرتا کہ یہ وہی شخص ہے، اس لیے کہ حوالہ تو صرف نام کا ہے، اوراس نام سے مسمی کا بیان، اس کی تعریف اوراس کی طرف ہدایت وراہ نمائی حاصل نہیں ہوتی برخلاف اس کے کہ مسمی کی نعت وصفت، اس کی آیت وعلامت، اس کی دعوت، اس کی امت کا حال اوراس کا وقت ظہور بیان کردیا جائے) الخ

علاوہ ازیں قرآن کریم جو ہر طرح کی تحریف سے پاک ہے جس کا ارشاد ہے:

﴿لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ﴾ [یونس-۱۰:۶۴] ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر-۱۵:۹] اس میں حضرت عیسی علیہ السلام کا یہ کلام منقول ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ إِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّأْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ أَحْمَدُ﴾ [الصّف-۶۱:۶]

ترجمہ:۔''اور جب عیسی بن مریم نے بنی اسرائیل سے کہا: بےشک میں تمہاری طرف اللہ کا فرستادہ ہوں، تصدیق کرتا اپنے پہلے کی توریت اور شہادت سناتا اپنے بعد آنے والے نبی کی جن کا نام احمد ہے''۔

قرآن حکیم کی یہ آیت مبارکہ اس بات کی روشن اور مضبوط دلیل ہے کہ کم ازکم حضرت عیسی علیہ السلام کے قول وانجیل میں اسم ''احمد''، صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ضرور مذکور تھا، مگر بعد کے ''تثلیث خواہوں'' نے اسے مٹادیا۔ مگر ابن تیمیہ اس بات کا منکر ہے اور کہتا ہے: ''عقل اسے محال قرار دیتی ہے''۔ اس نے دلیل یہ دی کہ شرق وغرب اور شمال وجنوب تمام خطے کے یہود ونصاری کا ایک شئ مکتوب کو مٹانا محال ہے، عقل اس کو ممکن نہیں کہتی ہے۔

میں کہتا ہوں:

اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ تعالی علیہ وسلم) ابن تیمیہ نے تو انکار کی حد کردی وہ تو کتب قدیمہ میں آپ کے اسم پاک کے ذکر کا انکار کررہا ہے!

یہ ایک عجیب مسئلہ ہے جس میں ابن تیمیہ نے ٹھوکر کھائی ہے اس لیے کہ اس کا مذہب یہی ہے کہ توریت وانجیل میں صرف معمولی تحریف ہوئی ہے، اہل کتاب نے تدریجاً از راہ فریب اس سے اس لیے پوچھا تھا تاکہ اپنی کتابوں میں نام محمد کا انکار کردے تو اس نے انہیں کا لقمہ تر نگل کر گزشتہ جواب دیا۔ اور اگر کسی سیرت کے عالم، یا محدث، متکلم، یا فقیہ سے نبوت کے دلائل پوچھے جائیں تو وہ حضرات اس سلسلے میں صریح کلام پیش فرمائیں گے،

اب ہم سے سنیں کہ اس کی عقل کن چیزوں کو ممکن قرار دیتی ہے:

آج ہماری نگاہوں کے سامنے دنیا کے مختلف براعظموں سے شائع بائبل کے متعدد نسخے ہیں (۱) پہلا نسخہ: انگریزی ایڈیشن کا جو برطانیہ سے شائع ہے (۲) دوسرا نسخہ: یہ اردو ایڈیشن ہے جو دی بائبل سوسائٹی ہند، بنگلور کے زیر اہتمام شائع ہوا۔ ہم آئندہ سطروں میں بائبل کے حوالے سے جو بھی ''عقائد کفریہ ملعونہ'' نقل کریں گے وہ ان تینوں میں مذکور ہیں۔

(۱) ''اور لوط قغر سے نکل کر پہاڑ پر جا بسا اور اس کی دونوں بیٹیاں ایک ساتھ تھیں، تب پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ ہمارا باپ بڈھا ہے اور زمین پر کوئی مرد نہیں جو دنیا کے دستور کے مطابق ہمارے پاس آئے، آؤ ہم اپنے باپ کو مے پلائیں اور اس سے ہم آغوش ہوں تاکہ اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں، سوانھوں نے اسی رات باپ کو مے پلائی اور پہلوٹھی اندر گئی اور اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی، پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اٹھ گئی، اور دوسرے روز یوں ہوا کہ پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا دیکھ کل رات میں اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی، آؤ آج رات بھی اس کو مے پلائیں اور تو بھی جا کر اس سے ہم آغوش ہوتا کہ ہم اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں، سو اس رات بھی انھوں نے اپنے باپ کو مے پلائی اور چھوٹی گئی اور اس سے ہم آغوش ہوئی، پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اٹھ گئی، سو لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں''

(پیدائش ۱۹/۳۰-۳۵ شامل ''کتاب مقدس'' بائبل کا اردو ترجمہ مطبوعہ بائبل سوسائٹی ہند، بنگلور)

قارئین! اس کے ہر ہر لفظ کے بعد کم از کم ایک بار استغفار پڑھیں، اب ہم برطانیہ سے شائع انگریزی ایڈیشن کے الفاظ نقل کر دیتے ہیں، ملاحظہ:

ابن تیمیہ کے کفش بردارو! جب ''آمین'' کا کلمہ عرب وعجم میں حد شہرت کو پہنچا ہوا ہے، تو کیا نام محمد معروف ومشہور نہ ہوگا؟

And Lot went up out of Zo-ar, and dwelt in the mountain and his two daughters with him,and the firstborn said unto the younger, Our father is old, and there is not a man in the earth to came in unto us after the manner of all the earth, come, let us make our father drink wine, and we will lie with him, that we may preserve seed of our father, and they made their father drink wine that night: and the firstborn went in and lay with her father, and he percieved not when she lay down nor when she arose, and it come to pass on the morrow, that the firstborn said unto the younger, Behold I lay yesternight with my father let us make him drink wine this night also, and thou in and lie with him, that we may preserve seed of our father, and they made their father drink wine that night also and the younger arose and lay with him, and he percieved not when she lay down nor when she arose, thus were both the daughters of Lot with child by their father.(Genesis 19/30-35)

ترجمہ بالکل وہی ہے جو اردو ایڈیشن کا ہے، اب ہم امریکا سے شائع انگریزی ایڈیشن کے الفاظ نقل کر رہے ہیں:

Lot was afraid to stay on in Zoar so he took his two daughters and moved to a cave in the hill country, one day his older daughter said to her sister "Our father is old, and there are no men anywhere for us to marry, let us get our father drunk then we can sleep with him and have children" that night they got their father drunk, and the older daughter got in the bed with him but he was too drunk even to know she was there, the next day the older daughter said to her sister "I slept with my father last night, we will get him drunk again tonight, so you can go to bed with him and we can each have a child" that night they got their father drunk and this time the younger sister slept with him, but once again he was too drunk even to know she was there, that is how Lot's two daughters had their children. (Genesis 19/30-36)

انگریزی میں تھوڑی سی سمجھ بوجھ رکھنے والے اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے کہ طرز تعبیر اور اسلوب بیان کو چھوڑ کر معنی ومفہوم میں کچھ فرق نہیں، امریکا سے شائع انگریزی، برطانیہ سے شائع انگریزی اور ہندوستان سے شائع اردو تمام نسخوں کے معنی مفہوم میں مکمل موافقت وہم آہنگی ہے، اب ہم ابن تیمیہ اور اس کے ریزہ خواروں سے پوچھتے ہیں:

(۱) کیا آپ اور آپ کے نام نہاد پیشوا ابن تیمیہ کی ''عقل رسا'' اس بات کو جائز قرار دیتی ہے کہ تین مختلف براعظموں سے شائع نسخوں میں موجود چیزیں گڑھی ہوئی ہوسکتی ہیں؟

(۲) کیا آپ کے نزدیک تین مختلف گوشۂ عالم سے شائع نسخوں میں موجود اتفاق اس امر پر دلالت نہیں کرتا کہ سب کچھ حقیقی ہے؟ دنیا کے براعظموں کا اتفاق جھوٹ پر ہو، اسے آپ کی ''نکتہ رس عقلیں'' محال قرار دیتی ہیں؟

(۳) جب آپ کے نزدیک ان کا کذب ہونا محال عقلی تو پھر ماننا پڑے گا کہ مذکورہ بالا واقعہ سچا اور حقیقی ہے، مگر افسوس کہ ایسی صورت میں آپ کے ایمان کی سلامتی کی ضمانت دنیا کا کوئی فرد دے سکے گا؟

قارئین کرام! آپ نے غور کیا کہ ابن تیمیہ کا یہ قول: ''مشرق ومغرب، شمال وجنوب دنیا کے ہر خطے کے یہود ونصاری کا نام محمد ﷺ اپنی کتابوں سے مٹانے پر اتفاق عقل کے نزدیک محال ہے'' (ہدایۃ الحیاری ۱؍۴۲) اسے کہاں لے جارہا ہے؟ ہر دور کے دنیا کے جس خطے کی بائبل آپ دیکھیں چاہے وہ کسی بھی زبان میں ہو اس میں قصۂ مذکورہ یعنی قصۂ لوط اسی طرح پائیں گے، تو کیا ابن تیمیہ اور اس کی ذریت کی عقل اسے جائز الوقوع اور حقیقی کہانی سمجھتی ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر ان کا کیا ہی براٹھکانہ ہے، اور اگر ان کی عقل اسلامی نظریے سے دیکھتے ہوئے اسے ناممکن قرار دیتی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ ان کی عقل نام محمد ﷺ کے اصل توریت وانجیل میں موجود ہونے اور پھر ان سے مٹائے جانے پر تمام یہود ونصاری کے اتفاق کو محال عقلی قرار دے رہی ہے؟

بائبل کا مندرجہ بالا اقتباس مذکور عصمت انبیا کے سخت منافی تھا اب خون آلود آنکھوں سے مندرجہ ذیل اقتباس بھی پڑھیں اور ٹھنڈے دل سے فیصلہ کریں:

(۲) اور خداوند نے کہا دیکھو انسان نیک وبد کی پہچان میں ہم میں سے ایک کی مانند ہوگیا، اب کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنا ہاتھ بڑھائے اور حیات کے درخت سے بھی کچھ لے کر کھائے اور ہمیشہ جیتا رہے، اس لیے خداوند نے اس کو باغ عدن سے باہر کر دیا تا کہ وہ اس زمین کی جس میں سے وہ لیا گیا تھا کھیتی کرے'' (پیدائش ۳؍۲۲، ۲۳)

اب برطانیہ سے شائع انگریزی اقتباس کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

And the Lord God said "Behold the man is become as one of us to know good and evil, and now lest he put forth his hand and take also of the tree of life and eat and live for ever" therefor the Lord God sent him forth from the garden of Eden to the ground from where he was taken" (Genesis 3/22,23)

ترجمہ وہی ہے جو ہندوستانی ایڈیشن سے نقل کیا گیا، اب امریکا سے شائع انگریزی ایڈیشن کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

The Lord said "these people now know the diffrence between right and wrong just as we do but they must not be allowed to eat fruit from the tree that lets them live for eve" so the Lord God sent them out of the garden of Eden, where they would have to work the ground from which the man had been made.(Genesis 3/22,23)

پیرایۂ بیان اسلوب اور طرز نگارش کے علاوہ تینوں نسخوں کے معنی و مفہوم میں کوئی اختلاف تناقض اور نہیں ہے۔

''خدا نے جب دیکھا کہ انسان قریب ہے کہ جنت کے ''شجر حیات'' سے پھل کھا کر ہمارا حریف بن جائے تو اس نے جھٹ سے اسے نکال کر زمین کا راستہ دکھایا'' شاید ابن تیمیہ جیسے ''ذہین بے وقوف'' افراد کے معبود ایسے ہوتے ہوں گے کہ انہیں انسانوں سے ہمسری کا اندیشہ دامن گیر رہتا ہو، الحمدللہ ہمارا اور سارے جہاں کا خدا یہود و نصاری کے بے بس اور حریفِ انسان معبود'' کے مثل ہونے سے منزہ ہے ''ليس كمثله شيء''

سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ توریت و انجیل میں تناقض و تحریف اور تغیر و تبدیل کا ذکر کرتے ہوئے فتاوی رضویہ میں رقم طراز ہیں:

بائبل کی زبان ایسی پیچیدہ ہے کہ اور تو اور خود مصنف محرف کی سمجھ میں نہیں آتی۔ تواریخ کی دوسری کتاب باب ۲۱ درس ۲۰ اور باب ۲۲ درس ۱و۲ میں لکھا: وہ بتیس برس کی عمر میں بادشاہ ہوا ۸ برس بادشاہت کیا اور جاتا رہا داؤد کے شہر میں گاڑا گیا یروشلم کے باشندوں نے اس کے چھوٹے بیٹے اخزیاہ کو اس کی جگہ بادشاہ کیا اخزیاہ ۴۲ برس میں بادشاہ ہوا۔ یعنی باپ ۴۰ برس کی عمر میں مرا اس وقت بیٹا ۴۲ برس کا تھا۔ باپ سے دو برس پہلے پیدا ہو لیا تھا۔ متی کی انجیل میں مسیح و داؤد علیہما الصلوٰۃ والسلام کے بیچ میں صرف ۲۶ پشتیں ہیں اور اس میں عود بھی گنا دیا ہے کہ مسیح تا داؤد ۲۸ شخص ہیں لیکن لوقا کی انجیل میں مسیح سے داؤد تک ۴۳ آدمی ہیں ۱۵ پشتیں زائد اور اسما بھی بالکل نامطابق ایضا انجیل متی باب ۵ درس ۱۷۔ ''یہ خیال مت کرو کہ

میں توریت یا نبیوں کی کتاب منسوخ کرنے آیا میں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پوری کرنے آیا ہوں''۔ درس ۱۸'' کیوں کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان وزمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت کا ہرگز نہ مٹے گا'' یہاں تو نسخ کا اس شدت سے انکار ہے اور جا بجا انجیل ہی میں نسخ احکام توریت کا اظہار ہے۔اسی انجیل کے اسی باب درس ۳۱و۳۲ میں ہے: یہ بھی لکھا گیا کہ جو کوئی اپنی جورو کو چھوڑ دے اسے طلاق نامہ لکھ دے پر میں تمہیں کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی جورو کو زنا کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دیوے اس سے زنا کرواتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے زنا کرتا ہے۔ایضا درس ۳۳و۳۴: تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا کہ اپنی قسمیں خداوند کے لیے پوری کر پر میں تمہیں کہتا ہوں کہ ہرگز قسم نہ کھا۔ایضا درس ۳۸و۳۹: تم سن چکے ہو کہ کہا گیا آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت پر میں تمہیں کہتا ہوں کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو تیرے دہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے۔ایضا باب ۱۹ درس ۸و۹ موسیٰ نے جوروؤں کو چھوڑ دینے کی اجازت دی پر میں تم سے کہتا ہوں جو کوئی اپنی جورو کو سوا زنا کے اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے زنا کرتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی عورت کو بیاہے زنا کرتا ہے۔

یہی مضمون انجیل مرقس باب ۱۰ درس ۳ تا ۱۲ میں ہے ان کے سوا بہت نظائر تناقض و نافہمی کے ہیں تو ثابت ہوا کہ عبری زبان ہی ایسی پیچیدہ ہے کہ اس میں کتاب تصنیف کرنے والا خود اپنی نہیں سمجھتا۔اور (۱۵) کے بعد یہ نمبر اور اضافہ کیجئے (۱۶) ہر صغیرہ سے صغیرہ کو گناہ کہہ سکتے ہیں اگرچہ قبل ظہور رسالت ہو اور توسعاً خلاف اولی کو بھی جو ہرگز منافی نبوت نہیں لیکن نیک ہونا تو نبی کے لے لازم ہے نہ کہ وہ جو خدا کا بیٹا ٹھہرے مگر یہ انجیلیں کہتی ہیں کہ مسیح ہرگز نیک نہیں۔ دیکھو متی باب ۱۹ درس ۱۶و۱۷: ایک نے اس سے کہا اے نیک استاد اس نے کہا تو کیوں مجھے نیک کہتا ہے نیک تو کوئی نہیں مگر ایک یعنی خدا۔یہی مضمون انجیل مرقس باب ۱۰ درس ۱۷و۱۸ وانجیل لوقا باب ۱۸ درس ۱۸و۱۹ میں ہے۔ وہاں اگر بعض مفسرین نے معاذ اللہ گناہ گار رہونا مانا تھا تو یہاں تو خود انجیلیں مسیح کو معاذ اللہ صاف طور سے بد بتا رہی ہیں۔(۱۷) گناہ نہیں مگر شریعت کی مخالفت لیکن بائبل تو شریعت کو راُساً باطل کر رہی ہے گلتیوں کو پولس کا خط باب ۳ درس ۱۰ وے سب جو شریعت ہی کے اعمال پر تکیہ کرتے ہیں سولعنت کے تحت ہیں۔ درس ۱۱: کوئی خدا کے نزدیک شریعت سے راست باز نہیں ٹھہرتا۔درس ۱۲: شریعت کو ایمان سے کچھ نسبت نہیں اور مسیح علیہ الصلاۃ وسلام پکے راست باز وکامل الایمان ہیں۔تو ضرور شریعت سے جدا ہیں تو گناہ گار ہیں کتاب یرمیاہ باب ۹ درس ۱۲و۱۳ میں ہے: سرزمین کس لیے ویران ہوئی اور بیابان کے مانند جل گئی خداوند کہتا ہے اسی لیے کہ انھوں نے میری شریعت کو ترک کر دیا اور اس کے موافق نہ چلے۔

نبی پاک ﷺ تمام انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے، اور جو بھی نبی آیا اس نے آپ کی آمد آمد کی بشارت دی، تو کیا عقل میں یہ بات آتی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب، اور ان کے بعد کے حواریین نبی پاک ﷺ کا نام پاک نہ پوچھیں گے، چاہے وہ ساق عرش پہ لکھا ہو یا عالم ملکوت میں، اور کیا یہ لوگ آپ کو عجمی نام سے جانیں گے جب کہ جلوہ گر ہونے والے نبی ﷺ عربی ہیں۔ میں ایک عمدہ بات ذکر کرتا ہوں: جب رسول اللہ

(۱۸) بلکہ ترک اولی یا کسی صغیرہ کا صدور یا بد ہونا بھی درکنار بائیبل تو مسیح علیہ الصلاۃ والسلام کو معاذ اللہ صاف ملعون بتاتی ہے خط مذکور باب ۳ درس ۱۳ ''مسیح نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کہ وہ ہمارے میں لعنت ہوا کیوں کہ لکھا ہے جو کوئی کاٹھ پر لٹکایا گیا سو لعنتی ہے'' والعیاذ باللہ تعالی۔ ایسے پوچ ولچر مذہب کے پابند کیوں دین حق اسلام کے خدام سے اولجھتے ہیں اپنے گریبان میں مونھ ڈالیں اور اپنی پگڑی کہ کبھی نہ سنبھلے گی سنبھالیں واللّٰه يهدي من يشاء إلى صراط مستقيمO واللہ تعالیٰ أعلم

قارئین کرام! مجھے ابن تیمیہ بتائے کہ بائبل میں اس طرح کے بہت سے کفری اقتباسات ہیں جن کی تعداد بے شمار ہے کیا وہ سب حق و درست اور تحریف سے پاک ہیں؟ کیا اسے تحریف نہ کہیں گے؟ آج یہود و نصاری کے مذہب کی بنیاد جن کتابوں پر قائم ہے کیا ان میں تحریف نہیں؟ نبی اکرم ﷺ پر نازل ہونے والی وحی میں اللہ رب العزت نے یہ ارشاد فرمایا: ﴿يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ﴾ [النساء-۴:۴۶] اور اس طرح کی دیگر بہت ساری شنیع حرکتوں کا ذکر کیا اللہ عزوجل کی اس تحریف سے کیا مراد ہے اور تحریف کا معیار کیا ہے، تحریف کسے کہتے ہیں؟ اگر یہ تحریف نہیں تو قرآن میں اسے تحریف کا نام کیوں دیا گیا؟ کیا تحریف کے لیے یہ ضروری ہے کہ عالم کے ہر گوشہ میں ہر ہر خطۂ زمین پر تحریف ہو؟ کیا اصل توریت وانجیل موجود ہے جس پر آج دنیا کے تمام یہود و نصاری عامل ہوں اور ان کے مذہب کی بنیاد اسی پر قائم ہو اور اس طرح کفریات سے بیزار ہوں؟ قرآن پاک میں اللہ رب العزت نے فرمایا کہ: حضرت عیسی ایک ایسے رسول کی بشارت دیتے ہوئے آئے جن کا نام احمد ہے کیا یہ دلیل کافی نہیں؟ حدیث پاک میں حضور کے اوصاف مبارکہ میں توریت سے یہ منقول ہے: ''میرے بندے احمد مختار ان کا جائے ولادت مکہ مکرمہ الخ'' ہے کیا یہ جھوٹ ہے؟ گزشتہ اقتباس میں حضرت کعب احبار سے حضور کے مقدس صفات میں توریت شریف کا منقول مضمون ''احمد ان کا نام ہے'' کیا یہ جھوٹ ہے اور تنہا ابن تیمیہ ہی صداقت کا علم بردار ہے اور ساری امت جھوٹ پر قائم ہے؟

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب
شرم تم کو مگر نہیں آتی

(مترجم)

ﷺ سے بغض اور قلبی عداوت رکھنے والے، گستاخان بارگاہ کا گستاخانہ کلام حد سے زیادہ بڑھ گیا تو ایک صالح نے ان سے کہا: کیا نام محمد سے آپ لوگوں کو غیظ وغصہ آتا ہے! اس کے بعد وہ بار بار محمد، محمد، محمد کی تکرار کر[1] نے لگے۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۱۳/۵۲۴-۵۲۶) میں ایسا کلام ذکر فرمایا جس سے ابن تیمیہ کے کلام کی حقیقت روشن ہو جاتی ہے اور اس کا بطلان اظہر من الشّمس ہو جاتا ہے، آپ نے فرمایا:

''اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿الَّـذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَالْإِنْجِيْلِ﴾ [الاعراف-۷:۱۵۷]

ترجمہ:۔''وہی لوگ تعریف کے لائق ہیں جو اس امی نبی کی اتباع کرتے ہیں جس کا نام اپنی تورات وانجیل میں لکھا دیکھتے ہیں''۔

اور اسی میں سے یہودیوں کے رجم کا واقعہ بھی ہے، اس لیے کہ توریت میں رجم کی آیت موجود تھی، اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿ قُلْ فَأْتُوْا بِالتَّوْرٰةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ [آل عمران-۳:۹۳]

ترجمہ۔''آپ فرمائیں ''تم توریت لاکر اس کی تلاوت کرواگر سچے ہو''۔

دوسرے: یہ کہ توریت کے اکثر احکام میں تحریف ہوئی ہے، جس پر بہت سے دلائل قائم ہیں۔ اور اول کو اس پر محمول کرنا مناسب ہے۔

تیسرے: یہ کہ توریت کے بعض احکام میں تحریف ہوئی ہے، لیکن اس کا عظیم حصہ اپنی جگہ تحریف سے پاک وسالم اور محفوظ وباقی ہے، شیخ تقی الدین ابن تیمیہ نے اپنی کتاب ''**الرد الصحیح علی من بدّل دین**

---

(۱) مجدد اعظم سیدنا علی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

دشمن احمد پہ شدت کیجیے — ملحدوں کی کیا مروت کیجیے
غیظ سے جل جائیں بے دینوں کے دل — یارسول اللہ کی کثرت کیجیے (مترجم)

المسیح'' میں اسی کی حمایت کی ہے۔

چوتھے: یہ کہ صرف ان کے معانی میں تبدیل وتغییر ہوئی ہے الفاظ میں نہیں اور یہاں اسی کا ذکر ہے۔

ابن تیمیہ سے محض اس مسئلہ کے متعلق بھی پوچھا گیا تو اس نے اپنے فتاوی میں یہ جواب دیا:

(اس بارے میں علما کے دو قول ہیں) اور دوسرے قول کی تائید میں کثیر طریقوں سے استدلال کیا جن میں سے اللہ تعالی کا یہ ارشاد ہے:

'' **لا مبدل لکلماته** '' ترجمہ:۔''اللہ کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں''۔

حالاں کہ اس کا یہ استدلال اللہ تعالی کے اس ارشاد کے معارض ہے:

﴿فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ﴾ [البقرہ-۲:۱۸۱]

ترجمہ:۔''اور جس نے اللہ کے کلمات کو سن کر بدل دیا تو اسی پر بدلنے کا گناہ ہے''۔

پہلی آیت میں اللہ تعالی کے کلمات میں تحریف کی نفی وارد ہے، اور دوسری آیت سے تحریف وتبدیل کا اثبات ظاہر ہے ان دونوں آیتوں میں نفی واثبات کے درمیان جمع وتطبیق اس طرح متعین نہیں کہ نفی لفظ کی تحریف پر محمول ہو اور اس تحریف لفظی کی نفی کا یہ معنی ہو کہ کلام اللہ کے الفاظ کوئی نہیں بدل سکتا، اور اثبات تحریف معنی کی تبدیلی پر محمول ہو کہ اس کے معانی میں تبدیلی کی۔ مذکورہ تطبیق اس لیے متعین نہیں کہ ہوسکتا ہے کہ نفی تحریف حکم پر محمول ہو، یعنی اللہ کے احکام کوئی بدل نہیں سکتا، اور اثبات تحریف لفظ اور معنی دونوں کو عام ہو یعنی جس نے اللہ کے کلمات کو سن کر اس میں لفظی ومعنوی تحریف کی، لفظ اور معنی دونوں بدل دیا۔

اور ابن تیمیہ کے اقوال میں سے اس کا ایک قول یہ بھی ہے کہ شرق وغرب، اور جنوب وشمال میں توریت کے موجودہ نسخوں میں اختلاف نہیں، اور یہ محال ہے کہ دنیا کے تمام موجودہ نسخوں میں تبدیل وتغیر ہوا اور اسی تبدیلی وتغیر کے مطابق سارے عالم کے نسخے ایک ہی طرز کے رہیں، ابن تیمیہ کا یہ استدلال عجیب وغریب ہے اس لیے کہ جب تبدیل کرنا ممکن ہے تو مبدل کو معدوم کرنا بھی ممکن ہے، اس وقت توریت کے جتنے نسخے پائے جاتے ہیں انھیں پر یہودیوں کا دینی اور مذہبی معاملہ قائم ہے، اور اس میں بلاشبہ تبدیل وتحریف ہوئی ہے جیسا کہ اس کی

خبروں سے کتابیں لبریز ہیں۔

توریت میں تبدیل وتحریف کا معاملہ اس لیے پیش آیا کہ بخت نصر نے جب بیت المقدس پر فوج کشی کر کے تمام اسرائیل کو ہلاک وبرباد کیا، انہیں قتل وقید کیا، اوران کی کتابوں کونیست ونابود کردیا، یہاں تک کہ عزرا کاہن آیا تواس نے انہیں توریت کا املا کرایا۔

رہی انجیل تواس میں بھی تحریف ہوئی اس لیے کہ اہل روم جب دین نصرانیت میں داخل ہوئے توان کے بادشاہ اوران کے اکابر کوانہیں احکام پر جمع کیا گیا جواس وقت ان کی موجودہ انجیل میں تھے، اوراس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انھوں نے انجیل کے معانی میں تحریف کی، بلکہ معانی کی تحریف ان کے یہاں بکثرت موجود ہے، صرف نزاع اس میں ہے کہ الفاظ میں تحریف ہوئی یا نہیں؟ توریت وانجیل دونوں کتابوں میں ایسے الفاظ موجود ہیں جو قطعاً اللہ عزوجل کی طرف سے نہیں ہوسکتے''۔

اورابومحمد بن حزم نے اپنی کتاب ''الفصل في الملل والنحل'' میں اس طرح کی بہت سی چیزیں ذکر کیں ہیں، انہیں میں سے یہ ہے کہ زمین کے شرق وغرب میں آباد یہودیوں کے راہبوں، ان کے قاریوں، ان کے مذہبی ذمہ داران اوران کے عیسوی، کے پاس جو توریت ہے اس میں کسی ایک صفت پر ان کا اختلاف نہیں، اس توریت کی پہلی فصل کے پہلے ورق پر یہ ہے ''اگر کوئی شخص اس توریت میں کسی لفظ کی کمی یا بیشی کرنا چاہتا توان کے یہاں اس کی فضیحت کی جاتی، دوسری تباہی سے پیشتر جولاوبین تھے ان کے عہد تک اس توریت پران سب کا اتفاق تھا، یہ لوگ ذکر کرتے کہ یہ توریت عزراہارونی تک انہیں لوگوں سے پہنچا ہے، اوراللہ تعالی نے فرمایا: جب آدم نے درخت سے کھالیا، تووہ خیروشر کی معرفت میں ہم میں سے ایک انسان کی طرح(۱) ہوگئے، اور جادوگروں نے فرعون کے لیے اسی کے مثل عمل کیا جوان پرخون اورضفادع (مینڈک) بھیجے گئے، اوروہ لوگ مچھر سے عاجز رہے، اورقوم لوط کے ہلاک ہوجانے کے بعدان کی دوبیٹیوں(۲) نے انہیں شراب پلایا

(۱) پیدائش ۲۲/۳-۲۴

(۲) پیدائش ۳۰/۲۰-۳۲ (مترجم)

اور دونوں بیٹیاں اپنے باپ کے ساتھ ان کے بستر پر لیٹیں، انھوں نے ہر بیٹی سے ہمبستری کی جس سے ان دونوں کو حمل قرار پایا، یہ عجیب وغریب نامعقول چیزیں ہیں۔

اور دوسرے مقامات پر مذکور ہے کہ اس میں اس قدر تبدیل وتحریف ہوئی کہ پوری کتاب صفحۂ عالم سے مٹادی گئی، بعد میں عزرا مذکور نے اس کا املا کرایا جو آج موجود ہے، پھر یہودیوں کے ہاتھوں میں توریت کے جو نسخے موجود تھے اس میں جھوٹ بہت زیادہ ہے۔

پھر کہا: اور مسلمانوں کی ایک قوم کے بارے میں ہمیں خبر ملی کہ وہ اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ یہود ونصاری کے ہاتھوں میں جو توریت وانجیل موجود ہے وہ محرف ہیں، اور اس انکار کا داعی ومحرک قرآن وسنت کے نصوص سے ان کی لاپرواہی ہے، قرآن وسنت کے نصوص اس پر شاہد ہیں کہ یہ لوگ اللہ کے کلام کو اس کے مقامات سے تحریف کرتے ہیں، اور دانستہ اللہ کی طرف جھوٹ منسوب کر کے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی بارگاہ سے ہے، حالاں کہ وہ اللہ کے پاس سے نہیں، اور یہ لوگ حق کو ناحق سے ملاتے، اور دانستہ حق کو چھپاتے ہیں، جب ان منکرین سے کہا جاتا کہ اللہ تعالی نے صحابہ کی شان میں ارشاد فرمایا:

﴿ذٰلِکَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْئَهُ﴾ [الفتح-۴۸:۲۹]

ترجمہ: ''یہ ان کی صفت توریت میں ہے اور ان کی صفت انجیل میں جیسے ایک کھیتی اس نے اپنا پٹھا نکالا''۔

اور یہود ونصاری کے ہاتھوں میں توریت وانجیل کے جو نسخے آج موجود ہیں اس کا کچھ بھی حصہ ان میں نہیں، اور جو لوگ یہ دعوی کرتے ہیں کہ توریت ان تک بطریق تواتر منقول ہو کر آیا، ان دعویداروں سے یہ کہا جاتا کہ ان لوگوں کا اس پر اتفاق ہے کہ دونوں کتابوں میں محمد ﷺ کا کوئی ذکر نہیں، تو اگر تم ان کی موجودہ کتاب کی اس لیے تصدیق کرتے ہو کہ ان کے پاس متواتر طریقہ پر منقول ہو کر آیا تو تم لوگ ان کے اس زعم کی بھی تصدیق کرو کہ محمد ﷺ اور آپ کے اصحاب کا دونوں کتابوں میں کوئی ذکر نہیں، ورنہ بعض کتاب کی تصدیق اور بعض

کی تکذیب جائز نہ ہوگی جب کہ دونوں ایک ہی طرح پر آئے ہیں۔ابن حزم کا کلام ختم ہوااوراس میں کچھ فوائد ہیں۔(فتح الباری ۵۲۴/۱۳-۵۲۶)

ابن حزم (ظاہری) کا کلام اس کی کتاب **"الفصل في الملل والنحل"** (۱۵۹/۱-۱۶۱) میں مذکور ہے۔

(۷۷)ابن تیمیہ کا یہ دعوی ہے کہ نبی پاک ﷺ اہل حق و باطل کے درمیان تمیز نہیں کر سکتے کہ مومن اور منافق میں فرق و امتیاز کریں

رافضی نے اپنے کلام کے دوران یہ ذکر کیا کہ حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالی عنہ اہل حق و باطل میں تمیز کر سکتے ہیں اس لیے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: "لایحبک إلا مومن و لایبغضک إلا منافق" تم سے صرف مومن ہی محبت کرے گا، اور صرف منافق ہی بغض رکھے گا" ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۲۹۰/۴) میں رافضی کے اس کلام کا رد کرتے ہوئے کہا:

"رابعا یہ کہا جائے: دلیل کے ذریعہ معلوم ہے کہ یہ دونوں حدیثیں جھوٹی ہیں، نبی پاک ﷺ کی طرف ان کی نسبت جائز نہیں کیوں کہ یہ کہا جائے گا کہ علی یا غیر علی (امت میں فرق و امتیاز کرنے والے) کے حق و باطل میں فرق و امتیاز کرنے سے کیا مراد ہے؟ اگر اس سے یہ مراد ہے کہ اہل حق و باطل کے درمیان تمیز کر لیتے ہیں تو مومن و منافق کے درمیان فرق و امتیاز کر لیں گے، تو یہ ایسی چیز ہے جس پر کوئی انسان قادر نہیں نبی، نہ اور کوئی، اور اللہ تعالی نے اپنے نبی سے فرمایا:

﴿وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُوْنَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لاَ تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ﴾ [التوبہ-۹:۱۰۱]

ترجمہ: "اور کچھ مدینہ منورہ والے ان کی خو (عادت) ہوگئی ہے نفاق، تم انہیں نہیں جانتے، ہم انہیں جانتے ہیں"۔

جب نبی کو اپنے مدینہ منورہ، اور اس کے ارد گرد کے منافقوں [1] کے بارے میں یہ معلوم نہیں کہ یہ منافق

(۱) أقول: یہ بھی ابن تیمیہ کا محض زبانی دعوی اور اس کی بالا خانی ہے اس لیے کہ نبی اکرم سید عالم ﷺ نے جمعہ کے روز خطبہ کے

ہے، تو کیوں کر دوسروں کے متعلق یہ علم ہوگا''۔

میں کہتا ہوں: ابن تیمیہ کا ادب قابل دید ہے وہ کہہ رہا ہے:

''اس پر کوئی انسان قادر نہیں، نہ نبی، نہ اور کوئی''۔

رسول اللہ ﷺ پر ابن تیمیہ کی تہمت کے مسئلہ میں ہم ذکر کر چکے کہ اس نے حضور اقدس پر یہ تہمت لگائی کہ آپ کو سیدہ عائشہ کے معاملہ میں شک تھا، ابن تیمیہ کبھی یہ دعوی کرتا ہے کہ اسے لوح محفوظ کا کشف حاصل ہے، جیسا کہ اس کے تلمیذ ابن قیم نے مدارج السالکین (۴۸۹/۲-۴۹۰) میں اس کے متعلق ذکر کرتے ہوئے کہا:

''۷۰۲ء میں جب تاتاری مشتعل ہوئے، اور انھوں نے شام کا قصد کیا، تو ابن تیمیہ نے لوگوں اور امیروں کو یہ خبر دی کہ ہزیمت وشکست انہیں کی ہوگی، اور نصرت وکامیابی مسلمانوں کو حاصل ہوگی، اور اس نے اس پر ستر بار سے زائد قسمیں کھائیں، ابن تیمیہ سے کہا جاتا کہ ان شاء اللہ کہیے، تو وہ انشاء اللہ تحقیق کے لیے کہتا تعلیق کے لیے نہیں، اور میں نے اس سے یہ کہتے سنا: جب لوگوں نے مجھ سے بہت زیادہ اصرار کیا تو میں نے کہا: مجھ سے زیادہ اصرار نہ کیجئے، اللہ تعالی نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے کہ اس مرتبہ انہیں کی شکست ہوگی، اور فتح ونصرت اسلامی لشکروں کو حاصل ہوگی''۔

اور ابن قیم نے یہ بھی ذکر کیا کہ ابن تیمیہ کہتا تھا:

''میرے پاس میرے اصحاب، اور دوسرے لوگ آتے ہیں تو میں ان کے چہروں، اور

لیے قیام فرما کر نام بنام فرمایا: نکل اے فلاں تو منافق ہے، نکل اے فلاں تو منافق ہے رسول پاک ﷺ نے اس طرح سے چند لوگوں کو مسجد سے رسوا کر کے نکالا جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ کو منافقوں کے حال کا علم عطا فرمایا گیا اس لیے اس آیت کریمہ کا معنی یا تو یہ ہے کہ تم انہیں اس طرح نہیں جانتے جس کا اثر معلوم ہو کہ وہ ہمارا جاننا ہے کہ ہم انھیں عذاب کریں گے یا ماسبق کے اعتبار سے منافقوں کے حال جاننے کی نفی ہے اس لیے کہ بعد کو اس کا علم ہوا جیسا کہ گزرا اور ایک دوسری آیت میں اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ﴾ [محمد-۳۰:۴۷] (مترجم)

آنکھوں میں ایسی چیزیں مشاہدہ کرتا ہوں جنہیں میں ان سے نہیں کہتا''۔

میں نے اس سے کہا اگر میرے علاوہ دوسرے لوگوں کو بتا دیتے تو کتنا اچھا ہوتا تو اس نے کہا:

''کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں حاکموں کی طرح معروف ومشہور ہو جاؤں'' اور ایک دن میں نے اس سے کہا: اگر آپ ہمارے ساتھ ایسا معاملہ فرماتے تو استقامت اور صلاح کی طرف زیادہ داعی ہوتا، تو اس نے کہا:

''آپ لوگ میرے ساتھ اس پر ایک جمعہ، یا یہ کہا کہ ایک مہینہ صبر نہیں کر سکتے'' اور بار بار اس نے مجھے ایسی پوشیدہ چیزوں کی خبر دی جو خاص مجھ سے متعلق تھیں، میں نے ان کا عزم کر لیا تھا، اور ابھی اپنی زبان سے انھیں ذکر بھی نہ کیا تھا، اور مجھے مستقبل میں پیش آنے والے بعض عظیم حوادث بھی بتائے، اور ان کے اوقات متعین نہ کیے، میں نے بعض حوادث اپنی نظروں سے دیکھے، اور باقی کا انتظار ہے، اور اس کے عظیم اصحاب کے مشاہدات میرے مشاہدہ سے کئی گونا زیادہ ہیں''۔

اور صاحب **الأعلام العلیة** (۱/۵۶، ۵۷) نے اس کے بعض ثنا خوانوں سے نقل کیا:

''نویں فصل اس کی بعض کرامتوں اور فراستوں کے بیان میں: بہت سے ثقہ لوگوں نے اس کی چشم دید کرامتیں مجھ سے بیان کیں، میں اختصار کے ساتھ بعض کرامتوں کا ذکر کروں گا، سب سے پہلے میں وہ کرامت بیان کروں گا جسے میں نے خود بچشم سر دیکھا ان میں سے دو کرامتیں یہ ہیں:

پہلی کرامت: میرے اور بعض فضلا کے درمیان چند مسائل میں نزاع ہوا جن میں ہماری گفتگو طویل ہوگئی، اور بحث کا سلسلہ اس پر ختم ہوا کہ شیخ ابن تیمیہ کی طرف رجوع کریں گے، وہ جس قول کو ترجیح دیں گے اسے بسر وچشم قبول کریں گے، پھر شیخ رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے، ہم نے آپ سے اس مسئلہ میں سوال کرنا چاہا تو ہم سے پہلے ہی آپ نے ایک ایک مسئلہ

کا ذکر شروع کر دیا جیسا کہ ہم لوگوں نے گفتگو کی تھی اور ہر مسئلہ کے بارے میں ہم لوگوں نے جو کچھ پیش کیا ان میں سے اکثر چیزیں آپ نے از خود بیان کر دیں، اور علما کے اقوال ذکر کیے پھر از روئے دلیل جو مسئلہ راجح تھا اس کی ترجیح پیش کی، یہاں تک کہ وہ اس آخری مسئلہ پر آئے جسے ہم آپ سے پوچھنا چاہتے تھے، اور انھوں نے ہم سے وہ چیزیں بیان کیں جسے ہم ان سے معلوم کرنا چاہتے تھے تو میں، میرے ساتھی، اور ہمارے پاس جو لوگ موجود تھے آپ کا یہ مکاشفہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ ہمارے دلوں میں جو کچھ تھا اللہ نے آپ پر سب کچھ ظاہر فرما دیا۔

دوسری کرامت: جن دنوں میں آپ کی صحبت میں تھا جب آپ کسی مسئلہ پر بحث فرماتے میرے دل میں ایک اعتراض پیدا ہوتا، ابھی وہ اعتراض میرے دل ہی میں رہتا کہ آپ از خود وہ اعتراض شروع کرتے اور چند طریقوں سے اس کا جواب دیتے''۔

صاحب **الأعلام العلية** نے اس طرح کی بہت سی چیزیں ذکر کیں ہیں۔

میں کہتا ہوں:

﴿مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ﴾[القلم-۳۶:۶۸]

اب تمہارا کیا فیصلہ ہے؟

ابن تیمیہ کے کفش بردارو! رسول اللہ ﷺ کو سیدہ عائشہ صدیقہ کے بارے میں شک تھا، اور آپ کو ان کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہ تھا، مگر تمہارا ابن تیمیہ غیب اور دلوں کی ساری باتیں جانتا ہے، ﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾

ابن قیم، اور صاحب **الأعلام العلية** کیوں نہیں کہتے کہ ابن تیمیہ کی یہ ساری باتیں کشف شیطانی کے باب سے ہیں، جیسا کہ ارباب تصوف اہل اللہ وغیرہ کے کشف کے بارے میں یہ دریدہ دہن گستاخ زبان یہی کہتے ہیں۔

ابن تیمیہ رسول اللہ ﷺ کے مقدار علم کی حد متعین کرنا چاہتا ہے، اس کے رد کے لیے ان حقائق کا مطالعہ کریں۔

پہلی حدیث: "أوتيت مفاتيح كل شي إلا الخمس" پانچ چیزوں کے علاوہ ہر چیز کی کنجیاں مجھے عطا کر دی گئیں۔

امام احمد نے ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے تخریج کی کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

" أوتيت مفاتيح كل شئ إلا الخمس: ﴿إِنَّ اللّٰـهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوْتُ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾ [لقمان-۳۱:۳۴][1]

ترجمہ:۔" پانچ چیزوں کے سوا مجھے ہر چیز کی کنجیاں عطا کر دی گئیں، بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے اور وہی مینہ برساتا اور جانتا ہے جو شکم مادر میں ہے، اور کوئی بھی ذی روح نہیں جانتا کہ کل کیا کرے گا اور کہاں موت آئے گی، بے شک اللہ ہی جاننے والا اور بتانے والا ہے"۔

اور عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا:

أوتي نبيكم صلى الله عليه وسلم مفاتيح كل شئ إلاالخمس:إن الله عنده علم الساعة وينزل الغيث ويعلم مافي الأرحام وماتدري نفس ماذا تكسب غدا وماتدري نفس بأي أرض تموت إن الله عليم خبير. (ايضا)

ترجمہ:۔" تمہارے نبی ﷺ کو پانچ چیزوں کے سوا ہر چیز کی کنجیاں عطا کر دی گئیں، بے شک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے، وہ بارش اُتارتا ہے، اور جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹ

(۱) " أوتيت مفاتيح كل شئ إلاالخمس" یہ حدیث امام احمد (۸۵/۲)، اور طبرانی نے کبیر (۳۶۰/۱۲) میں تخریج کی، اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۲۶۳/۸) میں کہا: امام احمد کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

میں ہے، اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ کل کیا کمائے گا، اور کس زمین میں مرے گا، بے شک اللہ جاننے والا بتانے والا ہے''۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرنے والے راوی نے کہا: میں نے پچاس سے زائد بار یہ حدیث سنی۔

میں کہتا ہوں: اور بہت سے ائمہ اسلام نے اس پر نص فرمادیا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے ان مذکورہ پانچ[1] چیزوں کی بعض قسموں کی بھی خبر دی، آپ نے اگرچہ بعض چیزوں کی خبر دی مگر آپ کی ذات شریفہ کو دوسری چیزیں بھی معلوم ہیں، اس نقطہ کو اچھی طرح ذہن میں رکھنا چاہئے کیوں کہ اللہ عزوجل نے نبی پاک ﷺ کے بارے میں فرمایا:

﴿ فَأَوْحَىٰٓ إِلَىٰ عَبْدِهِۦ مَآ أَوْحَىٰ ﴾ [النجم-۵۳ :۱۰]

(۱) علامہ بیجوری شرح بردہ شریف میں فرماتے ہیں:

'' لم يخرج صلى الله تعالى عليه وسلم من الدنيا إلا بعد أن أعلمه الله تعالى بهذه الأمور أى الخمسة'' (شرح الباجوری علی البردۃ ص۷۶)

ترجمہ:۔''نبی ﷺ دنیا سے تشریف نہ لے گئے مگر بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو ان پانچوں غیبوں کا علم دے دیا''۔

علامہ شنوانی نے ''جمع النهاية'' میں اسے بطور حدیث بیان کیا:

'' قد ورد أن الله تعالى لم يخرج النبي ﷺ حتى اطلعه على كل شيئ''.

ترجمہ:۔''بے شک وارد ہوا کہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دنیا سے نہ لے گیا جب تک کہ حضور کو تمام اشیا کا علم عطا نہ فرمایا''۔

حافظ الحدیث سیدی احمد مالکی غوث الزماں سید شریف عبدالعزیز مسعود حسنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:

'' هو صلى الله تعالى عليه وسلم لا يخفي عليه شيئ من الخمس المذكورة في الاية وكيف يخفى عليه ذلک و الأقطاب السبعة من أمته الشريفة يعلمونها وهم دون الغوث فكيف بالغوث، فكيف بسيد الأولين والآخرين الذي هو سبب كل شيئ ومنه كل شيئ ''۔

ترجمہ:۔’’اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی‘‘۔

اور حضور اقدس پر یہ لازم نہیں کہ آپ کو جو کچھ معلوم ہے سب کچھ لوگوں کو بتا دیں، ہاں رب عزوجل جس کا حکم فرماتا ہے اس کی خبر دیتے ہیں، آپ نے اس ابر باراں کی خبر دی جس نے یمن میں بارش کی، اور جنگ بدر

ترجمہ:۔’’قیامت کب آئے گی، مینہ ۲ کب اور کہاں اور کتنا برسے گا، مادہ ۳ کے پیٹ میں کیا ہے، کل ۴ کیا ہوگا، فلاں ۵ کہاں مرے گا یہ پانچوں غیب جو آیت کریمہ میں مذکور ہیں ان میں سے کوئی چیز رسول اللہ ﷺ پر مخفی نہیں اور کیوں کر یہ چیزیں حضور سے پوشیدہ ہیں حالاں کہ حضور کی امت سے ساتوں قطب ان کو جانتے ہیں اور ان کا مرتبہ غوث کے نیچے ہے غوث کا کیا کہنا پھر ان کا کیا پوچھنا جو سب اگلوں پچھلوں سارے جہان کے سردار اور ہر چیز کے سبب ہیں اور ہر شئ انھیں سے ہے ﷺ‘‘۔

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

یزابریزعزیز میں فرمایا:

’’قلت للشيخ رضي الله تعالى عنه إن علماء الظاهر من المحدثين وغيرهم اختلفوافي النبي صلى الله تعالى عليه وسلم هل كان يعلم الخمس فقال رضى الله تعالى عنه كيف يخفى أمر الخمس عليه صلى الله تعالى عليه وسلم والواحد من أهل التصرف من أمته الشريفة لايمكنه التصرف إلا بمعرفة هذه الخمس‘‘.

ترجمہ:۔’’میں نے حضرت شیخ رضی اللہ تعالی عنہ سے عرض کی کہ علمائے ظاہر محدثین مسئلہ خمس میں باہم اختلاف رکھتے ہیں۔علما کا ایک گروہ کہتا ہے کہ نبی ﷺ کو ان کا علم تھا دوسرا انکار کرتا ہے اس میں حق کیا ہے؟ فرمایا: (جو نبی ﷺ کو پانچوں غیبوں کا علم مانتے ہیں وہ حق پر ہیں) حضور سے یہ غیب کیوں کر چھپے رہیں گے حالاں کہ حضور کی امت شریفہ میں جو اولیائے کرام اہل تصرف ہیں (کہ عالم میں تصرف فرماتے ہیں) وہ جب تک ان پانچوں غیبوں کو نہ جان لیں تصرف نہیں کرسکتے‘‘۔

علامہ حسن بن علی مدابغی حاشیہ فتح المبین، امام ابن حجر مکی، اور فاضل ابن عطیہ فتوحات وہبیہ شرح اربعین امام نووی میں نبی ﷺ کو علم قیامت عطا ہونے کے باب میں فرماتے ہیں:

’’الحق كما قال جمع إن الله سبحنه و تعالى لم يقبض نبيناصلى الله تعالى عليه وسلم

میں کفار قریش کے قتل گاہوں کی بھی نشاندہی فرمادی، اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے سیدہ عائشہ سے فرمایا: تمہارے دو بھائی اور دو بہن ہیں، جب کہ عائشہ کی صرف ایک ہی بہن موجود تھیں تو سیدہ عائشہ نے جان لیا کہ سیدنا صدیق اکبر کی بیوی کے شکم سے عنقریب بچی پیدا ہوگی، اور آنے والی دوسری حدیثوں سے بھی اس مضمون کی اچھی توضیح ہوتی ہے۔

دوسری حدیث: " حفظه من حفظه" (ترجمہ:۔"یادرکھنے والوں نے اسے یادرکھا")

حذیفہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان ایک روز کھڑے ہوئے اور اس جگہ قیامت تک ہونے والی ساری چیزیں بیان فرمادیں، یادرکھنے والوں نے اسے یادرکھا اور بھلانے والوں نے اسے بھلادیا، میرے ان اصحاب کو اس کا علم ہے، اور یقیناً آپ سے کوئی چیز ظاہر ہوتی جسے میں بھول جاتا، جب میں اسے دیکھتا تو اسے اس طرح یاد کر لیتا جس طرح کوئی شخص غائب آدمی کا چہرہ یاد آنے پر اسے دیکھ کر پہچان لیتا ہے۔(۱)

تیسری حدیث:" إنـي لأعـرف لـون خيـولهـم" (ترجمہ:۔"بے شک میں ان کے

حتى اطلعه على كل ماأبهمه عنه إلا أنه أمربكتم بعض والإعلام ببعض" (خالص الاعتقاد ص۴۳تا۴۶)

ترجمہ:۔"حق مذہب وہ ہے جو ایک جماعت علمانے فرمایا کہ اللہ عزوجل ہمارے نبی ﷺ کو دنیا سے نہ لے گیا یہاں تک کہ جو کچھ حضور سے مخفی رہا تھا اس سب کا علم حضور کو عطا فرمادیا ہاں بعض علوم کی نسبت حضور کو حکم دیا کہ کسی کو نہ بتائیں، اور بعض کے بتانے کا حکم کیا"۔

حاصل یہ کہ بارش کا وقت اور حمل میں کیا ہے، اور کل کیا کرے گا اور کہاں مرے گا یہ ساری چیزیں اللہ عزوجل کے بتانے سے حضور اقدس ﷺ کو معلوم ہیں اور یہ کہنا کہ اللہ تعالی کے بتانے سے بھی کوئی نہیں جانتا محض باطل اور صدہا آیات واحادیث کا انکار ہے۔(ماخوذ از خالص الاعتقاد سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ) (مترجم)

(۱) امام بخاری (۱۱۶۶/۳) نے عمر اور امام مسلم (۲۲۱۷/۴) نے حذیفہ سے اس حدیث کی تخریج کی، ان کے علاوہ اور بھی چند صحابہ سے یہ حدیث مروی ہے۔

گھوڑوں کا رنگ پہچانتا ہوں'')

''امام مسلم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے ایک طویل حدیث میں قیامت کی نشانیوں کے بارے میں روایت کیا جس کے آخر میں یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

''تو ان لوگوں کے پاس چیخ آتی بے شک دجال نے ان کی اولاد میں انہیں پیچھے چھوڑ دیا ہے، تو جو کچھ ان کے ہاتھوں میں ہے وہ اسے چھوڑتے اور قبول کرتے ہیں پھر وہ لوگ دس گھوڑسواروں کا دستہ مقدمۃ الجیش بنا کر بھیجتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک میں ضرور ان کے اور ان کے آبا کا نام، اور ان کے گھوڑوں کا رنگ پہچانتا ہوں، وہ لوگ اس وقت روئے زمین پر بہترین گھوڑسوار ہیں''۔(۱)

<u>چوتھی حدیث:</u> ''كتاب أهل الجنة، وكتاب أهل النار''

ترجمہ:۔''اہل جنت اور اہل جہنم کی کتاب

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالی عنہما نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ اپنے ہاتھوں میں دو کتابیں لیے ہمارے پاس تشریف لائے، اور فرمایا: ''کیا تمہیں معلوم ہے یہ دو کتابیں کیا ہیں؟'' ہم لوگوں نے عرض کیا: نہیں یارسول اللہ! مگر آپ کے بتانے سے، تو آپ کے دست راست میں جو کتاب تھی اس کے متعلق فرمایا: یہ رب العالمین کی طرف سے ایک کتاب ہے جس میں اہل جنت، ان کے آبا، اور ان کے قبیلوں کے نام ہیں پھر ان کے آخر میں ٹوٹل کر دیا گیا ہے کہ اب ان میں کبھی کمی وبیشی نہیں ہوسکتی، پھر آپ کے بائیں ہاتھ میں جو کتاب تھی اس کے متعلق فرمایا: یہ رب العالمین کی طرف سے ایک کتاب ہے جس میں اہل جہنم، ان کے آبا اور ان کے قبیلوں کے نام ہیں پھر اجمالا ان سب کا ایسا ذکر فرمایا کہ ان میں کبھی کمی وبیشی نہ ہوگی، اس پر آپ کے صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر اس معاملہ سے فراغت ہوچکی تو عمل کس کام کے لیے ہے؟ آپ نے فرمایا:

---

(۱) امام مسلم نے اپنی صحیح میں (۲۲۲۳/۴)، ابوداؤد طیالسی (۵۱/۱)، ابن حبان (۱۹۳/۱۵) اور حاکم نے مستدرک (۵۲۳/۴) میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے تخریج کی۔

''سددوا وقاربوا فإن صاحب الجنة يختم له بعمل أهل الجنة وإن عمل أي عمل ،وإن صاحب النار يختم له بعمل أهل النار وإن عمل أي عمل''

ترجمہ:۔''درستگی اختیار کرو،اوراس کے قریب رہو،کیوں کہ جنتیوں کا خاتمہ اہل جنت کے عمل پر ہوگا اگر چہ وہ کوئی عمل کرے،اور بے شک اہل جہنم کا خاتمہ جہنمیوں کے عمل پر ہوگا اگر چہ کوئی عمل کرے''۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''فرغ ربكم من العبادفريق في الجنة وفريق في السعير''.

ترجمہ:۔''تمھارے رب نے بندوں کا فیصلہ فرمادیا ہے،ایک گروہ جنت میں رہے گا اور ایک گروہ جہنم میں'' (۱)

<u>پانچویں حدیث</u>: '' عرضت علي الأمم'' امتیں میری سامنے پیش کی گئیں۔

امام مسلم نے اپنی صحیح (۳۹۰/۱) میں ابوذر رضی اللہ تعالی عنہ سے تخریج کی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''ثم عرضت علي أعمال أمتي حسنها وسيئها، فوجدت في محاسن أعمالها الأذى يماط عن الطريق، ووجدت في مساوي أعمالها النخاعة تكون في المسجد لاتدفن''.

ترجمہ:۔''پھر میری امت کے اچھے اور برے اعمال میرے سامنے پیش کیے گئے تو میں نے ان کے اچھے اعمال میں یہ پایا کہ تکلیف دہ چیز کو راستے سے دور کر دیا جائے،اوران کے برے اعمال میں یہ پایا کہ مسجد میں کھنکھار آئے تو اسے چھپایا نہ جائے''۔

(۱) دونوں کتاب والی حدیث امام احمد نے اپنی مسند (۱۶۷/۲) میں اور ترمذی نے (۴۴۹/۴) روایت کیا اور کہا: حسن صحیح غریب ہے، اور ابن ابو عاصم نے السنۃ (۱۵۴/۱-۱۵۵) میں عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالی عنہما سے تخریج کی اور حافظ نے فتح الباری (۲۹۱/۶) میں اسے حسن کہا،طبرانی نے اوسط (۲۴۷/۵) میں علی رضی اللہ تعالی عنہ سے اسے روایت کیا اور ابونعیم نے حلیہ (۳۰۳/۳) میں ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کیا۔

چھٹی حدیث:

"فوالله لاتسألونني عن شيً إلا أخبرتكم به مادمت في مقامي فقال له رجل: من أبي يارسول الله ؟ "

ترجمہ:۔"خدا کی قسم میں جب تک اپنی اس جگہ کھڑا ہوں تم مجھ سے جس چیز کے بارے میں پوچھوگے میں تمہیں اسے بتادوں گا، اس پر ایک شخص نے آپ سے کہا: یارسول اللہ! میرے باپ کون ہیں؟"

امام بخاری (۱/۲۰۰) و مسلم (۱۸۳۲/۴) (الفاظ مسلم ہیں) نے انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے تخریج کی کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت نکلے جب سورج ڈھل گیا تو نماز ظہر پڑھائی، جب سلام پھیر کر منبر پر رونق افروز ہوئے تو قیامت کا ذکر فرمایا، اور یہ ذکر فرمایا کہ اس سے پہلے کچھ عظیم چیزیں ہوں گی، پھر فرمایا: **"من أحب أن يسألني عن شيً فوالله لاتسألونني عن شيً إلا أخبرتكم به مادمت في مقامي هذا".** "جو شخص مجھ سے کوئی چیز پوچھنا چاہے پوچھ لے، خدا کی قسم میں جب تک اپنی اس جگہ ہوں تم مجھ سے جس چیز کے بارے میں پوچھوگے میں تمہیں اسے بتادوں گا" انس ابن مالک رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: صحابہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سن کر خوب روئے، اور رسول اللہ ﷺ کثرت سے فرماتے "سلوني" مجھ سے پوچھو، تو عبداللہ بن حذافہ نے کھڑے ہو کر کہا: یارسول اللہ میرے باپ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا "تمہارے باپ حذافہ ہیں" جب رسول اللہ ﷺ نے کثرت سے فرمایا: "سلوني" تم لوگ مجھ سے پوچھو، تو عمر دوزانو بیٹھ گئے اور عرض کیا: ہم اس پر راضی ہیں کہ اللہ ہمارا رب، اسلام ہمارا دین، اور محمد ہمارے رسول ہیں، راوی کہتے ہیں: جب عمر نے یہ عرض کیا تو رسول اللہ ﷺ نے سکوت فرمایا، پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **"والذى نفس محمد بيده لقدعرضت علي الجنة والنار انفافي عرض هذاالحائط فلم أر كاليوم في الخير والشر".** "اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اس دیوار کے عرض میں ابھی میرے سامنے جنت وجہنم پیش کیے گئے تو میں نے آج کی طرح خیر وشر کبھی نہ دیکھا۔

ساتویں حدیث: ''حديث العنب'' شگوفۂ انگور کی حدیث

ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں سورج گہن آلود ہوا تو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھ آپ کے صحابہ نے نماز ادا فرمائی، آپ نے سورۂ بقرہ کی مقدار طویل قیام فرمایا، پھر طویل رکوع فرمایا، پھر سر اٹھا کر پہلی رکعت کے قیام سے کم طویل قیام فرمایا، پھر لمبا رکوع فرمایا، جو پہلے رکوع سے کم لمبا تھا، پھر سجدہ فرمایا، پھر طویل قیام فرمایا جو پہلے قیام سے کم لمبا تھا، پھر طویل رکوع فرمایا جو پہلے رکوع سے کم لمبا تھا، پھر سر اٹھا کر لمبا قیام فرمایا جو پہلے قیام سے کم لمبا تھا، پھر لمبا رکوع فرمایا، جو پہلے رکوع سے کم لمبا تھا، پھر سجدہ فرمایا اور نماز سے اس حال میں فارغ ہوئے کہ سورج روشن ہو چکا تھا تو آپ نے فرمایا:

''إن الشمس والقمر من آيات الله لاينكسفان لموت أحد ولالحياته فإذا رأيتم ذلک فاذكروا الله''.

ترجمہ:۔ ''بے شک سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے (دو نشانیاں) ہیں، یہ دونوں کسی کی موت و زیست پر گہن آلود نہیں ہوتے، جب تم لوگ اس کو دیکھو تو اللہ کا ذکر کرو''۔

لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نے آپ کو اس جگہ کوئی چیز لیتے دیکھا پھر ہم نے آپ کو اس سے باز رہتے دیکھا تو فرمایا:

''إنی رأيت الجنة فتناولت منها عنقودا ولو أخذته لأكلتم منه مادامت الدنياورأيت النار فلم أر كاليوم منظرا قط ورأيت أكثر أهلهاالنساء''.

ترجمہ:۔ ''بے شک میں نے جنت دیکھی تو اس سے ایک شگوفۂ انگور لینا چاہا اور اگر میں اس کو لے لیتا تو جب تک دنیا قائم رہتی تم ضرور اس سے کھاتے، اور میں نے جہنم دیکھا تو میں نے آج جیسا منظر کبھی نہ دیکھا، اور میں نے جہنم میں زیادہ عورتوں کو دیکھا''۔

صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کس وجہ سے؟ فرمایا: ''**بكفرهن**'' ''ان کی ناشکری کے سبب'' عرض کیا گیا: کیا اللہ کی ناشکری کرتی ہیں؟ فرمایا: ''شوہر کی ناشکری، اور احسان فراموشی کے سبب، اگر زمانہ بھر تم ان کے

ساتھ احسان کرو پھر وہ تم سے کوئی کمی دیکھ لیں تو یہی کہیں گی کہ میں نے تم سے کبھی کوئی بھلائی نہ دیکھی''۔(۱)

آٹھویں حدیث: ''فیم یختصم الملأ الأعلی'' ملائکہ مقربین کس بارے میں جھگڑ رہے ہیں۔

امام ترمذی نے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ سے تخریج کی کہ: رسول اللہ ﷺ ایک روز نماز صبح کو اس وقت تیزی سے نکلے جب کہ سورج نکلنے کے قریب تھا، اقامت کہی گئی اور رسول اللہ ﷺ نے نماز کی امامت فرمائی اور نماز میں اختصار فرمایا، جب سلام پھیر کر دعا فرمائی تو دعا کے بعد ہم سے فرمایا: ''اپنی صفوں میں اپنی جگہ اسی طرح بیٹھے رہیے'' پھر آپ نے ہماری طرف رخ فرما کر فرمایا: ''سنو میں عنقریب تم سے وہ چیز بیان کروں گا جس نے مجھے تم سے صبح کو روک رکھا تھا، میں نے رات میں بیدار ہو کر وضو کیا اور جس قدر مجھ سے ہو سکا نماز پڑھی، پھر مجھے نماز میں اونگھ آئی یہاں تک کہ میں گراں بار ہو گیا اور اچانک اپنے رب تبارک وتعالی کو بہترین صورت (جلوہ) میں دیکھا، اس نے فرمایا: اے محمد! میں نے عرض کی لبیک اے میرے پروردگار! فرمایا: ملائکہ مقربین کس بات میں جھگڑ رہے ہیں؟ میں نے کہا: مجھے نہیں معلوم۔ تین مرتبہ یہی فرمایا۔ آپ نے فرمایا: میں نے رب تعالی کو دیکھا کہ اس نے اپنے کف قدرت کو میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا یہاں تک کہ میں نے اپنے دونوں پستانوں کے درمیان اس کے پوروں کی ٹھنڈک محسوس کی تو میرے لیے ہر چیز روشن ہو گئی اور میں نے ہر چیز پہچان لی، پھر رب عزوجل نے فرمایا: اے محمد! (ﷺ) میں نے عرض کیا: لبیک اے میرے پروردگار! فرمایا: ملائکہ مقربین کس بات میں جھگڑ رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا: کفارے کے بارے میں، فرمایا: کفارے کیا ہیں؟ میں نے عرض کیا: نیکیوں کی طرف پیش قدمی کرنا، نمازوں کے بعد مسجدوں میں بیٹھے رہنا، اور اس وقت کامل وضو کرنا جب وضو کرنا دشوار و ناگوار ہو۔ فرمایا: کس بارے میں؟ میں نے عرض کیا: لوگوں کو کھانا کھلانا، اور نرمی سے کلام کرنا اور رات میں نماز پڑھنا جب کہ لوگ سو رہے ہوں، رب تعالی نے فرمایا: مانگو، میں نے عرض کیا:

''اللهم إني أسألك فعل الخيرات، ترك المنكرات وحب المساكين وأن تغفرلي وترحمني، وإذا أردت فتنة بقوم فاقبضني إليك غير مفتون،

(۱) انگور کی حدیث بخاری (۲۶۱/۱) ومسلم (۶۱۹/۲) وغیرہما نے ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے تخریج کی، اور جابر ابن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ اور ابی ابن کعب سے بھی مروی ہے۔

أسألک حبک وحب من یحبک،وحب عمل یقرب إلی حبک قال رسول الله ﷺ: إنها حق فادرسوها ثم تعلموها".(۱)

ترجمہ:''اے اللہ! میں تجھ سے نیکیاں کرنے، برائیاں چھوڑنے، مسکینوں سے محبت کرنے، اوراپنی بخشش ورحمت کا سوال کرتا ہوں، اور جب تو کسی قوم کے ساتھ فتنہ کا ارادہ فرمائے تو مجھے فتنہ میں ڈالے بغیر اپنے جوارقدس میں اٹھالے، میں تجھ سے تیری، تیرے محبوبوں کی محبت، اور تیرا قرب ومحبت عطا کرنے والے عمل کی محبت کا سوال کرتا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ حق ہے تو تم لوگ اسے خود پڑھواور دوسروں کو بھی سکھاؤ''۔

امام ابوعیسی ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے، میں نے محمد بن اسماعیل بخاری سے اس حدیث کے بارے میں سنا، آپ نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اور تعجب اس پر ہے کہ ابن تیمیہ کو اس حدیث کی صحت کا اعتراف ہے۔اور یہ بھی حیرت انگیز ہے کہ ابن قیم نے زادالمعاد(۱/۱۳۶-۱۳۷) میں کہا کہ:

''ہمارے شیخ ابوالعباس ابن تیمیہ قدس اللہ روحہ فی الجنۃ زلف (رسالت) کے متعلق ایک بدیع چیز ذکر کرتے تھے، اور وہ یہ ہے کہ نبی نے اسے اس خواب کی صبح اختیار فرمایا جسے مدینہ میں دیکھا کہ رب العزت تبارک وتعالی نے آپ سے فرمایا: ''اے محمد!ملأ اعلی کس بارے میں جھگڑ رہے ہیں؟ میں نے

(۱) امام احمد(۵/۲۴۳)وترمذی(۵/۳۶۸)،اورطبرانی نے کبیر میں(۲۰/۱۰۹، ۱۴۱)اس حدیث کو حضرت معاذ بن جبل سے تخریج کی، اور طبرانی کی ایک روایت میں اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:"فعلمت من کل شيً وبصرته" ''تو میں نے ہر چیز جان لی اور اسے دیکھ لیا''۔جیسا کہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے مسند امام احمد(۱/۳۶۸) میں اس لفظ سے مروی ہے:"فعلمت مافي السماوات وما في الأرض" تو میں نے آسمان وزمین کی ہر چیز جان لی۔اور ثوبان ،عبدالرحمٰن بن عائش، ابوامامہ، ابوہریرہ، جابر بن سمرہ، اور رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحاب سے امام احمد نے (۴/۶۶) اس لفظ سے روایت کیا:"حتی تجلی لي ما في السماوات ومافي الأرض" یہاں تک کہ آسمان وزمین کی ساری چیزیں مجھ پر روشن ہوگئیں۔

کہا: میں نہیں جانتا، تو اس نے اپنا دست قدرت میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا تو میں نے آسمان وزمین کے درمیان کی ساری چیزیں جان لیں" الحدیث، اور یہ حدیث ترمذی میں ہے اور بخاری سے اس بارے میں پوچھا گیا تو کہا: صحیح ہے۔

ابن تیمیہ نے کہا: اسی وقت سے آپ نے دونوں شانوں کو اپنی زلفوں سے مزین کیا، یہ وہ علوم ہیں جنہیں جاہلوں کی زبانیں اور ان کے دل قبول نہیں کرتے، میری نظر میں دوسروں کے زلف رکھنے میں یہ فائدہ نہیں۔

حافظ مناوی صاحب فیض القدیر نے اپنی شرح شمائل میں اس کا رد کرتے ہوئے کہا کہ:

"ابن قیم نے اپنے شیخ ابن تیمیہ کے بارے میں یہ کہا: مصطفےٰ ﷺ نے جب خواب میں اپنے رب کا دیدار کیا تو رب تعالی نے اپنا ہاتھ آپ کے دونوں شانوں کے درمیان رکھا اس لیے آپ نے اس مقام کو زلفوں سے مزین فرمایا۔ شارح یعنی ابن حجر مکی نے اس کا اس طرح رد فرمایا کہ: "یہ ان دونوں کی قبیح گمراہی ہے، جس کی بنیاد ان دونوں کے اس مذہب پر ہے کہ وہ دونوں اللہ عزوجل کے لیے جہت اور سمت ثابت کرتے ہیں"۔ **تعالی اللّٰہ عما یقول الظالمون علوا کبیرا.**

مناوی نے یہ ذکر کر کے کہا: میں کہتا ہوں: ان دونوں کا مبتدع ہونا ایک مسلم امر ہے، اور رہا یہ کہ اس کی بنیاد خاص عقیدۂ تجسیم پر ہے تو یہ درست نہیں، پھر اس کے رد میں بہت سے دلائل ذکر کیے۔

"**شواهدالحق في الاستغاثة بسيدالخلق للنبهاني**" (۱۸۸، ۱۸۹) مطالعہ کریں۔

ابن تیمیہ نے ایک عجیب وغریب چیز کا افادہ کیا جسے ابن قیم نے ذکر کیا کہ نبی پاک نے اس مقام کو اپنی زلف سے مزین فرمایا، اس نے نہ اپنی دلیل ذکر کی، اور نہ اپنے شیخ کی، آخر ایسا کیوں؟

اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

﴿ **لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ** ﴾ [التوبہ-۹:۱۰۱]

ترجمہ:۔ ''تم انھیں نہیں جانتے، ہم انھیں جانتے ہیں''

ابن تیمیہ نے اس آیت کریمہ سے ایک فاسد اور غلط استدلال یہ کیا کہ نبی کریم ﷺ منافقین کو نہیں جانتے، اس کا یہ استدلال اس لیے فاسد ہے کہ اس آیت کریمہ میں ساعت اور لمحہ مراد ہے یعنی ''اے محبوب! آپ انھیں اس وقت نہیں جانتے اور عنقریب ہم تمہیں ان کا علم بخشیں گے'' اور اللہ عزوجل نے یہ نہ فرمایا کہ ہم اپنے نبی پاک ﷺ کو آپ کے وصال تک ان کا علم نہ عطا کریں گے، کیوں کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿ وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ﴾ [التوبہ-۹:۸۴]

ترجمہ:۔ ''اور نہ اس (ابن ابی منافق) کی قبر پر کھڑے ہونا''

اور فرمایا:

﴿إِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ﴾ [المنافقون-۶۳:۱]

ترجمہ:۔ ''جب منافق تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں (اپنے ضمیر کے خلاف) کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور بے شک یقیناً اللہ کے رسول ہیں''۔

اور اس کی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ ابن جوزی نے زادالمسیر (۴۹۲/۳) میں فرمایا:

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''لاتعلمهم'' میں دو وجہیں ہیں: ایک وجہ یہ ہے کہ: کہ: آپ انھیں نہ جانیں گے یہاں تک کہ ہم آپ کو ان کا علم بخشیں گے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ: آپ کو ان کا انجام معلوم نہیں، اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَيْنِ﴾ [التوبہ-۹:۱۰۱] میں دس اقوال ہیں جن میں سے ایک قول یہ ہے کہ: پہلا عذاب دنیا میں ہوگا، اور وہ اس طرح کہ ان کے نفاق کے سبب انہیں ذلیل وخوار فرمائے گا، اور دوسرا عذاب قبر میں ہوگا، اس کے قائل ابن عباس ہیں، آپ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ ایک جمعہ کے دن خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ:

''یا فلان اخرج فإنک منافق ویافلان اخرج''

ترجمہ:۔ ''اے فلاں! نکل، کیوں کہ تو منافق ہے، اور اے فلاں! نکل، سرکار نے اس طرح انہیں ذلیل

وخوار فرمایا''۔

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج میں یہ خیال کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو جن منافقوں کا علم تھا، اور حذیفہ بن یمان نے جن کی خبر دی یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے غزوہ تبوک میں شرکت نہ کی، اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے غزوہ تبوک میں تشریف لے جانے کے وقت آپ کے خلاف باہم مشورہ کیا، اس کا یہ زعم وخیال بھی اسی باب سے ہے کہ نبی پاک ﷺ کو منافقوں کا علم کم تھا۔

مسلمانوں کی کتب تفاسیر اس سے مالا مال ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض منافقوں کے نام ذکر فرمائے، اور بعض صحابہ کرام کو ان کی خبر دی، اور انہیں میں سے مثلا وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿ إِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْلَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُ وْسَهُمْ﴾ [المنافقون-٦٣:٥]

ترجمہ:۔''اور جب ان سے کہا جائے کہ (معافی چاہنے کے لیے) آؤ رسول اللہ تمہارے لیے معافی چاہیں تو اپنے سر گھماتے ہیں''۔ (اس کے علاوہ اور بھی بہت سی آیتیں ہیں)

حدیث پاک میں منافقوں کی ایک خاص جماعت کا ذکر آیا ہوا ہے، امام احمد نے تخریج کی کہ ابومسعود عقبہ بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک بار خطاب فرمایا، اللہ تعالی کی حمد وثنا فرما کر ارشاد فرمایا:

''إن منكم منافقين فمن سميت فليقم ثم قال يافلان ثم يافلان''، (ترجمہ:۔''بے شک تم میں سے کچھ لوگ منافق ہیں، میں جس کا نام لوں وہ فورا کھڑا ہو جائے، پھر فرمایا: اے فلاں اٹھ، اے فلاں اٹھ'') یہاں تک کہ آپ نے چھتیس منافقوں کے نام لیے پھر فرمایا: ''تم میں اب بھی کچھ منافق باقی ہیں ایسے لوگ اللہ کا خوف کریں''، پھر عمر رضی اللہ تعالی عنہ ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرے جسے نام لے کر مسجد سے نکالا گیا، وہ اپنے چہرہ کو چھپائے ہوئے تھا آپ نے فرمایا: تیرا کیا معاملہ ہے؟ تو اس نے وہ ساری باتیں بتائیں

جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تو آپ نے فرمایا: تمہارے لیے دن بھر دوری رہے۔[1]

طبری نے اپنی تفسیر (۱۱/۹-۱۱) میں کہا:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُوْنَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ إِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ﴾ [التوبہ-۹:۱۰۱]

ترجمہ:۔ ''اور کچھ مدینہ منورہ والے ان کی خو (عادت) ہوگئی ہے نفاق، تم انھیں نہیں جانتے ہم انھیں جانتے ہیں، جلد ہم انھیں دوبار عذاب کریں گے، پھر بڑے عذاب (عذاب دوزخ) کی طرف پھیرے جائیں گے''۔

اس ارشاد کی تاویل میں علمائے تاویل کا اختلاف ہے کہ دنیا میں ان کا کیا حشر ہوگا، بعض علمائے تاویل نے کہا: دنیا میں ان کی فضیحت ورسوائی ہوگی، اللہ عزوجل نے انھیں اس طرح ذلیل وخوار فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے زبان حق بیان سے ان لوگوں کے معاملات اور ان کے پوشیدہ اسرار لوگوں پر واضح اور روشن فرمادیے۔

حسین بن عمرو عنقزی نے بیان کیا، کہ مجھ سے میرے والد نے بیان کیا، ہم سے اسباط نے سدی سے روایت کیا کہ ابو مالک نے فرمایا کہ: ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اللہ عزوجل کے اس ارشاد کے بارے میں

---

(۱) امام احمد (۲۷۳/۵)، عبد بن حمید (۱۰۶/۱)، اور طبرانی نے کبیر میں (۲۴۶/۱۷) یہ حدیث تخریج کی، میں کہتا ہوں: بخاری نے تاریخ کبیر (۲۲/۷) میں عیاض بن عیاض ابوقیلہ کا جرح وتعدیل کے بغیر ذکر کیا، اور ابن ابوحاتم نے الجرح والتعدیل (۴۰۹/۶) میں کہا: انھوں نے اپنے والد سے روایت کیا کہ ابومسعود انصاری نے روایت کیا، ان سے سلمہ بن کہیل اور موسی بن قیس حضرمی نے روایت کیا کہ میں نے اپنے والد سے یہ کہتے سنا، اور ابن ابوحاتم (۲۶۷/۵) نے انہیں ثقہ کہا۔ ابن عباس نے بھی یہ حدیث روایت کی، اس میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چھتیس منافقوں کے نام ذکر فرمائے، طبرانی نے اوسط میں اس کی تخریج کی مگر اس حدیث کے راوی حسین بن عمرو بن محمد عنقزی ضعیف ہیں جیسا کہ ھیثمی نے مجمع الزوائد (۳۳/۷-۳۴) میں کہا۔

فرمایا:

﴿وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الأَعْرَابِ مُنَافِقُوْنَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ﴾

اللہ تعالی کے ارشاد: ﴿عَذَابٍ عَظِيْمٍ﴾ تک۔[ترجمہ:۔''اور کچھ مدینہ منورہ والے ان کی خو(عادت)ہوگئی ہے نفاق'']

کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن کھڑے ہوکر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''اخرج یافلان فإنک منافق،اخرج یا فلان فإنک منافق''.

ترجمہ:۔''اے فلاں باہر نکل کہ تو منافق ہے،اے فلاں باہر نکل کہ تو منافق ہے''۔

حضور نے ان منافقین میں سے کچھ لوگوں کو مسجد سے باہر نکال کر انہیں ذلیل وخوار فرمایا، ابھی یہ لوگ مسجد سے باہر نکل ہی رہے تھے کہ حضرت عمر کی ان سے ملاقات ہوگئی،آپ ان لوگوں سے اس حیا کے سبب چھپ گئے کہ جمعہ میں شریک نہ ہوسکے،آپ نے یہ سمجھا کہ یہ لوگ جمعہ سے واپس ہورہے ہیں،اور یہ لوگ بھی عمر سے یہ سمجھ کر چھپے کہ آپ کو ان کا حال معلوم ہوگیا ہے،جب عمر مسجد میں آئے تو دیکھا کہ ابھی لوگوں نے نماز نہیں پڑھی ہے تو آپ سے ایک صحابی نے کہا:اے عمر! آپ کو خوش خبری ہو،آج اللہ نے منافقوں کو رسوا فرمادیا،اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ دنیا میں یہ پہلا عذاب ہے جب سرکار نے ان منافقوں کو مسجد سے نکالا۔

اور دوسرا عذاب قبر کا عذاب ہے۔مجھ سے حرث نے بیان کیا،ہم سے عبدالعزیز نے بیان کیا،ہم سے سفیان نے بیان کیا،سدی نے روایت کیا کہ ابو مالک نے ﴿سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَيْنِ﴾ [التوبہ-۹:۱۰۱] کی تفسیر میں فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے منافقوں کا ذکر فرمایا اور اپنی زبان سے انہیں عذاب دیا۔

فرمایا:اور قبر کا عذاب،قتادہ نے فرمایا:﴿سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَيْنِ﴾ ہم انہیں دوبار عذاب کریں گے،دنیا اور قبر کا عذاب۔﴿ثُمَّ يُرَدُّوْنَ إِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ﴾ پھر بڑے عذاب کی طرف پھیرے جائیں گے۔آپ نے ہم سے ذکر کیا کہ اللہ کے نبی ﷺ نے حذیفہ سے پوشیدہ طور پر بارہ منافقوں کا ذکر فرمایا تو

فرمایا: ''ان میں سے چھ لوگوں کو یہ مصیبت کافی ہوگی کہ جہنم کے آگ کا چراغ دبیلہ ان میں سے ہر ایک کے شانہ میں لگے گی یہاں تک کہ اس کی سوزش اس کے سینہ تک پہنچ جائے گی جس کے سبب ان چھ منافقوں کی یقینی موت ہوجائے گی''۔ آپ نے ہم سے ذکر کیا کہ جب کسی شخص کا انتقال ہوتا جس کے بارے میں یہ دیکھا جاتا کہ یہ انہیں چھ لوگوں میں سے ہے تو عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ حذیفہ کو دیکھتے اگر آپ اس کی نماز جنازہ پڑھتے تو آپ (عمر) بھی اس کی نماز جنازہ پڑھتے ورنہ نہ پڑھتے، اور آپ نے ہم سے ذکر فرمایا کہ عمر نے حذیفہ سے فرمایا: میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں، آپ مجھے بتائیں کیا میں بھی انہیں میں سے ہوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، خدا کی قسم، اور آپ کے بعد میں ان میں سے کسی کو مامون نہیں جانتا۔

ابن کثیر نے اپنی تفسیر (۳۸۶/۲) میں کہا:

سعید نے فرمایا کہ: قتادہ نے اللہ تعالی کے ارشاد: ﴿سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَيْنِ﴾ (جلد ہم انھیں دوبار عذاب دیں گے) کے بارے میں فرمایا کہ: ہم عنقریب انہیں دوبار عذاب دیں گے، دنیا کا عذاب، اور قبر کا عذاب ﴿ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ﴾ پھر بڑے عذاب کی طرف پھیرے جائیں گے، اور آپ نے ہم سے یہ ذکر فرمایا کہ اللہ کے نبی ﷺ نے حذیفہ سے پوشیدہ طور پر بارہ منافقوں کے نام بتائے اور فرمایا: ''ان میں چھ کو یہ مصیبت کافی ہے کہ دبیلہ جہنم کے آگ کی چراغ ان میں سے ہر ایک کے شانہ میں لگے گی یہاں تک کہ ان کے سینہ تک اس کی سوزش پہنچے گی جس کے سبب ان سب کی یقینی موت ہوجائے گی''، اور ہم سے ذکر فرمایا کہ جب ان میں سے کوئی شخص مرجاتا جس کے بارے میں یہ دیکھا جاتا کہ یہ انہیں چھ لوگوں میں سے ہے تو عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ حذیفہ کی طرف دیکھتے، اگر آپ اس کی نماز جنازہ پڑھتے تو آپ بھی اس کی نماز جنازہ پڑھتے، ورنہ نہ پڑھتے، اور ہم سے ذکر فرمایا کہ عمر نے حذیفہ سے فرمایا: میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں، آپ مجھے بتائیں کیا میں بھی انہیں میں سے ہوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، اور آپ کے بعد میں ان میں سے کسی کو مامون نہیں جانتا۔

مزید تحقیق کے لیے تفسیر بغوی (۳۲۳/۲) تفسیر ابن کثیر (۱۸۱/۴) تفسیر ابوالسعود (۹۸/۴)، علامہ سیوطی کی الدر المنثور (۲۷۳/۴)، شوکانی کی فتح القدیر (۴۰۱/۲)، اور علامہ آلوسی کی روح المعانی (۱۱/۱۱) کا مطالعہ

کریں۔

تنبیہات:

۱) ابن تیمیہ نے اپنی چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) صفحات کی کتابوں میں کہیں بھی "**حدیث العنب**" ایک بار بھی ذکر نہ کیا۔

۲) حدیث، **کتاب أهل الجنة و كتاب أهل النار**، (اہل جنت اور اہل جہنم کی حدیث) ابن تیمیہ نے ایک بار بھی ذکر نہ کیا، ہاں ابن قیم نے شفاء العلیل (۹/۱) میں ایک بار ذکر کیا۔

۳) حدیث "**لون خيولهم**" (میں ان کے گھوڑوں کا رنگ پہچانتا ہوں) ابن تیمیہ نے یہ حدیث ایک بار بھی ذکر نہ کیا۔

۴) حدیث "سلوني" (مجھ سے پوچھو) ابن تیمیہ نے یہ حدیث ایک بار بھی ذکر نہ کیا، اور ابن قیم نے اعلام الموقعین (۲/۱۷) میں ایک بار ذکر کیا۔

۵) حدیث، تعیین المنافقین" ابن تیمیہ نے تعیین منافقین والی حدیث ایک بار بھی نہ ذکر کیا۔

(۷۸) ابن تیمیہ کے نیاز بردارو! نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ سلم بعثت سے پہلے ہی مومن تھے

وہ نبی پاک ﷺ جن کی ولادت باسعادت کے وقت آپ کی والدہ ماجدہ نے ایسی روشنی دیکھی جس سے ملک شام نظر آیا، جن کا سینہ اطہر چاک کیا گیا، جن کی شان میں ملائکہ سے کہتے سنا گیا: یہی امت کے نبی ہیں، اور جو قبل اعلان نبوت غار حرا میں عبادت کرتے تھے، ابن تیمیہ اور ابن قیم اسی نبی رحمت پر یہ تہمت لگاتے ہیں کہ وحی سے پہلے آپ کو کچھ بھی معلوم نہ تھا، آپ کو یہ بھی علم نہ تھا کہ کتاب اور ایمان کیا ہے، انہیں یہ توفیق نہ ہوئی کہ ائمہ مسلمین کے ان ارشادات عالیہ میں غور وفکر کریں جو انھوں نے بعض آیات کی روشنی میں فرمایا، ابن تیمیہ اور ابن قیم نے جو کچھ سمجھا ان آیات کا ظاہر بالکل اس کے خلاف ہے، ابن تیمیہ نے اپنے مجموعۂ فتاوی (۳۰۹/۱۰) میں کہا:

> ''اور اسی سے ان کے شبہ کا جواب ظاہر ہو جاتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ اسی کو نبی بنا کر مبعوث فرماتا ہے جو نبوت سے پہلے معصوم ہوتا ہے جیسا کہ رافضیوں وغیرہ کی ایک ٹولی یہی کہتی ہے، اور اسی طرح ان کے شبہ کا بھی جواب ظاہر ہو جاتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ اسی کو نبی بنا کر مبعوث فرماتا ہے جو نبوت سے پہلے صاحب ایمان ہوتا ہے''۔

اور اس نے اپنے مجموعۂ فتاوی (۲۸۲/۸) میں مزید کہا:

''اور اسی لیے بہت سے لوگوں کو نبی پاک ﷺ کے اس ارشاد سے غلط فہمی ہوئی جسے میسرہ نے بسند صحیح روایت کر کے کہا کہ: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو نبوت کب ملی؟ اور ایک روایت میں ہے: آپ کا نبی ہونا کب لکھا گیا؟ تو آپ نے فرمایا: ''**کنت نبیا وآدم بین الروح و الجسد**'' ''میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم روح وجسم کے درمیان تھے''۔ اس حدیث سے لوگوں کو یہ گمان ہوا کہ آپ کی ذات، اور آپ کی نبوت اس

وقت موجود تھی، اور یہ جہالت ہے کیوں کہ اللہ نے آپ کو صرف اسی وقت نبی بنایا جب آپ کی عمر چالیس [40] سال کی ہوئی، اور آپ سے فرمایا:

﴿بِمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْءَانَ وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾ [یوسف-۱۲:۳]

ترجمہ:۔''اس لیے ہم نے تمہاری طرف اس قرآن کی وحی بھیجی اگرچہ اس سے پہلے تمہیں خبر نہ تھی''۔

اور فرمایا:

﴿وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى﴾ [الضحیٰ-۹۳:۷]

ترجمہ:۔''اور تمہیں ضال پایا تو ہدایت دی''۔

اور صحیحین میں ہے کہ فرشتہ نے جب آپ کے پاس آکر کہا: پڑھیے، تو آپ نے فرمایا:'' لست بقارئ''، میں نہیں پڑھتا۔

ابن قیم نے ہدایۃ الحیاری (۱/۶۰) میں کہا:

''محمد ﷺ کو وحی سے پہلے کچھ بھی معلوم نہ تھا جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿وَكَذٰلِكَ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْإِيْمٰنُ﴾ [الشوریٰ-۴۲:۵۲]

ترجمہ:۔''اور یوں ہی ہم نے تمہیں وحی بھیجی ایک جاں فزا چیز اپنے حکم سے، اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے، نہ احکام شرع کی تفصیل''۔

اور اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْءَانَ وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾ [یوسف-۱۲:۳]

ترجمہ:۔''ہم تمہیں سب سے اچھا بیان سناتے ہیں،اس لیے کہ ہم نے تمہاری طرف اس قرآن کی وحی بھیجی،اگرچہ بے شک اس سے پہلے تمہیں خبر نہ تھی''۔

اورابن قیم نے الصواعق المرسلۃ (۳۴۲/۲-۷) میں بھی اس کو بہ تاکید ذکر کیا۔

میں کہتا ہوں:

کیاابن تیمیہ اورابن قیم میں یہ دم ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ بے کسپناہ میں کھڑے ہوکر یہ کہیں کہ: وحی سے پہلے آپ کو کچھ بھی معلوم نہ تھا،اور نبی کے لیے یہ شرط نہیں کہ اپنی بعثت سے پہلے مومن ہو، یہاں تک کہ اگراللہ کے نبی یحیی ،عیسی ،اوران دونوں حضرات سے پہلے اللہ کے نبی ابراہیم علیہم السلام اپنی عمر کے ابتدائی مرحلہ میں ہدایت یاب ہیں،تو بھی ہم یہی کہیں گے کہ چالیس سال کے بعد ہی آپ کوعلم وایمان کی دولت حاصل ہوئی اوراس سے پہلے آپ کوکچھ بھی علم وایمان حاصل نہ تھا''۔

جولوگ امت کے نوجوانوں کوتباہ وبرباد کرنے کے لیے ہمہ وقت ریشہ دوانیاں کرتے رہتے ہیں،ہم ایسےلوگوں سےبس یہی کہیں گے:إناللّٰہ و إناإلیہ راجعون، اورحسبنااللّٰہ ونعم الوکیل''۔

ہم قارئین کرام کی خدمت میں چندگوشے پیش کرنا چاہتے ہیں:

(۱) سیدالخلق ﷺ جس وقت حلیمہ سعدیہ کےآغوش تربیت میں تھےاس وقت آپ کا سینہ اطہر چاک کیا گیا۔

صحیح مسلم(۱۴۷/۱) میں ہے کہ انس بن مالک نے فرمایا: جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس اس وقت آئے جب آپ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے،جبریل نے آپ کولٹا کرآپ کاشکم اطہر چاک کیا،اس سےآپ کا قلب اطہر نکالا،اوراس سے علقہ (سیاہ لتھڑا) نکالا اور کہا یہ شیطان کا حصہ ہے، پھر زمزم کے پانی سے سونے کے ایک طشت میں اسے دھویا، پھراسے درست کر کے اپنی جگہ لگادیا، بچے دوڑتے ہوئے آپ کی ماں حلیمہ سعدیہ کے پاس آئے،اورکہا کہ محمد قتل کردیے گئے،لوگ آپ کے پاس آئے،آپ کے چہرہ کا رنگ بدلا ہوا تھا،انس نے کہا: میں آپ کے سینہ میں اس سیون کا اثر دیکھ رہا تھا۔

اورعتبہ بن عبد سے مروی ہے کہ آپ نے ان لوگوں سے یہ بیان کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے

سوال کیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! آپ کے معاملہ کا آغاز کیسے تھا؟ تو آپ نے فرمایا: بنوسعد بن بکر کی ایک خاتون میری پرورش فرما رہی تھیں، میں اور ان کا ایک بیٹا اپنی بکری کے بچوں کو لے کر نکلے تو میں نے کہا: اے بھائی! آپ جا کر ہماری ماں کے پاس سے تھوڑا توشہ لائیں، تو میرے رضاعی بھائی گئے اور میں بکری کے بچوں کے پاس ٹھہرا رہا، اتنے میں دو سفید پرندے آئے ایسا لگ رہا تھا کہ دو گدھ ہیں، ان دونوں میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کیا یہی وہ ہیں؟ اس نے کہا: ہاں، پھر وہ دونوں سبقت کر کے میرے پاس آئے اور مجھے پکڑ کر چت لٹا دیا، اور میرا شکم چاک کیا، پھر میرا دل نکالا اور اس سے دو سیاہ لتھڑے باہر نکالے، ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ میرے پاس برف کا ٹھنڈا پانی لائیں، پھر اس سے میرا شکم دھویا، پھر کہا: میرے پاس ٹھنڈا پانی لائیں اور اس سے میرا دل دھویا پھر کہا: میرے پاس سکینہ لایئے تو اسے میرے دل میں ڈال دیا، پھر ان دونوں میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا: اس کو سی دیجیے، تو اسے سی دیا اور اس پر مہر نبوت لگا دی۔ اور ایک روایت میں ہے اور اس پر مہر نبوت لگا دو، ان دونوں میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا: ان کو ترازو کے ایک پلڑا میں رکھو اور ان کی امت کے ہزار افراد کو ترازو کے ایک دوسرے پلڑے میں رکھو، تو اچانک میں ہزار کو دیکھ رہا تھا کہ وہ میرے اوپر ہیں، مجھے ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں ان میں سے کہ کوئی میرے اوپر گر نہ جائے، پھر کہا: اگر ان کی امت کو ان سے وزن کیا جائے تو وہ ان سب کو لے کر جھک جائیں گے، (سب پر بھاری رہیں گے) پھر وہ دونوں مجھے اس حال میں چھوڑ کر چلے گئے کہ مجھ پر سخت خوف طاری تھا، پھر میں اپنی ماں کے پاس آیا اور آپ کو سارا معاملہ بتایا تو آپ کو یہ خوف ہوا کہ کہیں مجھے کوئی مصیبت نہ لاحق ہو جائے، آپ نے کہا: میں تمہیں اللہ کی پناہ میں دیتی ہوں، پھر آپ اپنے ایک اونٹ پر سوار ہوئیں، مجھے کجاوہ میں بٹھایا اور میرے پیچھے سوار ہو کر مجھے میری والدہ ماجدہ کے پاس لائیں اور کہا: میں نے اپنی امانت اور اپنا ذمہ ادا کیا، پھر میں نے اپنی ماں کو سارا ماجرا سنایا تو آپ کو اس کا کچھ بھی خوف نہ ہوا اور ارشاد فرمایا: بے شک میں نے (ولادت کے وقت) دیکھا کہ مجھ سے ایسی روشنی نمودار ہوئی جس

سے ملک شام کے محل جگمگا اٹھے''۔(۱)

(۲) ابوذر نے فرمایا: ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ آپ نبی ہیں؟ فرمایا:''مجھے اس وقت اس کا علم ہوا جب کہ میرے پاس دو فرشتے آئے، اور میں مکہ کی ایک سنگلاخ وادی میں تھا، ایک فرشتہ نے کہا کیا یہی وہ ہیں؟ دوسرے نے کہا: ہاں، اس نے کہا انہیں ایک آدمی سے وزن کیجئے تو میرا پلہ اس پر بھاری رہا، پھر کہا: دس آدمی سے وزن کریں، مجھے دس آدمی سے وزن کیا تو بھی میں ان سب پر بھاری رہا، پھر کہا: سوآدمی سے وزن کیجئے تو سو ۱۰۰ آدمی سے مجھے وزن کیا، اس وقت بھی میں ان سب پر بھاری رہا، پھر کہا: ایک ہزار سے وزن کریں تو میں ان سب پر بھاری رہا تو ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: اگر ان کی امت سے ان کا وزن کریں گے تو بھی ساری امت پر بھاری رہیں گے، پھر ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا: ان کا شکم چاک کیجئے، تو میرا شکم چاک کر کے اس سے شیطان کا حصہ اور خون کا لتھڑا نکالا اور اسے پھینک دیا، پھر ایک فرشتہ نے دوسرے سے کہا: ان کا شکم پھر ان کا دل دھلیے ....پھر سکینہ منگایا، گویا وہ سفید چمک دار تھا، اسے میرے دل میں ڈالا، پھر ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا: ان کا شکم سی دیجئے تو میرا شکم سی دیا، اور ان دونوں نے میرے دونوں شانوں کے درمیان مہر لگا دی، تو وہ نہ تھا مگر میری طرف سے ایک ولی، گویا میں اپنا سارا معاملہ چشم سر سے معائنہ کر رہا ہوں''۔ اور محمد بن معمر نے اپنی حدیث میں یہ اضافہ کیا:''تو وہ لوگ ترازو کے پلڑے سے میرے اوپر کچھ نچھاور کرنے لگے''۔(۲)

---

(۱) عقبہ کی حدیث کے بارے میں ھیثمی نے مجمع الزوائد (۸/۲۲۱،۲۲۲) میں کہا: امام احمد اور طبرانی نے اس کو روایت کیا اور متن ذکر نہ کیا، اور امام احمد کی اسناد حسن ہے۔ میں کہتا ہوں: اور اس کے کچھ شواہد ہیں، ہم نے ماسبق میں''کنت نبیا''(میں نبی تھا) کے مسئلہ میں اس کی دلیل ذکر کر دی ہے۔

(۲) ابوذر کی حدیث کے بارے میں ھیثمی نے مجمع الزوائد (۸/۲۲۱،۲۲۲) میں کہا: اس کو بزار نے روایت کیا، اور اس میں جعفر بن عبداللہ بن عثمان بن کبیر ہیں، ابوحاتم رازی اور ابن حبان نے ان کو ثقہ کہا اور ان کے بارے میں کلام کیا گیا ہے، ان کے بقیہ رجال ثقہ، صحیح کے راوی ہیں۔

میں کہتا ہوں: اس کلام رسالت کا معنی یہ ہے کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ ابھی سن نبوت کو نہ پہنچے تھے کہ آپ کو اپنا نبی ہونا معلوم تھا۔

(۳) امام مسلم نے اپنی صحیح (۱۷۸۲/۴) میں جابر بن سمرہ سے تخریج کی کہ رسول ﷺ نے فرمایا: "**إني لأعرف حجرا كان يسلم علي قبل أن أبعث إني لأعرفه الآن**"۔ "بے شک میں مکہ کے اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو میری بعثت سے پہلے مجھے سلام کرتا تھا، بے شک میں اب بھی اس کو پہچانتا ہوں"۔
جب نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی پتھروں کا کلام سماعت فرما رہی ہے، تو کیا آپ کو یہ علم نہ ہوگا کہ کتاب وایمان کیا ہے؟

(۴) تعمیر کعبہ کے بارے میں سیدنا طفیل رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث (**رواه البخاري أيضافي المجلد الأول**) میں ہے کہ آپ نے فرمایا قریش نے اسے ڈھا کر وادی کے پتھروں سے اس کی تعمیر شروع کی، قریش اپنی گردنوں پر پتھر لاد کر لاتے، انھوں نے اسے بیس گز آسمان کی طرف اونچا کیا، اسی درمیان نبی پاک ﷺ ٹیلوں کے پتھر لاد کر لا رہے تھے جب کہ آپ کے جسم اطہر پر ایک دھاری دار چادر تھی، آپ چادر اطہر اپنی گردن پر رکھنے لگے تو چادر چھوٹی ہونے کے سبب آپ کا ستر نظر آنے لگا، تو آپ سے کہا گیا: اے محمد! اپنے ستر کا مقام چھپالیں اس کے بعد سے کبھی آپ کا ستر دیکھنے میں نہ آیا، اور کعبہ کی تعمیر اور نزول وحی کے درمیان تقریبا پانچ سال کا فاصلہ ہے، اور آپ کے ظہور اور کعبہ کی تعمیر عمارت کے درمیان تقریبا پندرہ سال کا عرصہ ہے، طبرانی نے کبیر میں طویل مضمون کے ساتھ اسے روایت کیا۔[1]
اور امام احمد نے اس کا ایک حصہ روایت کیا اور ان دونوں کے تمام راوی صحیح کے راوی (ثقہ) ہیں، اس

(۱) ابو طفیل کی حدیث کے بارے میں ھیثمی نے مجمع الزوائد (۲۸۹/۳) میں کہا: طبرانی نے کبیر میں لمبی حدیث کے ساتھ اسے روایت کیا، اور امام احمد نے اس کا ایک حصہ روایت کیا اور ان دونوں کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ میں کہتا ہوں: اور طبرانی کے پاس اس حدیث کا ایک شاہد ہے جس میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مجھے برہنہ چلنے سے روکا گیا" ھیثمی نے مجمع الزوائد (۲۹۰/۳) میں کہا: اس کو طبرانی نے کبیر میں، اور بزار نے اس طرح روایت کیا۔ اور اس میں قیس بن ربیع ہیں جنہیں شعبہ، ثوری، اور طیالسی نے ثقہ قرار دیا، اور ایک جماعت نے ضعیف کہا۔

میں یہ ہے کہ: آپ سے کہا گیا: اے محمد! اپنے ستر کا مقام چھپالیں، یہ سب سے پہلی ندا آپ سے کی گئی، و اللّٰہ تعالی أعلم.

(۵) نبی پاک ﷺ کیوں غار میں جا کر عبادت فرماتے تھے۔

جن کے دلوں میں بیماری ہے ان سے ہماری گزارش یہ ہے کہ ان تین آیتوں کے بارے میں تمہارے شبہات ہیں:

(۱) ﴿نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ أَحۡسَنَ الۡقَصَصِ بِمَآ أَوۡحَيۡنَآ إِلَيۡكَ هٰذَا الۡقُرۡءَانَ وَإِنۡ كُنۡتَ مِنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الۡغٰفِلِيۡنَ﴾ [یوسف-۱۲:۳]

ترجمہ:۔''ہم تمہیں سب سے اچھا بیان سناتے ہیں، اس لیے کہ ہم نے تمہاری طرف اس قرآن کی وحی بھیجی، اگر چہ بے شک اس سے پہلے تمہیں خبر نہ تھی''۔

(۲) ﴿مَا كُنۡتَ تَدۡرِيۡ مَا الۡكِتٰبُ وَلَا الۡإِيۡمٰنُ﴾ [الشوریٰ-۴۲:۵۲]

ترجمہ:۔''اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے نہ احکام شرع کی تفصیل''۔

(۳) ﴿وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى﴾ [الضحیٰ-۹۳:۷]

ترجمہ:۔''اور تمہیں اپنی محبت میں وارفتہ پایا تو راہ دی''۔

قارئین کرام پر یہ امر پوشیدہ نہ رہے کہ بہت سی ایسی آیتوں کے بارے میں حبر امت سیدنا عبداللہ بن عباس جیسے بلند پایہ مفسرین علما نے یہ فرمایا کہ: نبی پاک ﷺ کے نام سے آپ کی امت کو خطاب فرمایا گیا ہے،

میں کہتا ہوں: اور ضیا مقدسی نے بھی ان دونوں کو مختارہ (۸/۲۲۷-۲۳۰) میں تخریج کیا، اور بخاری (۱/۱۴۳) اور صحیح مسلم (۱/۲۶۸) میں بھی اس حدیث کا ایک شاہد ہے جو جابر بن عبداللہ سے مروی ہے، آپ بیان فرما رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ قریش کے تعمیر کعبہ کے وقت پتھر اٹھا رہے تھے، آپ کے جسم اقدس پر آپ کا ازار تھا تو آپ کے چچا عباس نے آپ سے کہا: اے برادرزادے! آپ اپنا ازار کھول کر پتھر کی جگہ اپنے مونڈھے پر رکھ لیں، آپ نے اسے کھول کر اپنے مونڈھے پر ڈالا ہی تھا کہ آپ پر غشی طاری ہوگئی، آپ (جابر بن عبداللہ) فرماتے ہیں اس دن کے بعد سے کبھی آپ کا ستر نہ دیکھا گیا۔

جیسا کہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

﴿لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ [الزمر-۳۹:۶۵]

اے سننے والے! اگر تو نے اللہ کا شریک کیا تو ضرور تیرا سب کیا دھرا اکارت جائے گا۔

اور ایسا اس لیے ہے کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ کی ذات اقدس پر شرک محال ہے۔

اور جیسا کہ ارشاد فرمایا:

﴿فَإِنْ كُنتَ فِي شَكٍّ﴾ [یونس-۱۰:۹۴]

ترجمہ:۔"اور اے سننے والے اگر تجھے کچھ شبہ ہو"۔

اور اس کے علاوہ بہت سی آیتیں ہیں جن میں حضور اقدس سید عالم ﷺ کے نام سے آپ کی امت کو مخاطب کیا گیا ہے۔

اب ہم نبی پاک ﷺ کی امت کے جلیل القدر علمائے کرام کے اقوال پیش کریں گے۔

(۷۹) اللہ تعالی کے ارشاد: ﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْءَ انَ وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾ کے بارے میں ائمہ مسلمین کی تفسیریں

اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: ﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْءَ انَ وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾ [یوسف-۱۲:۳] ہم تمہیں سب سے اچھا بیان سناتے ہیں اس لیے کہ ہم نے تمہاری طرف اس قرآن کی وحی بھیجی، اگر چہ بے شک اس سے پہلے تمہیں خبر نہ تھی۔ اس آیت شریفہ کے متعلق ائمہ اسلام کی تفسیریں ملاحظہ ہوں:

ابو جعفر نحاس نے اپنی تفسیر معانی القرآن (۳۹۶/۳، ۳۹۷) میں فرمایا:

﴿وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾ یعنی: یوسف کے قصہ سے ضرور غافل تھے، اس لیے کہ اس سے پہلے کوئی کتاب نہ پڑھی، صرف بذریعہ وحی وہ قصہ آپ کو سکھایا۔

اور طبری نے اپنی تفسیر (۱۵۰/۱۲) میں کہا: "﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْءَ انَ وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾ [یوسف-۱۲:۳] اللہ عزوجل ثناءہ نے اپنے نبی محمد ﷺ سے ارشاد فرمایا: اے محمد! ہم اس قرآن کی وحی کے ذریعہ تمہیں بہترین قصے بتا رہے ہیں تاکہ تمہیں گزشتہ خبروں، گزشتہ امتوں کے واقعات، اور گزشتہ زمانوں میں اتری ہوئی کتابوں کے بارے میں بتائیں ﴿وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾ اللہ تعالی نے ذکر فرمایا: اے محمد! ہماری وحی سے پہلے یقیناً آپ غافل تھے، آپ نہ اسے جانتے، اور نہ اس میں سے کوئی چیز جانتے۔

ابن جوزی نے زاد المسیر (۱۷۹/۴) میں کہا:

اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: "وإن كنت" اس آیت میں مذکور کلمہ "إن" کے بارے میں دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ "قد" (تحقیق) کے معنی میں ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ: ما نافیہ نفی کے معنی میں ہے، اللہ تعالی کے

ارشاد: ''من قبله'' کے متعلق ابن عباس نے فرمایا: قرآن نازل ہونے سے پہلے ''لمن الغافلين'' یوسف کے واقعہ کے علم، اور اس چیز سے غافل تھے جو یوسف کے بھائیوں نے ان کے ساتھ کیا، جس وقت یوسف نے اپنے والد سے کہا: اے اباجی! میں نے خواب میں گیارہ ستارے دیکھے ہیں۔

اور قرطبی نے اپنی تفسیر (۱۲۰/۹) میں کہا: ﴿وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾ یعنی اس چیز سے غافل تھے جس کی معرفت ہم نے آپ کو بخشی۔

اور بیضاوی نے اپنی تفسیر (۲۷۲/۳) میں کہا:

﴿وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾ یعنی آپ اس واقعہ سے غافل تھے، آپ کے دل پر نہ اس کا خطرا گزرا، اور نہ آپ کے کانوں نے اسے سنا. یہ اس بات کی تعلیل ہے کہ آپ کو وحی فرمائی گئی۔ اس آیت کریمہ میں کلمہ ''إن'' ثقیلہ کا مخفف ہے اس لیے کہ ''إن'' موکدہ اور نافیہ کے درمیان لام تاکید فاصل ہوتا ہے۔

شوکانی نے فتح القدیر (۴/۳) میں کہا:

﴿وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾ اس آیت پاک میں کلمہ ''إن'' ثقیلہ کا مخفف ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ ''إن'' موکدہ اور نافیہ کے درمیان لام تاکید فاصل ہوتا ہے، اور ''من قبله'' میں ضمیر مجرور متصل اس وحی کی طرف راجع ہے جو اللہ عزوجل کے ارشاد مذکور ''أوحينا'' سے مفہوم و مستفاد ہوتا ہے، یعنی اس آیت پاک کا معنی یہ ہے کہ آپ ہماری وحی سے پہلے اس واقعہ سے غافل[1] تھے۔

(۱) معاندین ہمیں بتائیں کہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيْفَةً﴾ [البقرہ-۲:۳۰]

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔

اور فرمایا:

﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ﴾ [الفجر-۸۹:۶]

ترجمہ: ''کیا تم نے نہ دیکھا تمہارے رب نے عاد کے ساتھ کیسا کیا''۔

اور فرمایا:

﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيْلِ﴾ [الفیل-۱۰۵:۱]

ترجمہ:۔''اے محبوب! کیا تم نے نہ دیکھا تمہارے رب نے ان ہاتھی والوں کا کیا حال کیا''۔
اس طرح کی بہت سی آیتیں ہیں جن سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنے حبیب پاک عالم ماکان وما یکون ﷺ سے یہ ارشاد فرمایا: اے محبوب! یاد کیجئے جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا: میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں، حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کا واقعہ کب کا ہے؟ رب تعالی فرمارہا ہے یاد کیجئے، یہ کب فرمایا جاتا ہے ''یاد کیجئے'' اسی طرح فرمایا: ''کیا نہ دیکھا تمہارے رب نے قوم عاد، اور اصحاب فیل کے ساتھ کیا فرمایا'' یہ کب فرمایا جاتا ہے ''کیا نہ دیکھا'' منکرین ان آیات کو کیوں نظر انداز کرتے ہیں اور ان روشن حقائق سے کیوں چشم پوشی کرتے ہیں؟؟ اگر نبی پاک ﷺ بالکل جاہل وغافل اور ناواقف تھے تو اس ارشاد کا کیا معنی ہے؟ قرآن کریم کی آیتوں کے بارے میں ائمہ مفسرین کی تفسیریں اور شارحین حدیث کی شرحیں ہمارے لیے حجت ہیں، ابن تیمیہ کی من گڑھت رائے حجت نہیں، ہاں! اس کی من گڑھت رائے اس کے کفش برداروں اور نیازمندوں کے لیے ضرور حجت قاطعہ ہے، اس لیے کہ وہ اس پر بہت اچھلتے کودتے ہیں، مگر اچھلنے اور کودنے سے پہلے اس طرح کی آیتوں کے بارے میں ہمیں بتائیں کہ کیا ان سے ان کے باطل افکار وخیالات کی ساری دیواریں زمین بوس نہیں ہوجاتیں اس لیے کہ رب عزوجل نے ارشاد فرمایا: اے محبوب! کیا تم نے نہ دیکھا ناظرین کرام اس پر غور فرمائیں اور ابن تیمیہ اور اس کے نیاز برداروں کی ریشہ دوانی سے ہوشیار رہیں علاوہ ازیں یہی معاندین ابن تیمیہ کے کشف کا ڈھنڈھورا پیٹتے ہیں اسے کتابوں میں لکھتے اور بیان کرتے ہیں مگر نبی کونین عالم ماکان وما یکون صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے غیبی علوم وروشن حقائق کو نظر انداز کر کے من مانی باطل تاویلیں کرتے ہیں یہ کہاں کا انصاف ہے کیا ابن تیمیہ کو غیبی علوم اور ایمان واسلام کے علم کی بات آتی ہے اس پر کوئی روشن دلیل قائم ہے ہرگز نہیں مگر وہ ان کا نام نہاد شیخ الاسلام ہے اس لیے وہ سب کچھ ماننے کو تیار ہیں۔ (مترجم)

(۸۰) اللہ عزوجل کے ارشاد:

﴿مَا کُنتَ تَدۡرِیۡ مَا الۡکِتٰبُ وَلَا الۡاِیۡمٰنُ﴾ کی تفسیر

اللہ تعالی کے ارشاد ﴿مَا کُنتَ تَدۡرِیۡ مَا الۡکِتٰبُ وَلَا الۡاِیۡمٰنُ﴾ [الشوریٰ-۴۲:۵۲]''اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے نہ احکام شرع کی تفصیل''(کنزالایمان)) کے بارے میں امام قرطبی کا عنقریب کلام پیش کریں گے، کہ یہ ان انوار کے بارے میں ہے جو آپ پر ظاہر ومنکشف ہوتے، امام قرطبی رحمہ اللہ تعالی نے اپنی تفسیر (۱۶/۵۵-۶۰) میں فرمایا:

''اللہ تعالی نے فرمایا:'' ما کنت تدري ماالکتاب و لاالإیمان ''یعنی آپ ایمان کی طرف راہ نہ جانتے تھے، اس سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ وحی کیے جانے سے پہلے ایمان سے متصف نہ تھے۔

قشیری نے کہا: یہ ان چیزوں میں سے ہے جنہیں عقلیں جائز رکھتی ہیں اوراس کا عظیم دارومدار یہ ہے کہ اللہ تعالی نے بعثت سے پہلے جس نبی کو مبعوث فرمایا، وہ اللہ پر ایمان رکھتے تھے، اوراس میں تحکم ہے مگر یہ کہ کسی یقینی توقیفی دلیل سے ثابت ہو۔

قاضی ابوالفضل عیاض نے فرمایا: اعلان نبوت سے قبل انبیا کے معصوم ہونے کے سلسلے میں علما کا اختلاف ہے، اور درست یہ ہے کہ انبیاے کرام اعلان نبوت سے پہلے اس سے معصوم ہوتے ہیں کہ اللہ اوراس کی صفتوں سے جاہل ہوں، اوراس میں انہیں شک ہو۔قوی اخبار وآثار سے یہی ثابت ہے کہ انبیائے کرام وقت ولادت ہی سے اِس عیب سے پاک وصاف ہوتے ہیں، اوران کی نشوونما توحید وایمان، بلکہ انوار معارف کی تابشوں، اور الطاف سعادت کی مشک بار خوشبوؤں پر ہوتی ہے، جس شخص نے ان حضرات کے بچپن سے لے کران کی بعثت تک کے احوال وواقعات کا مطالعہ کیا ہے اس پر یہ حقیقت اچھی طرح واضح وروشن ہے، جیسا کہ حضرت موسی، عیسی، یحي، اور سلیمان علیہم السلام وغیرہم کے حالات سے ظاہر ہے۔

اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿وَاٰتَیْنٰهُ الْحُکْمَ صَبِیًّا﴾ [مریم-۱۹:۱۲] مفسرین کرام نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرمایا: یحیی علیہ السلام کو بچپن ہی میں کتاب اللہ کا علم عطا فرما دیا گیا، معمر نے کہا: آپ دو یا تین سال کے تھے تو آپ سے بچوں نے کہا: آپ کیوں نہیں کھیلتے ؟ تو فرمایا: کیا مجھے کھیل ہی کے لیے پیدا کیا گیا ہے؟؟ یحیی علیہ السلام نے تین سال کی عمر میں حضرت عیسی علیہ السلام کی تصدیق کی، آپ نے عیسی کے حق میں گواہی دی کہ آپ اللہ کے کلمہ، اور اس کی روح ہیں، اور ایک قول یہ ہے کہ: شکم مادر ہی میں آپ کی تصدیق کی، اس لیے کہ یحیی کی ماں مریم سے کہتی تھیں: میرے شکم میں جو کچھ ہے میں اسے اس کا سجدہ تعظیمی کرتے ہوئے پاتی ہوں جو تمہارے شکم میں ہے۔

اور اللہ نے صاف وروشن تصریح فرما دی کہ عیسی نے اپنی ولادت کے وقت اپنی ماں (کی تسکین) کے لیے کلام کیا اور کہا: " **ألاتحزني** " کبیدہ خاطر نہ ہوں، یہ ان کی قراءت پر ہے جن کی قراءت میں " **مَنْ تحتها** " ہے اور جنھوں نے یہ کہا کہ: " **فناداها** " کا فاعل عیسی ہیں یعنی عیسی نے اپنی ماں کو ندا کیا، اور اللہ نے اس پر بھی نص فرمایا کہ عیسی نے اپنے گہوارہ میں کلام فرمایا جیسا کہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

﴿ إِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتَانِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا﴾ [مریم-۱۹:۳۰]

ترجمہ:۔"میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی، اور مجھے غیب کی خبریں بتانے والا (نبی) کیا"۔

اور اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمَانَ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا﴾ [الانبیاء-۲۱:۷۹]

ترجمہ:۔"ہم نے وہ معاملہ سلیمان کو سمجھا دیا، اور دونوں کو حکومت اور علم عطا کیا"۔

سلیمان علیہ السلام ابھی کھیلتے ہوئے بچے تھے مگر سنگ سار کی جانے والی عورت اور بچے کے واقعہ میں آپ کا حکم ذکر فرمایا جس کی اقتدا آپ کے والد داؤد نے کی۔

طبری نے بیان کیا کہ جس وقت آپ کو بادشاہت عطا کی گئی آپ کی عمر بارہ سال تھی، اور اسی طرح

فرعون کے ساتھ موسی علیہ السلام کا واقعہ کہ آپ نے بچپن میں فرعون کی داڑھی پکڑی۔

اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

﴿وَلَقَدْ اٰتَیْنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ﴾ [الانبیاء-۲۱:۵۱]

ترجمہ:''اور بے شک ہم نے ابراہیم کو (ان کی ابتدائی عمر میں بالغ ہونے کے) پہلے ہی سے اس کی نیک راہ عطا کردی''۔

مفسرین نے اس کی تفسیر میں فرمایا: یعنی ہم نے بچپن میں انھیں ہدایت بخشی، مجاہد وغیرہ اسی کے قائل ہیں، اور ابن عطا نے کہا: آپ کی خلقت کے ظہور سے پہلے ہی آپ کو منتخب فرمالیا، اور بعض مفسرین نے فرمایا: جب حضرت ابراہیم پیدا ہوئے تو اللہ نے آپ کے پاس ایک فرشتہ بھیجا کہ وہ آپ کو اللہ تعالی کے بارے میں یہ حکم دے کہ: اسے اپنے دل سے پہچانیں اور اپنی زبان سے اس کا ذکر کریں، تو آپ نے اس فرشتہ سے فرمایا: بے شک میں نے کیا، یہ نہ فرمایا کہ میں کروں گا، تو یہ آپ کی رشد و ہدایت ہے جس سے اللہ نے آپ کو سرفراز فرمایا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ: جس وقت ابراہیم کو آتش نمرود میں ڈال کر آپ کا امتحان لیا گیا آپ کی عمر سولہ سال تھی، اور اسماعیل کو سات سال کی عمر میں ذبح کے ذریعہ آزمایا گیا، اور حضرت ابراہیم نے پندرہ سال کی عمر میں چاند وسورج اور سیاروں سے ذات باری پر استدلال کیا، اور یوسف کے بھائیوں نے جب آپ کو گہرے کنویں میں ڈالنے کا قصد کیا اس وقت آپ بچے تھے، اللہ عزوجل نے اس وقت آپ کی طرف وحی فرمائی جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿وَأَوْحَيْنَآ إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِأَمْرِهِمْ هٰذَا﴾ [یوسف-۱۲:۱۵]

ترجمہ:''اور ہم نے اسے وحی بھیجی کہ ضرور تو انہیں ان کا یہ کام جتادے گا''۔

اس کے علاوہ اور بہت سارے واقعات اس پر شاہد ہیں۔

ارباب سیر نے بیان فرمایا کہ: آمنہ بنت وہب نے یہ خبر دی کہ ہمارے نبی محمد ﷺ اپنی ولادت شریفہ کے وقت زمین کی طرف اپنے ہاتھ پھیلائے، اور آسمان کی طرف اپنا سر اٹھائے ہوئے تھے، خود حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا:

" لمانشأت بغضت إلي الأوثان ،وبغض إلي الشعر،ولم أهمم بشيءٍمما كانت الجاهلية تفعله إلامرتين فعصمني الله منهما ثم لم أعد''.

ترجمہ:۔''میری نشوونما کے وقت مجھے بت اوراشعارسخت ناپسند تھے، جاہلیت کے لوگ جورسوم وافعال کرتے تھے میں نے صرف دوباران کا قصد کیامگراللہ نے میری حفاظت فرمائی، پھرکبھی میں نے ان چیزوں کا قصد نہ کیا''۔

پھراللہ عزوجل انہیں معاملات پر خاص قدرت عطافرماتا ہےاوران کے پاس اللہ کی معرفت کی عطر ریز خوشبوپیہم آتی ہے،اوران کے دلوں پر معارف کے انوارروشن ہوتے ہیں تاکہ منزل مقصودکو پالیں،اورریاضت وممارست کے بغیرعمدہ اوصاف وکمالات واعلیٰ خصلتوں سے مزین ہوجائیں،اس لیے کہ اللہ عزوجل نے انہیں اپنی نبوت کے لیے منتخب فرمالیاہے،اللہ تعالی کاارشاد ہے:

﴿وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَاسْتَوٰى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا﴾ [القصص-۲۸:۱۴]

ترجمہ:۔''اورجب اپنی جوانی کوپہنچا،اور پورے زور پرآیا،ہم نے اسے حکم اورعلم عطافرمایا''۔

قاضی عیاض نے فرمایا:اہل اخبارمیں سے کسی نے یہ نہ نقل فرمایا کہ کفروشرک میں معروف ومشہورشخص کو اللہ نے اپنابرگزیدہ نبی بنایاہو،اوراس باب میں مستند نقل موجود ہے۔

بعض لوگوں کا استدلال یہ ہے کہ: جوشخص برے راستہ پر ہوگا انسان کے دل اس کی اطاعت واتباع سے نفرت کریں گے،اس لیے اگرایسے کو نبی بنادیا جائے تو بعثت کا مقصد ہی فوت ہوجائے گا۔

امام قاضی عیاض نے فرمایا: میں کہتا ہوں کہ: قریش نے ہمارے نبی علیہ السلام کواپنی افتراپردازیوں کا نشانہ بنایا،اوراسی طرح تمام امت کے کافروں نے اپنے انبیا کوساری چیزوں کا عاردلایاجوان کافروں سے ممکن تھا اورجس کاانھوں نے اختراع کیا،جیسا کہ اللہ عزوجل نے اس کی تصریح فرمائی،یاراویوں کے ذریعہ ہم تک پہنچی۔ ہم نے انبیا کی قوموں کواپنے نبی کو یہ عاردلاتے نہ دیکھا کہ انھوں نے ان کے باطل معبودوں کوچھوڑ دیا،اورنہ ہی اس پر مذمت کرتے دیکھا کہ نبی جس چیز پر امتوں کوجمع کررہے تھے خود ہی اسے چھوڑ بیٹھے،اگرایسا ہوتا توانبیا کی

قومیں افترا کے وقت ضرور اس کی طرف سبقت کرتیں، اور اپنے استدلال میں اسے ضرور پیش کرتیں کہ انھوں نے اپنا معبود بدل ڈالا، اور یہ قومیں اس نبی کو اس بات پر ضرور توبیخ وملامت کرتیں کہ وہ انہیں اس عبادت سے روکتے ہیں جسے خود اس سے پہلے کیا کرتے تھے، اور ان لوگوں کی یہ توبیخ وملامت خود اس نبی کی اس توبیخ وملامت سے زیادہ سخت، اور قاطع حجت ہوتی جسے یہ نبی ان باطل پرستوں کو توبیخ وملامت کرتے ہوئے کہتے کہ یہ لوگ اس نبی کو اپنا معبود اور اس عبادت کے چھوڑنے سے روکتے ہیں جو اس سے پہلے ان کے آبا کا معبود تھا، اور ان کے آبا اس سے پہلے جس کی عبادت کیا کرتے تھے، ان لوگوں کا اس بات سے بالکلیہ اعراض وانحراف اس بات کی روشن دلیل ہے کہ انہیں ان باتوں کی طرف کوئی راہ نہ ملی، اس لیے کہ اگر ایسا ہوتا تو ضرور منقول ہوتا اور یہ لوگ اس سے ساکت وخاموش نہ رہتے، جیسا کہ تحویل قبلہ پر خاموش نہ رہے بلکہ بول پڑے جیسا کہ اللہ عزوجل نے ان کے بارے میں حکایت فرمایا:

﴿مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا﴾ [البقرہ-۲:۱۴۲]

ترجمہ: ''کس نے پھیر دیا مسلمانوں کو ان کے اس قبلہ سے جس پر تھے''۔

تیسری چیز: علمانے ہمارے نبی پاک ﷺ کے بارے میں یہ کلام فرمایا کہ: آپ وحی سے پہلے کسی دین کے عامل ومتبع تھے یا نہیں؟ بعض لوگوں نے مطلقاً اس کا انکار کیا اور اس کو عقلا محال کہا، ان حضرات نے کہا کہ: یہ اس لیے ممنوع اور عقلا محال ہے کہ جس ذات کا عامل ومتبع ہونا معروف ومشہور ہوگا اس کا متبوع اور پیشوا ہونا بعید ہوگا، ان لوگوں نے اس کی بنیاد تحسین وتقبیح پر رکھی۔

اور ایک دوسرا گروہ اس کا قائل ہے کہ: حضور علیہ السلام کے معاملہ میں توقف کیا جائے، اور اس بارے میں آپ پر کوئی قطعی حکم نہ لگایا جائے، اس لیے کہ ان دونوں وجہوں میں سے کوئی بھی وجہ عقلا محال نہیں، اور ان دونوں میں سے کسی ایک کے بارے میں بطریق نقل انہیں کچھ معلوم بھی نہیں (کہ آپ کے متعلق کوئی قطعی حکم لگایا جائے) کہ وہ کسی دین کے عامل ومتبع تھے یا نہیں، یہ ابوالمعالی کا مذہب ہے۔

اور تیسرا گروہ اس کا قائل ہے کہ: اس نبی سے پیشتر جو شریعت تھی وہ اس کے عامل ومتبع تھے، اس کی

عبادت کرتے اور اس پر عمل پیرا رہتے، پھران لوگوں نے اس تعیین کے بارے میں اختلاف کیا کہ آپ کس خاص دین پر عامل تھے؟ تو ایک جماعت اس طرف گئی کہ آپ دین عیسی کے متبع تھے کیوں کہ دین عیسی اپنے پیشتر تمام ادیان وملل کا ناسخ ہے، اور کسی منسوخ دین پر کسی نبی کا قائم رہنا جائز نہیں۔

اور ایک جماعت اس طرف گئی کہ: آپ دین ابراہیم پر تھے، اس لیے کہ آپ ان کی اولاد میں سے ہیں اور وہ ابوالانبیاء ہیں۔

اور ایک جماعت اس طرف گئی کہ آپ دین موسی پر تھے، اس لیے کہ آپ کا دین سب سے قدیم ترین دین ہے۔

اور **معتزلہ** اس طرف گئے کہ آپ کسی دین پر ضرور قائم تھے مگر ہمیں یقین سے کوئی معین دین معلوم نہیں۔

ہمارے ائمہ نے ان تمام اقوال کو اس لیے باطل قرار دیا کہ یہ باہم متعارض ہیں، اور ان کے بارے میں کوئی قطعی دلیل نہیں اگر چہ عقلا ساری چیزیں جائز وممکن ہیں، اور یہ امر قطعی ویقینی ہے کہ کسی نبی کی طرف ہمارے نبی علیہ السلام کی ایسی نسبت نہیں جو اس بات کو مستلزم ہو کہ آپ اس نبی کی امت کے ایک فرد ہوں اور اس کی شریعت کے تمام امور کے مخاطب ہوں، بلکہ آپ کی شریعت بالذات ایک مستقل شریعت ہے، اللہ حاکم عزوجل کی بارگاہ سے اس شریعت کو فتح ونصرت اور غلبہ وحمایت حاصل ہے، آپ نے اللہ عزوجل پر ایمان رکھا، اس کے ساتھ کسی معبود کو شریک نہ ٹھہرایا، نہ کسی بت کو سجدہ کیا، نہ زنا کیا، نہ شراب پی، نہ ہی رات کو باتیں کرنے والوں کی مجلس میں شریک ہوئے، نہ ہی بارش کی قسم اور حلف میں آپ سہیم وشریک رہے، اور نہ ہی خوشبو لگانے والوں کے حلف میں حاضر رہے، بلکہ اللہ عزوجل نے آپ کو ان ساری آلائشوں اور تیرگیوں سے پاک ومحفوظ رکھا۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ عثمان ابن ابوشیبہ نے جابر سے اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث روایت کی کہ نبی پاک ﷺ مشرکوں کے ساتھ ان کے مشاہد ومجالس میں جارہے تھے تو آپ نے اپنے پیچھے دو فرشتوں سے سنا، ان میں سے ایک فرشتہ اپنے ساتھی سے یہ کہہ رہا تھا: جا کر ان کے پیچھے کھڑا رہ، تو دوسرے نے کہا: میں ان کے پیچھے کیسے کھڑا رہوں گا حالاں کہ ان کا عہد یہ ہے کہ بتوں کو بوسہ لیں گے، پھر اس کے بعد سے حضور نے ان مشرکین

کے ساتھ شرکت نہ فرمائی۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ: امام احمد بن حنبل نے اس حدیث کا سخت انکار فرمایا اور کہا کہ یہ حدیث موضوع ہے یا موضوع کے مشابہ ہے۔ اور دارقطنی نے فرمایا: عثمان کو اس حدیث کی اسناد میں وہم ہوا۔ حاصل یہ کہ یہ حدیث مجموعی طور پر منکر ہے، جس کی اسناد متفق علیہ نہیں، اس لیے یہ لائق التفات نہیں۔ اہل علم کے نزدیک اس کے برخلاف یہ مشہور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" **بغضت إلي الأصنام**" ترجمہ:۔ ''مجھے بتوں سے سخت بغض تھا''۔

بحیری راہب کا واقعہ مشہور ہے کہ جب آپ بچپن میں اپنے چچا ابوطالب کے ہمراہ شام کے سفر پر جا رہے تھے، بحیری نے شام میں آپ سے ملاقات کی، اور آپ میں نبوت کی علامتیں دیکھیں تو اُس نے نبی پاک ﷺ کو لات وعزیٰ کی قسم دے کر آپ کا امتحان لیا تو آپ نے فوراً فرمایا:

''**لاتسألني بهما فو الله ماأبغضت شيئا قط بغضهما**''.

ترجمہ:۔ ''مجھ سے لات وعزیٰ کی قسم دے کر سوال نہ کیجئے، خدا کی قسم میں نے ان دونوں کی طرح کسی چیز کو مبغوض و ناپسند نہ جانا''۔

پھر بحیری نے آپ سے کہا: خدا کی قسم دے کر میں آپ سے پوچھتا ہوں، آپ نے فرمایا: ''**سل ما بدالک**'' (جو پوچھنا ہے پوچھئے)۔

اسی طرح آپ کی یہ سیرت طیبہ بھی معروف و مشہور ہے کہ اللہ عزوجل نے آپ کو یہ توفیق بخشی کہ اپنی نبوت سے پہلے حج میں مشرکین کے وقوف مزدلفہ کی مخالفت فرماتے، آپ وقوف مزدلفہ کے بجائے عرفہ میں وقوف فرماتے اس لیے کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کا موقف تھا۔

پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ: اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿ قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرٰهِيمَ ﴾ [البقرہ-۲:۱۳۵]

ترجمہ:۔ ''تم فرماؤ بلکہ ہم تو ابراہیم کا دین لیتے ہیں''۔

اورفرمایا:

﴿أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرٰهِيمَ﴾ [النحل-۱۶:۱۲۳]

ترجمہ:۔’’کہ دین ابراہیم کی پیروی کرو‘‘۔

اورفرمایا:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ﴾ [الشوریٰ-۴۲:۱۳]

ترجمہ:۔’’تمہارے لیے دین کی وہ ڈالی جس کا حکم اس نے نوح کوفرمایا‘‘

ان آیات شریفہ کا مقتضیٰ تو یہ ہے کہ آپ کسی دین وشرع کے عامل ومتبع اوراس کی عبادت واطاعت فرماتے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم ان امور کے متعلق ہے جن میں کسی شریعت کا کوئی اختلاف نہیں،مثلاً توحید اوراقامت دین، بار باراس کا ذکر گزر چکا۔اورآیت کریمہ میں اللہ عزوجل کے ارشاد’’ **شرع لكم من الدين**‘‘ کے تحت آچکا۔ **والحمد لله**

اللہ تعالیٰ کے ارشاد:

﴿مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتٰبُ وَلَا الإِيْمٰنُ﴾ میں ایمان کے معنی کا بیان

اس تفصیل وتحقیق کے بعد قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب یہ بات ثابت ہوگئی تو یہ بھی جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد’’ **ما كنت تدري ما الكتاب ولا الإيمان**‘‘کی تاویل میں علما کا اختلاف ہے:

(۱) ایک جماعت نے کہا:اس آیت میں ایمان سے ایمان کے شرائع ،اوراس کے معالم(نشانات) مراد ہیں۔ثعلبی نے اسے ذکر کیا۔

(۲) اورایک قول یہ ہے کہ:اس سے شریعت کی تفصیلات مراد ہیں،یعنی آپ ان تفصیلات شرع سے غافل تھے،اورشرع کی تفصیلات پرایمان کا اطلاق جائز ہے،قشیری نے اسے ذکر کیا۔

(۳) اور ایک قول یہ ہے کہ: وحی سے پہلے آپ قرآن پڑھنا نہ جانتے تھے، اور نہ یہ کہ مخلوق کو ایمان وغیرہ کی دعوت کیسے دیں، یہ ابو العالیہ کی روایت ہے۔

(۴) اور بکر قاضی نے کہا: ایمان سے فرائض واحکام مراد ہیں۔ آپ نے فرمایا: حضور اللہ کی توحید پر ایمان رکھتے تھے، پھر وہ فرائض اترے جنہیں نزول سے پہلے آپ نہ جانتے تھے، تو اس تکلیف کے سبب ایمان میں اضافہ ہوا۔ یہ چاروں اقوال معنی کے لحاظ سے زیادہ قریب ہیں۔

(۵) ابن خزیمہ نے کہا: ایمان سے نماز مراد ہے، اس لیے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمٰنَكُمْ﴾ [البقرہ-۲:۱۴۳]

ترجمہ: ''اور اللہ کی شان نہیں کہ تمہارا ایمان اکارت کرے''۔

''**أي صلاتكم الى بيت المقدس فيكون اللفظ عاما والمراد الخصوص** ''یعنی بیت المقدس کی طرف پڑھی گئی تمہاری نماز اکارت کردے، تو ایمان کا لفظ عام ہے جس سے یہاں معنی خاص نماز مراد ہے۔

(۶) حسین ابن الفضل نے کہا: یعنی: آپ نہ جانتے تھے کتاب کیا ہے، اور اہل ایمان کون ہیں، اور یہ اس باب سے ہے کہ ایمان کا مضاف (اہل) محذوف ہے یعنی یہ نہ جانتے تھے کہ ایمان لانے والے کون ہیں؟ ابو طالب، عباس، یا دوسرے لوگ ہیں۔

(۷) اور ایک قول یہ ہے کہ آپ کچھ نہ جانتے تھے جب آپ گہوارہ میں، اور بلوغ سے پہلے تھے، اور ماوردی وغیرہ نے بیان کیا کہ علی بن عیسی نے فرمایا: آپ نہ جانتے تھے کتاب کیا ہے اگر رسالت نہ ہوتی، اور نہ ایمان جانتے اگر بلوغ نہ ہوتا۔ **اهـ قول القرطبي**

قرطبی رحمہ اللہ تعالی نے مزید فرمایا: میں کہتا ہوں: صحیح یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ اپنے نشو ونما کے وقت سے بلوغ تک اللہ عزوجل پر ایمان رکھتے تھے، جیسا کہ گزر چکا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ: آپ نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے، اور نہ ایمان، یعنی آپ امی قوم میں سے تھے جو کتاب اور ایمان نہ جانتی تھی یہاں تک کہ آپ جس دین کو اس

قوم کے پاس لائے اسے ان لوگوں سے اخذ کرتے جو اسے جانتے تھے، اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْ مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ﴾ [العنکبوت-۲۹:۴۸]

ترجمہ:۔"اوراس سے پہلے تم کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے، اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے، یوں ہوتا تو باطل والے ضرور شک لاتے"۔

ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے یہی معنی مروی ہے۔ الخ

میں کہتا ہوں: ان تفاسیر مبارکہ کو بغور مطالعہ کریں اور ابن تیمیہ اور ابن قیم کی غلط فہمی، اور ہٹ دھرمی دیکھیں۔

(۸۱) اللہ عزوجل نے فرمایا:﴿وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى﴾
(اور تمہیں اپنی محبت میں خودرفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی)

یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل نہیں کہ نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم مومن نہ تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد: ﴿وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى﴾ [الضحی-۹۳:۷] اور تمہیں اپنی محبت میں خودرفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی (کنزالایمان) معاندین کے باطل دعوی کی دلیل نہیں۔

امام قرطبی نے اپنی تفسیر (۲۰/۹۷،۹۸،۹۹) میں کہا:

اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:﴿مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْإِيْمٰنُ﴾ [الشوریٰ-۴۲:۵۲] (اس سے پہلے تم کتاب نہ جانتے تھے نہ احکام شرع کی تفصیل) ہم نے سورۂ شوری میں اس آیت کے مقام پر اس کی تفسیر[1] بیان کردی۔

(۱) اور ایک قوم نے کہا:﴿وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى﴾ یعنی: تمہیں گمراہ قوموں میں پایا تو اللہ سبحانہ نے تمہارے ذریعہ انھیں ہدایت بخشی، یہ کلبی اور فرا کا قول ہے۔

(۲) اور سدی وغیرہ سے مروی ہے: یعنی تمہاری قوم کو گمراہی میں پایا تو تمہیں ان کی رشد و ہدایت کی طرف راہ نمائی کی۔

(۳) اور ایک قول ہے:''ووجدک ضالا عن الهجرة فهداک اليها''، تمہیں ہجرت سے غافل پایا

---

(۱) اس مقام کی تفصیل گزرچکی مجدداعظم سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے معتمد تفسیروں کی روشنی میں جو ایمان افروز ترجمہ فرمایا اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں ایمان سے احکام شرع کی تفصیل مراد ہے جیسا کہ آیت﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ إِيْمٰنَكُمْ﴾ [البقرہ-۲:۱۴۳] ''اور اللہ کی شان نہیں کہ تمہارا ایمان اکارت کرے'' میں ایمان سے حقیقت ایمان تصدیق قلبی مراد نہیں بلکہ ''بیت المقدس کی طرف رخ کرکے پڑھی ہوئی نماز مراد ہے کہ نماز ادا کرنا اور بجماعت پڑھنا دلیل ایمان ہے۔ (مترجم)

تو ہجرت کی راہ نمائی کی۔

(۴) اور ایک قول ہے: ضالا: یعنی جب اصحاب کہف اور ذوالقرنین اور روح کے بارے میں تم سے پوچھا گیا تو تمہیں "ان شاء الله" کہنا یاد نہ رہا اسے یاد دلایا، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے شہادت کے باب میں فرمایا:

﴿أَنْ تَضِلَّ إِحْدٰهُمَا﴾ [البقرہ-۲:۲۸۲]

ترجمہ:۔"دو عورتوں میں سے ایک بھول جائے"۔

(۵) اور ایک قول یہ ہے: اور تمہیں قبلہ کا طالب پایا تو اس کی راہ نمائی فرمائی، اس کا بیان قرآن کریم کی اس آیت کریمہ میں ہے:

﴿قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِکَ فِي السَّمَآءِ﴾ [البقرہ-۲:۱۴۴]

ترجمہ:۔"ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا"۔

اور لفظ "ضلال" طلب کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اس لیے کہ ضال (گم گشتہ راہ) طالب ہوتا ہے۔

(۶) ایک قول یہ ہے: تمہیں اس خبر کے بیان سے متحیر پایا جو تم پر اتری، تو اس کی طرف تمہاری راہ نمائی کی، اس وقت ضلال کا معنی متحیر ہونا ہوگا؛ اس لیے کہ ضال متحیر و حیران ہوتا ہے۔

(۷) اور ایک قول یہ ہے: تمہیں تمہاری قوم میں ضائع پایا تو اس کی طرف تمہاری راہ نمائی کی۔ ضلال ضیاع کے معنی میں بھی آتا ہے۔

(۸) اور ایک قول یہ ہے: "ووجدک محبا للهداية فهداک إليها"، تمہیں ہدایت کا عاشق و وارفتہ پایا تو تمہیں اس کی ہدایت بخشی۔ اس قول کی بنیاد اس پر ہے کہ لفظ ضلال محبت کے معنی میں آتا ہے، اور اسی معنی میں اللہ تعالی کا یہ ارشاد پاک ہے:

﴿قَالُوْا تَاللّٰهِ إِنَّکَ لَفِيْ ضَلٰلِکَ الْقَدِيْمِ﴾ [یوسف-۱۲:۹۵]

ترجمہ:۔"یعقوب (علیہ السلام) کے بیٹوں نے کہا آپ اپنی پرانی محبت میں ہیں"۔

شاعر نے کہا:

هذا الضلال أشاب مني المفرقا والعارضين ولم أكن متحققا

عجبا لعزة في اختيار قطيعتي بعد الضلال فحبلها قد أخلقا

اس محبت نے میرے سر (کے بال)، اور دونوں رخسار سفید کر ڈالے اور مجھے یقین نہ آیا۔، مجھے اپنی اس حمیت پر تعجب ہے کہ محبت کے بعد جدائی، اختیار کی اس لیے کہ محبت کی رسی بوسیدہ اور پرانی ہوگئی۔۔

(۹) اور ایک قول یہ ہے کہ: ''**ضالا في شعاب مكة فهداك وردك الىٰ جدك عبد المطلب**'' مکہ کی گھاٹیوں میں تمہیں سرگشتہ و پریشان پایا تو تمہیں راہ دی اور تمہیں تمہارے دادا عبدالمطلب کی طرف لوٹایا۔

ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ: نبی پاک ﷺ اپنے بچپن میں مکہ کی گھاٹیوں میں سرگشتہ و پریشان تھے، ابوجہل نے آپ کو دیکھا جب کہ وہ اپنی بکریاں لے کر واپس آ رہا تھا، تو آپ کو آپ کے دادا عبدالمطلب کے پاس لے کر آیا، اللہ عز وجل نے آپ پر یہ احسان فرمایا کہ آپ کو آپ کے دادا کے پاس ایک دشمن کے ہاتھ لوٹایا۔

اور سعید بن جبیر نے فرمایا: نبی پاک ﷺ اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ ایک سفر میں نکلے، ابلیس نے تاریک رات میں اونٹنی کی مہار پکڑ کر راہ راست سے اسے منحرف کر دیا، اتنے میں جبریل علیہ السلام آئے اور ایک ایسی صور پھونکی جس سے ابلیس خاک ہند میں جا گرا، اور حضور اقدس (ﷺ) کو قافلہ کی طرف لوٹا دیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس طرح آپ پر احسان فرمایا۔ اور کعب نے کہا کہ: حلیمہ نے جب حق رضاعت ادا کر دیا تو رسول اللہ ﷺ کو عبدالمطلب کے پاس واپس لوٹانے کے لیے لائیں، تو حلیمہ رضی اللہ تعالی عنہا نے مکہ کے دروازہ پر یہ صدا سنی:

''اے مکہ کی سنگلاخ وادیو! خوش ہو جاؤ آج تمہاری طرف نور اور دین اور رونق و جمال لوٹایا جا رہا ہے، حلیمہ نے کہا: پھر میں نے اپنے کپڑے درست کرنے کے لیے آپ کو گود سے

اتارا،تو میں نے ایک سخت آواز سنی، پھر میں نے مڑکر دیکھا تو آپ کو نہ پایا میں نے فورا کہا:اے لوگوں کی جماعت! بچہ کہاں ہے؟ لوگوں نے کہا: ہم نے کوئی چیز نہ دیکھی،تو حلیمہ نے بلند آواز سے کہا: ہائے محمد! پھر آپ نے دیکھا کہ اچانک ایک شیخ فانی اپنے عصا پر ٹیک لگائے نمودار ہوا اور کہا:صنم اعظم (بڑے بت) کے پاس جاؤ اگر وہ چاہے گا تو لوٹادے گا، پھر اس شیخ نے خود صنم اعظم کا چکر لگا کر اس کے سر کا بوسہ لیا اور کہا:اے قریش کے رب !اس قبیلۂ قریش پر ہمیشہ تمہارا احسان رہا،حلیمہ سعدیہ کا خیال ہے کہ ان کا بیٹا گم ہو گیا ہے تو اگر تو اسے لوٹانا چاہے لوٹادے، یہ سن کر ھبل سمیت سارے بت اوندھے منہ گر پڑے اور کہا:اے شیخ! ہمارے پاس سے جا،اس لیے کہ محمد کے ہاتھ ہماری ہلاکت ہے،تو اس شیخ نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا،اور لرزہ براندام ہو کر کہا:اے حلیمہ! تمہارے بیٹے کا ایک رب ہے جو اسے ضائع نہ کرے گا،تم اسے بآسانی طلب کرو،اتنے میں قریش کے سارے لوگ عبدالمطلب کے پاس جمع ہوگئے ،اور سارے مکہ میں آپ کو تلاش کیا گیا مگر آپ نہ ملے، تو عبدالمطلب نے کعبہ کے پاس جا کر اس کے سات چکر لگائے،اور اللہ عزوجل سے گریہ وزاری کے ساتھ دعا کی اور عرض کیا:

يـــا رب رُدَّ ولــدي مــحــمــدا   اردده ربــي واتـخـذ عـنـدي يـدا

يـا ربّ إنَّ مـحـمـدا لـم يـوجـدا   فشـمـل قـومـي كـلـهـم تبـدّدا

اے پروردگار! میرے فرزند محمد کو لوٹادے اے میرے رب! ان کی بازیابی کے ذریعے میرے دست و بازو کو مضبوط فرما۔

اے پروردگار! اگر محمد نہ ملے،تو میری ساری قوم کا شیرازہ منتشر ہو جائے گا۔

اس کے بعد قریش کے لوگوں نے ایک منادی سے سنا جو آسمان سے ندا کررہا تھا اے لوگو! چیخ وشور نہ مچاؤ کیوں کہ محمد کا ایک رب ہے جو انہیں بے یارومددگار نہ چھوڑے گا،اور انہیں ضائع نہ فرمائے گا،اور بے

شک محمد تہامہ کی وادی میں ببول کے درخت کے پاس ہیں، یہ سن کر عبدالمطلب اور ورقہ بن نوفل اس درخت کی طرف چل پڑے، وہاں پہنچ کر اچانک دیکھا کہ نبی پاک ﷺ ایک درخت کے نیچے کھڑے ہو کر اس کی شاخوں اور پتیوں سے کھیل رہے ہیں''۔

(۱۰) اور ایک قول یہ ہے:''**ووجدک ضالا**'' اور تمہیں معراج کی رات اس وقت حیران پایا جب جبریل تمہارے پاس سے واپس ہو گئے اور تمہیں راستہ معلوم نہ تھا، تو اللہ تعالیٰ نے ساق عرش کی طرف تمہاری راہ نمائی فرمائی۔

(۱۱) اور ابوبکر وراق وغیرہ نے کہا:''**ووجدک ضالا**'' کا معنی یہ ہے کہ :''**تحب أباطالب فهداك الى محبة ربك**''، تمہیں ابوطالب کی محبت میں شیفتہ پایا تو اپنی محبت کی راہ دکھائی۔

(۱۲) اور بسام بن عبداللہ نے کہا:''**ووجدک ضالا**''''**بنفسک لا تدري من أنت فعرفک بنفسک وحالک**''، اور تمہیں اپنی ذات سے بے توجہ پایا کہ تم خود کو نہ جانتے تھے کہ کون ہو، تو آپ کو آپ کی ذات وصفات اور مراتب درجات کی معرفت عطا کی۔

(۱۳) اور جنیدی نے کہا: ''**ووجدک**'' اور کتاب کے بیان کے بارے میں تمہیں متحیر پایا تو تمہیں اس بیان کی تعلیم دی جس کا بیان ان دونوں آیتوں میں ہے:

''**لتبين للناس مانزل إليهم الأية**'' (ترجمہ:۔''تا کہ آپ لوگوں کو بتائیں جو ان کی طرف نازل کیا گیا'')

''**لتبين لهم الذي اختلفوا فيه**'' (ترجمہ:۔''تا کہ آپ ان کے اختلافی مسائل کو واضح طور پر بیان کریں'')

(۱۴) اور بعض متکلمین نے کہا :جب عرب کے لوگ کسی بے آب وگیاہ سرزمین میں کوئی درخت پاتے جہاں کوئی دوسرا درخت نہ ہوتا تو وہ لوگ اس درخت کا نام ''**ضالّة**'' رکھتے، اس درخت کے ذریعہ انہیں راستہ کی ہدایت ملتی، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ سے فرمایا:''**ووجدک ضالا**'' اور تمہیں تن تنہا

پایا یعنی تمہارے دین پر کوئی نہ تھا، آپ تنہا اپنے دین پر قائم تھے، اور آپ کے ساتھ کوئی دوسرا اس دین پر نہ تھا تو میں نے تمہارے ذریعہ مخلوق کو اپنی طرف راہ نمائی کی۔

میں کہتا ہوں: یہ سارے اقوال بہتر ہیں، ان میں سے بعض اقوال معنوی، اور بعض حسی وظاہری ہیں اور اخیر والا قول مجھے زیادہ پسند[1] ہے اس لیے کہ یہ تمام اقوال معنویہ کا جامع ہے۔

(۱۵) اور ایک قوم نے کہا کہ قوم جن رسوم وعادات پر قائم تھی آپ کا ظاہر حال ان کے مخالف نہ تھا، رہ گیا اس قوم کا شرک تو آپ کے بارے میں اس کا گمان نہیں کیا جا سکتا، مگر چالیس سال تک بظاہر اس قوم کے مراسم پر رہے۔

(۱۶) اور کلبی سدی نے کہا کہ: اس آیت مذکورہ میں کلمہ ''ضال'' اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے، یعنی: آپ کو کافر پایا اور قوم کافر تھی تو آپ کو ہدایت دی، یہ قول اور اس کا رد سورۂ شوری کی تفسیر میں گزر چکا۔[2]

---

(۱) مجدد اعظم امام اہل سنت سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اس آیت مبارکہ کا یہ ایمان افروز ترجمہ فرمایا:
﴿وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی﴾ [الضحی -۹۳:۷]
ترجمہ:۔''اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی''۔
صدر الافاضل حضرت علامہ نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ نے اس کی روشن تفسیر میں فرمایا:
''اور غیب کے اسرار آپ پر کھول دیے، اور علوم ما کان وما یکون عطا کیے اپنی ذات وصفات کی معرفت میں سب سے بلند مرتبہ عنایت کیا''۔ (مترجم)

(۲) سیف اللہ المسلول حضرت علامہ شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہ اپنی گراں قدر محققانہ تالیف ''**المعتقد المنتقد**'' میں مقام نبوت ورسالت اور عصمت کی تفصیل فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:
''اور حق یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام معصوم ہیں اللہ تعالی کی ذات وصفات سے انجان ہونے سے، اور ایسی حالت پر ہونے سے جو ذات وصفات باری میں سے کسی شئ کے علم اجمالی کے منافی ہو، نبوت ملنے کے بعد عقلا واجماعاً اور قبل نبوت دلیل سمعی ونقلی سے اور جو امور شرع ان انبیا نے مقرر فرمائے اور جو وحی اپنے رب کی طرف سے پہنچائی اس میں کسی شئ کے علم کے منافی حالت پر ہونے سے بھی قطعاً وعقلاً وشرعاً معصوم ہیں اور دانستہ ونادانستہ طور پر خلاف واقعہ بات کہنے سے معصوم ہیں''۔

(۱۷) اور ایک قول یہ ہے کہ: تمہیں مشرکوں میں پوشیدہ اور ڈوبا اور ملا ہوا پایا تو تمہیں ان سے ممتاز کر دیا، بولا جاتا ہے: "ضل الماء في اللبن" اور اسی سے اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے:

﴿أَ إِذَا ضَلَلْنَا فِي الأَرْضِ﴾ [السجدہ-۳۲:۱۰]

کیا جب ہم مٹی میں مل جائیں گے۔

یعنی دفن کے وقت ہم خاک ہو گئے یہاں تک کہ خاک سے ہمارا امتیاز نہ رہا۔

اور حسن کی قراءت میں ہے: "ووجدک ضالٌّ فهدى" "أي وجدک ضال فاهتدى بک" اور ایک گمراہ نے آپ کو پایا تو آپ کی بدولت اسے ہدایت ملی۔

ایک قراءت کے مطابق یہ تفسیر ہے۔

جب سے اللہ تعالی نے انھیں نبی بنا کر بھیجا ان کا جھوٹا ہونا شرعاً عقلاً اجماع برہانی سے محال ہے اور قبل نبوت وہ اس سے یقیناً منزہ ہیں اور کبیرہ گناہوں سے اجماعاً اور صغیرہ گناہوں سے تحقیق کی رو سے منزہ ہیں اور دائمی سہو وغفلت سے وہ اللہ کی توفیق سے منزہ ہیں اور اپنی امت کے لیے جو انھوں نے مشروع فرمایا اس میں غلط ونسیان کے استمرار سے قطعاً منزہ ہیں ایسا ہی قاضی نے فرمایا۔

اور شرح مواقف میں ہے کہ: تمام اہل ملل وشرائع اس بات پر متفق ہیں کہ انبیا کے لیے عصمت اس امر میں جس میں ان کے سچے ہونے پر قطعی معجزہ کی دلالت ہوتی ہے واجب ہے جیسے کہ رسول ہونے کا دعوی اور وہ وحی جو اللہ کی طرف سے مخلوق کی طرف پہنچاتے ہیں اس لیے کہ اگر ان کا بات بنانا اور جھوٹ بولنا عقلاً اس بارے میں ممکن ہو تو یہ دلالت معجزہ کے باطل ہونے کی طرف مفضی ہوگی اور یہ محال ہے۔ اور مواقف میں ہے: امت کا اس پر اجماع ہے کہ انبیا کفر سے معصوم ہیں ہاں خوارج میں سے "ازارقہ" نے ان کے لیے گناہ کا صدور ممکن مانا اور ان کے نزدیک ہر گناہ کفر ہے۔ اور شرح مواقف میں ہے (جب انھوں نے انبیا کے لیے گناہ ممکن ٹھہرایا تو ان کے طور پر) انھیں کفر کو ممکن ماننا لازم ہوا بلکہ ان سے منقول ہے کہ انھوں نے ایسے نبی کا مبعوث ہونا ممکن مانا اور قاری نے قاضی کے قول: "یہ ملحد کے سوا کوئی درست نہ مانے گا" (اس کی شرح میں) فرمایا یعنی نبی سے کفر صادر ہونے کے امکان، خفاجی نے فرمایا کہ: یہ بات نہ عقل میں صحیح ہے نہ شرع میں درست اور حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے لیے یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالی کے پیغام میں سے کوئی پیغام نہ پہنچایا ہو۔ الــخ (المعتقد المنتقد ص ۲۴۸-۲۴۷)۔ (مترجم)

(۱۸) اور ایک قول یہ ہے:" ووجدک ضالا" اور تمہیں ضال پایا، یعنی تمہاری قوم تمہاری طرف راہ نہ پا رہی تھی اور نہ ہی تمہاری قدر سے آشنا تھی، تو مسلمانوں کو تمہاری طرف ہدایت دی یہاں تک کہ وہ لوگ آپ پر ایمان لائے۔الخ

قرطبی کا کلام ختم ہوا

میں کہتا ہوں: مزید تحقیق وتفصیل کے لیے تفسیر بغوی (۴/۴۹۹)، زاد المسیر (۹/۱۵۸، ۱۵۹)، تفسیر ثعالبي (۴/۴۲۲، ۴۲۳)، تفسیر ابو السعود (۹/۱۷۰، ۱۷۱)، فتح القدیر (۵/۴۵۸)، تفسیر جلالین (۱/۸۱۲)، تفسیر نسفی (۴/۳۴۵) اور روح المعانی (۳۰/۱۶۲) مطالعہ کریں۔

میں یہ بھی کہتا ہوں:

سبحان اللہ یہ تمام اقوال وتفاسیر موجود ہیں، مگر ابن تیمیہ اور ابن قیم اسی معنی کا اظہار پسند کرتے ہیں جس سے یہ پتہ چلے کہ نبی پاک ﷺ بعثت سے پہلے مومن نہ تھے۔

مزید سنیے!

اور حافظ ہیثمی نے مجمع الزوائد (۸/۲۲۴) میں کندی بن سعد سے روایت کیا کہ ان کے والد نے کہا کہ: میں دور جاہلیت میں حج کو گیا تو اچانک ایک شخص بیت اللہ شریف کے اردگرد طواف کر رہا تھا، اور رجز کے یہ اشعار پڑھ رہا تھا:

رب رد راكبي محمدا ردہ لي واصطنع عندي يدا

اے رب! میرے سوار محمد کو واپس فرما۔

آپ کو میرے پاس واپس فرما کر مجھے طاقت وقوت اور احسان سے شادکام فرما۔

کندی بن سعد نے عبدالمطلب بن ہاشم سے کہا: آپ کسے مانگ رہے ہیں؟ تو انھوں نے کہا میرا اونٹ دور چلا گیا جس کی تلاش کی خاطر میں نے اپنے پوتے کو بھیجا ہے انھوں نے آنے میں دیر کر دی، جب کہ ان سے

میں جب بھی کچھ کہتا وہ جلدی کرتے، راوی کہتے ہیں: میں نے اتنے میں دیکھا کہ نبی کریم ﷺ اونٹ لیے چلے آرہے ہیں، جنہیں دیکھتے ہی عبدالمطلب بول پڑے، اے بیٹے! میں تم پر ایسا کبیدہ اور رنجیدہ ہوگیا تھا جیسے کوئی عورت غم سے نڈھال ہو، تمہارا غم مجھ سے جدا نہیں ہورہا تھا۔ ابویعلی اور طبرانی نے اسے روایت کیا اور اس کی اسناد حسن ہے۔ انتهیٰ كلام الهيثمي

(۸۲)ابن تیمیہ کے زعم میں نبوت کسبی شئ ہے، اللہ کی عطا نہیں

مقام نبوت میں بھی ابن تیمیہ نے خطا کی، اس نے مجموع الفتاوی (۳۱۰/۱۰) میں کہا:

''کفر اور گناہوں سے توبہ کرنے والا کبھی اس شخص سے افضل ہوتا ہے جس نے کبھی کفر اور گناہ نہ کیا، اور جب کبھی ایسا شخص افضل ہوتا ہے تو یہ افضل انسان اس سے زیادہ نبوت کا حق دار ہوتا ہے جس کی فضیلت اس کی طرح نہیں۔ اللہ نے یوسف کے بھائیوں کے بارے میں ان کے گناہوں کی خبر دی، یہ لوگ یعقوب علیہ السلام کی وہ اولاد ہیں جن کی اللہ تعالی نے خبر دی، اور اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿فَآمَنَ لَهُ لُوطٌ وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلٰى رَبِّيْ﴾ [العنکبوت-۲۶:۲۹]

ترجمہ:۔''تو لوط اس پر ایمان لایا اور ابراہیم نے کہا: میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرتا ہوں''۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ لوط ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے۔اھ

میں کہتا ہوں: یہ ایک خطرناک مشرب ومسلک ہے کیوں کہ نبوت محض اللہ کی عطا اور اس کا فضل ہے جو محض فضیلت اور احقیت کے سبب حاصل نہیں ہوتی جیسا کہ ابن تیمیہ نے زعم کیا ہے، کیوں کہ ساری امت اس بات پر متفق ہے کہ نبوت کسبی[1] شئ نہیں، بعض گمراہ فرقوں کو چھوڑ کر کسی نے اس کی مخالفت نہ کی۔

---

(۱) سیف اللہ المسلول حضرت علامہ شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہ نے ''المعتقد المنتقد'' میں فرمایا:

''علامہ تورپشتی نے معتمد میں فرمایا: بذریعۂ کسب نبوت کے حاصل ہونے کا عقیدہ رکھنا کفر ہے، نابلسی نے شرح فوائد میں فرمایا: اور فلسفیوں کے مذہب کا فساد آنکھوں دیکھی گواہی سے ظاہر ہے محتاج بیان نہیں کیوں کر ان کی بات درست ہو حالاں کہ ان کا قول ہمارے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ یا ان کے بعد اور نبی کے ممکن ہونے کی طرف پہنچا تا ہے، اور اس سے قرآن کا جھوٹا ہونا لازم آتا ہے اس لیے کہ قرآن نے صاف فرمایا کہ وہ خاتم الانبیا (سب سے پچھلے نبی) اور آخری رسول ہیں۔ اور حدیث میں ہے: ''أنا العاقب لا نبي بعدي'' میں عاقب (سب سے پچھلا) ہوں میرے بعد کوئی نبی

ان انبیاے کرام کا ہر معاملہ وہبی ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا:'' **وھبنا لہ**'' ہم نے ان کو ہبہ فرمادیا ''**فوھبنالہ**''، تو ہم نے ان کو عطا فرمایا۔

نہیں اور امت نے اسی بات پر اجماع کرلیا کہ یہ کلام اپنے ظاہری معنی پر باقی ہے اور یہ ان مشہور مسائل میں سے ایک مسئلہ ہے جن کے سبب ہم نے فلاسفہ کو کافر جانا اللہ عزوجل ان پر لعنت کرے۔'' (المعتقد المنتقد ص ۲۴۳) (مترجم)

(۸۳)ابن تیمیہ کے زعم کے مطابق انبیا معصوم نہیں

ابن تیمیہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ نبی پاک ﷺ گناہوں سے آلودہ ہیں۔
اس نے اپنے مجموع الفتاوی (۱۰/۳۰۹) میں کہا:
''انبیا صلوات اللہ علیہم وسلامہ توبہ میں تاخیر نہ کرتے تھے بلکہ توبہ کی طرف مسارعت ومسابقت فرماتے، یہ لوگ توبہ میں نہ تاخیر کرتے اور نہ ہی گناہ پر اصرار کرتے، بلکہ وہ لوگ اس سے معصوم ہیں، اور جس نے اس میں تھوڑی تاخیر کی اللہ نے گناہ کے ذریعہ اس کا امتحان لے کر اسے کافر قرار دیا، جیسا کہ ذوالنون (یونس) صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا''۔
اور مجموع الفتاوی (۱۰/۳۱۴،۱۳۳) میں کہا:
''صحیح حدیث میں ہے کہ نبی اس قدر قیام لیل فرماتے تھے کہ ان کے دونوں قدم سوج جاتے، ان سے کہا جاتا آپ اس قدر مشقت اٹھائیں گے حالاں کہ اللہ نے آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دیے، تو آپ فرماتے: کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ کتاب وسنت کے نصوص اس باب میں کثیر ووافر ہیں، اور صحابہ وتابعین اور علمائے مسلمین کے آثار بھی اس باب میں بہت زیادہ ہیں، لیکن مخالفین جہمیہ اور باطنیہ کی طرح ان نصوص میں تاویلیں کرتے ہیں جیسا کہ اس باب میں تصنیف کرنے والوں نے یہی کہا، جو شخص ان کی تاویلوں میں غور وفکر کرتا ہے اس پر روشن ہوجاتا ہے کہ یہ تاویلیں فاسد ہیں، اور کلمات کو ان کے مقام سے تحریف کرنا ہے جیسا کہ یہ لوگ اللہ عزوجل کے اس قول:
﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾ [الفتح-۴۲:۲،۳]
ترجمہ: ''تا کہ اللہ تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ بخشے''۔
میں یہ تاویل کرتے ہیں کہ گزشتہ گناہ سے آدم کا گناہ اور بعد کے گناہ سے آپ کی امت کے گناہ

مراد ہیں، اس تاویل کا باطل ہونا ظاہر و معلوم ہے''۔الخ

گویا یہ ابن تیمیہ کا ایک ترانہ ہے۔

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۴۳۲/۲) میں کہا:

''اسی لیے بعض لوگوں نے کہا کہ: داؤد صلی اللہ علیہ وسلم توبہ کے بعد خطا کے پہلے سے افضل وبہتر تھے، اور بعض لوگوں نے کہا کہ: اگر اللہ کے نزدیک توبہ سب سے زیادہ محبوب نہ ہوتو اکرم الخلق کا گناہ کے ذریعہ امتحان نہ فرمائے''

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۲۱۰/۶) میں کہا:

''ایک دوسری حدیث میں ہے کہ: ''**لو لم تكن التوبة أحب الأشياء اليه لما ابتلي بالذنب أكرم الخلق عليه**'' : اگر اللہ کو توبہ سب سے زیادہ محبوب نہ ہوتو اکرم الخلق کا گناہ کے ذریعہ امتحان نہ فرمائے''۔

اوراس نے فتاوی کبری (۳۴۷/۲) میں مزید کہا:

''اگر خدا کو توبہ سب سے زیادہ محبوب نہ ہوتو اکرم الخلق کا گناہ کے ذریعہ امتحان نہ فرمائے''۔

اورابن قیم نے شفاء الجلیل (۲۲۳/۱) میں اس کی اتباع میں کہا:

''اوراگر اللہ کو توبہ سب سے زیادہ محبوب نہ ہوتو اکرم الخلق کا گناہ کے ذریعہ امتحان نہ فرمائے''۔

اور مدارج السالکین (۲۹۷/۱) میں کہا:

''اگر اسے توبہ سب سے زیادہ محبوب نہ ہوتو اکرم الخلق کا گناہ کے ذریعہ امتحان نہ فرمائے''۔

اور طریق **الهجرتين** (۳۵۷/۱) میں کہا:

''اگر اسے توبہ سب سے زیادہ محبوب نہ ہوتو اکرم الخلق کا گناہ کے ذریعہ امتحان نہ فرمائے''۔

میں کہتا ہوں: ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ: جہمیہ اور باطنیہ اس کے قائل ہیں کہ اللہ عزوجل کے ارشاد:

﴿لِيَغْفِرَ لَکَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾ [الفتح-۴۸:۲،۳]

ترجمہ: ''تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے''۔

میں اگلے گناہ سے آدم کا گناہ، اور پچھلے گناہ سے آپ کی امت کا گناہ مراد ہے۔ امام شافعی اور قرآن عظیم کے مفسر مشہور تابعی حضرت عطا کی شان میں صریح دشنام طرازی اور ان مفسرین کرام کی بھی سخت توہین ہے جنھوں نے اس قول کو ذکر فرما کر اس پر اعتراض نہ کیا، ان حضرات کی تعداد الحمدللہ بہت زیادہ ہے۔

امام شافعی کی احکام القرآن (۳۸/۱) میں ہے:

''قبل وحی اور بعد وحی گناہوں کی مغفرت کا معنی یہ ہے کہ: اللہ نے آپ کو قبل وحی اور بعد وحی ہمیشہ گناہوں سے معصوم رکھا تو آپ نے کبھی کوئی گناہ نہ کیا، کیوں کہ اللہ آپ کو وہی کرنے دیتا ہے جس سے راضی ہے۔ آپ قیامت کے دن سب سے پہلے اللہ کی بارگاہ میں شفاعت فرمائیں گے، اور آپ کی شفاعت سب سے پہلے مقبول ہوگی، آپ تمام خلائق کے سردار ہیں، اور میں نے ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم بن عبدان کرمانی سے یہ فرماتے سنا: میں ابوالحسن محمد بن ابواسماعیل علوی سے بخارا میں یہ فرماتے سنا کہ: میں نے احمد بن محمد بن حسان مصری سے مکہ میں یہ فرماتے سنا: میں نے مزنی سے یہ فرماتے سنا کہ: میں نے امام شافعی سے اللہ عزوجل کے اس ارشاد کے بارے میں سنا:

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِيْنًا o لِيَغْفِرَ لَکَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾ [الفتح-۴۸:۲،۳]

ترجمہ: ''بے شک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرما دی تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے''۔

آپ نے فرمایا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ: تمہارے باپ آدم کے اگلے گناہ جو میں نے

تمہارے سبب بخش دیے، اور آپ کی امت کے پچھلے گناہ، جنہیں تمہاری شفاعت کے سبب جنت عطا کروں گا''۔

بیہقی رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا: یہ عمدہ اور دل چسپ قول ہے، اور امام شافعی نے اپنی تصنیف میں جسے ذکر فرمایا وہ دو روایتوں میں اصح روایت ہے اور ظاہر الراویۃ کے زیادہ موافق ومناسب ہے، امام بیہقی اس سے امام شافعی کی وہ روایت مراد لیتے ہیں جو مناقب الشافعی (۴۲۴/۱) میں مذکور ہے:

''ہم کو ابوسعید بن ابوعمرو نے خبر دی، انھوں نے فرمایا کہ: ابوالعباس اصم نے ہم سے بیان کیا، انھوں نے فرمایا ہم سے ربیع بن سلیمان نے بیان کیا، انھوں نے فرمایا اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا:

﴿ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ أَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ﴾

[الاحقاف-۴۶:۹]

ترجمہ: ''تم فرماؤ میں کوئی انوکھا رسول نہیں، اور میں نہیں جانتا میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ(1) کیا''۔

(۱) حضرت صدرالافاضل علامہ نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ نے تفاسیر معتمدہ کی روشنی میں اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں ارشاد فرمایا:

اس کے معنی میں مفسرین کے چند اقوال ہیں: ایک ا تو یہ کہ: قیامت میں میرے اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا وہ مجھے معلوم نہیں یہ معنی ہوں تو یہ آیت منسوخ ہے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مشرک خوش ہوئے اور کہنے لگے لات وعزی کی قسم اللہ تعالی کے نزدیک ہمارا اور محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا یکساں حال ہے انھیں ہم پر کچھ بھی فضیلت نہیں اگر یہ قرآن ان کا اپنا بنایا ہوا نہ ہوتا تو ان کا بھیجنے والا انھیں ضرور خبر دیتا کہ ان کے ساتھ کیا کرے گا تو اللہ تعالی نے آیت: ﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾ [الفتح-۴۸: ۲،۳] نازل فرمائی صحابہ نے عرض کیا: یا نبی اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم حضور کو مبارک ہو آپ کو معلوم ہو گیا کہ آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا یہ انتظار ہے کہ ہمارے ساتھ کیا کرے گا اس پر اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ﴾ [الفتح-۴۸:۵] اور یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِأَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا﴾ [الاحزاب-۳۳:۴۷] تو اللہ تعالی نے بیان فرمادیا کہ حضور کے ساتھ کیا کرے گا اور مومنین کے ساتھ کیا۔

پھر اللہ عزوجل نے اپنے نبی ﷺ پر یہ نازل فرمایا:

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِيْنًا o لِيَغْفِرَ لَکَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾ [الفتح-۴۸:۲،۳]

ترجمہ: ''بے شک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرمادی تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے''۔

یعنی وحی سے پہلے آپ کے اگلے گناہ اور وحی کے بعد آپ کے گناہ جس کا معنی یہ ہے کہ اللہ نے آپ کو گناہوں سے معصوم رکھا تو آپ سے کوئی گناہ ہی سرزد نہ ہوا، تو آپ گناہ گار نہیں اس لیے کہ اللہ عزوجل کو یہ معلوم ہے کہ آپ وہی کریں گے جس سے اللہ راضی ہے۔ اور قیامت کے دن اللہ کے حضور آپ سب سے پہلے شفاعت فرمانے والے ہوں گے، سب سے پہلے آپ ہی کی شفاعت مقبول ہوگی، اور آپ تمام خلائق کے سردار ہیں''۔

امام شافعی کا کلام حرف بحرف ختم ہوا۔

میں کہتا ہوں: قریش کے امام، امام شافعی کے کلام پر ہمارا ایمان ہے۔

لیکن ابن تیمیہ دروازہ کے دونوں کواڑ صرف اس لیے کھول رہا ہے تا کہ مریض القلب لوگ رسول اللہ

دوسرا قول اس آیت کی تفسیر میں یہ ہے کہ: آخرت کا حال تو حضور کو اپنا بھی معلوم ہے مومنین کا بھی کلا بین کا بھی معنی یہ ہیں کہ دنیا میں کیا کیا جائے گا یہ معلوم نہیں اگر یہ معنی لیے جائیں تو بھی آیت منسوخ ہے اللہ تعالی نے حضور کو یہ بھی بتادیا: ﴿لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ [الصف-۶۱:۹] اور ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ [الانفال-۸:۳۳] بہر حال اللہ تعالی نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو حضور کے ساتھ اور حضور کی امت کے ساتھ پیش آنے والے امور پر مطلع فرمایا خواہ وہ دنیا کے ہوں یا آخرت کے اور اگر درایت بمعنی ادراک بالقیاس یعنی عقل سے جاننے کے معنی میں لیا جائے تو مضمون اور بھی زیادہ صاف ہے اور آیت کا اس کے بعد والا جملہ اس کا موید ہے علامہ نیشا پوری نے اس آیت کے تحت یہ فرمایا کہ: اس میں نفی اپنی ذات سے جاننے کی ہے من جہۃ الوحی جاننے کی نفی نہیں''۔ (تفسیر خزائن العرفان) (مترجم)

ﷺ کے گناہ کے بارے میں غور وفکر کریں، کہ وہ کون سے گناہ ہیں، اور کتنے بار سرزد ہوئے، اللہ عزوجل ایسی اہانتوں سے ہمیں دور رکھے۔

اب ہم امام قرطبی (۲۶۳/۱۶) کے کلام کا کچھ حصہ قارئین کی خدمت میں پیش کررہے ہیں:

عطا خراسانی نے کہا: ﴿ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ ﴾ یعنی تمہارے ماں باپ آدم وحوا کے اگلے گناہ، اور تمہاری امت کے پچھلے گناہ۔ اور ایک قول یہ ہے کہ: تمہارے باپ ابراہیم کے گناہ اور دوسرے انبیا کے پچھلے گناہ، اور ابوعلی روذ باری نے کہا: اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ اگر آپ کے قدیم یا جدید گناہ ہوتے تو ہم ضرور اسے بخش دیتے''۔

قارئین کرام! وہ تفسیر بھی ملاحظہ فرمائیں جسے بغوی نے اپنی تفسیر (۱۸۹/۴)، اور ابن جوزی نے زاد المسیر (۴۲۳/۷) میں فرمایا:

﴿ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ ﴾ ابن عباس نے فرمایا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ: دور جاہلیت میں جو آپ سے پہلے ہوئے اور جو اس کے بعد ہوں گے جس کا آپ کو علم نہیں، یہ ارشاد بطور تاکید ہے جیسا کہ آپ کہتے ہیں فلاں مارتا ہے جسے پاتا ہے اور جسے نہیں پاتا۔ الخ

(۸۴) رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں ابن تیمیہ کی اہانت آمیز باتیں

ابن تیمیہ نے مجموع الفتاوی (۴۰۱/۲۲) میں کہا:

''صلح حدیبیہ، اور بیعت رضوان کے بعد اللہ تعالی نے اپنے نبی سے فرمایا:

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ٥ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرٰطًا مُّسْتَقِيمًا ٥ وَيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيزًا﴾ [الفتح-۴۲:۳،۲،۱]

ترجمہ:''بے شک ہم نے آپ کو روشن فتح دی، تاکہ خدا آپ کے گزشتہ اور آئندہ گناہوں کو بخش دے، آپ پر اپنی نعمتیں پوری کرے، آپ کو صراط مستقیم کی راہ دکھائے اور آپ کی مکمل معاونت فرمائے''۔

اللہ نے ان آیات میں یہ خبر دی کہ اس نے ایسا اس لیے فرمایا تا کہ آپ کو صراط مستقیم کی ہدایت دے، جب نبی کا حال یہ ہے تو دوسروں کا کیا حال ہوگا''۔ الخ

میں کہتا ہوں: ابن تیمیہ کا یہ کلام ساقط الاعتبار ہے، اس سے اس کے دل کی عداوت اور اس کے فہم کا سقم اچھی طرح واضح ہے، اس لیے کہ اس کا یہ خیال ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد جب اللہ تعالی نے آپ کو روشن فتح بخشی اس وقت آپ کو صراط مستقیم کی ہدایت عطا کی، اس نے أمراض القلوب (۱۲/۱) میں کہا:

''کیوں کہ محض حق جان لینے سے ہدایت حاصل نہیں ہوتی اگر اپنے علم پر عمل پیرا نہ ہو، اسی لیے صلح حدیبیہ کے بعد اللہ نے اپنے نبی سے فرمایا:

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ٥ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرٰطًا مُّسْتَقِيمًا﴾ [الفتح-۴۲:۳،۲،۱]

ترجمہ:''بے شک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرمادی تا کہ اللہ تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ

بخشے اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کر دے اور تمہیں سیدھی راہ کی ہدایت دے''۔

میں کہتا ہوں: یہ حد درجہ خطرناک کلام ہے، آخر اس کے اس کلام کا کیا معنی ہے: ''کیوں کہ محض حق کے جان لینے سے ہدایت حاصل نہیں ہوتی اگر اپنے علم پر عمل پیرا نہ ہو''؟ پھر اس سابقہ جملہ پر اس کلام سے استشہاد واستدلال کس لیے ہے: ''اور اسی لیے صلح حدیبیہ کے بعد اللہ نے اپنے نبی سے فرمایا جس کا ذکر سورہ فتح کی ابتدائی آیت میں ہے: ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ○ لِيَغْفِرَ لَکَ اللّٰهُ﴾ [الفتح-۴۸:۱،۲،۳]

آپ ابن تیمیہ کا کلام خود بغور پڑھیں، اور فیصلہ کریں میں اس پر تبصرہ نہیں کرنا چاہتا۔

(۸۵) ابن تیمیہ نے اپنے کلام میں اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ: ''نبی پاک ﷺ تنہا مقام محمود کے مستحق نہیں''

کہیں گے اور نبی اذھبوا إلی غیری
میرے حضور کے لب پر أنا لھا ہوگا

روز قیامت کی حدیث میں ہے کہ تمام انبیا نفسی نفسی کہیں گے مگر رسول اللہ ﷺ فرمائیں گے: **أنا لھا، أنا لھا** میں اپنی امت کی شفاعت کے لیے ہوں، میں اپنی امت کی شفاعت کے لیے ہوں، ابن تیمیہ نے اس حدیث کا جائزہ لیتے ہوئے دقائق التفسیر (۱۲۱/۲) میں کہا:

> ''اور مسیح مقام محمود سے موخر ہے جو محمد ﷺ کی خصوصیت ہے، مقام محمود سے تأخر و دست برداری مسیح کے فضائل میں سے ہے، اور اس سے آپ کو اللہ کا قرب حاصل ہوگا، صلوات اللہ علیہم أجمعین''۔

میں کہتا ہوں: کیا اللہ کے نبی عیسیٰ مقام محمود سے مقدم و موخر ہو سکتے ہیں، یا آپ مقام محمود میں رسول اللہ ﷺ کے شریک ہیں، ابن تیمیہ کا یہ کلام دو حال سے خالی نہیں: یا تو اسے یہ معلوم ہی نہیں کہ کیا کہہ رہا ہے، یا اس کے دل میں رسول اللہ ﷺ سے دلی کدورت ہے۔

ذرا اس پر بھی نظر فرمائیں ابن تیمیہ نے مقام محمود سے مسیح کے تأخر کی گفتگو کرتے ہوئے اس طرح اشارہ کیا: ''مقام محمود سے تاخر و دست برداری مسیح کے فضائل سے ہے، اس سے آپ کو اللہ کا قرب حاصل ہوگا'' دراصل اس کلام کا مقصد یہ ہے کہ آپ (عیسیٰ) کا مقدم ہونا ممکن ہے، پھر اس تاخر کے سبب انہیں قرب الٰہی کیوں نہ حاصل ہوگا!!! مجھے نہیں معلوم کیا ابن تیمیہ اللہ عزوجل کے ساتھ ہے، اور اسے یہ معلوم ہے کہ اللہ جل شانہ کیا فیصلہ فرما رہا ہے یا عنقریب کیا فیصلہ فرمائے گا؟

(۸۶)ابن تیمیہ نبی پاک ﷺ کی اس خصوصیت وفضیلت کونہیں مانتا کہ آپ کی نبوت سارے انبیاعلیہم السلام کی نبوت پر مقدم ہے

ابن تیمیہ نبی پاک ﷺ کی اس خصوصیت کا انکار کرتا ہے کہ آپ کی نبوت آدم سمیت تمام انبیائے کرام پر مقدم ہے، جب کہ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد".

ترجمہ:۔''میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم روح اور جسم کے درمیان تھے''۔

ابن تیمیہ نے حضور کے اس ارشاد مذکور میں معنوی تحریف کی جس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نبوت کی ایسی حقیقت سے متصف تھے جس کے فہم وادراک سے عقلیں عاجز وقاصر ہیں، اللہ عزوجل نے آپ کو ایسی خاص کرامت وفضیلت بخشی جس میں کوئی آپ کا شریک نہیں، مگر ابن تیمیہ اس حدیث پاک کے خصوصیت وفضیلت آمیز معنی کو ایسے معانی کی طرف پھیر رہا ہے جن میں آپ کی نہ کوئی خصوصیت ہے نہ فضیلت، جیسا کہ عنقریب اس کا بیان آرہا ہے، اور حیرت اس پر ہے کہ ابن تیمیہ، اور ابن قیم حقیقت محمدیہ کا انکار کررہے ہیں جب کہ ابن تیمیہ کے بارے میں خود ابن قیم کا قصیدۂ نونیہ میں یہ دعوی ہے:

(۱) فاقرأ تصانیف الإمام حقیقة — شیخ الوجود العالم الربانی

(۲) أعني أبا العباس أحمد ذلك — البحر المحیط بسائر الخلجان

امام شیخ الوجود عالم ربانی کی تصانیف کا مطالعہ کریں۔

یعنی ابوالعباس احمد جو ایسا بحر محیط ہے جس نے ساری خلیجوں کو اپنے سمندر کے احاطہ میں لے رکھا ہے۔

اگر رسول اللہ ﷺ کا کوئی عاشق صادق یہ جملہ آپ کی شان اقدس میں کہے تو ابن تیمیہ کے نیاز بردار فورا بول پڑیں گے کہ آپ کے پاس کیا دلیل ہے؟ یہ تو مبالغہ ہے، جو شرک کی طرف لے جاتا ہے، **لاحول ولا قوة**

إلا بالله العلي العظيم۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حقیقت محمد یہ کے اس مسئلہ میں ابن تیمیہ نے امام احمد بن حنبل سمیت تمام ائمہ اسلام کی مخالفت کی، جب کہ امام احمد خود اس کے بھی امام ہیں، عبداللہ بن امام احمد نے اپنے والد سے پوچھا کہ نبی پاک ﷺ کے ارشاد: ''كنتُ أولَ النبيين'' (میں اول الانبیاء ہوں) کا کیا معنی ہے؟ تو آپ نے فرمایا: یعنی خلْقًا'' کہ اس کا معنی یہ ہے کہ: ''آپ کی نبوت خلقت کے اعتبار سے تمام انبیا سے پہلے ہے'' عنقریب اس کا تفصیلی ذکر آ رہا ہے۔

نبی پاک ﷺ کی اس خصوصیت کے انکار میں ابن تیمیہ نے اس قدر حد سے تجاوز کیا کہ اس نے یہاں تک کہہ دیا کہ جو شخص یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت بھی نبی تھے جب کہ آدم جسم وروح کے درمیان تھے اور اس کا یہ معنی نہ لے کہ: ''آپ کا نبی ہونا اس وقت بھی علم الٰہی میں لکھ دیا گیا تھا'' تو ایسا کہنے والا باتفاق مسلمین کافر ہے۔

ہمیں نہیں معلوم کہ یہ شخص کہاں سے تمام مسلمانوں کا اتفاق ذکر کر رہا ہے، جب کہ حدیث میں آپ کے ارشاد سے یہی معنی صاف واضح ہے کہ آپ اس وقت بھی نبی تھے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا:

'' كنت نبيا وآدم بين الروح والجسد''.

ترجمہ:۔''میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم روح اور جسم کے درمیان تھے''۔

ابن تیمیہ ان ثابت شدہ حدیثوں سے تجاہل کرتا ہے، اور انہیں بالکل ذکر نہیں کرتا جب کہ احادیث سے یہ ثابت ہے کہ آپ سے یہ پوچھا گیا: ''آپ کب مبعوث ہوئے؟'' اور ''کب نبی بنائے گئے؟'' اور ''کب آپ کو نبوت حاصل ہوئی؟'' اور ''کب نبوت سے سرفراز کیے گئے؟'' کم از کم تین صحابہ کرام سے اس طرح کے سوالات ثابت ہیں جیسا کہ عنقریب آ رہا ہے۔

ہم عنقریب ابن تیمیہ کے اقوال، اور ان کے خلاف اپنی بحثیں ذکر کریں گے، پھر ان اقوال کے جائزہ، اور ان کے جزئی معارضہ کے بعد اللہ کی توفیق اور اس کی مدد سے اس کا رد کریں گے، اور آپ کی اس خصوصیت کی گراں قدر توضیح کریں گے۔

سب سے پہلے ابن تیمیہ کے اقوال ملاحظہ فرمائیں:

ابن تیمیہ نے اس مسئلہ کے بارے میں بہت سے مقامات پر اپنے عجائب کا انکشاف کیا ہے، ہم ان میں سے خاص مقامات کا ایک جائزہ پیش کرتے ہیں:

ا۔اس نے اپنے مجموع الفتاوی (۲۸۲/۸) میں کہا:

''اسی لیے بہت سے لوگوں کو نبی ﷺ کی اس صحیح حدیث میں مغالطہ ہوتا ہے جسے میسرہ نے اس طرح روایت کیا: میں (میسرہ) نے عرض کیا یارسول اللہ! ''آپ کب نبی ہوئے؟'' اور ایک روایت میں ہے: ''کس وقت آپ کا نبی ہونا لکھا گیا؟'' آپ نے فرمایا: ''وآدم بین الروح والجسد'' جب کہ آدم روح اور جسم کے درمیان تھے'' اس حدیث سے لوگوں نے یہ سمجھا کہ آپ کی ذات اور نبوت اس وقت موجود تھی، حالاں کہ یہ جہالت ہے، کیوں کہ اللہ نے صرف چالیس ۴۰ سال کی عمر میں آپ کو نبوت دی اور آپ سے یہ فرمایا:

﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْءَانَ وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾ [یوسف-۱۲:۳]

ترجمہ:۔''ہم تمہیں سب سے اچھا بیان سناتے ہیں، اس لیے کہ ہم نے تمہاری طرف اس قرآن کی وحی بھیجی اگرچہ بے شک اس سے پہلے تمہیں خبر نہ تھی''۔

اور یہ فرمایا:

﴿وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى﴾ [الضحی-۹۳:۷] (اور تمہیں ضال پایا تو ہدایت دی۔)

اھـ ابن تیمیہ کا کلام ختم ہوا

ابن تیمیہ نے یہ نہ ذکر کیا کہ یہ بہت سے لوگ علما، یا عوام ہیں؟ اور ان کی دلیل کیا ہے؟ کیوں کہ علمائے مسلمین کا قول یہ ہے کہ نبی پاک اس وقت بھی نبی تھے، جیسا کہ آگے آئے گا، ان اقوال کے جائزہ اور معارضہ کے بعد آپ دیکھیں گے کہ ابن تیمیہ نے علما سمیت تمام حضرات کی تکفیر کی۔

ہم سر دست اس حدیث کے متعلق یہ واضح کریں گے (آپ کو اللہ ہدایت دے) کہ یہ حدیث آٹھ صحابہ

کرام سے مروی ہے صرف تنہا میسرہ ہی اس حدیث کے راوی نہیں۔

(۱) میسرة الفجر:

عبداللہ بن شقیق نے روایت کیا کہ میسرة الفجر نے فرمایا: میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ کو کب نبوت ملی؟ فرمایا:

"کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد"[۱]

ترجمہ:۔"میں اس وقت نبی تھا جب کہ آدم روح اور جسم کے درمیان تھے"۔

(۲) ابن ابو الجدعاء:

ضیا مقدسی نے مختارہ میں دو روایتیں تخریج کیں، ایک عبداللہ بن شقیق سے، انھوں نے ابن ابوالجدعاء سے روایت کیا کہ ابن ابوالجدعاء نے کہا: ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ، اور دوسری روایت ابن ابوالجدعاء سے مروی ہے خود آپ نے فرمایا: میں نے عرض کیا یارسول اللہ، پھر پوری حدیث ذکر کی۔[۲]

---

(۱) میں کہتا ہوں: یہ حدیث صحیح ہے جسے حاکم نے صحیح کہا، اور ذہبی، حافظ ابن حجر، ھیثمی، اور سیوطی وغیرہم نے اس تصحیح کو برقرار رکھا۔

امام احمد نے اس کی تخریج کی (۵۹/۵) اور بخاری نے تاریخ کبیر میں (۳۷۴/۷ نمبر ۱۶۰۶)، اور حاکم (۶۶۵/۲ نمبر ۴۲۰۹)، اور ابن سعد نے الطبقات الکبری (۶۰/۷)، اور ابن ابو عاصم نے السنۃ (۱۷۹/۱ نمبر ۴۱۰) میں، اور عبداللہ ابن احمد نے السنۃ (۳۹۸/۲ نمبر ۸۶۴) میں، اور خلال نے السنۃ (۱۸۷/۱، ۱۸۸ نمبر ۲۰۰) میں، اور ابن قانع نے معجم الصحابہ (۱۲۹/۳ نمبر ۱۱۰۳) میں، اور ابو نعیم نے حلیہ (۵۳/۹)، اور طبرانی نے کبیر (۳۵۳/۲۰ نمبر ۸۳۳، ۸۳۴)، اور دیلمی نے فردوس (۲۸۴/۳ نمبر ۴۸۴۵)، اور حافظ سہمی نے تاریخ جرجان (۳۹۲/۱ نمبر ۶۵۳)، اور رافعی نے التدوین في أخبار قزوین (۲۴۳/۲، ۲۴۴)، اور فریابی نے کتاب القدر (۳۹/۱ نمبر ۱۷)، اور دقاق نے مجلس إملاء في رویة اللّٰہ تبارک وتعالی (۳۹۱/۱ نمبر ۹۰۵) میں ذکر کیا۔

(۲) ضیاء نے الاحادیث المختارة (۱۴۲/۹، ۱۴۳ نمبر ۱۲۳، ۱۲۴)، اور ابن سعد نے الطبقات الکبری (۱۴۸/۱) میں اسے روایت کیا اور ضیاء مقدسی نے کہا: یہ حدیث صحیح، طعن سے پاک وصاف ہے، (ملخصا) اور ضیا نے اسے "کتبت" اور صاحب طبقات نے "کنت" کے لفظ سے روایت کیا۔

یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے سوال کرنے والے دوصحابی تھے جن میں سے ایک خود ابن ابو الجد عاء ہیں جب کہ دوسرے راوی وہ بھی ہیں جن سے ابن ابو الجد عاء روایت کررہے ہیں، ممکن ہے کہ دوسرے راوی جن سے ابوالجد عاء راوی ہیں وہ میسرۃ الفجر ہوں یا کوئی اور، مگر ہماری ترجیح جیسا کہ ہم حدیث ابوہریرہ کے تحت بیان کریں گے یہی ہے کہ وہ صحابی میسرہ نہیں، کوئی اور ہیں۔

تنبیہ : حسینی نے الإکمال (۴۲۸/۱ نمبر ۸۹۸) میں نقل کیا کہ ابن الفرح نے کہا: میسرۃ الفجر ہی عبداللہ بن ابوالجد عاء ہیں، اور یہ صحیح نہیں اس لیے کہ امام بخاری، امام مسلم، ابن ابوحاتم، ابن حبان، ابن عبدالبر، اور ابن حجر نے الاصابۃ وغیرہ میں میسرۃ الفجر، اور ابن ابوالجد عاء کے حالات الگ الگ ذکر کیے، جس سے یہ ثابت ہوا کہ ان حضرات کے نزدیک دونوں ایک نہیں، بلکہ دوفرد ہیں، امام مسلم نے کتاب **المنفردات والوحدان** (۴۴/۱-۴۵) میں ان راویان حدیث کی تحدید وتوضیح فرمادی ہے جن کی روایت حدیث میں کبھی خلط یا ظن واقع ہوتا ہے، ان حضرات نے صاف تصریح کردی ہے: عبداللہ بن ابوالجد عاء، عبداللہ بن ابوالحمساء، اور میسرۃ الفجر سے صرف عبداللہ بن شقیق نے روایت کیا الخ **بحروفه.**

حافظ خلیفہ بن خیاط نے الطبقات (۵۹/۱) میں ایسا ہی کہا: عبداللہ بن ابوالجد عاء، عبداللہ ابن ابوالحمساء، اور میسرۃ الفجر نے یہ حدیث روایت کی: **متی کنت نبیا** ''آپ کب نبی ہوئے'' ان حضرات سے عبداللہ بن شقیق نے روایت کیا، اور یہ اضافہ کیا کہ تینوں بنوعامر سے ہیں، اھ اس سے بحمداللہ تعالی یہ ثابت ہوا کہ دونوں دوصحابی ہیں۔

(۳) صحابہ میں سے ایک شخص (ایک صحابی) نے روایت کیا:

عبداللہ بن شقیق نے ایک صحابی سے روایت کی پھر گزشتہ حدیث ذکر کی مگر انھوں نے یہ الفاظ کہے: '' **متی جعلت نبیا** '' ''آپ کب نبی بنائے گئے؟ [1]۔ اور ابن ابوعاصم نے ''**السنة اور الاحادو المثاني**'' میں صرف اس لفظ سے روایت کیا: '' **متی بعثت** '' ''آپ کب نبی بنا کر بھیجے گئے؟ اور البانی نے اسی آخری لفظ کے

(۱) ابن ابوشیبہ (۳۲۹/۷ نمبر ۳۶۵۵۳)، امام احمد (۶۶/۴، ۹/۵، ۳۷۹ نمبر ۲۳۲۶۰)، ابن ابوعاصم نے الاحاد والمثانی (۳۴۷/۵ نمبر ۲۹۱۸) اور السنۃ (۱۷۹/۱ نمبر ۴۱۱)، اور ابن سعد (۱۴۸/۱)، اور رویانی (۴۹۶/۲ نمبر ۱۵۲۷) نے تخریج کیا، یہ حدیث صحیح ہے، ھیثمی نے مجمع الزوائد (۲۲۳/۸) میں کہا: احمد کی اسناد کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

ساتھ اس کی تصحیح کی۔

(ہمیں اور آپ کو اللہ ہدایت پر قائم رکھے) ذرا اس روایت: "**متی بعثت**" اور "**متی جعلت**" کو دیکھیں! کیا اس روایت سے صرف یہ انکشاف ہوتا ہے کہ آپ صرف علم الٰہی میں نبی تھے، یا اس کے علاوہ کوئی دوسرا معنی منکشف ہوتا ہے جس سے آپ کی شرافت وکرامت اور خصوصیت ظاہر ہوتی ہے، یعنی آپ نبی تھے، نبی بنا دیے گئے تھے اور نبی بن کر مبعوث ہو چکے تھے، اور اس معنی کی تقدیر پر آپ کی نبوت ایسی حقیقت سے متصف ہے کہ عقل وفہم اس کے ادراک سے قاصر ہیں؟ ان شاء اللہ تعالیٰ ہم ایسے دلائل پیش کریں گے جن سے یہی انکشاف ہوتا ہے۔

رہا یہ کون سے صحابی ہیں تو ہمارے نزدیک یہی راجح ہے کہ یہ ابن ابوالحمساء ہیں جو ایک تیسرے راوی ہیں ان سے صرف عبداللہ بن شقیق نے روایت کیا جیسا کہ امام مسلم، اور امام خلیفہ بن خیاط نے بیان کیا، اور مزید یہ بھی کہ یہ تینوں قبیلۂ بنو عامر سے ہیں، ان تینوں حضرات نے نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر آپ سے سوال کیا، ان تینوں میں سے ایک نے یہ کہا: "**متی کنت نبیا**" (نبوت آپ کو کب ملی؟) تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: "**کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد**"

(میں اس وقت نبی تھا جب کہ آدم روح اور جسم کے درمیان تھے) دوسرے صحابی نے آپ سے یہ سوال کیا: "**متی بعثت**" آپ کب نبی بنا کر بھیجے گئے؟ اور تیسرے صحابی نے پوچھا: "**متی جُعِلْت**" آپ کب نبی بنائے گئے؟۔ نبی کریم ﷺ کی خصوصیت اور آپ کی بارگاہ کی ہیبت جلال کے لحاظ سے مختلف قسم کے تاکیدی سوالات کیے گئے۔

پھر اس مقام پر میرے ذہن میں ایک نکتہ یہ آ رہا ہے کہ ابن ابوالجدعاء کی روایت میں ہے کہ خود آپ نے ایک مرتبہ اس طرح سوال کیا: میں نے عرض کیا یارسول اللہ! اور ایک مرتبہ یہ کہا: ایک شخص نے کہا، اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ راوی ایک چوتھے صحابی ہیں اس لیے کہ ان کا نام مذکور نہیں، اور گزشتہ تینوں صحابیوں کے بارے میں ہم یہ ثابت کر چکے کہ وہ قبیلہ بنو عامر سے تھے جو بصرہ کے اعرابی تھے اور ان تینوں سے صرف عبداللہ بن شقیق ہی نے

روایت کیا، اس سے اس بات کی ترجیح ہوتی ہے کہ یہ حضرات عموما ایک دوسرے کے ساتھ آئے۔ احادیث کے سیاق سے یہی راجح ہے۔ اور الفاظ کی کثرت سے بھی یہی پتہ چلتا ہے، اس لیے کہ کسی کی روایت میں ''کنت'' کسی میں ''کتبت''، کسی میں ''بعثت''، کسی میں ''جعلت''، کسی میں ''وجبت'' آیا ہے، ابو ہریرہ کی حدیث میں ''استنبئت'' ہے جسے عامر شعبی نے مرسلا روایت کیا، ان روایتوں میں اس درجہ اختلاف، اور ان کے الفاظ میں غایت تباین کے باوجود ائمہ محدثین نے یہ طعن نہ کیا کہ یہ روایتیں مضطرب ہیں، یا ان میں کوئی راوی سیئ الحافظہ ہے۔

تنبیه: ابن تیمیہ نے ان مروی الفاظ: ''متی بعثت، جعلت، استنبئت'' کو ایک بار بھی ذکر نہ کیا، اگر ان روایات کی سندیں ضعیف ہوتیں تو ساری دنیا سر پر اٹھالیتا اور کسی کو چین سے نہ رہنے دیتا۔ آخر ابن تیمیہ ان مروی الفاظ سے کیوں مکمل تجاہل کر رہا ہے، اس سے آگاہ رہنا چاہئے۔

(۴) ابو هریره:

ابوسلمہ سے مروی ہے کہ ابو ہریرہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: ''متی وجبت لک النبوة'' آپ کی نبوت کب واجب ہوئی؟ تو آپ نے فرمایا: ''بین خلق آدم ونفخ الروح فیه'' یعنی آدم کی آفرینش اور ان (کے جسد خاکی) میں روح پھونکنے کے درمیان''۔[۱]

اس حدیث میں حسب ذیل اہم نکتے ہیں:

(۱) سارے راویوں نے ابو ہریرہ سے اسی لفظ: ''متی وجبت'' سے روایت کیا یعنی آپ کی نبوت کب واجب ہوئی؟ نہ تو میسرہ کی حدیث میں یہ لفظ ہے، اور نہ ہی ابن ابوالجدعاء کی حدیث میں، اکثر روایتوں میں ''کنت'' اور دوسری روایتوں میں ''کتبت'' کا لفظ ہے، عبداللہ بن شقیق کی حدیث جسے

(۱) د: ترمذی نے اس کو روایت کیا (۵/۵۸۵ نمبر ۳۶۰۹) اور یہ کہا: حسن صحیح غریب ہے، اور ابن حبان نے الثقات (۱/۴۷)، حاکم نے مستدرک (۲/۶۶۵ نمبر ۴۲۱۰)، ابونعیم نے دلائل النبوۃ (۱/۴۸ نمبر ۸)، لالکائی نے اعتقاد اہل السنۃ (۴/۷۵۳) خطیب نے تاریخ بغداد (۳/۷۰ نمبر ۱۰۳۲، ۵/۸۲ نمبر ۲۴۷۲، ۱۰/۱۴۶ نمبر ۵۲۹۲) اور فریابی نے کتاب القدر (۱/۳۸ نمبر ۱۵) میں اس کو روایت کیا۔

انھوں نے ایک صحابی سے روایت کیا اس میں بھی " وجبت" کا لفظ نہیں بلکہ "بعثت، جعلت، کنت" کے الفاظ ہیں۔

(۲) سید الخلق ﷺ نے اس حدیث میں جو جواب ارشاد فرمایا وہ میسرۃ الفجر، ابن ابوالجد عاء یا دوسرے صحابی کے جوابات سے بالکلیہ مختلف ہے کیوں کہ اس حدیث صحیح میں یہ فرمایا:" **بین خلق اٰدم ونفخ الروح فیه**"یعنی آدم کی آفرینش اور ان (کے پتلہ) میں روح پھونکنے کے درمیان" ابن حبان، حاکم ،ابونعیم، لالکائی، خطیب، اور فریابی نے اسی لفظ کے ساتھ روایت کیا، البتہ امام ترمذی نے اس طرح روایت کیا: " **بین الروح والجسد**" یعنی جب کہ آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔ اور یہ سابقہ جملہ صرف ابوہریرہ کی روایت میں ہے، ان دونوں حدیثوں کے لفظ اور معنی میں کافی بعد ہے۔ ابن تیمیہ نے باقی جن حدیثوں اور روایتوں کو ذکر نہ کیا ان کے جائزہ کے وقت ہم ان شاء اللہ تعالی اس کی توضیح کریں گے۔

(۳) ابوہریرہ کی اس حدیث صحیح میں "وجبت" کا لفظ وارد ہے جس پر تمام راویوں کا اتفاق ہے، اس لفظ "وجبت" کے درمیان اور نبی پاک ﷺ کے اس جواب (جو میسرۃ الفجر، ابن ابوالجد عاء، یا کسی دوسرے صحابی کے گزشتہ جوابات سے بالکلیہ مختلف ہے) کے درمیان باہم ربط و تعلق ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ابن ابوالجد عاء کی حدیث کے صحابی ایک چوتھے شخص ہیں جو ان تینوں صحابیوں کے علاوہ ہیں جن سے عبداللہ بن شقیق نے روایت کیا، بالخصوص ابوہریرہ کی حدیث کی سند کے راویوں میں ان لوگوں کی حدیثوں کی سند کا کوئی بھی راوی موجود نہیں۔

(۵) ابن عباس سے[۱]

(۶) ابی بن کعب سے[۲]

(۱) ابن عباس کی حدیث طبرانی نے اوسط (۲۷۲/۴ نمبر ۴۱۷۵)، اور کبیر (۹۲/۱۲ نمبر ۱۲۵۷۱، ۱۱۹/۱۲ نمبر ۱۲۶۴۶) میں روایت کیا، اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۲۲۳/۸) میں کہا: اس حدیث میں جابر بن یزید جعفی ضعیف ہیں۔

(۲) ابی بن کعب کی حدیث ابن قانع نے معجم الصحابۃ (۴۳۷/۱) میں تخریج کی۔

(۷) عمر بن خطاب سے (یہ حدیث مرسل ہے)(۱)

(۸) مطرف بن عبداللہ بن شخیر سے (یہ حدث مرسل ہے)(۲)

اوراس کے الفاظ یہ ہیں مطرف بن عبداللہ بن شخیر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: ''**متی کنت نبیا**'' آپ کب نبی ہوئے؟ فرمایا: ''**وآدم بین الروح والطین**'' ''جب آدم روح وگل کے درمیان تھے'' صرف اسی روایت میں یہ لفظ ہے: ''**بین الروح والطین**'' جب آدم روح اور مٹی کے درمیان تھے۔

(۹) عامر شعبی سے مرسلا مروی روایت میں یہ لفظ ہے: ''**استنبئت**''۔

مسند امام احمد میں عرباض بن ساریہ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ''**إني عندالله مكتوب خاتم النبيين،وإن آدم لمنجدل في طينته،وسأنبئكم بأول أمري،أنادعوةأبي إبراهيم وبشرى عيسى،ورويا أمي، رأت حين ولدتني أنه خرج منهانور أضاء ت له قصور الشام**'' بے شک میرا خاتم النبیین ہونا اس وقت لکھا ہوا تھا جب کہ آدم کا پتلہ بنایا جارہا تھا،ابھی اس میں روح نہ پھونکی گئی تھی،اور میں تمہیں اپنے آغاز امر کی خبر دیتا ہوں، میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا،عیسی کی بشارت ،اوراپنی ماں کا خواب ہوں،میری ماں نے میری ولادت کے وقت یہ دیکھا کہ ان سے ایک روشنی نمودار ہوئی جس سے شام کے محل نظر آئے''۔ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب الجواب الصحیح (۳۸۱/۳-۳۸۲) میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے کہا:

> ''آپ نے یہ خبر دی کہ آپ اس وقت نبی تھے جب کہ آدم روح وجسم کے درمیان تھے،اور اللہ کے نزدیک اس وقت خاتم النبیین لکھے ہوئے تھے جب کہ آدم کا پتلہ بنایا جارہا تھا،اس حدیث سے آپ کی مراد یہ ہے کہ اللہ نے آپ کا نبی ہونا لکھ دیا تھا،اوراس نبوت کو ظاہر

(۱) سیوطی نے الخصائص الکبری میں عمر بن خطاب کی حدیث کو ابونعیم کی طرف منسوب کیا اور یہ حدیث مرسل ہے،صنابحی کا عمر سے لقا ثابت نہیں۔

(۲) مطرف بن عبداللہ کی حدیث،اور عامر بن شعبی کی مرسل حدیث ابن سعد نے الطبقات الکبری (۱۴۸/۱) میں روایت کیا۔

فرمادیا تھا، اور آپ کا نام ذکر کر دیا تھا، اسی لیے آدم کا جسم پیدا کرنے اور اس جسم میں روح ڈالنے کے بعد اس وقت ہی ان ساری چیزوں کو فرمادیا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے پیدا ہونے والے کا جسم پیدا کرنے، اور اس جسم میں روح ڈالنے سے پہلے ہی اس کا رزق، اس کی موت کا مقررہ وقت، اس کا عمل، اور اس کا شقی وسعید ہونا لکھ دیا جاتا ہے۔ اور مسیح علیہ السلام کے بارے میں قائل نے جو کچھ کہا اس کا بھی یہی معنی ہے، اور یہ سب کچھ دنیا بننے سے پہلے ہوا کیوں کہ دنیا بننے سے پہلے یہ سب کچھ لکھ دیا گیا تھا اور اس کا ذکر کر دیا گیا تھا''۔اھ

ابن تیمیہ نے یہ کہا: (آپ نے یہ خبر دی کہ آپ نبی تھے، اور آپ کا نبی ہونا لکھ دیا گیا تھا) میں کہتا ہوں: تو نے ٹھیک کہا، اور کاش لفظ نبی کے پاس ٹھہر کر اپنی زبان سے یہ کہتا: آپ نبی تھے اور آپ کا نبی ہونا لکھ دیا گیا تھا۔ ہر شخص جانتا ہے کہ منطوق مفہوم پر راجح اور مقدم ہوتا ہے، خاص کر عقائد نبوت اور ان امور کے باب میں جو سمعیات سے ہیں، یہ اصولیین کے مقررہ اصول سے ہے۔

عرباض بن ساریہ کی حدیث میں نبی پاک ﷺ نے یہ نہ فرمایا: ''میرا نبی ہونا صرف اسی وقت لکھا گیا جب کہ آدم کا پتلہ بنایا جارہا تھا'' اور نہ یہ فرمایا: ''اس وقت میرا نبی ہونا لکھ دیا گیا تھا'' بلکہ ''لمکتوب'' (ضرور لکھا ہوا تھا) فرمایا جس پر لام تاکید داخل ہے اور کلمہ ''مکتوب''، کا مقتضی یہ ہے کہ کتابت دوسرے واقعہ کے ظہور سے پہلے ہوا اور دوسرا واقعہ آدم کا پتلہ بنایا جانا ہے۔

اور عرباض کی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبی پاک ﷺ کا نبی ہونا اس وقت لکھ دیا گیا تھا جب کہ آدم خاک کے منازل طے فرما رہے تھے، اس حدیث میں کوئی ایسی چیز نہیں جو اس حدیث کے مخالف ومعارض ہو جس میں یہ فرمایا گیا: ''کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد'' ''میں اس وقت نبی تھا جب کہ آدم روح وجسم کے درمیان تھے، اس لیے کہ آپ جب نبی ہوں گے آپ کا نبی ہونا اللہ کے یہاں مکتوب (لکھا ہوا) ہوگا، جیسا کہ آپ کہتے ہیں میں نمازی ہوں تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ آپ نے نماز ادا کی اور بلاشبہ لوح محفوظ میں آپ کی یہ نماز لکھی ہوئی ہے، تو پھر کیا وجہ ہے کہ ''کنت نبیا'' کا معنی صرف ''کتبت نبیا'' ہی ہو جب کہ آپ کا نبی ہونا اس

بات کو مستلزم ہے کہ آپ کا نبی ہونا مکتوب بھی ہے۔اس مقام پر کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ روایتوں میں یہ تصریح آئی ہوئی ہے: ''متی کتبت'' (آپ کا نبی ہونا کب لکھا گیا) ہم کہیں گے ٹھیک ہے اس کی تصریح ہے، ہمیں اس تصریح سے انکار نہیں لیکن کم ازکم تین [۳] صحابہ کرام نے حضور سے جو سوالات کیے ان کے بارے میں کیا کہا جائے گا، ان حضرات نے سرکار سے عرض کیا: ''متی بعثت، متی جعلت، متی استنبئت، متی وجبت'' ''آپ کب نبی بنا کر مبعوث کیے گئے؟ آپ کب نبی بنائے گئے؟ آپ کو کب نبوت عطا کی گئی؟ آپ کی نبوت کب واجب ہوئی؟'' ان صحابہ کرام کے سوالات کا یہی معنی ہے کہ آپ اس وقت نبی تھے، اور آپ کے رب نے آپ کو نبی بنادیا، اور آپ کو مبعوث فرمایا، آپ کی نبوت واجب ہو چکی تھی، اور آپ کا نبی ہونا لکھ دیا گیا تھا، ان سب میں کوئی تعارض نہیں بلکہ جس صحابی نے جس لفظ سے سوال کیا حضور اقدس نے بعینہ اس لفظ کو برقرار رکھا، جب کہ بوقت حاجت بیان میں تاخیر جائز نہیں۔

اور اگر ان صحابہ کرام کے سوالات غلط ہوتے تو حضور ضرور ان سے یہ بیان فرمادیتے کہ یہ سوال صحیح نہیں، بلکہ غلط ہے اس طرح سوال کرو۔

اگر کوئی یہ کہے کہ کسی صحابی نے سوال ہی نہ کیا تو ہم اس کے سامنے گزشتہ تخریج کردہ حدیثیں پیش کریں گے، اور اگر کوئی یہ کہے کہ راویوں اور احادیث تخریج کرنے والوں سے خلط واقع ہو گیا تو ہم کہیں گے کہ یہ محض دعوی ہے جس کی کوئی دلیل نہیں بلکہ یہ درحقیقت تین شیطانی گروہوں کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے **ایک** مستشرقین کا گروہ جو احادیث نبویہ میں شک کو راہ دیتا ہے، دوسرا جو صرف قرآن ہی سے استدلال کرتا ہے، اور حدیث سے استدلال نہیں کرتا اور یہ کہتا ہے کہ یہ حدیثیں چھوڑیے کیوں کہ ان میں خطا اور غلطی ہے، اگر تم اس کے رد میں یہ کہو: علمائے جرح وتعدیل اور ناقدین حدیث نے خلط کے مقامات، محدثین کے اوہام واغلاط اور سند ومتن کے اعتبار سے مضطرب حدیثوں کو بیان فرمادیا ہے تو ہم کہیں گے کہ آپ نے خود ہی اپنا رد کردیا والحمدللہ۔ علمائے محدثین نے ان احادیث میں سے کسی حدیث کو ضعیف یا واہن (کمزور) نہ کہا، دراصل اس کی وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کی متعدد روایتیں ہیں، جن کے مختلف الفاظ ہیں تو پھر تمہیں خلط کا حکم لگانے کا کیا حق ہے؟

کیا صرف اس بنا پر اس پر خلط کا حکم لگا رہے ہو کہ منکرین کی خواہش نفس کے خلاف ہے۔

شیطان کا **تیسرا** گروہ وہ ہے جو دین کو اپنی خواہش ورائے کے مطابق اخذ کرنا چاہتا ہے، اس مقام پر ایک **چوتھا** فرقہ ہے جسے ہم نے ذکر نہ کیا اسے رسول اللہ ﷺ کی محبت ہی نہیں، ہمارے نزدیک ان گروہوں کی کوئی حیثیت نہیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ [البقرہ-۲:۱۳۷]

ترجمہ:۔ ''تو اے محبوب عنقریب اللہ ان کی طرف سے تمہیں کفایت کرے گا اور وہی ہے سنتا جانتا''۔

رہ گیا ابن تیمیہ کا یہ کہنا: ''ان احادیث سے حضور کی مراد یہ ہے کہ اس وقت اللہ نے آپ کی نبوت لکھ دی تھی، اور اسے ظاہر فرمادیا تھا اور آپ کا نام ذکر کردیا تھا، اسی لیے آدم کا جسد خا کی پیدا کرنے، اور اس میں روح ڈالنے کے بعد اس وقت ہی ان ساری چیزوں کو فرمادیا''۔

میں کہتا ہوں: ابن تیمیہ کے اس کلام میں چند امور قابل غور ہیں:

پہلا امر: کس نے یہ بتایا کہ نبی پاک ﷺ کی مراد صرف یہی ہے؟ آخر نبی پاک ﷺ کی مراد صرف اپنے اپنے فہم کے اعتبار سے کیوں خاص کیا جارہا ہے؟ سنیے! ایک ہے کسی انسان کا نبی پاک ﷺ کے خصائص وکمالات کا جاننا، اور دوسرا ہے اللہ عزوجل کا اپنے رسول اعظم ﷺ کو خصوصیات وکمالات عطا فرمانا جس پر کسی کو اطلاع نہیں ہوتی، ان دونوں میں کافی فرق ہے۔

جس وقت رسول اللہ ﷺ نے سدرۃ المنتہی سے آگے کے مراحل طے فرمائے اس وقت کہاں انسان تھے؟ اور رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں بے جا جرأت وجسارت کرنے والے کہاں تھے؟

دوسرا امر: یہ ہے کہ ہماری شریعت میں یہ مذکور نہیں کہ دنیا موجود ہونے سے پہلے مسیح علیہ الصلاۃ والسلام کا ذکر تھا، اگر تم یہ کہو: لوح محفوظ، یا علم غیب میں تقدیراً آپ کا ذکر لکھا ہوا تھا۔

اس کا جواب یہ ہے: اس طرح تو سارے انبیا بلکہ ساری تقدیریں لوح محفوظ یا اللہ عزوجل کے علم میں لکھی

ہوئی تھیں جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے:

" كتب الله مقادير الخلائق قبل أن يخلق السماوات والأرض بخمسين ألف سنة"

''اللہ تعالی نے آسمان وزمین پیدا فرمانے سے پچاس ہزار سال پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں لکھ دی تھیں'' پھر جس ذات پاک کی شان یہ ہے کہ وہ خواہش نفس سے کچھ نہیں فرماتے ان کے ارشاد: " كنت نبيا" (یعنی میں نبی تھا) کا کیا معنی ہے؟ اور پھر آپ سے یہ بھی پوچھا گیا کہ آپ کب مبعوث ہوئے؟ آپ کب نبی بنائے گئے؟ کب آپ کو نبوت ملی؟ آپ کو کب نبوت سے سرفراز فرمایا گیا؟ آپ کا نبی ہونا کب لکھا گیا؟ آپ کی نبوت کب واجب ہوئی؟

اگر تم یہ کہو کہ اسی طرح عیسی علیہ السلام بھی لکھے ہوئے تھے تو ہم کہیں گے کہ تمہارے اس قول پر لازم آئے گا کہ حضور کے اس ارشاد: ''میں اس وقت نبی تھا جب کہ آدم روح وجسم کے درمیان تھے'' میں حضور کی کوئی خصوصیت نہ ہو، تو سوچو تو ذرا! نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی ایک صفت خاص کا انکار تمہیں ہلاکت کے کس گڑھے میں گرا رہا ہے جب کہ معاملہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے اسے آپ کی خصوصیت قرار دی ہے۔

اگر تم یہ کہو کہ یہ ایک خصوصیت ہے، تو یہ خود تمہارے دعوی کے مناقض ہے۔

پھر اس میں تمہارا کیا نقصان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی کوئی حقیقت یا فضیلت وخصوصیت ایسی ہو جس کی حقیقت وکنہ ہمیں معلوم نہ ہو لیکن یہ معلوم ہو کہ یہ آپ کی صفت ہے؟ مجھے اس پر سخت حیرت ہے کہ تم اور تمہارے اصحاب، رسول اللہ ﷺ کی تعریف وتوصیف سے روکتے ہیں، اور اس کے برعکس تمہارے نیاز بردار خود تمہارے بارے میں اس درجہ غلو وافراط کرتے ہیں کہ تمہیں شیخ الوجود اور نہ جانے کیا کیا کہتے ہیں، تمہارے خاص نیاز بردار ابن قیم کا کیا کہنا ان کا تو کوئی جواب ہی نہیں۔

تیسرا امر:

"كنت نبيا وآدم بين الروح والجسد" ''یعنی میں اس وقت نبی تھا جب کہ آدم روح اور جسم کے درمیان تھے'' یہ وہی مرحلہ یا وہی وقت ہے جس میں آدم کا ابھی جسد خاکی بنایا گیا مگر اس میں روح نہ ڈالی گئی، یہ

دو الگ الگ زمانے ہیں جو باہم ایک دوسرے کے لیے لازم نہیں، نہ ان دونوں میں موافقت و مطابقت ہے جیسا کہ چند سطروں کے بعد ہم اس پر مکمل روشنی ڈالیں گے۔

چوتھا امر:

حدیث میں ہے: ''میں اس وقت نبی تھا'' جس کا معنی یہ ہے کہ میرا نبی ہونا اس وقت لکھ دیا گیا تھا جب کہ آدم کا ابھی جسد خاکی بنا تھا مگر اس میں روح ڈالی نہ گئی تھی، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ پیدا ہونے والے انسان کا رزق اور اس کی موت کا وقت اور اس کا شقی وسعید ہونا اس وقت لکھ دیا جاتا ہے جب کہ اس کا جسد خاکی بنا کر ابھی اس میں روح ڈالی نہ گئی۔

میں کہتا ہوں: معاندین کا یہ ایک باطل قیاس ہے کیوں کہ مولود کے لیے خود اس کا رزق لکھ دیا جاتا ہے نہ کہ کسی دوسرے مولود کا، اور اس حدیث میں نبی پاک ﷺ کی نبوت کے واجب ہونے اور آپ کے مبعوث، اور موجود ہونے کی خبر ہے، نہ کہ حضرت آدم کی نبوت کی خبر ہے۔

۳۔ ابن تیمیہ کا یہ دعوی ہے کہ نبی پاک کے اس ارشاد کا معنی یہ ہے کہ: اللہ نے آپ کا نبی ہونا لکھ دیا تھا، اور اپنے اس مکتوب کو ملائکہ پر صرف اسی وقت ظاہر کیا جب کہ آدم کا جسد خاکی تو پیدا فرما دیا مگر اس میں روح ڈالنا باقی تھا۔ ابن تیمیہ نے اپنے اس دعوی کے اثبات کے لیے مجموع الفتاوی (۱۲/۷ ۳۸) میں یہ بھی کہا:

> ''اللہ تعالی نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمانے کے پچاس ہزار سال پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں لکھ دی تھیں، اور اس تقدیر کو ابھی ملائکہ پر ظاہر نہ فرمایا، اور جب آدم کا جسد خاکی پیدا فرمایا اور ابھی اس میں روح نہ ڈالی گئی تھی اللہ نے اپنے ملائکہ پر اپنی اس تقدیر کو ظاہر فرمایا''۔

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ: ''اللہ نے ملائکہ پر اپنی اس تقدیر کو ابھی ظاہر نہ فرمایا، اور جب آدم کو پیدا فرمایا اور آپ کے جسم میں ابھی روح نہ ڈالی گئی تھی ملائکہ پر اپنی اس تقدیر کو ظاہر فرمایا'' یہ محض اس کا دعوی اور ظن ہے جس پر

قرآن وسنت اوراقوال صحابہ میں سے کسی صحابی کےقول سے کوئی دلیل نہیں ملتی، اور ہمارے علم میں کسی نے ایسا نہ کہا، اور مجھے معلوم نہیں کہ ابن تیمیہ ان درج ذیل مفروضات پر کیوں مجبور ہوا:

پہلا مفروضہ: یہ ہے کہ "کنت نبیا" کا معنی یہ ہے کہ میرا نبی ہونا علم الٰہی میں مقدر ہو چکا تھا۔

دوسرا مفروضہ: یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے ام الکتاب میں آپ کا نبی ہونا مکتوب ومقدر فرمادیا اور آدم کا جسد خاکی پیدا فرمانے کے بعد ہی ملائکہ پر اس تقدیر کو ظاہر فرمایا۔

تیسرا مفروضہ: یہ ہے کہ اللہ تعالی نے ملائکہ وآدم کو نبی پاک ﷺ کے متعلق خبر دینے کا ارادہ فرمایا، اور یہ اللہ اوراس کی محبوب ترین مخلوق کے درمیان کوئی خصوصیت نہیں، جب کہ یہ خصوصیت آدم اور ملائکہ کو حاصل تھی اوران سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کو حاصل تھی جسے نبی پاک ﷺ نے خود ہی بیان فرمایا جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ آپ جس وقت زیر عرش رب عزوجل کے حضور سربسجود ہوں گے، اور آپ کی امت آپ سے فریاد کرے گی تو آپ فرمائیں گے: "أنا لها" میں اپنی امت کا غم خوار وغم گسار اوراس کا شفیع ہوں۔

چوتھا مفروضہ: یہ ہے کہ آدم کو پیدا فرما کر آپ کے جسم میں روح ڈالنے سے پہلے ہی اللہ عزوجل نے یہ ظاہر فرمادیا کہ آپ کا نام لکھ دیا ہے۔

ہم ابن تیمیہ سے کہتے ہیں:

ان حدیثوں میں سرے سے ملائکہ کا ذکر ہی نہیں تو پھر کیوں ملائکہ کی رٹ لگا رہا ہے؟ کیا آدم کی تخلیق سے پہلے آپ کا نام لکھنا اللہ عزوجل کی ذات پاک سے مستبعد ہے؟ اب تک تو وہ یہ کہہ رہا تھا کہ: "کنت" "کتبت" کے معنی میں ہے اوراب آدم کی تخلیق سے پہلے آپ کا نام لکھنے ہی کا انکار کر رہا ہے۔

سبحان اللہ العظیم ﴿أَ شَهِدُوْا خَلْقَهُمْ﴾ [الزخرف-۴۳:۱۹] کیا ان کے بناتے وقت یہ حاضر تھے۔

کیا آدم کی تخلیق سے پہلے ملائکہ کا آپ کو جاننا مستبعد ہے؟ آخر یہ تحدید وتنقیص کیوں کی کہ ملائکہ نے آپ کو اسی وقت جانا جب آدم کو پیدا فرمایا مگر آپ کے جسم میں ابھی روح نہ ڈالی گئی تھی یہ ابن تیمیہ کی بے دلیل بات ہے بلکہ دلیل اس کے خلاف قائم ہے، خود ابن تیمیہ نے یہ حدیث شریف ذکر کی جس میں یہ ہے:

" إن الـله لماخلق الأرض واستوى إلى السماء فسواهن سبع سمٰوات وخلق العرش، كتب على ساق العرش محمد رسول الله خاتم الأنبياء ".

ترجمہ:۔'' بے شک جب اللہ نے زمین کو پیدا فرمایا، اورآسمان کی طرف استوا فرمایا، تو انہیں سات آسمان بنائے، اورعرش کو پیدا فرمایا، ساق عرش پر یہ لکھا کہ محمد اللہ کے رسول خاتم الانبیا (آخری نبی) ہیں''۔

یہ اس کے بھی خلاف ہے جو حدیث شریف میں وارد ہے:

" إني عندالله في أم الكتاب لخاتم النبيين، وإن اٰدم لمنجدل في طينته. "

ترجمہ:۔'' بے شک میں اللہ کے نزدیک ام الکتاب میں اس وقت بھی خاتم النبیین لکھا ہوا تھا جب کہ آدم کا جسد خاکی تیار کیا جا رہا تھا''۔

یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ ام الکتاب ملائکہ کی نظروں سے پوشیدہ نہیں، جب اللہ عزوجل نے فرشتوں کو یہ حکم فرمایا کہ آدم کو سجدہ کریں تو انھوں نے اپنے رب عزوجل کی بارگاہ میں عرض کیا:

﴿أَ تَجۡعَلُ فِيۡهَا مَنۡ يُفۡسِدُ فِيۡهَا وَيَسۡفِكُ الدِّمَآءَ﴾ [البقرہ-۲:۳۰]

ترجمہ:۔'' کیا ایسے کو نائب کرے گا جو اس میں فساد پھیلائے اور خون ریزیاں کرے''۔

کوئی مسلمان اس کا قائل نہیں کہ ساق عرش، یا لوح محفوظ ملائکہ کی نظروں سے اوجھل ہیں۔

۴۔ حضوراقدس ﷺ کے ارشاد:'' كـنـت نبيـا واٰدم بين الروح الجسد'' (میں اس وقت نبی تھا جب کہ آدم روح اور جسم کے درمیان تھے) کا دوسرا معنی اختراع کرنے کے لیے ابن تیمیہ نے یہ بھی کہا:

'' اور یہ مروی ہے کہ اللہ نے عرش اور جنت کے دروازوں، قبوں، اور پتوں پر آپ کا نام لکھ دیا تھا، اس سلسلے میں متعدد آثار مروی ہیں جو ان ثابت شدہ حدیثوں کے موافق ہیں جن سے آپ کے نام کی رفعت اور ذکر کی بلندی آشکارا ہوتی ہے، وہ حدیث لفظ بلفظ گزر چکی جو مسند امام احمد میں میسرۃ الفجر سے مروی ہے کہ آپ (ﷺ) سے پوچھا گیا آپ کب نبی

ہوئے تو فرمایا: ''جب کہ آدم روح وجسم کے درمیان تھے''۔ ابوالحسین بن بشران نے بطریق شیخ ابوالفرج بن جوزی ''الوفاء بفضائل المصطفیٰ'' میں ذکر کیا کہ ہم سے ابوجعفر محمد بن عمرو نے بیان کیا، ہم سے احمد بن اسحاق بن صالح نے بیان کیا، ہم سے محمد بن صالح نے بیان کیا، ہم سے محمد بن سنان عوفی نے بیان کیا، ہم سے ابراہیم بن طہمان نے بیان کیا کہ یزید بن میسرہ نے بروایت عبداللہ بن سفیان میسرہ سے روایت کیا، میسرہ نے فرمایا: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کب نبی ہوئے؟ فرمایا: ''جب اللہ نے زمین کو پیدا فرمایا، اور آسمان کی طرف استوا فرما کر انہیں سات آسمان بنایا اور عرش پیدا کیا، تو ساق عرش پر لکھا: ''محمد اللہ کے رسول خاتم الانبیاء ہیں''، اور اللہ نے جنت بنائی جس میں آدم وحوا کو بسایا تو اس کے دروازوں، پتوں، قبوں اور خیموں پر میرا نام اس وقت لکھ دیا جب کہ آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو حیات عطا کی تو عرش پر آپ کی نظر پڑی تو میرا نام لکھا ہوا دیکھا، تو اللہ نے آپ کو خبر دی کہ یہ تمہاری اولاد کے سردار ہیں، پھر جب شیطان نے آدم وحوا کو بہکایا، تو ان دونوں نے توبہ کیا، اور اللہ کے حضور میرے نام کے وسیلہ سے شفاعت طلب کی'' اور حافظ ابونعیم نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں روایت کیا اور شیخ ابوالفرج نے فرمایا: ہم سے سلیمان بن احمد نے بیان کیا، ہم سے احمد بن رشدین نے بیان کیا، ہم سے احمد بن سعید فہری نے بیان کیا، ہم سے عبداللہ بن اسماعیل مدنی نے بیان کیا، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے روایت کیا کہ ان کے والد نے بیان فرمایا کہ: عمر بن خطاب نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب آدم سے لغزش ہوئی تو آپ نے اپنا سر اٹھا کر عرض کیا: اے رب! محمد کے وسیلہ سے تو مجھے معاف فرما، تو آپ کے پاس وحی آئی محمد کیا ہیں، اور محمد کون ہیں؟ تو عرض کیا اے رب! جب تو نے میری خلقت کو مکمل فرمایا، میں نے تیرے عرش کی طرف اپنا سر اٹھایا تو اچانک اس پر لکھا ہوا تھا: ''لا إلـه إلا الـلّـه محمدرسول اللّٰه''، جس

سے میں نے جان لیا کہ یہ تیری بارگاہ میں تیری ساری مخلوق سے زیادہ مکرم ہیں، اس لیے کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ ان کا نام لکھا ہے، تو فرمایا ہاں میں نے تمہیں معاف فرمایا، اور وہ تمہاری اولاد میں سب سے آخری نبی ہیں، اور اگر وہ نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا نہ فرماتا۔'' اس حدیث سے گزشتہ حدیث کی تائید ہوتی ہے، اور یہ دونوں حدیثیں احادیث صحیحہ کی تفسیر کی طرح ہیں''۔ الخ (مجموع الفتاوی ۲/۱۵۰، ۱۵۱)

میں کہتا ہوں:

حضور اقدس کے اسم شریف لکھنے کی نہ تو اس حدیث شریف میں مخالفت ہے اور نہ ہی نبی پاک ﷺ کی اس خصوصیت کا انکار ہے کہ آپ اس وقت نبی تھے جب کہ آدم روح اور جسم کے درمیان تھے، یہ ایک خصوصیت ہے، اور وہ ایک دوسری خصوصیت ہے۔

ابن تیمیہ کی ذکر کردہ دونوں حدیثوں میں چند نقطے ہیں جن کی طرف ابن تیمیہ نے اشارہ نہ کیا:

پہلا نقطہ:

نبی پاک ﷺ کا نام پاک چند بار (کم از کم دو مرتبہ) لکھا گیا، ایک مرتبہ عرش پیدا فرمانے کے بعد، اور دوسری مرتبہ جب اللہ عزوجل نے جنت کو پیدا فرمایا، آپ کا نام جنت کے دروازوں، پتوں، قبوں اور خیموں پر لکھا ہوا تھا، یہی حدیث کا منطوق و مفہوم ہے۔

دوسرا نقطہ:

عرش مخلوق ہے، اور ابن تیمیہ اس کا قائل نہیں کہ عرش مخلوق ہے یہاں تک کہ اس نے ابن حزم ظاہری کا اس وقت رد کیا جب اس نے مسلمانوں کا یہ اجماع نقل کیا کہ اللہ تھا، اور اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۱۳/۴۱۰) میں کہا:

حضور اقدس کا ارشاد: ''كان الله ولم يكن شئ قبله'' (اللہ ازل سے ہے اور اس سے پہلے کچھ نہ تھا)، باب بدء الخلق میں یہ حدیث ان الفاظ سے گزری: ''كان الله ولم يكن شئ غيره'' یعنی (اللہ ہے

اوراس کے سوا کچھ نہ تھا)،اورابومعاویہ کی روایت میں ہے:(''کان اللہ قبل کل شئ'' یعنی اللہ ہر چیز سے پہلے ہے)اور یہ اس حدیث کے معنی میں ہے:(''کان اللہ ولا شئ معہ'' یعنی اللہ ازل سے ہے،اوراس کے ساتھ کچھ نہ تھا)اس حدیث میں ان لوگوں کا کھلا ہوا رد ہے جنھوں نے اس باب کی روایت سے ایسے حوادث ثابت کیے جن کی کوئی ابتدا نہیں،ابن تیمیہ کے قبیح مسلمات میں سے ایک یہ مسلمہ بھی ہے کہ وہ ایسے حوادث مانتا ہے جن کی کوئی ابتدا نہیں،اوروہ اس حدیث کواس باب کی دیگر احادیث پر ترجیح دیتا ہے جب کہ اصول حدیث سے یہ ہے کہ دوروایتوں میں جمع وتطبیق کی صورت نکالی جائے،ورنہ ترجیح دی جائے،اور یہاں اس روایت اور بدءِ خلق والی روایت کے درمیان جمع وتطبیق اس طرح ممکن ہے کہ اس روایت کو بدء الخلق کی روایت'':کان اللہ ولم یکن شیئی غیرہ'' پرمحمول کیا جائے اب جب کہ تطبیق ممکن ہے تو پھر ترجیح کا قول کیوں کر صحیح ہوسکتا ہے۔جب کہ بالاتفاق جمع وتطبیق ترجیح حدیث پرراجح اورسابق ومقدم ہے۔الخ

تیسرا نقطہ:

ان دونوں حدیثوں سے یہ حقیقت خوب خوب واضح ہے کہ نبی پاک ﷺ سے توسل کرنا مستحب ہے، چاہے آپ کے نام سے توسل کرے،یا آپ کے حق،یا آپ کی ذات کو وسیلہ بنائے،یہ ایسا مذہب ہے جس کی مخالفت ابن تیمیہ سے پہلے کسی نے نہ کی،ابن تیمیہ نے اس بارے میں مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ: یہ(توسل) شرک ہے۔اورعجیب بات یہ ہے کہ ابن تیمیہ نے اپنے فتاوی،اوراپنی کتابوں میں یہ حدیث ذکر کی:'' لماأصاب آدم الخطیئۃ رفع رأسہ فقال یارب بحق محمدإلاغفرت لي'' (یعنی جس وقت آدم سے لغزش ہوئی،تو آپ نے اپنا سراٹھا کرعرض کیا:اے رب! محمد کے حق کی قسم تو مجھے درگذرفرما)،اوراس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:(یہ حدیث موضوع ہے)اورعبدالرحمٰن بن زید بن اسلم پر یہ طعن کیا کہ یہ موضوع روایتیں کرتے ہیں۔ابن تیمیہ نے اپنے فتاوی اور دیگر کتابوں کی طرح یہاں بھی وہی مسلک (یہ حدیث موضوع ہے) کیوں نہ اختیار کیا اور کیوں خاموش رہا؟

ابن تیمیہ جب کوئی ایسا مسئلہ ثابت کرنا چاہتا ہے جس پر وہ ایمان رکھتا ہے،تواس وقت اس کا عجیب

اسلوب ہوتا ہے، ذرا دیکھیں انھیں عبدالرحمٰن بن زید کے بارے میں دوسرے مقام پر کیا کہتا ہے:

اس نے مجموع الفتاوی (۶۷/۱۵، ۶۸) میں استشہاد کرتے ہوئے کہا:

''عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ایک امام تھے، آپ نے اپنے والد زید سے علم تفسیر سیکھا، زید تفسیر کے امام تھے، مالک، عبداللہ بن وہب تلمیذ امام مالک اور اصبغ ابن الفرج فقیہ نے آپ سے تفسیر اخذ کیا، آپ نے اللہ تعالی کے ارشاد: ﴿أَ فَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ﴾ [ہود-۱۱:۱۷]

کے بارے میں کہا: رسول اللہ اپنے رب کی طرف سے بیّنہ پر تھے اور قرآن بھی آپ کو شاہد کہتا ہے، اس لیے کہ آپ اللہ کی طرف سے شاہد تھے''. الخ

۵۔ ابن تیمیہ کے شاذ اقوال میں سے یہ بھی ہے: (جسے اس سے پہلے کسی نے نہ کہا، اس نے اپنے اس عقیدے کے خلاف تمام امت کو کافر کہا)

> ''جس نے یہ کہا کہ نبی ﷺ وحی آنے سے پہلے نبی تھے، ایسا شخص بہ اتفاق مسلمین[1] کافر ہے، اس حدیث کا معنی صرف یہ ہے کہ اللہ نے آپ کا نبی ہونا لکھ دیا تھا اور اسے اس وقت ظاہر فرمایا جب کہ آدم کا صرف جسم پیدا فرمایا اور ابھی اس میں روح نہ ڈالی تھی، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ خود آپ نے یہ خبر دی کہ مولود کا رزق، اس کی موت کا وقت، اس کا عمل، اور اس کی شقاوت وسعادت اس وقت لکھ دی جاتی ہے جب کہ ابھی اس کا جسم پیدا کیا گیا اور اس میں روح نہ ڈالی گئی، جیسا کہ عرباض بن ساریہ کی حدیث میں ہے جسے احمد وغیرہ نے روایت کیا۔'' الخ (مجموع الفتاوی ۲۸۳/۸)

---

(۱) أقــول: ابن تیمیہ کا اس عقیدہ کے متعلق تمام امت مسلمہ کو کافر ٹھہرانا ہزار ہا کا برائمہ کے بطور خود اس کے کفر کی طرف پلٹ جاتا ہے۔ حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا:

'' أيـمـا امـرئ قال لأخيه كافر فقد باء بها أحدهما إن كان كما قال وإلا رجعت عليه''

(مسلم باب بیان حال إیمان ۱/۵۷ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ترجمہ:۔''جو شخص کسی کلمہ گو کو کافر کہے تو ان دونوں میں ایک پر یہ بلاضرور پڑے گی، اگر وہ حقیقتاً کافر تھا جب تو خیر ورنہ یہ کلمہ اسی کہنے والے پر پڑے گا''۔

صحیح بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حضور سید عالم ﷺ فرماتے ہیں:

'' إذا قال الرجل لأخيه يا كافر فقد باء به أحدهما''

ترجمہ:۔''جب کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو ''یا کافر'' کہے تو ان دونوں میں ایک کا رجوع اس طرف بے شک ہو''۔

(**صحيح البخاری كتاب الأدب ،باب من أكفر أخاه الخ ۹۰۱/۲** مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

امام احمد و بخاری و مسلم حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں:

'' ليس من دعا رجلا بالكفر أو قال عدو الله وليس كذلك إلا حار عليه [۱] ولا يرى رجل رجلا بالفسق ولا يرميه بالكفر الا ارتدت عليه انه لم يكن صاحبه كذالك [۲]، هذا مختصر

ترجمہ:۔''جو شخص کسی کو کافر کہے یا دشمن خدا کہے اور وہ ایسا نہ ہو تو یہ کہنا اسی پر پلٹ آئے گا اور کوئی شخص کسی فسق یا کفر کا طعن نہ کرے گا مگر یہ کہ وہ اسی پر الٹا پھرے گا اگر جس پر طعن کیا تھا ایسا نہ ہو۔ یہ اختصاراً ہے''۔

(۱) (صحیح مسلم شریف **باب بيان حال إيمان من قال لأخيه المسلم يا كافر** ۵۷/۱ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

(۲) (صحیح البخاری **كتاب الأدب باب ماينهى عن السباب واللعن** ۸۹۳/۲ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

امام ابن حبان اپنی صحیح مسمی بالتقاسیم والانواع میں بسند صحیح حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس سید عالم ﷺ فرماتے ہیں:

'' ما أكفر رجل رجلا قط إلا باء بها أحدهما إن كان كافرا وإلا كفر بتكفيره''.

ترجمہ:۔''کبھی ایسا نہ ہوا کہ ایک شخص دوسرے کی تکفیر کرے اور وہ دونوں اس سے نجات پا جائیں بلکہ ان میں ایک پر ضرور گرے گی اگر وہ کافر تھا تو یہ بچ گیا ورنہ اسے کافر کہنے سے یہ خود کافر ہوا''۔

(الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان من اکفر انسانا الخ حدیث ۲۴۸۔ ۴۱۰/۱ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

علامہ فرماتے ہیں یوں ہی کسی کو مشرک یا زندیق یا ملحد یا منافق کہنا۔علامہ عارف باللہ سیدی عبدالغنی بن اسمٰعیل نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقۂ ندیہ میں زیر حدیث ابوذر رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں:

" **من دعا رجلا بالکفر بالله تعالی أو الشرک به وکذلک بالزندیقة والإلحاد والنفاق الکفري**"الخ ملخصا

ترجمہ:۔" کسی شخص کے بارے میں یہ کہنا کہ اس نے اللہ تعالی کے ساتھ کفر کیا یا شرک کیا اسی طرح زندیق،الحاد اور نفاق کفری کی نسبت کر کے پکارا (تو خود کافر ہوجائے گا) الخ،تلخیصا (حدیقۃ ندیہ شرح طریقۂ محمدیہ النوع الرابع من الأنواع الستین الکذب ۲۸/۲۱۱ مکتبۂ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

اور زیر حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما فرمایا:

کذلک یامشرک ونحوہ (اسی طرح اسے مشرک وغیرہ کہا تو کافر ہوجائے گا ت)

(حدیقۃ ندیہ شرح طریقۂ محمدیہ النوع العاشر من الانواع الستین السب الخ ۲/۲۳۶ مکتبۂ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

أقول وباللہ التوفیق:یہ معنی خود انہیں احادیث سے ثابت کہ ہر مشرک عدو اللہ ہے اور عدو اللہ کہنے کا حکم خود حدیث میں مصرح،اور حضور اقدس ﷺ نے تصریح فرمائی کہ فاسق کہنا بھی پلٹتا ہے تو مشرک تو بہت بدتر بلکہ اخبث اقسام کفار سے ہے تو عموماً یا کافر میں بھی دخول اولی رکھتا ہے والعیاذ باللہ سبحانہ وتعالی،وجہ اس پلٹنے کی جس طرح ارباب قلوب نے افادہ فرمائی یہ ہے کہ مسلمان کا حال مثل آئینہ کے ہے

ع شرک وہندو در من آں بیند کہ اوست (شرک و ہند مجھ میں وہی دیکھتا ہے جو اس میں ہے)

المرء یقیس علی نفسه (انسان دوسرے کو اپنے اوپر قیاس کرتا ہے) جب اس نے اسے کافر یا مشرک یا فاسق کہا اور وہ ان عیوب سے پاک تھا تو حقیقۃً یہ اوصاف ذمیمہ اسی کہنے والے میں تھے جن کا عکس اس آئینہ الٰہی میں نظر آیا اور یہ اپنی سفاہت سے اس کریہ بدنما شکل کو آئینہ تاباں کی صورت سمجھا حالاں کہ دامن آئینہ اس لوث وغبار سے صاف ومنزہ ہے یہ تو حدیث تھی جو **بحکم یقولون من خیر قول البریة** (وہ ساری مخلوق سے بہتر کا قول کہتے ہیں ت) ان کا زبانی وظیفہ ہے اور دل کا وہی حال جو حدیث میں ارشاد فرمایا:"**لایجاوز تراقیھم**"(ان کے حلق سے اسلام تجاوز نہیں کرے گا)۔

اب فقہ کی طرف چلیے بہت اکابر ائمہ مثل امام ابوبکر اعمش وغیرہ عامہ علمائے بلخ وبعض ائمۂ بخارا رحمۃ اللہ تعالی علیہم احادیث مذکورہ پر نظر فرما کر اس حکم کو یوں ہی مطلق رکھتے ہیں اور مسلمان کی تکفیر کو علی الاطلاق موجب کفر جانتے ہیں۔سیدی اسمٰعیل

نابلسی شرح درروغرر مولی خسرو میں فرماتے ہیں:

" لوقال للمسلم کافر کان الفقیه أبوبکر الأعمش یقول کفروقال غیرمن مشائخ بلخ لایکفر واتفقت هذه المسئلة ببخارا فأجاب بعض أئمة بخارا أنه یکفر فرجع الجواب إلی بلخ أنه یکفر فمن أفتیٰ بخلاف قول الفقیه أبی بکررجع إلی قوله الخ. ملخصا

ترجمہ:۔''اگرکسی مسلمان کوکافرکہاتوابوبکراعمش اسے کافرقرار دیتے اورمشائخ بلخ میں سے دوسرے علما کافرنہیں کہتے اتفاقاً یہ مسئلہ بخارامیں پیش آیااوربعض ائمہ بخارانے ایسے شخص کوکافرقراردیاتو یہ جواب واپس بلخ گیا(یعنی کافرکہاجائے گا)توجس جس فقیہ نے ابوبکراعمش کے خلاف فتوی دیاتھاانھوں نے ان کےقول کی طرف رجوع کرلیا''۔الخ ملخصاً

(حدیقہ ندیہ طریقۂ محمدیہ النوع الرابع من الأنواع الستین الکذب ۲۱۲/۲ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

رسالہ علامہ بدررشید پھرشرح فقہ اکبرملاعلی قاری میں ہے:

"فرجع الکل إلی فتاوی أبي بکرالبلخی وقالوا کفرالشاتم.

ترجمہ:۔''تمام علمانے ابوبکربلخی کے اس فتوی کی طرف رجوع کرتے ہوئے اس طرح گالی دینے والے کوکافر قراردیا''۔

(شرح فقہ اکبرلملاعلي قاري فصل في الکفرصریحاوکنایۃ ص۱۸۱ مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر)

احکام میں بعدعبارت مذکورہ کے ہے:

" وینبغی أن لایکفرعلی قول أبی اللیث وبعض أئمة بخارا".

ترجمہ:۔''ابواللیث اوربعض ائمہ بخاراکےقول پرمناسب یہ ہے کہ کافرنہ کہاجائے''۔

(حدیقہ ندیہ طریقۂ محمدیہ النوع الرابع من الأنواع الستین الکذب ۲۱۲/۲ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

اورمذہب صحیح ومعتمدومرجح فقہائے کرام میں تفصیل ہے کہ اگربطورسب ودشنام بے اعتقادتکفیرکہاتو کافر نہ ہوگا جیسے بے باکوں بےقیدوں کوخر بےلجام وسگ بےزنجیرکہیں کہ معنی حقیقی مرادنہیں ورنہ کافرہوجائے گا۔

فتاوی ذخیرہ فصول عمادی وشرح درروغرروشرح نقایہ برجندی وشرح نقایہ قہستانی ونہرالفائق وشرح وہبانیہ وعلامہ عبدالبر ودرمختار وحدیقۂ ندیہ وجواہراخلاطی وفتاوی عالمگیری وردالمحتاروغیرہا کتب معتمدہ میں تصریح فرمائی کہ یہی مذہب مختار

ومختار للفتوی ومفتی بہ ہے۔علما فرماتے ہیں جب اس نے اپنے اعتقاد میں اسے کافر سمجھا اور وہ کافر نہیں بلکہ مسلمان ہے تو اس نے دین اسلام کو کفر ٹھہرایا اور جو ایسا کہے وہ کافر ہے۔

اقول وباللہ التوفیق: توضیح اس دلیل کی علی حسب مرامہم (ان کے مقاصد کے مطابق ۔ت) یہ ہے کہ کافر نہیں مگر وہ جس کا دین کفر ہے اور کوئی آدمی دین سے خالی نہیں، نہ ایک شخص کے ایک وقت میں دو دین ہو سکیں،

" فإن الكفر والإسلام على طرفي النقيض بالنسبة إلى الانسان لايجتمعان أبداً ولا يرتفعان قال تعالى ﴿إِمَّا شَاكِرًا وَّإِمَّا كَفُوْرًا﴾ [الانسان – ۳: ۷۶] وقال تعالىٰ ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ﴾ [الاحزاب –۳۳: ۴]

ترجمہ: ''کیوں کہ کفر اور اسلام ایک انسان کی بہ نسبت نقیض کی دو طرفوں پر ہیں، نہ تو یہ کبھی جمع ہو سکتے ہیں اور نہ ہی مرتفع۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: ''یا وہ شاکر ہوگا یا کافر'' دوسرے مقام پر فرمایا: ''اور ہم نے ایک آدمی کے سینے میں دو دل نہیں بنائے''۔

اب جو یہ شخص مثلاً زید مومن کو کافر کہتا ہے اس کے یہ معنی کہ اس کا دین کفر ہے اور زید واقع میں بے شک ایک دین سے متصف ہے جس کے ساتھ دوسرا دین ہو نہیں سکتا تو لاجرم یہ خاص کر اسی دین کو کفر بتا رہا ہے جس سے زید اتصاف رکھتا ہے اور وہ دین نہیں مگر اسلام تو بالضرورہ اس نے دین اسلام کو کفر ٹھہرایا اور جو دین اسلام کو کفر قرار دے قطعاً کافر۔ اب عبارات علما سنیے ہندیہ میں ہے:

المختار للفتوى في جنس هذه المسائل ان القائل بمثل هذه المقالات إن كان أراد الشتم ولايعتقده كافراً فخاطبه بهذابناءً على اعتقاده أنه كافريكفر كذا في الذخيرة. انتهى

ترجمہ: ''اس قسم کے مسائل میں فتوی کے لیے مختار یہ ہے کہ ان اقوال کا قائل اگر مراد گالی لیتا ہے اور اسے اعتقاداً کافر نہیں گردانتا تو وہ کافر نہیں اور اگر اسے اعتقاداً کافر گردانتے ہوئے اسے کافر کہتا ہے تو پھر یہ کفر ہوگا''. **كذافي الذخيرة. انتهى**

(فتاوی ہندیہ مطلب موجبات الکفر الخ ۲/۲۷۸ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور)

زادالشامي عن النهرعن الذخيرة لأنه لما اعتقدالمسلم كافرا فقد اعتقد دين الإسلام كفرا (ردالمحتار باب التعزير ۳/ ۲۰۱)

ترجمہ: ''شامی نے نہر کے حوالے سے ذخیرہ سے یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ وہ ایک مسلمان کو کافر مان رہا ہے گویا اس نے دین اسلام کو کفر گردانا ہے''۔

درمختار میں ہے:

عزر الشاتم بيا كافر وهل يكفر إن اعتقد المسلم كافرا نعم وإلا لا به يفتیٰ (درمختار، باب التعزیر، ۱/۳۲۷، مطبع مجتبائی، دہلی)

ترجمہ: ''یا کافر'' کے ساتھ گالی دینے والے پر تعزیر نافذ کی جائے گی، کیا وہ شخص کافر ہوگا جو مسلمان کو کافر گردانتا ہے؟ ہاں وہ کافر ہوگا اور اگر کافر نہیں گردانتا تو کافر نہیں، اسی پر فتوی ہے۔''

علامہ ابراہیم اخلاطی نے فرمایا:

المختار للفتوى في جنس هذه المسائل أن القائل إذا أراد به الشتم لا يكفر وإذا اعتقد كفر المخاطب يكفر لأنه لما اعتقد المسلم كافرا فقد اعتقد أن دين الاسلام كفر ومن اعتقد هذا فهو كافر

ترجمہ: ''ان مسائل میں مختار اور مفتی بہ یہ ہے کہ اگر قائل نے اس سے گالی مراد لی تو کافر نہیں ہوگا اور جب مخاطب کو کافر جانے گا تو کافر ہو جائے گا کیوں کہ جب اس نے ایک مسلمان کو کافر جانا تو گویا اس نے دین اسلام کو کفر جانا اور جو ایسی بات کا اعتقاد رکھے وہ کافر ہوتا ہے''۔

(جواہر اخلاطی کتاب السیر فصل في الجہاد (قلمی نسخہ ص ۶۹)

علامہ عبدالعلی نے شرح مختصر الوقایہ میں فرمایا:

قد اختلف في كفر من ينسب مسلما إلى الكفر ففي الفصول العماديه إذا قال لغيره يا كافر كان الفقيه أبو بكر الأعمش يقول: يكفر القائل وقال غيره: لا يكفر والمختار للفتوى في جنس هذه المسائل الخ. (شرح نقایه برجندی کتاب الحدود ۴/۶۸ مطبوعه نول کشور لکھنؤ) **ذكر مثل ما مر عن الذخيرة بنقل الهندية والنهر معاً سواء بسواء**

ترجمہ: ''اس شخص کے کفر کے بارے میں اختلاف ہے جس نے کسی مسلمان کی کفر کی طرف نسبت کی، فصول عمادیہ میں ہے جب کسی نے غیر کو ''یا کافر'' کہا تو فقیہ ابو بکر اعمش ایسے شخص کو کافر جانتے لیکن دیگر علما کافر نہیں

جانتے اور مختار مفتیٰ بہ ایسے مسائل میں یہ ہے الخ گزشتہ عبارت کے مطابق ذخیرہ سے ہندیہ اور نہر دونوں کے حوالے سے ذکر کیا ہے''۔

علامہ شمس الدین محمد نے جامع الرموز میں فرمایا:

المختار انه لو اعتقد هذا الخطاب شتمالم يكفر ولو اعتقدالمخاطب كافرا كفر، لأنه اعتقدالإسلام كفرا كمافي العمادى ومافي المواقف أنه لم يكفر بالإجماع أريدبه إجماع المتكلمين.

ترجمہ: ''مختار یہ ہے کہ اگر اس خطاب سے گالی کا اعتقاد رکھتا ہے تو کفر نہیں اور اگر مخاطب کو کافر جانتا ہے تو کفر ہوگا کیوں کہ اس صورت میں اس نے اسلام کو کفر جانا ہے، جیسا کہ عمادی میں ہے اور مواقف میں جو آیا ہے کہ: وہ بالاجماع کافر نہیں تو اس سے اجماع متکلمین مراد ہے۔

(جامع الرموز فصل من قذف ۴/۵۳۵ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران)

مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر میں ہے:

قذف مسلما بيا كافر وأرادالشتم ولايعتقده كفرا فإنه يعزر ولايكفر ولو اعتقد المخاطب كافرا كفر لأنه اعتقدالإسلام كفرا(مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر فصل في التعزير مطبوعه دارإحياء التراث العربي بيروت ١/٦١٠)

اگر کسی نے مسلمان کو ''یا کافر'' کہہ کر تہمت لگائی اور مراد گالی لی اور اسے کافر نہ جانا تو ایسی صورت میں اس پر تعزیر نافذ کی جائے گی مگر کافر نہ ہوگا اور اگر مخاطب کو کافر جانا تو کافر ہو جائے گا کیوں کہ اس نے اسلام کو کفر جانا۔

علامہ عبدالغنی شرح طریقۂ محمدیہ میں احکام سے ناقل:

المختار للفتوى (فذكرعين مامرعن البرجندي وزاد)ومن اعتقد أن دين الإسلام كفر كفر.

ترجمہ: ''مختار للفتوی یہ ہے (پھر بعینہٖ وہی ذکر کیا جو برجندی سے گزرا ہے اور یہ اضافہ ہے) اور جس کا اعتقاد ہو کہ دین اسلام کفر ہے وہ کافر ہو گیا''۔

(حدیقہ ندیہ شرح طریقۂ محمدیہ النوع الرابع من الأنواع الستين الكذب ۲/۲۱۲ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

اس مذہب مفتیٰ بہ پر بھی اس طائفہ تالفہ کوسخت دقت کہ یہ قطعاً اپنے اعتقاد سے مسلمانوں کوکافر ومشرک کہتے اور اپنی تصانیف میں لکھتے اوراس پرفتوے دیتے ہیں تو بہ اتفاق ہر دو مذہب ان کا کافر ہونا لازم اوران کے پیچھے نماز ایسی جیسے کسی یہودی یا نصرانی یا مجوسی یا ہندو کے پیچھے، ولاحول ولاقوۃ إلا باللہ العلی العظیم۔

سبحان اللہ کہ کرد کہ نیافت چاہ کن راچاہ درراہ، مسلمانوں کوناحق مشرک کہا تھا۔احادیث صحیحہ ومذاہب ائمہ کرام وفقہائے عظام پرخود انہیں کے ایمان کے لالے پڑ گئے ؎

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را　　　　چنداں اماں نداد کہ شب راسحر کند

ماذاأخاضک یامغرورفي الخطر　　　　حتی هلکت فلیت النمل لم تطر

(تونے دیکھا کہ پروانہ کے خون ناحق نے شمع کواس طرح اماں نہیں دی کہ وہ رات کوسحر کردے)

(اے مغرور! کس چیز نے تجھے خطرے میں ڈال دیا حتی کہ تو ہلاک ہوا کاش چیونٹی نہ اڑتی!)

مگر حاشاللہ ہم پھر بھی دامن[1] **احتیاط ہاتھ سے نہ دیں گے اور یہ ہزار ہمیں جو چاہیں کہیں ہم زنہار ان کو کفار نہ کہیں گے ہاں ہاں یوں کہتے ہیں اور خدا اور سول کے حضور کہیں یہ لوگ آثم ہیں خاطی ہیں ظالم ہیں بدعتی ہیں ضال ہیں مضل ہیں غوی ہیں مبطل ہیں** مگر ہیہات کافرنہیں مشرک نہیں اتنے بدراہ نہیں اپنی جانوں کے دشمن ہیں عدواللہ نہیں، ہمارے نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

" کفوا عن أهل لاإله إلاالله لاتکفروهم بذنب، فمن أکفرأهل لاإله إلاالله فهوإلی الکفر أقرب أخرجه الطبراني في الکبیر بسندحسن عن ابن عمررضي الله تعالی عنهما

ترجمہ:۔" **لاالہ الاالله**" کہنے والوں کوکسی گناہ پرکافر نہ کہو جولاالہ الااللہ کہنے والے کوکافر کہے وہ خود کفر سے نزدیک تر ہے، اسے طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا"۔

(المعجم الکبیر مروی ازعبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما ۱۲/۲۷۲ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت)

---

(۱) دنیائے اسلام کے تمام مسلمانان اہل سنت کو کافر ومشرک قرار دینے والے غیر مقلدین زمانہ امام اہل سنت سیدنا اعلی حضرت قدس سرہ کا باب تکفیر میں کمال احتیاط دیکھیں اور بتائیں کہ عامل بالحدیث اور ہوائے نفس میں تارک سنت کون ہے؟ نیز بات بات پر کفر وشرک قرار دینے میں کس کا سنان قلم مطلق العنان اور کس کی زبان بے باک وبے لگام ہے؟ (مترجم)

اورمروی کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالی علیہ وسلم:

ثلاث من أصل الإيمان الكف عمن قال لا إله إلاالله ولاتكفره بذنب ولاتخرجه من الإسلام بعمل الحديث أخرجه أبو داؤد عن أنس رضي الله تعالى عنه.

ترجمہ:۔''اصل ایمان سے ہے یہ بات کہ '' لاالہ الااللہ'' کہنے والے سے زبان روکی جائے اسے کسی گناہ کے سبب کافر نہ کہیں اور کسی عمل پر دائرہ اسلام سے خارج نہ بتائیں الحدیث۔اسے ابوداؤد نے حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا''۔

(سنن ابوداؤد کتاب الجهاد باب في الغزو مع أئمة الجور ۱/۳۴۳ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور)

اوروارد کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالی علیہ وسلم:

الإسلام يعلو ولايعلى أخرجه الدارقطني والبيهقي والضياء عن عائد بن عمرو المرني رضي الله تعالى عنه.

ترجمہ:۔''اسلام غالب ہے مغلوب نہیں۔اسے دارقطنی ،بیہقی اورضیا مقدسی نے حضرت عائذ بن عمرو المزنی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا''۔

(سنن دارقطني باب المهر ۳/ ۲۵۲ مطبوعه نشر السنة ملتان)

اورمذکور کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالی علیہ وسلم:

لاتكفروا أحدا من أهل القبلة. أخرجه العقيلي عن أبي الدرداء رضي الله تعالى عنه.

ترجمہ:۔''اہل قبلہ سے کسی کو کافر نہ کہو۔اسے عقیلی نے حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا''۔

(کنز العمال بحوالہ (طس عن عائشۃ) حدیث ۱۰۷۸۔ ۱/۲۱۵ مطبوعہ مکتبۃ التراث الاسلامی)

ہمیں اپنے نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی یہ حدیثیں اور اپنے امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کا یہ ارشاد:

ولانكفر أحدا من أهل القبلة. **اہل قبلہ سے کسی کو ہم کافر نہیں کہتے۔**

(شرح فقہ اکبر عدم جواز تکفیر اہل القبلۃ ص ۱۵۵ مطبوعہ مصطفی البابی مصر)

اوراپنے علمائے محققین کا فرمانا''لايخرج الإنسان من الإسلام إلاحجود ما أدخله فيه'' (انسان کواسلام سے کوئی چیز خارج نہیں کرسکتی مگر اس شئ کا انکار جس نے اسے اسلام میں داخل کیا تھا۔(ت) یاد ہے اور جب تک تاویل

وتوجیہہ کی سب قابل احتمال ضعیف راہیں بھی بندنہ ہوجائیں مدعی اسلام کی تکفیر سے گریز چاہیے، پھران چاروں حدیثوں میں بھی مثل احادیث اربعۂ سابقہ صلاح ودیانت طائفہ کے لیے پورا مرثیہ اورانہیں سے ظاہرکہ یہ مدعیان عمل بالحدیث کہاں تک ہوائے نفس پالتے اوراس کے آگے کیسی کیسی حدیث کوپس پشت ڈالتے ہیں ہذا۔

وأقول: يظهر للعبدالضعيف غفرالله تعالى له أن هٰهنا في كلمات العلماء إطلاقافي موضع التقييد كماهوداب كثيرمن المصنفين في غيرمامقام وإنمامحل الإكفار بإكفارالمسلم إذاكان ذلک لا عن شبهة أوتاويل وإلافلا فإنه مسلم بظاهره ولم نومربشق القلوب والتطلع إلى أماكن الغيوب ولم نعثرمنه على إنكارشيً من ضروريات الدين ولم فكيف يهجم على نظيرماهجم عليه ذلک السفيه هذاهو التحقيق عندالفقهاء الكرام أيضا يذعن بذلک من أحاط بكلامهم واطلع على مرامهم رحمه الله تعالى عليهم أجمعين ألا ترى أن الخوارج خذلهم الله تعالى قد أكفروا أميرالمومنين ومولى المسلمين عليارضى الله تعالى عنه ثم هم عندنالا يكفرون كمانص عليه في الدرالمختار والبحرالرائق وردالمحتار وغيرها من معتبرات الأسفاروأمّ اما مر من تقريرالدليل على التكفيرفأنت تعلم أن لازم المذهب ليس بمذهب وأماالأحاديث فمؤولة عند المحققين كماذكره الشراح الكرام.

أقول ومن أدل دليل عليه قوله صلى الله تعالى عليه وسلم في الحديث المارفهو إلى الكفرأقرب فلم يسمه كافرا و إنما قربه إلى الكفر لأن الاجترارعلى الله تعالى أوبمثل ذلک قديكون يريد الكفر والعياذبالله رب العلمين ولاحول ولاقوة إلابالله العلي العظيم.

ترجمہ: ''میں کہتاہوں: اللہ تعالیٰ اس کی بخشش فرمائے، پر یہ بات واضح ہوئی کہ یہاں مقام تقیید میں عبارات علما میں اطلاق ہے جیساکہ کسی مقام پر اکثر مصنفین کا یہی طریقہ دیکھا گیاہے کسی کوکسی مسلمان کے کافر قرار دینے پراس وقت کافرقرار دیاجاسکتاہے جب اس میں کوئی تاویل وشبہہ نہ ہوورنہ اگروہاں شبہہ ہوسکتا ہوتو کافرنہیں ہوگا کیوں کہ جب وہ بظاہر مسلمان ہےتو ہم دل پھاڑکردیکھنے اورامورغیبیہ پرمطلع ہونے کے

پابند نہیں اور نہ ہی ہم اس کے کسی ایسے عمل پر مطلع ہوئے ہیں جو ضروریات دین کے انکار میں سے ہو اور ہم اس طرح اس پر حملہ آور کیسے ہو سکتے جس طرح وہ بیوقوف دوسرے پر ہوا ہے، فقہائے کرام کی یہی تحقیق ہے نیز ہر اس شخص کو بھی اس بات کا اذعان ہوگا جس نے فقہائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا احاطہ کیا اور ان کے مدعا سے آگاہ ہوا ہو کیا آپ نہیں جانتے کہ خوارج (اللہ انہیں رسوا کرے) نے امیر المومنین مولائے مسلمین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کافر قرار دیا پھر وہ ہمارے نزدیک کافر نہیں، جیسا کہ اس پر درمختار، بحر الرائق، ردالمحتار اور دیگر معتبر کتب میں تصریح ہے اور جو تکفیر پر تقریر دلیل گزری ہے آپ جانتے ہیں لازم مذہب مذہب نہیں ہوتا، رہا معاملہ احادیث کا تو وہ محققین کے یہاں مؤول ہیں اپنے ظاہر پر نہیں جیسا کہ شارحین کرام نے ذکر کیا ہے۔

أقول (میں کہتا ہوں) سب سے قوی دلیل نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ وہ کفر کے زیادہ قریب ہے آپ نے اسے کافر نہیں فرمایا قریب کفر فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ ایسا عمل اللہ تعالیٰ کے سامنے جرأت و دلیری ہے کیوں کہ ان جیسے الفاظ سے بعض اوقات کفر مراد ہوتا ہے رب العلمین اپنی پناہ عطا فرمائے"۔

خیر تاہم اس قدر میں کلام نہیں کہ یہ حضرات غیر مقلدین اور سائر اخلاف طوائف نجدیہ مسلمانوں کو کافر ومشرک ٹھہرا کر ہزار ہا کا برائمہ کے طور پر کافر ہو گئے اس قدر مصیبت ان پر کیا کم ہے العیاذ باللہ سبحٰنہ وتعالیٰ،

علامہ ابن حجر مکی اعلام بقواطع الاسلام میں فرماتے ہیں:

انه يصير مرتدًا على قول جماعة وكفرا بهذا خسارا وتفريطا.

ترجمہ:۔"ایک جماعت کے قول کے مطابق یہ مرتد ہو گیا اور یہ خسارے اور کمی میں کافی ہے"۔

(إعلام بقواطع الإسلام علامه ابن حجر مكى رحمه الله)

تو بحکم شرع ان پر توبہ فرض اور تجدید ایمان لازم، اس کے بعد اپنی عورتوں سے نکاح جدید کریں۔

في الدرالمختار عن شرح الوهبانية للعلامه حسن الشرنبلالي مايكون كفرا اتفاقا يبطل العمل والنكاح فأولاده أولاد زنى ومافيه خلاف يومربالاستغفار والتوبة وتجديد النكاح.

ترجمہ:۔"درمختار میں علامہ حسن شرنبلالی کی شرح الوہبانیہ کے حوالے سے ہے جس میں بالاتفاق کفر لازم آئے اس کی وجہ سے ہر عمل باطل اسی طرح نکاح باطل، اور اس کی اولاد زنا کی اولاد ہوگی اور جس کے کافر ہونے

میں کہتا ہوں:

آخر ایسا قائل کیوں کافر ہے جب کہ اس نے وہی کہا جو اس کے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"**کنت نبیا وادم بین الروح والجسد**" میں نبی تھا جب کہ آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔

کہاں سے تمام مسلمانوں کا اتفاق ہوگیا؟ ابن تیمیہ ان لوگوں کا نام کیوں نہیں ذکر کرتا جنھوں نے بالاتفاق تکفیر کے یہ دعوے کیے، اور اس شخص سے پہلے کون علما اس طرف گئے؟ خود یہی پہلا شخص ہے جس کی بے لگام زبان نے بے باک تکفیر کی۔ جب ابن تیمیہ کے بقول ایسے حضرات کافر ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے لیے وہی خصوصیت ثابت کرتے ہیں جسے خود نبی پاک ﷺ نے اللہ کی نعمت پر اظہار فخر کے لیے ذکر فرمایا، تو پھر ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی اس خصوصیت وفضیلت کا انکار کیا جو اللہ عزوجل نے آپ کو عطا فرمائی، اور کس مقصد کے پیش نظر انھوں نے اللہ کی عطا کردہ خصوصیت کا انکار کیا؟ قارئین! اس سے آگاہ رہیں کہ کس نے فضیلت نبوی کا انکار کیا۔

اس موضوع سے متعلق بعض خاص امور پر تنبیہ:

(۱) جب ابن سعد نے الطبقات الکبری (۱/۱۴۸) میں حدیث: "**متی کنت نبیا**" (آپ کب نبی ہوے) ذکر کیا تو اس سے پہلے یہ فرمایا: "**ذکر نبوۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم**" (رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا ذکر)

اور حافظ ابن ابوشیبہ نے اپنی مصنف (۷/۳۲۹) میں حدیث: "**متی کنت نبیا**" تخریج کرنے سے پہلے یہ فرمایا: "**ماجاء في مبعث النبي**" نبی پاک کی بعثت کے بارے میں وارد چیزوں کا بیان۔

ابن حبان نے "**الثقات**" (۱/۴۷) میں فرمایا:

"**ذکر تفضل النبي صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بالکرامة والنبوة بین خلق ادم ونفخ**

میں اختلاف ہو اس پر استغفار، توبہ اور تجدید نکاح کا حکم کیا جائے"۔ (درمختار باب المرتد ۱/۳۵۹ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی) (فتاوی رضویہ مترجم ۶/۲۰۹ تا ۷۱۸ رضا اکیڈمی ممبئی) (مترجم)

الــروح'' نبی پاک ﷺ کی اس کرامت ونبوت کا ذکر جسے اللہ نے آپ کو آدم کے پیدا کرنے ،اوران میں روح پھونکنے کے درمیان عطا فرمایا۔

میں کہتا ہوں: ابن حبان کا کلام خوب واضح ہے۔

اورحافظ لا لکائی نے '' **اعتقاد أهل السنة**''(۴/۵۳۷) میں کہا:

'' **سياق ماروي في نبوة النبي صلى الله تعالى عليه وسلم متى كانت وبماعرفت من العلامات**'' ان چیزوں کا بیان جو نبی پاک ﷺ کی نبوت کے بارے میں مروی ہیں کہ آپ کب نبی ہوئے ،اورکن علامتوں سے آپ کی نبوت جانی گئی۔

ھیثمی نے مجمع الزوائد(۸/۲۲۳-۲۲۴) میں کہا:''**باب قدم نبوته صلى الله تعالى عليه وسلم** '' اس بات کا بیان کہ نبی اکی نبوت سب پر مقدم ہے پھر چندروایتیں ذکر کیں جن میں یہ ہے:''**متى كنت نبيا**'' آپ کب نبی ہوئے۔

علامہ سیوطی نے الخصائص الکبری(۱/۷) میں کہا:''**باب خصوصية النبي بكونه أول النبيين في الخلق وتقدم نبوته وأخذ الميثاق عليه**'' نبی پاک کی اس خصوصیت کا بیان کہ آپ ساری مخلوق میں سب سے پہلے نبی ہیں، آپ کی نبوت تمام نبیوں سے پہلے ہے، اوراللہ نے اس پر عہد ومیثاق لیا۔

(۲) ابن تیمیہ نے آیت شریفہ: ﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَّإِبْرٰهِيمَ﴾ [الاحزاب -۳۳ : ۷] (اوراے محبوب یادکرو! جب ہم نے نبیوں سے عہدلیااورتم سے اورنوح اورابراہیم سے) ایک مرتبہ ذکر کیااورابن قیم نے چھ مرتبہ،اورابن تیمیہ نے ایک بار بھی یہ نہ کہا کہ اس آیت میں''منک'' ''نوح'' پر کیوں مقدم ہے۔اوراگر یہ کہا جائے کہ اس آیت میں حضرت نوح پر نبی پاک ﷺ کا ذکر اس وجہ سے مقدم ہے کہ آپ نوح سے افضل ہیں۔(اوراہل سنت والجماعت کا اس پر اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام انبیاومرسلین، اوراللہ کی ساری مخلوق سے افضل ہیں) تواس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ ابراہیم خلیل اللہ عليه الصلاةو السلام وعلى نبينا أفضل الصلاة وأتم

التسلیم نوح سے افضل ہیں تو نوح سے پہلے آپ کا ذکر کیوں نہ ہوا؟!

(۳) حضرت نوح سے نبی پاک ﷺ کا ذکر کیوں مقدم ہے اس کی وجہ حدیث: "کنت أول النبيين" (میں سب سے پہلا نبی ہوں) سے واضح ہے، ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں تخریج کی کہ ابو ہریرہ نے فرمایا: نبی پاک ﷺ نے اللہ تعالی کے ارشاد ﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّيْنَ مِيْثَاقَهُمْ﴾ الآية کے بارے میں فرمایا: "کنت أول النبيين في الخلق و آخرهم في البعث" میں تمام مخلوق میں سب سے پہلا نبی ہوں اور بعثت میں سب سے آخری نبی ہوں۔

اسی وجہ سے اللہ تعالی نے تمام انبیا سے پہلے آپ کا ذکر فرمایا۔[1]

میں کہتا ہوں: قتادہ کے قول سے بھی یہی ثابت ہے۔

(۴) معراج کی حدیث اس حدیث: "کنت أول النبيين في الخلق" کے موافق ومناسب ہے، معراج کی حدیث میں ہے کہ نبی پاک ﷺ نے اللہ عزوجل سے عرض کیا: "بے شک تو نے ابراہیم کو خلیل بنایا، انہیں عظیم بادشاہت عطا کی، موسی کو کلام سے مشرف فرمایا، داؤد کو عظیم بادشاہت سے سرفرزا، لوہا ان کے ہاتھوں پر نرم کیا، پہاڑوں کو ان کے لیے مسخر کیا، سلیمان کو بادشاہت دی، جن وانس، اور شیاطین کو ان

(۱) حدیث "کنت أول النبيين في الخلق" طبری نے اپنی تفسیر (۲۱/۱۲۵، ۱۲۶)، ابونعیم نے دلائل النبوۃ (۱/۴۲)، اور بغوی نے اپنی تفسیر (۳/۵۰۸) میں تخریج کی، اور سیوطی نے درمنثور (۶/۵۶۹، ۵۷۰) میں حسن بن سفیان، ابن ابوحاتم اور ابن مردویہ کی طرف منسوب کیا، اور ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں اور دیلمی، اور ابن عسا کرنے تخریج کی، میں کہتا ہوں: اور امام رازی نے اپنے فوائد میں (۲/۱۵) میں تخریج کی، ابن کثیر نے اپنی تفسیر (۳/۴۷۰) میں کہا: سعید بن بشیر میں ضعف ہے، اور سعید بن ابی عروبہ نے ان کے سبب قتادہ سے اسے مرسلا روایت کیا، اور وہ اشبہ ہے، اور بعض لوگوں نے قتادہ سے اسے موقوفا روایت کیا واللہ تعالی اعلم۔ میں کہتا ہوں: ذہبی نے ان لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے جن کے بارے میں علما وناقدین کا اختلاف ہے، کہا: سعید بن بشیر کے بارے میں شعبہ نے کہا کہ وہ مامون ہیں ان سے حدیث حاصل کرو کہ وہ سچے ہیں، ابوحفص بن شاہین نے کہا کہ: میرے نزدیک شعبہ کا قول معتبر ہے کیوں کہ سعید بن بشیر اور شعبہ دونوں زمانا قریب ہیں۔ میں کہتا ہوں: خلید بن دعلج نے متابعت کی، لیکن وہ بھی ضعیف ہیں، اور یہ حدیث خاص کر اس وقت حسن شمار کی جاتی ہے جب ہم اس کے لیے کوئی معتبر شاہد قرار دیں، اور شاہد اس کے بعد آنے والی حدیث ہے۔

کا تابع فرمان کیا، ہواؤں کو ان کے لیے مسخر کیا، انہیں ایسی بادشاہت دی جو ان کے بعد کسی کے لیے مناسب نہیں، عیسی کو توریت وانجیل کا علم بخشا، انہیں اپنے حکم سے مادرزاداندھوں، اور سفید داغ والوں کو شفا دینے والا، اور مردوں کو زندہ کرنے والا بنایا، اور انہیں اور ان کی ماں کو مردود شیطان سے پناہ بخشی، اس لیے شیطان کو ان دونوں پر کوئی راہ نہیں، رب عزوجل نے آپ سے فرمایا: اور میں نے تمہیں خلیل بنایا، توریت میں لکھا ہے کہ تم رحمٰن کے محبوب ہو، ہم نے تمہیں سارے انسانوں کی طرف بشیر ونذیر بنا کر بھیجا، تمہارے لیے تمہارا سینہ روشن کیا، تم سے تمہارا بار اتارا، اور تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند فرمایا اس لیے جب بھی میرا ذکر ہوگا میرے ساتھ تمہارا بھی ذکر ہوگا، میں نے تمہاری امت کو ساری امتوں سے افضل بنایا جنہیں لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجا، تمہاری امت کو افضل امت کیا، تمہاری امت کو اولین وآخرین کیا، اور تمہاری امت کے لیے یہ کیا کہ ان کے لیے اس وقت تک خطبہ جائز نہیں جب تک کہ یہ گواہی نہ دیں کہ تم میرے خاص بندے، اور رسول ہو، میں نے تمہاری امت سے ایسے لوگوں کو بنایا جن کے دل ان کی کتابیں ہیں، میں نے تمہیں خلق میں سب نبیوں سے پہلے بنایا، اور ان سب سے بعد میں مبعوث فرمایا، ان میں سب سے پہلے تمہارے موافق فیصلہ کیا جائے گا، میں نے تمہیں سبع مثانی عطا کی جنہیں تم سے پہلے کسی کو نہ دیا، میں نے تمہیں زیر عرش کے خزانہ سے سورۂ بقرہ کی آخری سورتیں عطا فرمائیں جنہیں تم سے پہلے کسی نبی کو نہ دیا، اور تمہیں حوض کوثر سے نوازا۔ الخ (۱)

---

(۱) حدیث: ''جعلتک أول النبیین خلقا واٰخرھم بعثا'' اس حدیث کو طبری نے اپنی تفسیر (۱۰/۱۵) میں روایت کیا، اور ھیثمی نے مجمع الزوائد (۱/۲۷) میں کہا: اس کو بزار نے روایت کیا، جس کے راوی ثقہ ہیں مگر ربیع بن انس نے ابو العالیۃ یا ان کے علاوہ سے روایت کر کے کہا: اس کا تابعی مجھول ہے۔ ابن کثیر نے ابو جعفر رازی کے سبب اس حدیث کو معلل کہا، رہے ابو جعفر رازی تو حافظ نے میزان (۳۸۵/۵) میں کہا: صالح الحدیث ہیں، اور ابن حاتم نے الجرح والتعدیل (۲۸۰/۶) میں کہا: یحي بن معین سے ابو جعفر رازی کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: صالح ہیں، عبدالرحمٰن نے ہم سے بیان کیا کہ میرے والد نے اسحاق بن منصور کے حوالہ سے ذکر کیا کہ یحي بن معین نے فرمایا: ابو جعفر رازی ثقہ

(۵) حدیث: ’’أي شيئ کان أول أمر نبوتک‘‘ آپ کے امر نبوت کا آغاز کس چیز سے ہوا۔

ابومریم سنان نے فرمایا: بہز سے ایک اعرابی نمودار ہوئے، وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس اس وقت آئے جب کہ آپ صحابہ کے ایک حلقہ میں جلوہ آرا تھے، انھوں نے عرض کیا: کیا آپ مجھے کوئی ایسی چیز نہ سکھائیں گے جسے آپ جانتے ہیں اور میں نہیں جانتا، اور جس میں میرا نفع ہو اور آپ کا نقصان نہ ہو؟ تو صحابہ نے کہا: مَہْ مَہْ چھوڑ و چھوڑو، تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ’’ **دعوہ وإنما سأل الرجل ليتعلم فأفرجوا له حتى جلس** ‘‘ تم لوگ انھیں ان کے حال پر چھوڑ دو اس شخص نے صرف تحصیل علم کے لیے سوال کیا ہے، آپ لوگ اسے بیٹھنے کے لیے جگہ دے دیں اس شخص نے عرض کیا: آپ کے امر نبوت کا آغاز کس چیز سے ہوا؟ تو آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے مجھ سے عہد و پیمان لیا جیسا کہ دوسرے انبیا سے عہد و پیمان لیا اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرٰهِيمَ وَمُوسٰى وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا﴾ [الاحزاب-۳۳:۷]

ترجمہ:۔ ’’تم سے، نوح سے، ابراہیم سے، موسیٰ سے، عیسیٰ بن مریم سے اور تمام نبیوں سے ہم نے ایک مضبوط میثاق لیا‘‘۔

مسیح عیسیٰ بن مریم نے میری آمد کی بشارت دی، اور رسول اللہ ﷺ کی ماں نے خواب دیکھا کہ آپ کے

ہیں، عبدالرحمٰن نے ہم سے بیان کیا، میں نے اپنے والد سے کہتے ہوئے سنا: ابوجعفر رازی ثقہ ہیں، زیادہ راست گو صالح الحدیث ہیں، اور الکواکب النیرات (۱/۸۸) میں ہے: ’’یحیٰ بن معین نے کہا: وہ صالح ہیں اور آپ ہی سے یہ مروی ہے کہ ان کی حدیث لکھی جاتی ہے لیکن وہ خلط کرتے ہیں اور انہیں سے ان کی توثیق کا حکم بھی مروی ہے‘‘ ابن المدینی اور محمد بن عبداللہ بن عمار موصلی نے مطلقا ان کی توثیق کی، اور ابوحاتم نے مطلقا ان کی توثیق کی، اور انہیں صادق کہا، اور یہ کہا ان کی حدیث صالح ہے، محمد بن سعد نے ان کو ثقہ کہا، اور ابن عدی نے کہا: ان کی حدیثیں صالح ہیں، لوگوں نے ان سے روایت کیا اور ان کی عام حدیثیں درست اور ٹھیک ہیں، اور مجھے امید ہے کہ ان میں کوئی حرج نہیں، ابن مدینی نے کہا: وہ ثقہ ہیں، خلط کیا کرتے تھے۔

دونوں قدموں کے درمیان سے ایک نور نمودار ہوا جس سے ملک شام کے محل آپ کے لیے روشن ہو گئے ،اعرابی نے کہا:اور سوال کرنے والے اعرابی نے اپنا سر حضور سے قریب کیا کیوں کہ وہ کچھ بہرے تھے،تو رسول اللہ ﷺ نے دو یا تین بار فرمایا ذرا پیچھے، ذرا پیچھے''۔(1)

امام شافعی نے فرمایا:'' **إذا صح الحديث فهو مذهبي** '' حدیث صحیح ہی میرا مذہب ہے،اور ہم اللہ ورسول ﷺ کی طرف سے پہنچنے والی باتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''**كنت نبيا وآدم بين الروح والجسد**'' میں اس وقت نبی تھا جب کہ آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔

اور ہم کہتے ہیں:اے اللہ کے رسول! آپ پر اللہ عزوجل کی بے پایاں رحمت ہو آپ کتنے عظیم وجمیل

---

(1) ابن ابو عاصم نے السنۃ (۱۷۸/۱)،اور طبرانی نے کبیر (۳۳۳/۲۲) میں اسے تخریج کیا،ہیثمی نے مجمع الزوائد (۲۲۳/۸) میں کہا کہ: طبرانی نے اس کو روایت کیا،اور ان کے رجال ثقہ ہیں۔اور حجر بن حجر کے سبب البانی نے ان کے بارے میں کلام کیا،اور یہ دعویٰ کیا کہ ابن حبان کے سوا کسی نے ان کی توثیق نہ کی۔ میں کہتا ہوں: حجر بن حجر مقبول ہیں جیسا کہ حافظ نے التقریب (۱۵۴/۱ نمبر ۱۱۴۳) میں کہا،اور التہذیب (۱۸۸/۲ نمبر ۳۹۲) میں حاکم اور ثقات میں ابن حبان کی توثیق نقل کیا،اور ابن القطان نے کہا:''**لا يعرف**'' وہ غیر معروف ہیں، میں کہتا ہوں: اگر ابن القطان انھیں نہیں جانتے تو دوسرے حضرات انہیں جانتے ہیں۔ابونعیم نے **المسند المستخرج على صحيح الإمام مسلم** (۳۶/۱) میں عرباض بن ساریہ سے مروی حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ :شام کے تین تابعی معروف ومشہور ہیں عبدالرحمٰن بن عمرو سلمی، حجر بن حجر،اور یحیی بن ابوالمطاع۔ابونعیم نے شام کے معروف ومشہور تابعین میں آپ کا ذکر کیا۔

اور عجب بات یہ ہے کہ البانی نے اس طرف التفات نہ کیا کہ حجر بن حجر تنہا اس کے راوی نہیں، حجر بن مالک نے مسند الشامیین (۹۸/۲) میں ابومریم سے آپ کی متابعت کی، اور حجر بن مالک کو ابن حاتم نے الجرح والتعدیل (۲۶۷/۳) میں ذکر کیا،اور کہا کہ: حجر بن مالک سنان، کبھی انھیں حجر بن مالک بن ابومریم کہا جاتا ہے،شام کے رہنے والے ہیں،انھوں نے نبی پاک ﷺ کے صحابی ابومریم سے روایت کیا،اور قبیصہ بن ذویب سے ابوبکر بن ابومریم شامی نے روایت کیا۔ میں نے اپنے والد سے یہ فرماتے سنا کہ:ابن حبان نے الثقات (۲۳۵/۶) میں انہیں ذکر کیا۔

اور با کمال ہیں۔

وصل اللھم علی سیدنامحمد واٰلہ وصحبہ وسلم

تری خلق کوحق نے عظیم کہا تیری خُلق کوحق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہو گا شہا ترے خالق حسن ادا کی قسم

یہی بو لے سدرہ والے چمن جہاں کے تھالے
سبھی میں نے چھان ڈالے ترے پایہ کا نہ پایا

(از:سیدناامام احمدرضاقدس سرہ) [مترجم]

(۸۷) ابن تیمیہ کے سلبی اختیارات

(ابن تیمیہ صرف منفی پہلو کو ترجیح دیتا ہے)

اس مقام پر سلبی اختیارات سے ہماری مراد وہ مسائل ہیں جن میں ابن تیمیہ نے ہمیشہ ایک پہلو کو ترجیح دی ہے، جس کا معنی یہ ہے کہ ہر عالم کے پاس کچھ ایسے مسائل ہوتے ہیں جن میں وہ کبھی افراط اور کبھی تفریط کرتا ہے، لیکن یہ امر قابل لحاظ ہے کہ ابن تیمیہ نے صرف ایک ہی راستہ نفی کا اختیار کیا اگر چہ یہ مسائل بنیادی عقائد وفقہ سے نہیں، لیکن جو لوگ نبی پاک ﷺ کی بقیہ امت کو مبتدع ٹھہراتے ہیں ان کی فکروں میں یہ مسائل خوب راسخ کر دیے گئے ہیں، ان شاء اللہ تعالیٰ ان مسائل کے بارے میں ہم ایک مستقل کتاب تالیف کریں گے: (مؤلف)

بعض مسائل:

جو لوگ نبی پاک ﷺ کے والدین کریمین کے اسلام کے قائل ہیں، ابن تیمیہ انہیں سفیہ وبے وقوف کہتا ہے، اور جو لوگ نبی پاک ﷺ کے قرین کے اسلام کے قائل ہیں، انہیں بھی خطا کار قرار دیتا ہے، نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں تلاوت کلام پاک کا ثواب پیش کرنے یا ختم قرآن کا عمل کرنے سے منع کرتا ہے، ابن تیمیہ یہ کہتا ہے کہ نبی پاک ﷺ اور آپ کے اہل بیت پر درود وسلام بھیجنا واجب نہیں، نبی پاک ﷺ کے حجرہ اقدس پر نذر پیش کرنے سے روکتا ہے، نبی پاک ﷺ کی جشن ولادت منانے والوں کو سفیہ وجاہل کہتا ہے، وہ یہ کہتا ہے کہ شب معراج میں چشم سر سے نبی پاک ﷺ کا اپنے رب کو دیکھنا ممکن نہیں، اسی طرح شب قدر کو شب معراج پر فضیلت دیتا ہے۔

ہم نبی پاک ﷺ کے والدین کریمین اور آپ کے قرین کے اسلام کے متعلق انتہائی اختصار کے ساتھ چند قابل لحاظ امور ذکر کریں گے، اور یہ واضح کریں گے کہ نبی پاک ﷺ کا قرین اور آپ کے والدین کریمین اسلام کی لازوال دولت سے مشرف تھے۔

(۸۸) نبی پاک ﷺ کے والدین کریمین کا اسلام

کیا نبی پاک ﷺ سے بطریق صحیح یہ مروی ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے آپ کے لیے آپ کے والدین کریمین کو زندہ فرمایا، آپ کے ہاتھوں پر دونوں اسلام لائے، پھر وصال فرما گئے؟ ابن تیمیہ نے اس سوال کا رد کرتے ہوئے اپنے مجموع الفتاوی (۳۲۴/۴) میں جواب دیا:

''یہ بات کسی بھی محدث سے بطریق صحیح ثابت نہیں، اس لیے اس کا کذب ظاہر ہے جو کسی بھی دین دار شخص پر پوشیدہ نہیں''۔

میں کہتا ہوں:

(۱) کیا تدین کی شرط یہی ہے کہ ایک دین دار شخص نبی پاک ﷺ کے والدین کریمین کو کافر کہے؟ یا یہ خوف دلانے کا ایک طریقہ ہے؟ لوگوں کو ڈرانے اور ان کی غلط ذہن سازی کا یہی طریقہ ہے؟ بہر حال بہت سے حضرات [1] اس طرف گئے کہ نبی پاک ﷺ کے والدین کریمین مومن ہیں، سب سے قوی دلیل یہ

(۱) مجدد اعظم سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اس قضیہ کی کامل تحقیق فرمائی اور محکم دلائل کے ذریعہ روشن فرمایا کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے والدین کریمین کا ناجی ہونا کالشمس والامس روشن وثابت ہے، بلکہ بالا جماع تمام ائمہ اشاعرہ اور ماتریدیہ سے مشائخ بخارا کا یہی مقتضائے مذہب ہے جیسا کہ فرماتے ہیں: اولا: اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكٍ﴾ [البقرہ-۲:۲۲۱]

بے شک مسلمان غلام بہتر ہے مشرک سے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

'' بعثت من خير قرون بني ادم قرنا حتى كنت في القرن الذي كنت فيه''.

ترجمہ:۔''میں ہر قرن وطبقہ میں تمام قرون بنی آدم کے بہتر سے بھیجا گیا، یہاں تک کہ اس قرن میں ہوا جس میں پیدا ہوا''۔

رواه البخاری في صحيحه عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه.

حضرت امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا علی مرتضی کرم اللہ وجہہ کی حدیث صحیح میں ہے:

ہے کہ: آپ کے والدین کریمین اہل فترت سے ہیں، اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"لم یزل علی وجه الدهر سبعة مسلمون فصاعدا فلولاذلک هلکت الأرض ومن علیها".

ترجمہ:۔"روئے زمین پر ہر زمانے میں کم سے کم سات مسلمان ضرور رہے ہیں، اگر ایسا نہ ہوتا تو زمین واہل زمین سب ہلاک ہو جاتے"۔

أخرجه عبد الرزاق وابن المنذر بسند صحیح علی شرط الشیخین.

حضرت عالم القرآن، حبر الامۃ سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کی حدیث صحیح میں ہے:

"ماخلت الأرض من بعد نوح من سبعة یدفع الله بهم عن أهل الأرض".

ترجمہ:۔"نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد زمین کبھی سات بندگان خدا سے خالی نہ ہوئی جن کے سبب اللہ تعالی اہل زمین سے عذاب دفع فرماتا ہے"۔

جب صحیح حدیثوں سے ثابت کہ ہر قرن وطبقہ میں روئے زمین پر لااقل سات مسلمان بندگان مقبول ضرور رہے ہیں، اور خود صحیح بخاری شریف کی حدیث سے ثابت کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ جن سے پیدا ہوئے وہ لوگ ہر زمانے ہر قرن میں خیار قرن سے تھے

اور آیت قرآنیہ ناطق کہ کوئی کافر اگرچہ کیسا ہی شریف القوم، بالا نسب ہو کسی غلام مسلمان سے بھی خیر و بہتر نہیں ہوسکتا تو واجب ہوا کہ مصطفی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے آباوامہات ہر ہر قرن وطبقہ میں انہیں بندگان صالح و مقبول سے ہوں، ورنہ معاذ اللہ صحیح بخاری میں ارشاد مصطفی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اور قرآن عظیم میں ارشاد حق جل وعلا کے مخالف ہوگا۔

" أقول: والمعنی أن الکافر لایستاهل شرعاأن یطلق علیه أنه من خیار القرن لاسیماه هناک مسلمون صالحون وإن لم یرد الخیریة إلابحسب النسب فافهم"

ترجمہ:۔"میں کہتا ہوں: اس کا معنی یہ ہے کہ کافر شرعا اس کا اہل نہیں کہ اس پر یہ اطلاق کیا جائے کہ وہ خیار القرن سے ہے خاص کر جب کہ وہاں نیکوکار مسلمان ہوں اگرچہ خیر اور بہتر ہونا نسب ہی کے اعتبار سے کیوں نہ مراد ہو اس لیے اس مقام کو بغور سمجھیں"۔

ثانیا: اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ﴾ [التوبہ-۹:۲۸] (ترجمہ:۔"کافر تو ناپاک ہی ہیں")

اور حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں:

" لم يزل الله ينقلني من الأصلاب الطيبة الطاهرة مصفي مهذبا لاتتشعب شعبتان إلا كنت في خيرهما"

ترجمہ:۔''ہمیشہ اللہ تعالی مجھے پاک ستھری پشتوں میں نقل فرماتا رہا صاف ستھرا آراستہ، جب دوشاخیں پیدا ہوئیں میں ان میں بہتر شاخ میں تھا''۔

اور ایک لفظ میں ہے فرماتے ہیں صلی اللہ تعالی علیہ وسلم:

" لم أزل أنقل من أصلاب الطاهرين إلى أرحام الطاهرات"

ترجمہ:۔''میں ہمیشہ پاک مردوں کی پشتوں سے پاک بیبیوں کے پیٹوں میں منتقل ہوتا رہا''۔

رواهماأبونعيم في دلائل النبوة عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما

دوسری حدیث میں ہے فرماتے ہیں صلی اللہ تعالی علیہ وسلم:

" لم يزل الله ينقلني من الأصلاب الكريمة والأرحام الطاهرة حتى أخرجني من بين أبوي"

ترجمہ:۔''ہمیشہ اللہ عزوجل مجھے کرم والی پشتوں اور طہارت والے شکموں میں منتقل فرماتا رہا یہاں تک کہ مجھے میرے باپ سے پیدا کیا''۔رواه ابن أبي عمرو العدني في مسنده عنه رضي الله تعالى عنه

تو ضرور ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے آبائے کرام طاہرین وامہات کرام طاہرات، سب اہل ایمان وتوحید ہوں کہ نص قرآن عظیم کسی کافر و کافرہ کے لیے کرم وطہارت سے حصہ نہیں، یہ دلیل امام اجل فخر المتکلمین علامۃ الوری فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے افادہ فرمائی، اور امام جلال الدین سیوطی اور علامہ محقق سنوسی اور علامہ تلمسانی شارح شفا وامام ابن حجر مکی وعلامہ محمد زرقانی شارح مواہب وغیرہم اکابر نے اس کی تائید وتصویب کی۔

ثالثاً: قال اللہ تبارک وتعالی:

﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ٥ الَّذِيْ يَرَاكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ٥ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ﴾

[الشعراء-۲۶: ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹]

ترجمہ:۔''بھروسا کر زبردست مہربان پر جو تجھے دیکھتا ہے جب تو کھڑا ہوا اور تیرا کروٹیں بدلنا سجدہ کرنے والوں میں''۔

امام رازی فرماتے ہیں: معنی آیت یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا نور پاک ساجدوں سے ساجدوں کی طرف منتقل ہوتا تھا، تو آیت اس پر دلیل ہے کہ سب آبائے کرام مسلمین تھے۔ امام ابن حجر وعلامہ زرقانی وغیرہم کبرانے اس کی تقریر وتائید وتشہید فرمائی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس کے موید روایت ابونعیم کے یہاں آئی "**وقد صرحوا أن القرآن محتج به على جميع وجوهه ولا ينفي تاويل، ويشهدله عمل العلماء في الاحتجاج بالأيات على أحد التاويلات قديما وحديثا**"

رابعا: قال المولى تعالى:

﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰى﴾ [الضحیٰ-۹۳:۵]

ترجمہ:۔"البتہ عنقریب تجھے تیرا رب اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا"۔

اللہ اکبر بارگاہ عزت میں مصطفیٰ ﷺ کی عزت ووجاہت ومحبوبیت کہ امت کے حق میں تو رب العزت جل وعلا نے فرمایا ہی تھا:

"**سنرضيك في أمتك ولا نسوءك به**" **رواه مسلم في صحيحه .**

ترجمہ:۔"قریب ہے کہ ہم تجھے تیری امت کے باب میں راضی کردیں گے"۔

مگر اس عطا ورضا کا مرتبہ یہاں تک پہنچا کہ صحیح حدیث میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوطالب کی نسبت فرمایا:

"**ووجدته في غمرات من النار فأخرجته إلى ضحضاح**"

ترجمہ:۔"میں نے اسے سراپا آگ میں ڈوبا پایا تو کھینچ کر ٹخنوں تک کی آگ میں کردیا"۔

رواه البخاري ومسلم عن العباس بن عبدالمطلب رضي الله تعالى عنهما

دوسری روایت صحیح میں فرمایا:

"**ولولا أنا لكان في الدرك الأسفل من النار**". **رواه أيضا رضي الله تعالى عنهما.**

ترجمہ:۔"اگر میں نہ ہوتا تو ابوطالب جہنم کے سب سے نیچے طبقہ میں ہوتا"۔

دوسری حدیث صحیح میں فرماتے ہیں:

"**أهون أهل النار عذابا أبوطالب**". **رواه عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما.**

ترجمہ:۔"دوزخیوں میں سب سے ہلکا عذاب ابوطالب پر ہے"۔

اور یہ ظاہر کہ حضور اقدس ﷺ سے جو قرب والدین کریمین کو ہے ابوطالب کو اس سے کیا نسبت؟ پھر ان کا عذر بھی واضح کہ نہ انہیں دعوت پہنچی نہ انھوں نے زمانہ اسلام پایا تو اگر معاذ اللہ وہ اہل جنت نہ ہوتے تو ضرور تھا کہ ان پر ابوطالب سے بھی کم عذاب ہوتا اور وہی سب سے ہلکے ہوتے، یہ حدیث صحیح کے خلاف ہے تو واجب ہوا کہ والدین کریمین اہل جنت ہیں، وللہ الحمد اس دلیل کی طرف بھی امام خاتم الحفاظ نے اشارہ فرمایا۔

أقول وبالله التوفيق تقریر دلیل یہ ہے کہ صادق مصدوق ﷺ نے خبر دی کہ اہل نار میں سب سے ہلکا عذاب ابوطالب پر ہے، اب ہم پوچھتے ہیں ابوطالب پر یہ تخفیف کس وجہ سے ہے؟ آیا حضور اقدس ﷺ کی یاری وغم خواری اور پاس داری وخدمت گزاری کے باعث؟ یا اس لیے کہ سید المحبوبین ﷺ کو ان سے طبعی محبت تھی، حضور کو ان کی رعایت منظور تھی، حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں:

"عم الرجل صنو أبيه". (ترجمہ:۔"آدمی کا چچا اس کے باپ کی بجائے ہوتا ہے)

رواه الترمذي بسند حسن عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه وعن علي والطبراني في الكبير عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهم.

شق اول باطل ہے قال اللہ عز وجل:

﴿وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا﴾ [الفرقان-۲۵:۲۳]

صاف ارشاد ہوتا ہے کہ کافر کے سب عمل برباد محض ہیں، لاجرم شق ثانی ہی صحیح ہے، اور یہی ان احادیث صحیحہ مذکورہ سے مستفاد، ابوطالب کے عمل کی حقیقت تو یہاں تک تھی کہ حضور اقدس ﷺ نے سراپا آگ میں سے کھینچ لیا اور فرمایا: میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے طبقۂ زیریں میں ہوتا، لاجرم یہ تخفیف صرف محبوب ﷺ کا پاس خاطر اور حضور کا اکرام ظاہر وباہر ہے، اور بالبداہۃ واضح کہ محبوب ﷺ کی خاطر اقدس پر ابوطالب کا عذاب ہرگز اتنا گراں نہیں ہوسکتا جس قدر معاذ اللہ والدین کریمین کا، معاذ اللہ نہ ان سے تخفیف میں حضور کی آنکھوں کی وہ ٹھنڈک جو حضرات والدین کریمین کے بارے میں نہ ان کی رعایت میں حضور کا وہ اعزاز واکرام جو حضرات والدین کے چھٹکارے میں، تو اگر عیاذ باللہ وہ اہل جنت نہ ہوتے تو ہر طرح سے وہی اس رعایت وعنایت کے زیادہ مستحق تھے۔

وبوجه اٰخر فرض کیجئے کہ یہ ابوطالب کے حق پرورش وخدمت ہی کا معاوضہ ہے پھر کون سی پرورش جزئیت کے برابر ہوسکتی ہے؟ کون سی خدمت حمل ووضع کا مقابلہ کرسکتی ہے؟ کیا کبھی کسی پرورش کنندہ خدمت گزار کا حق حق والدین کے برابر ہوسکتا ہے؟ جسے رب عز وجل نے اپنے حق عظیم کے ساتھ شمار فرمایا:

﴿أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ﴾ [لقمان-۳۱:۱۴]

(ترجمہ:۔''حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا'')

پھر ابوطالب نے جہاں برسوں خدمت کی، چلتے وقت رنج بھی وہ دیا جس کا جواب نہیں، ہر چند حضور اقدس ﷺ نے کلمہ پڑھنے کو فرمایا نہ پڑھنا تھا نہ پڑھا، جرم وہ کیا جس کی مغفرت نہیں عمر بھر معجزات دیکھنا، احوال پر علم تام رکھنا اور زیادہ حجۃ اللہ قائم ہونے کا موجب ہوا، بخلاف ابوین کریمین کہ نہ انہیں دعوت دی گئی، نہ انکار کیا، تو ہر وجہ، ہر لحاظ، ہر حیثیت سے یقیناً انہیں کا پلہ بڑھا ہوا ہے، تو ابوطالب کا عذاب سب سے ہلکا ہونا یوں ہی متصور کہ ابوین کریمین اہل نار ہی سے نہ ہوں **وهو المقصود والحمدلله العلي الودود.**

مجدد اعظم سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اس طرح دس دلیلیں ذکر فرما کر ارشاد فرمایا:

''یہ بحمد اللہ تعالی دس دلیل جلیل ہیں پہلی چار ارشاد ائمہ کبار اور چھ اخیر فیض قدیر سے حسنہ فقیر **تلك العشرة الكاملة والحمدلله في الأولى والاخرة** (فتاوی رضویہ۱۱/۱۵۴ تا ۱۵۸ و ۱۶۱ رضا اکیڈمی ممبئی)

اس کے بعد تنبیہات جلیلہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

حضرات ابوین کریمین رضي اللہ تعالی عنہما کا انتقال عہد اسلام سے پہلے تھا تو اس وقت صرف اہل توحید و اہل لا الہ الا اللہ تھے، تو نہی از قبیل ''لیس ذالک لک'' ہے، بعدہ رب العزت عز جلالہ نے اپنے نبی کریم ﷺ کے صدقے میں ان پر اتمام نعمت کے لیے اصحاب کہف رضی اللہ تعالی عنہم کی طرح انہیں زندہ کیا کہ حضور اقدس ﷺ پر ایمان لا کر شرف صحابیت پا کر آرام فرمایا، ولہذا حکمت الہیہ کہ یہ زندہ کرنا حجۃ الوداع میں واقع ہوا جب کہ قرآن عظیم پورا اتر لیا اور ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي﴾ [المائدہ-۵:۳] نے نزول فرما کر دین الہی کو تام و کامل کر دیا تا کہ ان کا ایمان پورے دین کامل شرائع پر واقع ہو حدیث احیا کی غایت ضعف ہے ''**كما حققه خاتم الحفاظ الجلال السيوطي ولا عطر بعد عروس**'' اور حدیث ضعیف در بارۂ فضائل مقبول ''**كما حققناه بما لا مزيد عليه في رسالتنا**''**الهاد الكاف في أحكام الضعاف**'' بلکہ امام حجر مکی نے فرمایا: متعدد حفاظ نے اس کی تصحیح کی **أفضل القرى لقراء أم القرى** میں فرماتے ہیں:

''**إن آباء النبي غير الأنبياء وأمهاته إلى آدم وحواء ليس فيهم كافر لأن الكافر لا يقال في حقه إنه مختار ولا كريم ولا طاهر بل نجس وقد صرحت الأحاديث بأنهم مختارون وأن الاباء الكرام والأمهات طاهرات وأيضا قال تعالى: ﴿وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ﴾ على أحد**

التفاسير فيه أن المراد تنقل نوره من ساجد إلى ساجد وحينئذ فهذاصريح في أن أبوي النبي صلى الله تعالى عليه وسلم آمنة وعبدالله من أهل الجنة لأنهما أقرب المختارين له صلى الله تعالى عليه وسلم وهذ اهو الحق بل في حديث صححه غير واحد من الحفاظ ولم يلتفتوا لمن طعن فيه أن الله تعالى أحياهما فآمنابه الخ مختصرا وفيه طول" (فتاوی رضویہ۱۱/۱۶۱و۱۶۲، رضا اکیڈمی ممبئی)

یعنی نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے سلسلہ نسب کریم میں جتنے انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام ہیں وہ تو انبیا ہی ہیں، ان کے سوا حضور کے جس قدر آباوامہات آدم وحوا علیہما الصلاۃ والسلام تک ہیں ان میں کوئی کافر نہ تھا کہ کافر کو پسندیدہ یا کریم نہیں کہا جاتا، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے آباوامہات کی نسبت حدیثوں میں تصریح فرمائی کہ وہ سب پسندیدہ بارگاہ الہی ہیں، آبا سب کرام ہیں، مائیں سب پاکیزہ ہیں، اور آیت کریمہ: "وتقلبک" کی بھی ایک تفسیر یہی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا نور ایک ساجد سے دوسرے ساجد کی طرف منتقل ہوتا آیا تو اب اس سے صاف ثابت ہے کہ حضور کے والدین حضرت آمنہ وحضرت عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہما اہل جنت ہیں کہ وہ تو ان بندوں میں جنھیں اللہ عزوجل نے حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے لیے چنا تھا سب سے قریب ترین ہیں یہی قول حق ہے، بلکہ ایک حدیث میں جسے متعدد حافظان حدیث نے صحیح کہا اور اس میں طعن کرنے والے کی بات کو قابل التفات نہ جانا تصریح ہے کہ اللہ عزوجل نے والدین کریمین رضی اللہ تعالی عنہما کو حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے لیے زندہ فرمایا یہاں تک کہ وہ حضور پر ایمان لائے هذاقال والله تعالى أعلم.

<u>رسالة شمؤل الإسلام لأصول الرسول الكرام</u>

۱۵ھ ۱۳

اس مقام کی کامل تحقیق کے لیے آپ کا محققانہ رسالہ "شمول الإسلام لأصول الرسول الكرام" اور آپ کا گراں قدر حاشیہ "المستند المعتمد في بناء نجاة الأبد" وغیرہ مطالعہ فرمائیں، انشاءاللہ تعالی ابن تیمیہ کی فاسد فکر کے سارے تاروپود بکھرتے نظر آئیں گے۔ (مترجم)

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ [الاسراء-۱۷:۱۵]

ترجمہ:۔''ہم لوگوں کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتے جب تک ان میں رسول نہ بھیج دیں''۔

ہم انشاء اللہ تعالی ایک دوسری کتاب میں اس مسئلہ کا تحقیقی جائزہ پیش کریں گے جس سے ہمارے قول کا صدق روز روشن سے زیادہ ہو جائے گا۔

(۲) حافظ ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۳۲۱/۲۲) میں تخریج کیا کہ علی بن ابو جملہ نے فرمایا: عمر بن عبد العزیز نے سلیمان بن سعد سے فرمایا: مجھے یہ خبر ملی ہے کہ ہمارے فلاں گورنر کا باپ زندیق تھا، انھوں نے کہا: اے امیر المومنین! اس سے آپ کا کیا نقصان ہو رہا ہے، نبی پاک کے والد کافر تھے تو اس سے حضور کا کیا نقصان ہوا، یہ سن کر آپ غضب سے بھڑک اٹھے، اور فرمایا: نبی پاک کو چھوڑ کر تمہیں اور کوئی مثال نہ ملی پھر اسے معزول فرما دیا۔

جو بے دین صرف اس طرح کا اعتقاد رکھتے ہیں جس سے نبی پاک ﷺ کی ایذا رسانی اور آپ کی دل آزاری ہو، اور نبی پاک ﷺ کا یہ ارشاد انہیں نظر نہیں آتا: ''**لاتوذوا المسلم بشتم الكافر**'' کافر کی گالی کے ذریعہ مسلم کو ایذا نہ دو، ایسے لوگوں کو اس طرح کے گستاخانہ کلام سے احتراز چاہئے، والعیاذ باللہ تعالی۔ اگر نبی پاک ﷺ کے والدین کریمین کا حال ویسا ہی ہوتا جیسا کہ ابن تیمیہ اور اس کے کفش بردار کہہ رہے ہیں تو ابن تیمیہ اور اس کے کفش برداروں پر لازم تھا کہ نبی پاک ﷺ کے ساتھ حد ادب سے تجاوز نہ کرتے۔

ہم نہیں جانتے جو لوگ نبی پاک ﷺ کے ایمان کا اعتقاد رکھتے ہیں ان سے ان لوگوں کا کیا نقصان ہو رہا ہے۔

ان کے اعتقاد کا نفع انہیں ملے گا، آخر نبی پاک ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان کا عقیدہ رکھنے والوں کا غم انہیں کیوں ہے؟ اور اس کے خلاف ثابت کرنے کے لیے کیوں آمادہ جنگ ہیں؟

(۳) اللہ تعالی نے نبی پاک ﷺ کے والد کا نام عبد اللہ منتخب فرمایا، تو ابن تیمیہ اور اس کے کفش بردار کیوں یہ

گمان کرتے ہیں کہ آپ اللہ کے بندے نہ رہیں؟ آپ عبداللہ ہی ہیں، رہ گیا آپ کی والدہ طاہرہ سیدہ آمنہ کا معاملہ تو آپ اہل یقین سے تھیں، حلیمہ سعدیہ جب گھبرا کر آپ کے پاس آئیں تو آپ ہی نے یہ فرما کر انھیں اطمینان دلایا، تم دونوں کو ان پر خوف نہ ہو، ہرگز ایسا نہ ہوگا، خدا کی قسم! بے شک میرے اس بیٹے کی شان ہی نرالی ہے، تو ان کا معاملہ مجھ سے سنو، میں جب حمل سے تھی تو کبھی ان سے زیادہ خفیف، اور بابرکت حمل نہ دیکھا، پھر جب نبی کریم ﷺ کا تولد ہوا تو میرے جسم سے ستارے کے مانند ایک چمکتا نور نکلا جس کی روشنی میں میں نے بصرہ کے اونٹوں کی گردنیں دیکھیں، آپ آسمان کی طرف اپنا سر اٹھائے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے رب سے دعا کر رہے تھے، حضرت آمنہ نے حلیمہ اور ان کے ساتھ جو خاتون تھیں ان سے کہا آپ دونوں بے فکر جائیں۔

ہیثمی نے مجمع الزوائد (۲۲۲/۸) میں اس حدیث کے بارے میں کہا: اس کے راوی ثقہ ہیں۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ کو یہ اشارہ اور سر کا اٹھانا معلوم تھا۔

(۴) نبی پاک ﷺ نے فتح مکہ کے بعد حنین میں فرمایا:

" أنا النبي لا كذب أنا ابن عبدالمطلب".

ترجمہ:۔ "میں نبی ہوں، یہ جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کا فرزند ہوں"۔

مجھے بتایا جائے کیا نبی پاک ﷺ کسی مشرک یا کافر پر فخر کریں گے؟

جن علما کا اذعان واعتقاد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین مومن ہیں ان میں سے بعض حضرات کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

حافظ ابن شاہین، حافظ ابوبکر بغدادی، امام رازی، سہیلی، قرطبی، ابن سید الناس، محبّ طبری، حافظ الشام ابن ناصر الدین، حافظ سیوطی، مناوی، عجلونی، ابن عابدین (صاحب حاشیۂ شامی) اور ان کے علاوہ دوسرے حضرات۔

عجلونی نے کشف الخفاء (۶۵/۱) اور شہاب الدین خفاجی نے اپنی کتاب "المجالس" کے آخر میں کہا:

خصائص نبوی کے متعلق جب میں نے علمائے محدثین کے یہ ارشادات پڑھے کہ جس شخص کے اندر حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے فضلات شریفہ کا ایک قطرہ ہوگا عذاب کی آگ اس پر اثر انداز نہ ہوگی تو فرمایا: ہمارے پاس جو لوگ موجود ہیں جب ان کا یہ عالم ہے تو جن رحموں نے آپ کو اپنے حمل میں لیا، آگ کا عذاب ان پر کیوں کر ہوگا۔

مجھے آپ کا یہ کلام بے حد پسند آیا اور میں نے عربی میں اسے اس طرح نظم کیا:

لوالدي طٰه مقام علی ۔۔۔ في جنة الخلد ودار الثواب

فقطرة من فضلات له ۔۔۔ في الجوف تنجي من أليم العقاب

فكيف أرحام له قد غدت ۔۔۔ حاملة تصلی بنار العذاب

جنت الخلد اور دار الثواب (آخرت کے گھر) میں میرے والد طٰہ کا بلند و بالا مقام اور اعلیٰ مرتبہ ہے۔

اس لیے کہ آپ کے فضلات [1] شریفہ کا ایک قطرہ جس شخص کے اندر ہوگا وہ دردناک عذاب سے محفوظ رہے گا۔ تو جن رحموں کو آپ کے حمل کا شرف حاصل ہوا عذاب کی آگ انھیں کیوں کر جلائے گی۔ (عجلونی کا کلام ختم ہوا)

(۱) نبی اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضلات شریفہ پاک ہیں جیسا کہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے رد المحتار میں فرمایا:

"صرح بعض أئمة الشافعية طهارة بوله صلى الله تعالى عليه وسلم وسائر فضلاته وبه قال أبو حنيفة كما نقله في المواهب اللدنية عن شرح البخاري للعيني وصرح به البيري في شرح الأشباه، وقال الحافظ بن حجر تظافرت الأدلة على ذلك وعدّ الائمة ذلك من خصائصه صلى الله تعالى عليه وسلم ونقل بعضهم عن شرح المشكاة لملا علي القاري أنه قال اختاره كثير من أصحابنا وأطال في تحقيقه في شرحه على الشمائل في باب ماجاء في تعطره عليه الصلاة والسلام" (ردالمحتار ۱/ ۵۲۲و۵۲۳ كتاب الطهارة/باب الأنجاس في طهارة بوله ﷺ)

بعض ائمہ شافعیہ نے یہ تصریح فرمائی کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بول مبارک اور آپ کے تمام فضلات شریفہ پاک ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اسی کے قائل ہیں جیسا کہ علامہ عینی کی شرح بخاری

کے حوالہ سے ''المواہب اللدنیہ'' میں اسے نقل کیا، اور علامہ بیری نے اشباہ میں یہی تصریح فرمائی، اور حافظ ابن حجر نے فرمایا: دلائل سے اسی کی تائید وتقویت ہوتی ہے اور ائمہ کرام نے حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے خصائص سے اسے شمار فرمایا، اور بعض حضرات نے ملا علی قاری کی شرح مشکات کے حوالہ سے یہ نقل فرمایا کہ آپ نے فرمایا: ہمارے بہت سے اصحاب کا یہی مختار ہے اور اپنی شرح شمائل میں اس کی گراں قدر تحقیق فرمائی۔

احادیث مبارکہ کا مطالعہ کرنے سے یہ انکشاف تام ہوتا ہے کہ صحابہ کرام نے حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے جسم اقدس سے نکلے ہوئے مبارک خون کو پیا، مثلا ابوطیبہ حجام اور قریش کے ایک بچے نے اور حضرت عبداللہ بن زبیر نے جیسا کہ بزار، طبرانی، حاکم، بیہقی، اور ابونعیم نے روایت کیا ہے، یہ بھی مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے بھی پیا ہے، نیز ام ایمن رضی اللہ تعالی عنہا نے بھی بول مبارک پیا جیسا کہ حاکم، دارقطنی، طبرانی اور ابونعیم نے روایت کیا ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابورافع کی زوجہ سلمٰی نے غسالہ مبارک پیا تو حضور نے فرمایا: اللہ تعالی نے تیرے بدن کو آگ پر حرام فرمادیا، حضرت علامہ عینی نے ارشاد فرمایا:

'' **إنانعتقدأنه لايقاس عليه غيره وإن قالوا غير ذلک فأذني عنه صمّاء** ''.

ترجمہ:۔ ''ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پر کسی کو قیاس نہیں کیا جاسکتا اور اگر کوئی اس کے علاوہ کچھ اور کہے تو میرے کان اس کے لیے بہرے ہیں''۔

حضور اقدس کے فضلات مبارکہ کی یہ طہارت امتی کے اعتبار سے ہے، خود نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے حق میں طاہر نہیں۔ مجدد اعظم، شیخ الاسلام والمسلمین، آیۃ من آیات رب العالمین، معجزۃ من معجزات سید المرسلین سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

''میری نظر میں امام حجر عسقلانی شارح صحیح بخاری کی وقعت ابتداً امام بدرالدین محمود عینی شارح صحیح بخاری سے زیادہ تھی، فضلات شریفہ کی طہارت کی بحث ان دونوں صاحبوں نے کی ہے، امام ابن حجر نے ابحاث محدثانہ لکھی ہیں کہ یوں کہا جاتا ہے اور اس پر یہ اعتراض ہے، اخیر میں لکھا ہے کہ فضلات شریفہ کی طہارت ان کے نزدیک ثابت نہیں، اور امام عینی نے بھی شرح بخاری میں اس بحث کو بہت بسط سے لکھا ہے، آخر میں لکھتے ہیں کہ یہ سب کچھ ابحاث ہیں جو شخص طہارت کا قائل ہو اس کو میں مانتا ہوں اور جو اس کے خلاف کہے اس کے لیے میرے کان بہرے ہیں میں سنتا نہیں'' یہ لفظ ان کی کمال محبت کو ثابت کرتا ہے اور میرے دل میں ایسا اتر گیا ہے کہ ان کی وقعت بہت ہوگئی۔ (الملفوظ ۴/۲۴) (مترجم)

(۸۹) نبی پاک ﷺ کے قرین کا اسلام لانا

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۲۷۱/۸) میں کہا:

''حدیث صحیح میں ہے کہ عائشہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا میرے ساتھ شیطان ہے؟ فرمایا: ''ہاں'' عرض کیا اور ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان ہے؟ فرمایا: ''ہاں'' پھر عرض کیا اور آپ کے ساتھ اے اللہ کے رسول! فرمایا: ''ہاں'' لیکن میرے رب نے اس پر میری مدد فرمائی یہاں تک کہ وہ اسلام لے آیا'' اور دو قولوں میں اصح قول یہ ہے کہ اسلام لانے سے مراد یہ ہے کہ وہ میرا مطیع وفرماں بردار ہوگیا، اور جس شخص نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ: ''یہاں تک کہ میں اس سے محفوظ ہوگیا'' تو اس نے اس حدیث کے معنی میں تحریف کی ، اور جس نے یہ کہا کہ: اس کا معنی یہ ہے کہ شیطان مومن ہوگیا تو اس نے اس حدیث میں لفظی تحریف کی کہ موسیٰ نے قبطی کو قتل کیا تو کہا:

﴿هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ إِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ﴾ [القصص-۲۸:۱۵]

ترجمہ: ''یہ کام شیطان کی طرف سے ہوا، بےشک وہ دشمن ہے کھلا گمراہ کرنے والا''۔

ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ (۵۲۳/۱۷) میں کہا:

''ابن عیینہ یہ حدیث اس طرح روایت کرتے تھے: '' **فأُسلِمُ** ''ضمہ کے ساتھ یعنی میں اس سے محفوظ ہوگیا۔ اور یہ فرماتے کہ شیطان اسلام نہیں لاسکتا، لیکن دوسری روایت میں ہے کہ حضور نے فرمایا: '' **فلا يأمرني إلا بخير** '' (وہ مجھے صرف نیکی کا حکم دیتا ہے) جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ آپ کو شرک کا حکم نہیں دیتا، اور یہ اس کا اسلام لانا ہے اگرچہ اس امر سے کنایہ ہے کہ وہ آپ کے ساتھ عاجزی اور فروتنی وفرماں برداری سے پیش آتا ہے، مگر ایمان باللہ سے کنایہ نہیں''۔ الخ

میں کہتا ہوں:

امام احمد کا ادب ملاحظہ فرمائیں خلال کی کتاب السنۃ (۱/۱۹۰، ۱۹۱) میں ہے:

ابوبکر مروزی نے ہمیں خبر دی کہ: ابوعبداللہ امام احمد نے کہا کہ: نبی پاک نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان ہے، صحابہ نے عرض کیا: اور آپ کے ساتھ بھی یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: اور میرے ساتھ بھی، مگر اللہ نے اس پر میری مدد فرمائی تو وہ اسلام لے آیا، ابوعبداللہ (یعنی امام احمد بن حنبل) نے کہا: میں نہیں جانتا آپ اس سے محفوظ وسالم رہے، یا ابلیس اسلام لے آیا۔ میں نے کہا: کچھ لوگ تو کہتے ہیں کہ نبی پاک اس سے محفوظ وسالم رہے فرمایا: مجھے نہیں معلوم۔

اور اسی صفحہ پر خلال نے کہا: میں نے احمد بن یحیی نحوی ثعلب سے پوچھا کہ حضور نے فرمایا: ''مگر اللہ نے اس پر میری مدد فرمائی تو وہ اسلام لے آیا'' حضور کے اس ارشاد کا کیا یہ معنی ہے کہ شیطان اسلام لایا، یا نبی پاک نے یہ فرمایا: میں شیطان سے محفوظ وسالم رہتا ہوں؟ آپ نے جواب میں فرمایا: شیطان اسلام لایا۔

میں کہتا ہوں:

ثعلب مشہور نحوی ہیں اور ان کا یہ قول عجب نہیں اس لیے کہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (۱۴/۶) میں کہا کہ:

''ابن مجاہد نے کہا کہ میں نے نبی پاک ﷺ کو خواب میں دیکھا آپ نے مجھ سے فرمایا: ابوالعباس کو میرا اسلام پہنچانا اور ان سے کہنا کہ آپ بحر علم کے عظیم غواص (غوطہ زن) ہیں۔

خطابی نے إصلاح غلط المحدثین (۱/۱۳۵، ۱۳۶) میں کہا: عام راویوں نے کہا کہ یہ روایت فعل ماضی کے صیغہ کے ساتھ وارد ہے، ان حضرات کی مراد یہ ہے کہ شیطان اسلام لایا، مگر سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ: اس کا معنی یہ ہے کہ: حضور شیطان کے شر سے سالم ومحفوظ رہے، نہ کہ شیطان اسلام لایا۔

اور تحفۃ الأحوذی [1] (۴/۲۸۲) میں ہے: سفیان نے کہا: شیطان اسلام نہ لایا یعنی یہ روایت ماضی

(۱) ناظرین غور فرمائیں! صاحب تحفۃ الاحوذی ابن تیمیہ کے بڑے نیازمند ہیں مگر انھوں نے اس مسئلہ میں اس مقام پر ابن تیمیہ کی موافقت نہ کی۔

کے صیغہ کے ساتھ نہیں کہ شیطان کا اسلام لانا ثابت ہو کیوں کہ شیطان اسلام نہیں لاتا، مجمع میں کہا: یہ قول ضعیف ہے اس لیے کہ اللہ تعالی ہر چیز پر قادر ہے، اللہ عزوجل کی ذات سے کوئی بعید نہیں کہ اپنے خاص فضل سے آپ ﷺ کے قرین کو اسلام کی دولت سے مشرف فرمائے۔

میں کہتا ہوں: ابن تیمیہ نے یہ تو ذکر کیا کہ شیطان نے اللہ کے نبی موسی کے ساتھ آپ کی بعثت سے پہلے کیا عمل کیا اور شیطان نے موسی کے غلام کے ساتھ کیا کیا، مگر اس شخص کے دل میں یہ مبارک خیال نہ آیا کہ یہ نبی پاک ﷺ کی خصوصیت ہے۔(۱)

---

(۱) یہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی اعلی درجہ کی خصوصیت ہے کہ آپ کا شیطان جس کی فطرت میں کفر داخل ہے وہ آپ کی نگاہ عنایت سے ایمان لے آیا، مرقاۃ المفاتیح میں ہے کہ ہامہ ابن ابلیس نے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ قتل ہابیل کے وقت میں موجود تھا، سارے انبیا کے ساتھ رہا ہوں، آپ مجھے قرآن سکھائیں، حضور اقدس نے اسے سورۂ واقعہ ،مرسلات ،نبأ ،اخلاص ،فلق اور ناس سکھائیں، جنات کا حضور پر ایمان لانا قرآن کی سورۂ جن میں مذکور ہے حالاں کہ سارے جن ابلیس کی اولاد ہیں، رب تعالی فرماتا ہے: ﴿كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ﴾[الکہف-۱۸:۵۰] اس لیے یہ کہنا کہ شیطان سے اسلام اس لیے متصور نہیں کہ اس کی فطرت میں کفر داخل ہے، لائق اعتبار نہیں اس لیے کہ اللہ عزوجل نے حضور اقدس سید عالم ﷺ کو ایسی خصوصیتیں عطا فرمائی ہیں جو آپ کے علاوہ کسی دوسرے کو حاصل نہیں، انھیں خصائص میں سے یہ ہے کہ حضور اقدس کا قرین اسلام لے آیا۔ ابن تیمیہ مجھے بتائے کہ جب حضور اقدس کے قرین کا اسلام لانا حضور کے خصائص سے ہے تو اس کا یہ کہنا کیوں کر درست ہوگا:

''جس شخص نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ: ''یہاں تک کہ میں اس سے محفوظ ہو گیا'' تو اس نے حدیث کے معنی میں تحریف کی، اور جس نے یہ کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ شیطان مومن ہو گیا تو اس نے اس حدیث میں لفظی تحریف کی کہ موسی نے قبطی کو قتل کیا تو کہا:

﴿هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ إِنَّهُ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ﴾ [القصص-۲۸:۱۵]

ترجمہ: ''یہ کام شیطان کی طرف سے ہوا، بے شک وہ دشمن ہے کھلا گمراہ کرنے والا''۔

ابن تیمیہ کا یہ کہنا خود اس حدیث کے معنی میں تحریف کرنا ہے اس کے پاس اس امر پر کیا دلیل ہے کہ حضور کا قرین اسلام نہیں لا سکتا؟ جب اللہ عزوجل نے حضور کو یہ خصوصیت بخشی تو پھر قیاس کیوں کر روا ہوگا۔ پھر ابن تیمیہ کا آیت مذکورہ سے

اگر کوئی کہے کہ ابن تیمیہ نے تو دوسرے علما کا قول پیش کیا ہے تو اس پر کیوں چراغ پا ہو رہے ہیں؟ میں اس سے کہتا ہوں میں اس پر چراغ پا نہیں ہوتا، آپ اس کا استدلال بغور پڑھئے اور میری بات سمجھئے۔ پھر ہر عالم مثبت و منفی دونوں پہلو رکھتا ہے مگر ہم ابن تیمیہ کو دیکھتے ہیں کہ مثبت پہلو کی طرف بالکل ہی توجہ نہیں کرتا، ہاں ایسے امور کی طرف ضرور سبقت کرتا ہے جن کا کوئی قائل نظر نہیں آتا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری (۴۳۹/۱) میں کہا:

"گزشتہ خصلتوں میں سے دو خصلتوں کا ذکر کیا، اور ابن عباس کی حدیث مرفوع میں ہے کہ حضور نے فرمایا: "**فضلت على الأنبياء بخصلتين كان شيطاني كافرا فأعانني الله عليه**" "دو خصلتوں کے ذریعہ سارے انبیاء پر مجھے فضیلت عطا کی گئی، میرا شیطان کافر تھا اللہ نے اس پر میری مدد فرمائی، راوی نے کہا کہ دوسری خصلت مجھے یاد نہ رہی، میں کہتا ہوں: اس طرح سے سترہ خصوصیتیں ہو جاتی ہیں اور تلاش و جستجو کرنے والا اس سے بھی زیادہ پا سکتا ہے، ان روایتوں کے درمیان جمع و تطبیق کا طریقہ گزر چکا، اور یہ واضح ہو چکا کہ ان روایتوں میں کوئی تعارض نہیں، اور ابوسعید نیشاپوری نے ایک کتاب میں ذکر کیا کہ: نبی پاک ﷺ کے خصائص کی تعداد ساٹھ ہے" الخ

میں کہتا ہوں: اس سے بزار کی حدیث مراد ہے، ھیثمی نے مجمع الزوائد (۲۲۵/۸) میں کہا: اس کو بزار نے روایت کیا، اور اس حدیث کے ایک راوی ابراہیم بن صرمہ ضعیف ہیں۔

استدلال کیوں کر درست ہوگا جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بطریق تواضع یہ فرمایا تھا کیوں کہ آپ سے کوئی معصیت سرزد نہیں ہوئی اور انبیا معصوم ہیں، ان سے گناہ نہیں ہوتے، قبطی کا مارنا آپ کا دفع ظلم اور امداد مظلوم تھی، یہ کسی ملت میں بھی گناہ نہیں پھر بھی اپنی طرف تقصیر کی نسبت کرنا اور استغفار چاہنا یہ مقربین کا دستور ہی ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس میں تاخیر اولیٰ تھی اس لیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ترک اولیٰ کو زیادتی فرمایا اور اس پر حق تعالیٰ سے مغفرت طلب کی۔ ذرا ابن تیمیہ کا اسلوب دیکھیں! وہ صرف حضور اقدس کے قرین کے اسلام ہی کا منکر نہیں بلکہ ساتھ ہی عصمت انبیا پر بھی حملہ کر رہا ہے، جب کہ عصمت انبیا قرآن کریم کی آیتوں اور صحیح حدیثوں اور اجماع امت سے ثابت ہے جس کی تفصیل اس کے مقام پر مذکور ہے۔ (مترجم)

اہم بات یہ ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ یہ حدیث کم از کم شدید ضعیف نہیں ہے۔

(۹۰)امام احمد اور آپ کے اصحاب کے نزدیک صحابہ کی تنقیص شان کرنے والا زندیق ہے۔اے ابن تیمیہ کے نیاز بردارو! تمہارے نزدیک صحابہ کرام کی تنقیص شان کرنے والے کا کیا حکم ہے؟

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج (۳۳۵/۸) میں کہا:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ امامت میں جس اجماع کا اعتبار ہے اس میں ایک، دو اور معمولی جماعت وافراد کے قبول نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، کیوں کہ اگر اس کا اعتبار ہو تو کسی کی امامت پر اجماع ہی نہ ہو سکے گا، کیوں کہ امامت ایک معین چیز ہے، کبھی کوئی شخص نامعلوم خواہش کے سبب امامت تسلیم نہیں کرتا جیسا کہ سعد نے امامت قبول نہ کی کیوں کہ ان کا مطمح نظر یہ تھا کہ وہ خود انصار کی طرف سے امیر بنیں، حالاں کہ انہیں یہ منصب حاصل نہ ہو سکا، تو ان کے دل میں ان کی یہ ہوی (خواہش) برقرار رہی''۔

میں کہتا ہوں: عنقریب آئے گا کہ نبی پاک ﷺ نے اپنے اصحاب کی غیبت، اور ان کی گستاخی و بدگوئی سے منع فرمایا۔ ہم بطور تبصرہ امام مالک، امام احمد، اور اہل سنت و جماعت کے ارشادات پیش کر رہے ہیں جنہیں اس سے پہلے بھی ذکر کر چکے۔

حسینی نے الکمال (۶۵۰/۱) میں کہا: ثابت بن عبد اللہ بن زبیر نے فرمایا، مہدی نے مجھ سے کہا: صحابہ کی تنقیص شان کرنے والے کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ میں نے جواب دیا: یہ لوگ زندیق ہیں اس لیے کہ ان لوگوں سے کھلم کھلا رسول اللہ ﷺ کی صریح تنقیص نہ بن پڑی تو انھوں نے آپ کے صحابہ کرام کی تنقیص کی، گویا یہ زندیق یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ کے ہم نشین اچھے نہ تھے۔ ابونعیم نے حلیۃ (۳۲۷/۶) میں کہا: ابوعروہ نے کہا: ہم لوگ مالک بن انس کے پاس تھے کہ لوگوں نے آپ کی خدمت میں ایک ایسے شخص کا ذکر کیا جو رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کی تنقیص کرتا تھا، تو امام مالک نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ...﴾ ﴿...يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ [الفتح-۲۹:۴۸]

ترجمہ:۔''محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے اصحاب کافروں پر سخت ہیں''''کسانوں کو بھلی لگتی تا کہ ان سے کافروں کے دل جل اٹھیں''۔

پھر فرمایا: جو شخص اپنے دل میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے ذرا بھی غیظ وغضب رکھتا ہے وہ اس آیت کا مصداق ہے۔

خلال نے السنۃ (۴۴۸/۲) میں ذکر کر کے کہا کہ: ایک شخص نے امام احمد بن حنبل سے کہا: میرا ایک ماموں امیر معاویہ کی شان میں گستاخی اور ان کی بدگوئی کرتا ہے، تو امام احمد نے فورا ارشاد فرمایا: اس کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ۔ اور آپ نے السنۃ (۴۷۷/۲) میں یہ بھی ذکر کیا کہ امام احمد نے یہ بھی فرمایا: جو شخص رسول اللہ ﷺ کے کسی صحابی کی گستاخی اور توہین کرے وہ بلاؤں میں گھرا رہے گا، اور اس کا انجام براہوگا۔ اور اسی السنۃ (۵۱۱/۳-۵۱۲) میں مزید یہ ہے کہ:''امام احمد سے کہا گیا: آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جس کا یہ خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کی شان میں گستاخیاں کرنا مباح ہے؟ تو آپ نے فرمایا: یہ بری اور گھٹیا بات ہے، ایسے لوگوں سے احتراز واجتناب چاہئے، ان کے پاس نہ بیٹھا جائے، اور ان کا معاملہ لوگوں پر روشن کر دیا جائے''. الخ

خطیب نے الکفایۃ (۴۹/۱) میں ذکر کیا:''ابوزرعہ نے کہا: جب کسی شخص کو رسول اللہ ﷺ کے کسی صحابی کی گستاخی و بے ادبی کرتے دیکھو تو جان لو کہ وہ زندیق ہے''۔

حافظ لالکائی نے ''اعتقاد أهل السنة'' میں کہا کہ:''جو شخص رسول اللہ ﷺ کے کسی صحابی کی شان میں گستاخی کرے، ان سے صادر ہونے والے کسی امر کے سبب ان سے بغض رکھے، یا ان کی برائیاں کرے وہ اس وقت تک مبتدع ہے جب تک کہ ان حضرات صحابہ کے لیے دعائے رحمت نہ کرے، اور اس کا دل ان کے لیے صاف وشفاف نہ ہو جائے''۔

(۹۱) ابن تیمیہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور ان تمام حضرات پر تہمت لگاتا ہے جو نبی پاک ﷺ کے آثار و تبرکات سے فیض و برکت حاصل کرتے ہیں اور آپ کے نماز کے مقامات پر نماز پڑھتے ہیں، وہ کہتا ہے کہ: ''ایسا شخص بظاہر نبی سے تشبہ کرتا ہے، اور اس کا دلی مقصود یہود و نصاریٰ سے تشبہ ہوتا ہے''۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، آپ کے اصحاب، اور آپ کی امت کی شان میں ابن تیمیہ کی ایک گستاخی یہ بھی ہے کہ اس نے صحابی جلیل عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ فتویٰ جڑ دیا کہ آپ بدعتی ہیں، اور یہ صرف اس وجہ سے کہ آپ نبی پاک کے سخت متبع تھے، آپ وہاں نماز ادا فرماتے جہاں رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا فرمائی اس شخص نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں بیک حرف یہ جسارت کی: ''(بلکہ وہ بدعتیوں میں سے ہیں) صحابہ اس طرح کے آثار کی طرف التفات نہ فرماتے اور نبی پاک ﷺ کے نماز پڑھنے کی جگہوں پر نماز نہ پڑھتے کہ یہ جدید بدعتوں میں سے ہے''۔

ابن تیمیہ نے یہ جرأت و جسارت کر کے اجماع امت کی مخالفت کی (جیسا کہ امام نووی نے اجماع امت نقل فرمایا) اور ایک ایسے شاذ و نادر فہم کا اختراع کیا جو اس کے پہلے کسی نے نہ کیا۔

اگر ابن تیمیہ اپنے امام احمد بن حنبل کے مذہب پر ہوتا تو وہ سکون و آرام میں رہتا، لیکن صحابہ کی شان میں گستاخی کرنا، ایسی بات کرنا جسے اس سے پہلے کسی نے نہ کہا، دلیلوں کو الٹ پھیر کرنا، حقائق کی پردہ دری کرنا، اور کھلم کھلا تحریف کرنا اس کا محبوب ترین مشغلہ ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ دلیل سے ہم اسے واضح کریں گے۔

ابن تیمیہ کی نظروں میں نبی پاک ﷺ کے نماز پڑھنے کی جگہوں کی کوئی اہمیت نہیں، یہاں تک کہ صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے کنواں کی طرح بھی اس کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی، کہ نبی پاک نے صحابہ کو یہ حکم فرمایا کہ وہاں جا کر اس کنویں کا پانی حاصل کر کے اسے نوش جاں کریں، اور اس سے اپنا آٹا گوندھیں جیسا کہ صحیح

بخاری وغیرہ میں مذکور ہے۔

اس کے نزدیک نبی پاک کے مقامات نماز اس بڑے درخت کی طرح بھی نہیں جس کے نیچے ستر انبیائے کرام کے ناف کاٹے گئے، نبی پاک ﷺ عبداللہ ابن عمر کو اس درخت کی جگہ بتاتے، اس کی فضیلت بیان فرماتے اور انہیں وہاں آنے کا حکم دیتے''۔

ابن تیمیہ نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ پر اس مسئلے میں بہت سی افترا پردازیاں کیں، اور اس کے ضمن میں کعب احبار کو بھی برا بھلا کہا، اس نے حضرت عمر پر یہ تہمت لگائی کہ انھوں نے وہ درخت کاٹ ڈالا جس کے نیچے صحابہ کرام نے نبی پاک سے بیعت کی، اور اللہ جس درخت کے نیچے مومنوں سے راضی ہوا'' یہ امت کی یادگار کی تحریف ہے، صحابہ وتابعین کے متعلق صحیح بخاری میں جو کچھ ثابت ہے یہ اس کے مخالف ہے جیسا کہ ان شاء اللہ تعالی آئے گا۔ **وحسبنا الله ونعم الوكيل**

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب ''اقتضاء الصراط'' (۳۹۰/۱) میں صحابی جلیل عبداللہ ابن عمر کی شان میں آپ کا نام لے کر کہا کہ وہ ایسے مقامات پر نماز کا قصد کرتے جہاں نبی پاک ﷺ نماز ادا فرماتے، جیسا کہ کہتا ہے:

''اور ان مقامات کا قصد کرنا خلفائے راشدین کی سنت نہیں، بلکہ از قبیل بدعات ہے، خود صحابی کے قول وفعل کے خلاف جب اس کی نظیر قائم ہو تو اس کا قول وفعل حجت نہیں، تو اس وقت کیوں کر حجت ہوگا جب کہ اس کا تنہا عمل جمہور صحابہ کے عمل کے خلاف ہو''. الخ

اور اسی کتاب (۴۲۶/۱) میں تاکید کے ساتھ اسے اس طرح ذکر کیا:

''صحابہ ان چیزوں کی طرف بالکل توجہ نہ فرماتے جس سے یہ پتہ چلا کہ یہ نئی بدعتوں سے ہے جنہیں صحابہ عبادت وقربت وطاعت شمار نہ فرماتے، اس لیے جو شخص اسے عبادت، وقربت وطاعت ٹھہرائے وہ صحابہ کی راہ پر نہ چلا، اور دین میں ایسے امر کو مشروع جانا جس کا اللہ نے حکم نہ دیا''۔ الخ بحروفہ

ابن تیمیہ نے اپنے مجموعۂ فتاوی (۲۸۱/۱) میں مزید کہا کہ:

''اس مقام کو نماز کے لیے خاص کرنا اہل کتاب کی بدعات سے ہے جن کے سبب وہ لوگ ہلاک ہوئے، اور مسلمانوں کو ایسی مشابہت سے روکا گیا، اس لیے ایسا کرنے والا بظاہر نبی سے تشبہ کرتا ہے، اور اس کا مقصود یہود و نصاریٰ سے تشبہ کرنا ہے''۔

صحابی جلیل عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بدعتی ٹھہرانے کے لیے ابن تیمیہ نے بعض ایسے شبہات سے استدلال کیا جو بخاری، مسلم اور احادیث کی کتب معتمدہ و مشہورہ میں وارد روایتوں کے بالکل خلاف ہے۔

اس کی کتاب اقتضاء الصراط (۳۸۶/۱)، اور مجموع الفتاوی (۱۵۳/۱۵) میں اس کا ایک استدلال یہ بھی ہے کہ:

''عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہے کہ آپ ایک سفر میں تھے، آپ نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ایک مقام پر آ کر نماز پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے یہاں نماز ادا فرمائی، آپ نے فرمایا: کیا اپنے انبیا کے آثار کو مساجد بنانا چاہتے ہو، تم سے پیشتر لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہوئے، ایسی جگہوں پر جسے نماز کا وقت آ جائے پڑھ لے ورنہ وہاں سے گزر جائے۔ جب آپ بیت المقدس پہنچے اور مسلمانوں کے لیے وہاں عبادت گاہ بنانا چاہا تو کعب سے فرمایا: کہاں اس کی تعمیر کروں؟ کعب نے کہا: چٹان کے پیچھے اسے تعمیر فرمادیں، آپ نے کعب سے فرمایا: اے یہودیہ کے بیٹے! یہودیت سے تمہارا تعلق رہا ہے۔ میں اسے چٹان کے سامنے تعمیر کروں گا''۔ الخ

اب مجھ سے اسی کے لب ولہجہ میں اس کا رد سنئے:

(۱) پہلی حدیث جسے اس نے سعید بن منصور کی طرف منسوب کیا (___ جیسا کہ اقتضاء الصراط (۳۸۶/۱) میں ہے اگر چہ مسند امام احمد میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کے خلاف وارد ہے جیسا کہ چند سطروں کے بعد ہم اسے بیان کریں گے) ارباب سنن معروفہ جیسا کہ سنن ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ترمذی، اور ارباب مسانید معروفہ جیسا کہ مسند امام احمد وغیرہ، اور ارباب مصنفات جیسا کہ موطا امام مالک وغیرہ نے

اسے روایت نہ کیا۔

تنبیہ:

''ارباب سنن نے اسے روایت نہ کیا امام مالک وغیرہ کے کلمہ تک''ابن تیمیہ نے مجموع الفتاوی (۳۵۶/۲۴) میں نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کی حدیث کی تضعیف کے تحت اس پورے جملہ کو ذکر کیا ہے۔

دوسری تنبیہ:

ابن تیمیہ نے پندرہ بار اس حدیث کو ذکر کیا، جن میں سے سات مرتبہ اس لفظ سے ذکر کیا(آثار أنبیائھم) یعنی''اپنے انبیا کے آثار''، اور آٹھ مرتبہ اس لفظ سے ذکر کیا(آثار أنبیائکم)''تمہارے انبیا کے آثار'' ذرا دیکھیں کہ اس نے نبی پاک ﷺ، یا آپ کے اہل بیت کے خصائص کے بارے میں کتنی حدیثیں ذکر کی ہیں...اس پر بھی نظر رکھنی چاہئے۔

(۲) امام بخاری نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کے فعل کے لیے ایک باب قائم کیا، اور اس سے استدلال کیا جیسا کہ آپ نے صحیح بخاری (۱۸۳/۱ نمبر ۴۶۹-۴۷۰) میں فرمایا:

"باب المساجد التي علی طرق المدینة والمواضع التي صلی فیها النبي ﷺ''.

ترجمہ:''اس باب میں ان مسجدوں کا ذکر ہے جو مدینہ منورہ کے راستے میں واقع ہیں، اور ان مقامات کا بیان جہاں نبی پاک ﷺ نے نماز ادا فرمائی''۔

کیا ابن تیمیہ امام بخاری کے اس استدلال کو چھوڑ کر صرف اس حدیث سے استدلال کرے گا جو سعید بن منصور کی طرف منسوب ہے، اور اگر سنن سعید بن منصور یا بعض کتب سنن غیر مشہورہ جیسا کہ مصنف عبدالرزاق اور ابن ابوشیبہ ضائع ہو جائیں تو کیا شریعت ناقص رہے گی؟ محققین خوب جانتے ہیں کہ

اسلامی لائبریریوں سے کتنے مصنفات غائب ہوگئے جیسا کہ مسند بقی بن مخلد۔

(۳) سنن سعید بن منصور میں یہ حدیث ہم نے نہ دیکھی، لیکن مصنف ابن ابوشیبہ (۱۵۱/۲-نمبر ۷۵۵۰) اور مصنف عبدالرزاق (۱۱۸/۲-نمبر ۲۷۳۴) میں اسے پایا:

(۴) ابن تیمیہ اس حدیث سے امت کو جو سمجھانا چاہتا ہے یہ حدیث اس پر دلالت ہی نہیں کرتی، اس کو واضح کرنے کے لیے ہم حافظ ابن حجر عسقلانی کی توضیح پیش کریں گے جسے آپ نے اپنی کتاب فتح الباری شرح صحیح البخاری (۵۶۹/۱) میں اس باب کے تحت ذکر فرمایا:

قولہ: باب المساجد التي على طرق المدينة ان مسجدوں کا باب جو مدینہ منورہ کے راستوں پر واقع ہیں۔ یعنی مدینہ منورہ نبوی اور مکہ کے راستوں پر جو مسجدیں ہیں، اورامام بخاری کا قول: ''اور وہ مقامات''یعنی وہ مکانات جنہیں عبادت وسجدہ گاہ بنایا جاتا۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ ابن عمران مقامات سے برکت حاصل کرتے۔ آپ کے بارے میں مشہور ہے کہ حضور کے آثار کا شدت سے اتباع فرماتے۔ اس کے معارض وہ روایت نہیں جو آپ کے والد عمر بن خطاب سے ثابت ہے کہ آپ نے ایک سفر میں لوگوں کو دیکھا کہ ایک مقام کا قصد کر رہے ہیں تو اس بارے میں آپ نے پوچھا تو لوگوں نے عرض کیا: یہاں نبی پاک ﷺ نے نماز ادا فرمائی ہے، تو آپ نے فرمایا: جسے یہاں نماز درپیش ہو وہ پڑھ لے ورنہ گزر جائے، کیوں کہ اہل کتاب صرف اس لیے ہلاک ہوئے کہ انھوں نے اپنے انبیا کے آثار کو تلاش کر کے انہیں کلیسا اور چرچ بناڈالا۔ اس لیے حضرت عمر کے اس حکم کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ نماز کے بغیر ان لوگوں کا اس طرح کی چیزوں کی زیارت کرنا مکروہ ہے، یا آپ کو یہ اندیشہ ہوا کہ حقیقت سے ناآشنا لوگوں پر یہ معاملہ مشتبہ ہو جائے گا، وہ اسے واجب سمجھ بیٹھیں گے، اور عبداللہ ابن عمر میں یہ دونوں باتیں موجود نہیں، اور عتبان کی حدیث گزر چکی کہ انھوں نے نبی پاک ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ان کے گھر میں نماز پڑھیں تاکہ اسے جائے نماز بنالیں، نبی پاک ﷺ نے عتبان کے اس عریضہ کو قبول فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ آثار صالحین سے

اکتساب برکت کے سلسلے میں یہ اثر بھی حجت ہے الخ۔ (۱)

(۵) کیا ابن تیمیہ کو معلوم نہیں کہ پانچویں خلیفہ راشد سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالی عنہ نے مدینہ منورہ کے ان مقامات میں مسجدیں تعمیر فرمائی جہاں نبی پاک ﷺ نے نماز ادا فرمائی (جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۱/۱۷۵) میں اس کو نقل فرمایا) اور عمر بن عبدالعزیز نے جس وقت مدینہ منورہ کی مسجد کو تعمیر فرمایا آپ نے لوگوں کی ایک وافر تعداد سے اس بارے میں سوال فرمایا (جس سے معلوم ہوا کہ ان حضرات کا اس امر پر اجماع سکوتی ہے) پھر خوبصورت پتھروں سے آپ نے انہیں تعمیر بھی فرمایا، عمر بن شیبہ نے ان میں سے بہتوں کو بیان فرمایا ہے لیکن اس وقت (ابن حجر متوفی ۸۵۱ھ کے زمانہ میں) ان میں سے اکثر مٹ چکے ہیں۔

جب ابن تیمیہ نے صحابی جلیل عبداللہ بن عمر کو بدعتی ٹھہرایا تو کیا پانچویں خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز کو بدعتی ٹھہرانے سے باز رہے گا؟

ابن تیمیہ کے استدلال کی بنیاد ایک دوسری حدیث بھی ہے جس کے بارے میں ہم کہتے ہیں:

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ابن تیمیہ نے دلیلوں میں الٹ پھیر کیا ہے، اور ان کی پردہ پوشی کر کے ان میں تحریف کی ہے، اس لیے کہ ابن تیمیہ نے امیر المومنین عمر بن خطاب، اور کعب احبار کے درمیان جاری شدہ کلام کو اپنی چند کتابوں میں ذکر کیا، اس نے فتاوی کبری (۳۲۷/۴) میں کہا:

(اور عمر بن خطاب نے جب شہر کو فتح فرمایا تو کعب احبار سے کہا: آپ بتائیں میں مسلمانوں کی مسجد کہاں تعمیر کروں؟ آپ نے کہا: چٹان کے پیچھے اسے تعمیر فرمائیں، آپ نے فرمایا: اے یہودیہ کے بیٹے! کسی یہودیہ سے تمہارا تعلق ہو گیا ہے؟ بلکہ میں تو اسے چٹان کے سامنے تعمیر کروں گا، کیوں کہ ہمارے لیے مسجدوں کے آگے کے حصے ہیں، اس کے بعد آپ نے

---

(۱) اور مسجد قباء کو کون بھول سکتا ہے کہ اس میں اصحاب رسول (صلی اللہ تعالی علیہ وسلم) نے آپ سے نماز پڑھنے کی استدعا کی جسے آپ نے قبول فرمالیا۔ (تفسیر النسفی زیر آیت مسجد ضرار) (مترجم)

اسی جگہ مسجد تعمیر فرمائی جسے عوام " الأقصی "کہتے ہیں)

اوراس نے مجموع الفتاوی (۱۵/۱۵۳) میں کہا:

(جب حضرت عمر بیت المقدس میں داخل ہوئے،اور مسلمانوں کے لیے مسجد بنانا چاہا تو کعب سے کہا: میں اسے کہاں تعمیر کروں؟ تو انھوں نے کہا چٹان کے پیچھے اسے تعمیر فرمائیں،عمر نے فرمایا: اے یہودیہ کے بیٹے! یہودیت سے تمہارا تعلق رہا ہے؟ میں تو اسے اس کے سامنے تعمیر کروں گا۔)

اور مجموع الفتاوی (۲۷/۱۲) میں کہا:

(اور کعب احبار سے کہا: مسلمانوں کی مسجد کہاں بنائی جائے؟ انھوں نے کہا: چٹان کے پیچھے،تو آپ نے کہا: اے یہودیہ کے بیٹے! یہودیت سے تمہارا تعلق رہا ہے، بلکہ میں اسے اس کے سامنے تعمیر کروں گا کیوں کہ ہمارے لیے مسجدوں کے آگے کے حصے ہیں۔)

اور مجموع الفتاوی (۲۷/۱۳۶) میں کہا:

''عمر بن خطاب نے جب شہر کو فتح فرمالیا تو کعب احبار سے کہا: مسلمانوں کی مسجد کہاں بنائی جائے؟ انھوں نے کہا: چٹان کے پیچھے تعمیر کرائیں، آپ نے فرمایا: اے یہودیہ کے بیٹے! یہودیت سے تمہارا تعلق رہا ہے، بلکہ میں اس کے سامنے تعمیر کروں گا کیوں کہ ہمارے لیے مسجدوں کے آگے کے حصے ہیں،اس کے بعد یہ مسجد تعمیر ہوئی''۔

اور اقتضاء الصراط (۱/۴۳۳-۴۳۴) میں کہا:

''پھر کعب احبار سے کہا: مسلمانوں کی مسجد کہاں بنائی جائے؟ تو انھوں نے کہا: چٹان کے پیچھے اسے تعمیر کریں،تو آپ نے فرمایا: اے یہودیہ کے بیٹے! یہودیت سے تمہارا تعلق رہا ہے؟ پھر عمر نے فرمایا: میں اسے آگے کے حصہ میں تعمیر کروں گا کیوں کہ ہمارے لیے مسجدوں کے آگے کے حصے ہیں،اس کے بعد آپ نے مسجد کے آگے والے حصہ میں تعمیر فرمایا''۔

اوراس کے تلمیذ ابن قیم جوزی نے بھی اس کی اتباع میں نقد المنقول (۹۷/۱) میں کہا:

''جب امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے مسجد اقصی بنانا چاہا تو لوگوں سے مشورہ طلب کیا گیا کہ چٹان کے سامنے یا اس کے پیچھے بنائیں، کعب نے آپ سے کہا: اے امیر المومنین! چٹان کے پیچھے تعمیر کریں، تو آپ نے فرمایا: اے یہودیہ کے بیٹے! کسی یہودیہ سے تمہارا تعلق رہا ہے؟ بلکہ میں اسے چٹان کے سامنے بناؤں گا تاکہ نمازی اس کی طرف رخ نہ کریں، اس کے بعد آپ نے اسے اس جگہ تعمیر فرمایا جہاں آج ہے''۔

ابن قیم نے مزید المنار المنیف (۸۸/۱-نمبر ۱۵۸) میں کہا:

''جب امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے مسجد اقصی بنانا چاہا تو لوگوں سے مشورہ طلب فرمایا کیا اسے چٹان کے سامنے یا اس کے پیچھے بنائیں؟ تو کعب نے آپ سے کہا: اے امیر المومنین! چٹان کے پیچھے اسے بنائیں تو آپ نے فرمایا: اے یہودیہ کے بیٹے! کسی یہودیہ سے تمہارا تعلق رہا ہے، بلکہ میں چٹان کے سامنے اسے بناؤں گا تاکہ نمازی اس کی طرف رخ کر کے نماز نہ پڑھیں''۔ تو آپ نے اسے اس جگہ بنایا جہاں آج ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ ایک ناگہانی مصیبت ہے، اور اگر چاہیں تو دو یا اس سے زائد مصیبتیں کہیں۔

پہلی مصیبت:

ابن تیمیہ نے پورے اصرار کے ساتھ اس واقعہ کو اس سیاق کے ساتھ پانچ مرتبہ، اور ابن قیم نے دو مرتبہ نقل کیا۔

ابن تیمیہ نے اس اثر کو جس سیاق کے ساتھ تحریف کر کے ذکر کیا کتب حدیث میں یہ اثر دوسرے سیاق سے مذکور ہے جو ابن تیمیہ کے ذکر کردہ سیاق کے بالکل خلاف ہے، کیوں کہ امام احمد نے اپنی مسند (۳۸/۱ نمبر ۲۶۱)، ضیاء مقدسی نے المختارۃ (۳۵۰/۱، ۳۵۱ نمبر ۲۴۱)، ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۲۸۵/۶۶-۲۸۶)، اور ابن قدامہ نے فضائل بیت المقدس (۸۷/۱ نمبر ۵۷) میں اس اثر کو روایت کیا، اور ابن حجر نے

الإصابۃ (۷/۲۱۲) میں ابی ابن کعب صحابی کے حالات میں اسے یعقوب بن شیبہ کی طرف منسوب کیا، اور ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ (۷/۵۸) میں کہا: اس کی اسناد جید ہے، اس اثر کا اصل مضمون یہ ہے:

" عن أبي سنان، عن عبيد بن آدم وأبي مريم، وأبي شعيب أن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه كان بالجابية فذكر فتح بيت المقدس، قال فقال أبو سلمة: فحدثني أبو سنان عن عبيد بن آدم قال سمعت عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه يقول لكعب: أين ترى أن أصلي فقال: إن أخذت عني صليت خلف الصخرة فكانت القدس كلها بين يديک، فقال عمر رضي الله تعالى عنه: ضاهيت اليهودية، لا ولكن أصلي حيث صلى رسول الله ﷺ، فتقدم إلى القبلة فصلى، ثم جاء فبسط رداءه فكنس الكناسة في رداءه وكنس الناس". (انتهى لفظ الحديث عند جميع الرواة).

ترجمہ: ''ابوسنان سے مروی ہے وہ عبید بن آدم، اور ابومریم، اور ابوشعیب سے راوی کہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ مقام جابیہ میں تھے تو بیت المقدس کی فتح کا ذکر ہوا، ابوسلمہ نے کہا: مجھ سے ابوسنان نے بیان کیا کہ عبید بن آدم نے کہا: میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ سے سنا، آپ نے کعب سے فرمایا کہ: کہاں نماز پڑھنے کی رائے ہے؟ تو کعب نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ چٹان کے پیچھے نماز پڑھی جائے تا کہ پورا بیت المقدس آپ کے سامنے ہو جائے، تو عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: تم نے یہودیت سے مشابہت اختیار کی؟ نہیں میں وہاں نماز پڑھوں گا جہاں رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا فرمائی، پھر قبلہ رو ہو کر نماز ادا کی، پھر آ کر اپنی چادر بچھائی، اور اپنی چادر میں کوڑا جھاڑا اور لوگوں نے بھی جھاڑا''۔ (تمام راویوں کے نزدیک الفاظ حدیث یہی ہیں)۔

میں کہتا ہوں:

سبحان اللہ ﷺ جب وجہ معلوم ہوگئی تو حیرت بھی جاتی رہی، ابن تیمیہ کو امام احمد، اور ضیاء مقدسی کی روایت میں امیر المومنین کا یہ کلمہ نظر نہ آیا:

" أصلي حيث صلى رسول الله ﷺ " "میں وہاں نماز پڑھوں گا جہاں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی"

اس سے اس کے کلام، اور استدلال کی ساری بنیادیں زمین بوس ہورہی ہیں اس لیے کہ سیدنا امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ وہی کررہے ہیں جو ان کے فرزند عبداللہ بن عمر نے فرمایا، جنہیں ابن تیمیہ نے بدعتی کہا اور یہ کہا کہ ان کے والد اور سارے صحابہ ان کے خلاف ہیں، اور حق صحابہ ہی کے ساتھ ہے۔ ابن تیمیہ نے اس مسئلہ کو اس طرح پیش کیا جس سے یہ محسوس ہو کہ گویا اس میں اختلاف ہے، حالاں کہ اس مسئلہ میں سرے سے کوئی اختلاف ہی نہیں، صرف ابن تیمیہ اور اس کے نیاز برداروں کے ذہن میں اختلاف ہے۔

سیدنا عمر بن خطاب نے وہاں نماز ادا فرمائی جہاں رسول اکرم ﷺ نے نماز ادا فرمائی، ابن تیمیہ نے اس مسئلہ میں اپنی کوتاہی اور نبی پاک کے ثابت شدہ آثار کے مٹانے کی کوشش کا اعتراف کرنے کے بجائے خود حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی طرف یہ جملہ منسوب کیا:

" بل أبنيه أمامها. فإن لناصدور المساجد".

ترجمہ:۔"بلکہ میں چٹان کے سامنے مسجد تعمیر کروں گا کیوں کہ ہمارے لیے مسجدوں کے آگے والے حصے ہیں"۔

ابن تیمیہ نے پانچ بار اس جملہ کی رٹ لگائی، اور اس نے جس آخری جملہ کو ذکر کیا احادیث معتمدہ صحاح وسنن ومعاجم وغیرہا کسی کتاب میں مذکور نہیں۔

میں ابن تیمیہ کے تمام نیاز برداروں سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ ابن تیمیہ نے سیدنا عمر بن خطاب کے اس کلام حقیقت بیان کی کیوں پردہ پوشی کی؟

" أصلي حيث صلى رسول الله ﷺ ". میں وہاں نماز پڑھوں گا جہاں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی"۔

فلاحول ولاقوة إلابالله العلي العظيم.

دوسری مصیبت:

ابن تیمیہ نے امیر المومنین عمر بن خطاب کی طرف یہ کلام منسوب کیا کہ آپ نے بیت المقدس کی فتح کے دن کعب سے فرمایا: "يا ابن اليهودية" (اے یہودیہ کے بیٹے!) ابن تیمیہ نے یہ جملہ کہاں سے ذکر کیا؟ ابن تیمیہ اور ابن قیم نے سات مرتبہ جس لفظ کو دہرایا حدیث کی جن کتابوں میں یہ روایت ملتی ہے ان میں سے کسی بھی کتاب میں یہ جملہ موجود نہیں، امام احمد نے اپنی مسند اور ضیاء مقدسی نے مختارہ میں اس لفظ کو روایت نہ کیا۔

عمر بن خطاب جو تمام مسلمانوں کے امیر و والی تھے ابن تیمیہ کیوں ان کی طرف غلط جملے منسوب کر رہا ہے کہ آپ نے کعب احبار کو یہودیت کے نام سے گالی دی جب کہ آپ نے کھلم کھلا اسلام قبول فرمایا؟

ہمارا چیلنج ہے کہ ابن تیمیہ کے کفش بردار، اس کا یہ اختراعی جملہ : " يا ابن اليهودية" کبھی نہ دکھا سکیں گے، اور نہ ہی یہ بتا سکیں گے کہ ابن تیمیہ اور ابن قیم نے عمر بن خطاب کے اس کلام حقیقت بیان کی کیوں پردہ پوشی کی:

" أصلي حيث صلى رسول الله ﷺ " (ترجمہ:۔"میں اسی جگہ نماز پڑھوں گا جہاں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی")

تنبیه:

ابن تیمیہ کی کتاب اقتضاء الصراط (۱/۴۳۳-۴۳۴) کی اس عبارت سے اس کا تناقض ملاحظہ فرمائیں ،اس نے یہ تصریح کی:

"مسجد اقصیٰ کی تمام زمینوں میں سے کوئی زمین کسی زمین سے افضل نہیں مگر عمر رضی اللہ تعالی

عنہ نے مسلمانوں کی عبادت کے لیے جس کی تعمیر فرمائی اسے فضیلت حاصل ہے''.الخ

کیا سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے مسلمانوں کی عبادت کے لیے جو مسجد تعمیر فرمائی وہ مسجد اقصی کی ساری زمینوں سے افضل ہے اور نبی پاک ﷺ نے جس جگہ نماز ادا فرمائی اسے کوئی فضیلت نہیں؟

﴿مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ﴾ [القلم-٦٨:٣٦]

(ترجمہ:۔ابن تیمیہ کے نیاز بردارو! تمہارا کیا فیصلہ ہے؟)

ابن تیمیہ نے ایسی دو چیزوں سے بھی استدلال کیا جن کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے۔

پہلی چیز: عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اس درخت کے کاٹنے کا حکم دیا جس کے نیچے نبی پاک ﷺ نے بیعت رضوان فرمائی اور جس کے نیچے اللہ عزوجل نے صحابہ کو اپنی رضائے خاص کی بشارت دی اس واقعہ کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے جیسا کہ عنقریب ہم اسے واضح کریں گے۔

دوسری چیز: اس نے بعض علمائے مالکیہ کے حوالہ سے یہ نقل کیا کہ علمائے مدینہ منورہ کے نزدیک قبا اور احد کے علاوہ مدینہ منورہ کے آثار و مساجد کی حاضری مکروہ ہے۔

اس نے اقتضاء الصراط (۳۸۶/۱) میں کہا:

''محمد بن وضاح وغیرہ نے روایت کیا کہ عمر بن خطاب نے اس درخت کو کاٹنے کا حکم دیا جس کے نیچے نبی ﷺ سے بیعت رضوان لی گئی اس لیے کہ لوگ اس درخت کے نیچے جاتے تھے جس کے سبب حضرت عمر کو ان پر فتنہ کا اندیشہ ہوا''۔

اور اسی صفحہ میں یہ بھی ہے:

''ان زیارت گاہوں کی حاضری میں علما کا اختلاف ہے، محمد بن وضاح نے کہا: مالک وغیرہ علمائے مدینہ منورہ قبا اور احد کے علاوہ مدینہ منورہ کے ان تمام آثار و مساجد کی حاضری کو مکروہ جانتے تھے''۔

میں کہتا ہوں:

اللہ امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالی عنہ پر رحم فرمائے، آپ پر ابن تیمیہ کا کس قدر ظلم وستم ہے، کبھی تو وہ یہ کہتا ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے آثار، جانمازوں، اور یادگاروں کو مٹانا چاہتے ہیں، جیسا کہ ابن ابوشیبہ اورعبدالرزاق کی روایت کردہ اثر میں تحریف کیا، اور کبھی یہ ظاہر کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بالمقابل اپنے بیٹے کے افعال کی موافقت نہ کی، مشرق ومغرب میں ابن تیمیہ کے سارے کفش بردار اگر مل کر جدوجہد کریں تو بھی اس بارے میں ایک جملہ انھیں نہ ملے گا، اور کبھی آپ کو ان لوگوں کی شکل میں پیش کرتا ہے جو ابوالہول اور اہرام مصر (جو دنیا کے سات عجوبوں میں شامل ہیں) کو باقی رکھتے اور رسول اللہ ﷺ کے آثار کو مٹاتے ہیں۔ اس لیے کہ آپ نے اس درخت کے کاٹنے کا حکم دیا جس کے نیچے نبی پاک ﷺ سے بیعت رضوان لی گئی، اور جس کے نیچے صحابہ کو رضائے الٰہی کی بشارت ملی، اور کبھی یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ نے کعب احبار کو گالی ودشنام دیا، اور کبھی یہ دکھاتا ہے کہ آپ نے طلاق کے مسئلہ میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کے خلاف اجتہاد کیا، اور عمر بن خطاب کی طرف ایسی بات بھی منسوب کی جسے مستشرقین ثابت نہیں کر سکتے، وہ یہ کہ عمر بن خطاب ہی نے مکتبۂ اسکندریہ جلانے کا حکم دیا (مجموع الفتاوی ۱۷؍۴۱) تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ ان کا بیٹا محبت کا ایک پہلو حاصل کرے۔

ابن تیمیہ عام طور پر محمد بن وضاح مالکی سے استدلال کرتا ہے، اور ان کے علاوہ بعض کو چھوڑ کر دوسرے علمائے مالکیہ کا نام نہیں لیتا، آخر محمد بن وضاح کون ہیں؟

میں کہتا ہوں:

محمد بن وضاح علمائے مالکیہ وعلمائے حدیث سے ہیں مگر علماے امت نے ان پر پانچ عظیم طعن فرمائے ہیں:

(۱) کثیر حدیثوں کا بہ کثرت انکار کیا۔

ابن الفرضی نے کہا: وہ اکثر یہی کہتا ہے کہ: یہ نبی ﷺ کا کلام نہیں، حالاں کہ وہ حضور اقدس ﷺ کا کلام ہوتا ہے۔

ابن الفرضی کا یہ کلمہ درج ذیل کتابوں میں ملے گا:

قیسرانی کی **تذکرة الحفاظ** (۲/۶۴۶-۶۴۷)، ذہبی کی **سیر أعلام النبلاء** (۱۳/۴۴۶)، ابن حجر کی **لسان الميزان** (۵/۴۱۶ نمبر ۱۳۷۲) اور ابن فرحون مالکی کی **الديباج المذهب** (۱/۲۴۱)

(۲) ان کو عربی زبان کا علم نہیں۔

(۳) انھیں فقہ پر دسترس نہیں۔

(۴) ان کی بہت سی خطائیں محفوظ ہیں، وہ تغلیط و تصحیف کرتے ہیں۔

درج ذیل کتابوں میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔

قیسرانی کی **تذکرة الحفاظ** (۲/۶۴۶-۶۴۷)، ذہبی کی **سیر أعلام النبلاء** (۱۳/۴۴۶)، **المغني في الضعفاء** (۲/۶۴۱ نمبر ۶۰۶۴)، ابن حجر کی **ميزان الاعتدال في نقد الرجال** (۶/۳۵۹-۳۶۰ نمبر ۸۲۹۶)، **لسان الميزان** (۵/۴۱۶ نمبر ۱۳۷۲)، **تهذيب التهذيب** (۹/۲۷)، **الديباج المذهب** (۱/۲۴۱)، ابن عبدالبر اور نووی اور **ابن التين** کی کتابوں میں ان باتوں میں سے بہت سی چیزیں موجود ہیں۔

(۵) علما سے یہ ثابت ہے کہ یہ شخص جھوٹ بولتا تھا، اور یہ کہتا تھا کہ یحیٰ بن معین نے کہا: امام شافعی ثقہ نہیں، حالاں کہ یحیٰ بن معین نے کبھی یہ نہ کہا، امام شافعی کو مجروح کرنے کے لیے خود اس نے ایسی حرکت کی تاکہ اس حرکت کی وجہ سے مالکی مذہب کے متبعین خاص کر عراق و مصر اور مکہ مکرمہ میں زیادہ سے زیادہ ظاہر ہوں، یہ بات معروف و مشہور ہے کہ بعض مالکیہ کی شدید ایذاؤں کے سبب امام شافعی نے ان کے لیے بددعا فرمائی۔

اہم بات یہ ہے کہ حافظ ابن عبدالبر نے کتاب **جامع بيان العلم** میں کہا:

''امیر عبداللہ بن امیر عبدالرحمٰن بن محمد ناصر نے کہا: ابن وضاح نے یحیٰ بن معین کی طرف جھوٹی بات منسوب کی اس لیے کہ اس نے یحیٰ بن معین کے بارے میں یہ حکایت کیا کہ اس

نے آپ سے امام شافعی کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: وہ ثقہ نہیں ہیں، عبداللہ نے کہا: میں نے ابن وضاح کی اصل دیکھی جسے اس نے مشرق میں لکھا، اس اصل میں یہ ہے: میں نے یحیی بن معین سے شافعی کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: "**دعنا لو كان الكذب حلالا لمنعته مروته أن يكذب**" یعنی چھوڑو، اگر جھوٹ حلال ہوتا تو بھی ان کی مروت وشرافت انھیں دروغ گوئی سے روکتی۔

ابن عبدالبر نے بھی کہا کہ محمد بن وضاح نے کہا: میں نے یحیی بن معین سے شافعی کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: وہ ثقہ نہیں، پھر ابن عبدالبر نے کہا: ابن وضاح ثقہ نہیں۔

امام حاکم نے ابن وضاح کے بارے میں کہا: اس نے یحیی بن معین کی طرف جھوٹی بات منسوب کی اور یہ جھوٹا دعوی کیا کہ امام شافعی مجروح ہیں آپ کی تصریح یہ ہے:

"ہم نے یحیی بن معین کے بارے میں تواریخ وحکایات تلاش کیے تو کسی روایت میں امام شافعی پر طعن نہ پایا، اور جس نے یہ کہا کہ یحیی بن معین نے شافعی پر طعن فرمایا اسے یحیی بن معین کی طرف گڑھی ہوئی بات منسوب کرنے میں کوئی پرواہ نہیں"۔

ان حقائق کی تحقیق کے لیے ان کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

حافظ ذہبی کی کتاب **الرواة الثقات** (۲۹/۱)، حافظ ابن حجر کی **لسان الميزان** (۴۱۶/۵ نمبر ۱۳۷۲)، **تهذيب التهذيب** (۲۷/۹)، سیوطی کی **طبقات الحفاظ** (۲۸۷/۱ نمبر ۶۴۶)۔ اوران کے علاوہ دوسری کتابوں میں روشن تصریحات ملیں گی۔

ان حقائق کے مطالعہ سے آپ پر یہ منکشف ہو گیا ہوگا کہ ابن تیمیہ ابن وضاح کو کیوں استدلال میں پیش کرتا ہے، اور کبار مالکیہ کو کیوں نظر انداز کرتا ہے، جب کہ ان حضرات کا پایہ اس سے کہیں زیادہ بلند وبالا ہے، بلکہ ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ النبویۃ (۴۲۷/۷) میں اسے امام بخاری، مسلم اور ابوداؤد کی صف میں شمار کیا ہے، اگر ہزاروں عوام سے بخاری ومسلم کے بارے میں پوچھا جائے تو وہ انھیں بتائے گی، مگر ابن وضاح کو جاننے والا

کوئی نظر نہ آئے گا۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ابن تیمیہ ابن وضاح کی وہی باتیں نقل کرتا ہے جو اس کی خواہش کے مطابق ہوتی ہیں، حافظ ھیثمی کے قول کے مطابق امام احمد وحاکم نے ثقہ راویوں کی سند سے روایت کیا کہ: جابر بن عتیک نے کہا: عبداللہ بن عمر بنو معاویہ کے انصار کی ایک بستی میں آئے اور پوچھا: کیا تمھیں یہ معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہاری اس مسجد میں کہاں نماز ادا فرمائی؟ میں نے کہا: ہاں، اور مسجد کے ایک گوشہ کی طرف اشارہ کیا پھر فرمایا: کیا تمھیں یہ معلوم ہے کہ آپ نے اس جگہ کون سی تین دعا فرمائی؟ میں نے کہا: ہاں، فرمایا: انھیں مجھے بتائیے، تو میں نے کہا: آپ نے یہ دعا فرمائی کہ ان لوگوں پر ان کے علاوہ کسی دشمن کو غالب نہ فرما، اور انہیں خشک سالوں کے ذریعہ ہلاک نہ فرما، اللہ نے آپ کی ان دونوں دعاؤں کو قبولیت سے مشرف فرمایا، اور آپ نے یہ دعا فرمائی کہ ان کے درمیان اختلاف وافتراق نہ فرما، تو اللہ نے اسے قبول نہ فرمایا، عبداللہ بن عمر نے فرمایا: آپ نے سچ کہا ''فلایزال الھرج إلی یوم القیامة'' قیامت کے دن تک مسلسل فتنہ رہے گا۔

زرقانی نے اپنی شرح (۲/۷۵) میں یہ اضافہ فرمایا: میرے پاس ابن وضاح کی روایت میں اتنا اور زائد ہے: کیا تمھیں معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہاری اس مسجد میں کہاں نماز ادا فرمائی تا کہ میں وہاں نماز ادا کروں اور اس مقام کی برکت حاصل کروں؟ اس لیے کہ آپ حضور کے آثار کی اتباع کے سخت حریص تھے۔ الخ

یہ امر واضح رہے کہ کسی عالم، یا نبی پاک ﷺ کی امت کے کسی فرد پر جرح وطعن کرنا میرا مطمح نظر نہیں، بلکہ ہمارا مقصود صرف (اصلی) حقائق کو واشگاف کرنا اور حقائق کے چہرہ سے پردہ اٹھانا ہے، نہ کہ کسی امر کو کمزور دکھانا یا اس کی تحریف کرنا خاص کر بنیادی مسائل کو۔

ہم کہتے ہیں:

رہ گیا حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے درخت کاٹنے کا واقعہ تو درحقیقت آپ نے ایسا نہ کیا، ابن تیمیہ نے اپنی کتاب میں اس واقعہ کا کوئی ماخذ نہ پیش کیا، اس کے نیاز برداروں پر لازم ہے کہ اس کی کتابوں سے اس واقعہ کی سند پیش کریں، ابن تیمیہ نے اس واقعہ کی کوئی سند کیوں نہ پیش کی اس کی دو وجہیں ہیں:

(۱) احادیث کی کتب مشہورہ میں یہ روایت موجود نہیں، البتہ طبقات ابن سعد میں مروی ہے، مگر وہ روایت ضعیف ہے، اس لیے کہ ابن عمر کے آزادکردہ نافع، اور عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان انقطاع ہے، نافع نے عمر بن خطاب کو دیکھا اور نہ ہی آپ سے کچھ سنا۔

(۲) یہ واقعہ بخاری و مسلم کی اس روایت کے خلاف ہے کہ صحابہ پر اس درخت کا مقام پوشیدہ ہوگیا اور عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے ایک طویل زمانہ کے بعد تابعین اس درخت کی تلاش فرمارہے تھے، بخاری نے اپنی صحیح (۱۵۲۸/۴) میں اور مسلم (۱۴۸۵/۳) نے تخریج کیا کہ طارق بن عبداللہ نے فرمایا: میں حج کو گیا تو راستے میں کچھ لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھا، میں نے کہا: یہ کیا مسجد ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ وہ درخت ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے بیعت رضواں فرمائی، تو میں سعید بن مسیّب کے پاس آیا اور آپ کو خبر دی تو سعید نے فرمایا: میرے والد نے مجھ سے بیان کیا کہ درخت کے نیچے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنے والوں میں میں خود بھی تھا، مگر جب آئندہ سال ہم لوگ نکلے تو وہ درخت ہمیں بھلا دیا گیا ہم اسے نہ جان سکے، سعید بن مسیّب نے فرمایا: بے شک محمد ﷺ کے اصحاب کو اس درخت کا علم نہیں، اور تم لوگوں کو اس کا علم ہے، تم لوگ زیادہ علم والے ہو۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: بے شک میں نے درخت دیکھا پھر اس کے بعد میں اس کے پاس آیا تو اسے نہ جان سکا، یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم پر اس درخت کی جگہ پوشیدہ و مخفی ہوگئی، اور عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے طویل زمانہ کے بعد صحابہ و تابعین وہ درخت تلاش فرمارہے تھے، جس پر کسی نے نکیر نہ فرمائی، اور سید التابعین سعید بن مسیّب نے سائل کے سوال پر انکار نہ فرمایا، نہ ہی یہ فرمایا کہ یہ بدعت ہے، البتہ اس سوال کو اس طرح برقرار رکھا کہ اس درخت کی تلاش جائز و مشروع ہے اور آپ نے یہ بھی بتایا کہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم پر اس درخت کا مقام مخفی و پوشیدہ رہا۔

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ کا استدلال اس سے بالکل ساقط ہو جاتا ہے، اور خود اس کے خلاف پلٹ جاتا ہے، اور یہ حقیقت بھی روشن ہو جاتی ہے کہ اس نے امت کی تاریخ کا صحیح رخ پیش نہ کیا، ابن تیمیہ کے کتنے پیروکار، اور اس کی تحریریں پڑھنے والے زندہ ہیں، اور کتنے دنیا سے رخصت ہو گئے، انھوں نے دانستہ یا نادانستہ ابن تیمیہ کے غلط خطوط راہ کی اتباع کی اور بخاری و مسلم کی ان حدیثوں کو یکسر بالائے طاق رکھ دیا جن سے صاف صاف ظاہر ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے درخت نہ کاٹا۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما نبی پاک ﷺ کے آثار تلاش فرماتے، جس کی دلیل یہ چند حدیثیں ہیں:

(۱) ایک صحیح روایت یہ ہے: (ابن تیمیہ نے طعن و تشنیع کے لیے اس صحیح روایت کی جگہ موضوع حدیث وضع کی اور صحیح حدیث کو چھوڑ دیا) امام نسائی نے عمدہ سند سے (جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فرمایا) تخریج کی کہ انس ابن مالک نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے پاس ایک چوپایہ لایا گیا جو گدھے سے بڑا اور خچر سے پست تھا، اس کا منتہائے قدم اس کی حد نگاہ تھا، میں اس پر سوار ہوا، اور میرے ساتھ جبریل علیہ السلام بھی تھے، پھر میں چلا تو جبریل نے کہا: اتر کر نماز پڑھئے تو میں نے نماز ادا کی، پھر جبریل نے کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ کہاں نماز ادا کی؟ آپ نے خاک طیبہ میں نماز پڑھی جو دار الھجرت ہے، پھر کہا: اتر کر نماز پڑھئے، میں نے نماز ادا کی، پھر کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ کہاں نماز ادا کی؟ آپ نے طور سینا میں نماز پڑھی جہاں اللہ عزوجل نے موسی علیہ السلام سے کلام فرمایا: پھر کہا: اتر کر نماز ادا فرمائیں تو میں سواری سے اترا اور نماز پڑھی پھر کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہاں نماز پڑھی؟ آپ نے بیت اللحم میں نماز پڑھی جہاں عیسی علیہ السلام پیدا ہوئے۔[۱]

(۱) حدیث ''انزل فصل'' (اتر کر نماز پڑھیں) نسائی نے مجتبیٰ (۱/۲۲۱،۲۲۲)، طبرانی نے مسند الشامیین (۱/۱۹۴)، اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۶۵/۲۸۱) میں تخریج کی، حافظ ابن حجر نے الاِصابۃ (۴/۶۴۷) میں کہا: ''نسائی نے مرفوعا انس کی حدیث ایسی سند سے تخریج کی جس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور بیہقی کے پاس شداد بن اوس کی حدیث اس کا ایک شاہد بھی ہے، ابن کثیر نے اپنی تفسیر (۳/۱۵) میں اس کو منکر کہنے کے بعد اس کی اسناد کو حسن کہا، اور ابن کثیر نے البدایۃ

یہ حدیث صحیح اس بات کی روشن دلیل ہے کہ مقامات مقدسہ پر نماز پڑھنا اور انبیا کے آثار کو تلاش کرنا جائز ہے۔

ابن تیمیہ کا بس ایک ہی فلسفہ ہے حدیث کا انکار کرنا، اسے تو یہ کہنا چاہئے کہ جب حدیث صحیح مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے، مگر یہ کہنے کے بجائے اقتضاء الصراط (۴۳۹/۱) میں یہ کہا:

''اس سے زیادہ تعجب خیز یہ ہے کہ آپ کے بارے میں مروی ہے کہ مدینہ منورہ میں آپ سے یہ کہا گیا: آپ اتر کر یہاں نماز ادا فرمائیں، یہ واقعہ آپ کی مسجد کی تعمیر سے پہلے کا ہے، اس جگہ صرف مشرکین کی قبر تھی اور ہجرت کے بعد نبی ﷺ صرف وہاں اس لیے اترے کہ آپ کی اونٹنی وہاں بیٹھ گئی، اس طرح کی دیگر باتیں اختراع کردہ اور جھوٹ ہیں جس پر تمام اہل

والنہایۃ (۶۶/۲) میں اپنے آخری قول میں یہ کہا: نسائی نے انس سے مرفوعا اسے ایسی سند سے روایت کیا جس میں کوئی حرج نہیں، اور بیہقی نے ایک سند سے روایت کیا اور اس کو صحیح کہا۔

ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ (۷۵/۲) میں یہ بھی کہا: یہ گزر چکا کہ آپ بیت اللحم میں بیت المقدس سے قریب پیدا ہوئے، اور وہب بن منبہ نے یہ زعم کیا کہ آپ مصر میں پیدا ہوئے، اور مریم اور یوسف بن یعقوب نجار نے ایک ساتھ سفر کیا آپ ایک دراز گوش پر سوار تھیں ان دونوں کے درمیان اور پالان کی لکڑی کے درمیان کچھ نہ تھا[1] اور یہ صحیح نہیں، اور گزشتہ حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کی ولادت بیت اللحم میں ہوئی جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اور اس کے معارض حدیث باطل ہے، رہی شداد بن اوس کی حدیث تو بیہقی نے اسے صحیح کہا جیسا کہ ابن کثیر نے ذکر کیا کہ ہیثمی نے مجمع الزوائد (۴۷/۱، ۳/۱) میں کہا: بزار نے ۹/۴ (۴۰۹/۸، ۴۱۰) میں اسے روایت کیا، اور طبرانی نے کبیر (۲۸۳/۷) میں، اور اس میں ایک راوی اسحاق بن ابراہیم بن علاء ہیں جنہیں یحیی بن معین نے ثقہ کہا، اور نسائی نے اسے ضعیف کہا۔ میں کہتا ہوں: ابن حبان (۱۱۳/۸) نے بھی انھیں ثقہ کہا، اور ابو حاتم نے کہا: وہ ایسے شخص ہیں جن میں کوئی حرج نہیں (الجرح والتعدیل ۲۰۹/۲) حافظ نے التقریب (۹۹/۱) میں کہا: وہ زیادہ راست گو ہیں انھیں اکثر وہم ہوتا ہے۔

(۱) وہب بن منبہ کا قول بہت حد تک نصرانیوں سے مشابہ ہے (جیسا کہ اناجیل اربعہ کے مطالعہ سے ظاہر ہے) جو یوسف بن یعقوب نجار کو زوج مریم کہتے ہیں، اور یہ قرآن و حدیث اور اجماع امت کے سخت خلاف ہے، میرے نزدیک یہ اسرائیلی روایت ہے۔ (مترجم)

معرفت کا اتفاق ہے، بیت لحم نصرانیوں کا کلیسا ہے، مسلمانوں کے نزدیک وہاں آنے میں کوئی فضیلت نہیں چاہے وہ عیسی کی جائے ولادت ہو یا نہ ہو"۔

میں کہتا ہوں:

ابن تیمیہ کا یہ قول جس سے وہ اظہار تعجب کر رہا ہے: "اس سے زیادہ تعجب خیز یہ ہے کہ آپ کے بارے میں یہ مروی ہے کہ مدینہ منورہ میں آپ سے یہ کہا گیا کہ یہاں اتر کر نماز ادا فرمائیں، یہ واقعہ آپ کی مسجد کی تعمیر سے پہلے کا ہے اس جگہ تو صرف مشرکین کی قبر تھی، اور ہجرت کے بعد نبی ﷺ وہاں صرف اس لیے اترے کہ آپ کی اونٹنی وہاں بیٹھ گئی"، یہ خود ہی تعجب خیز ہے، کیا کوئی عاقل یہ گمان کرے گا کہ سارا مدینہ منورہ مشرکین کا مقبرہ تھا؟ آخر اوس وخزرج وغیرہ کہاں گزر بسر کر رہے تھے؟ کیا اس کا کوئی ثبوت ہے کہ مسجد کی پوری مساحت میں ازابتدا تا انتہا صرف مشرکین ہی کی قبریں ہیں؟، کیا اللہ اس پر قادر نہیں کہ آپ کے لیے پاک جگہ منتخب فرمائے، یا آپ کے لیے وہ جگہ پاک فرمادے جہاں آپ نماز ادا فرمائیں۔ اللہ کی ذات وہ ہے جس نے درختوں کو یہ قوت بخشی کہ اپنی جگہ چھوڑ کر زمین کا سینہ چیرتے ہوئے آپ کی بارگاہ میں آپ کے قضائے حاجت تک آپ پر سایہ فگن رہیں، پھر دوبارہ اپنی جگہ واپس جائیں، تو کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ آپ کے لیے ناپاک جگہ پاک فرمادے۔

میں کہتا ہوں: ابن تیمیہ نے یہ کہا: "اس طرح کی باتیں اختراعی اور جھوٹ ہیں جس پر تمام اہل معرفت کا اتفاق ہے"، اگلی صدیوں کے تمام ائمہ ابوحنیفہ، مالک، شافعی، احمد اور ان کے عظیم اصحاب کی کتابوں میں ہم نے تلاش کیا تاکہ دیکھیں کہ کس نے یہ کہا، اور یہ اہل معرفت کون لوگ ہیں جن کا اس پر اتفاق ہے کہ جبریل نے نبی پاک ﷺ سے یہ نہ کہا: "اتر کر نماز ادا فرمائیں، تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا: میں نے کیا" پھر جبریل نے کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ کہاں نماز ادا فرمائی؟ آپ نے طیبہ میں نماز ادا فرمائی، یہ دار الہجرت ہے، پھر کہا: اتر کر نماز ادا فرمائیں، "تو میں نے نماز ادا کی" تو جبریل نے کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ کہاں نماز ادا فرمائی؟ آپ نے طور سینا میں نماز ادا فرمائی جہاں اللہ عزوجل نے موسی علیہ السلام سے کلام فرمایا، پھر جبریل نے کہا: اتر کر نماز ادا فرمائیں "تو میں نے اتر کر نماز ادا کی" پھر جبریل نے کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہاں نماز ادا فرمائی؟ آپ نے بیت

لحم میں نماز ادا فرمائی جہاں عیسی علیہ السلام پیدا ہوئے''۔ یہ ابن تیمیہ کی سراسر تدلیس ہے، اس کے تمام کفش برداروں کو ہمارا چیلنج ہے کہ ابن تیمیہ سے پہلے تمام اہل معرفت یا ان میں سے کسی تین کا اس پر اتفاق پیش کریں۔

جب ابن تیمیہ کا مقصود یہ ہے کہ جبریل نے نبی پاک ﷺ سے کہا: یہ آپ کے باپ ابراہیم کی قبر ہے آپ یہاں اتر کر نماز ادا فرمائیں۔اور وہ اس جزئیہ کو اس پر عام کر رہا ہے کہ آپ نے درخت کے پاس نماز ادا کی جہاں اللہ نے موسی سے کلام فرمایا، اور وہاں بھی نماز ادا فرمائی جہاں عیسی علیہ السلام پیدا ہوئے، ہم کہیں گے: یہ ایک دوسری مصیبت ہے کیوں کہ ایک روایت میں یہ ہے: یہ آپ کے باپ ابراہیم کی قبر ہے یہاں اتر کر نماز ادا فرمائیں۔اس روایت کا راوی بکر بن زیاد باہلی دجال ہے، جو جھوٹی حدیثیں بیان کرتا تھا۔حافظ ابن حجر عسقلانی نے میزان الاعتدال (۲/۵۰) میں کہا: بکر بن زیاد باہلی کے متعلق عبداللہ ابن مبارک سے مروی ہے کہ ابن حبان نے کہا: یہ دجال ہے حدیث وضع کرتا تھا، پھر آپ نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مرفوعا اپنی سند ذکر کر کے کہا: ''جبرئیل بیت لحم کے پاس سے گزرے تو کہا: یہاں اتر کر دو رکعت نماز ادا فرمائیں کیوں کہ یہاں آپ کے بھائی عیسی کی ولادت ہوئی، پھر مجھے ابراہیم کی قبر کے پاس لائے تو کہا: یہاں نماز ادا فرمائیں، پھر مجھے چٹان کے پاس لائے تو کہا: آپ کے رب نے اسی جگہ سے آپ کو آسمان کی معراج کرائی۔(الحدیث)

یہ ایسی چیز ہے جس کے موضوع ہونے کے بارے میں عامہ اصحاب حدیث کو کوئی شک نہیں، تو پھر اس معاملہ پر کیسے اتفاق ہوسکتا ہے۔میں کہتا ہوں: ابن حبان نے سچ کہا''۔انتھــی اس حدیث کا موضوع حصہ یہ قول ہے:'' **ثـم أتـي بـي الصخرة**'' (پھر مجھے چٹان کے پاس لائے) رہ گئے حدیث کے باقی اجزا تو دوسرے طرق میں وارد ہیں جن میں یہ ہے کہ بیت لحم میں نماز ادا کی، شداد بن اوس نے یہ حدیث روایت کی، اور حافظ ابن حجر نے بھی الاصابۃ (۴/۶۴۷) میں کہا: نسائی نے انس سے مرفوعا اسے ایسی سند سے تخریج کیا جس میں کوئی حرج نہیں، اور بیہقی کے پاس شداد بن اوس کی حدیث اس کا شاہد بھی موجود ہے۔الخ

گزشتہ سطور سے یہ حقیقت منکشف ہوگئی کہ یہ روایت: ''جبریل نے نبی پاک ﷺ سے فرمایا: اتر کر نماز ادا فرمائیں'' تو میں نے نماز ادا کی'' پھر یہ کہا: کیا آپ کو معلوم ہے آپ نے کہاں نماز ادا کی؟ آپ نے

طور سینا میں نماز ادا کی جہاں اللہ عزوجل نے موسی علیہ السلام سے کلام فرمایا، پھر کہا: اتر کر نماز ادا کریں ''تو میں نے اتر کر نماز ادا کی'' پھر اس کے بعد کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہاں نماز ادا کی؟ آپ نے بیت لحم میں نماز ادا فرمائی جہاں عیسی علیہ السلام پیدا ہوئے، صحیح ہے، اور باہلی کذاب کے طریق سے مروی نہیں۔ تو پھر ابن تیمیہ تدلیس وتلبیس پر کیوں آمادہ ہے؟

(۹۲) نبی پاک ﷺ نے بیت اللحم کے پاس نماز ادا فرمائی جو عیسی علیہ السلام کی جائے ولادت ہے، اور ابن تیمیہ کہتا ہے کہ بیت اللحم کی زیارت کرنے اور وہاں نماز پڑھنے والا گمراہ اور اسلامی شریعت سے خارج ہے۔

گزشتہ اوراق کے مطالعہ سے ابن تیمیہ کی بیہودہ گوئی آپ پر منکشف تام ہوگئی ہوگی، اس لیے کہ اس نے مجموع الفتاوی (۲۷/۱۴) میں مزید کہا:

> ''کفار کی عبادت گاہوں مثلاً قمامہ، بیت اللحم ،صہیون یا اس کے علاوہ نصرانیوں کے کلیساوں کی زیارت کرنا ممنوع ہے۔ جو شخص ان مقامات مذکورہ میں سے کسی مقام کی زیارت کرے، اور یہ اعتقاد رکھے کہ ان مقامات کی زیارت کرنا مستحب ہے اور وہاں عبادت کرنا گھر میں عبادت کرنے سے بہتر ہے، ایسا شخص گمراہ اور اسلامی شریعت سے خارج ہے اس سے توبہ طلب کی جائے، اگر توبہ کرے تو ٹھیک ہے ورنہ اسے قتل کر دیا جائے''۔

میں کہتا ہوں:

گزشتہ سطور میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے، تو کیا ابن تیمیہ رسول اکرم ﷺ پر اعتراض یا تعریض کر رہا ہے؟ اس کے زمانہ کے اکثر علمانے اس سے توبہ کا مطالبہ کیا تو اس نے دستی تحریر لکھ کر دی کہ میں نے توبہ کر لیا ہے، پھر اس نے اپنی ان تمام باتوں سے رجوع کر لیا، اور اس کے اصحاب واحباب نے یہ کہا کہ: ابن تیمیہ نے صرف از راہ تقیہ ایسا کیا۔

اے نادان نوجوان! عبرت حاصل کر کہیں تو بھی ابن تیمیہ اور اس کے اصحاب کی طرح گمراہ و برباد نہ ہو جائے، عالم کی شان تو یہ ہے کہ وہ اس قسم کے گستاخانہ الفاظ وکلمات سے سخت اجتناب کرے۔ اگر ابن تیمیہ کے نزدیک کوئی حدیث ضعیف ہے تو وہ دوسری سند سے بھی مروی ہے جیسا کہ آپ نے خود ملاحظہ فرمایا، تو پھر ابن تیمیہ

کی بیہودہ گوئی اور اس کا جوش غضب کیوں؟

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب اقتضاء الصراط (۳۸۵/۱) میں سیدنا امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالی سے یہ نقل کیا کہ نبی پاک ﷺ جن مقامات پر تشریف لے گئے وہاں کا قصد کرنا جائز ہے:

''خواتیمی نے کہا: ہم نے ابوعبداللہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالی سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو ان زیارت گاہوں کے پاس آتا جاتا ہے، تو آپ نے فرمایا: ابن ام مکتوم کی حدیث اور عبداللہ بن عمر کے افعال کے مطابق کوئی حرج نہیں، حدیث پاک میں ہے کہ عبداللہ بن ام مکتوم نے نبی پاک ﷺ سے عرض کیا کہ حضور اقدس ان کے گھر تشریف لاکر گھر کے ایک گوشہ میں نماز ادا فرمادیں تاکہ وہ اسے اپنے لیے جانماز بنالیں، اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کے افعال سے یہ ثابت ہے کہ آپ رسول اکرم ﷺ کے خاص مقامات و آثار کو تلاش فرماتے، ان سب سے صاف ظاہر ہے کہ ان زیارت گاہوں کی زیارت و حاضری میں کوئی حرج نہیں ہاں اس میں بہت زیادہ افراط وغلو سے اجتناب کرے۔ اور اسی طرح احمد بن قاسم نے آپ سے نقل کیا کہ مدینہ منورہ وغیرہ میں ان زیارت گاہوں کے پاس آنے جانے کے متعلق آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ: صحابی رسول ابن ام مکتوم نے نبی پاک ﷺ سے یہ خواہش ظاہر فرمائی کہ حضور اقدس ان کے گھر قدم رنجہ فرما کر گھر کے ایک گوشہ میں نماز ادا فرمادیں تاکہ اسے اپنے لیے جانماز بنالیں، اسی طرح سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما ان مقامات مقدسہ پر تشریف لے جاتے جہاں نبی پاک ﷺ تشریف لے گئے، یہاں تک کہ سیدنا عبداللہ ابن عمر کو ایک مقام پر (بغیر کسی سبب ظاہر کے پانی) انڈیلتے دیکھا گیا، اس بارے میں آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا: نبی پاک ﷺ یہاں پانی انڈیل رہے تھے۔ آپ (امام احمد) نے فرمایا: ان احادیث و آثار سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں، اس بارے میں رخصت کا حکم وارد ہے۔ مزید آپ نے فرمایا: مگر اس سلسلے

میں کچھ لوگ بہت زیادہ افراط وغلو کرتے ہیں، پھر آپ نے سید الشہداء سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے روضۂ مبارک اور وہاں پر لوگوں کے اعمال وافعال کا ذکر فرمایا، خلال نے کتاب الأدب میں ان دونوں کو ذکر فرمایا"۔الخ

میں کہتا ہوں:

بغور ملاحظہ فرمائیں! آپ کے سامنے یہ کیسا روشن کلام ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے، اس میں کوئی حرج(۱) نہیں، ہاں! اس میں افراط وغلو سے احتراز لازم ہے جیسا کہ کربلا میں سیدنا امام حسین کے روضۂ مبارک کے پاس

(۱) **أقول وباللّٰہ التوفیق:** سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ملک الموت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس قبض روح کے لیے تشریف لے گئے تو آپ نے ملک الموت کو ایسا سخت طمانچہ مارا کہ ان کی آنکھ جاتی رہی، آپ رب عزوجل کی بارگاہ میں تشریف لائے اور عرض کیا: خداوندا تو نے مجھے ایسے بندے کے پاس بھیجا جو مرنا ہی نہیں چاہتے، اللہ عزوجل نے ملک الموت کی آنکھ درست فرمادی اور ارشاد فرمایا: جا کر موسیٰ (علیہ السلام) سے کہو کہ اپنا ہاتھ اس بیل کی پشت پر رکھیں، ان کے ہاتھ میں جتنے بال آئیں گے ہر ایک بال کے عوض ایک سال عمر مزید عطا کی جائے گی، ملک الموت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پھر تشریف لائے تو آپ نے فرمایا: پھر اس کے بعد کیا ہوگا؟ فرمایا: موت، تب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تو پھر ابھی آجائے، اور اللہ عزوجل کی بارگاہ میں عرض کیا کہ مجھے بیت المقدس سے ایک پتھر پھینکنے کے برابر قریب فرمادے، راوی حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: **فلو کنت ثم لأریتکم قبره إلی جانب الطور عندالکثیب الأحمر** "اگر میں وہاں ہوتا تو تمہیں ضرور ان کا مزار دکھاتا جو طور کے پاس سرخ تودۂ ریگ کے قریب ہے۔" اس حدیث کو بخاری (۱/۴۴۹، ۴/۱۲۷)، مسلم (۴/۱۸۴۲، ۲۳۸۲) اور نسائی (۴/۱۱۸، ۲۰۸۹) نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محبوبہ محبوب رب العالمین ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نبی اکرم ﷺ کے پہلوئے اقدس میں دفن ہونے کی اجازت مانگی، جب آپ نے اجازت دے دی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: **ماکالشيء أهم إلي من ذلک المضجع** "مجھے کوئی چیز اس خواب گاہ سے زیادہ محبوب نہیں۔"

ابن تیمیہ اور اس کے نیاز بردار ہوش میں آئیں اور مجھے بتائیں کہ اللہ کے نبی حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلاۃ والسلام نے کیوں بیت المقدس کے قریب دفن ہونے کی دعا کی؟ اور حضور اقدس سید عالم ﷺ نے کیوں یہ فرمایا کہ: اگر میں وہاں

ہورہا ہے۔ آپ کو بخوبی معلوم ہے کہ شیعہ وہاں کیا کرتے ہیں وہ خود کو زنجیروں سے وہاں باندھتے ہیں، اپنے اوپر تلواریں چلاتے ہیں اوراس کے علاوہ بہت سے افعال کرتے ہیں جنہیں ہر شخص جانتا ہے، تو پھر ابن تیمیہ سیدنا امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالی کے اس روشن کلام سے کیوں عبرت حاصل نہیں کرتا۔

ہوتا تو ضرور تمہیں آپ کا مزار دکھاتا؟ اور امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ سے پہلوئے محبوب میں دفن ہونے کی اجازت مانگی اور اجازت حاصل ہونے پر کیوں یہ فرمایا کہ اس خواب گاہ سے زیادہ کوئی چیز مجھے محبوب نہیں؟ کیا یہ ساری چیزیں شرک وبدعت اور ناجائز وحرام ہیں، اور یہ حضرات مبتدع، مشرک اور ناجائز وحرام کے مرتکب ہیں؟! دیدۂ انصاف سے ان حقائق کا مطالعہ کریں، یہ حقائق اس بات کی روشن دلیل ہیں کہ جن مقامات کو انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی نسبت حاصل ہے وہ برکت وفیض کا سرچشمہ ہیں، ان کی زیارت وقصد جائز ومشروع ہے، جو لوگ عمل بالحدیث کا دعوی کرتے ہیں اور دوسروں پر ترک حدیث کا الزام عائد کرتے ہیں وہ اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں اور انصاف کریں کہ وہ عمل بالحدیث کے دعوی اور دوسروں پر ترک حدیث کے الزام میں سچے ہیں؟ اوران کا نام نہاد پیشوا انھیں کس چاہ عمیق میں لے جارہا ہے ذرا اس پر بھی غور کریں۔

إذا كان الغراب دليل قوم

سيهديهم طريق الهالكين.

(مترجم)

(۹۳) نبی پاک ﷺ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو یہ تعلیم فرمایا کہ انبیاے کرام کے آثار کا قصد کریں

(۲) نبی پاک ﷺ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو یہ تعلیم فرمایا کہ انبیائے کرام کے آثار تلاش کریں:
محمد بن عمران انصاری نے فرمایا کہ میرے والد عمران نے فرمایا: عبداللہ بن عمر میرے پاس آئے میں مکہ کے راستہ میں ایک بڑے درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا، آپ نے فرمایا: اس درخت کے نیچے اترنے کا سبب کیا ہے؟ میں نے کہا: سائے کے لیے، آپ نے فرمایا: خیر یہ تو ہے ہی، میں نے کہا: پھر اس کے علاوہ کیا چیز ہے؟ عبداللہ بن عمر نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''إذا كنت بين الأخشبين من منى'' یعنی جب تم منی کی ان وادیوں کے درمیان ہو، اور اپنے ہاتھ سے مشرق کی طرف اشارہ کیا، یہاں ایک وادی ہے جسے سرر کہا جاتا ہے، وہاں ایک درخت ہے جس کے نیچے ستر انبیائے کرام کی ولادت کے وقت ان کے ناف کاٹے گئے یا اس کے نیچے ان میں سے ہر ایک کو یکے بعد دیگرے نبوت ملی جس سے وہ خوش ہوئے۔(۱)

---

(۱) امام مالک نے موطا میں اسے روایت کیا (۴۲۳/۱) - اور یہ معلوم ہے کہ موطا کے تمام آثار واخبار صحیح ہیں، اور امام احمد نے اپنی مسند (۱۳۸/۲)، حافظ نسائی نے (مجتبیٰ) (۲۴۸/۵)، ابن حبان نے اپنی صحیح (۱۳۷/۱۴)، بیہقی نے سنن کبری (۱۳۹/۵ اور ۴۱۷/۲)، اور امام بخاری نے صحیح بخاری (۱۸۳/۱، ۱۸۴) میں باب المساجد التي على طرق المدينة والمواضع التي صلى فيها النبي ﷺ (ان مسجدوں کا باب جو مدینہ منورہ کے راستوں پر واقع ہیں اور جن مقامات پر نبی پاک ﷺ نے نماز ادا فرمائی) میں نافع سے ایک طویل حدیث روایت کی، کہ عبداللہ بن عمر نے ان سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ راستہ کے بائیں طرف کچھ بڑے درختوں کے پاس پانی کے ایک نالہ کے پاس اترے۔
عبداللہ ابن عمر ایک بڑے درخت کے قریب نماز پڑھتے جو راستہ کے بڑے درختوں میں سب سے زیادہ قریب اور لمبا تھا۔
حافظ نے فتح الباری (۵۷۱/۱) میں فرمایا: ترمذی میں عمرو بن عوف کی حدیث ہے کہ نبی پاک ﷺ نے وادی روحاء میں نماز

یہ ایک نص قطعی ہے جس میں اس بات کی روشن ترغیب ہے کہ جب ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما ان دونوں وادیوں کے درمیان ہوتے تو وہاں انبیائے کرام کے مبارک آثار کی زیارت کرتے۔

علامہ سیوطی نے **تنویر الحوالک** (۲۹۳/۱) میں کہا: ستر انبیائے کرام کی پیدائش کے وقت اس درخت کے نیچے ان کے ناف کاٹے گئے، اور ایک قول یہ ہے کہ: اس روایت میں "سُرّ" کا لفظ سرور سے ماخوذ ہے جس کا معنی یہ ہے کہ ان ستر انبیائے کرام کو اس درخت کے نیچے یکے بعد دیگرے نبوت عطا کی گئی جس سے انہیں فرح و سرور حاصل ہوا۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۵۷۱/۱) میں کہا: ترمذی میں عمرو بن عوف کی یہ حدیث ہے کہ نبی پاک ﷺ نے وادی روحاء میں نماز ادا فرمائی، اور فرمایا: "**لقد صلى في هذا المسجد سبعون نبيا**" "اس مسجد میں ستر انبیائے کرام نے نماز ادا فرمائی"، تیسرے یہ کہ ابن عمر کے اس عمل سے یہ معلوم ہوا کہ نبی پاک ﷺ کے آثار تلاش کرنا، اور ان سے اکتساب برکت کرنا مستحب ہے، اور شافعیہ میں سے امام بغوی شافعی نے فرمایا کہ: جن مسجدوں کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے وہاں نماز ادا فرمائی، اگر کسی نے وہاں نماز ادا کرنے کی نذر مانی تو ایفائے نذر متعین ہے جیسا کہ تینوں مسجدیں (مسجد حرام، مسجد نبوی، اور مسجد اقصیٰ) متعین ہیں۔

(۳) نبی پاک ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو یہ تعلیم فرمایا کہ صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے کنویں پر آکر اس کنویں کا پانی نوش جاں کریں۔

(۴) امام بخاری نے بخاری (۱۸۹/۱) میں تخریج کیا کہ یزید بن ابو عبید نے فرمایا: میں سلمہ بن اکوع کے ساتھ آتا تو وہ مصحف سے متصل ستون کے قریب نماز ادا کرتے، میں نے کہا: اے ابو مسلم! میں آپ کو اس

ادا کی اور فرمایا: "اس مسجد میں ستر انبیائے کرام نے نماز ادا فرمائی"، تیسرے یہ کہ ابن عمر کے عمل سے معلوم ہوا کہ نبی پاک ﷺ کے آثار تلاش کرنا اور ان سے برکت حاصل کرنا مستحب ہے۔ اور شافعیہ میں سے بغوی نے کہا کہ: جن مسجدوں کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے وہاں نماز ادا فرمائی ہے، اگر کسی نے وہاں کوئی نماز پڑھنے کی نذر مانی تو وہاں نماز پڑھنا ایسا ہی متعین ہے جیسا کہ تینوں مسجدیں متعین ہیں۔

ستون کے پاس نماز ادا کرتے دیکھتا ہوں، آپ نے فرمایا: میں نے نبی پاک ﷺ کو وہاں نماز ادا کرتے دیکھا اس لیے میں بھی وہیں نماز ادا کرتا ہوں۔

اس حدیث کے متعلق ابن تیمیہ کا خیال یہ ہے کہ صحابی جلیل سلمہ بن اکوع اس مقام کی فضیلت کے سبب وہاں نماز ادا فرماتے، اس لیے نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وہاں نماز ادا فرمائی۔ مسلمانو! تمہارے لیے بس اتنا کافی ہے کہ ابن تیمیہ سے پہلے تمام شارحین حدیث نے یہ فرمایا کہ: یہ حدیث پاک انبیائے کرام کے آثار مقدسہ متبرک مقامات اور ان کی جانمازوں سے اکتساب برکت کی روشن دلیل ہے۔ اگر معاندین کے پاس اس کے خلاف کوئی دلیل ہے تو پیش کریں؟ ہم بطور اختصار امت کے مشہور علمائے کرام کے بعض اقوال ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

(۹۴) انبیائے کرام صلوات اللہ تعالی علیہم اجمعین کے آثار مقدس اوران کی نمازوں کے مقامات کا قصد وارادہ اور علماے امت کے اقوال

ابن حزم (۱) نے المحلی (۴/۴۴۱) میں کہا:

''وہ تمام عبادت گاہیں ڈھادی جائیں جنھیں اس لیے بنایا گیا کہ وہاں لوگ تن تنہا رہیں، مثلا راہبوں کے چرچ، اسی طرح وہ مقامات جہاں جہلافضیلت حاصل کرنے کے لیے جائیں اور وہاں انبیاعلیہم الصلاۃ والسلام میں سے کسی نبی کے آثار نہ ہوں''۔

اوراسی کتاب مذکور (۸/۱۸) میں یہ بھی کہا:

''کسی نے مدینہ منورہ پیادہ یا سوار ہوکر جانے، یاوہاں قیام کرنے کی نذر مانی تو اس پر ایفائے نذر لازم

(۱) مجدداعظم سیدنااعلیٰ حضرت امام احمد رضاقدس سرہ نے فرمایا: ابن حزم، فاقد الجزم، ظاہری المذہب، ردی المشرب غیر مقلد خبیث اللسان، لامذہب ہے اس نے سیدنا ابوطفیل صحابی رضی اللہ تعالی عنہ کو مقدوح ومجروح بتایا جیسا کہ فرماتے ہیں: ''ہاں! یہ دفتر توثیق اپنے پیشوا ابن حزم غیر مقلد، لامذہب کو سنایئے جس خبیث اللسان نے آپ کی اس روایت کے رد میں سیدنا ابـو الـطـفـیـل صحابی رضی اللہ تعالی کو عیاذ باللہ تعالی مقدوح ومجروح بتایا جسے دوسرے غیر مقلد شوکانی نے نقل کیا، غیر مقلدوں کی عادت ہے کہ جب حدیث کے رد پرآتے ہیں خوف خداوشرم دنیاسب بالائے طاق رکھ جاتے ہیں، اسی ابن حزم نے باجے حلال کرنے کے لیے صحیح بخاری شریف کی صحیح ومتصل حدیث کو بزعم تعلیق رد کیا جس کا بیان امام نووی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے شرح صحیح مسلم شریف میں فرمایا''۔ (فتاوی رضویہ مترجم ۵/۲۰۶، رسالہ حاجز البحرین)

اسی پیشوائے غیر مقلد نے کتاب الفصل في الملل والأهواء والنحل ۲/۱۸۳ میں کہا:

''وکذلک من سأل هل الله تعالی قادرعلی أن یتخذ ولدا فالجواب أنه تعالی قادرعلی ذلک، وقد نص عزوجل علی ذلک في القراٰن قال الله تعالی :'' ولوأراد الله أن یتخذ ولدا لاصطفیٰ ممایخلق مایشاء'' وکذلک قال تعالی: ''لوأردناأن نتخذلهوا لاتخذناه من لدنا إن کنا فاعلین''

کوئی شخص یہ پوچھے کہ کیا اللہ تعالی ولد اختیار کرنے پر قادر ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ: اللہ تعالی اس پر قادر ہے، قرآن پاک

ہے اوراسی طرح انبیاے کرام علیہم السلام کے آثار میں سے کسی اثر یا بیت المقدس پیدل یا سوار ہوکر جانے یا وہاں اعتکاف وقیام کی نذر مانی تو بھی ایفائے نذر لازم ہے''۔

میں اللہ عزوجل نے اس کی تصریح فرمادی ہے جیسا کہ فرمایا: اللہ اپنے لیے بچہ بناتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا چن لیتا، اور اگر ہم کوئی بہلاوا اختیار کرنا چاہتے تو اپنے پاس سے اختیار کرتے اگر ہمیں کرنا ہوتا۔

سیف اللہ المسلول حضرت علامہ شاہ فضل رسول عثمانی قادری بدایونی قدس سرہ العزیز نے **المعتقد المنتقد** میں فرمایا:

اہل بدعت میں سے بعض اشقیا نے اس عقیدہ سے اندھے پن کے سبب اس کی تنقیص کی تو ابن حزم سے نقل کیا کہ اس نے ''الملل والنحل'' میں کہا کہ اللہ تعالی اس پر قادر ہے کہ اپنے لیے اولاد بنائے اس لیے کہ اگر قادر نہ ہو تو ضرور عاجز ہوگا، تو اس بدعتی کا اندھا پن دیکھو اسے وہ کچھ کیوں کر نہ سوجھا جو اس قول شنیع پر لازم آتا ہے یعنی وہ لوازم جن کی طرف وہم کو راہ نہیں، **اوراس کے ذہن سے یہ کیسے جاتا رہا کہ عجز تو صرف اس صورت میں ہے جب قصور جانب قدرت سے ہو، اوراگر یہ عجز اس وجہ سے ہو کہ ان امور سے قدرت کا تعلق صحیح نہیں تو کسی عاقل کو یہ وہم نہ ہوگا کہ یہ عجز ہے۔**

علامہ نابلسی کی مطالب وفیہ میں ہے:

'' اس مقام پر ابن حزم سے ہذیان صادر ہوا جس کا بطلان ظاہر ہے اس کے لیے اس میں کوئی راہ نما ورئیس نہیں مگر شیخ ضلالت ابلیس، اوراسی میں ہے مختصر یہ کہ تقدیر فاسد بڑے گھال میل تک پہنچاتی ہے جس کے ساتھ نہ کچھ ایمان باقی رہتا ہے، نہ ہی معقولات میں سے اصلا کچھ رہ جاتا ہے اوراہل بدعت میں سے بعض ناسمجھوں پر یہ معنی پوشیدہ ہونے کی وجہ سے انھوں نے اس عقیدہ کے مناقض تصریح کی تو ابن حزم سے حکایت کی کہ اس نے ''ملل ونحل'' میں کہا کہ: اللہ تبارک وتعالی اپنے لیے بیٹا بنانے پر قادر ہے، اس لیے کہ اگر اس پر قادر نہ ہو تو ضرور عاجز ہوگا، اب اس بدعتی کی خبط الحواسی دیکھو کہ وہ ان لوازم سے کیسے غافل رہا جو اس کے مقالہ شنیعہ سے لازم آتے ہیں جن کی گنجائش کسی وہم میں نہیں، **اوراس کے خیال سے یہ کیسے دور ہوگیا کہ عجز تو جبھی ہے کہ قصور قدرت کی جانب سے آتا مگر جب کہ قصور اس وجہ سے ہو کہ محال اس کے قابل نہیں کہ قدرت الہیہ اس سے متعلق ہو تو کوئی عاقل یہ وہم نہ کرے گا کہ یہ عجز ہے''**۔ المعتقد المنتقد ص۱۲۹-۱۳۱، ترجمہ از تاج الشریعہ۔

نیز فرمایا:

''اوراس میں سوائے ابن حزم کے کسی نے اختلاف نہ کیا کہ وہی حضور ﷺ کے استخفاف کے مرتکب کے عدم کفر کا قائل

اوراسی کتاب مذکور(۱۸/۸) میں یہ بھی کہا:

''کسی نے مدینہ منورہ پیادہ یا سوار ہو کر جانے، یا وہاں قیام کرنے کی نذر مانی تو اس پر ایفائے نذر لازم ہے اوراسی طرح انبیاے کرام علیہم السلام کے آثار میں سے کسی اثر یا بیت المقدس پیدل یا سوار ہو کر جانے یا وہاں اعتکاف وقیام کی نذر مانی تو بھی ایفائے نذر لازم ہے''۔

حافظ ابن عبدالبر نے التمہید (۲۲۸/۶) میں کہا:

''وہاں ان مقامات کی برکت حاصل کی جائے جہاں رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا فرمائی، اور اپنے پائے اقدس رکھے اور قیام فرمایا''۔

امام نووی رحمہ اللہ تعالی نے اپنی شرح صحیح مسلم (۱۶۱/۵) میں فرمایا:

''اورانہیں میں سے یہ امور ہیں: صالحین اوران کے آثار سے برکت حاصل کرنا، ان مقامات پر نماز ادا کرنا جہاں انھوں نے نماز ادا کی، ان حضرات سے برکت حاصل کرنا، فاضل کا مفضول کی زیارت کرنا، اس کی فضیلت میں شریک ہونا، اور عذر کے سبب جماعت کا ساقط ہونا''۔

اوراسی شرح صحیح مسلم (۱۷۸/۱۳) میں اس پیالہ کے متعلق جس میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے دہن اقدس سے نوش فرمایا، یہ ارشاد فرمایا: سہل نے ہمارے لیے وہ پیالہ نکالا ہم نے اس سے پیا پھر سیدنا عمر بن

ہے، اوراس مسئلہ میں کسی نے اس کی پیروی نہ کی اوراس کا اعتبار نہیں اورابن حزم نے اس قول سے حضور اقدس ﷺ کی شان میں تنقیص کرنے والے کی تکفیر میں اختلاف کی طرف جو اشارہ کیا وہ مردود ہے یوں ہی خفاجی نے شرح شفا میں فرمایا''۔(المعتقد المنتقد ص۳۰۱و۳۰۲)

اس غیر مقلد لامذہب کی ضلالت وگمراہی دیکھنے کے لیے فتاوی رضویہ رسالہ سبحان السبوح، اورالرفع والتکمیل مطالعہ کریں مجھے عرض یہ کرنا ہے کہ ہم ابن حزم کی عبارت بطور تایید نہیں بلکہ غیر مقلدین زمانہ کے خلاف بطور حجت پیش کرتے ہیں کہ غیر مقلدین زمانہ جس کے نقش پا پر چلتے ہیں ان کا قائد وراہ نما ایسا کہہ رہا ہے وہ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں کافر، مشرک، مبتدع یا اور کچھ؟ ﴿مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ﴾ (مترجم)

عبدالعزیز نے بطور ہبہ اس پیالہ کو طلب فرمایا تو آپ کو وہ کاسۂ مبارک ہبہ کر دیا گیا، اس سے صاف ظاہر ہے کہ نبی پاک ﷺ کے آثار و تبرکات، آپ سے وابستہ، آپ کی مس فرمودہ، آپ کی پہنی ہوئی چیزوں سے برکت حاصل کرنا جائز ہے۔ان چیزوں کے جائز ہونے پر ساری امت کا اجماع اور سلف وخلف کا اتفاق ہے۔یعنی روضۂ اقدس کے پاس رسول اللہ ﷺ کے مقامات نماز پر نماز کی برکت حاصل کرنا اور رسول پاک جس غار میں تشریف لے گئے وہاں جا کر اس مقام کی برکت حاصل کرنا وغیرہ جائز ومشروع ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری (۵۲۲/۱) میں فرمایا:

> ’’اس سے یہ معلوم ہوا کہ نبی پاک ﷺ نے جن مقامات پر نماز ادا فرمائی، یا اپنے قدم پاک رکھے ان سے برکت حاصل کرنا جائز ہے، اور اس سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو اور برکت کے لیے صالحین کو پکارا جائے اس لیے کہ وہ پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتے ہیں اور اس کی درخواست قبول فرماتے ہیں۔اور یہ بھی احتمال ہے کہ عتبان نے نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کو صرف اس لیے پکارا ہو تا کہ قبلہ کی صحیح سمت معلوم ہو‘‘۔

(۵) صرف سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ ہی نبی پاک کے آثار و مقامات کے عاشق و دیوانہ نہ تھے، بلکہ عبدالرحمٰن بن صفوان بھی شمع نبوت کے ان پروانوں میں سے ہیں جو نبی پاک ﷺ کے نقش پا پر پروانہ وار نثار ہوئے، فتح مکہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب مکہ فتح فرمایا تو میں نے اپنے کپڑے بدلے کیوں کہ میرا گھر راستہ ہی میں تھا، نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام مسجد حرام شریف سے باہر تشریف لائے تو میں (عبدالرحمٰن بن صفوان) نے صحابہ سے پوچھا: حضور اقدس سید عالم ﷺ نے کہاں نماز ادا فرمائی؟ ایک شخص نے کہا: ’’بیچ والے ستون کے پاس داہنی طرف دو رکعت نماز ادا فرمائی ہے‘‘۔

ہیثمی نے مجمع الزوائد (۲۹۵/۳) میں کہا: بزار نے اسے روایت کیا، اور اس میں یہ حدیث بھی مروی ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی۔اس حدیث کے رجال صحیح کے

رجال ہیں۔

مسند امام احمد (۷۵/۲) میں عبداللہ ابن ابوملیکہ سے مروی ہے کہ معاویہ مکہ تشریف لائے تو کعبہ مقدسہ میں داخل ہوئے اور آپ نے سیدنا عبداللہ بن عمر کی خدمت میں ایک شخص کو اس لیے بھیجا تا کہ وہ آپ سے یہ دریافت کریں کہ رسول اللہ ﷺ نے کہاں نماز ادا فرمائی تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''دونوں ستونوں کے درمیان دروازہ کے سامنے'' اتنے میں ابن زبیر آئے اور دروازہ کو خوب زور سے ہلانے لگے تو اسے کھول دیا گیا، آپ نے آ کر معاویہ سے کہا: سنئے آپ کو یقین سے یہ معلوم تھا کہ میں بھی جانتا ہوں جیسا کہ عبداللہ بن عمر جانتے تھے لیکن آپ نے مجھ سے حسد کیا (اور مجھ سے نہ پوچھا)۔

(۶) تابعین کرام کے اعمال وافعال:

عبدالصمد علی بن عبداللہ بن حبر امت حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے دوسری صدی میں اس بیر کے درخت کے پاس ایک مسجد تعمیر فرمائی۔

طبری نے اپنی تفسیر (۲۳/۱۱)، ابن عبدالبر نے التمہید (۶۵/۱۳) اور صاحب معجم البلدان نے معجم البلدان (۲۱۰/۳) میں ذکر کیا۔ عز مجد الاسلام میں ہے کہ کسی نے اس تعمیر پر اعتراض نہ کیا بلکہ اس کو برقرار رکھا، جس سے ثابت ہوا کہ اس پر سلف صالح کا اجماع ہے۔

ابن تیمیہ کے ریزہ خوار مجھے بتائیں کیا ان کے پاس اس کے خلاف کوئی روشن دلیل ہے؟

(۹۵)ابن تیمیہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما اور نبی پاک ﷺ کی امت کے کسی عالم کے لیے یہ پسند نہیں کرتا کہ رسول اللہ ﷺ کے آثار کا قصد کریں، بلکہ ان پر تشبہ بالیہود کی تہمت لگاتا ہے

ابن تیمیہ نے اپنے مجموع الفتاوی (۲۸۰/۱) میں کہا:

''اسی طرح ابن عمر اس تلاش میں رہتے کہ ان مقامات پر جائیں اور اتریں جہاں نبی پاک ﷺ تشریف لے گئے اور نزول فرمایا، اور سفر میں وہاں وضو فرماتے جہاں آپ کو وضو کرتے دیکھا، اور اپنے وضو کا بچا ہوا پانی اس درخت پر ڈالتے جس درخت پر نبی پاک ﷺ نے اپنے وضو کا پانی ڈالا، اور اس طرح کی دیگر چیزیں جنہیں علما کی ایک جماعت نے مستحب قرار دیا، اور جمہور علما نے اسے مستحب قرار نہ دیا جیسا کہ اکابر صحابہ مثلا ابوبکر، عمر، عثمان، علی، ابن مسعود اور معاذ ابن جبل وغیرہم کہ ان حضرات صحابہ نے اسے نہ مستحب ٹھہرایا، اور نہ ہی ابن عمر کی طرح عمل کیا، اگر یہ حضرات اسے مستحب جانتے تو ضرور ابن عمر جیسا عمل کرتے جیسا کہ یہ حضرات حضور کی اتباع واقتدا کا قصد فرماتے''۔

ابن تیمیہ نے اپنے مجموع الفتاوی (۲۸۱/۱) میں مزید کہا:

''اس جگہ کو نماز کے لیے خاص کر لینا اہل کتاب کی ان بدعات سے ہے جن کے سبب وہ ہلاک ہوئے، اور مسلمانوں کو اس بارے میں ان کی مشابہت سے روکا گیا، اس لیے کہ ایسا کرنے والا بظاہر نبی کی مشابہت اختیار کرتا ہے لیکن اس کا دلی مقصود یہود ونصاری کی مشابہت اختیار کرنا ہے''۔

میں کہتا ہوں:

خدا کی قسم! ابن تیمیہ جھوٹا ہے، ابن تیمیہ کے تمام کفش برداروں کو میرا چیلنج ہے کہ وہ جمہور علما کے اقوال

پیش کریں، ابن تیمیہ کا یہ مکمل جھوٹا دعوی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما جو کرتے تھے جمہور علما نے اسے مستحب نہ کہا، کیا ابن تیمیہ اس گمان میں ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم نبی پاک ﷺ کے آثار تلاش نہ فرماتے۔

ذرا دیکھیں! ان حضرات کا یہ حال تھا کہ آپ کے موئے مبارک شریف(1) پر دل وجان سے ٹوٹ پڑتے، آپ جس مقام پر اپنی انگشت مبارک رکھ دیتے صحابہ اس کے آثار تلاش کرتے، جابر بن سمرہ سے مروی

---

(1) بخاری نے روایت کیا کہ ابن سیرین نے فرمایا: میں نے عبیدہ سے کہا کہ: ہمارے پاس نبی ﷺ کا ایک موئے مبارک ہے جو ہمیں حضرت انس یا ان کے گھر والوں سے دستیاب ہوا ہے عبیدہ نے فرمایا کہ: میرے پاس نبی پاک ﷺ کا ایک موئے مبارک ہونا میرے نزدیک دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالی عنہ کی ٹوپی میں نبی پاک ﷺ کے چند موہائے مبارک تھے، ضائع ہونے کے اندیشے سے وہ ان کی نگہداشت فرماتے اور برکت کے لیے ان کا پورا اہتمام کرتے۔

حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہما کے پاس نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا ایک جبہ تھا جسے مریضوں کے لیے دھوتیں اور اس کا دھوون مریضوں کو پلاتیں جس سے انھیں شفا ملتی۔

حضرت ام عمارہ کے پاس نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے چند موہائے مبارک تھے وہ انھیں دھلتیں اور ان کا غسالہ بیماروں کو پلاتیں بیمار شفایاب ہوتے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے ترکہ کی بعض چیزیں موجود تھیں ان میں دو موزے، ایک خم دار چادر اور ترکش وغیرہ تھے وہ پورے اہتمام کے ساتھ ان کی نگہداشت فرماتے اور روزانہ ایک بار ان کی زیارت کرتے اور جب کوئی مقتدر شخص ان کی خدمت میں آتا تو آپ اس کو وہاں لے جاتے جہاں یہ تبرکات تھے اور یہ فرماتے یہ اس ذات پاک کی میراث ہے جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے تمہیں عزت وتکریم سے نوازا ہے۔ (شیخ دہلوی)

حضرت کبشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور لٹکی ہوئی مشک کے منھ سے کھڑے ہو کر پانی پیا میں مشک کے منھ کی طرف بڑھی اور اس کا منھ کاٹ لیا۔

محدثین نے اس کی شرح میں فرمایا کہ: کبشہ کے منھ کاٹنے کا مقصد یہ تھا کہ اس سے برکت حاصل کریں اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا دہن مبارک اس حصہ سے لگا تھا۔

ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جب کھانا پیش کیا جاتا آپ اس سے تناول فرماتے اور بچا ہوا کھانا ابوایوب کے پاس بھیج دیتے، ابوایوب اپنی انگلیاں اسی مقام پر رکھتے جہاں رسول اللہ ﷺ کی مقدس انگلیوں کے نشانات دیکھتے، ایک بار نبی پاک کی خدمت میں ایک پیالہ پیش کیا گیا، آپ نے اس میں لہسن کی بو محسوس فرمائی اس لیے اسے تناول نہ فرمایا اور ابوایوب کے پاس واپس بھیج دیا، جب ابوایوب نے پیالہ دیکھا تو نبی پاک ﷺ کی مبارک انگلیوں کے نشانات اس میں نظر نہ آئے، تو آپ نے بھی اسے تناول نہ فرمایا۔ اور حضور اقدس کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے پیالہ میں آپ کے انگشتان اقدس کے نشانات نظر نہ آئے، آپ نے فرمایا "إني وجدت منها ريح ثوم" "مجھے اس پیالہ سے لہسن کی بو محسوس ہوئی" انھوں نے عرض کیا: آپ میرے پاس وہ کھانا بھیجتے ہیں جسے آپ خود تناول نہیں فرماتے، آپ نے فرمایا: "إني ياتيني الملك" "بے شک میرے پاس فرشتہ آتا ہے"۔

ہیثمی نے مجمع الزوائد (۲۶۵/۸) میں کہا: اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا، اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ میں کہتا ہوں: اس حدیث کو امام احمد (۹۴/۵)، ابوعوانہ (۱۹۹/۵)، ابن حبان (۵۱۰/۱۱)، طبرانی نے

مکہ مکرمہ کی گلی زقاق الحجر میں ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ تعالی عنہا کے مکان کے راستے میں ایک پتھر واقع ہے جو ایک دیوار میں لگا ہوا ہے لوگ اس کی زیارت کرتے اور اس کے چھونے سے برکت حاصل کرتے ہیں۔ ابن حجر مکی ہیثمی نے فرمایا کہ: اہل مکہ سے بہ تسلسل یہ منقول ہے کہ یہ وہ پتھر ہے جو نبوت سے قبل نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی خدمت میں سلام پیش کرتا تھا اس پتھر پر یہ دو اشعار لکھے ہوئے ہیں:

أنا الحجر المسلّم كل حين — على خير الورىٰ فلي البشارة

ونلت فضيلة من ذى المعالي — خُصصت بها وإني من حجارة

یعنی میں وہ پتھر ہوں جو ہر وقت خیرالوریٰ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کرتا رہتا ہوں اس وجہ سے میرے لیے مژدہ ہے۔

اور میں نے بلندیوں والے نبی سے ایسی فضیلت پائی ہے جو صرف میرا حصہ ہے حالاں کہ میں ایک پتھر ہوں۔

(نور الایمان بزیارۃ آثار حبیب الرحمٰن ﷺ از مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی قدس سرہ (م ۱۲۸۵)) (مترجم)

کبیر (۲/۲۱۷)، اور حاکم نے مستدرک (۳/۵۲۱) میں روایت کیا۔ اور ہم انشاء اللہ حضور اقدس سید عالم ﷺ سے اکتساب برکت کے سلسلے میں ایک مستقل کتاب شائع کریں گے تا کہ بدمذہب جہلا کا بلیغ رد ہو جائے۔

ہم گزشتہ سطور میں واضح کر چکے کہ ابن تیمیہ کی یہ بات بے دلیل ہے کہ کبار صحابہ عبداللہ بن عمر کے فعل پر عمل پیرا نہ تھے، بلکہ اس کے خلاف دلیل شاہد ہے، اللہ عزوجل نے اسے اس پر مطلع نہ فرمایا اور ہر انسان کو اختیار ہے جو جی میں آئے بکے، ابن تیمیہ پر لازم ہے کہ عبداللہ بن عمر کے مخالفین کے اقوال پیش کرے (گزشتہ اوراق مطالعہ کریں)

اب ان علماے امت کو ملاحظہ فرمائیں جنھوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما پر زندیقیت اور نفاق کی تہمت نہ لگائی بلکہ ان کی تعریف وتوصیف کی، ابن تیمیہ آپ پر یہ تہمت لگاتا ہے کہ آپ کا عمل بظاہر نبی پاک کے عمل جیسا ہے اور آپ کا دلی مقصود یہود ونصاری کے افعال جیسا کرنا ہے۔ (معاذ اللہ تعالیٰ)

ابن عبد البر نے التمهيد (۵/۱۱۹) میں کہا:

''نافع نے فرمایا: میں نے ابن عمر کو دیکھا جب اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر شہدا کی قبروں کی طرف جاتے تو اونٹنی کو عجب طرح سے واپس لاتے، آپ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس راستہ میں اپنی اونٹنی پر دیکھا تو شاید میرا موزہ آپ کے موزہ سے لگ جاتا جس کے سبب آپ اسی طرح واپس آئے، میں اسی کی یادگار میں اس طرح آتا ہوں۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ آپ کا یہ عمل رسول اللہ ﷺ کی کمال اقتدا اور غایت اتباع میں تھا۔

ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۳۱/۱۶۵) میں روایت کیا:

مالک بن انس نے فرمایا: عمر کے بعد ہم سب کے امام زید بن ثابت تھے اور زید کے بعد لوگوں کے امام عبداللہ بن عمر تھے۔

اور امام نووی نے تهـذيـب الأسمـاء (۱/۲۶۲) میں عبداللہ بن عمر کے حالات میں فرمایا: آپ رسول اللہ ﷺ کے آثار کی سخت اتباع فرماتے، آپ کے مناقب کافی معروف ومشہور ہیں، بلکہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع

کے سلسلے میں آپ کی نظیر بہت ہی کم ہے، آپ ہر ہر چیز میں رسول اللہ ﷺ کی اتباع فرماتے، آپ اقوال وافعال، اور دنیا اوراس کے مقاصد اور ریاست وغیرہ سے بے رغبتی میں رسول اللہ ﷺ کے روشن آئینہ دار تھے، آپ نے رسول اللہ ﷺ سے ایک ہزار چھ سوتیس (۱۶۳۰) حدیثیں روایت کیں جن میں سے ایک سوستر (۱۷۰) احادیث پر بخاری ومسلم کا اتفاق ہے، اورامام بخاری نے اکیاسی (۸۱)، اورامام مسلم نے اکتیس (۳۱) حدیثیں منفرد اروایت کیں، ہم تک زہری کا یہ قول پہنچا کہ زہری نے فرمایا: میری رائے ابن عمر کی رائے کے برابر نہیں کیوں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے بعد ساٹھ سال تک بقید حیات رہے، اس لیے آپ پر نہ حضور کا کوئی معاملہ پوشیدہ رہا اور نہ ہی صحابہ کا، اورامام مالک نے فرمایا: ابن عمر ساٹھ سال تک مقیم رہے، آپ کے پاس لوگوں کے وفد آتے، اورامام بخاری سے "بخاری کتاب رفع الیدین في الصلاۃ" میں مروی ہے کہ جابر بن عبداللہ نے فرمایا: صحابہ میں کوئی ایسا نہ تھا جو ابن عمر سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کا التزام اوراس کی اتباع کرتا۔

ذہبی نے سیر أعلام النبلاء (۲۳۷/۳-۲۳۸) میں ذکر کیا: ابن حزم نے کتاب الاحکام میں اٹھائیسویں باب میں کہا: صحابہ میں یہ حضرات سب سے زیادہ صاحب فتوی تھے: عمر، آپ کے بیٹے عبداللہ، علی، عائشہ، ابن مسعود، ابن عباس اور زید بن ثابت، یہ سات حضرات صرف ایسے ہیں جن میں سے ہر ایک کے فتاوی جمع کیے جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے، اورابوبکر محمد بن موسی بن یعقوب بن امیر المومنین مامون نے ابن عباس کے فتاوی بیس جلدوں میں جمع کیے، یہ ابوبکر ائمہ اسلام میں سے ایک عظیم امام ہیں۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے التہذیب (۲۸۸/۵) میں ذکر کیا: حفصہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا: "إن عبد الله رجل صالح" "بے شک عبداللہ ایک نیک آدمی ہیں" اور جابر نے فرمایا: ابن عمر کے سوا ہم میں سے کوئی شخص ایسا نہ تھا جس نے دنیا حاصل کیا مگر دنیا نے اسے مائل کرلیا، اوراس نے دنیا کو مائل کرلیا، اور سعید بن مسیّب نے ان کی وفات کے روز فرمایا: روئے زمین پر آپ سے زیادہ محبوب میری نظروں میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جس نے آپ کے عمل کے برابر عمل لے کر اپنے رب سے ملاقات کی ہو، اور زہری نے فرمایا: ہم کسی رائے کو آپ کی رائے کے برابر نہیں ٹھہراتے، اور مالک نے فرمایا: آپ ساٹھ سال تک مسند

آ رائے افتار ہے، اورزبیر نے کہا: آپ نے دس سال کی عمر میں ہجرت فرمائی، اوررجاء بن حیوہ نے فرمایا: جس وقت ہمارے پاس ابن عمر کے وصال کی خبر آئی، ہم ابن محیریز کی مجلس میں تھے تو ابن محیریز نے کہا: خدا کی قسم! میں ابن عمر کا وجود زمین والوں کے لیے باعث امان شمار کرتا تھا۔آپ کے مناقب وفضائل بہت زیادہ ہیں۔میں کہتا ہوں: ابن یونس نے کہا: آپ مصر کی فتح میں شریک رہے، اورحافظ ابونعیم نے کہا: ابن عمر کو جہاد، عبادت، آخرت کی معرفت اور ایثار کی قوت عطا کی گئی، آپ نبی پاک ﷺ کے آثار پر مضبوطی سے قائم تھے۔اھ

ہم اخیر میں ابن تیمیہ کے احباب اور مدح خوانوں کو ابن تیمیہ کی بعض گمراہیاں بطور تحفہ پیش کررہے ہیں، اوراس کی ان گمراہیوں کے بارے میں ہم ان کے سامنے اس بات پر ایک دلیل پیش کریں گے کہ اس کی عقل میں کچھ ہے، جیسا کہ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں کہا، اورجیسا کہ صلاح صفدی نے کہا: اس کا علم حددرجہ وسیع ہے، مگراس کی عقل ناقص ہے جو اسے ورطۂ ہلاکت اور تنگ مقامات میں ڈھکیل دیتی۔

(۹۶) غار حرا میں رسول اللہ ﷺ کے سوا کون عبادت کرتا تھا؟

ابن تیمیہ کو کچھ معلوم بھی ہے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے؟ وہ نبی پاک ﷺ کے آثار کو مٹانا چاہتا ہے یہاں تک کہ غار حرا جسے قرآن اور نزول وحی کا شرف حاصل ہے وہ بھی ابن تیمیہ کی دریدہ ذہنی سے نہ بچ سکا۔

ابن تیمیہ نے اقتضاء الصراط (۴۳۹/۱) میں کہا:

"مسلمانوں کے دین کی اصل اور بنیاد یہ ہے کہ مخصوص مسجدوں کو چھوڑ کر کوئی بھی جگہ قصد عبادت کے لیے خاص نہیں، مشرکین اور اہل کتاب مسجدوں کے علاوہ بعض مقامات کو تعظیم عبادت کے لیے خاص کر لیا کرتے تھے جیسا کہ دور جاہلیت میں حراء، اور اس طرح کے دیگر مقامات کی تعظیم کرتے، اسلام نے آنے کے بعد ان ساری چیزوں کو یکسر مٹایا، ان کا خاتمہ کیا اور انہیں منسوخ فرمایا"۔ الخ

میں کہتا ہوں:

کیا رسول اللہ ﷺ انہیں چیزوں کی تعظیم فرماتے تھے جن کی مشرکین تعظیم کیا کرتے تھے؟

کیا غار حرا میں رسول اللہ ﷺ کے سوا اور کوئی عبادت کرتا تھا، یا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مشرکین بھی اس غار میں عبادت کرتے تھے؟

پھر مشرکین کیوں حرا کی تعظیم کرتے؟ صرف اس وجہ سے کہ انھوں نے اہل کتاب سے یہ سن رکھا تھا کہ عنقریب اس غار میں ایک عظیم معاملہ ہوگا، یہاں تک کہ جس شخص نے یہ کہا کہ عبدالمطلب غار حرا میں خلوت نشین ہوتے تھے تو اس نے یہ کہا: یہ ان باقی امور میں سے ہے جس پر لوگ پہلے قائم تھے گویا یہ شریعت کے ان باقی امور سے ہے جسے لوگ اس سے پہلے اعتکاف کے طریقہ پر کیا کرتے تھے، یہ گزر چکا کہ آپ جس زمانہ میں خلوت نشیں ہوتے تھے وہ رمضان کا مہینہ ہوتا تھا، اور قریش اسے اسی طریقہ پر کرتے تھے جیسا کہ وہ عاشورا کا روزہ رکھتے تھے۔ (فتح الباری ۳۵۵/۱۲)

کیا جبریل نبی پاک ﷺ کے پاس مقامات مقدسہ کے علاوہ ایسی سرزمین پر آئے جہاں عموما لوگ شرک کیا کرتے تھے؟ رسول اللہ ﷺ نے تو یہ فرمایا: ''أحد جبل یحبنا ونحبہ'' احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں، تو کیا آپ غار حرا کو ناپسند فرمائیں گے جب کہ وہاں آپ پر قرآن نازل ہوا؟

ہم قارئین کرام سے گزارش کریں گے کہ امام نووی کے گزشتہ اقوال یاد کریں یہ امام نووی وہ ہیں جن کی امامت پر سب کا اتفاق ہے۔ آپ زندیقیت، نبی پاک ﷺ اور آپ کے اہل بیت اطہار کی بارگاہ کی اہانت، اور کج عقیدگی کی تہمت سے پاک ہیں۔ آپ نے فرمایا: تمام لوگوں کا اس پر اجماع اور سلف وخلف کا اس پر اتفاق ہے کہ روضۂ شریفہ میں رسول اللہ ﷺ نے جہاں نماز ادا فرمائی وہاں نماز کی برکت حاصل کی جائے، اور رسول اللہ ﷺ جس غار میں تشریف لے گئے وہاں حاضری دی جائے اور اس کے علاوہ بہت سے امور کیے جائیں۔

ابن جزی غرناطی مالکی کی القوانین الفقھیة (۶۹۳-۷۴۱)(۹۶/۱) میں ہے:

''اکتساب برکت کے لیے جن مقامات کا قصد کرنا چاہئے ان میں اسماعیل علیہ السلام، اور آپ کی والدہ ہاجرہ کی قبر ہے، ان دونوں کی قبر حجر اسود کے پاس ہے، اور آدم علیہ السلام کی قبر جو جبل ابوقبیس پر ہے اس کا قصد کیا جائے، اور جس غار کا قرآن میں ذکر ہے، یہ جبل ابوثور پر ہے اور وہ غار جو کوہ حرا میں ہے جہاں رسول اللہ ﷺ پر سب سے پہلے وحی نازل ہوئی، اور مکہ ومدینہ منورہ میں جن صحابہ وتابعین اور ائمہ کی قبریں ہیں ان سب کی زیارت کرنی چاہئے''۔ الخ

نبی پاک ﷺ کی زوجۂ طاہرہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے پاس سب سے پہلے جو وحی آئی وہ نیند میں سچا خواب تھا، آپ جب بھی کوئی خواب دیکھتے تو صبح کی پو پھٹنے کی طرح ظاہر ونمودار ہوتی، پھر خلوت آپ کی محبوب بن گئی، آپ اپنے اہل کے پاس واپس تشریف لانے سے پہلے غار حرا میں تنہا کئی راتیں عبادت فرماتے، وہاں اپنے ساتھ توشہ لے جاتے، پھر آپ خدیجہ کے پاس تشریف لاتے، وہ اسی طرح آپ کے لیے توشہ تیار کر دیتیں، آپ اسی طرح مسلسل مصروف عبادت رہے، یہاں تک کہ غار حرا میں اچانک

آپ کے پاس حق (وحی) آ گیا۔[1]

ابن تیمیہ نے اپنے مجموعۂ فتاوی (۲۷/۲۵۱) میں کہا:

''جب غار حراوہی ہے جہاں اہل مکہ عبادت کے لیے جاتے، اور کہا جاتا ہے کہ انہیں یہ طریقہ عبادت عبدالمطلب نے دکھلایا، نبوت سے پہلے نبی پاک وہاں عبادت کرتے، وہیں سب سے پہلے آپ پر وحی نازل ہوئی، لیکن جس وقت آپ پر وحی نازل ہوئی اس کے بعد آپ وہاں تشریف نہ لے گئے، آپ اور آپ کے اصحاب نے پھر وہاں قربت وعبادت نہ کی، نبوت کے بعد دس سال[2] سے زائد مکہ میں آپ کا قیام رہا مگر آپ اور آپ پر ایمان لانے والے صحابہ وہاں زیارت کے لیے تشریف نہ لے گئے، اور ہجرت کے بعد حدیبیہ کے عمرہ کے موقعہ پر، اور فتح مکہ کے سال آپ بار بار مکہ تشریف لائے، اور تقریباً آپ نے بیس دن وہاں قیام بھی فرمایا، اسی طرح عمرۃ جعرانہ کے موقعہ پر بھی تشریف لائے مگر نہ غار حرا گئے اور نہ اس کی زیارت کی''۔

میں کہتا ہوں:

کیا ابن تیمیہ رسول اللہ ﷺ کی نگرانی کرر ہا تھا کہ اسے یہ معلوم ہے کہ آپ غار حرا تشریف نہ لے گئے؟ یا ابن تیمیہ کے پاس وحی آئی کہ وہ ایسی خبریں دے رہا ہے، یا قرآن وسنت سے کوئی دلیل اس کے پاس ہے کہ یہ افادہ کرر ہا ہے کہ نبی پاک ﷺ اور آپ کے اصحاب غار حرا تشریف نہ لے گئے؟

اور[3] اس کی باقی باتوں کا جواب ہم نہ دیں گے، اس کی تحقیق کا حال آپ پر اچھی طرح روشن ہو چکا، وہ عوام کو فریب دینے، اور اپنے دام تزویر میں لانے کے لیے کیسی کیسی باتیں کرتا ہے۔

---

(۱) حضرت عائشہ کی اس حدیث کو بخاری (۱/۴) اور مسلم (۱/۱۳۹، ۱۴۰) نے تخریج کی۔

(۲) اعلان نبوت ۴۰/سال کی عمر میں فرمایا اور ہجرت ۵۳/سال کی عمر میں. اس طرح دس سال سے زیادہ ہو گیا۔

(۳) میں کہتا ہوں کہ: دنیا میں روزانہ ہزاروں بلکہ لاکھوں واقعات ہوتے ہیں کیا سب لکھا جاتا ہے؟ سنو! عدم ذکر ذکر عدم نہیں

آپ پر یہ بھی آشکارا ہو چکا کہ علمائے ربانیین نے کیوں اس کے زندیق ہونے کا حکم صادر فرمایا؛ ان حضرات کے اس حکم کی بنیاد اس پر ہے کہ اس کے کلام سے نبی پاک ﷺ کی بارگاہ کی گستاخی کا ایہام ہوتا ہے۔

ہے۔ کسی بات کے منقول نہ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ حرام وممنوع ہے، پھر رسول اللہ ﷺ کے حراء کے زیارت نہ کرنے سے یہ استدلال کیوں کر تام ہوسکتا ہے جب کہ ہم نے ماسبق میں موسی علیہ السلام، عمر، ابن عمر، صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین کے حوالہ جات اور خود ذات کریم علیہ السلام کے ارشادات سے واضح کر دیا کہ زیارتِ مقاماتِ مقدسہ نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے۔ (مترجم)

خاتمہ

ہم نے بعض مسائل روشن کر دیے اور ابن تیمیہ نے جن مسائل کے بارے میں یہ دعوی کیا کہ ان پر ساری امت کا اتفاق ہے، ہم نے اس کی بھی حقیقت روشن کر دی، بفضل اللہ تعالی ابن تیمیہ کے سارے حامیوں کو ہمارا چیلنج ہے کہ وہ اس کے دعوی کے مطابق اس کا ثبوت ان حضرات کی کتابوں سے پیش کریں جن کی پیدائش اور ان کا وصال ابن تیمیہ سے پہلے ہے۔

ابن تیمیہ کے بعض دعوے:

(۱) اس نے اپنے مجموعۂ فتاوی (۱/۱۵۹) میں کہا:

''بعض لوگ اللہ عزوجل کے ارشاد: '' ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوٓا أَنفُسَهُمْ جَآءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾ [النساء-۴: ۶۴] کی تاویل میں یہ کہتے ہیں کہ: آپ کے وصال کے بعد جب ہم آپ سے استغفار کریں گے تو یہ استغفار ان صحابہ کے استغفار جیسا ہوگا جنھوں نے آپ سے آپ کی حیات میں استغفار کیا، ان لوگوں نے اس تاویل میں صحابہ وتابعین اور تمام مسلمانوں کی مخالفت کی ہے، کیوں کہ ان میں سے کسی نے نبی کے وصال کے بعد ان کی شفاعت طلب نہ کی، اور نہ ہی آپ سے کسی چیز کا سوال کیا، اور نہ ہی ائمہ مسلمین میں سے کسی نے اپنی کتاب میں اسے ذکر کیا''۔

(۲) اس شخص نے قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ تعالی کے کذب کا دعوی کیا اس لیے کہ آپ نے فرمایا کہ: اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ نبی پاک کے روضۂ اقدس کی زمین تمام روئے زمین سے افضل ہے۔ اس نے مجموع الفتاوی (۲۷/۳۸) میں کہا: ''قاضی عیاض کے سوا کسی نے یہ اعتقاد نہ کیا کہ خاک قبر کعبہ سے افضل ہے، ان سے پہلے کسی نے نہ ایسا کہا، اور نہ ہی اس پر کسی نے ان کی موافقت کی''۔

اس شخص نے قاضی عیاض کے کلام میں تحریف کی اس لیے کہ ان کے کلام میں "موضع القبر" (جائے قبر) ہے اور اس نے "تراب القبر" (خاک قبر) لکھا۔

(۳) ابن تیمیہ نے اپنے مجموعۂ فتاوی (۲۴۳/۲۷) میں کہا: تیسرے یہ کہ اگر ہمارے نبی کی قبر کی زیارت دوسری قبروں کی زیارت کی طرح ہو تو اہل مدینہ منورہ اس کے زیادہ مستحق تھے، جیسا کہ ہر شہر کے لوگ اپنے شہر کے صالحین کی زیارت کے زیادہ مستحق ہیں، تو جب سلف اور ائمہ دین اس پر متفق ہیں کہ آپ کے شہر والوں نے آپ کی قبر کی زیارت نہ کی، اور نہ ہی مسجد میں آنے جانے کے وقت سلام کے لیے آپ کے پاس کھڑے ہوئے اگر چہ اس کا نام زیارت نہیں، بلکہ غیر سفر کے وقت ان کے لیے یہ بھی مکروہ ہے جیسا کہ مالک نے ذکر کیا اور یہ بیان کیا کہ: "یہ ان بدعات میں سے ہے جنہیں اس امت کے اگلے لوگ نہ کرتے تھے" اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص دوسروں کی قبروں کی زیارت کی طرح آپ کی قبر کی زیارت کو مشروع کہے وہ اجماع مسلمین کا مخالف ہے"۔ الخ

(۴) اور اس نے یہ بھی کہا: "تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ صاحب قبر سے سوال کرے کہ وہ اللہ سے اس کے لیے سوال کریں، یہ بھی بہ اتفاق ائمہ مسلمین بدعت ہے، اللہ نے یوسف کے بھائیوں کے بارے میں یہ خبر دی کہ وہ ان کے سجدے میں گر پڑے اور ایسے ہی ان کے والدین ان کے لیے سجدہ ریز ہو گئے، یہ سجدہ ہمارے لیے مشروع نہیں، اس لیے کسی کو کسی کا سجدہ کرنا جائز نہیں۔

اور اس نے اپنے مجموعۂ فتاوی (۳۲۷/۲۴) میں کہا: "زیارت بدعت: یہ مشرکین کی زیارت ہے جو ان نصاری کی زیارت کی طرح ہے جن کا مقصود مردہ کو پکارنا، اس سے مدد مانگنا، اور اس کے پاس حاجتیں طلب کرنا ہے، یہ لوگ اس کی قبر کے پاس نماز پڑھتے، اور اس سے دعا کرتے ہیں، اس طرح کے امور نہ کسی صحابی نے کیے، اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ نے ان کا حکم فرمایا، اور نہ امت کے سلف اور ان کے ائمہ نے اسے مستحب کہا"۔

(۵) اس نے مجموع الفتاوی (۲۸۳/۸) میں کہا: جس نے یہ کہا کہ نبی ﷺ وحی آنے سے پہلے نبی تھے وہ بہ

اتفاق مسلمین کا فرہے''۔(۱)

(٦) فتاوی کبری (۳۷۳/۸) میں کہا: ''اسی طرح اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ ہمارے نبی ﷺ ، اور خلیل کا حجرہ ، اوران دونوں کے علاوہ جہاں کہیں کوئی نبی یا مرد صالح مدفون ہیں ان کی قبروں کا بوسہ لینا، اورانھیں چھونا مستحب نہیں، بلکہ اس سے نہی وارد ہے''۔(۲)

اوراس نے مجموع الفتاوی (۲۲۳/۲۷) میں یہ بھی کہا:

''سارے ائمہ اس پر متفق ہیں کہ نبی پاک ﷺ کی قبر نہ چھوئے ، اور نہ اسے بوسہ دے، یہ ساری چیزیں توحید کی حفاظت کے لیے ہیں''۔

اور ''زیارۃ القبور'' (۵۴/۱) میں کہا: ''قبر کے چھونے ،اسے بوسہ دینے ،اوراس پر رخسار رکھنے کے احکام : کسی قبر کا چھونا،اسے بوسہ دینا،اوراس پر رخسار کو رکھنا بہ اتفاق مسلمین ممنوع ہے، اگر چہ انبیا ہی کی قبریں ہوں،امت کے سلف اوران کے ائمہ نے ایسا نہ فرمایا بلکہ یہ شرک ہے''۔

(۷) ابن تیمیہ نے اپنے فتاوی کبری (۴۴۲/۴) میں کہا:

''ابراہیم حربی نے کہا: معروف کی قبر آزمودہ تریاق ہے'' ابن تیمیہ نے اپنی مشہور عادت کے مطابق ابراہیم حربی کے اس قول پر اعتراض کیا، اور یہ کہا: ''یہ بالاتفاق بدعت ہے، قربت نہیں''۔الخ

(۸) الرد علی البکري (۱۴٦/۱) میں کہا: ''تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ یہ گمان کیا جائے کہ آپ کی قبر کے پاس دعا مقبول و مستجاب ہے، یا وہاں دعا کرنا مسجدوں اور مکانوں میں دعا کرنے سے افضل ہے، تو اس نیت سے آپ کی زیارت کا قصد کرنے ، آپ کی قبر کے پاس نماز پڑھنے ، یا آپ سے اپنی حاجتیں طلب کرنے کے لیے آپ کی قبر کی زیارت کو جانا یہ ساری چیزیں بدعات منکرہ (ناپسندیدہ بدعات) سے ہیں، جس پر تمام

(۱) اس کا رد ما سبق میں گزر چکا ہے۔

(۲) ابن تیمیہ حنبلی ہونے کا مدعی تھا اور خود اس کے امام احمد بن حنبل نے قبر انور اور منبر منور کو چومنے کی اجازت دی ہے جیسا کہ گزر چکا۔ (مترجم)

ائمہ مسلمین کا اتفاق ہے اس لیے ایسا کرنا حرام ہے۔(۱)

یہ ساری چیزیں بہ اتفاق ائمہ مسلمین بدعات منکرہ (ناپسندیدہ بدعات) سے ہیں جو حرام ہیں، میرے علم میں ائمہ دین کا اس میں کوئی اختلاف ونزاع نہیں''۔

(۹) تیسرا دعوی یہ ہے کہ امام مالک جو عظیم ترین امام ہیں انھوں نے نبی اکرم ﷺ کے مواجہہ اقدس میں دعا کرنا مکروہ فرمایا، جیسا کہ ابن تیمیہ نے مجموع الفتاوی (۱۴۵/۲۶-۱۴۷) میں کہا:

''حجرہ کے پاس آپ کے روبرو دعا نہ کرے کیوں کہ بہ اتفاق ائمہ ایسا کرنا مکروہ ہے، مالک جو عظیم ترین ائمہ سے ہیں انھوں نے اس کو مکروہ کہا، اور امام مالک کے بارے میں جو یہ حکایت بیان کی جاتی ہے کہ آپ نے منصور کو یہ حکم دیا کہ دعا کے وقت حجرہ کی طرف رخ رکھیں، یہ مالک پر جھوٹ باندھنا ہے''۔(۲)

(۱۰) ابن تیمیہ نے اقتضاء الصراط (۴۳۹/۱) میں کہا:

''اس سے زیادہ تعجب خیز یہ ہے کہ آپ کی مسجد تعمیر ہونے سے پہلے مدینہ منورہ میں آپ سے کہا گیا: یہاں اتر کر نماز ادا کریں، حالاں کہ وہاں صرف مشرکین کی قبریں تھیں، نبی ﷺ ہجرت کے بعد وہاں صرف اس لیے اترے کہ آپ کی اونٹنی اس جگہ بیٹھ گئی، یہ ساری چیزیں بہ اتفاق اہل معرفت اختراعی جھوٹ ہیں، بیت لحم نصاری کے کلیساؤں میں سے ایک کلیسا ہے، مسلمانوں کے نزدیک وہاں آنا کوئی فضیلت نہیں چاہے وہ عیسی علیہ السلام کی جائے ولادت ہو یا نہ ہو''۔

(۱۱) اس نے اپنی کتاب منہاج (۵۵/۷) میں اسی مفہوم کو تاکید کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے اس طرح کہا:

''پانچویں وجہ: حدیث کی معرفت رکھنے والے اس پر متفق ہیں کہ یہ جھوٹ ہے کہ حضور نے ان کلمات کے

(۱) ولو أنهم إذ ظلموا أنفسهم الآية یہ وصال وحیات دونوں کو عام ہے، مفسرین نے یہی فرمایا، جلالین کے حاشیہ میں مذکور واقعہ اس کی تصدیق کرتا ہے۔

(۲) من عقائد اہل السنۃ میں یہ روایت ہے ابن تیمیہ کا یہ قول باطل ہے جس کی تفصیل گزر چکی۔ (مترجم)

ساتھ یہ دعا کی: "**اللھم وال من والاہ، وعاد من عاداہ، وانصر من نصرہ، واخذل من خذلہ**" یعنی اے اللہ! تو اسے دوست رکھ جو علی کو دوست رکھے، اور اس کو دشمن رکھ جو علی سے دشمنی رکھے، اور اس کی مدد فرما جو علی کی مدد کرے، اور اس کی مدد چھوڑ جو علی کی مدد چھوڑ دے"۔

(۱۲) حدیث میں ہے: "**إن فاطمة أحصنت فرجها فحرم الله ذريتها على النار**" کہ "فاطمہ نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت فرمائی تو اللہ نے ان کی نسل پر جہنم کی آگ حرام فرمادی" ابن تیمیہ نے اپنی منہاج (۶۲/۴) میں اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: 'حدیث کی معرفت رکھنے والے اس بات پر متفق ہیں کہ یہ جھوٹ ہے"۔

آخری پیغام

اس کتاب کے اختتام پر میں اللہ عزوجل کی حمد کرتا ہوں کہ اس کی توفیق اور مدد سے میری یہ کتاب مکمل ہوگئی، میں اس سے اپنی بخشش اور عفو ودرگزر کا سوال کرتا ہوں اگر رسول اللہ ﷺ کی حمایت ودفاع کے مقام پر آپ کی شان اقدس میں حد ادب سے آگے بڑھوں، اور میرے وہ احباب بھی مجھے معاف فرمائیں جو حضور اقدس کی شان میں ''قبر'' کا لفظ استعمال کرنے کے بجائے ''مرقد'' یا اس سے بھی زیادہ ادب کے کلمات استعمال کرتے ہیں، میں نے ازراہ ادب ''قبر'' کا لفظ اس لیے استعمال کیا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون** '' یعنی انبیا اپنی قبروں میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں، اور آپ نے فرمایا: ''**مررت علی موسی لیلة أسري بي عندالكثيب الأحمر وهوقائم یصلي في قبره**'' معراج کی رات جب میں سرخ تودۂ ریگ کے پاس موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزرا تو آپ اپنی قبر میں کھڑے ہوکر نماز ادا کر رہے تھے''۔

میں قارئین کرام سے امید کرتا ہوں کہ گزشتہ اوراق کے مطالعہ سے ان پر یہ حقیقت واضح ہوگئی ہوگی کہ میرا مطمح نظر اس کے سوا کچھ نہیں کہ امت مسلمہ نبی پاک ﷺ کی بارگاہ کی طرف رجوع کرے، آپ کی تعظیم وتوقیر بجالائے، اور اپنی زندگی کے ہر دشوار گزار مقام پر آپ کو اپنی جائے پناہ اور فریادرس جانے۔

وصل اللهم علی سیدنا محمد وعلی اله وسلم تسلیما کثیرا کثیرا

ماخذ ومراجع

١- أحكام القرآن للجصاص، دار إحياء التراث (بيروت).

٢- أحكام القرآن للشافعي، دار الكتب العلمية (بيروت).

٣- أحكام القرآن للشافعي، دار الكتب العلمية (بيروت).

٤- إحياء علوم الدين.

٥- أخبار الغساني، دار البشائر.

٦- أخبار مكة للفاكهي ، دار خضر (بيروت).

٧- أخضر المختصرات لابن بليان ،دار البشائر الإسلامية.

٨- إصلاح غلط المحدثين، دار المأمون للتراث (دمشق).

٩- إصلاحات القاموس للهوريني .

١٠- إعانة الطالبين للسيد البكرى، دار الفكر (بيروت).

١١- إعلام الموقعين لابن القيم، دار الجبل (بيروت).

١٢- أمراض القلوب لابن القيم، المطبعة السلفية (القاهرة).

١٣- إنجيل برنابة، دار البشير (القاهرة).

١٥- إيقاظ الهمم شرح الحكم لابن عجيبه.

١٦- اتفاق الأئمة لابن هبيرة، دار الحرمين.

١٧- اجتماع الجيوش الإسلامية، دار الكتب العلمية (بيروت).

١٨- اعتقاد أهل السنة للالكائي، دار طيبة (رياض).

١٩- اقتضاء الصراط لابن تيمية، مطبعة السنة المحمدية.

٢٠- أقرب المسالک للدريری.

٢١- الإتقان في علوم القرآن.

٢٢- الأجوبة المرضية عن الأسئلة المكية (مخطوط)، المكتبة الظاهرية (دمشق).

٢٣- الآحاد و المثاني لابن أبی عاصم، دار الراية (رياض).

٢٤- الأحكام لعبد الحق الأشبيلي، مكتبة الرشد (الرياض).

٢٥- الأذكار للنووی .

٢٦- الأربعون حديثاً لابن عساكر، مكتبة القرآن (القاهرة).

٢٧- الإرشاد لأبي يعلی، مكتبة الرشد (الرياض).

٢٨- الإصابة لابن حجر، دار الجليل (بيروت).

٢٩- الإصابة للحافظ، دار الجليل (بيروت).

٣٠- الأعلام العلية لابن عبد الهادي، المكتبة الإسلامية (بيروت).

٣١- الأغاني للأصفهاني، دار الفكر،دار الجليل.

٣٢- الإقناع للشربيني، دار الفكر (بيروت).

٣٣- الإكمال لابن ماكولا، دار الكتب العلمية (بيروت).

٣٤- الإكمال للحسيني، جامعة الدراسات الإسلامية (كراتشي).

٣٥- الأم للشافعي، دار المعارفة (بيروت).

٣٦- الإنصاف للمرداوي، دار إحياء التراث (كراتشي).

٣٧- الأوسط للطبراني، دار الحرمين (العراق).

٣٨- الإستذكار لابن عبد البر، مؤسسة الرسالة (بيروت).

٣٩- الإستقصاء لأخبار دول المغرب ، دار الكتاب،الدار البيضة الأقصى للناجري.

٤٠- الإستيعاب لابن عبد البر، دار الجليل (بيروت).

٤١- الإعتقاد للبيهقى، دار الآفاق الجديدة (بيروت).

٤٢- الإكتفاء لما تضمن من مغازي رسول اللهﷺ، عالم الكتب (بيروت).

٤٣- البحر الرائق شرح كنز الدقائق لابن نجيم دار المعرفة(بيروت).

٤٤- البداية و النهاية لابن كثير، مكتبة المعارف.

٤٥- البدر الطالع للشوكانى، دار المعرفة(بيروت).

٤٦- التاريخ الكبير للبخاري، دار الفكر(بيروت).

٤٧- التجريد الصريح لأحاديث الجامع الصحيح.

٤٨- التجريد للمحامل منقول عن السبكي.

٤٩- التحفة اللطيفة في تاريخ المدينة الشريفة، دار الكتب العلمية (بيروت).

٥٠- التدوين فيأخبار قزوين، دار الكتب العلمية(بيروت).

٥١- الترغيب و التهذيب للمنذري، دار الكتب العلمية(بيروت).

٥٢- التعجيل المنفعة لابن حجر، دار الكتاب العربي.

٥٣- التعديل و التجريح لابي وليد الباجي، دار اللواء للنشروالتوزيع.

٥٤- التعرف لمذهب أهل التصوف، دار الكتب العلمية(بيروت).

٥٥- التقييد للحافظ ابن نقطة البغدادي، دار الكتب العلمية(بيروت).

٥٦- التكملة لكتاب الصلة، دار الجليل(بيروت).

٥٧- التلخيص للذهبي على مستدرک الحاكم، دار الكتب العلمية(بيروت).

٥٨- التمهيد لابن عبد البر، وزارة عموم الأوقاف والشئون الإسلامية المغرب.

٥٩- التوقيف على مهمات التعريف، دار الفكر(دمشق).

٦٠- الثقات لابن حبان، دار الفكر(دمشق).

٦١- الجامع الصغير للسيوطي، دار طائر العلم(جدة).

٦٢- الجامع الصغير محمد ابن الحسن، عالم الكتب(بيروت).

٦٣- الجامع لأخلاق الراوي و السامع، مكتبة المعارف(الرياض).

٦٤- الجامع لمعمر ابن راشد، المكتب الإسلامي(بيروت).

٦٥- الجرح و التعديل، دار إحياء التراث(بيروت).

٦٦- الجواب الصحيح لابن تيمية، دار العاصمة(الرياض).

٦٧- الجوهر المنظم لابن حجر الهيتمي، دار الجوامع الكلم (القاهرة).

٦٨- الحاوي للفتاوى، دار الفكر(بيروت).

٦٩- الحلة السيراء، دار المعارف(القاهرة).

٧٠- الخصائص الكبرى للسيوطي، دار الكتب العلمية (بيروت).

٧١- الدر الثمين والمورد المعين لابن ميارة.

٧٢- الدر المختار، دار الفكر(بيروت).

٧٣- الدر المنثور للسيوطي، دار الفكر(بيروت).

٧٤- الدراية لابن حجر، دار المعرفة(بيروت).

٧٥- الدرر الكامنة، دار المعرفة(بيروت).

٧٦- الديباج المذهب لابن فرحون، دار الكتب العلمية(بيروت).

٧٧- الديباج للسيوطي، دار ابن عفان،الخبر بالسعودية.

۷۸- الذخيرة للشهاب القرافي، دار الغرب الإسلامي(بيروت).

۷۹- الذرية الطاهرة للدولابي، دار السلفية(كويت).

۸۰- الرد المحكم للغماري، مكتبة القاهرة.

۸۱- الرد على البكري لابن تيمية، مكتبة الغرباء الأثرية (المدينةالمنورة).

۸۲- الرفع و التكميل فيالجرح و التعديل، مكتبة المطبوعات الإسلامية (حلب).

۸۳- الروح لابن القيم، دار الكتب العلمية(بيروت).

۸۴- الروض الأنف للسهيلي، دار الكتب العلمية(بيروت).

۸۵- الرياض النضرة، دار الغرب الإسلامي(بيروت).

۸۶- الزهد لابن أبيعاصم، دار الريان للتراث(القاهرة).

۸۷- الزهد لابن المبارك، دار الكتب العلمية(بيروت).

۸۸- الزهد لهناد ، دار الخلفاء للكتاب الإسلامي، الكويت.

۸۹- السبكي في شفاء السقام، دار جوامع الكلم(القاهرة).

۹۰- السنة لابن أبي عاصم، المكتب الإسلامي(بيروت).

۹۱- السنة للخلال، دار الراية الرياض.

۹۲- السنن الكبرى للنسائي، دار الكتب العلمية(بيروت).

۹۳- السيرة الحلبية، دار المعرفة(بيروت).

۹۴- السيرة النبوية لابن هشام، دار الجليل(بيروت).

۹۵- السيف الصقيل، مكتبة زهران(القاهرة).

۹۶- الشرح الكبير على متن خليل للخرشي.

۹۷- الشفاء للقاضي عياض، مكتبة مصطفى البابى الحلبى، القاهرة .

۹۸- الشقاق النعمانية طاش الكبرى زادة، دارالكتاب العربي (بيروت).

۹۹- الصفدية.

۱۰۰- الصلات و البشر للفيروزابادى.

۱۰۱- الصواعق المرسلة لابن القيم، دار العاصمة(الرياض).

۱۰۲- الطبقات الكبرى لابن سعد، دار صادر(بيروت).

۱۰۳- الطبقات لابن الخياط، دار طيبة(الرياض).

۱۰۴- العظمة لأبي الشيخ، دار العاصمة(الرياض).

۱۰۵- العقودالدرية لابن عبد الهادي، دار الكتاب العربي(بيروت).

۱۰۶- العقيدة الأصفهانية، مكتبة الرشد(الرياض).

۱۰۷- الغنية للجيلاني.

۱۰۸- الفردوس لابن لبيد.

۱۰۹- الفردوس للديلمي، دار الكتب العلمية (بيروت).

۱۱۰- الفروع لابن المفلح، دار الكتب العلمية(بيروت).

۱۱۱- الفصل في الملل و الأهواء ، مكتبة الخانجي (القاهرة) والنحل لابن حزم.

۱۱۲- الفصول في اختصار سيرة الرسول ﷺ لابن كثير،مؤسسة علوم القرآن، دارالقلم (بيروت).

۱۱۳- الفواكه الدوانيللنفراوي، دار الفكر(بيروت).

۱۱۴- الفيض القدير للمناوي، المكتبة التجارية الكبرى(مصر).

۱۱۵- القوانين الفقهية لابن جزي.

١١٦- الكاشف للذهبي، دار القبلة للثقافة الإسلامية (جدة).

١١٧- الكافي للمقدسي، المكتب الإسلامي (بيروت).

١١٨- الكامل لابن الأثير، دار الكتب العلمية (بيروت).

١١٩- الكامل لابن عدي، دار الفكر (بيروت).

١٢٠- الكشف الحثيث الطرابلسي بن العجمي، عالم الكتب، مكتبة النهضة العلمية.

١٢١- الكفاية للخطيب، المكتبة العلمية (المدينة المنورة).

١٢٢- الكواكب النيرات، دار العلم (الكويت).

١٢٣- المبدع لابن مفلح، المكتب الإسلامي (بيروت).

١٢٤- المبسوط للسرخسي، دار المعارف (بيروت).

١٢٥- المبسوط للشيباني، إدارة القرآن و العلوم الإسلامية (كراتشي).

١٢٦- المجتبى للنسائي، مكتبة المطبوعات الإسلامية.

١٢٧- المجموع للنووي، دار الفكر (بيروت).

١٢٨- المحدث الفاصل للرامهرمزي، دار الفكر (بيروت).

١٢٩- المحرر في الفقه، مكتبة المعارف (الرياض).

١٣٠- المحلي لابن حزم، دار الآفاق الجديدة (بيروت).

١٣١- المختارة للضياء المقدسي، مكتبة النهضة الحديثة (مكة المكرمة).

١٣٢- المختصر للخرقي، المكتب الإسلامي (بيروت).

١٣٣- المدخل لابن الحاج.

١٣٤- المدخل للسنن الكبرى للبيهقي، دار الخلفاء للكتاب الإسلامي (بيروت).

۱۳۵- المدونة الكبرى لابن سحنون، دار صادر(بيروت).

۱۳۶- المرشد المعين لابن عاشر.

۱۳۷- المستطرف للابشيهي، دار الكتب العلمية (بيروت).

۱۳۸- المستوعب للسمري نقلا عن السبكي في شفاء السقام.

۱۳۹- المصباح المنير، المكتبة العلمية (بيروت).

۱۴۰- المعجم الصغير للطبراني، الطبعة الاولى، المكتب الإسلامي.

۱۴۱- المعجم الكبير للطبراني، طبعة ثانية ،مكتبة العلوم و الحكم.

۱۴۲- المغني لابن قدامة، دار الفكر (بيروت).

۱۴۳- المقصد الأرشد في ذكر أصحاب الإمام أحمد، مكتبة الرشد (الرياض).

۱۴۴- المنتظم لابن الجوزي، دار صادر (بيروت).

۱۴۵- المنتقي لابن الجارود، مؤسسة الكتاب الثقافية (بيروت).

۱۴۶- المنفردات و الوحدان، دار الكتب العلمية (بيروت).

۱۴۷- المنقذ من الضلال للغزالي.

۱۴۸- المهذب لابي إسحاق الشيرازي، دار الفكر (بيروت).

۱۴۹- الموافقات للشاطبي، دار المعرفة (بيروت).

۱۵۰- المواهب اللدنية للقسطلاني.

۱۵۱- النجوم الزاهرة لابن تغرى برى، المؤسسة المصرية العامة (مصر).

۱۵۲- النور السافر، دار الكتب العلمية (بيروت).

۱۵۳- الوافي للوفيات، النشرات الإسلامية.

۱۵۴- بدائع الفوائد، مكتبة نزارمصطفى الباز، مكة المكرمة.

١٥٥- بغية الطلب في تاريخ حلب، دار الفكر (بيروت).

١٥٦- بيان تلبيس الجهنية لابن تيمية، مطبعة الحكومة (مكة المكرمة).

١٥٧- تاريخ البصروى، دار المأمون للتراث (دمشق).

١٥٨- تاريخ بغداد للخطيب، دار الكتب العلمية (بيروت).

١٥٩- تاريخ جرجان السهمي، عالم الكتب (بيروت).

١٦٠- تاريخ دمشق لابن عساكر، دار الفكر (بيروت).

١٦١- تاريخ واسط، دار الكتب (بيروت).

١٦٢- تحفة الصديق لأبي قاسم ابن بلبان، مكتبة دار التراث (دمشق).

١٦٣- تحفة المحتاج لابن الملقن، دار حراء (مكة المكرمة).

١٦٤- تذكرة ابن عقيل، المكتبة الظاهرية.

١٦٥- تذكرة الحفاظ للسيوطي.

١٦٦- تذكرة الحفاظ للقيسراني، دار السميعي (الرياض).

١٦٧- تفسير أبي السعود، دار إحياء التراث.

١٦٨- تفسير البغوي، دار المعرفة.

١٦٩- تفسير البيضاوي، دار الفكر.

١٧٠- تفسير الثعالبي، مؤسسة الأعلمي للمطبوعات.

١٧١- تفسير الجلالين للسيوطي، دار الحديث (القاهرة).

١٧٢- تفسير السيوطي.

١٧٣- تفسير الطبري، دار الفكر.

١٧٤- تفسير القرآن العظيم لابن كثير، دار الفكر.

١٧٥- تفسير القرطبي، دار الشعب.

١٧٦- تفسير النسفي.

١٧٧- تفسير الواحدي، دار القلم، الدار الشامية.

١٧٨- تقريب التهذيب، دار الرشيد (سوريا).

١٧٩- تلخيص الحبير لابن حجر، مدينة النشر (المدينة المنورة).

١٨٠- تهذيب الأسماء للنووي، دار الفكر.

١٨١- تهذيب الآثار لأبى جعفر الطبري، دار المدني (جدة).

١٨٢- تهذيب التهذيب لابن حجر، دار الفكر.

١٨٣- تهذيب الكمال للحافظ المزي، مؤسسة الرسائل (بيروت).

١٨٤- جامع العلوم و الحكم لابن رجب الحنبلي، دار المعرفة والحكمة.

١٨٥- جزء الأصبهاني، دار العاصمة (الرياض).

١٨٦- جزء نافع، دار الصحابة للتراث (طنطا مصر).

١٨٧- جمع المسائل في شرح الشمائل للملا على قارى، دار الأقصى.

١٨٨- حاشية ابن القيم، دار الكتب العلمية (بيروت).

١٨٩- حاشية ابن عابدين، دار الفكر (بيروت).

١٩٠- حاشية طحطاوي على مراقي الفلاح، مكتبة ألبابي الحلبي (مصر).

١٩١- حلية الأولياء لأبي نعيم، دار الكتاب العربي (بيروت).

١٩٢- حواشى الشرواني، دار الفكر (بيروت).

١٩٣- خزانة الأدب لابن حجة الحموي، دار مكتبة الهلال (بيروت).

١٩٤- خلاصة الأثر للمحبي.

١٩٥- خلاصة البدر المنير، مكتبة الرشد (الرياض).
١٩٦- خلاصة الوفا للسمهودي.
١٩٧- درء التعارض، دار الكنوز الأدبية (الرياض).
١٩٨- دفع الشبه للحصني، المكتبة الأزهرية للتراث (مصر).
١٩٩- دقائق التفسير لابن تيمية، مؤسسة علوم القرآن .
٢٠٠- دلائل النبوة للبيهقي(للفريابي)، دار حراء(مكة المكرمة).
٢٠١- دليل الطالب، المكتب الإسلامي (بيروت).
٢٠٢- ذخائر العقبي للمحب الطبري، دار الكتب المصرية (مصر).
٢٠٣- ذخائر القصر (مخطوط).
٢٠٤- ذيل التقليد، دار الكتب العلمية (بيروت).
٢٠٥- ذيل تذكرة الحفاظ، دار الكتب العلمية (بيروت).
٢٠٦- رحلة ابن بطوطة، مؤسسة الرسالة (بيروت).
٢٠٧- رحلة ابن جبير، دار الكتاب البناني، دار الكتاب، المصري.
٢٠٨- روح المعاني للألوسي، دار إحياء التراث العربي.
٢٠٩- زاد المستقنع، مكتبة النهضة الحديثة (مكة المكرمة)
٢١٠- زاد المسير لابن الجوزي، المكتب الإسلامي، بيروت.
٢١١- زاد الميعاد، مؤسسة الرسالة،مكتبة المنار الإسلامية ،(بيروت والكويت).
٢١٢- زوائد الهيثمي للحارث، مركز خدمة السنة و السيرة النبوية (المدينة المنورة).
٢١٣- سؤلات البرقاني للدار قطني، كتب خانه الجيلي (باكستان).

۲۱۴- سبل السلام، دار إحياء التراث العربي (بيروت).
۲۱۵- سبل الهدى و الرشاد للصالحي، المجلس الأعلى للشئون الإسلامية.
۲۱۶- سفر نامه للناصر خسرو، دار الكتاب الجديد (بيروت).
۲۱۷- سلک الدرر للمراضی، دار البشائر الإسلامية (بيروت).
۲۱۸- سنن أبئ داؤد، دار الفكر.
۲۱۹- سنن ابن ماجه، دار الفكر.
۲۲۰- سنن الترمذي، دار إحياء التراث العربي.
۲۲۱- سنن الدار قطني، دار المعرفة.
۲۲۲- سنن الدارمي ، دار الكتاب العربي.
۲۲۳- سنن النسأى الصغرى، مكتبة المطبوعات الإسلامية.
۲۲۴- سياست نامة لنظام الملک الطوسي، دار الثقافة (قطر).
۲۲۵- سير أعلام النبلاء للذهبي، مؤسسة الرسالة(بيروت).
۲۲۶- شذرات الذهب، دار الكتب العلمية (بيروت).
۲۲۷- شرح الأذكار لابن علان، دار إحياء التراث العربي.
۲۲۸- شرح العلامة الزرقاني على المواهب اللدنية.
۲۲۹- شرح المقاصد.
۲۳۰- شرح زبد ابن رسلان للرملي، دار المعرفة (بيروت).
۲۳۱- شرح صحيح مسلم للنووي، دار إحياء التراث العربي.
۲۳۲- شرح فتح القدير للكمال بن الهمام، دار الفكر(بيروت).
۲۳۳- شرح معاني الآثار للطحاوي، دار الكتب العلمية (بيروت).

۲۳۴- شرف النبوة لأبي سعد.
۲۳۵- شعب الإيمان للبيهقي، دار الكتب العلمية (بيروت).
۲۳۶- شفاء السقام في زيارة خير الأنام لابن المواز.
۲۳۷- شفاء السقام للسبكي.
۲۳۸- شفاء العليل لابن القيم، دار الفكر (بيروت).
۲۳۹- شواهد الحق للنبهاني، مكتبة البابي الحلبي (مصر).
۲۴۰- صبح الأعشى للقلقشندى، دار الفكر (دمشق).
۲۴۱- صحيح ابن حبان، مؤسسة الرسالة.
۲۴۲- صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي (بيروت).
۲۴۳- صحيح البخاري للكلاباذي، دار المعرفة (بيروت).
۲۴۴- صحيح البخاري، دار ابن كثير (اليمامة).
۲۴۵- صحيح مسلم، دار إحياء التراث العربي.
۲۴۶- صفوة الصفوة لابن الجوزي، دار المعرفة.
۲۴۸- ضعيف الألباني، مكتبة المعارف (الرياض).
۲۴۹- طبقات ابن سعد، مكتبة العلوم و الحكم (المدينةالمنورة).
۲۵۰- طبقات الحنابلة، دار المعرفة (بيروت).
۲۵۱- طبقات الحنفية ، (كراتشي).
۲۵۲- طبقات الشافعية الكبرى للسبكي، هجر للطباعة و النشر والتوزيع والإعلان (الجيزة).
۲۵۳- طبقات الشافعية لابن قاضي شهبه، عالم الكتب (بيروت).

۲۵۴- طبقات المحدثين بأصبهان، مؤسسة الرسالة (بيروت).

۲۵۵- طبقات المدلسين لابن حجر، مكتبة المنار (عمان).

۲۵۶- طبقات صلحاء اليمن للبريهي، مكتبة الإرشاد (صنعاء).

۲۵۷- طريق الهجرتين لابن القيم، دار ابن القيم (الدمام).

۲۵۸- عجائب الآثار للجبرتی، دار الجليل (بيروت).

۲۵۹- عدة الحصن الحصين.

۲۶۰- علوم الحديث لابن الصلاح، دار الفكر (بيروت).

۲۶۱- عمدة الفقه لابن قدامة، مكتبة الطرفين (الطائف).

۲۶۲- عمل اليوم و الليلة للحافظ السني، دار الجليل (بيروت).

۲۶۳- عمل اليوم و الليلة للنسائي، مؤسسة الرسالة (بيروت).

۲۶۴- غاية السول في خصائص الرسول لابن الملقن، دار البشائر الإسلامية.

۲۶۵- فتح الباري في شرح صحيح البخاري‌لابن حجر، دار المعرفة (بيروت).

۲۶۶- فتح القدير للشوكاني، دار الفكر (بيروت).

۲۶۷- فتح القريب المجيب فی شرح الفاظ التقريب.

۲۶۸- فتح المغيث شرح ألفية الحديث، مكتبة السنة (مصر).

۲۶۹- فتح الوهاب لزكريا الأنصاري، دار الكتب العلمية (بيروت).

۲۷۰- فتوح الشام، دار الجيل (بيروت).

۲۷۱- فضائل فاطمة لابن شاهين.

۲۷۲- فوائد تمام.

۲۷۳- فيض القدير، المكتبة التجارية الكبرى (مصر).

۲۷۴- قاعدة في المحبة لابن تيمية، مكتبة التراث الإسلامي (القاهره).

۲۷۵- قانون التأويل لابن عربي المالكى.

۲۷۶- قرى الضيف، أضواء السلف (الرياض).

۲۷۷- قواعد الأحكام في مصالح الأنام، دار الكتب العلمية (بيروت).

۲۷۸- قواعد الفقه، الصدف بشرز (كراتشي).

۲۷۹- كتاب الآثار، دار الكتب العلمية (بيروت).

۲۸۰- كتاب الروضتين في أخبار الدولتين النورية، مؤسسة الرسالة (بيروت).

۲۸۱- كتاب الصمت ، دار الكتاب العربي (بيروت).

۲۸۲- كشف الخفاء للعجلوني، مؤسسة الرسالة (بيروت).

۲۸۳- كشف الظنون، دار الكتب العلمية (بيروت).

۲۸۴- كشف القناع للبهوتي، دار الفكر (بيروت).

۲۸۵- كفاية الطالب لابن حسن المالكي، دار الفكر (بيروت).

۲۸۶- لسان العرب لابن منظور، دار صادر (بيروت).

۲۸۷- لسان الميزان لابن حجر، مؤسسة الأعلمي للمطبوعات (بيروت).

۲۸۸- لسان الميزان لابن حجر، مؤسسة الأعلمي للمطبوعات (بيروت).

۲۸۹- لطائف الهمم لابن عطاء الله.

۲۹۰- مجلس إملاء فيرؤية الله تبارک و تعالى للدقاق، مكتبة الرشد (الرياض).

۲۹۱- مجمع الزوائد للهيثمي، دار الريان للتراث، دار الكتاب العربي.

۲۹۲- مجموع الفتاوى لابن تيمية .

۲۹۳- مختار الصحاح، مكتبة لبنان (ناشرون).

۲۹۴- مختصر اختلاف العلماء للجصاص، دار البشائر الإسلامية (بيروت).

۲۹۵- مختصر البخارى لابن أبي جمرة، دار الجيل (بيروت).

۲۹۶- مدارج السالكين لابن القيم، دار الكتاب العربي.

۲۹۷- مرآة الجنان، دار الكتب العلمية.

۲۹۸- مرقاة المفاتيح.

۲۹۹- مستدرک الحاكم، دار الكتب العلمية.

۳۰۰- مسند أبي عوانة(۱،۲)، دار المعرفة.

۳۰۱- مسند أبي يعلي، دار المأمون للتراث (دمشق).

۳۰۲- مسند أحمد بن حنبل، مؤسسة قرطبة (مصر).

۳۰۳- مسند إسحاق بن راهويه، مكتبة الإيمان (المدينة المنورة).

۳۰۴- مسند الإمام علي ابن موسى الرضا.

۳۰۵- مسند البزار، مؤسسة علوم القرآن (مؤسسة العلوم و الحكم).

۳۰۶- مسند الحارث، مركز خدمة السنة و السيرة النبوية (المدينة المنورة).

۳۰۷- مسند الروياني، مؤسسة قرطبة (القاهرة).

۳۰۸- مسند الشاميين للطبراني، مؤسسة الرسالة (بيروت).

۳۰۹- مسند الشهاب للقضاعي، مؤسسة الرسالة (بيروت).

۳۱۰- مسند الطيالسي، دار المعرفة (بيروت).

۳۱۱- مسند عبد بن حميد، مكتبة السنة (القاهرة).

۳۱۲- مشاهير علماء الأمصار لابن حبان، دار الكتب العلمية.

۳۱۳- مصباح الزجاجة للبوصيري، دار الكتب العلمية.

٣١٤- مصنف ابن أبي شيبة، مكتبة الرشد.

٣١٥- مصنف عبد الرزاق، المكتب الإسلامى (بيروت).

٣١٦- معانى القرآن لأبي جعفر النحاس، جامعة أم القرى(مكة المكرمة).

٣١٧- معتصر المختصر لابن المحاسن، عالم الكتب (مكتبة المتنبي)

٣١٨- معجم ابن المثنى.

٣١٨- معجم البلدان لياقوت الحموي، دار الفكر المعاصر (دار الفكر).

٣٢٠- معجم السفر، المكتبة التجارية (مكة المكرمة).

٣١٢- معجم السير للحافظ السلفي.

٣٢٢- معجم الشيوخ للصيداوي، مؤسسة الرسالة، دار الإمام (بيروت).

٣٢٣- معجم الصحابة لابن قانة، مكتبة الغرباء الأثرية (المدينة المنورة).

٣٢٤- مغني المحتاج للشربيني، دار الفكر (بيروت).

٣٢٥- مقتل الشهيد عثمان، دار الثقافة (الدوحة).

٣٢٦- منار السبيل لابن ضويان، مكتبة المعارف (الرياض).

٣٢٧- مناقب الشافعية، دار التراث (القاهرة)

٣٢٨- مواهب الجليل، دار الفكر (بيروت).

٣٢٩- مؤطا مالک، دار إحياء التراث العربي.

٣٣٠- ميزان الاعتدال للذهبي، دار الكتب العلمية (بيروت).

٣٣١- نسيم الرياض شرح شفاء القاضي عياض.

٣٣٢- نصب الراية، دار الحديث (مصر).

٣٣٣- نفح الطيب للتلمساني، دار صادر (بيروت).

۳۳۴- نقد المنقول لابن القيم، دار القادري (بيروت).
۳۳۵- نهاية الزين للجاوي، دار الفكر (بيروت).
۳۳۶- نوادر الأصول في أحاديث الرسول للحكيم الترمذي، دار الجيل (بيروت).
۳۳۷- نور الإيضاح للشرنبلالي، دار الحكمة (دمشق).
۳۳۸- نيل الأوطار للشوكاني، دار الجيل (بيروت).
۳۳۹- هداية الحيارى لابن القيم، الجامعة الإسلامية (المدينة المنورة).
۳۴۰- هدية العارفين، دارالفكر (بيروت).
۳۴۱- وسيلة الإسلام لابن الخطيب، دار الغرب الإسلامي (بيروت).
۳۴۲- وفيات الأعيان لابن خلكان، دار الثقافة (بيروت).

مصادر ومراجع مترجم

۱- کنز الایمان

۲- تفسیر خزائن العرفان

۳- صحیح بخاری شریف

۴- صحیح مسلم شریف

۵- سنن ابو داؤد

۶- مشکوٰۃ المصابیح

۷- شرح المعانی الآثار

۸- سنن دارمی

۹- دار قطنی

۱۰- صحیح ابن حبان

۱۱- المعجم الکبیر

۱۲- مسند ابو یعلی

۱۳- مسند احمد بن حنبل

۱۴- الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان

۱۵- حصن حصین

۱۶- شرح الصدور

۱۷- المواھب اللدنیہ

۱۸- فتح الباری للحافظ ابن حجر

۱۹- اشعة اللمعات

۲۰- الملفوظ

۲۱- المستند المعتمدفی بناء نجاة الابد

۲۲- الروح

۲۳- نیل الاوطار للشوکانی

۲۴- المعتقد المنتقد

۲۵- در مختار

۲۶- رد المحتار

۲۷- جامع الرموز

۲۸- خالص الاعتقاد

۲۹- جواهر اخلاطی

۳۰- مجمع الانهر

۳۱- ذخیرة العقبی

۳۲- فتح القدیر

۳۳- فتاوی عالمگیری

۳۴- الامن والعلی لناعتي المصطفی

۳۵- فتاوی امجدیه

۳۶- مرقاة المفاتیح للملا علی قاری

۳۷- لواقح الانوار فی طبقات الاخیار

۳۸- الحدیقة الندیه شرح الطریقة المحمدیه – شرح الطریقة المحمدیه للعلامه عبد

الغنی

۳۹- الاعلام بقواطع الاسلام للعلامه ابن حجر مکی

۴۰- شرح فقه اکبر للملا علی قاری

۴۱- الصارم المنکی لأبی عبد الله بن احمد بن عبد الهاد تلمیذ ابن تیمیه

۴۲- شرح حیاة الانبیاء لفرید عبدالعزیز الجندی

۴۳- سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح

۴۴- شرح مختصر الوقایه للعلامه عبد العلی

۴۵- الجوهر المنظم فی زیارة القبر النبوی المکرم

۴۶- العطایا النبویه فی الفتاوی الرضویه

۴۷- برکات الامداد لاهل الاستمداد

فہرست مضامین

صفحات	مضامین

مضامین	صفحات

مضامین	صفحات

صفحات	مضامین

مضامین	صفحات

مضامین	صفحات

مضامین	صفحات

مضامین	صفحات

مضامین	صفحات
ابن ابوفدیک	438
حافظ ابن ابوعاصم	438
امام الائمہ ابن خزیمہ	439
ابن حبان	439
امام ابراہیم حربی	441
نبی پاک ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس دعا، اور دعا کے وقت روضۂ نبوی کی طرف رخ کرنے کے متعلق امام مالک کے مذہب کی تحقیق	444
ہمارے مواخذے	445
اس کلام کا رد	449
صحابہ میں	462
سلف صالح اور ائمہ حدیث میں	463
مفسرین	463
حنفیہ	463
مالکیہ	463
شافعیہ	463
حنابلہ	464
مورخین	464
نبی پاک ﷺ کے روضۂ اطہر کی طرف رخ کر کے دعا کرنا	465

مضامین	صفحات

صفحات	مضامین

مضامین	صفحات

مضامین	صفحات

مضامین	صفحات

صفحات	مضامین

مضامین	صفحات
⊙ اللہ تعالی کے ارشاد: ﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْءَانَ وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾ کے بارے میں ائمہ مسلمین کی تفسیریں	773
⊙ اللہ عزوجل کے ارشاد: ﴿مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْإِيْمٰنُ﴾ کی تفسیر	776
⊙ اللہ تعالی کے ارشاد: ﴿مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْإِيْمٰنُ﴾ میں ایمان کے معنی کا بیان	783
⊙ اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى﴾ (اور تمہیں اپنی محبت میں خودرفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی)	786
⊙ ابن تیمیہ کے زعم میں نبوت کسبی شیٔ ہے، اللہ کی عطا نہیں	795
⊙ ابن تیمیہ کے زعم کے مطابق انبیا معصوم نہیں	797
⊙ رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں ابن تیمیہ کی اہانت آمیز باتیں	803
⊙ ابن تیمیہ نے اپنے کلام میں اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ: ''نبی پاک ﷺ تنہا مقام محمود کے مستحق نہیں''	805
⊙ ابن تیمیہ نبی پاک ﷺ کی اس خصوصیت وفضیلت کو نہیں مانتا کہ آپ کی نبوت سارے انبیا علیہم السلام کی نبوت پر مقدم ہے	806
⊙ پہلا نقطہ	823
⊙ دوسرا نقطہ	823
⊙ تیسرا نقطہ	824

مضامین	صفحات

مضامین	صفحات